قرآن کریم کی مستند عربی تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں

تفسیرِ بغوی اُردو

المعروف مَعالِمُ التَّنزِیل

از امام الکبیر محی السنۃ ابومحمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۵۱۶ھ

جلد اوّل سورۃ فاتحہ تا سورۃ النساء

خصوصیات

- قرآنی متن ترجمہ اور تفسیر جلی حروف میں
- آسان ترجمہ از حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
- فقہی احکام اور مسائل کا التزام
- مفسرین کے متعدد اقوال ایک ہی جگہ پر
- عام تفسیر کے علاوہ قرآنی الفاظ کی علیحدہ تشریح و تفسیر
- قرآنی واقعات کی متعدد روایات یکجا
- صرفی نحوی لغوی تحقیق کے ساتھ مستند تحقیقی تفسیر
- تفسیر کے مطابق قرآنی متن و ترجمہ اپنی جگہ پر
- منتخب قرآنی آیات کے فضائل و خواص

بشمول قرآنی فضائل و خواص

از امام ابومحمد عبداللہ یافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۸ھ)
وحضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ
(تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تعارف تفسیر

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
کے قلم سے

ترجمہ از
اشرفیہ مجلس علم و تحقیق

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر بغوی اردو

جلد اوّل سورۃ فاتحہ تا سورۃ النساء

تفسیر بغوی اردو

تاریخ اشاعت............ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ
ناشر..................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت............... سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان

مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار......لاہور
دارالاشاعت.......اُردو بازار..........کراچی
مکتبہ علمیہ...............اکوڑہ خٹک.......پشاور
مکتبہ رشیدیہ.......سرکی روڈ.....کوئٹہ
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی
مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD .
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

کلماتِ ناشر

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

امابعد! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قدیم مستند عربی تفسیر جو کہ تفسیر بغوی جو کہ معالم التنزیل کے نام سے مشہور ہے۔ پہلی مرتبہ اُردو زبان میں ترجمہ کے بعد پیش کی جارہی ہے۔

قرآن کریم کی خدمت جس شکل اور جس انداز میں بھی نصیب ہو جائے جہاں خوش بختی اور خوش نصیبی کی بات ہے وہاں ایک بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ چونکہ یہ عظیم و مستند تفسیر پہلی مرتبہ اُردو میں آرہی ہے اس لیے خوشی بھی دو چند ہے تو ذمہ داری کا احساس بھی دامن گیر ہے۔

تفسیر بغوی کا مفسرین اور تفاسیر میں کیا مقام ومرتبہ ہے اس کا اندازہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے تعارف وتبصرہ سے کیا جاسکتا ہے۔ آج سے تقریباً 20 سال قبل ادارہ نے اس عظیم تفسیر کا عکس لے کر پاکستان میں پہلی مرتبہ شائع کیا تو حضرت شیخ الاسلام مدظلہ نے اس کی اشاعت پر ایک گراں قدر تبصرہ ''البلاغ'' میں قلمبند فرمایا تھا۔ حضرت کا یہ تبصرہ چونکہ اس تفسیر کے تعارف اور مقام ومرتبہ کے متعلق جامع ہے اس لیے اسے شروع کتاب میں دیدیا گیا ہے جو گویا کتاب ہذا کے لیے بطور مقدمہ کے ہے۔

تفسیر ہذا میں قرآنی متن کے نیچے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا بامحاورہ سلیس ترجمہ اور تفسیر میں جگہ جگہ عنوانات و پیراگرافی کا کام بھی کیا گیا۔

تفسیر بغوی پہلی مرتبہ اُردو لباس سے آراستہ ہوکر شائع کی جارہی ہے جس سے اہل علم کے علاوہ عوام الناس بھی استفادہ کریں گے۔ ان کی ضرورت اور ذوق کے پیش نظر ہر جلد کے آخر میں قرآنی آیات کے متعلق تیر بہدف فضائل وخواص دیدیئے ہیں جو کہ آٹھویں صدی کے معروف عالم امام ابومحمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ کی معروف کتاب الدرالنظیم فی فضائل القرآن "والآیات والذکر الحکیم" اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی نایاب تفسیر "تفسیر میرٹھی" سے ماخوذ ہیں۔ یہ فضائل وخواص بتاتے ہیں کہ قرآن کریم جس طرح روحانی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح جسمانی امراض سے شفا کے لیے بھی اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قرآنی خدمت کو شرف قبول نصیب فرمائے اور ادارہ کے تحت "اشرفی مجلس علم وتحقیق" جو کہ درج ذیل اہل علم حضرات پر مشتمل ہے:

مفتی سعود کشمیری فاضل جامعہ فریدیہ اسلام آباد،

مولوی حبیب الرحمٰن فاضل جامعہ خیرالمدارس ملتان،

مولانا قاری ابوبکر صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم اسلامیہ لاہور،

مولانا فضل الرحمٰن صاحب فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان

کی اس قرآنی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان حضرات اہل علم کو بھی دین دُنیا کی فلاح وترقی سے نوازے کہ جن کی شبانہ روز کاوش کے بعد یہ علمی کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا۔

"فجزاهم الله احسن الجزاء"

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

تعارفِ تفسیر

از حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفاسیر میں معالم التنزیل (تفسیر بغوی) کا مقام وخصوصیات

آج سے 28 سال قبل جب ادارہ نے معالم التنزیل (عربی) شائع کی..........تو سیدی حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے زیرِ ادارت ماہنامہ ''البلاغ'' میں بطور تبصرہ کے ایک مختصر وجامع مضمون تحریر فرمایا تھا۔ حضرت کی یہ تحریر تفسیر بغوی کے مقام وخصوصیات کے تعارف میں آج بھی تروتازہ ہے۔ اس لئے اسے شروع تفسیر میں دیا جارہا ہے......(ناشر)

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر جو ''معالم التنزیل'' یا ''تفسیر بغوی'' کے نام سے مشہور ہے، علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ پانچویں صدی ہجری کے اواخر اور چھٹی صدی کے اوائل کے بزرگ ہیں اور انہوں نے یہ تفسیر اس غرض سے لکھی ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر میں روایت ودرایت کو جمع کرتے ہوئے ایک ایسی اوسط ضخامت کی کتاب سامنے آئے جو نہ بہت مختصر ہو، نہ بہت طویل، تفسیر سے متعلق ضروری مواد آجائے اور ان کی تفسیر کو علماء ومحققین کی نظر میں مندرجہ ذیل امتیازات حاصل ہوئے۔

❶...... یہ متوسط ضخامت کی تفسیر ہے جو قرآنِ کریم کی فہم میں بہت مدد دیتی ہے اور جس میں قرآن کریم کے مضامین تفسیری مباحث کی تفصیلات میں گم نہیں ہو پاتے۔

❷......امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ ایک جلیل القدر محدث بھی ہیں، اس لیے اس کتاب میں عموماً مستند روایات لانے کا

اہتمام موجود ہے، ضعیف اور منکر روایات اس تفسیر میں کم ہیں۔

③ ......وہ اسرائیلی روایات جن سے اکثر تفسیریں بھری ہوئی ہیں، اس کتاب میں زیادہ نہیں ہیں۔

④ ......امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے زیادہ تر زور قرآن کریم کے مضامین کی تفہیم پر دیا ہے اور نحوی اور کلامی مباحث کی تفصیلات سے گریز کیا ہے۔

اسی لیے علامہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے قرطبی، زمخشری اور بغوی رحمہم اللہ کی تفاسیر میں امام بغوی رحمہ اللہ کی تفسیر کو باقی دونوں پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا: "فأسلمها من البدعة والاحاديث الضعيفة البغوى" (فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۲، ص:۱۹۴)

یعنی ان تینوں میں بدعتی نظریات اور ضعیف احادیث سے محفوظ ترین تفسیر امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔

معالم التنزیل متعدد بار مصر سے شائع ہو چکی ہے لیکن آخر دور میں یہ خالد بن عبدالرحمٰن العک اور مروان سوار کی تحقیق و تعلیق اور مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی جو اس کتاب کا سب سے بہتر ایڈیشن ہے۔ اوّل تو اس میں پیراگرافوں اور فقروں کی تقسیم و ترقیم کا اہتمام کر کے اس سے استفادہ کو آسان بنا دیا گیا ہے، دوسرے ان دونوں نے اپنے ذیلی حواشی میں امام بغوی رحمہ اللہ کی بیان کردہ احادیث کی تخریج کا اہتمام کیا ہے۔ تیسرے بہت سی جگہوں پر مفید حواشی بھی لکھے ہیں۔ چوتھے کتاب کے شروع میں اُصولِ تفسیر اور امام بغوی رحمہ اللہ کی سوانح پر مشتمل ایک اچھا مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔

لیکن یہ نسخہ پاکستان میں دستیاب نہیں تھا، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ کے مالک مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہ نے جن کی شائع کی ہوئی مطبوعات کی تعداد ماشاء اللہ تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس نسخے کا فوٹو لے کر شائع کیا ہے۔ طباعت کا معیار بہت اچھا ہے اور اُمید ہے کہ اہل علم اس گراں قدر علمی تحفے کی پوری قدردانی کریں گے۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی جمادی الاخریٰ، ۱۴۰۸ھ)

مفسرِ قرآن

امام حسین بن مسعود بغوی رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی

اسم گرامی حافظ فقیہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی ہے۔ ان کا شمار ان علماء مفسرین میں ہوتا ہے جنہوں نے کتاب اللہ کی خدمت کی ہے۔ ان کی پیدائش "بغشور" نامی شہر میں ہوئی یا "بغ" شہر میں ہوئی۔ اسی کی طرف نسبت کر کے بغوی کہا جاتا ہے۔ یہ ھراۃ اور مرو شہر کے درمیان خراسان کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ یہاں سے بہت سارے علماء، فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے۔ ان کا نام محی السنۃ اس وجہ سے پڑ گیا کہ جو بھی مسئلہ پیش آتا تو وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر پیش کرتے، خواہ وہ مسئلہ اقوال میں سے ہو یا افعال میں سے یا تصانیف میں سے۔ اس وجہ سے ان کا لقب "محی السنۃ" پڑ گیا۔ ان کے اور القاب الامام، شیخ الاسلام بھی ہیں۔ امام بغوی کا دوسرا وطن مرو میں "تسیار" نامی شہر تھا۔ یہاں بہت سارے طلباء اور علماء نے ان سے فیض علوم حاصل کیے اور اس مقام پر انہوں نے بہت ساری کتب حدیث فقہ اور تفسیر پر تصنیف فرمائیں۔ اخیر زمانہ تک یہیں رہے اور یہیں پر ان کی وفات ہوئی اور اسی شہر میں دفن ہوئے۔ "رحمة الله تعالىٰ رحمةً واسعة"

امام بغوی رحمہ اللہ کی جلالت قدر کے متعلق اہل علم و فضل کے اقوال

علماء اہل سنت والجماعت امام بغوی کی جلالت قدری اور رسوخ فی علم کتاب اللہ و سنت نبیہ میں اجماع ہے کہ یہ امام التفسیر والسنۃ والفقہ ہیں۔ ❶ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ الامام العلامۃ القدوۃ الحافظ شیخ الاسلام ہیں۔

❷ حافظ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امام التفسیر امام فی الحدیث اور امام فی الفقہ ہیں۔

❸ حافظ مؤرخ العماد الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محدث اور مفسر اور وقت کے فقیہ تھے۔

❹ مؤرخ ابن خلکان فرماتے ہیں "كان بحر في العلوم" کلام اللہ کی تفسیر میں مشکل احادیث کو سہل اور آسان کر دیا۔

❺ علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بغوی رحمہ اللہ کا لقب محی السنۃ، رُکن الدین ہے اور قرآن و حدیث و فقہ میں جامع تھے۔

❻ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علوم میں فضیلت رکھنے والے اور اس زمانے میں بڑے عالم "وكان دينا ورعًا زاهدًا عابدًا صالحًا" تھے۔

❼ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فقہ و حدیث کے امام ہیں۔ متورع اور ثابت بالحجۃ تھے۔ ان کی بات دلیل کے طور پر تسلیم شدہ تھی اور یہ صحیح العقیدہ تھے۔

امام بغوی رحمہ اللہ کی تصانیف

امام بغوی رحمہ اللہ کی مؤلفات بہت زیادہ ہیں۔ تفسیر حدیث فقہ سیر وسوانح، چند مختصراً یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

❶ ......معالم التنزیل: اس میں حدیث واقوال سلف کو بھی شامل کیا ہے۔ امام ابن تیمیہ سے کسی نے سوال کیا کہ کون سی تفسیر اقرب الی الکتاب والسنۃ ہے۔ امام زمخشری کی، یا امام قرطبی کی، یا امام بغوی کی یا اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۱۹۳ میں جواب دیا ہے کہ مجھ سے ان تین تفاسیر کے متعلق پوچھا گیا۔ ان تفاسیر میں جو بدعات اور ضعیف احادیث سے خالی ہے وہ تفسیر بغوی ہے۔

❷ شرح السنۃ: اس میں امام بغوی نے احادیث اور مرویات کو جمع کیا ہے۔

❸ مصابیح السنۃ: اس میں وہ احادیث ذکر کی ہیں جن کی اسانید عام طور پر محدثین ذکر نہیں کرتے۔

❹ التہذیب: فی فقہ الامام الشافعی، یہ فقہ کی کتاب ہے۔ شافعی المسلک اس کتاب سے استدلال کرتے ہیں اور اسی سے استفادہ کرتے ہیں۔

❺ مجموعۃ الفتاویٰ: وہ مسائل جو امام بغوی رحمہ اللہ سے پوچھے گئے تھے اور آپ نے جواب دیئے ان کو اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے۔

❻ الانوار فی شمائل المختار: اس میں امام بغوی رحمہ اللہ نے ایک سو ایک ابواب محدثین کی طرز پر قائم کیے ہیں۔

❼ الاربعین حدیثاً: امام بغوی رحمہ اللہ نے چالیس احادیث کا مجموعہ تالیف فرمایا۔

امام بغوی رحمہ اللہ کے اساتذہ وشیوخ

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنے دور کے مشہور و معروف اساتذہ سے علوم حاصل کئے اور اکابر حفاظ و محدثین نے آپ سے روایت کی ہیں۔ جن میں سے چند حضرات یہ ہیں۔

❶ **الامام الکبیر: ابو علی الحسین بن محمد بن احمد المروزی، المتوفی ۴۶۲ھ**

❷ **محدث مرو: ابو عمر عبدالواحد بن احمد بن ابی القاسم الملیحی الھروی، المتوفی ۴۶۳ھ**

❸ **الفقیہ الامام: ابو الحسن علی بن یوسف الجوینی شیخ الحجاز، المتوفی ۴۶۳ھ**

❹ **المسند المحدث: ابوبکر یعقوب بن احمد الصیر فی النیسا بوری، المتوفی ۴۶۶ھ**

❺ **الامام الکبیر: ابو علی حسان بن سعید المنیعی المروزی، المتوفی ۴۶۳ھ**

❻ **العلامۃ: ابوبکر محمد بن عبدالصمد الترابی المروزی، المتوفی ۴۶۳ھ**

❼ **الامام: ابو القاسم عبدالکریم بن عبدالملک بن طلحۃ النیسابوری، المتوفی ۴۶۵ھ**

❽ **الحافظ: ابو صالح احمد بن عبدالملک بن علی بن احمد النیسابوری، المتوفی ۴۷۰ھ**

⑨ مفتی نیسابور: ابو تراب عبدالباقی بن یوسف بن علی بن صالح المراغی، المتوفی ۴۹۲/ھ
⑩ الامام: عمر بن عبدالعزیز الفاشانی، سمع سنن أبی داؤد من القاضی أبی عمرو القاسم بن جعفر الهاشمی
⑪ ابو الحسن محمد بن محمد الشیرزی ⑫ ابو سعد احمد بن محمد بن العباس الخطیب
⑬ ابو محمد عبداللہ بن عبدالصمد بن احمد الجوز جانی
⑭ ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن محمد المعلم الطوسی
⑮ ابو طاهر محمد بن علی بن محمد بن علی بن بویه الزّراد
⑯ ابوبکر احمد بن ابی نصر الکوفانی
⑰ ابو منصور محمد بن عبدالملک المظفری السرخسی.
⑱ ابو عبداللہ محمد بن الفضل بن جعفر الخرقی
⑲ ابو الحسن علی بن الحسین بن الحسن القرینینی.
⑳ ابو الحسن عبدالرحمٰن بن محمّد بن محمد بن المظفر الراوادی البوشنجی.

اوران کے علاوہ بہت سے حضرات وہ ہیں جن کی رواۃ امام بغوی نے اپنی تصانیف میں ذکر فرمائی ہیں۔

تفسیر بغوی کی چند خصوصیات

❶ امام بغوی رحمہ اللہ نے تفسیر میں درمیانی مسلک کو اختیار کیا۔
❷ آیات کے معانی میں احسن طریقہ اختیار کیا کہ قرآن کی تفسیر اولاً قرآن سے پھر احادیث سے پھر اقوال صحابہ والتابعین والائمۃ المجتہدین سے کی ہے۔
❸ آیات کا شانِ نزول جو حدیث کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہو، اس کو بھی ذکر کر دیا گیا۔
❹ الفاظ کی لغوی بحث۔ ❺ احکام فقہیہ جو متعلق بآیات قرآنیہ کے ہیں، ان کو بھی ذکر کر دیا گیا۔
❻ امام بغوی رحمہ اللہ نے جس حدیث کو بیان کیا اس کی سند بھی بیان کر دی لیکن مترجم نے اختصار کی بناء پر صرف متن کا ترجمہ ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اقوال صحابہ وتابعین کو بلاسند ذکر کیا ہے۔
❼ کسی آیت کی تفسیر میں سلف وصالحین کا اختلاف چلا آ رہا ہو تو اس کو بیان کر دیتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح نہیں دیتے۔
❽ تفسیر بغوی میں امام بغوی رحمہ اللہ نے اعراب کی مباحث اور بلاغت کے نکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو دوسرے مفسرین نہیں کرتے۔ ❾ بعض مقامات پر وارد ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات بھی دیئے ہیں۔
❿ امام بغوی رحمہ اللہ کی غرض تفسیر ہذا میں محض سلف وصالحین کے مسلک پر چلنا اور ان کے آثار کی پیروی کرنا ہے۔

(تلک عشرة کاملة)

تفسیر بغوی کے مآخذ ومصادر

① سير اعلام النبلاء، للحافظ الذهبي، و تذكرة الحفاظ، له
② الوافى بالوفيات، للصفدى .
③ وفيات الاعيان، لابن خلكان
④ البداية والنهاية، للحافظ ابن كثير
⑤ المختصر فى أخبار البشر، لأبى الفداء
⑥ مرآة الجنان، لليافعي
⑦ طبقات الشافعين، للسبكي
⑧ النجوم الزاهرة، لابن تغرى بردى
⑨ طبقات المفسرين، للحافظ السيوطي
⑩ مفتاح السعادة، لطاش كبرى زادة
⑪ الامام البغوى مفسّرًا و محدّثًا، للشيخ خالد عبدالرحمٰن العك

غیر مطبوعہ کتب

① الاستدراک/۵۷. ۱/۵۸. ۱/لابن نقطة، الظاهرية رقم/۴۲۳/حديث
② اسماء الرجال/۴۷/للطيبي، الحسين بن محمد، الظاهرية/۶۲۱۶۴/عام.
③ الاعلام بوفيات الاعلام/۲۰۶. ۲/للذهبي، الظاهرية، مجموع رقم/۱۱۶/
④ طبقات الشافعيه/۳۷. ۲/للاسنوى، الظاهرية/۵۶/تاريخ
⑤ مناقب الشافعي وأصحابه/۱۹۳. ۲/لابن قاضي شهبة، الظاهرية/۵۷/تاريخ
⑥ اسماء الرجال الناقلين عن الشافعي والمنسوبين اليه/۲۵. ۱/لابن هداية، الظاهرية/۶۲۱۶۴
⑦ طبقات المفسرين/۵۸/للداودى، نسخة مصوّرة عن مكتبة، عارف حكمت، بالمدينة المنوّرة

تفسیر بغوی میں کیے جانے والے اہم کام

① ضبط النص القرآنی: قرأت حفص کی طرز پر اور قراء اہل شام واہل مصر کی طرز پر۔
② ضبط نص الکتاب: تمام نسخوں میں اصح تھے ان کو اختیار کیا گیا۔
③ ضبط القرأت: تفسیر ہذا میں مختلف قرأتوں کو بھی آیات قرآنیہ کے ذیل میں جمع کیا ہے۔
④ تفسیر میں ضروری بحث کا ذکر کرنا اور الفاظ غریبہ اور مشکل مسائل کا حل کرنا۔

مروان خالد

غفر اللّٰہ لهما ولو الديهما آمين

فہرست عنوانات

سُورَةُ الفَاتِحَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝٦ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٧

ترجمہ سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں جو مالک ہیں روز جزا کے ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کرتے ہیں بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا رستہ اُن لوگوں کا کہ اُن پر آپ نے انعام فرمایا ہے نہ رستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گم ہو گئے۔

سورہ فاتحہ کے نام اور وجہ تسمیہ

تفسیر سورۂ فاتحہ کے تین نام مشہور ہیں: 1 فاتحۃ الکتاب 2 ام القرآن 3 السبع المثانی۔ اس سورۃ کا نام فاتحۃ الکتاب اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ سے قرآن کریم کا افتتاح فرمایا۔ ام الکتاب نام اس لیے کہ یہ سورۃ اصل القرآن ہے اس سے قرآن کریم کی ابتداء کی گئی۔ کسی شئی کی اُم وہ ہوتی ہے جو اس شئی کی اصل ہو۔ مکہ مکرمہ کو اُم القریٰ بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اصل البلاد یعنی تمام شہروں کی اصل ہے اور اس کے نیچے سے زمین کو پھیلایا گیا۔ بعض نے اس کے اُم القرآن ہونے کی یہ وجہ تسمیہ ذکر فرمائی کہ یہ سورۃ بعد میں آنے والی سورتوں سے مقدم اور ان کی امام ہے۔ مصاحف یعنی قرآنی نسخوں میں اس کی کتابت سے آغاز کیا جاتا ہے اور نماز میں قرأۃ کا افتتاح بھی اس کی قرأۃ سے ہوتا ہے۔ اس سورۃ کے سبع مثانی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورۃ باتفاق العلماء سات آیات پر مشتمل ہے اور مثانی اس لیے کہ ہر نماز میں اس سورۃ کی قرأۃ دھرائی جاتی ہے۔ چنانچہ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے مثانی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو صرف اس اُمۃ محمدیہ (علی صاحبہا الف الف تحیہ) کے لیے مستثنیٰ کر کے رکھا (یعنی امم سابقہ کو جو کچھ عنایت فرمایا اس میں سے اس سورۃ کو مستثنیٰ کیا) اور اُمت مسلمہ کے لیے اسے ذخیرہ فرمایا۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ سورۃ مکی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔ بعض نے کہا کہ سورۃ فاتحہ کا نزول دو دفعہ ہوا۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور ایک دفعہ مدینہ منورہ میں۔ اسی وجہ سے مثانی نام رکھا گیا مگر اس

کے مکی ہونے کا قول زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے اس فرمان کے ساتھ احسان جتلایا (وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ) اس سے مراد فاتحۃ الکتاب ہے۔ یہ آیت کریمہ سورۃ الحجر کی ہے جو کہ مکی ہے لہٰذا اگر سورۃ فاتحہ کو مدنی مانا جائے تو نزول فاتحہ سے قبل اس کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر احسان جتلانے کے کیا معنی ہیں؟

فرمان الٰہی بسم اللہ باء زائدہ ہے اپنے سے بعد والے لفظ کو زیر دیتی ہے جیسے کہ دوسرے حروف جارہ مِن و عَنْ باء کا متعلق محذوف ہوتا ہے جس پر موجودہ کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیری عبارت ہوگی اَبدأ بسم اللہ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں یا قل بسم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کہہ کثرۃ استعمال کے باعث لفظ میں تخفیف پیدا کرنے کے لیے اسم کی الف کو گرا دیا گیا اور باء کو (کتابۃ میں) لمبا کر دیا گیا۔ علامہ قطیبی فرماتے ہیں کہ باء کو اس لیے لمبا لکھا گیا تا کہ کتاب اللہ کا آغاز حرف معظم کے ساتھ ہو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز اپنے کاتبوں کو فرمایا کرتے تھے کہ باء کو لمبا کر کے لکھو۔ سین کو ظاہر کرو (یعنی اس کے دندانے نمایاں کرو) دونوں کے درمیان فاصلہ کرو (یعنی علیحدہ اور خوب نمایاں کر کے لکھو) میم کو گول لکھو یہ سب کچھ اللہ عزوجل کی کتاب کی تعظیم کے پیش نظر کرو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب انہوں نے اسم سے الف کو ساقط کیا تو الف اسم کی لمبائی کو باء کی طرف لوٹا دیا تا کہ اسم کی الف کے سقوط پر دلالت کرے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جب (اقرأ باسم ربک) میں اسم کی الف ثابت رکھی گئی تو اس پر وارد ہونے والی ب اپنے اصلی صیغہ (یعنی اصل شکل وصورت) کے مطابق لکھی گئی (یعنی اس جگہ باء کو لمبا نہیں کیا گیا) جب اسم کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی جائے گی تو اسم کی الف کو حذف نہیں کیا جائے گا اور نہ اسم کی الف اس وقت حذف ہوگی جب وہ باء کے علاوہ کسی اور کے ساتھ متصل ہوگا۔

اسم و مسمّٰی کی بحث

اسم وہی مسمی ہے اور اس کا عین ذات ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ (اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی) اس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اے زکریا آپ کے ہاں ہونے والے صاحبزادہ کا نام یحییٰ ہوگا۔ پھر نام کو پکارا اور کہا (یا یحییٰ) (فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ جو اسم ہے یعنی یحییٰ وہی مسمی ہے کیونکہ نام کو نہیں پکارا جاتا مسمی کو پکارا جاتا ہے اور ایک جگہ ارشاد فرمایا (مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ) اس فرمان الٰہی میں اشخاص معبودہ مراد لیے گئے ہیں کیونکہ کفار (اسماء کی نہیں بلکہ) مسمیات کی پوجا کیا کرتے تھے اور فرمایا (سبح اسم ربک) اور فرمایا (تبارک اسم ربک) ...... (ان سب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسم عین مسمی ہے) پھر تسمیہ یعنی بسم اللہ کو بھی اسم کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تسمیہ میں اسم کا استعمال مسمی میں استعمال سے بھی زیادہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا کیا معنی ہوگا۔ تو جواباً کہا گیا ہے کہ بندوں کو تعلیم دینا ہے کہ وہ قراءۃ کیسے شروع کریں۔

اسم مشتق ہے یا جامد

اسم میں انہوں نے اختلاف کیا بصریوں میں سے مبرد کہتے ہیں کہ اسم سموٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کے ہیں۔ پس گویا کہ وہ اپنے معنی پر بلند ہے اور اس پر غالب ہے یعنی نمایاں ہے اور اپنا معنی خود ہوا نہ کہ اپنے معنی کے تحت (بخلاف فعل کے

کہ وہ اپنے معنی کے تحت یعنی ضمن میں ہوتا کیونکہ فعل اصطلاحی کا معنی تین چیزوں سے مرکب ہوتا ہے) ❶ فعل لغوی ❷ زمانہ ❸ فاعل جبکہ اسم میں یہ بات نہیں ہے اور کوفیوں میں سے ثعلب کا کہنا ہے کہ اسم وسم اور سمۃ سے مشتق ہے اور اس کا معنی علامۃ ہے۔ گویا کہ اسم اپنے معنی اور مسمی کی علامت ہے۔ پہلا قول (قول مبرد) اصح ہے۔ اس لیے کہ اسم کی تصغیر سمی آتی ہے۔ اگر اسم سمۃ سے مشتق ہوتا تو اس کی تصغیر ''وسیم'' ہوئی (کیونکہ تصغیر سے کسی لفظ کی اصل کا صحیح علم ہوتا ہے) جیسے وَعدہ کی تصغیر وُعَیدٌ ہے۔ نیز اس کی گردان ماضی میں سمیت ہے۔ اگر اسم وسم سے ہوتا تو وَسَمْتُ کہا جاتا۔

لفظ اللہ کے متعلق علمی بحث

(اللہ) حضرت خلیل اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ لفظ اللہ ذات باری تعالیٰ کا خاص نام ہے کسی مادہ سے مشتق نہیں ہے جیسے بندوں کے مخصوص نام ہوتے ہیں۔ مثلاً زید، عمرو، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ لفظ اللہ مشتق ہے پھر کس سے مشتق ہے اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ چنانچہ کہا گیا اَلِهَ اِلاٰهَةً سے مشتق ہے بمعنی عَبِدَ عِبَادَةً (لهذا اِلاٰهَةً بمعنی عبادت کے ہوگا) سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأۃ ہے (ویذرک و الھتک) یعنی عبادتک اس کا معنی ہوگا کہ بیشک وہی مستحق عبادت ہے نہ کہ اس کے سوا کوئی اور۔ بعض نے کہا کہ لفظ اللہ کی اصل اِلٰہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (وما کان معه من اله اذاً لذهب کل اِلٰهٍ بما خلق) مبرد کہتے ہیں کہ یہ عرب کا محاورہ ہے۔ ''اَلِهْتُ الی فلان'' یعنی فلاں کی طرف (پناہ میں) میں نے سکون حاصل کیا۔ شاعر کہتا ہے: ''اَلِهْتُ الیها وَالْحَوَادِثُ جَمَّةٌ'' کہ میں نے اس کی (محبوبہ) جانب سکون حاصل کیا (یعنی اس کی پناہ میں) جبکہ حادثات کثیر تھے گویا (اللہ تعالیٰ کا نام الٰہ اس لیے ہے) مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر سکون قلب حاصل کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان پاتی ہے۔ کہا جاتا ہے ''الهتُ الیه'' یعنی میں نے اس کی طرف پناہ حاصل کی۔ شاعر کہتا ہے: ''الهت الیها والرکائب وُقَّفٍ'' ترجمہ: میں نے اس (محبوبہ) کی طرف پناہ حاصل کی اور سواریاں رُکی رہیں اور کہا گیا ہے کہ اللہ اصل میں وِلاہ تھا واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ جیسا وشاح کی واؤ کو ہمزہ سے بدل کر اشاح بنا دیا گیا۔ اس کا اشتقاق وله سے بایں معنی ہے کہ بندے شدائد و مصائب میں اللہ کی طرف گھبرا کر متوجہ ہوتے ہیں اور حاجات میں اس کی طرف پناہ پکڑتے ہیں جس طرح بچہ گھبرا کر ماں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اس کو اصل وله ہے اس کا معنی محبوب اور قیمتی شئی کے گم ہونے سے عقل کا چلا جانا آتا ہے۔

(الرحمن الرحیم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دونوں رحمت بھرے نام ہیں۔ ایک نام دوسرے نام سے زیادہ رحمت بھرا ہے۔ ان دونوں ناموں میں علمائے کرام نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہے جس طرح ندمان اور ندیم ایک معنی میں ہیں اسی طرح رحمٰن اور رحیم ایک معنی رکھتے ہیں۔ یعنی ذوالرحمۃ رحمت والا ایک نام کے بعد دوسرے نام کا ذکر اس لئے کیا تا کہ رغبت کرنے والوں کو مزید طمع حاصل ہو۔ مبرد کہتا ہے یہ انعام کے بعد انعام ہے اور مہربانی کے بعد مہربانی ہے۔

بعض نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ چنانچہ رحمٰن کے معنی میں عموم اور رحیم کے معنی میں خصوص۔ لہٰذا رحمٰن کا معنی دُنیا میں رزاق ہونے کے ہیں، یہ مفہوم عام ہے پوری مخلوق کو شامل ہے اور رحیم کا معنی آخرت میں معاف کرنے والا ہے اور آخرت میں عفو کا مفہوم بالخصوص مؤمنین کے لیے ثابت ہے اس لیے دُعا میں کہا گیا ہے یا رحمن الدنیا و رحیم الآخرۃ لہٰذا رحمٰن وہ جس کی رحمت مخلوق کو علی العموم پہنچے اور رحیم وہ جس کی رحمت مخلوق کو علی الخصوص پہنچے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو رحیم کہا جاسکتا ہے مگر رحمٰن نہیں کہا جاسکتا۔ پس رحمٰن معنی کے لحاظ سے عام اور لفظ کے لحاظ سے خاص اور رحیم لفظ کے لحاظ سے عام اور معنی کے اعتبار سے خاص۔

رحمۃ کا معنی

رحمۃ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ مستحق رحمۃ کو خیر پہنچانے کا ارادہ فرماویں۔ بعض نے کہا کہ رحمۃ کا معنی ہے مستحق سزا کو سزا نہ دینا اور جو خیر کا مستحق نہ ہو اسے بھی خیر عطا فرمانا۔

اول معنی کے لحاظ سے رحمت صفتِ ذات حق تعالیٰ ٹھہری اور دوسرے مفہوم کے لحاظ سے رحمۃ صفۃ فعل ہوگی۔

والی آیت میں انہوں نے اختلاف کیا۔ چنانچہ مدینہ منورہ اور بصرہ کے قراء اور فقہاء کوفہ کا قول ہے کہ بسم اللہ نہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے اور نہ کسی اور سورۃ کی آیت ہے سورتوں کے شروع میں محض حصول خیر و برکت کے لیے ہے اور مکۃ المکرمہ اور کوفہ کے قراء اور اکثر فقہاء حجاز کا مؤقف یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور نہ باقی سورتوں کا۔ سورتوں کے شروع میں اس کی کتابت محض سورتوں میں فاصلہ کی خاطر کی گئی ہے۔

اور ایک جماعت کا قول ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ اور باقی تمام سورتوں کا حصہ ہے سوائے سورۂ توبہ کے۔ یہ قول ثوری ابن مبارک کا ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن کریم میں بقیہ قرآن کریم کے رسم الخط کے مطابق لکھی گئی ہے۔ ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سورۃ الفاتحہ کی سات آیات ہیں پھر جو بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ کی آیت سمجھتا ہے اس کے نزدیک فاتحہ کی پہلی آیت بسم اللہ ہے اور آخری آیت "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الآیۃ" ہے اور جو بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ کا حصہ نہیں سمجھتا اس کے نزدیک فاتحہ کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے اور آخری آیت کی ابتداء "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" سے ہے اور جو بسم اللہ کو فاتحہ اور باقی سورتوں کا حصہ سمجھتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن مجید میں بخط قرآن لکھی گئی ہے۔ اور یہ دلیل بھی کہ ابن جریج کا کہنا ہے کہ میرے والد نے سعید بن جبیر سے روایت کی کہ "وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ" یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا۔ اس سے مراد ام القرآن یعنی سورۃ الفاتحہ ہے۔ میرے والد نے فرمایا مجھ پر سعید بن جبیر نے اسے (فاتحہ کو) پڑھا حتیٰ کہ ختم فرمایا۔ پھر فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم ساتویں آیت ہے۔

حضرت سعید نے فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسے پڑھا

جس طرح میں نے تجھ پر پڑھا۔ پھر فرمایا بسم اللہ ساتویں آیت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو تمہارے لیے ذخیرہ کر کے رکھا اور تم سے پہلوں میں سے کسی پر بھی نہ ظاہر فرمایا۔ (یہ روایت بھی ان حضرات کی دلیل ہے جو بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ کا حصہ سمجھتے ہیں۔)

اور جو حضرات بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ کا حصہ نہیں سمجھتے ان کی دلیل یہ روایت ہے۔ حضرت سیدنا انس بن مالک سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے مقتدی بن کر کھڑا ہوا۔ یہ سب حضرات جب نماز کا آغاز (فاتحہ سے) فرماتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ہم بسم اللہ کے نازل ہونے تک دو سورتوں کے درمیان امتیاز معلوم نہیں کر سکتے تھے۔

علامہ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں قریش کے طریق کے مطابق **"باسمک اللھم"** لکھتے تھے۔ یہاں تک کہ **"بسم اللہ مجریھا"** نازل ہوئی تو آپ نے بسم اللہ لکھنی شروع کی۔ پھر جب **"قل ادعوا اللہ او دعوا الرحمٰن"** کا نزول ہوا تو آپ **بسم اللہ الرحمن** لکھنے لگے حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **"انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"** پھر اس کے مطابق **بسم اللہ الرحمن الرحیم** لکھا۔

② (الحمد للہ) یہ جملہ لفظاً خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ مستحق حمد کے بارے میں خبر دے رہے ہیں جو کہ ذات باری تعالیٰ ہے اور اس میں مخلوق کو تعلیم دی گئی ہے۔ تقدیری عبارۃ یوں ہوگی **قولوا الحمد للہ** یعنی **الحمدللہ** کہو۔ حمد کبھی نعمۃ کا شکر ادا کرنے کے معنی میں ہوتی ہے اور کبھی خصال حمیدہ یعنی اچھے اوصاف کی تعریف کرنے کے معنی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے **"حمدت فلانا علی ما اسدی الیّ من نعمۃ"** کہ میں نے فلاں کی نعمت عطا کرنے پر تعریف کی اور یوں بھی کہا جاتا ہے **"حمدتہ علی علمہ و شجاعتہ"** کہ میں نے فلاں کی تعریف اس کے علم اور دلیری پر کی اور شکر سوائے عطاء نعمۃ کے ادا نہیں کیا جاتا اور حمد شکر سے عام ہے لہٰذا **"شکرت فلاناً علیٰ علمہ"** کہ میں نے فلاں کے علم کا شکر ادا کیا۔ لہٰذا ہر حمد کرنے والا شکر کرنے والا ہوگا مگر ہر شاکر حامد نہ ہوگا۔ (یہ ترجمہ علامہ بغوی کی عبارت کے مطابق ہے وگرنہ حامد و شاکر میں نسبت اس کے برعکس ہے ہر شاکر حامد ہے مگر ہر حامد شاکر نہیں) (دونوں کے فرق کے بارے میں) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمد زبان سے قولاً ہوتی ہے اور شکر اعضاء سے فعلاً ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **"وقل الحمدللہ الذی لم یتخذ ولدا"** اور کہئے کہ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اولاد نہیں پکڑی۔ (یہاں حمد کا تعلق قل کہہ کر زبان سے قائم فرمایا) اور فرمایا **"اعملوا آل داؤد شکرا"** یعنی اعمال (صالحہ) کا عمل شکر کی خاطر اختیار کرو۔ لہٰذا **شکرا** مفعول لہ ہے اور **اعملوا** کے باعث (بوجہ مفعول لہ ہونے کے) منصوب ہے۔ للہ اس میں لام استحقاق کے لیے ہے جیسے کہا جاتا ہے **"الدار لزید"** یعنی اس گھر کا مستحق (مالک) زید ہے۔

"رب العالمین الرحمٰن الرحیم"، رب بمعنی مالک ہے جیسے مالک دار کو رب الدار کہا جاتا ہے اور رب الشئی بھی اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اس شئی کا مالک ہو جائے اور رب بمعنی تربیت و اصلاح کے بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "ربّ

فلان الضیعة یربها" یعنی فلاں نے زمین کی اصلاح کی اور رب کا لفظ ایسا ہے جیسے کہ "طبٌّ" اور "برٌّ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ تمام عالمین کے مالک و مربی ہیں اور مخلوق کو ھو الرب نہیں کہا جائے گا (یعنی رب کے لفظ پر الف لام لگا کر الرب کا استعمال مخلوق کے لیے نہیں کیا جا سکتا۔)

ہاں اضافت کے ساتھ رب کا استعمال صحیح ہے مثلاً "رب الارض، رب المال" کہا جا سکتا ہے کیونکہ الف لام تعمیم کے لیے ہے (لہٰذا الرب کا معنی ہوگا ہر شئی کا مالک) جبکہ مخلوق ہر شئی کی مالک نہیں ہو سکتی۔ اور العالمین جمع عالم کی ہے اور عالم جمع ہے من لفظہ اس کی واحد نہیں آتی۔ العالمین کی تفسیر میں مفسرین نے اختلاف کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں انسان و جن عالم ہیں کیونکہ جن و انس خطاب الٰہی کے ساتھ مکلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لیکون للعالمین نذیراً" (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انسان و جن کے لیے نذیر ہیں لہٰذا عالمین سے مراد انسان و جن ہوں گے۔) حضرت مجاہد اور حضرت حسن (بصریؒ) فرماتے ہیں کہ عالمین سے مراد پوری مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا" (یہاں اس آیت کریمہ میں عالمین کا لفظ کل کائنات پر بولا گیا)

عالمین کا لفظ عَلَم یا علامت سے مشتق ہے پوری مخلوق کو عالم اس لیے کہا گیا کیونکہ صنعتِ الٰہی کا اثر ان میں ظاہر ہے۔

حضرت ابو عبید فرماتے ہیں کہ عالمین کا لفظ چار قسم کی مخلوق کو شامل ہے۔ ❶ فرشتے ❷ انسان ❸ جنات ❹ شیاطین۔ دریں صورۃ عالمین عِلم سے مشتق ہوگا اور چوپائے جانور عالمین میں داخل نہ ہوں گے کیونکہ یہ ذی عقل نہیں ہیں۔

عدد عالمین کا ذکر

عالمین کے مبلغ عدد میں اختلاف ہے۔ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار (۱۰۰۰) عالم ہیں۔ چھ سو (۶۰۰) سمندر میں اور چار سو (۴۰۰) خشکی میں حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسی ہزار (۸۰۰۰۰) ہزار عالم ہیں چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) سمندر میں اور چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) خشکی میں۔

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اٹھارہ (۱۸) ہزار عالم ہیں جن میں سے یہ کل کائنات ایک عالم ہے اور خرابہ کے مقابل آبادی کی حیثیت ایسی ہے جیسے صحرا میں ایک خیمہ۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ عالمین کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ فرماتے ہیں وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ کہ تیرے رب کے لشکروں کو سوا اس کے کوئی نہیں جانتا۔

"مالک یوم الدین" حضرت عاصم اور کسائی اور یعقوب نے (مالک) پڑھا اور باقیوں نے "مَلِکِ" پڑھا۔ ایک قوم نے کہا دونوں کا معنی ایک ہے جیسے فرھین اور فارھین، حذرین اور حاذرین۔

لہٰذا مالک اور مَلِک دونوں کا معنی الرب ہے۔ چنانچہ رب الدار اور مالک الدار کا معنی ایک ہوگا۔ بعض نے کہا مالک وہ ہے جو اشیاء کے عدم سے وجود کی طرف لانے کی اختراع پر قادر ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے۔ ابو عبید

فرماتے ہیں کہ لفظ مالک میں جامعیت اور وسعت زیادہ ہے۔ چنانچہ غلاموں، پرندوں اور جانوروں کا مالک تو کہا جاسکتا ہے مگر ان چیزوں کا مالک نہیں کہا جاسکتا۔ نیز مالک جن چیزوں کا مالک ہوتا ہے وہ چیزیں اس مالک کی ملک ہوتی ہیں۔ مگر کبھی مَلِک ایسی چیزوں کا بھی ہوتا ہے جو اس کی مِلک نہیں ہوتیں (یعنی مَلِک چیزوں کا مالک نہیں ہوتا)......ایک قوم نے کہا مَلِک مالک سے بہتر ہے کیونکہ ہر مَلِک مالک ہوتا ہے مگر ہر مالک مَلِک نہیں ہوتا۔

نیز ملک کا لفظ قرآن کریم کی بقیہ اصطلاحات کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتا ہے۔ مثلاً قول ربانی ہے: "**فتعالٰی اللّٰہ الملک الحق**" اور "**الملک القدوس**" اور "**ملک النّاس**" حضرت ابن عباس حضرت مقاتل علامہ سدی فرماتے ہیں "**ملک یوم الدین**" کا معنی ہے **قاضی یوم الحساب**۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں دین کے معنی جزا کے ہیں اور یہ جزا یعنی بدلہ خیر کا ہو یا شر کا دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے "**کما تدین تدان**" یعنی جیسا معاملہ کرو گے ویسے ہی معاملہ کیے جاؤ گے۔ محمد بن کعب القرظی فرماتے ہیں "**ملک یوم الدین**" کا معنی ہے اس دن کا مالک جس دن سوائے دین کے اور کوئی چیز نفع نہ دے گی۔

یمان بن ریان فرماتے ہیں دین کا معنی ہے قہر یعنی تسلط و کنٹرول کرنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "**دِنتُہ فلان**" یعنی میں اس کو زیر تسلط لایا۔ پس وہ میرے تسلط کے تحت آ گیا یعنی مطیع ہوگیا۔ دین کا معنی طاعت یعنی فرمانبرداری بھی کیا گیا ہے۔ (پھر **یوم الدین** کا معنی ہوگا) "**یوم الطاعۃ**" (باقی رہی یہ بات) کہ صرف **یوم الدین** کو خاص کیوں کیا گیا باوجودیکہ وہ ذات پروردگار تو تمام ایام کی مالک ہے (یہ تخصیص اس لیے) کہ اس دن تمام ملکیتیں زائل ہو جائیں گی۔ لہٰذا کسی کا ملک اور حکم سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ**" اور فرمایا "**لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ. لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ**" اور فرمایا "**وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ**" اور ابوعمرو نے پڑھا (الرحیم ملک) یعنی رحیم کی میم کو ملک کی میم میں ادغام کر کے پڑھا۔ اسی طرح ہر وہ دو حرف باہم مدغم کیے جاتے ہیں۔ جب وہ دونوں حرف ایک جنس سے ہوں یا دونوں کا مخرج ایک ہو یا دونوں قریب المخرج ہوں۔ برابر ہے حرف (اوّل) ساکن ہو یا حرکت والا ہو مگر اس وقت جب کہ پہلا حرف شد والا ہو یا تنوین والا ہو یا منقوص ہو یعنی لفظ کے آخر میں یاء ساکن ہو یا پہلا حرف زبر والا ہو یا تاء خطاب ہو اور اس سے پہلا حرف ساکن ہو اور دونوں ہم مثل نہ ہوں تو ان صورتوں میں ادغام نہ ہوگا اور حرکت والے حرف کا ادغام، ادغام کبیر میں ہوتا ہے۔ ادغام کبیر مختلف جنس کے حرفوں کے ادغام کو کہتے ہیں۔ ادغام متحرک میں حمزہ نے ابوعمرو کی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں موافقت کی (**بیت طائفۃ**) (**والصافات صفا**) "**فالزاجرات زجرا فالتالیات ذکرا**" اور "**والذاریات ذروا**" ان سب میں تاء کو اپنے بعد کے حروف میں ادغام کیا گیا۔ کسائی، رجاء اور خنف کی روایت کے مطابق حمزہ نے ابوعمرو کی موافقت کی مگر راء میں موافقت نہیں کی جبکہ وہ لام کے پاس ہو اور دال میں بھی موافقت نہیں کی جب وہ جیم کے قریب ہو۔ اسی طرح حمزہ دال کا ادغام جب وہ سین، صاد و زاء کے قریب ہو انہیں کرتے۔ بقیہ قراء کے نزدیک چند حروف کے سوا ادغام نہیں ہے۔

"ایّاک" ایا کلمہ ضمیر ہے جو مضمر کی طرف اضافۃ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔اس کا استعمال فعل سے پہلے ہوتا ہے۔چنانچہ کہا جاتا ہے "ایّاک اعنی" میں خاص تجھے مراد لیتا ہوں اور "ایاک اسئل" میں خاص تجھ سے پوچھتا ہوں۔فعل کے بعد اس کا استعمال منفصلا یعنی فعل جدا ہوتا ہے۔چنانچہ کہا جاتا ہے۔"ما عنیت الا ایّاک" کہ میں نے کسی کو مراد نہیں لیا مگر تجھے "نعبد" یعنی ہم تجھے وحدہ لاشریک سمجھتے ہیں اور تیری اطاعت کرتے ہیں۔اس حال میں کہ ہم عاجزی کرنے والے ہیں۔عبادۃ کے معنی عاجزی وانکساری کے ساتھ فرمانبرداری کرنے کے ہیں۔عبد کو اس کی عاجزی اور فرمانبرداری کے باعث عبد کہا جاتا ہے۔اسی طرح کہا جاتا ہے طریق معبّد یعنی ایسا راستہ جو آسان ہو (اس میں چلنے والے کے لیے مشکلات اور صعوبتیں نہ ہوں)۔

"وَاِيَّاکَ نَسۡتَعِيۡنُ" ہم تجھ سے عبادت اور باقی معاملات میں مدد طلب کرتے ہیں۔اگر کہا جائے کہ مدد مانگنے پر عبادت کو مقدم کیوں کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا عبادت پر مقدم ہے۔مگر یہ ترتیب اس شخص کے خلاف ہے جو عمل کی طاقت و استعداد کو عمل سے مقدم قرار دیتا ہے اور ہم تو بحمد اللہ توفیق عمل اور عمل کی مدد وقوت کو عمل کے ہمراہ مانتے ہیں۔لہٰذا ہمارے نزدیک استعانۃ کا عمل سے مقدم یا مؤخر ذکر کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔اس تقدیم وتاخیر کے جواب میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ استعانۃ بھی ایک قسم کی عبادۃ ہے۔گویا پہلے عبادۃ کا ذکر اجمالی ہوا، بعد میں اس کی تفصیل۔

"اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ" اِهۡدِنَا بمعنی ارشدنا کے ہے یعنی ہماری رہنمائی فرما۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب فرماتے ہیں اِهۡدِنَا کا معنی ہے ہمیں ثابت قدم رکھ (یعنی اسی ہدایت پر جمائے رکھ) جس طرح کھڑے ہونے والے کو کہا جاتا ہے، کھڑے رہو۔یہاں تک کہ میں تیری طرف لوٹ کر آجاؤں۔مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی کھڑے ہونے والی حالت پر دائم رہ۔ایمان والوں کی طرف سے یہ دعا باوجودیکہ وہ ہدایۃ پر ہیں بمعنی ہدایۃ پر ثابت رہنے کے ہوگی اور بمعنی مزید ہدایۃ طلب کرنے کے ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلسلہ عنایات وہدایات کی انتہا اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں نہیں ہے۔

"الصراط" صراط کو سین کے ساتھ (یعنی سراط) بھی پڑھا گیا ہے۔اسی قرأت کو اویس نے یعقوب سے روایت کیا اور یہی اصل ہے۔راستہ کو سراط اس لیے کہا گیا کہ سراط کے معنی نگلنے کے ہیں اور راستہ بھی قافلہ والوں کو نگل جاتا ہے اور صراط کی قرأۃ زا کے ساتھ بھی ہے یعنی زراط بھی پڑھا گیا ہے اور حمزہ نے زاء کے اشمام کے ساتھ پڑھا ہے یعنی زاء کے مخرج کی طرف قدرے میلان کے ساتھ سراط کو پڑھا اور یہ تمام لغتیں صحیح ہیں۔مصحف (قرآن) کی موافقۃ کے باعث اکثر قراء نے ص کی قرأۃ کو اختیار کیا ہے یعنی صراط پڑھا۔

"والصراط المستقیم" حضرت ابن عباس، حضرت جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صراط مستقیم اسلام ہے مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن ہے۔حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ صراط مستقیم سے مراد کتاب اللہ ہے۔حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنت کا راستہ ہے۔حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل السنۃ والجماعۃ کا راستہ صراطِ مستقیم ہے۔بکر بن عبد اللہ المزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کو صراط مستقیم قرار دیتے ہیں۔ابو العالیہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ

کی آل اور صاحبین (یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) صراط مستقیم ہے (یعنی ان کا راستہ)
اصل میں لغوی طور پر واضح راستہ اس کا معنی ہے۔ "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" یعنی جن پر تو نے ہدایت اور توفیق کے ذریعے احسان فرمایا۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن پر تو نے (یا اللہ) ایمان پر ثابت قدم رہنے اور استقامت اختیار کرنے کا احسان فرمایا اور یہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان پر ثابت قدم رکھا۔ انبیاء کرام ہوں یا مؤمنین عظام جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کیا "فاولئک مع الّذین انعم اللّٰہ علیھم من النّبیّن" الآیۃ۔
ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قوم موسیٰ اور قوم عیسیٰ ہے جب تک انہوں نے اپنے دین کو تبدیل نہیں کیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ انعام یافتہ حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔
عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کا خاندان ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قرأت "علیھُم ولدیھُم والیھُمْ" ان سب کی ھا پر پیش کے ساتھ ہے۔ یعقوب ہر اس ھاء کو پیش دیتے ہیں جن سے پہلے یاء ساکنہ ہو۔ وہ ضمیر تثنیہ کی ہو یا جمع کی ہو۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے "بین ایدیھن وارجلھن" اور باقیوں نے دونوں قسم کی ھاء کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ پس جس نے ھاء کو پیش دی اس نے اس کو اصل کی طرف لوٹایا کیونکہ وہ مفرد ہونے کی صورت میں پیش والی ہوتی ہے اور جس نے زیر دی اس نے یائے ساکنہ کا لحاظ کیا کیونکہ یاء زیر کی بہن ہوتی ہے۔ ابن کثیر اور ابو جعفر نے ہر میم جمع کو بھرپور پیش دی جب کہ وہ موصول ہو مگر یہ کہ اس کو ساکن نہ ملے اور اس کے ساتھ اگر ساکن ملے پھر بھرپور پیش نہ ہوگی اور نافع اختیار دیتے ہیں اور ورش ھاء کو پیش دیتے ہیں جب الف قطع کے ساتھ ہو اور جب اسے الف وصل ملے اور ھاء سے پہلے زیر ہو یا یاء ساکنہ ہو تو ھاء کو اور میم کو حمزہ اور کسائی پیش دیتے ہیں اور ابوعمرو دونوں کو زیر دیتے ہیں۔ اسی طرح یعقوب اس وقت کسرہ دیتے ہیں جب اس کا ماقبل (یعنی پہلے والا حرف) زیر والا ہو اور باقی حضرات میم کی پیش اور ھاء کی زیر پڑھتے بوجہ یاء کے یا پہلے والے حرف پر زیر ہونے کی وجہ سے اور میم کی پیش اصل کے اعتبار سے ہے۔
فرمانِ الٰہی "غیر المغضوب علیھم" یعنی ان لوگوں کے راستہ کے سوا جن پر تو غضب ناک ہوا۔ "غضب" مجرموں سے بدلہ لینے کے ارادہ کا نام ہے مگر اللہ تعالیٰ کا غضب مؤمن گناہگاروں کو نہیں پہنچے گا بلکہ کافروں کو لاحق ہوگا۔ "ولا الضّالین" کا معنی ہے "غیر الضالین عن الھدیٰ" یعنی سوائے ان لوگوں کے جو ہدایت کی راہ سے بھٹک گئے۔ "ضلال" کا اصل معنی ہلاک ہونا اور گم ہونا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "ضل الماء فی اللبن" یعنی پانی دودھ میں ہلاک ہوگیا اور غائب ہوگیا۔
اور (غیر) اس جگہ بمعنی (لا) ہے اور (لا) بمعنی (غیر) اسی وجہ سے غیر پر (لا) کا عطف جائز ہے جیسے کہا جاتا ہے "فلان غیر محسن ولا مجمل" اور جب غیر بمعنی سوی ہوگا تو پھر اس پر لاء کے ساتھ عطف کرنا جائز نہ ہوگا۔ کلام میں اس

طرح عبارۃ لانا جائز نہیں۔ "عندی سوی عبداللہ ولا زید"۔ حضرت سیدنا فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے "صراط من انعمت علیھم" (یعنی الذین کی جگہ من پڑھا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر غضب کا حکم لگایا۔ پس فرمایا "من لعنه اللّٰه وغضب علیه" اور نصاریٰ پر ضلال کا حکم لگایا۔ "لہٰذا انعمت علیھم" کا معنی ہوگا نہ وہ لوگ جن پر غضب کیا گیا اور نہ وہ لوگ جو راہ ہدایت سے بھٹک گئے گم ہوگئے اور کہا گیا "المغضوب علیھم" یعنی جن پر غضب کیا گیا وہ یہود ہیں اور ضالون یعنی گم کردہ راہ نصاریٰ ہیں۔ پس فرمایا "ولا تتبعوا اھواء قوم قدضلوا من قبل" حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ "غیر المغضوب علیھم بالبدعة" یعنی جن پر بدعۃ کو اختیار کرنے سے غضب کیا گیا۔ "ولا الضّالین عن السنة" اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو سنت سے منہ موڑ کر گمراہ ہوگئے۔

فاتحہ پڑھنے والے کے لیے مسنون یہ ہے کہ جب فاتحہ سے فارغ ہو تو تھوڑا سا سکتہ یعنی معمولی وقفہ کر کے آمین کہے اور یہ (آمین) مخفف ہے یعنی آمین کی میم پر شد نہیں ہے۔ البتہ آمین مد کے ساتھ بھی ہے اور بغیر مد کے بھی ہے اور اس کا معنی ہے (اے اللہ میری دُعا کو سن اور قبول فرما) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ما اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے اسی طرح ہو۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آمین دُعا کی مہر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آمین اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی خاتم یعنی حفاظتی مہر ہے جس سے اللہ تعالیٰ ان سے آفات کو دفع فرماتا ہے۔ کتابی خاتم وہ ہوتی ہے جو کتاب کو فاسد (یعنی مضامین کی خرابی) ہونے سے بچاتی ہے اور اندرونی مضامین کو ظاہر ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو کیونکہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے تو جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافقت پا گئی اس کے سابقہ گناہ بخشے گئے۔ صحیح (یعنی اس حدیث کی سند صحیح) ہے۔

فصل فضیلت فاتحہ کے بیان میں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابی بن کعب کے پاس سے گزرے جبکہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انہیں آواز دے کر فرمایا اُبی ادھر آؤ، حضرت ابی جلدی جلدی نماز پڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابی جب میں نے تجھے بلایا تو جواب دینے میں کون سی چیز مانع تھی۔ کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے "یایھا الّذین آمنوا استجیبو اللّٰه وللرسول اذا دعاکم لمایحییکم" کہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لبیک کہو جب اللہ تعالیٰ کا رسول تمہیں اس چیز کی طرف پکارے جو تمہارے لیے زندگی ہے (یعنی باعث حیات ہے) حضرت ابی نے عرض کی واقعی یا رسول اللہ اب آپ جب بھی مجھے بلائیں گے میں فوراً لبیک کہوں گا۔ اگرچہ میں نماز ہی میں کیوں نہ ہوں گا۔ آپ نے فرمایا اُبی میں تجھے ایسی سورۃ کی تعلیم نہ دوں کہ اس جیسی سورۃ نہ تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل

میں نہ زبور میں اور نہ ہی قرآن مجید میں۔ حضرت ابی نے عرض کی ہاں یارسول اللہ، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد کے دروازہ سے نکلنے سے پہلے تو اسے معلوم کرلے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکلنے کے ارادہ سے چل رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلنے کے لیے دروازہ مسجد کو پہنچے حضرت ابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یارسول اللہ! وہ سورۃ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور فرمایا ہاں ہاں! اپنی نماز میں کسے پڑھتے ہو؟ تو حضرت ابی نے ام القرآن (فاتحہ) پڑھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تورات وانجیل اور زبور وقرآن کریم میں اس جیسی سورۃ نازل نہیں کی گئی۔ یہی وہ سبع مثانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سعید نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس دوران کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام بھی جلوہ افروز تھے۔ اچانک آپ نے اوپر سے سخت آواز سنی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا اور فرمایا یہ دروازہ آسمان سے آج کھلا ہے پہلے کبھی نہیں کھلا، فرمایا اس دروازہ سے ایک فرشتہ اُتر کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور فرمایا (یارسول اللہ) آپ ایسے دونوروں کے باعث خوش ہو جاویں جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے ہیں، آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے۔ (وہ دونور کیا ہیں؟) 1 سورۃ فاتحہ 2 اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی آپؐ کی اُمت) ان میں سے جو بھی (دُعائیہ) حرف پڑھیں گے (اس کا ثمر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا جائے گا۔ (صحیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے نماز پڑھی اور اس نماز میں اُم القرآن (فاتحہ) نہ پڑھی تو یہ نماز نا تمام ہے۔

ہشام بن زہرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا اے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں پھر؟ تو انہوں نے میرے بازو کو دباتے ہوئے فرمایا۔ قاری صاحب! اسے دل میں پڑھ لیا کرو۔ پس بے شک میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کی گئی ہے۔ نماز کا آدھا حصہ میرے لیے ہے اور اس کا آدھا حصہ میرے بندے کے لیے اور میرے بندے کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے مانگا۔ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھو، بندہ کہتا ہے (**الحمد للہ رب العالمین**) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری تعریف کی۔ بندہ کہتا ہے (**الرحمن الرحیم**) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری ثناء کی۔ بندہ کہتا ہے (**مالک یوم الدین**) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بندہ کہتا ہے (**ایاک نعبد و ایاک نستعین**) اللہ عزوجل فرماتے ہیں یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان (منقسم) ہے۔ لہٰذا میرے بندے کے لیے وہی کچھ ہے جو کچھ اس نے مانگا۔ بندہ کہتا ہے "**اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**" اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں پس یہ سب چیزیں میرے بندے کے لیے ہیں اور میرے بندے کے لیے وہی کچھ ہے جو کچھ میرے بندے نے مانگا۔ (صحیح)

سُورَۃُ البَقَرَۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

"الٓمّٓ ❶ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ❷ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" ❸

ترجمہ الٓمّٓ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں راہ بتلانے والی ہے تمہارے ڈرنیوالوں کو وہ خدا سے ڈرنیوالے لوگ ایسے ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ دیا ہے ہم نے اُن کو اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر حروف مقطعات کی بحث

❶ "الم" علامہ شعبی اور ایک جماعت کا قول ہے کہ الم اور بقیہ حروف ہجاء (مقطعات) جو سورتوں کے آغاز میں ہیں۔

متشابہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے اور یہ حروف قرآن کریم کا (خصوصی) راز ہیں۔ ہم ان حروف کے ظاہر پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے اندرونی علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ ان حروف کے ذکر کرنے کا فائدہ ان پر ایمان لانے کی طلب ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق فرماتے ہیں ہر کتاب میں ایک خاص راز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو راز رکھا ہے وہ سورتوں کے آغاز میں آنے والے حروف ہیں۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہر کتاب کے کچھ منتخبات ہوتے ہیں اور اس کتاب (قرآن کریم) کے منتخبات حروف تہجی ہیں (یعنی حروف مقطعات)

حضرت داؤد بن ابی ہند فرماتے ہیں میں علامہ شعبی سے سورتوں کے آغاز (یعنی حروف مقطعات) سے متعلق پوچھتا تھا۔ پس آپ نے فرمایا کہ ہر کتاب کے لیے خاص بھید ہوتا ہے اور قرآن کریم کا بھید یہ سورتوں کے آغاز والے حروف ہیں۔ پس ان کو چھوڑ دیجئے (یعنی ان کے بارے میں سوال نہ کیجئے) اور اس کے ماسوی سے متعلق سوال کیجئے۔

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ان (حروف تہجی) کا معنی معلوم ہے۔ پس کہا گیا ہے ہر وہ حرف جس سے (سورۃ کا) آغاز ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما "کھیعص" کے متعلق فرماتے ہیں۔ کاف کافٍ سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کافی ہیں ھاء ھادٍ سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے اور یا حکیم سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمتوں والا ہے اور عین علیم سے ہے یعنی وہ ذات باری تعالیٰ جاننے والی ہے اور صاد صادق سے ہے کہ رب ذوالجلال کی ذات سچی ہے اور "المص" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ (مخفف ہے) "انا اللّٰہ الملک الصادق" کہ میں اللہ، سچا بادشاہ ہوں۔ حضرت ربیع بن انس "الم" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ الف اسم اللہ کا مفتاح ہے یعنی آغاز ہے اور لام نام خداوندی لطیف کا آغاز ہے اور میم نام الٰہی مجید کی ابتداء ہے۔

محمد بن کعب فرماتے ہیں "الالف آلآ اللّٰہ" یعنی الف سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے اور لام سے لطف اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم مراد ہے۔ "والمیم مُلکُہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ملک واقتدار کی طرف میم اشارہ کر رہا ہے۔)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "الم" کا معنی ہے "انا اللّٰہ اعلم" کہ میں اللہ ہوں جو جانتا ہوں اور "المص" کا معنی ہے "انا اللّٰہ اعلم و افصّل" یعنی میں اللہ ہوں جو جانتا ہوں اور خوب کھول کر بیان کرتا ہوں اور "الر" کا معنی انا اللہ اری میں اللہ ہوں دیکھتا ہوں۔ "المر" کا معنی ہے "انا اللّٰہ اعلم و اری" کہ میں اللہ ہوں جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ حضرت زجاج فرماتے ہیں یہ (توجیہات) خوب ہیں کیونکہ اہل عرب کلمہ کا ایک حرف بول کر کل کلمہ مراد لیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا کہنا ہے "قلتُ لھا قفی فقالت لی قاف" یعنی میں نے اس

سے کہا ٹھہر جا پس وہ بولی قاف (یہاں قاف سے مراد پورا کلمہ "قفتُ" ہے یعنی جواب میں اس نے کہا میں ٹھہر گئی۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حروف اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اجزاء شدہ اگر لوگوں کو ان حروف کے حسن ترکیب کا علم ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کو جان لیتے۔ (اے مخاطب) کیا تو دیکھتا نہیں کہ تو جب "الر......حم......ن" بولے تو الرحمٰن بن جائے گا۔ اسی طرح بقیہ حروف مگر یہ کہ ہم سب کو جوڑ نہیں سکتے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں یہ حروف قرآن پاک کے نام ہیں۔

حضرت مجاہد اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ سورتوں کے نام ہیں اس کا بیان یوں کہ کہنے والا جب کہے میں نے "المص" پڑھی تو سننے والا خوب جان جاتا ہے کہ اس نے وہ سورۃ پڑھی جس کا آغاز "المص" سے ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ حروف قسمیں ہیں۔

حضرت اخفش فرماتے ہیں کہ ان حروف کے شرف اور فضیلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمیں اُٹھائیں کیونکہ یہ حروف (آسمانی) نازل ہونے والی کتابوں کے (مبانی) یعنی بنیادی حروف ہیں (جن سے ان کتابوں کا کلام مرکب ہے) اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے مبادی یعنی ابتدائی حروف ہیں۔

"ذالک الکتاب" یعنی ھذا الکتاب یہ کتاب' اور وہ قرآن ہے اور کہا گیا ہے کہ یہاں ھذا پوشیدہ ہے یعنی "ھذا ذالک الکتاب". حضرت فراء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وعدہ فرمایا تھا کہ ان کی ذات اقدس پر ایسی کتاب نازل فرمائے گا جسے پانی مٹا نہ سکے گا اور بار بار پڑھنے سے پرانی نہ ہوگی۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا تو فرمایا "ھذا ذالک الکتاب" یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کا وعدہ میں نے تورات و انجیل میں کیا تھا کہ میں آپ پر نازل کروں گا اور سابقہ نبیوں کی زبانی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا تھا۔ ہذا قریب کرنے کے لیے لایا جاتا ہے اور "ذالک" دوری بیان کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔

حضرت کیسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ سے پہلے چند سورتیں نازل فرمائیں جن کی مشرکوں نے تکذیب کی۔ اس کے بعد سورۃ بقرہ نازل فرمائی۔ پس فرمایا "ذالک الکتاب" یعنی جو سورتیں سورۂ بقرہ سے پہلے آئیں وہ کتاب ہیں جن میں شک نہیں اور الکتاب مصدر ہے وہ بمعنی مکتوب ہے جیسے مخلوق کو کہا جاتا ہے ھذا الدرھم ضرب فلان یعنی فلاں کا مضروب ہے۔ فلاں کا مہر زدہ ہے۔ کتاب کا اصل معنی ملانا اور جمع کرنا ہے۔ لشکر کو کتیبہ کہا جاتا ہے اس کے جمع ہونے کے باعث' اور کتاب کو کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حرف کو حرفوں کے ساتھ جمع کرنا ہوتا ہے۔

لاریب فیہ اس میں شک نہیں اس معنی میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بے شک وہ حق ہے اور سچ ہے اور کہا گیا ہے وہ خبر بمعنی نہی ہے (مرادی معنی ہوگا) اس میں شک مت کرو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "فلا رفث ولا فسوق" رفث مت کرو (عورتوں کے سامنے بے حیائی کی باتیں کرنے کو رفث کہا گیا ہے) اور فسوق مت کرو یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرو۔

ابن کثیر نے فیہ کو اشباع کے ساتھ پڑھا ہے (کسرہ کے ساتھ) وصل کی صورت میں اور اسی طرح ہر وہ ھاء لکھنے کے اعتبار سے

جس سے پہلے ساکن ہیں وصل کی حالت میں اشباع کرتے ہیں۔ جب تک اس کے قریب ساکن نہ ہو پھر اگر ھاء سے پہلے ساکن یاء ہو تو اسے کسرہ یاء کی صورت میں اشباع کرتے ہیں اور اگر یاء کے بغیر ہو تو واؤ کی صورت میں اشباعی پیش لاتے ہیں۔ حفص نے اس کی موافقت کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ''فیه مهانا'' پس اس میں اشباع کیا (هدی للمتقین) غنہ کا لام اور راء میں ادغام کیا جاتا ہے۔ یہ ادغام ابوجعفر اور ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے کیا ہے۔ البتہ حمزہ اور کسائی نے اضافہ کیا کہ یاء کے ساتھ بھی غنہ کا ادغام ہوگا اور حمزہ نے واؤ کے ساتھ بھی ادغام کا قول کیا اور باقی حضرات ادغام غنہ نہیں کرتے۔

البتہ ابوجعفر نون اور تنوین کا خاء اور غین کے قریب اخفا کرتے ہیں۔ ''هدی للمتقین'' یعنی وہ ہدایت ہے یعنی رہنمائی ہے اور بیان ہے اہل تقویٰ کے لیے۔ اور کہا گیا ہے کہ ''هدیً منصوب علی الحال'' ہے یعنی درانحالیکہ ہدایت دینے والا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی اس میں شک نہیں ہے یعنی متقی لوگوں کو ہدایت دینے میں ''هدی'' وہ چیز جس سے انسان رہنمائی حاصل کرے ''للمتقین'' کا معنی ''للمؤمنین'' ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں متقی وہ ہے جو شرک سے بچتا ہے بڑے گناہوں سے اور برائیوں سے بچتا ہے۔ یہ لفظ اتقاء سے لیا گیا ہے جس کا اصل معنی ہے دو چیزوں کے درمیان رُکاوٹ اسی سے ہے ان کا یہ قول ''اتقی بتِرُسِه'' یعنی ڈھال کو رُکاوٹ بنایا اور بچاؤ کیا اپنی ذات اور (دشمن کے) مقصود کے درمیان (جو اس کو قتل کرنا تھا)۔

حدیث میں ہے ''کُنا اذا اشتدّ البأس اتقینا برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم'' جب جنگ زوروں پر ہوتی ہے تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور دشمن کے درمیان حاجز یعنی رُکاوٹ وحائل بناتے تھے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آجاتے) پس گویا کہ متقی انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری اور جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ اس سے اجتناب کو اپنے اور عذاب کے درمیان حائل ورُکاوٹ بناتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار سے فرمایا ہمیں تقویٰ کے بارے میں بیان فرمایئے تو حضرت کعب نے فرمایا کہ کبھی تو نے خاردار راستہ کو اختیار فرمایا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں تو حضرت کعب نے پوچھا تو آپ نے اس وقت کیا طریقہ اختیار کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے احتیاط کی اور پنڈلی پر سے کپڑا اسمیٹ لیا۔ جواباً حضرت کعب نے فرمایا بس یہی تقویٰ ہے (یعنی اسی احتیاط کے ساتھ زندگی گزارنے کا نام تقویٰ ہے)۔ حضرت شہر بن حوشب فرماتے ہیں متقی وہ شخص ہے جو کہ جن چیزوں کے کرنے میں کچھ حرج نہیں، انہیں محض اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ اس کی وجہ سے بعض وہ چیزیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جن میں شرعاً حرج ہے قدرے قباحت ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اللہ تعالیٰ کی محرمات کو چھوڑ دینے اور فرائض خداوندی کی بجا آوری کا نام ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ جو کچھ (خیر وبرکت) عطا فرماتے ہیں پس خیر ہے اور خیر کی طرف (پہنچانے والی) ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء کا نام تقویٰ ہے اور حدیث میں ہے کہ تقویٰ کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے ''ان اللّٰه یامر بالعدل والاحسان'' الآیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تقویٰ یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کسی ایک سے بھی

بہتر نہ سمجھے۔ متقی لوگوں کی تخصیص انہیں شرف بخشنے کے لیے ہے یا متقی لوگ ہی ہیں۔ (قرآنی) ہدایت سے نفع اُٹھانے والے۔

"الّذین یؤمنون" الذین یومنون متقین کی صفت ہونے کی وجہ سے حالت جر میں واقع ہے۔ یؤمنون کا معنی "یصدقون" (یعنی تصدیق کرنے والے) ابوعمرو اور ورش "یؤمنون" میں ہمزہ کو ترک کرتے ہیں اور باقی اسے ہمزہ دیتے ہیں۔ اسی طرح (مذکورۃ الصدر حضرات) دونوں ہر اس ہمزہ کو ترک فرماتے ہیں جو کہ ساکن ہو اور فعل کی فاء کے مقابلہ میں آیا ہو مگر چند گنے چنے حروف میں (ترک ہمزہ نہیں کرتے)۔

ایمان درحقیقت تصدیق قلب کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وما انت بمؤمن لنا" یعنی تو ہماری تصدیق کرنے والا نہیں ہے۔ "الایمان" ایمان شریعت میں نام ہے۔ دل سے اعتقاد رکھنا، زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنا۔ اقرار اور عمل کو ایمان ایک خاص مناسبت سے کہا گیا ہے کیونکہ یہ ایمان کے شرائع کا نام ہے۔

"الاسلام" اسلام عاجزی اور فرمانبرداری کا نام ہے۔ لہٰذا ہر ایمان اسلام ہے لیکن ہر اسلام ایمان نہیں ہے جبکہ اس کے ساتھ تصدیق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا. قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا"

اور یہ اس لیے کہ آدمی کبھی ظاہر میں تو تسلیم کرنے والا ہوتا ہے مگر باطن میں تصدیق کرنے والا نہیں ہوتا اور کبھی باطن میں تصدیق کرنے والا ہوتا ہے مگر ظاہر میں مطیع اور فرمانبردار نہیں ہوتا۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ یحییٰ بن یعمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تقدیر کے بارے میں سب سے پہلے جنہوں نے کلام کیا وہ بصرہ میں معبد جہنی تھا۔ چنانچہ میں اور حمید بن عبدالرحمٰن (ہم دونوں) مکہ مکرمہ کی طرف جانے کے ارادہ سے نکلے۔ ہماری خواہش تھی کہ کاش ہم کسی صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو ہم ان سے ان کے بارے میں (جو تقدیر میں بحث کر رہے ہیں) پوچھتے۔

چنانچہ ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے ہوگئی میں اور میرے ساتھ والے نے حضرت کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک ہم میں سے حضرت کے دائیں طرف تھا دوسرا بائیں جانب۔ میں نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ میرا ساتھی متکلم مجھے بنائے گا۔ پس میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن ہماری طرف کچھ ایسے لوگ ہیں اس علم (علم تقدیر) کی طرف احتیاج رکھتے ہیں اور اسے طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں تقدیر (تقدیری فیصلے) کچھ نہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے محض اتفاق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب تو ان لوگوں سے ملے تو انہیں یہ خبر دے دینا کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو جبل احد کے برابر سونا حاصل ہو۔ پھر وہ اس سونے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔ اس (عظیم) صدقہ کو بھی اللہ تعالیٰ اس سے قبول نہیں فرمائیں گے۔ جب تک اس چیز پر ایمان نہ لائے کہ خیر و شر کے فیصلے تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتے ہیں۔

ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ اچانک

ایک ایسا شخص نمودار ہوا جس کا لباس بہت سفید اور بال بہت سیاہ تھے۔ نہ تو اس پر سفر کے آثار تھے اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ وہ شخص آگے بڑھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر اس طرح بیٹھ گیا کہ اس کا گھٹنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھٹنے کو چھو رہا تھا آتے ہی اس نے پوچھا یا محمدؐ مجھے اسلام سے متعلق خبر دیجئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اور تو نماز کو قائم کرے زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔ رمضان المبارک کے روزے رکھے۔ بیت اللہ شریف کا حج کرے، اگر تجھے وہاں جانے کی طاقت ہو۔ جواباً اس نے صدقت کہا یعنی آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں اس کے پوچھنے اور پھر جواب کی تصدیق سے متعلق تعجب ہوا۔ (یعنی اس کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس چیز کو نہیں جانتا اور تصدیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے یہ سب کچھ جانتا ہے) بعد میں اس نے پوچھا "فما الایمان" کہ ایمان کیا چیز ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تو اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لائے۔ اس کے فرشتوں پر ایمان لائے اس کی کتابوں پر ایمان لائے اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور مرنے کے بعد (دوبارہ جی) اُٹھنے پر ایمان لائے۔ جنت اور دوزخ پر ایمان لائے اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے، اس پر اس نے کہا صدقت، آپ نے سچ فرمایا، اس کے بعد اس نے پوچھا "فما الاحسان" کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس بے شک تو اگر اس کو نہیں دیکھ رہا تو وہ یقیناً تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس پر بھی اس نے کہا صدقت یعنی آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس نے کہا مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیجئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا جس سے پوچھا جا رہا ہے، وہ پوچھنے والے سے (قیامت کے بارے میں) زیادہ تو نہیں جانتا۔ اس نے کہا صدقت آپ نے سچ فرمایا۔

کہا مجھے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں خبر دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ باندی اپنے سردار کو جنم دے گی۔ (یعنی بیٹیاں ماں پر سردار بن کر حکم چلائیں گی)۔ دوسری نشانی اور یہ کہ تو ننگے پاؤں اور ننگے بدن بکریاں کو چرانے والے (قسم کے) لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے۔ (یعنی نااہل لوگ مالدار اور دولت مند بن جائیں گے)۔ اس نے کہا صدقت! ...... پھر وہ چلا گیا۔ جب تیسرا دن ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے پوچھا عمر جانتے ہو وہ آدمی کون تھا؟ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو اس لیے تمہارے پاس تشریف لائے تھے تا کہ تمہیں امور دین کے بارے میں معلومات دیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی جس صورت میں تشریف لائیں میں انہیں پہچان لیتا ہوں مگر اس صورت میں (یعنی اس دفعہ) نہیں پہچان سکا۔

حضرت فراء فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں اسلام ظاہری اعمال کو قرار دیا ہے اور ایمان باطنی اعتقادات کو فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تفصیل و تقسیم اس لیے نہیں کہ اعمال ایمان سے نہیں اور تصدیق قلبی اسلام سے نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پورا ارشاد ایک مجموعہ کی تفصیل ہے اور یہ ایک شئی ہے جس کے مجموعہ کا نام دین ہے۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ذالک" جبرئیل یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارے معاملات سکھانے آئے

تھے اور اس بات کی دلیل کہ اعمال بھی ایمان سے ہیں وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان ستر (۷۰) سے چند زائد شعبوں کا نام ان میں سے افضل شعبہ (کلمہ) لا الہ الا اللہ ہے اور ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا ہے اور حیاء ایمان کا خاص حصہ ہے۔

ایمان

امان سے لیا گیا ہے۔ لہٰذا مؤمن کو مؤمن کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امان دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام مؤمن اس لیے ہے کہ وہ بندوں کو عذاب سے امان دیتا ہے۔

اور غیب مصدر ہے جسے اسم کی جگہ پر رکھا گیا ہے۔ پس غائب کو غیب کہا گیا جیسے عادل کو عدل کہا گیا۔ (عدل کرنے والا) اور زائر کو زور (زیارت کرنے والا) غیب وہ ہے جو آنکھوں سے غائب ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس جگہ غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تیری نظر سے غائب ہے خواہ وہ فرشتے ہوں۔ مرنے کے بعد زندہ ہونا ہو، جنت ہو، دوزخ ہو، آگ ہو (جہنم پر قائم شدہ) پل صراط ہو ترازو ہو اور کہا گیا ہے غیب سے اس جگہ مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ قرآن پاک مراد ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں غیب سے مراد یہاں آخرت ہے۔ حضرت زر بن جیش اور ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وحی مراد ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ”عندہ علم الغیب“ کیا اس کے پاس علم غیب ہے (اور اس سے مراد وحی ہے) اور ابن کیسان کا کہنا ہے غیب سے مراد تقدیر ہے۔ عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ انہوں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور ان فضائل کا تذکرہ فرمایا جن فضائل میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبقت کی۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ ہر دیکھنے والے کے لیے بالکل واضح تھا مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی شخص بھی اس شخص سے افضل ایمان نہیں لایا جو کہ غائبانہ ایمان لایا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ نے ”الم ذالک الکتاب“ سے لے کر ”ھم المفلحون“ تک پڑھا۔ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کلام کا منشاء یہ ہے کہ کلی طور پر ایمان بالغیب اس شخص کا ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی اور محض غائبانہ ایمان لایا۔)

نوٹ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تائید ایک حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ”اعجبھم ایمانا“ فرما کر ان لوگوں کا ایمان عجب ترین قرار دیا جنہوں نے آپ کی زیارت نہیں کی۔ بعد میں آئے اور ایمان لائے۔ گویا ایسے لوگوں کا ایمان ہر اعتبار سے غائبانہ ہوا۔

اضافہ از مترجم

ابو جعفر، ابو عمرو اور ورش نے ”یؤمنون“ ترک ہمزہ کے ساتھ پڑھا (یعنی بغیر ہمزہ کے پڑھا) اسی طرح ابو جعفر ہر سا

ہمزہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ سوائے ”انبئھم“ اور ”ینبئھم“ اور ”نبئنا“ ابوعمر ہر ہمزہ کو چھوڑ دیتے ہیں مگر یہ کہ وہ جزم کی علامت ہو جیسے ”نبئھم“ اور ”انبئھم“ اور ”تسؤھم“ اور ”تسؤ کم“ اور ”ان نشاء“ اور ”ننسأھا“ اور اسی کے مثل اور بھی) یا پھر وہ مقام جہاں ترک ہمزہ سے ایک لغت سے دوسری لغت کی طرف نکلنا پڑتا ہو۔ مثلاً (مؤصدہ) اور (رئیا) اور ورش ہر اس ہمزہ کو چھوڑتے ہیں جو کہ ساکن ہو اور فعل کی فاء سے پہلے ہو مگر (تؤوی) اور تؤویہ) اور فعل کی عین کے مقابل جو ہمزہ آئے اسے ترک نہیں کرتے مگر (الرؤیا) ہیں اور اس کے باب میں الا یہ کہ فعل کے وزن پر ہو۔

”ویقیمون الصلٰوۃ“ یعنی اسے ہمیشہ پڑھتے ہیں اس کے اوقات کی بمع اس کے حدود ارکان اور شکل وصورت کی حفاظت کرتے ہیں۔ یقیمون سے ہی قام بالامر اور واقام الامر اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ اس امر کو اس کے تمام حقوق کے ساتھ ادا کیا جائے یا پھر اس جملہ سے مراد پانچوں نمازیں ہیں جنہیں لفظ مفرد کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”فبعث اللّٰہ النبیین مبشرین و منذرین و انزل معھم الکتاب بالحق“ یعنی کتابیں نازل فرمائیں تو گویا یہاں مفرد کتاب سے مراد کتابیں ہیں جو کہ جمع ہیں۔

”صلوٰۃ“ کا لغوی معنی دُعا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”فصل علیھم“ یعنی ان کے لیے دُعا کیجئے شریعت مقدسہ میں صلوٰۃ افعال مخصوصہ کا نام ہے قیام، رکوع، سجود، قعود، دُعا اور ثناء۔ اور بعض نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ”ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النّبی“ الآیۃ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بے شک اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ کا معنی رحمت ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا معنی استغفار ہے اور مؤمنین کی صلوٰۃ کا معنی دُعا ہے۔ ”ومما رزقنھم“ اس کا معنی ہے ”اعطیناھم“ یعنی جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا اور رزق ہر اس کا نام ہے جس سے نفع اُٹھایا جائے حتیٰ کہ اولاد اور غلام لغت میں رزق کا معنی حصہ اور نصیب کے ہیں۔

”ینفقون“ بمعنی ”یتصدقون“ (یعنی صدقہ کرتے ہیں) حضرت قتادۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں۔ انفاق کا اصل معنی ہاتھ اور ملک سے نکالنا ہے۔ اسی سے نفاق السوق ہے۔ (جب بازار میں لین دین خوب ہو) کیونکہ اس میں سامان کو ہاتھ سے نکالنا ہوتا ہے۔ اسی سے ہے ”نفقت الدابّہ“..... جبکہ اس کی روح نکل جائے (یعنی جانور ہلاک ہو جائے) پس یہ آیت ان ایمان والوں سے متعلق ہے جو مشرکین عرب سے تھے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ. وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ......

ترجمہ اور وُہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اُس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اُتاری گئی ہے اور اُن کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری جا چکی ہیں اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں

تفسیر اس قرآن مراد ہے ”وما انزل من قبلک“ اس سے مراد تورات، انجیل اور بقیہ وہ تمام کتب جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر نازل کی گئیں۔

ابو جعفر اور ابن کثیر اور قالون اور اہل بصرہ اور یعقوب ہر اس مد کو چھوڑ دیتے ہیں جو دو کلموں کے درمیان واقع ہو اور باقی حضرات مد دیتے ہیں اور یہ آیت کریمہ ان مؤمنین کرام سے متعلق ہے جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے۔

"وبالآخرۃ" ای بالدار الآخرۃ (یعنی جو آخرت پر ایمان لائے) دُنیا کو دنیا کا نام اس لیے دیا گیا کہ وہ بنسبت آخرت کے قریب ہے اور آخرت کو آخرت اس لیے کہا گیا کہ وہ متاخر اور دُنیا کے بعد ہونے والی ہے۔

"ھم یوقنون" وہ یقین رکھتے ہیں کہ بے شک وہ ہونے والی ہے۔ یوقنون ایقان سے ہے اس کا معنی علم ہے اور کہا گیا ہے کہ ایقان اور یقین اس علم کا نام ہے جو دلیل سے حاصل شدہ ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو موقن نہیں کہا جاتا اور اللہ تعالیٰ کے علم کو یقین نہیں کہا جاتا کیونکہ علم الٰہی دلیل سے ماخوذ نہیں۔

اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ اِنَّ الَّذِيْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑥ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ط وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَايَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ⑨

ترجمہ پس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہیں اُن کے حق میں خواہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لاویں گے بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لے سزا بڑی ہے اور اُن لوگوں میں بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور اُن لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں یعنی محض چالبازی کی راہ سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور واقع میں کسی کیساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

تفسیر "اولٰئک" یعنی ان صفات کے حامل حضرات اور اولاء کلمہ ہے اس کا معنی جماعت سے کنایہ ہے (یعنی اس سے مراد جماعت ہوتی ہے) جیسے کہ "ھُمْ" اور کاف خطاب کا ہے جیسے کہ ذالک میں کاف خطاب کا ہے۔ (علی ھدی) یعنی رشد و بیان اور بصیرت پر ہیں۔ (یعنی ہدایت پر ہیں)۔ "من ربھم و اولٰئک ھم المفلحون" نجات پانے والے اور کامیاب جنت کے ساتھ کامیاب ہوئے اور آگ سے نجات پا گئے۔

اور فلاح بمعنی بقاء بھی ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کی نعمت میں باقی رہنے والے فلاح کا اصل معنی قطع کرنا اور پھاڑنا ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے کسان کو فلاح کا نام دیا گیا کیونکہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے اور مثال میں ہے الحدید بالحدید یفلح یعنی لوہا لوہے

سے کاٹا جاتا ہے۔ پس یہ لوگ وہ ہیں جن کے لیے دُنیا اور آخرت میں خیر کو قطع کر دیا گیا۔ (یعنی الاٹ کر دیا گیا ہے)۔

"ان الذین کفروا" اس سے مراد مشرکین عرب۔ کلبی کہتے ہیں اس سے مراد یہود ہیں اور کفر جحود کے معنی میں سے ہے یعنی انکار کرنا اور اس کا اصل معنی ستر ہے اسی اعتبار سے رات کو کافر کا نام دیا گیا کیونکہ وہ اپنی تاریکی سے چیزوں کو چھپا دیتی ہے اور کسان کو کافر کہ وہ دانہ کو مٹی میں چھپاتا ہے۔ پس کافر حق کو اپنے انکار کے ساتھ چھپاتا ہے۔

اقسام کفر

کفر چار قسم پر ہے ① کفر انکار ② کفر جحود ③ کفر عناد ④ کفر نفاق۔

کفر انکار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بالکل نہیں پہچانتا اور نہ اس کا اعتراف کرتا ہے اور اس کا کفر کرتا ہے۔

کفر جحود یہ ہے کہ نہ دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچانتا ہے اور نہ زبان سے اقرار کرتا ہے جیسے کفر ابلیس اور کفر یہود۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ" کفر العناد یہ کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے پہچانے اور زبان سے اقرار کرے مگر اطاعت نہ کرے جیسے ابوطالب کا کفر جبکہ وہ کہتا ہے (ابوطالب کے اشعار کا ترجمہ) اور البتہ تحقیق میں جانتا ہوں کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا کے بہترین دینوں میں سے ایک دین ہے۔ اگر ملامت (لوگوں کی) اور گالی کا خوف نہ ہوتا (اے محمدؐ) تو مجھے پاتا کہ میں کھلے دل سے اور کھلم کھلا قبول کر لیتا۔

کفر نفاق یہ کہ زبان سے اقرار کرے اور دل میں عقیدہ نہ ہو یہ چاروں کفر اس بات میں برابر ہیں کہ جو شخص ان کفروں میں سے کسی ایک کفر کو لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشیں گے۔ "سواء علیھم" اُن کے نزدیک یہ بات برابر ہے۔ "ء انذرتھم" ان کو آپ خوف دلائیں اور ان کو ڈرائیں۔ "انذار" کا معنی خوف دلانے اور ڈرانے کے ساتھ آگاہ کرنا لہٰذا ہر منذر (یعنی انذار کرنے) والا معلم (آگاہ کرنے والا) ہے اور ہر معلم (آگاہ کرنے والا) منذر (ڈرانے والا) نہیں ہے۔ ابن عامر اور عاصم اور حمزہ اور کسائی نے "أأنذرتھم" میں دونوں ہمزوں کو ثابت رکھا ہے اور اسی طرح ہر وہ دو ہمزے ثابت رکھتے ہیں جو کلمہ کی ابتداء میں واقع ہوتے ہیں اور باقی حضرات دوسرے ہمزہ کو لین کرتے ہیں (یعنی مخرج ہمزہ اور مخرج الف کے مابین پڑھتے ہیں) (ام) استفہام پر حرف عطف ہے۔ (لم) حرف جزم ہے فعل کے سوا کسی کے قریب واقع نہیں ہوتا کیونکہ جزم افعال کے ساتھ خاص ہے (اور لم جزم دیتا ہے) "تنذرھم لا یؤمنون" یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے حق میں ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے علم سابق کے اعتبار سے بدبختی کی بات ثابت ہو چکی ہے۔ اس کے بعد ان کے ترک ایمان کا سبب ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ختم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی "علیٰ قلوبھم" پس نہ خیر کو مقصود بناتے ہیں اور نہ اسے سمجھتے ہیں حتم کا حقیقی معنی کسی شئی کو مضبوط و مستحکم اس طرح کرنا تاکہ جو چیز اس شئی سے نکل چکی ہے وہ اس میں داخل نہ ہو اور جو داخل ہو چکی ہے وہ اس سے نکل نہ سکے اور اسی سے ہے ختم علی الباب یعنی دروازہ پر تالا لگا دیا۔ اہل السنۃ والجماعت فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے

اپنے علم سابق کے مطابق ان کے دلوں پر کفر کا حکم کر دیا۔ معتزلہ کہتے ہیں ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے ایسی علامت لگادی ہے جس کے ذریعے ان کافروں کو فرشتے پہچانتے ہیں۔

"**وعلیٰ سمعھم**" یعنی ان کی سماعت کی جگہوں پر (مہر لگادی) پس وہ حق کو نہیں سنتے اور نہ اس سے نفع اُٹھاتے ہیں اور "**علیٰ سمعھم**" سے مراد **علی اسماعھم** ہے جیسے دلوں کے بارے میں **علی قلوبھم** فرمایا لیکن کانوں کو مفرد اس لیے ذکر فرمایا کہ سمع مصدر ہے اور مصدر نہ تثنیہ ہوتی ہے اور نہ جمع ہوتی ہے۔ "**وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ**" یہ کلام نئے سرے سے شروع کی گئی ہے۔ "**غشاوۃ**" کا معنی پردہ پس (جس سے وہ) حق کو نہیں دیکھتے۔

ابوعمر اور کسائی نے (**ابصارھم**) کو امالہ کے ساتھ پڑھا (یعنی الف کو قدرے یاء کی طرف مائل کر کے اور اسی طرح ہر اس الف کا جس کے بعد راء مجرور ہو، اسماء میں فعل کی لام کے مقابل اس کا امالہ کرتے ہیں اور حمزہ ہر اس الف کا امالہ کرتے ہیں جس میں راء ہو جیسے **قرار** اور اس کے مثل اور کسائی نے **جبارین، جوار، ماوا کم** اور **من انصاری** اور **نسارع** اور اس کے باب میں امالہ کا اضافہ کیا ہے اور اسی طرح یہ حضرات ہر اس الف کا امالہ کرتے ہیں جو الف کہ لام فعل کے قائم مقام ہو یا وہ تانیث کے لیے نام ہو جبکہ اس سے پہلے راء ہو۔ تانیث کے نام کی مثال (کبریٰ، اخریٰ ہے اور لام فعل کی مثال تری اور فتریٰ) اس میں راء کو زیر دیتے ہیں۔

"**ولھم عذاب عظیم**" یعنی آخرت میں اور کہا گیا ہے دُنیا میں قتل کرنا اور قید کرنا اور آخرت میں دائمی عذاب۔ عذاب ہر وہ چیز ہے جو انسان کو مشقت میں ڈالے۔ خلیل فرماتے ہیں عذاب ہر اس چیز کا نام ہے جو انسان کی مراد کے حصول میں رُکاوٹ بن جائے اور اسی سے ہے **ماء العذب** یعنی ٹھنڈا میٹھا پانی کیونکہ وہ بھی پیاس کو منع یعنی ختم کرتا ہے۔

"**ومن النّاس من یقول آمنا باللّٰہ**" منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ مثلاً عبداللہ بن ابی ابن سلول، معتب بن قشیر، جد بن قیس اور ان کے ساتھی۔ اس لیے کہ انہوں نے اظہار اسلام اس لیے کیا تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں سے بچیں اور کلمۂ اسلام کے خلاف عقیدہ رکھا۔ منافقین کی اکثریت یہود سے تھی۔

"**النّاس**" انسان کی جمع ہے۔ انسان کی وجہ تسمیہ یہ کہ اس کی طرف عہد کیا گیا پس وہ بھول گیا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**ولقد عھدنا الیٰ آدم من قبل فنسی**" اور کہا گیا ہے کہ انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر و نمایاں انسان ان کے اس قول سے ماخوذ ہوگا۔ "**آنَسْتُ**" بمعنی ابصرت یعنی میں نے دیکھا (اور دیکھی وہ چیز جاتی ہے جو نمایاں اور ظاہر ہو۔ انسان کی یہ وجہ تسمیہ اضافی ہوگی یعنی بمقابلہ جن کے کہ وہ نظروں سے مستور ہے)۔ من المترجم

اور کہا گیا ہے کہ انسان کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے مانوس ہوا جاتا ہے۔ "**وبالیوم الآخر**" یعنی قیامت کے دن کے ساتھ۔ "**وما ھم بمؤمنین یخادعون اللّٰہ**" یعنی "**یخالفون اللّٰہ**" اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں۔

خداع کا لغوی معنی اخفاء ہے اور اسی سے مخدع ہے جو گھر کا خصوصی کمرہ (سٹور) ہوتا ہے جس میں سامان پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ مُخادِع کو مخادع اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ضمیر کے خلاف اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "**وھو خادعھم**"

خداع کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ظاہراً دُنیا میں ان کو نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ یہ خلاف ہے اس کے جو اللہ تعالیٰ ان منافقوں کے لیے آخرت میں عذاب غائبانہ تیار کیے ہوئے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ خداع کا اصل معنی فساد ہے اور اس جملہ کا معنی ہوگا کہ منافق لوگ ایمان کے اس بول کو (جو انہوں نے ظاہری طور پر بولا) دل میں پوشیدہ کفر کے ذریعے فاسد کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قول یعنی ان منافقوں پر اللہ تعالیٰ دُنیا کی نعمتوں کو فاسد کردیں گے۔ بسبب اس (انجام کار) کے جس کی طرف اللہ تعالیٰ ان کو لوٹائیں گے۔ عذاب آخرت سے "یخادعون اللّٰہ" پر وارد شدہ سوال کے جوابات اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "یخادعون اللّٰہ" کا کیا معنی ہوگا؟ جبکہ مفاعلہ مشارکۃ کے لیے (یعنی مفاعلہ کے وزن پر آنے والا فعل جانبین سے ہوا کرتا ہے) حالانکہ رب قدوس فعل مخادعۃ میں مشارکۃ یعنی شریک فعل ہونے سے بزرگ و برتر ہیں۔ جواباً کہا گیا جواب ❶ (کہ مفاعلہ کا باب کبھی مشارکۃ والے معنی میں نہیں ہوتا جیسے کہ تیرا کہنا "عافاک اللّٰہ" (اب اس کا معنی یہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تجھے عافیت بخشے اور تو اللہ تعالیٰ کو) بلکہ اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ تجھے عافیت بخشے۔ فقط

اسی طرح کہا جاتا ہے عافیت فلانا میں نے اس کو معاف کردیا طارقت النعل میں نے جوتے میں کیل ٹھونکے (یہ سب فعل جانب واحد سے ہیں)۔ جواب ❷ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ "یخادعون اللّٰہ" کا معنی ہے یخادعون رسول اللّٰہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے گئے خداع کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف نسبت کررہے ہیں) جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان الذین یؤذون اللّٰہ" یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو ایذا دیتے (تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو دی گئی ایذا کو اپنی ایذا قرار دیا۔)

جواب ❸ بعض حضرات نے کہا گیا ہے کہ یخادعون اللّٰہ میں لفظ اللہ کا ذکر محض تحسیناً ہے اور مقصود ایمان والوں کے ساتھ کیا گیا دھوکہ ہے۔ جیسے کہ اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فان للّٰہ خمسہ وللرسول" (تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر تحسیناً ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو خمس کی ضرورت نہیں ہے۔)

جواب ❹ بعض حضرات نے کہا گیا ہے کہ یخادعون اللّٰہ کا معنی ہے کہ وہ لوگ دین الٰہی میں وہ کام کرتے ہیں جو ان کے دین میں دھوکہ ہے خداع ہے۔ "والذین آمنوا" یعنی اور دھوکہ دیتے ہیں ایمان والوں کو اپنے اس قول کے ساتھ جب ان کو دیکھتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ "وما یخدعون" ابن کثیر نافع اور ابوعمرو نے "وما یخدعون" پڑھا پہلے حرف کی طرح اور اسے اس باب مفاعلہ سے بنایا جو مختص بالواحد ہے اور باقیوں نے "وما یخدعون" سے باب (مجرد) پر پڑھا "الا انفسھم" (یعنی نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے آپ کو) یہ اس لیے کہ ان کے دھوکہ کا وبال انہیں کی طرف لوٹنے والا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو اُن کی منافقت پر مطلع فرمادیں گے جس سے یہ منافق دُنیا میں رسوا ہوجائیں گے اور آخرت میں عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ "وما یشعرون" یعنی وہ لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور نہ اس کو جانتے ہیں کہ ان کے دھوکے کا وبال انہیں پر لوٹ رہا ہے۔

"فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ ⑩ وَاِذَا

قِيْلَ لَهُمْ لَاتُفْسِدُوْافِى الْاَرْضِ قَالُوْآ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْآ اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآاِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ وَاِذَالَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْآ اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭

ترجمہ اُن کے دلوں میں بڑا مرض ہے سواور بھی بڑھادیا اللہ تعالیٰ نے اُن کا مرض اور اُن کے لئے سزا دردناک ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ فسادمت کروزمین میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں یادرکھو بیشک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لاوینگے جیسا ایمان لائے ہیں یہ بیوقوف یادرکھو یہی ہیں بے وقوف لیکن وہ اس کا علم نہیں رکھتے اور جب ملتے ہیں وہ منافقین اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بیشک تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف استہزاء کیا کرتے ہیں۔

تفسیر ⑩"فی قلوبهم مرض" شک ومنافقت کا مرض، مرض کا اصل معنی ضعف ہے۔ دُنیا میں شک کو مرض کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ دین کو کمزور کردیتا ہے جیسے مرض بدن کو کمزور کرتا "فزادهم الله مرضا" اس لیے کہ آیات یکے بعد دیگرے مسلسل و متواتر نازل ہورہی تھیں۔ جب بھی کسی آیت کا انکار کرتے تو کفرونفاق میں بڑھ جاتے اور یہی معنی ہے فرمان الٰہی کا۔ "واما الذين فی قلوبهم مرض فزادتهم رجسا الٰی رجسهم" ابن عامر اور حمزہ نے (فزادهم الله مرضا) کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حمزہ نے (زاد) کے امالہ کو زیادہ کیا اور جہاں کہیں واقع ہو وہاں پر بھی امالہ کیا اور لفظ (زاغ اور خاب اور طاب اور حاق اور حناق) میں امالہ کیا اور باقی امالہ نہیں کرتے "ولهم عذاب اليم" یعنی درد رسیدہ۔ اس کا درد ان کے دلوں تک پہنچ جائے گا۔ "بما كانوا يكذّبون" مابرائے مصدر ہے۔ معنی ہوگا ان کی اللہ ورسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوشیدہ تکذیب کی وجہ سے اور کوفیوں نے یکذبون تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے پھر معنی ہوگا "بکذبهم" (یعنی ان کے جھوٹ کے باعث عذاب ہوگا) جب کہ انہوں نے آمنا کہہ کر (جھوٹ بولا) جب کہ غیر مؤمن تھے۔

"واذا قيل" کسائی نے (قِیل اور غِیض اور جِیئَ اور جِیل اور سِیق اور سِیئت) ان تمام لفظوں کے اول حروف کو قدرے پیش کی طرف مائل کرکے پڑھا۔ اہل مدینہ نے (سِیئَ اور سِیئت) میں موافقت کی اور ابن عامر نے (سِیق اور جِیل اور سِیئَ اور سِیئت) میں موافقت کی اس لیے کہ ان کا اصل قول قاف کی پیش اور واؤ کی کسرہ کے ساتھ ہے۔

"قُتِل" کی طرح، پس پیش کی طرف اشارہ کیا گیا تا کہ اس واؤ پر دلالت کرے جواب (یاء سے) بدل چکی ہے اور یا

حضرات ان الفاظ کے پہلے حروف کو کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ انہوں نے واؤ پر حرکت کو ثقیل محسوس کیا تو اس کی کسرہ (زیر) کو فعل کی فاء کی طرف منتقل کر دیا اور واؤ پہلے حرف کی زیر کی وجہ سے یاء سے بدل گئی۔

⑪ "**واذا قیل لھم**" یعنی منافقین کو کہا گیا یا یہود کو۔ ان کو مؤمنوں نے کہا "**لاتفسدوا فی الارض**" کفر کر کے اور حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن کریم پر ایمان لانے سے لوگوں کو روک کر زمین پر فساد نہ کرو اور کہا گیا ہے کہ "**لاتفسدوا**" کا معنی "**لاتکفروا**" ہے اور کفر دین میں شدید ترین فساد ہے۔ "**قالوا انما نحن مصلحون**" یہ بات بھی ایسے ہی جھوٹی کہتے ہیں جیسے کہ آمنا کا جملہ اس حال میں کہتے کہ وہ جھوٹے ہوتے ہیں۔

⑫ ......(**الا**) کلمہ تنبیہ ہے جس سے مخاطب کو متنبہ کیا جاتا ہے "**انھم ھم المفسدون**" اپنے آپ کو (فاسد کرنے والے ہیں) کفر کر کے اور لوگوں کو خراب کرنے والے ہیں۔ ایمان سے روک کر کے۔ "**ولکن لایشعرون**" یعنی نہیں جانتے اس بات کو کہ وہ فاسد کرنے والے ہیں کیونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ بے شک وہ جس حال پر ہیں کفر (کی گندگی) سے باطن بھر کر یہ حال، حالِ صلاح ہے اور کہا گیا ہے کہ "**لایعلمون**" کا معنی ہے کہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کیا کچھ عذاب تیار کر رکھا ہے۔

⑬ "**واذا قیل لھم**" یعنی منافقوں کو کہا گیا ہے یا یہود کو "**آمنوا کما آمن الناس**" جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے اور کہا گیا ہے جیسے کہ مہاجرین وانصار ایمان لائے۔ "**قالوا انؤمن کما آمن السفھاء**" سفہاء سے مراد جاہل لوگ۔

منافقت سے متعلق سوال اور اس کا جواب

پس اگر کہا جائے کہ "**انومن کما آمن السفھاء**" کا قول جہراً کہنے کے بعد ان پر نفاق کا قول کرنا کیسے صحیح ہوگا۔ جواباً کہا گیا ہے کہ منافق لوگ یہ بات آپس میں کہتے تھے ایمان والوں کے سامنے نہیں کہتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام اور ایمان والوں کو ان کے اس قول کی خبر دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا "**الا انھم ھم السفھاء ولکن لایعلمون**" نہیں جانتے کہ وہ سفیہ ہیں۔ سفیہ کا معنی کم عقل کمزور حوصلے والا۔ یہ ان کے اس قول ثوب سفیہ سے ماخوذ ہے۔ یعنی کپڑا پتلا ہے اور کہا گیا ہے سفیہ اس جھوٹے کو کہتے ہیں جو عمداً اپنے علم کے خلاف کرے۔

اہل کوفہ و شام نے "**السفھاءُ اَلا**" کو دونوں ہمزوں کو ثابت رکھ کر پڑھا ہے اور اسی طرح ان ہر دو ہمزوں کو ثابت رکھتے ہیں جو دو کلموں میں واقع ہوں وہ دونوں ہمزے باہم متفق ہوں یا مختلف۔

دوسرے حضرات پہلے ہمزہ کو ثابت رکھتے ہیں اور دوسرے میں لین کرتے ہیں۔ (یعنی اس ہمزہ کے اپنے مخرج اور اس پر واقع حرکت کے موافق حرف علت کے مخرج کے درمیان پڑھتے ہیں) یہ اس وقت جب دونوں ہمزے مختلف ہوں تا کہ تخفیف ہو۔ اور

⑭ "**واذا لقوا الذین آمنوا**" یعنی یہ منافق جب مہاجرین وانصار کو ملتے ہیں "**قالوا آمنا**" ہم ایمان لائے تمہارے ایمان کی طرح "**واذا خلوا**" جب لوٹتے ہیں "**لفظ خلوا**" جائز ہے کہ خلوت سے ہو اور (**الی**) بمعنی باء ہو تو "**الی شیاطینھم**" بمعنی "**بشیاطینھم**" ہوگا یعنی اپنے شیطانوں کے ہمراہ اور کہا گیا ہے کہ الی بمعنی مع ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

"ولا تاکلوا أموالهم الی اموالکم" یعنی مع اموالکم (شیاطینهم) یعنی ان کے سرداراوران کے کاہن شیاطین پانچ تھے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ یہود کے پانچ بڑے سرغنہ تھے۔ ❶۔کعب بن اشرف مدینہ میں۔ ❷۔ابو بردہ بنواسلم میں۔ ❸۔عبدالدار قبیلہ جہینہ میں۔ ❹۔عوف بن عامر بنی اسد میں۔ ❺۔عبداللہ بن السوداء شام میں۔ ہر کاہن کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے جو اس کے تابع ہوتا ہے۔شیطان لغت میں سرکش نافرمان اور حد سے گزرنے والے کو کہتے ہیں خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے جن میں سے انسانوں میں سے اور ہر چیز سے شیطان شطن سے ہے اس کا معنی بُعد ہے کہا جاتا ہے۔عرب کے محاورے میں بولا جاتا ہے۔ بئر شطون یعنی گہرائی والا کنواں شیطان کو شیطان کا نام اس لیے دیا گیا کہ وہ بھی شر میں بڑھا ہوا ہے اور خیر سے دور ہوتا ہے۔اس لئے اس کا نام شیطان رکھا گیا ہے حضرت مجاہد "الی شیاطینهم" کا معنی کرتے ہیں الی اصحابهم یعنی اپنے ساتھیوں کی طرف جو منافقوں اور مشرکوں سے تھے۔

"قالوا انا معکم" تمہارے دین پر "انما نحن مستهزون" ہم استہزاء کرتے ہیں۔محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اوران کے ساتھیوں کے ساتھ بسبب اس کے کہ ہم اسلام ظاہر کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ⑰ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ⑱ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ⑲

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہی استہزاء کر رہے ہیں اُنکے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں اُنکو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران سرگرداں ہو رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی ہے بجائے ہدایت کے تو سودمند نہ ہوئی اُن کی یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے ان کی حالت اس شخص کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اُس آگ نے اُس شخص کے گرداگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے سلب کرلیا ہو اُنکی روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو اُنکو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں۔بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہوں گے یا اُن منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے بارش ہو آسمان کیطرف سے اُس میں اندھیری بھی ہو اور رعد و برق بھی جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ ٹھونسے لیتے ہیں اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہے کافروں کو۔

تفسیر ابوجعفر نے "مستهزون اور یستهزون اور قل استهزوا اور لیطفوا اور لیوا طوا اور یستنبونک اور

خاطین اور خاطون اور متکین اور متکون اور فمالون اور والمنشون "ان سب میں ہمزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ ⑮ "اللّٰہ یستھزیٔ بھم" یعنی ان کو بدلہ دیں گے ان کے استہزاء کا بدلہ استہزاء کے بدلہ کو بھی استہزاء کا نام دیا گیا کیونکہ وہ استہزاء کے مقابلہ میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وجزاء سیئة سیئة مثلھا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں استہزاء کا بدلہ اس طرح ہوگا کہ ان کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ پس جب اس کی طرف پہنچیں گے تو وہ دروازہ ان سے بند کردیا جائے گا اور آگ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور بعض نے کہا کہ استہزاء کا بدلہ اس طرح ہوگا کہ ایمان والوں کے لیے نور رکھا جائے گا جس سے وہ صراط پر چلیں گے۔ جب منافق وہاں تک پہنچیں گے تو منافقوں اور مؤمنوں کے درمیان رُکاوٹ کردی جائے گی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (وحیل بینھم وبین ما یشتھون) کہ منافقوں اور ان کی چاہتوں کے درمیان رُکاوٹ قائم کردی جائے گی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فضرب بینھم بسور لہ باب" پھر ان کے درمیان ایک دیوار بنادی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ الایہ کہ ان کے درمیان ایک فصیل قائم کردی جائے گی جس کا دروازہ ہوگا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں پر منافقوں کا نفاق ظاہر فرمادیں گے۔ "ویمدھم" ان کو چھوڑتا ہے اور ان کو ڈھیل دیتا ہے مد اور امداد ایک چیز ہے اور اس کا اصل معنی زیادہ ہونا ہے مگر یہ کہ مد زیادہ تر شر میں استعمال ہوتا ہے اور امداد خیر میں مستعمل ہے۔ اللہ تعالیٰ مد کے متعلق فرماتے ہیں "ونمد لہ من العذاب مدًّا" اور امداد کے متعلق فرمایا "وامددنا کم باموال وبنین و امددناکم بفاکھة"...... "فی طغیانھم" اپنی گمراہی میں طغیان کا اصل معنی ہے حد سے گزر جانا اور اسی سے ہے طغی الماء "یعمھون" یعنی گمراہی میں آتے جاتے ہیں۔ اس حال میں کہ حیران ہیں۔

⑯ "اولئک الذین اشتروا الضلالة بالھدیٰ" بالھدیٰ کا معنی بالایمان (فما ربحت تجارتھم) یعنی انہوں نے کفر کو بدلے میں لیا یعنی نہ نفع مند ہوئے وہ لوگ اپنی تجارت میں۔ ربح یعنی نفع کی نسبت تجارت کی طرف کی کیونکہ نفع تجارت میں ہوتا ہے جیسے عرب والے کہتے ہیں "ربح بیعک و خسرت صفقتک" یعنی تیری بیع نفع والی ہوئی اور تیرا سودا خسارہ کا ہوا۔ "وما کانوا مھتدین" (یعنی نہیں تھے وہ راہ اپنانے والے گمراہی سے اور کہا گیا درست پہنچنے والے اپنی تجارت میں۔

⑰ "مثلھم" ان کی مشابہت اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد ان کی صفات ہیں ...... مثل معاشرہ میں اس مشہور قول کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز پہچانی جائے اور امثال قرآن کریم کی سات قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ "کمثل الذی" الذی بمعنی الذین ہے (گویا لفظاً مفرد اور معنی کے لحاظ سے جمع) آیت کے سیاق کے لحاظ سے (یعنی بعد میں آنے والے صیغوں کے اعتبار سے) اور اس کی مثال "والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون" (یعنی جیسے یہاں والذی بمعنی الذین ہے کیونکہ اس کے بعد اسم اشارہ جمع لایا گیا یعنی "اولئک" اس مقام میں الذی بھی بمعنی الذین کے ہے کیونکہ بعد میں ان کی طرف جمع کی ضمیریں لوٹ رہی ہیں۔ "بنورھم وترکھم"

"استوقدنارا" بمعنی اوقد نارا ہے (یعنی آگ کو جلایا) "فلما اضاءت" آگ نے روشن کیا (ماحولہ) یعنی آگ

جلانے والے کے ماحول کواضاء لازم بھی ہے متعدی بھی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے اضاء الشی بنفسہ اور اضاء غیرہ یعنی چیز روشن ہوئی (خود) چیز نے روشن کیا (دوسرے کو) اور یہاں متعدی ہے۔

"ذھب اللّٰہ بنورھم ...... لایبصرون" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ اور مقاتل اور ضحاک (تفسیر بغوی صفحہ ۵۳) اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ منافقوں کی مثال ان کے نفاق میں اس آدمی کی سی ہے جو جنگل میں تاریک رات کے اندر آگ جلاتا ہے۔ پس سینکتا ہے اور اپنے ماحول کو دیکھتا ہے۔ پس (سمجھتا ہے) کہ وہ ہر اس چیز سے بچ گیا جس کا اسے خوف تھا وہ اسی حال (اطمینان) میں ہوتا ہے کہ اچانک اس کی (جلائی ہوئی) آگ بجھ جاتی ہے۔ پس وہ اندھیرے میں حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ پس اسی طرح منافق لوگ ایمان کا بول، بول کر اپنے مال و اولاد سے متعلق پُرامن اور مطمئن ہو گئے۔ ایمان والوں کے ہاں نکاح وغیرہ کر دیئے، مؤمنوں کی جائیداد کے وارث بن گئے، مال غنیمت کے حصے لے اُڑے۔ یہ (مفادات) ان کا نور ہوئے پس جب مرے وہی تاریکی اور خوف ان کا مقدر ٹھہرا اور کہا گیا ہے ان کے نور کا چلا جانا قبر میں ہوگا۔

بعض نے کہا کہ قیامت میں ہوگا جب وہ ایمان والوں کو کہتے پھریں گے ہمارا بھی خیال کرو ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کے نور کا چلا جانا اس اعتبار سے ہے کہ حضور علیہ السلام کی زبان مقدس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدۂ نفاق کو ظاہر فرمایا۔ تو آگ سے مثال دی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا "اطفأ اللّٰہ نارھم" کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آگ کو بجھا دیا بلکہ فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے نور کو ان سے لے گیا۔ کیونکہ آگ کے اندر دو چیزیں ہوتی ہیں روشنی اور حرارت تو ان کا نور یعنی روشنی ختم شد اور حرارت ان پر باقی رہی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اضاءۃ النار آگ کا روشن ہونا۔ ان منافقوں کا مؤمنین کی طرف متوجہ ہونا ہے اور ہدایت کی طرف مائل ہونا اور ان کے نور کے چلے جانے سے مراد ان کا مشرکین کی طرف جھکنا اور گمراہی کی طرف۔

حضرت عطاء اور محمد بن کعب رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے متعلق ان کے انتظار سے متعلق اور مشرکین عرب کے خلاف حضور علیہ السلام کے حوالے سے رب تعالیٰ سے طلب فتح کرنا۔ پھر جب حضور علیہ السلام تشریف لائے تو ان یہود نے حضور علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

⑱ (صم) یعنی وہ لوگ حق سے بہرے ہیں اسے قبول نہیں کرتے اور جب انہوں نے حق قبول نہ کیا پس گویا انہوں نے سنا ہی نہیں۔ (بکم) حق سے گونگے ہیں کہ حق بات کہتے ہی نہیں۔ یا یہ کہ جب انہوں نے ظاہر (بول ایمان) کے خلاف دل میں (کفر) چھپایا۔ پس گویا کہ وہ حق کا بول بولے ہی نہیں۔ (عمی) یعنی ان کو بصیرتیں حاصل نہیں ہیں اور جسے بصیرت حاصل نہیں وہ بینائی سے بھی گویا کہ محروم ہے۔

"فھم لا یرجعون" گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں گے ہی نہیں۔

⑲"او کصیب" یعنی بارش والوں کی طرح۔ یہ اور مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے لیے بیان فرمایا۔ بایں معنی کہ اے مخاطب اگر تو چاہے تو ان منافقوں کے لیے اس آگ جلانے والے کی مثال بیان کرے جو روشنی کے بعد اندھیرے میں پھنس گیا ہو یا تو چاہے تو بارش والوں کی مثال دے اور کہا گیا ہے کہ او بمعنی واؤ ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ بارش برسانے کا ارادہ کرتے ہیں۔

"و کصیب" جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "أو یزیدون" بمعنی ویزیدون اور صیب بارش ہے اور ہر وہ چیز جو اوپر سے نیچے کی طرف نازل ہو وہ صیب ہے۔ صیب بروزن فیعل ہے صاب یصوب سے یعنی اترا (من السماء) آسمان سے یعنی بادل سے اور کہا گیا ہے کہ سماء سے مراد بعینہ یہی آسمان ہے اور ہر وہ جو تجھ پر بلند ہو اور تجھ پر سایہ فگن ہو وہ سماء ہے یہ اسم جنس ہے واحد اور جمع پر برابر صادق آتا ہے۔ (فیہ) یعنی بارش میں اور کہا گیا ہے سماء میں یعنی بادل میں۔ اسی لیے اس کو مذکر ذکر کیا اور کہا گیا ہے کہ سماء مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (السماء منفطر بہ) اس جگہ سماء مذکر استعمال ہوا اور فرمایا "اذا السماء انفطرت" (ظلمات) ظلمت کی جمع (و رعد) رعد وہ آواز ہے جو بادل سے سنی جاتی ہے (و برق) برق وہ آگ ہے جو بادل سے نکلتی ہے۔ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں رعد اس فرشتے کا نام ہے جو بادل کو ہانکتا ہے اور برق اس فرشتے کے نورانی کوڑے کی چمک ہے جس سے وہ فرشتہ بادل کو ہانکتا ہے اور بعض نے کہا آواز فرشتے کی ڈانٹ ہے اور بعض نے کہا کہ فرشتے کی تسبیح ہے اور بعض نے کہا رعد فرشتے کا بولنا اور برق اس کا ہنسنا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ رعد فرشتے کا نام ہے اور اس کی آواز کو بھی رعد کہا جاتا ہے۔

رعد اور برق فرشتے کا نام ہیں جو بادل ہانکتا ہے۔ شہر بن حوشب رحمہ اللہ فرماتے ہیں رعد فرشتہ ہے جو ڈانٹتا ہے۔ جب (بادل) پھیلتا ہے اسے ملاتا ہے جب اس فرشتہ کا غضب شدت اختیار کرتا ہے تو اس کے منہ سے آگ اُڑتی ہے۔ پس یہ صواعق ہے اور کہا گیا ہے رعد۔

مگر اوّل زیادہ صحیح ہے "یجعلون اصابعهم فی آذانهم من الصواعق" صواعق صاعقہ کی جمع ہے اور یہ وہ سخت آواز ہے جو اسے سنے وہ مرجاتا ہے یا بے ہوش ہو جاتا ہے اور ہر مہلک عذاب کو صاعقہ کہا جاتا ہے اور کہا کہ صاعقہ عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رعد اور صواعق کی آواز کو سنتے تو فرماتے اے اللہ تو ہمیں اپنے غضب کے ساتھ قتل نہ فرما اور اپنے عذاب کے ساتھ ہمیں ہلاک نہ فرما اور اس سے پہلے ہمیں عافیت بخش اور اللہ تعالیٰ کا قول (حذر الموت) یعنی ہلاکت کے ڈر سے۔

"و اللہ محیط بالکافرین" اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے اور بعض نے کہا کہ ان کو جمع کرنے والا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں ان کو جمع فرمائے گا۔ پس ان کو عذاب دے گا اور بعض نے کہا کہ ان کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "الا ان یحاط بکم" مگر یہ کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ ابو عمرو اور کسائی کافرین میں زبر والی جگہ پر یا بوجہ زیر کے امالہ فرماتے ہیں اور (اول کافر بہ) میں امالہ نہیں فرماتے۔

"یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ط کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِیْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ قَامُوْا ط وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَذَھَبَ بِسَمْعِھِمْ وَاَبْصَارِھِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اُن کی بینائی اُس نے لی جہاں ذرا اُن کو بجلی کی چمک ہوئی تو اُسکی روشنی میں چلنا شروع کیا اور جب اُن پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے تو اُن کے گوش وچشم سب سلب کر لیتے بلاشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں اے لوگو عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور اُن لوگوں کو بھی کہ تم سے پہلے گذر چکے ہیں عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی پھر پردۂ عدم سے نکالا بذریعہ اُس پانی کے پھلوں کی غذا کو تم لوگوں کے واسطے اب تم مت ٹھہراؤ اللہ کے مقابل اور تم جانتے بوجھتے ہو اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اُس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلّہ ہو اور بلاؤ اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کر رکھے) ہیں اگر تم سچے ہو۔

تفسیر ﴿۲۰﴾ (یکاد) قریب ہے کہا جاتا ہے کاد یفعل جب وہ (کام کرنے کے) قریب ہو اور کیا نہ ہو۔ "یخطف ابصارھم" ان (آنکھوں) کو اچک لے خطف کے معنی تیزی کے ساتھ چھین لینا (کلما) کل کا حرف کل مقدار کے لیے ہے جسے ماجزاء کے ساتھ ملایا گیا۔ چنانچہ حرف برائے تکرار بن گیا اور دونوں کا معنی متی ما یعنی جب بھی ہوگا۔

"اضاء لھم مشوا فیه واذا اظلم علیھم قاموا" یعنی حیران کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر ونفاق میں ایسی قوم کے ساتھ تشبیہ دی جو جنگل میں اور تاریک رات کی سیاہی اس قوم کو بارش پہنچے جس میں ظلمتیں ہوں اس بارش کا حال یہ کہ چلنے والے کیلئے چلنا ناممکن ہو۔ اس بارش میں گرج ہو جس کی صفت یہ کہ اس کے ھول کی وجہ سے سننے والے اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اس بارش میں بجلی ہو جس کا بیان یہ کہ قریب ہے ان کی آنکھوں کو اُچک لے اور جلنے بھڑکنے کی شدت کے باعث ان آنکھوں کو اندھا کر دے۔ پس یہ مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور کافروں منافقوں کے کردار کی بیان فرمائی۔ پس بارش وہ قرآن پاک ہے کیونکہ یہ دل کی زندگی ہے جس طرح بارش جسم کے لیے

باعث حیات ہے۔ ظلمات یعنی تاریکیاں وہ کفر و شرک کے ذکر سے عبارت ہے۔

رعد قرآن پاک کی وہ آیات جو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والی ہیں۔ برق سے جو کچھ قرآن کریم میں ہدایۃ بیان اور وعدہ (نعمت) اور ذکر جنت ہے مراد ہے۔ پس کافر لوگ قرأت قرآن کے وقت کانوں کو بند کر لیتے تھے۔ اس بات کا خوف کھاتے ہوئے کہ کہیں دل قرآن پاک کی طرف مائل نہ ہو جائے کیونکہ ایمان لانا ان کے نزدیک کفر تھا اور کفر موت۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو اُچک لے۔ یعنی قرآن ان کے دلوں میں چکا چوند روشنی بھر دے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہ مثال اسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے بیان فرمایا۔ پس بارش اسلام ہے۔ ظلمات جو کچھ اس دین اسلام میں مشکلات اور محنتیں ہیں۔ رعد جو کچھ اس میں وعیدیں اور آخرت کی ہولناکیاں ہیں۔

برق جو کچھ اس میں وعدے ہیں۔ "**یجعلون اصابعهم فی آذانهم**" یعنی بے شک منافق جب اسلام میں مشکلات اور شدت دیکھتے ہیں ہلاکت کے خوف سے بھاگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کا گھیراؤ کرنے والے ہیں جمع کرنے والے ہیں۔ ان کا بھاگنا ان کو فائدہ نہ دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ہیں ان کو جمع کریں گے۔ پس ان کو عذاب دیں گے۔ (یکاد البرق) یعنی اسلام کے دلائل جو ان کو اسلام میں غور و فکر کرنے کے لیے ہانک کر لاتے۔ اگر ان کے لیے بدبختی سبقت نہ کر چکی ہوتی۔ "**کلما اضاء لهم مشوا فیه**" یعنی بے شک منافقوں نے جب کلمہ ایمان ظاہر کیا تو ایمان لائے۔ پس جب مر گئے تو پھر ظلمت کی طرف لوٹ گئے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ جب بھی انہوں نے حاصل کیا۔

مال غنیمت کو اور اسلام میں راحت حاصل کی تو (اسلام پر) ثابت (قدم) ہو گئے اور کہا "**انا معکم**" ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب ان پر تاریکی چھا گئی یعنی (اسلام میں) شدت اور تکلیف و مصیبت دیکھی پیچھے ہٹ گئے اور کھڑے ہو گئے یعنی رُک گئے ٹھہر گئے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "**وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ**" یعنی بعض لوگ وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کنارے پر کرتے ہیں۔ "**ولو شاء اللّٰه لذهب بسمعهم**" یعنی ان کی ساعتوں کو "**وابصارهم**" ظاہری (آنکھوں کو) جیسے ان کی باطنی آنکھوں اور کانوں کو لے گیا اور کہا گیا البتہ لے جائے اس چیز کو جس کے ساتھ انہوں نے فائدہ حاصل کیا۔ عزت اور امان وہ جوان کے لیے آنکھ کان کی طرح ہے۔ "**ان اللّٰه علٰی کل شیٔ قدیر**" (قدیر) بمعنی قادر۔ ابن عامر اور حمزہ نے (شاء اور جاء) کو جہاں کہیں ہوں امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

㉑ "**یا یها النّاس**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ **یا یها الناس** کا خطاب اہل مکہ کو ہے اور "**یا ایها الذین آمنوا**" سے اہل مدینہ کو خطاب ہے اور یہاں خطاب، خطاب عام ہے مگر یہ کہ نابالغ اور پاگل انسانوں کو شامل نہیں ہے۔ "**اعبدوا**" وحدوا (صرف ایک خدا کی عبادت کرو)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں کہیں عبادت کا حکم وارد ہے اس سے مراد توحید ہے۔ "**ربکم ا**[illegible] کسی شیٔ کی ایجاد اس طرح پر کہ اس سے پہلے اس کی مثال موجود نہ ہو۔ "**والذین من**

قبلکم'' ان کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے۔ ''لعلکم تتقون'' تا کہ تم عذاب سے نجات پا جاؤ۔
بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ تم تقویٰ کی اُمید پر ہو جاؤ۔ بایں طور کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پردہ اور بچاؤ میں آ جاؤ۔ گویا لعلک میں لعل کا تعلق مخاطبین سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم تمہارے پیچھے ہے جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا ''فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى'' یعنی اس کو دعوت دو حق کی طرف اور تم اس اُمید پر ہو جاؤ کہ وہ نصیحت قبول کرے گا۔ (یعنی فرعون) تو یہاں بھی اس اُمید کا تعلق (جو لَعَلَّ کے لفظ سے سمجھی جا رہی ہے) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے ہے کہ تم اس اُمید کے ساتھ فرعون کو دعوت دو۔ شاید وہ سمجھ جائے گا نصیحت قبول کرے گا۔ سیبویہ فرماتے ہیں کہ لَعَلَّ اور عسی کے دونوں حرف ترجی یعنی اُمید کے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوں تو مضمون کو ثابت کرتے ہیں۔

㉒ ''الذی جعل لکم الارض فراشا'' یعنی بچھونا اور کہا گیا ہے سونے کی جگہ اور کہا گیا ہے نرم و نازک گدا تو آیت کریمہ کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایسا نرم بنا دیا تا کہ اس پر ٹھہرنا آسان ہو جائے۔ ایسی زمین نہیں بنائی کہ باعث تکلیف ہو اور اس پر قرار پکڑنا ممکن نہ ہو یہاں جعل بمعنی خلق ہے۔

''والسماء بناء'' بلند چھت (وانزل من السماء) یعنی بادل سے (ماء) بارش ''فاخرج به من الثمرات'' رنگا رنگ پھلوں اور قسم قسم پیداوار سے ''رزقا لکم'' تمہارے لیے طعام اور تمہارے چوپایوں کے لیے چارہ ''فلا تجعلوا لله اندادا'' اس کی مثل کہ تم ان کی عبادت ایسے کرو جیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں ند کا معنی ضد ہے یعنی مخالف و مقابل اور یہ لفظ ند اضداد سے ہے یعنی اس کے دو معنی ہیں دونوں متضاد (یعنی ند کا معنی مثل بھی ہے اور ند کا معنی ضد بھی ہے) اور اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں سے بری ہیں۔ مثل سے بھی اور ضد سے بھی۔ ''وانتم تعلمون'' اور تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ان تمام اشیاء کا خالق ہے۔

㉓ ''وان کنتم فی ریب'' یعنی اور گر تم شک میں ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو جانتا ہے بے شک وہ شک میں ہیں۔ ''مما نزلنا'' یعنی قرآن کریم (علی عبدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ''فاتو'' یہ حکم حکم تعجیز (امر تعجیز یہ ہوتا ہے کہ کسی کو ایسی چیز کا امر کرنا جسے وہ یقینا نہ کر سکتا ہو اور یہ بات امر کرنے والا بھی جانتا ہے مگر اس امر سے مقصود مخاطب کا عجز ظاہر کرنا ہوتا ہے۔

''بسورة'' اور سورۃ قرآن کریم کے اس حصہ کا نام ہے جس کا اوّل و آخر معلوم ہو سورۃ اسارت سے ماخوذ ہے جس کا معنی بچی ہوئی چیز۔ ہمزہ حذف کر دیا گیا اور بعض نے کہا کہ سورۃ بلند مقام کا نام ہے اسی سے سورۃ البلد یعنی شہر کی فصیل ہے کیونکہ وہ بھی بلند ہوتی ہے۔ سورۃ کو سورۃ اس لیے کہتے ہیں کہ پڑھنے والا سورۃ کی تلاوت سے بلند درجہ حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ قاری کی منازل رفیعہ قرآن پاک کی سورتوں کے مکمل ہوتے ہی مکمل ہو جاتی ہیں۔ ''من مثله'' بمثل قرآن لفظ من بطور صلہ واقع ہے جیسے فرمان الٰہی ''قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ'' میں من بطور صلہ واقع ہے۔

من مثله کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے یعنی کسی ایسے شخص سے اس قرآن جیسی لاؤ جو حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرح امی ہو۔ خط و کتابت مستحسن طریقہ پر نہ کرسکے۔ "وادعوا شھداء کم" اپنے ان معبودوں سے مدد حاصل کرو جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ (من دون اللہ) اللہ تعالیٰ کے سوا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسے لوگوں کو بلاؤ جو تمہارے لیے گواہی دیں۔ "ان کنتم صادقین" (اگر تم اس قول میں سچے ہو) کہ قرآن محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑلیا ہے۔ جب قرآن نے ان کو چیلنج دیا تو عاجز ہوگئے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

(ترجمہ) پھر اگر تم یہ کام نہ کرسکے اور قیامت تک بھی نہ کرسکو گے تو پھر ذرا بچتے رہیو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے اور خوشخبری سنا دیجئے اے پیغمبر اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کرتے رہے اچھے اس بات کی کہ بیشک اُن کے واسطے بہشتیں ہیں کہ چلتی ہوں گی اُن کے نیچے سے نہریں جب کبھی دیئے جاویں گے وہ لوگ اُن بہشتوں میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر اور ملے گا بھی اُن کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا اور اُنکے واسطے ان بہشتوں میں بیبیاں ہونگی صاف پاک کی ہوئی اور وہ لوگ بہشتوں میں ہمیشہ بسنے والے ہونگے

(تفسیر) ﴿۲۴﴾ "فان لم تفعلوا" گزشتہ زمانہ میں "ولن تفعلوا" اور کبھی بھی نہ کرسکو گے باقی زمانہ میں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ صرف بیان اعجاز کے لیے فرمایا اور بے شک قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا جبکہ اس جیسا (کلام) لانے سے عاجز آگئے۔ "فاتقوا النار" پس ایمان لاؤ اور ایمان کی برکت سے آگ سے بچو۔

"التی وقودھا الناس والحجارة" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں حجارۃ سے مراد کبریت ہے۔ اس لیے کہ کبریت کا پتھر تمام پتھروں سے زیادہ بھڑکنے والا ہے اور بعض نے کہا کہ تمام پتھر مراد ہیں اور یہ دوزخ کی آگ کے عظیم ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ حجارہ سے مراد بتوں کے پتھر ہیں کیونکہ ان کے بت زیادہ تر پتھروں سے تراشے ہوئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" (یعنی بے شک تم اور جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں۔ "اعدت" تیار کی گئی ہے۔ (للکافرین) (کافروں کیلئے)

﴿۲۵﴾ "وبشر الذین آمنوا" یعنی خبر دیجئے۔ بشارت ہر وہ سچی خبر جس سے چہرے کا چمڑا بدل جاتا ہو۔ اس کا استعمال خیر و شر دونوں میں ہوتا ہے البتہ خیر میں استعمال زیادہ ہے۔ "وعملوا الصالحات" یعنی اچھے کام سے مراد وہ مؤمن جو اہل

طاعات میں سے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''و عملوا الصالحات'' یعنی وہ جنہوں نے اعمال میں اخلاص اختیار کیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''فلیعمل عملاً صالحا'' یعنی ریاء سے خالی۔

عمل صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمل صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں۔ ❶ علم ❷ نیت ❸ صبر ❹ اخلاص۔

تفسیر جنۃ۔ ''ان لھم جنات'' جنت کی جمع ہے۔ ❶ جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس میں پھل دار درخت ہوں۔ اس باغ کو جنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ گھنے درختوں کے باعث وہ زمین مستور ہوتی ہے۔ ❷ حضرت فراء فرماتے ہیں جنت وہ باغ ہے جس میں کھجور ہو اور فردوس وہ باغ جس میں انگور ہوں۔ ''تجری من تحتھا'' یعنی اس کے درختوں کے اور رہائش گاہوں کے نیچے سے ''الانھار'' یعنی پانی نہروں میں (یہ معنی اس لیے کیا گیا) کیونکہ نہر تو نہیں بہتی اور کہا گیا ہے ''من تحتھا'' کا معنی ہے ان ''اھل جنۃ'' کے حکم سے (یعنی ان کی ماتحتی میں) یہ معنی بوجہ اس قول خداوندی کے کیا گیا جو اللہ تعالیٰ نے فرعون سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ''و ھذہ الانھار تجری من تحتی'' کہ یہ نہریں میرے تخت کے نیچے سے بہتی ہیں یعنی میرے امر سے بہتی ہیں۔

''انھار'' جمع نہر کی ہے۔ نہر کو نہر کا نام اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی وسعت اور واضح ہونے کے وجہ سے نام دیا گیا ہے۔ اسی سے نہار (دن) ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ نہریں بغیر کھدائی کے جاری ہیں۔ ''کلما'' جب بھی۔ (رزقوا) طعام دیئے جائیں گے۔ (منھا) یعنی جنت سے (من ثمرۃ) یعنی پھل اور لفظ من بطور صلہ واقع ہے۔ (رزقا) طعام ''قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل'' اور قبل کو رفع دی گئی ہے۔ غایت پر (یعنی بعد ان اسماء سے ہے جن سے زمان کی غایت یعنی انتہا بیان کی جاتی ہے) اس قسم کے اسماء زمان و مکان کی انتہا بیان کرنے کے لیے آتے ہیں اور مبنی علی الضم ہوتے ہیں۔ یعنی ان پر پیش آتی ہے جیسے قبل، بعد، زمان کے لیے رفوق، تحت مکان کے لیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''للہ الامر من قبل و من بعد'' کہا گیا ہے۔ اس سے پہلے دُنیا میں اور کہا گیا ہے جنت میں پھل رنگ میں ملتے جلتے ہوں گے اور ذائقہ میں مختلف ہوں گے۔ پس جب وہ یکے بعد دیگرے پھل دیئے جائیں گے تو وہ گمان کریں گے یہ وہی پہلے والے پھل ہیں۔

''وَ اُتُوا بِہٖ'' (یعنی دیئے جائیں گے) رزق (متشابھا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہد اور حضرت ربیع رحمہما اللہ فرماتے ہیں وہ رنگوں میں ملتے جلتے ہوں گے اور ذائقوں میں مختلف۔ حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں متشابہ ہوں گے یعنی بعض، بعض سے بہترین ہونے میں ملتے جلتے ہوں گے۔ یعنی سب کے سب بہتر ہوں گے ان میں کوئی بھی گھٹیا پھل نہ ہوگا۔ حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنت کا پھل دُنیا کے پھل سے (بظاہر) ملتا جلتا ہوگا لیکن وہ بہت زیادہ لذیذ ہوگا اور کہا گیا کہ نام میں ملتا جلتا ہوگا۔ ذائقہ (لذت) میں مختلف ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دُنیا میں کوئی ایسی چیز (نعمت خداوندی) نہیں کہ وہ جنت میں بھی ہوگی مگر صرف نام کا اشتراک ہوگا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کہ اہل جنت کھائیں گے

تھکیں گے پیشاب نہیں کریں گے اور نہ پاخانہ کریں گے نہ بلغم نکالیں گے تھوکیں گے نہیں۔ حمد اور تسبیح کا الہام اس طرح ان کو کیا جائے گا جس طرح تمہیں سانس۔ ان کے طعام (کا ہاضمہ) ڈکار ہوگا اور ان کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا۔ قول خداوندی "ولھم فیھا" جنت میں (ازواج) عورتیں اور باندیاں یعنی گول اور خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے (مطھرۃ) پاخانہ، پیشاب، حیض، نفاس، تھوک، ناک کی آلائش، منی اولاد کا ہونا ہر قسم کی قابل نفرت آلائش وغلاظت (سے پاک) ابراہیم نخعی فرماتے ہیں جنت میں جماع ہوگا جتنا تو چاہے اولاد نہ ہوگی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرہ وہ وہی تمہاری بوڑھیاں ہوں گی دُنیا میں جن کی آنکھوں سے پانی بہتا تھا اور چھوٹی اور حقیر آنکھ والیاں تھیں جو دُنیا کی قابل نفرت چیزوں سے پاک کی جائیں گی اور کہا گیا ہے کہ برے اخلاق سے پاک کی گئی "وھم فیھا خالدون" ہمیشہ رہنے والے اس میں مریں گے نہیں اس سے نکلیں گے نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی، پھر ان کے بعد جو ان کے (مرتبہ میں) قریب ہوں گے ان کی صورتیں آسمان میں چمکنے والے ستارہ کی مانند ہوں گی، وہ پیشاب نہیں کریں گے، پاخانہ نہیں کریں گے تھوکیں گے نہیں، ناک نہیں جھاڑیں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کا پسینہ کستوری ہوگا۔ ان کی انگیٹھیاں خوشبودار لکڑی کی ہوں گی، ان کی بیویاں حورعین ہوں گی۔ ایک ہی آدمی کے خلق پر ہوں گے (یعنی ان کے مابین اختلاف نہ ہوگا) اپنے والد محترم حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوں گے بلندی کی طرف ساٹھ ہاتھ۔

جنتیوں کی قسمیں اور ان کی صورتوں کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلا گروہ جو قیامت کے روز جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کے مثل ہوں گی۔ دوسرا گروہ آسمان میں خوبصورت ستارے کی مانند ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک آدمی کے لیے دو بیویاں ہوں گی، ہر بیوی پر ستر جوڑے ہوں گے۔ ان کے جوڑوں خونوں اور گوشت کے اندر سے ان کی پنڈلیوں کا مغز نظر آئے گا۔ فرمایا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر جنت والوں میں سے کوئی عورت زمین پر مطلع ہو (یعنی جھانک کر دیکھے) تو زمین و آسمان کے مابین کی فضا چمک اٹھے اور یہ پورا ماحول خوشبو سے بھر جائے۔ اس کے سر کا دوپٹہ دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خبردار ہے کوئی جنت کے لیے پنڈلیوں سے چادر سمیٹنے والا (یعنی تیار ہونے والا) اور جنت وہ چیز ہے جس کا خیال بھی کسی دل پر نہیں گزرا اور وہ (جنت) رب کعبہ کی قسم چمکتے نور کا نام ہے، لہلہاتے پھولوں کا نام ہے، بلند و بالا محلات، بہتی نہروں، پکے پھلوں، حسین وجمیل بیویوں، بے شمار جوڑوں

سے عبارت ہے، ہمیشہ کا ٹھکانہ سلامتی والے گھر میں سرسبز فروٹ، سرور اور نعمت خوبصورت اور بلند و بالا جگہ میں) سب صحابہ نے کہا ہاں یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سب اس جنت کے لیے تیار ہیں فرمایا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب کہو ان شاء اللہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ان شاء اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت والوں کے بدن پر بال نہ ہوں، بے ریش ہوں گے، قدرتی سرمگیں آنکھوں والے ہوں گے، ان کی جوانی فنا پذیر نہیں، ان کا لباس پرانا نہ ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک جنت میں ایک بازار ہے جس میں خرید و فروخت نہیں ہے سوائے اس کے مردوں، عورتوں کی صورتیں ہوں گی جب کوئی آدمی کسی صورت کو پسند کرے گا اس میں داخل ہوگا تو وہاں حور عین کا مجمع ہوگا جو پکار پکار کر کہہ رہی ہوں گی ایسی (سریلی) آواز کے ساتھ کہ اس جیسی آواز مخلوق نے نہ سنی ہوگی (ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں کبھی ہلاک نہیں ہوں گی ہم وہ نرم و نازک ہیں جو کبھی ہم راضی ہیں کہ کبھی ناراض نہ ہوں گی۔ پس خوشخبری ہے اس کے لیے جو ہمارے لیے ہوا اور ہم اس کی ہو گئیں۔) اور اسے روایت کیا ابو عیسیٰ نے ہناد اور احمد بن منیع سے انہوں نے روایت کیا ابو معاویہ سے مرفوعاً روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

جنت کا جمعہ بازار

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک جنت میں بازار ہے اہل جنت اس میں ہر جمعہ آئیں گے تو شمال کی ہوا چلے گی اور وہ ہوا جنت کی گرد ان کے چہروں اور کپڑوں پر اڑائے گی جس سے ان کا حسن جمال بڑھ جائے گا، وہ گھر لوٹیں گے تو ان کا حسن و جمال بڑھ چکا ہوگا تو ان کے گھر والے کہیں گے بے شک تم ہمارے بعد حسن و جمال کے اعتبار سے بڑھ چکے ہو، جواب میں جنتی اپنے گھر والوں کو کہیں گے کہ اللہ کی قسم تم ہمارے بعد حسن و جمال کے لحاظ سے بڑھ چکے ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۪ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

(ترجمہ) ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے اس بات سے کہ بیان کریں کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یقین کریں گے کہ بیشک یہ مثال تو بہت ہی موقع کی ہے اُنکے رب کی جانب سے اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے سو جو ہے کچھ بھی ہو جائے وہ یوں ہی کہتے رہیں گے وہ کون

مطلب ہوگا جس کا قصد کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اسکی وجہ سے بہتوں کو اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو صرف بے حکمی کرنیوالوں کو جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد اور قطع کرتے ہیں اُن تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے اُن کو وابستہ رکھنے کا اور فساد کرتے ہیں زمین میں بس یہی لوگ پورے خسارہ میں پڑنے والے ہیں۔

تفسیر ㉖ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِیٓ أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے (قرآن کریم میں) مکھی مکڑی کی مثالیں ذکر کیں، پس فرمایا "ان الذین تدعون من دون اللّٰہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ" اور فرمایا "مثل الذین اتخذوا من دون اللّٰہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا" یہود نے کہا اللہ کا ارادہ ان خسیس چیزوں کے ذکر سے کیا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ مشرکوں نے کہا کہ ہم ایسے معبود کی عبادت نہیں کرتے جو اس قسم کی (حقیر) چیزوں کا ذکر کرے تو اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا "ان اللّٰہ لایستحی" یعنی (مثال بیان کرنا) نہیں چھوڑتا اور نہ اس کو حیا مانع ہوتا ہے اس بات سے کہ مثال ذکر کرے جو مشابہ ہو (مابعوضۃ) ما صلہ ہے یعنی مچھر کی مثال اور بعوضۃ پر زبر اس لئے ہے کہ وہ مثل سے بدل ہے بعوض چھوٹی مکھی کو کہتے ہیں۔ بعوض کو بعوضہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ چھوٹی مکھی کا بعض ہے (فما فوقھا) یعنی مکھی اور مکڑی اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں: کہ "فما فوقھا بمعنی فما دونھا" (یعنی فوق حقارت کے اعتبار سے مراد ہے) جیسے کہا جاتا ہے فلاں جاہل ہے پس کہا جاتا ہے وفوق ذالک یعنی اس سے اوپر یعنی اور اجہل یعنی بڑا یا زیادہ جاہل۔ "فاما الذین آمنوا" محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پاک پر "فیعلمون انہ" یعنی مثال وہ "الحق" حق ہے یعنی سچی ہے حق بمعنی صدق ہے۔ "من ربھم واما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد اللّٰہ بھذا مثلا" ؟ ای بھذا المثل یعنی ساتھ اس مثال کے۔ المثل سے جب الف لام حذف کیا گیا تو حال ہو کر اور کٹ کر منصوب ہو گیا...... پھر ان کو جواب دیا پس فرمایا "یضل بہ کثیرا" (اس سے گمراہ کرتا ہے بہتوں کو) کافروں سے اور یہ اس لیے کہ بے شک وہ تکذیب کرتے ہیں پس گمراہی میں زیادہ ہو جاتے ہیں۔

"ویھدی بہ" یعنی ساتھ اسی مثال (کثیرا) مؤمنوں سے پس اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اضلال کے معنی ہیں حق سے پھیر کر باطل کی طرف لانا۔ کہا گیا کہ وہ ہلاک ہوتا ہے کہا جاتا ہے۔

"ضل الماء فی اللبن اذا ھلک" جب پانی دودھ میں ہلاک ہو جائے یعنی فنا ہو جائے "وما یضل بہ الا الفاسقین" کافر لوگ۔ فسق: کا اصل معنی خروج یعنی نکلنا ہے کہا جاتا ہے "فسقت الرطبۃ" یعنی کھجور اپنے چھلکے سے نکل گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ففسق عن امر ربہ" یعنی نکل گیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان فرمایا اور فرمایا

㉗ "الذین ینقضون" جو مخالفت کرتے ہیں اور توڑتے ہیں۔

نقض کا معنی توڑنا ہے (عھد اللّٰہ) اللہ تعالیٰ کا وہ امر جس کا ان سے میثاق کے دن عہد لیا۔ اپنے اس قول کے ساتھ "الست

بربکم"؟ (قالوا بلی) اور کہا گیا۔ اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کے ذریعے "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین" الآیۃ انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام اُمتوں سے لیا اور کہا گیا ہے کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو تورات میں اللہ تعالیٰ نے لیا کہ حضور علیہ السلام پر ایمان لائیں گے اور اس کی صفت بیان کریں گے۔ "من بعد میثاقہ" سابقہ مضمون کی تاکید ہے۔ میثاق بمعنی عہد "ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل" یعنی حضور علیہ السلام پر ایمان اور تمام رسولوں پر ایمان کو قطع کرتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں "نؤمن ببعض ونکفر ببعض" اور ایمان والے کہتے ہیں "لانفرق بین احد من رسلہ" اور کہا گیا اس سے مراد ارحام (قرابتداریاں) ہیں۔ "ویفسدون فی الارض" گناہوں کے ساتھ اور لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لانے سے روک کر "اولئک ھم الخاسرون" سودے میں گھاٹا پانے والے پھر مشرکین عرب کو تعجب کے طور پر فرمایا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: بھلا کیونکر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تھے تم محض بے جان (نطفہ میں جان پڑنے سے پہلے) سو تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دیں گے پھر زندہ کریں گے (یعنی قیامت کے دن) پھر ان ہی کے پاس لیجائے جاؤ گے وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف (یعنی اس کی تکمیل تخلیق کی طرف) سو درست کر کے بنا دیئے اُن کو سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۸﴾ "کیف تکفرون باللہ"؟ دلیلوں کے قائم ہونے اور برہان کے واضح ہونے کے بعد تم ذات باری تعالیٰ کا انکار کیسے کرو گے۔ "وکنتم امواتا" اپنے باپوں کی پیٹھ میں نطفے تھے۔ "فاحیاکم" رحم (مادر) میں اور دنیا میں "ثم یمیتکم" (تمہیں موت دے گا) جب تمہاری مدت عمر گزر جائے گی۔ "ثم یحییکم" (تمہیں زندہ کرے گا) آخرت میں اُٹھنے کے لیے "ثم الیہ ترجعون" یعنی آخرت میں لوٹائے جاؤ گے پس (اللہ تعالیٰ) تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دیں گے۔ حضرت یعقوب نے (ترجعون) پورے قرآن میں "یرجعون ترجعون" میں یاء اور تاء کی زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یعنی فعل کو معروف پڑھ کر فاعل کا نام لیا گیا۔ قول خداوندی

﴿۲۹﴾ "ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا" تمام زندہ انسانوں کے لیے تاکہ تم عبرت حاصل کرو اور دلیل پکڑو اور کہا گیا تاکہ تم نفع اُٹھاؤ۔ "ثم استوی الی السماء" حضرت ابن عباس اور سلف صالحین کے اکثر مفسرین نے فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف بلند ہوا اور ابن کیسان

اور فراء اور نحویوں کی ایک جماعت فرماتی ہے "ثم استوی" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان کے پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوا
بعض نے کہا کہ ارادہ کیا اس لیے اس نے پہلے زمین کو پیدا کیا، پھر آسمان کو پیدا کرنے کی طرف ارادہ کیا۔ "فسواهن سبع سموٰت" ان کو برابر پیدا کیا نہ اس میں کوئی شگاف اور نہ دراڑ "وھو بکل شیء علیم" ابو جعفر اور ابو عمرو اور کسائی اور قالون نے "وھو، وھی" میں هاء کو جزم کے ساتھ پڑھا ہے لیکن یہ اس وقت جب هاء سے پہلے واؤ ہو فاء ہو یا لام ہو۔ کسائی اور قالون نے (ثم ھو) کو زیادہ کیا ہے یعنی ثم حرف میں بھی هاء کو جزم دی اور قالون نے "ان یمل ھو" کی صورت کو زیادہ کیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب فرشتے کہنے لگے کہ آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خونریزیاں کریں گے اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں آپ کی حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جسکو تم نہیں جانتے اور علم دیدیا اللہ تعالیٰ نے آدم کو (انکو پیدا کر کے) سب چیزوں کے اسماء کا (مع اُن چیزوں کے خواص و آثار کے) پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں پھر فرمایا کہ بتلاؤ مجھ کو اسماء ان چیزوں کے (یعنی مع اُنکے آثار و خواص کے) اگر تم سچے ہو فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں ہم کو علم نہیں مگر وہی جو کچھ آپ نے ہم کو علم دیا بیشک آپ بڑے علم والے بڑے حکمت والے ہیں (کہ جسقدر جس کے لئے مصلحت جانا اسی قدر فہم و علم عطا فرمایا)

تفسیر: "واذ قال ربک" اور فرمایا تیرے رب نے اور لفظ "اذ" زائدہ ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے واذکر یعنی یاد کیجئے جب تیرے رب نے فرمایا اور اسی طرح ہر وہ لفظ جو اس قسم کا قرآن میں وارد ہوا اس کا یہی طریقہ تاویل ہوگا۔ لفظ اذ اور لفظ اذا دونوں بیان وقت کے لیے ہیں مگر یہ کہ اذ ماضی کے لیے ہے اور اذا مستقبل کے لیے ہے اور کبھی ان دونوں کو ایک دوسرے کے مقام پر رکھا جاتا ہے۔ مبرد فرماتے ہیں جب اذ کے ساتھ فعل مستقبل آ جائے تو اس کا معنی ماضی ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "واذ یمکر" اس سے مراد جب انہوں نے مکر کیا اور جب اذا ماضی کے ساتھ آ جائے تو اس کا معنی مستقبل ہوگا جیسے فرمان الٰہی "فاذا جاءت الطامۃ" اور "اذا جاء نصر اللہ" دونوں آئی یعنی مستقبل کے معنی میں ہیں۔

"للملائکۃ" جمع ملک اصل میں مالک تھا جو کہ مالکۃ، "الوکۃ" اور "الوک" سے لیا گیا ہے جو کہ رسالۃ یعنی بمعنی پیغام بھیجنے کے ہے اس میں اُلٹ کیا گیا۔ چنانچہ مألک کو "ملاک" کہا گیا پھر ہمزہ کو کثرت استعمال کے باعث تخفیف کے لیے

حذف کر دیا گیا اور ہمزہ کی حرکت لام کو دی گئی۔ پس "مَلَک" کہا گیا اور اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو زمین میں تھے اور یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور فرشتوں کو اور جن کو پیدا کیا۔ پس فرشتوں کو آسمان میں ٹھہرایا اور جنات کو زمین میں۔ پس انہوں نے بڑی مدت تک زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، پھر ان میں حسد اور سرکشی ظاہر ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے فساد برپا کیا اور قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف فرشتوں کا لشکر بھیجا ان فرشتوں کو جن کہا جاتا تھا اور یہ جنت کے خازن تھے ان کے لیے ان کا سردار ابلیس کیا جو ان کا سردار اور مرشد تھا۔ ان سب سے علم کے اعتبار سے زیادہ تھا۔ پھر وہ زمین کی طرف اُترے۔ پس ان (فسادی) جنات کو پہاڑوں کی گھاٹیوں اور سمندروں کے جزیروں کی طرف بھگا دیا اور وہ (خود) زمین میں رہائش پذیر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے عبادت میں تخفیف کر دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو زمین دے دی اور آسمان دُنیا کا اقتدار اور جنت کا خزانہ بخش دیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کبھی زمین پر کرتا تھا کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں پس اس کو عجب (خود پسندی کا غرور) آ گیا۔ پھر اپنے آپ میں کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ملک صرف اس لیے دیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام فرشتوں سے مکرم و محترم ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے لشکریوں سے فرمایا "انی جاعل فی الارض خلیفه"۔ یعنی تمہارے بدلے (میں ایک مخلوق بنانے والا ہوں) اور تمہیں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں۔ ان جن فرشتوں نے اسے ناگوار سمجھا کیونکہ وہ تمام فرشتوں کی نسبت ہلکی پھلکی عبادت کرتے تھے۔

یہاں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کو خلیفہ کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ ان جنات کے بعد ان کی جگہ تشریف لائے اور بعض نے کہا کیونکہ وہ آدم (یعنی اولاد آدم) ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اس لیے خلیفہ کہا گیا اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت آدم زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ احکام الٰہی کو قائم کرنے میں اور خداوندی فیصلے نافذ کرنے میں "قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها" (اس زمین میں فساد کرے گا) گناہوں کے ساتھ "ویسفک الدماء" (خون بہائے گا) ناحق طریقہ پر یعنی جیسے کہ اولاد جن نے کیا۔ پس انہوں نے موجود کو غائب پر قیاس کیا ورنہ وہ علم غیب نہ جانتے تھے۔ "ونحن نسبح بحمدک" حضرت حسن فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ہم سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں اور یہ جملے پوری مخلوق اور جانوروں کی نماز ہے سوائے انسانوں کے...... اور اسی صلوٰۃ پر ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم سے ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سا کلام افضل ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ کلام افضل ہے (جس کلام کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے چنا (پسند کیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یا فرمایا اپنے بندوں کے لیے پسند کیا۔

سبحان اللہ وبحمدہ .... (فرشتوں کے اس قول "نحن نسبح بحمدک" کے بارے میں) بعض نے کہا اس کا معنی ہے ہم تیرے حکم کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس تسبیح کا لفظ مذکور ہے اس سے مراد صلاۃ ہے۔ "ونقدس لک" یعنی ہر اس امر سے جو تیرے شایان شان نہیں پاکیزگی

طہارت کے ساتھ تعریف کرتے ہیں۔ تیری عظمت وجلال کے ساتھ اور کہا گیا کہ ہم اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں تیری طاعت کے لیے اور کہا گیا ہم تجھے منزہ کردانتے ہیں اور لام صلہ ہے اور کہا گیا ہے کہ فرشتوں کا یہ کہنا بطور اعتراض کے نہ تھا اور نہ اس لیے کہ وہ اپنے عمل پر غرور کرنے والے تھے بلکہ ان کا یہ کہنا تعجب اور طلب حکمت کے لیے تھا (قال) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انی اعلم مالا تعلمون" جو کچھ اس میں مصلحت ہے اور کہا گیا ہے کہ بے شک میں جانتا ہوں کہ اس کی اولاد میں وہ بھی ہوں گے جو میری اطاعت کریں گے اور میری عبادت کریں گے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے اولیاء سے اور صلحاء میں سے۔

اور کہا گیا ہے بے شک میں جانتا ہوں بے شک تم میں وہ ہوں گے جو میری نافرمانی کریں گے اور وہ ابلیس ہوگا...... اور کہا گیا ہے کہ بے شک میں جانتا ہوں کہ وہ گناہ کریں گے اور میں ان کو بخشوں گا اور اہل حجاز و بصرہ نے "اِنِّیْ اَعْلَمُ" یعنی انی کی یاء کو زبر کے ساتھ پڑھا اور اسی طرح ہر وہ یاء جو مضاف ہو اور اس کے بعد الف زبر والی آ جائے مگر چند جگہوں میں (ایسا نہیں) اور بعض جگہوں میں جب یاء الف پیش والی یا زیر والی کے ساتھ واقع ہو اس یاء کو زبر دیتے ہیں اور الف کے سوا اور کسی لفظ کے پاس بھی۔ مگر اس کی تفصیل میں قراء حضرات کے ہاں اختلاف ہے۔

㉛ "وعلم آدم الاسماء کلّھا" حضرت آدم علیہ السلام کو آدم اس لیے کہا گیا کہ وہ سطح زمین سے پیدا کیے گئے اور بعض نے کہا کہ آدم کو آدم اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ گندم گوں یعنی گندمی رنگ والے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد اور ابوالبشر۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تو ان کو چیزوں کے نام سکھا دیئے اور یہ اس لیے کہ بے شک جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا ہمارا رب جسے چاہے یا جو کچھ چاہے پیدا کرے مگر ایسی کوئی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جو اس کے نزدیک ہم سے زیادہ مکرم ومحترم ہو اور اگرچہ ہمارے سوا وہ مخلوق اس کے نزدیک مکرم بھی ہو۔ پس ہم اس سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

اس لیے کہ ہم اس مخلوق سے پہلے پیدا کیے گئے اور ہم نے وہ کچھ دیکھا ہے جسے نئی مخلوق نے نہیں دیکھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ان پر علم کے ذریعے ظاہر فرمائی اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اگرچہ وہ فرشتے رسول ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ اہلسنّت والجماعت اس طرف گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا نام تعلیم فرمایا حتیٰ کہ بڑا پیالہ اور چھوٹا پیالہ اور کہا گیا ہر اس چیز کا نام جو کچھ پہلے ہو چکی یا جو کچھ بعد میں قیامت تک ہوگی۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں ناموں سے مراد فرشتوں کے نام ہیں اور کہا گیا حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اپنی اولاد کے نام تعلیم فرمائے گئے اور کہا گیا ہر چیز کی صنعتکاری۔

اہل تاویل نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام بولیاں سکھلا دیں۔ اس کے بعد آپ کی اولاد کے ہر فرد بشر نے اپنی خاص بولی کے ساتھ کلام کی پھر وہ شہروں میں تقسیم ہو گئے اور ہر گروہ کو اس کی اپنی بولی کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔ "ثم عرضھم علی الملائکۃ" جزیں نیست اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عرضھم" یعنی (جمع مذکر کی ضمیر لائی گئی) عرضھا نہیں

فرمایا اس لیے کہ جب چیزوں کو جمع کیا جائے اس میں ذی عقل بھی ہوں اور غیر ذوی العقول بھی ہوں تو ذوی العقول کے لفظ کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مذکر و مؤنث جمع ہوں ضمیر مذکر کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حیوانات جمادات سب کو پیدا کیا پھر ان سب افراد کو فرشتوں پر پیش کیا تو ضمیر ان کی طرف راجع ہے۔ اس لیے فرمایا "عرضھم"...... فقال انبئونی "یعنی مجھے خبر دو" باسماء ھؤلاء ان کنتم صادقین "اس موقف میں تم اگر سچے ہو کہ میں جو مخلوق بھی پیدا کروں گا ہر حال میں تم اس مخلوق سے افضل ہو گے اور زیادہ علم والے ہو گے تو فرشتوں نے اقرار عجز کرتے ہوئے کہا۔

"قالوا سبحنک" "تیری پاکیزگی کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔" "لا علم لنا الا ما علمتنا" یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک تو اس بات سے بزرگ و برتر ہے کہ ہم تیرے علم سے (متعلق) کسی چیز کا احاطہ کر سکیں مگر وہی علم جو تو نے ہمیں بخشا "انک انت العلیم" اپنی مخلوق کے ساتھ علیم ہے "الحکیم" اپنے امر میں حکیم کے دو معنی ہیں۔ ان دو میں سے ایک ہے۔

معنی حاکم ہے اور وہ قاضی کو کہتے ہیں۔ دوسرا معنی کسی معاملہ کو مستحکم اور مضبوط کرنے والا تا کہ اس کی طرف فساد راہ نہ پا سکے۔ حکمت کا لغوی معنی روکنا ہے تو حکمت اپنے صاحب کو باطل سے روکتی ہے اور اسی سے ہے حکمت الدابۃ جسے اردو میں (کڑیالہ) بولتے ہیں۔ لوہے کا وہ حلقہ جو جانور خصوصاً گھوڑے کے منہ میں دیا جاتا ہے چونکہ وہ بھی جانور کو کجی سے روکتا ہے۔

پس جب فرشتوں کا عاجز ہونا ظاہر ہوا۔

قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام ان کو ان چیزوں کے اسماء بتلا دو سو جب بتلا دیئے ان کو آدم نے ان چیزوں کے اسماء تو حق تعالیٰ نے فرمایا (دیکھو) میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بیشک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس بات کو تم دل میں رکھتے ہو اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو (اور جنوں کو بھی) کہ سجدے میں گر جاؤ آدم علیہ السلام کے سامنے سو سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے کہ اُس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آ گیا اور ہو گیا کافروں میں سے اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بی بی بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس میں سے بافراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے ورنہ تم بھی اُن ہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔

تفسیر ۳۳ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یا آدم انبئھم باسماء ھم" یعنی ان کے ناموں کی ان کو خبر دیجئے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے ہر شئی کا نام لیا اور اس کی حکمت ذکر کی جس کی خاطر اسے پیدا کیا گیا۔ "فلما انبأھم باسماء ھم" (قال) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الم اقل لکم" اے میرے فرشتو! کیا میں نے تم کو کہا نہ تھا "انی اعلم غیب السموات والارض" آسمان و زمین میں سے جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو فرما چکا۔ "انی اعلم مالا تعلمون" ابن کثیر اور حضرت نافع اور ابوعمرو "انی" کو یاء کی زبر کے ساتھ پڑھا اور اسی طرح ہر اس یاء کو زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں جو مضاف ہو کر اس کے بعد الف قطعی زبر والی ہو مگر چند ایک حرف نافع اور عمر الف زیر والی کے ساتھ بھی یاء کو زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں مگر چند ایک حرفوں میں اور نافع یاء کو الف پیش کے ساتھ بھی زبر دیتے ہیں مگر چند ایک حرفوں میں

اور باقی "انی" کی یاء کو صرف چند ایک حرفوں میں زبر دیتے ہیں۔ "واعلم ماتبدون" حضرت حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ "تبدون" یعنی جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سے مراد "اتجعل فیھا من یفسد فیھا" ہے (یعنی بظاہر تم نے یہ مفہوم ظاہر کیا) "وما کنتم تکتمون" (اور جو کچھ تم چھپاتے تھے) یعنی اپنے اس قول کو کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کو پیدا نہیں کرے گا جو اس کے نزدیک ہم سے زیادہ مکرم و محترم ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "ما تکتمون" سے مراد یہ ہے کہ ایک دفعہ ابلیس جسد آدم پر گزرا اور جسد آدم مکہ اور طائف کے درمیان پڑا ہوا تھا اور اس میں روح نہ تھی۔ پس ابلیس نے کہا یہ کسی خاص امر کے لیے پیدا کیا گیا ہے پھر ابلیس آدم علیہ السلام کے منہ میں داخل ہوا اور دبر کے راستہ نکل گیا اور کہا یہ ایسی مخلوق ہے جو خود پر قابو نہ رکھ سکے گی کیونکہ یہ اجوف ہے یعنی اندر سے کھوکھلی ہے۔

پھر ابلیس نے فرشتوں کو کہا جو اس کے ساتھ تھے۔ مجھے بتاؤ اگر اس مخلوق کو تم پر فضیلت دی گئی اور اس کی اطاعت کا تمہیں حکم دیا گیا تو تم کیا کرو گے؟ فرشتوں نے کہا ہم اپنے رب کے حکم کو مانیں گے تو ابلیس نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم اگر مجھے اس پر مسلط کیا گیا تو میں اسے ضرور ہلاک کر دوں گا اور اگر اس کو مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں اس کی نافرمانی کروں گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے (اس پس منظر کے تحت) فرمایا "انی اعلم ماتبدون" یعنی جسے فرشتے ظاہر کرتے ہیں اطاعت کے معاملہ میں اور جو کچھ تم چھپاتے تھے یعنی ابلیس نافرمانی کے سلسلہ میں جو کچھ چھپاتا تھا۔

"واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم" ابوجعفر نے پڑھا "للملائکۃ اسجدوا" میں ملائکۃ کی تاء کو پیش کے ساتھ اسجدوا کے ہمزۂ وصل کے پڑوس میں واقع ہونے کی مناسبت سے کیونکہ اسجدوا کا ہمزہ بھی پیش والا ہے۔ اسی طرح "قل رب احکم بالحق" میں رب کی باء کو پیش کے ساتھ پڑھا کیونکہ رب کی باء احکم کے ہمزہ وصل کے پڑوس میں ہے جو کہ مضموم ہے یعنی پیش والا ہے مگر نحویوں نے اسے بالکل ضعیف قرار دیا اور اس قرأۃ کو غلطی کی طرف منسوب کیا۔

اور (مفسرین) نے اس امر میں اختلاف کیا کہ یہ خطاب فرشتوں کے ساتھ تھا۔ پس بعض نے کہا کہ یہ خطاب ان کے

ساتھ تھا جو زمین میں رہتے تھے مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ خطاب تمام فرشتوں کے ساتھ تھا۔ یہ بوجہ قول خداوندی کے "فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون" اور قول خداوندی (اسجدوا) اس میں دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کو حقیقتاً سجدہ تھا اور یہ سجدہ اپنے اندر حکم خداوندی کی فرمانبرداری کو لیے ہوئے تھا اور سجدہ سجدۂ تعظیمی تھا سجدۂ عبادت نہ تھا جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا جسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ذکر کیا گیا۔ "وخرّوا لہ سجدا" اور اس سجدہ میں منہ کو زمین پر رکھنا نہ تھا، صرف اور صرف جھکنا تھا جب اسلام آیا تو اس سجدہ کو السلام علیکم کے ذریعے باطل کر دیا گیا۔ اور کہا گیا ہے: کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "اسجدوا لآدم" کا معنی ہے یعنی الی آدم آدم علیہ السلام کی طرف اور سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا۔ جیسا کہ کعبہ کو نماز کے لیے قبلہ کیا گیا اور نماز اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ "فسجدوا" یعنی فرشتوں نے (سجدہ کیا) "الا ابلیس" اور اس کا نام سریانی زبان میں عزازیل اور عربی میں حارث تھا۔ پس جب اس نے نافرمانی کی اس کا نام بدل گیا اور صورت بھی بدل گئی۔ پس ابلیس کہا گیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا۔ (ابلاس کا معنی مایوس ہونا ہے) اور اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس جنات میں سے تھا اور فرشتوں میں سے نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق "الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ" کہ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا جنات میں سے۔ پس ابلیس اصل میں جن تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام اصل انسان ہیں اور اس لیے بھی ابلیس فرشتہ نہ تھا کیونکہ ابلیس کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور فرشتے نور سے پیدا کیے گئے۔ نیز اس لیے بھی ابلیس فرشتہ نہیں کہ ابلیس کی اولاد ہے اور فرشتوں کی اولاد نہیں ہے۔

اول قول (ابلیس فرشتہ تھا) زیادہ صحیح ہے۔ نمبر ا: اس لیے کہ سجدہ کرنے کا خطاب فرشتوں کو تھا (لہٰذا ابلیس کا مامور بالسجود ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ فرشتہ تھا) باقی رہا اللہ تعالیٰ کے اس قول کا جواب جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے بارے میں فرمایا۔ "کان من الجن" اس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس ان فرشتوں میں سے تھا جو خازن جنت ہیں۔ (اسی اعتبار سے وہ فرشتے جن کہلاتے ہیں جیسا کہ پہلے گزرا)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیطان اُن فرشتوں میں سے تھا جو جنت میں کام کرتے ہیں۔ ایک قوم کا کہنا ہے کہ شیطان ان فرشتوں میں سے تھا جو جنتیوں کے زیور ڈھالتے ہیں۔ نیز کہا گیا ہے کہ فرشتوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور آنکھوں سے پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے جن کہلاتے ہیں، شیطان انہیں فرشتوں میں سے تھا۔

اس قول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا" کہ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے مابین (رشتہ) نسب قائم کر دیا اور یہ مشرکوں کا قول ہے۔ الملائکۃ بنات اللہ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو فرشتوں سے نکالا اس کی اولاد بنا دی۔ قول خداوندی (ابی) یعنی ترک کیا اور سجدہ نہ کیا۔ "واستکبر" یعنی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تکبر کیا۔ "وکان" یعنی اور ہو گیا "من الکافرین" اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ شیطان اللہ تعالیٰ کے علم سابق کے اعتبار سے کافروں میں سے تھا۔ ان کافروں میں سے جن کے لیے بدبختی واجب ہو چکی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے اور اس پر سجدہ کرتا ہے تو شیطان جدا ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے ہائے اس کی خرابی ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے بات مان لی (سجدہ کیا) پس اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا۔ پس میں نے نافرمانی کی، پس میرے لیے آگ ہے۔

۳۵ "وقلنا یآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ" اور یہ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں کسی ایسے شخص کے ساتھ نہ تھے جس سے میل ملاپ کرتے۔ پس سوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی حواء کو بائیں جانب کی چھوٹی پسلی سے پیدا کیا اور اس کا نام حوا اس لیے رکھا گیا کہ وہ زندہ سے پیدا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح پیدا کیا کہ آدم علیہ السلام کو احساس تک نہ ہوا اور نہ ان کو درد ہوا اور اگر حضرت آدم علیہ السلام درد پاتے تو کوئی بھی مرد عورت کی طرف ہرگز مائل نہ ہوتا۔

جب آدم علیہ السلام نیند سے جاگے تو حضرت حواء کو سر کی جانب بہت ہی خوبصورت شکل میں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا بیٹھے پایا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے ان (حواء) سے فرمایا تو کون ہے؟ حضرت حواء نے فرمایا تیری بیوی، اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے لیے بنایا ہے تاکہ تو میری طرف سکون پائے اور میں تیری طرف۔ "وکلا منھا رغدا" زیادہ وسیع "حیث شئتما" جیسے تم دونوں چاہو اور جہاں چاہو "ولا تقربا ھذہ الشجرۃ" یعنی کھانے کے ساتھ (قریب نہیں جانا)۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہی کا تعلق اس درخت کی جنس سے تھا باقی حضرات فرماتے ہیں ایک مخصوص درخت سے نہی کا تعلق تھا۔ یہ درخت کونسا تھا اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن کعب اور مقاتل رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں یہ درخت سنبل کا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ انگور کا درخت تھا۔ ابن جریج کہتے ہیں انجیر کا درخت تھا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا علم کا درخت تھا اور اس میں ہر قسم کی شئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کافور کا درخت تھا۔ "فتکونا" پس تم دونوں ہو جاؤ گے "من الظالمین" یعنی اپنے آپ کو معصیت پر مارنے والے ظلم کا اصل معنی "وضع الشئی فی غیر موضعہ" شئی کو بے موقع رکھنے کے ہیں۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۳۶ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۷ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۸

ترجمہ: پھر لغزش دیدی آدم و حوا کو شیطان نے اُس درخت کی وجہ سے سو بر طرف کرکے رہا اُن کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ نیچے اترو تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن رہیں گے اور تم کو زمین پر چندے ٹھہرنا ہے

اور کام چلاتا ایک معیاد معین تک بعد ازاں حاصل کر لئے آدمؑ نے اپنے رب سے چند الفاظ تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کیساتھ توجہ فرمائی اُن پر یعنی توبہ قبول کر لی بیشک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنیوالے بڑے مہربان ہم نے حکم فرمایا کہ نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت پر تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اُن پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے

شیطان کا پھسلانا

تفسیر ۳۶ "فازلھما" اتارا (الشیطان) آدم وحواء کو یعنی ان دونوں کو بلایا لغزش کی طرف اور حضرت حمزہ نے "فازالھما" پڑھا یعنی ان دونوں کو ہٹا دیا۔ شیطان بروزن فیعال شطن سے مشتق ہے یعنی دور ہوا شیطان کو خیر اور رحمت سے دور ہونے کی وجہ سے شیطان کہا جاتا ہے۔ "عنھا" جنت سے "فاخرجھما مما کانا فیہ" نعمتوں سے اور یہ اس طرح ابلیس نے ارادہ کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام وحضرت حوا علیہا السلام کی طرف وسوسہ ڈالے تو خزنہ جنت نے اسے روکا تو سانپ کے پاس آیا۔ یہ سانپ ابلیس کی دوست تھی اور تمام جانوروں سے زیادہ خوبصورت اس کے چار پاؤں تھے جیسے اونٹ کے پاؤں اور اس کا تعلق جنت کے خازنوں سے تھا۔ تو شیطان نے اس سے کہا کہ مجھے اپنے منہ میں داخل کرلے۔ پس اس نے ابلیس کو اپنے منہ میں داخل کر لیا اور خازنوں کے پاس سے گزر گئی اور انہیں معلوم بھی نہ ہو سکا، اس طرح اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شیطان نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو جنت کے دروازہ پر دیکھا۔ اس لیے کہ وہ دونوں جنت سے نکلا کرتے تھے اور حضرت آدم علیہ السلام جب سے جنت میں داخل ہو کر جنت کی نعمتوں کو دیکھا تھا ان کی خواہش تھی کہ اے کاش! میں جنت میں ہمیشہ رہتا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اس (خواہش) کو شیطان نے غنیمت جانا تو شیطان حضرت آدم علیہ السلام کے پاس خلد کی راہ سے آیا (یعنی خلد کے حوالے سے ورغلایا) پس جب شیطان جنت میں داخل ہوا تو آدم وحوا علیہما السلام کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ ابلیس ہے۔ پس رویا اور اس طرح بین کیا کہ ان دونوں کو غمناک کر دیا (یعنی سوگوار کر دیا) تو یہ شیطان تھا پہلا جس نے نوحہ کیا۔

پس دونوں یعنی حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے اسے کہا تجھے کیا چیز رلا رہی ہے؟ اس نے کہا میں تم دونوں پر رو رہا ہوں تم مر جاؤ اور جس نعمت میں تم ہو اسے چھوڑ جاؤ گے تو یہ خیال ان دونوں کے دل میں پیدا ہو گیا جس سے وہ غمزدہ ہو گئے۔ ابلیس چلا گیا اس کے بعد پھر ان کے پاس آیا اور کہا اے آدم کیا میں تجھے ہمیشہ والے درخت پر دلالت نہ کروں۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا اس سے کہ اس سے یہ بات قبول کرے اور ابلیس نے ان دونوں سے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائی کہ وہ ان دونوں کے لیے خیر خواہوں میں سے ہے پس وہ دونوں دھوکے میں آ گئے اور آدم وحوا علیہما السلام نے اس بات کا وہم وگمان بھی نہ کیا کہ کوئی ایک اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم بھی اُٹھا سکتا ہے تو حضرت حوا علیہا السلام نے درخت کھانے میں جلدی کی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو دیا حتیٰ کہ انہوں نے بھی کھا لیا۔

اور حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اُٹھایا کرتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب تک عقل و ہوش میں

رہے اس وقت تک درخت نہ کھایا لیکن حواء نے ان کو شراب پلادی حتیٰ کہ نشہ میں آ گئے پس پھر کھایا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا اس کھانے نے ہمیں طویل غم کا وارث بنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا جنت میں جو نعمتیں میں نے تجھ پر حلال کی تھیں کیا ان میں اس درخت کے کھانے میں استغنائی گنجائش نہ تھی؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کیوں نہیں، میرے رب تیری عزت کی قسم! لیکن میں نے اس کا گمان بھی نہ کیا تھا کہ کوئی ایک تیری ذات عالی کی جھوٹی قسم بھی اُٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مجھے میری عزت کی قسم میں تجھے زمین کی طرف ضرور اُتاروں گا، پھر تو مشقت کی زندگی پائے گا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اُتار دیے گئے حالانکہ دونوں (آدم وحواء علیہما السلام) جنت میں کھلم کھلا کھاتے تھے۔ پس لوہے کی صنعت کی تعلیم کیے گئے اور کھیتی باڑی کا حکم دیے گئے پھر کھیتی باڑی کی پھر اس کو پانی پلایا۔ پھر جب وہ کھیتی تیار ہوگئی تو اسے کاٹا پھر اس کو گاہا پھر بکھیرا پھر اس کو پیسا پھر گوندھا پھر اس کی روٹی پکائی، پھر اسے کھایا۔

پس اس کو نہ پہنچا حتیٰ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کو پہنچے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بے شک حضرت آدم علیہ السلام نے جب درخت کھایا جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم علیہ السلام جو کچھ تو نے کیا اس پر تجھے کس چیز نے اُبھارا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی یارب! اسے میرے لیے حواء نے مزین کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں نے اس کو اس کی یہ سزا دی ہے کہ وہ مشقت کے ساتھ پیٹ میں بچہ اُٹھائے گی اور مشقت کے ساتھ جنے گی اور ایک ماہ میں اس کو میں نے دو دفعہ خون آلود کیا۔ پس اس وقت حضرت حواء علیہا السلام چیخ و پکار کے ساتھ روئی۔ پس کہا گیا تجھ پر اور تیری بیٹیوں پر یہ چیخ و پکار کے ساتھ رونا لکھ دیا گیا۔ پس جب دونوں نے اس درخت کو کھایا تو ان دونوں سے ان کے کپڑے چورا چورا کر دیے گئے اور ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں جنت سے نکال دیے گئے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قول "وقلنا اهبطوا" زمین کی طرف اُتر و یعنی حضرت آدم حضرت حواء علیہا السلام ابلیس اور سانپ

حضرت آدم سرزمین ہند میں اُترے

پس حضرت آدم علیہ السلام سرزمین ہند کی جگہ سراندیپ میں ایک پہاڑ پر اُترے جسے نود کہا جاتا ہے اور حواء جدہ میں اُتریں اور ابلیس ابلہ میں اُترا اور سانپ اصفہان میں۔ "بعضكم لبعض عدو" اللہ تعالیٰ کی مراد اس سے وہ عداوت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور سانپ کے درمیان ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی مومن اولاد اور شیطان کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان الشيطان لكما عدو مبين"

سانپ سے متعلق

عکرمہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا مگر یہ کہ انہوں نے حدیث مرفوع ذکر کیا کہ بے شک وہ سانپوں کے قتل کرنے کا حکم کرتے تھے اور فرمایا جو ان کو خوف کی وجہ سے چھوڑ دے یا بدلہ لینے والے کے ڈر سے چھوڑ دے وہ ہم میں سے

نہیں ہے اور موسیٰ بن مسلم نے عکرمہ سے حدیث میں زیادہ کیا "ما سالمنا هن منذ حاربناهن" ہم نے ان سے جب سے جنگ کی صلح نہیں کی اور روایت کیا گیا کہ جو سانپ گھروں میں ہیں انہیں کچھ نہ کہا جائے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق بے شک مدینہ منورہ میں کچھ جن ہیں جو اسلام لا چکے ہیں پس اگر ان میں سے کسی کو تم دیکھو تو انہیں تین دن تک باخبر کرو، اگر اس کے بعد بھی دیکھو تو اسے قتل کر دو۔ جز ایں نیست کہ وہ شیطان ہے۔

"ولکم فی الارض مستقر" جائے قرار (ومتاع) اور نفع اٹھانے کی جگہ (الی حین) تمہاری مدت عمر گزرنے تک۔

⑰ "فتلقی" تلقی کے معنی پوری فہم و دانش کے ساتھ قبول کرنا اور کہا گیا کہ تلقی کے معنی تعلم کے ہیں (یعنی سیکھنا)

"آدم من ربه کلمات" عاصم کی قرأت آدم میم کی پیش کے ساتھ اور کلمات کا لفظ ت کی زیر کے ساتھ اور ابن کثیر نے آدم میم کی زیر کے ساتھ پڑھا اور کلمات کو ت کی پیش کے ساتھ پڑھا۔

یعنی آدم علیہ السلام کے پاس اس کے رب کے پاس سے کچھ کلمات آئے جو ان کی توبہ کا سبب بنے۔

کلمات کیا تھے

جو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سیکھے۔ ان کلمات میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت حسن رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کلمات سے مراد یہ قول ہے "ربنا ظلمنا انفسنا الآیۃ" حضرت مجاہد محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ اس سے مراد

"لا الٰہ انت سُبحانک وبحمدک ربّ عملت سوءً و ظلمت نفسی فاغفرلی انک انت الغفور الرحیم"

(ترجمہ: نہیں کوئی معبود سوائے تیرے تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ اے میرے رب میں نے برائی کا عمل کیا اور اپنے آپ پر ظلم کیا پس مجھے بخش دے، بے شک تو ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔)

ایک روایت میں "فاغفرلی" کی بجائے "فارحمنی" ہے اور "انک انت الغفور الرحیم" کی بجائے "انک انت ارحم الراحمین"۔ عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کلمات سے مراد یہ ہے کہ بے شک حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی، اے میرے رب! مجھے بتایئے کہ جو کچھ میں نے کیا کیا یہ چیز میں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے یا یہ وہ کچھ ہے جو تو نے میرے اوپر میرے پیدا کرنے سے پہلے مقدر فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ شئی ایسی ہے جو میں نے تجھے پیدا کرنے سے پہلے تجھ پر مقدر فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب! پس جس طرح تو نے اسے میرے حق میں تو نے مقدر فرمایا پہلے اس کے کہ تو مجھے پیدا کرتا مجھے بخش دے اور کہا گیا یہ کلمات تین چیزیں ہیں حیاء، دعاء اور بکاء۔ یعنی رونا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا علیہا السلام جنت کی نعمتوں کے فوت ہو جانے پر دو سو سال روئے۔ چالیس دن تک نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا اور سو سال تک حضرت آدم حضرت حوا علیہا السلام کے قریب نہ گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو

مسعودی نے یونس بن خباب اور علقمہ بن مرثد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، دونوں نے کہا اگر روئے زمین کے لوگوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو حضرت داؤد کے آنسو بڑھ جائیں گے جب ان سے لغزش ہوئی اور اگر حضرت داؤد کے آنسو اور تمام انسانوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو زیادہ ہوں گے جب ان کو اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکالا۔

حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین کی طرف اُتارے گئے۔ تین سو سال اللہ تعالیٰ سے حیاء کے باعث سر نہیں اُٹھاتے تھے۔ قول خداوندی "فتاب علیہ" پس ان سے درگزر فرمایا "انہ ھو التواب" اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے "الرحیم" اسے خلیفہ بنانے کے اعتبار سے۔

⑱ "قلنا اھبطوا منھا جمیعا" یعنی یہ چاروں اور کہا گیا ہے حبو (اترنا) اول جنت سے آسمان دُنیا کی طرف دوسرا ھبوط (اترنا) آسمان دُنیا سے زمین کی طرف "فاما یاتینکم" یعنی پس اگر تمہارے پاس۔ اے اولاد آدم "منی ھدی" یعنی رہنمائی اور بیان شریعت اور کہا گیا کتاب و رسول "فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" یعقوب فلا خوف فا کی زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں، پورے قرآن پاک میں اور باقیوں نے پیش اور تنوین کے ساتھ "فلا خوف علیھم" آنے والے زمانہ میں "ولا ھم یحزنون" جو کچھ وہ پیچھے چھوڑ آئے اور کہا گیا نہیں کچھ خوف ان پر دُنیا میں اور نہ وہ آخرت میں غمناک ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

(ترجمہ) اور جو کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ کو رہیں گے اے بنی اسرائیل (یعنی اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام کی) یاد کرو تم میرے اُن احسانوں کو جو کئے میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرے عہد کو پورا کروں گا میں تمہارے عہدوں کو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے یعنی قرآن پر ایسی حالت میں کہ وہ سچ بتلانے والی ہے اُس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے (یعنی توریت کے کتاب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے اور مت بنو تم سب سے پہلے انکار کرنے والے اس قرآن

کے اور مت لو بمقابلہ میرے احکام کے معاوضہ حقیر کو اور خاص مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو اور خلط ملط مت کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو جس حالت میں کہ تم جانتے ہو اور قائم کرو تم لوگ نماز کو (یعنی مسلمان ہو کر) اور دو زکوٰۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ کیا (غضب ہے کہ) کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو (نیک کام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے) اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

تفسیر ٣٩ "والذین کفروا" جنہوں نے انکار کیا "وکذبوا بآیاتنا" قرآن کریم کے ساتھ "اولٰئک اصحاب النار" قیامت کے دن "ھم فیھا خالدون" نہ جنت سے نکلیں گے اور نہ ان کو اس میں موت آئے گی۔

٤٠ "یا بنی اسرائیل" اے اولاد یعقوب اور اسرائیل کا معنی عبداللہ اور ایل وہ اللہ تعالیٰ اور بعض نے کہا کہ اسرائیل کا معنی صفوۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور چنے ہوئے اور ابوجعفر نے (اسرائیل) کو بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے "اذکروا" محفوظ رکھو، ذکر دل سے ہوتا ہے اور زبان سے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ ذکر سے مراد شکر ہے اور شکر کا مفہوم لفظ ذکر کے ساتھ ادا کیا گیا۔ اس لیے کہ شکر میں ذکر ہوتا ہے یعنی یاددہانی ہوتی ہے یا یاد ہوتی ہے اور کفر میں نسیان ہوتا ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں نعمت کا تذکرہ کرنا اس کا شکر ادا کرنا ہے۔ (نعمتی) میری نعمتوں کا یعنی لفظ تو مفرد بولا گیا اور معنی کے لحاظ سے جمع مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا" (یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گننا چاہو تو پورا شمار بھی نہ کر سکو گے) "التی انعمت علیکم" یعنی آباء اجداد پر تمہارے اسلاف پر۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے ساتھ بنو اسرائیل کو مخصوص کیا گیا۔ مثلاً سمندر کو پھاڑنا۔ فرعون کو غرق کرکے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلانا۔ تیہ کے جنگل میں ان پر بادلوں کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کو نازل کرنا، تورات کو نازل کرنا اور بھی بہت سی نعمتیں جنہیں شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے علاوہ باقی حضرات فرماتے ہیں کہ ان نعمتوں سے مراد وہ تمام نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرمائیں۔

"واوفوا بعھدی" میرا حکم مان کر "اوف بعھدکم" قبول و ثواب کے ساتھ حضرت قتادہ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہیں جن کا ذکر سورۂ مائدہ میں کیا گیا۔ "ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل و بعثنا منھم اثنی عشر نقیبا" یہاں تک کہ فرمایا "لاکفرن عنکم سیئاتکم" پس یہ ہے قول اس کا "اوف بعھدکم" (یعنی تم سے گناہ کرا کر میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔) حضرت حسن فرماتے ہیں اس عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کا قول "واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا اللہ" اور کلبی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا عہد بنی اسرائیل کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر وہ یہ کہ میں بنو اسماعیل کی طرف نبی امی بھیجنے والا ہوں۔ پس جو اس کی اتباع کرے گا اور اس نور کی تصدیق کرے گا جو وہ لائیں گے میں اس کے گناہ بخش دوں گا اور اس کو جنت میں داخل کروں گا اور اس کے لیے دو دو اجر کروں گا۔

"واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس" یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ "وایای فارھبون"

پس نقض عہد توڑنے کے سلسلہ میں مجھ سے ڈرو۔ان الفاظ میں خطاً حذف کی گئی ہیں مثلاً "فارھبون، فاتقون، واخشون" (ان کے آخر میں یاتھی جو بوجہ وقف کے حذف ہوگئیں جن کی علامت ان کے نون پر زیر ہے) انہیں یعقوب نے ثابت رکھا۔

④ "وآمنوا بما انزلت" یعنی قرآن "مصدقا لما معکم" یعنی ان (مضامین) کے موافق جو تمہارے پاس تورات میں سے توحید ونبوت اور صفات نبویہ کے سلسلہ میں تھے۔ یہ کعب بن اشرف اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ یہودیوں کے عالم اور سردار قسم کے لوگ تھے۔"ولا تکونوا اول کافر بہ" یعنی قرآن کے ساتھ مراد اوّل ہونے سے اہل کتاب میں سے اوّل ہونا ہے ورنہ یہود سے پہلے مکہ مکرمہ میں قریش مکہ کفر کر چکے تھے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ تم قرآن کریم کے ساتھ اول کفر کرنے والے نہ بن جاؤ۔پس بقیہ یہود اس پر تمہاری پیروی کریں گے۔ پس تم اپنے اور اپنے متبعین کے گناہ کو سمیٹنے والے بن جاؤ گے۔"ولا تشتروا" یعنی نہ بدلہ میں لو "بآیاتی" جو نبی علیہ السلام کے بیان صفات سے متعلق ہیں۔"ثمناً قلیلا" یعنی دُنیا کا معمولی عوض۔اور یہ اس طرح کہ سرداران یہود اور علماء یہود کی کچھ خوراک تھی جسے وہ اپنے جاہل عوام سے ہر سال مقدار معلوم میں لیا کرتے تھے۔مثلاً کھیتی دودھ والے جانور اور نقدی اب انہیں اس کا خطرہ ہوا کہ اگر انہوں نے صفت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کردی اور حضور علیہ السلام کے تابع ہوگئے تو یہ خوراک ختم ہو جائے گی۔ پس انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو بدلا اور نام مبارک کو چھپایا۔پس اس طرح انہوں نے دنیا کو آخرت پر اختیار کیا۔"وایای فاتقون" پس مجھ سے ڈرو۔

⑤ "ولا تلبسوا الحق بالباطل" یعنی خلط ملط نہ کرو۔کہا جاتا ہے "لَبِس الثوب یلبس لُبساً" اور کہا جاتا ہے "لَبس علیہ الامر لَبساً" یعنی خلط ہوا۔(گویا لباس پہننے کے لیے لبس باب سمع سے آتا ہے اور اس کی مصدر لُبس آتی ہے لام کی پیش اور خلط ملط کے معنی کے لیے "لَبس" باب ضرب سے آتا ہے اس کی مصدر "لَبس" آتی ہے لام کی زبر کے ساتھ۔

کہا جاتا ہے خلط نہ کرو اس حق کو جو میں نے تم پر اتارا جس کا تعلق صفات محمدیہ سے ہے۔باطل کے ساتھ جس کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کو تبدیل کر کے...... اکثر حضرات اس پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ اسلام کو (جو کہ حق ہے) یہودیت کے ساتھ خلط ملط نہ کرو۔حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے شک یہود نے حضور علیہ السلام کی بعض صفات کا اقرار کیا اور بعض صفات کو چھپایا تا کہ اس میں وہ تصدیق کیے جائیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ ملاؤ حق کو جس کو تم باطل کے ساتھ تبدیل کرتے ہو۔یعنی جو کچھ تم چھپاتے ہو۔حق سے مراد ان کا بیان کرنا ہے اور باطل سے مراد ان کا چھپانا ہے۔"وتکتموا الحق" یعنی اس کو نہ چھپاؤ۔یعنی تعریف مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم "وانتم تعلمون" اس بات کو جانتے ہو کہ حضور علیہ السلام نبی مرسل ہیں۔

⑥ "واقیموا الصلوٰۃ" یعنی پانچ نمازیں ان کے وقتوں اور پابندیوں کے ساتھ "وآتوا الزکاۃ" اپنے مالوں کی فرضی زکوٰۃ ادا کرو۔لفظ زکوٰۃ زکوۃ الزرع سے لیا گیا ہے۔زکوۃ الزرع کے معنی ہے کھیتی بڑھی زیادہ ہوئی اور بعض نے کہا زکاۃ تزکی سے ماخوذ ہے

یعنی پاک ہوا۔ شرعی اصطلاحی لفظ زکوۃ میں دونوں معنی موجود ہیں کیونکہ زکوۃ دینے سے مال پاک بھی ہوتا ہے اور بڑھتا بھی ہے۔

"واركعوا مع الراكعين" یعنی نماز پڑھو۔ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ جو کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ نماز کو لفظ رکوع سے تعبیر کیا گیا کیونکہ رکوع ارکان نماز میں سے (اہم ترین) رکن ہے۔ نیز یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا تو گویا حکم دیا گیا اے مسلمانو! تم وہ نماز پڑھو جو رکوع والی ہو۔ بعض نے کہا کہ "واقيموا الصلوٰة" کے جملے کے بعد خصوصاً پھر "واركعوا مع الراكعين" کا حکم دینا بھی اسی مقصد کے تحت ہے یعنی ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھو جن کی نمازوں میں رکوع ہے۔ پہلا حکم "اقيموا الصلوٰة" مطلقاً ہر ایک کے لیے ہے اور یہ حکم مخصوص اقوام کے حق میں ہے۔ بعض نے کہا کہ "واركعوا مع الراكعين" اور اصل نماز با جماعت ادا کرنے پر ابھارنا ہے۔ گویا کہ کہا گیا کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھو جو تم سے ایمان کے اعتبار سے سبقت کر چکے۔

㊹ "اتأمرون الناس بالبر" یعنی طاعت کے ساتھ یہ علمائے یہود کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ اس لیے کہ ان میں سے کوئی ایک شخص اپنے قریبی ساتھی اور اپنے حلیف ایمان والے کو اس وقت کہتا جب وہ ایمان والا حضور علیہ السلام کے بارے میں پوچھتا کہ تو اپنے دین پر قائم رہ کیونکہ حضور علیہ السلام کا معاملہ حق پر مبنی ہے اور اس کی بات سچی ہے۔ بعض نے کہا گیا ہے کہ یہ خطاب ان کے احبار سے ہے جب انہوں نے اپنے متبعین کو (احکام) تورات کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا اور خود تورات کی مخالفت کی اور (تورات میں موجود) صفات نبوی کو بدل ڈالا۔ "وتنسون"

"انفسكم" یعنی اپنے آپ کو چھوڑ دیتے ہو اور تورات کی اتباع نہیں کرتے ہو "وانتم تتلون الكتاب" یعنی تورات کو پڑھتے ہو جس میں محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت وصفات ہوتی ہیں۔ "افلا تعقلون" (کیا تم سمجھتے نہیں ہو) کہ وہ حق ہے عقل عقال الدابۃ سے ماخوذ ہے۔ عقال وہ رسہ ہے جس سے اونٹ کا گھٹنا باندھا جاتا ہے جو اسے بھاگنے سے روکتا ہے۔ پس اسی طرح عقل بھی صاحب عقل کو کفر اور انکار سے روکتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (میں نے اس رات دیکھا جب مجھے سیر کرائی گئی۔ چند لوگوں کو جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کترے جا رہے تھے۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کی اُمت کے خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے تھے اور اپنے کو بھول جاتے تھے حالانکہ وہ کتاب کو پڑھتے تھے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ایک آدمی کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ پس اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پس اس کی انتڑیاں آگ میں نکل پڑیں گی پھر وہ اس طرح گھومے گا جیسے گدھا چکی کے اردگرد گھومتا ہے۔ جہنمی اس پر جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے اے فلاں! تیرا کیا حال ہے کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہیں کرتا تھا؟ کیا تو ہمیں برائی سے منع نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا میں تمہیں نیکی کا حکم کرتا تھا مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا

نہ ہوتا تھا اور تمہیں برائی سے منع کرتا تھا اور خود وہ برائی کرتا تھا۔ شعبہ نے اعمش سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ انتڑیوں کو لے کر اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: اور اگر تم کو حب مال و جاہ کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار (معلوم ہوتو) مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے اُن پر کچھ دشوار نہیں وہ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں (یعنی) اے اولاد یعقوب علیہ السلام کی تم لوگ میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو انعام میں دی تھی اور اس (بات) کو یاد کرو کہ میں نے تم کو تمام دنیا جہان والوں پر خاص برتاؤ میں فوقیت دی تھی اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کرسکتا ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوسکتی ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جاسکتا ہے اور نہ اُن لوگوں کی طرفداری چل سکے گی اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ رہائی دی ہم نے تم کو متعلقین فرعون سے جو فکر میں لگے رہتے تھے تمہاری سخت آزاری کے گلے کاٹتے تھے تمہاری اولاد ذکور کے اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں کو اس (واقعہ) میں ایک امتحان تھا تمہارے پروردگار کی جانب سے بڑا بھاری۔

تفسیر: ﴿۴۵﴾ "واستعینوا" (مدد حاصل کرو) ان قسم قسم کی مصیبتوں پر جو تمہیں پیش آنے والی ہیں اور بعض نے کہا طلب آخرت پر (مدد حاصل کرو) "بالصبر والصلوٰۃ" (صبر و نماز کے ساتھ) خالصتاً گناہوں کو مٹانے کے سلسلہ میں (صبر سے) مراد گناہوں سے اپنے آپ کو روکنا ہے۔ بعض نے کہا کہ صبر سے مراد فرائض کی ادائیگی پر صبر کرنا ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صبر سے مراد روزہ ہے۔ اسی سے ماہِ رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے اور یہ اس لیے کہ روزہ دُنیا سے بے رغبت کرتا ہے اور نماز آخرت کی طرف راغب کرتی ہے اور کہا گیا ہے کہ "والصلوٰۃ" پر جو واؤ داخل ہے یہ واؤ بمعنی علیٰ ہے۔ یعنی مدد حاصل کرو ساتھ صبر کے نماز پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا" (یعنی نماز پر اپنے آپ کو صابر رکھو یعنی جمائے رکھو)

"وانھا" (وانھا کہا یعنی ضمیر واحد کی لائی گئی) "وانھما" نہیں کہا۔ اس طرح ھا ضمیر صبر و صلوٰۃ ہر ایک کی طرف علیحدہ

علیحدہ لوٹائی گئی۔ یعنی صبر و صلوٰۃ ہر ایک حالت ان دو میں سے۔ جیسے کہا گیا "کلتا الجنتین آتت اُکلھا" دونوں باغ اپنے پھل لائے بعض نے کہا کہ آیت کا معنی ہوگا۔ صبر سے مدد چاہو اور بے شک وہ شاق ہے اور نماز سے بھی اعانت طلب کرو بے شک وہ بھی گراں ہے۔ پھر ان دو میں سے ایک کو برائے اختصار حذف کر دیا گیا اور مورج کہتے ہیں کہ انھا کی ضمیر (صرف) نماز کو راجع ہے کیونکہ وہ عام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے "والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا" میں ھا ضمیر فضہ کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ عام ہے اور کہا گیا ہے ھا ضمیر نماز کی طرف راجع ہے کیونکہ نماز بہت عظیم الشان ہے ان میں کئی قسم کے صبر ہیں۔ نماز میں کئی قسم کے صبر کرنے کی مثال ایسی بھی چاہیے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ" یرضوھما نہیں فرمایا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اللہ تعالیٰ عزوجل کی رضا میں داخل ہے۔ حسین بن فضل فرماتے ہیں کہ "اِنّھا" کی ضمیر استعانت کی طرف راجع ہے۔ "لکبیرۃ" یعنی وزنی ہے "الا علی الخاشعین" یعنی مؤمنین پر۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خاشعین سے مراد خائفین ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مطیعین ہیں یعنی اطاعت گزار لوگ۔ مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خاشعین سے مراد متواضعین ہیں یعنی تواضع کرنے والے خشوع کا اصل معنی سکون ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وخشعت الاصوات للرحمٰن" لہٰذا خاشع وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف سکون پذیر ہو۔

㊻ "الذین یظنون" یقین رکھتے ہیں پس ظن اضداد میں سے ہے (یعنی ان لفظوں میں سے ہے جن کے متضاد معنی ہوتے ہیں) تو ظن کا معنی شک والا بھی ہوگا اور یقین والا بھی۔ جیسے رجاء کا معنی امن بھی ہے اور خوف بھی۔ "انھم ملاقوا" دیکھنے والے ہیں "ربھم" آخرت میں اور وہ "ملاقات" دیدار خداوندی ہے اور کہا گیا ہے کہ ملاقات سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ "وانھم الیہ راجعون" پس ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔

㊼ "یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین" یعنی اس وقت کے تمہارے زمانے کے جہان والوں پر فضیلت دی۔ یہ فضیلت اگرچہ موجودہ زمانے کے بنو اسرائیل کے آباء کو نصیب ہوئی مگر اس فضیلت کا شرف و فخر اس اولاد کو جو اب موجود ہے حاصل ہے۔

㊽ "واتقوا یومًا" اور ڈرو اس دن کے عذاب سے "لا تجزی نفس" نہیں پورا کر سکے گا کوئی نفس (جان) "عن نفس شیئا" یعنی کوئی بھی حق جو اس نفس یعنی جان پر لازم ہوگا اور کہا گیا ہے کہ "لا تجزی نفس" کا معنی ہے "لا تغنی" یعنی کچھ فائدہ نہ دے سکے گا اور کہا گیا ہے (اس کا معنی ہے) نہ کفایت کر سکے گا کوئی نفس کسی قسم کا کچھ حصہ تکلیفات میں سے "ولا تقبل منھا شفاعۃ" ابن کثیر اور ابو عمرو اور یعقوب نے (تقبل کو) تاء کے ساتھ پڑھا کیونکہ شفاعت مؤنث ہے اور باقیوں نے یاء کے ساتھ پڑھا یعنی یقبل کیونکہ شفیع اور شفاعت کا ایک معنی ہے جیسے کہ وعظ اور موعظہ کا ایک معنی ہے تو یقبل کا فعل مذکر لانا معنی کے لحاظ پر ہے اور تقبل مؤنث لانا لفظ کے اعتبار سے جیسے فرمان الٰہی "قد جاءتکم موعظۃ من ربکم" (تو یہاں جاءت فعل مؤنث لایا گیا) اور

دوسری جگہ فرمایا "فمن جاءہ موعظۃ من ربہ" (تو یہاں جاء فعل مذکر لایا گیا) یعنی اس نفس سے شفاعت نہ قبول کی جائے گی جبکہ وہ نفس، نفس کافرہ ہوگی۔ "ولا یؤخذ منھا عدل" یعنی فدیہ اور فدیہ کو عدل کا نام دیا گیا اس لیے کہ وہ فدیہ جس کا فدیہ دیا جاتا ہے کے مثل ہوتا ہے برابر ہوتا ہے اور عدل کا معنی بھی مثل ہے۔ "ولا ھم ینصرون" اللہ تعالیٰ کے عذاب سے روکے نہ جائیں گے۔

○ "واذ نجینا کم" یعنی تمہارے بڑے بزرگوں اور آباء واجداد کو اللہ تعالیٰ نے موجودہ زمان بنواسرائیل کے آباء واجداد کو نجات دینا موجودہ بنواسرائیل پر بطور احسان کے جتلایا کیونکہ موجودہ بنواسرائیل کا وجود ان کے اسلاف کی نجات کا مرہون منت ہے۔ "من آل فرعون" فرعون کے پیروکار اور اس کے دین پر چلنے والے اور فرعون وہ ولید بن مصعب بن ریان ہے جو قوم عمالقہ کے خاندان قبط سے تھا اور چار سو (۴۰۰) سال سے زیادہ عمر پائی۔ "یسومونکم" تمہیں تکلیف دیتے اور تمہیں چکھاتے تھے۔ "سوء العذاب" سخت ترین عذاب اور بدترین عذاب اور کہا گیا ہے تمہیں عذاب میں کبھی پھیرتے تھے جیسے اونٹ جو چرنے والے ہوں انہیں الابل اور سائمۃ فی البریۃ کہا جاتا ہے یعنی وہ اونٹ جو جنگل میں چرنے پھرنے والے ہوں اور یہ اس طرح کہ فرعون نے بنواسرائیل کو خادم و نوکر بنا رکھا تھا اور انہیں مختلف کاموں میں مختلف قسم کی انسانی شکل میں لگا رکھا تھا۔

مشاقِ بنی اسرائیل کا ذکر

بنواسرائیل کی ایک قسم معمار تھی جو تعمیرات بناتے اور ایک قسم کھیتی باڑی کا کام کرتی تھی اور ایک قسم فرعون کی خدمت گزار تھی اور جو بنی اسرائیل کے لوگ کسی کام کے اہل نہ ہوتے ان پر ٹیکس لگاتے۔ حضرت وہب فرماتے ہیں بنی اسرائیل کی اعمال فرعون کے سلسلہ میں مختلف جماعتیں تھیں جو بنواسرائیل طاقتور تھے وہ پہاڑ سے ستون تراشتے تھے۔ یہاں تک کہ پہاڑوں کو کاٹنے اور نقل و حمل کے باعث ان کی گردنیں اور کندھے زخمی ہوگئی تھیں اور بنی اسرائیل کا ایک گروہ پتھر ڈھوتا اور ایک گروہ اینٹیں تھاپتا اور پکاتا اور ایک گروہ بڑھئی تھا کچھ لوہار تھے اور جو ان میں سے کمزور تھے ان پر ٹیکس لگایا جاتا۔ وہ ٹیکس روزانہ ادا کرتے جس پر ٹیکس ادا کرنے سے پہلے سورج غروب ہو جاتا اس کا دایاں ہاتھ ایک مہینہ تک گردن کے ساتھ باندھ دیا جاتا۔ بنی اسرائیل کی عورتیں سوت کاتنے اور بننے کا کام کرتی تھیں اور فرمان الٰہی "یسومونکم سوء العذاب" کی تفسیر وہ ہے جو اس کے بعد ذکر ہوئی اور وہ فرمان خداوندی یہ ہے "یذبحون ابناء کم" یہ بطور بدل کے ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے "یسومونکم سوء العذاب"

ویستحیون نساء کم "ان کو زندہ چھوڑتے تھے اور یہ اس لیے کہ فرعون نے اپنے خواب میں دیکھا گویا کہ آگ بیت المقدس سے آئی ہے اور اس آگ نے مصر کا احاطہ کر لیا ہے اور مصر میں جس قدر قبطیوں کے گھر تھے انہیں جلا ڈالا ہے اور بنی اسرائیل کے گھروں کی طرف رخ نہیں کیا۔ فرعون کو اس خواب نے خوفزدہ کر دیا۔ چنانچہ اس نے کاہنوں سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو کاہنوں نے جواب میں کہا بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ تیری ہلاکت اور تیرے ملک کا زوال ہوگا جس پر فرعون نے بنی اسرائیل کے پیدا ہونے والے ہر بچے کے قتل کے آرڈر کر دیے۔

دائیوں کو جمع کیا اور انہیں حکم دیا کہ تمہارے ہاتھوں پر کوئی بچہ بنی اسرائیل کا واقع نہیں ہونا چاہیے جسے قتل نہ کیا جائے اور جو بچی آئے اسے چھوڑ دیا جائے اور دائیوں پر نگران مقرر کیے گئے۔ چنانچہ دائیوں نے یہ کام کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ طلب موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) بچے قتل کر دیے گئے۔ حضرت وہب فرماتے ہیں مجھے یہ پہنچا ہے کہ حضرت موسیٰ کی طلب میں نوے ہزار (۹۰۰۰۰) بچے ذبح کر دیے گئے۔ بعد ازاں بنی اسرائیل کے بوڑھوں کی موت جلدی واقع ہونے لگ گئی۔ چنانچہ سرداران قوم قبط کا وفد فرعون کے پاس پہنچا اور انہوں نے کہا کہ بنو اسرائیل میں موت عام ہو چکی ہے۔ ان کے چھوٹے ذبح کیے جا رہے ہیں اور بڑے مر رہے ہیں۔ عنقریب یہ اعمال شاقہ ہم پر واقع ہو جائیں گے یعنی یہ محنت و مزدوری والے کام ہمیں کرنے پڑیں گے۔ اس پر فرعون نے حکم دیا ایسا کیا جائے کہ بنی اسرائیل کے بچے (نومولود) ایک سال تو ذبح کیے جائیں اور ایک سال ذبح نہ کیے جائیں یعنی ناغہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ہارون ناغہ کے سال پیدا ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اس سال ہوئی جس سال بچے ذبح کیے جا رہے تھے۔

"وفی ذالکم بلاء من ربکم عظیم" بعض نے کہا بلاء سے مراد محنت و مشقت یعنی فرعونیوں کی جانب سے تمہیں عذاب چکھانے میں محنت عظیمہ تھی اور کہا گیا ہے کہ بلاء سے مراد نعمت ہے یعنی میرے اس نجات دینے میں خاص تم کو ان فرعونیوں سے نعمت عظیم ہے۔ چنانچہ بلاء بمعنی محنت عظیمہ شدیدہ بھی ہے اور بمعنی نعمت عظیمہ کے بھی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کبھی نعمت عطاء کر کے بسلسلہ شکر بھی آزماتا ہے اور مصیبت پر صبر کے سلسلہ میں بھی آزماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ"

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ شق کر دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریائے شور کو پھر ہم نے (ڈوبنے سے) بچا لیا تم کو اور غرق کر دیا متعلقین فرعون کو (مع فرعون کے) اور تم اسکا معائنہ کر رہے تھے

تفسیر: ﴿۵۰﴾ "واذ فرقنا بکم البحر" بعض نے کہا اس کا معنی "فرقنا لکم" ہے یعنی سمندر کو ہم نے خاص تمہاری خاطر پھاڑا اور کہا گیا ہے "فرقنا بدخولکم ایاہ" کہ ہم نے سمندر کو تمہارے داخل ہونے کے سبب پھاڑا۔ سمندر کو بحر اس کی وسعت کے پیش نظر کہا گیا ہے اور اسی سے ہے گھوڑے کو بحر کہنا، جب وہ اچھے دوڑنے میں وسعت اختیار کرے اور یہ اس لیے جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنو اسرائیل کو مصر سے رات کے وقت لے چلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (بنو اسرائیل) اپنی قوم کو حکم دیا کہ گھروں میں صبح تک چراغ جلائے رکھیں اور اللہ تعالیٰ نے قوم قبط میں جو بھی بنی اسرائیل کا ولد الزنا تھا بنی اسرائیل کی طرف نکالا اور جو بنی اسرائیل میں قبطیوں کا نطفہ حرام تھا اسے قبط کی جانب نکال دیا۔ حتیٰ کہ ہر حرامی اپنے باپ کی طرف لوٹ گیا اور اللہ تعالیٰ نے قوم قبط پر موت کو ڈال دیا۔ چنانچہ ہر جوان کنوارا قبطی مر گیا۔ چنانچہ صبح تک قبطی ان کے دفنانے میں مصروف رہے جب تک سورج طلوع ہو گیا۔ حضرت موسیٰ چھ لاکھ بیس ہزار لڑاکے جوان لے کر نکل کھڑے ہوئے جن میں بیس سال سے کم عمر والا چھوٹے ہونے کی وجہ سے اور ساٹھ سال سے زیادہ عمر والا بڑھاپے کی وجہ سے شمار نہ تھا۔

بنی اسرائیل جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی معیت میں مصر کو داخل ہوئے تھے تو وہ مرد و زن بہتر (۷۲) انسانوں پر مشتمل تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب موسیٰ چھ لاکھ ستر ہزار تھے۔ عمرو بن میمون سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے۔ جب انہوں نے چلنے کا ارادہ کیا تو ان پر بھٹکنا مسلط کر دیا گیا۔ پس وہ یہ نہیں پہچان رہے تھے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مشائخ کو بلایا اور اس بارے میں ان سے پوچھا، انہوں نے بتایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو موت حاضر ہوئی تھی تو انہوں نے اپنے بھائیوں سے عہد لیا تھا کہ وہ مصر سے اس وقت تک نہ نکلیں گے جب تک کہ مجھے اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے۔ اسی لیے ہم پر راستہ بند ہو گیا ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ تو کسی کو معلوم نہ تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ندا کی میں ہر اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جو یہ جانتا ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے مگر یہ کہ وہ ہمیں اس کے بارے میں خبر دے اور جو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر نہ جانتا ہو تو اس کے کان میری آواز سننے سے بہرے ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دو آدمیوں کے درمیان ندا دیتے ہوئے گزرتے تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز نہ سنتے تھے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز ایک ان کی بڑھیا نے سنی تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا مجھے یہ بتاؤ اگر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر پر رہنمائی کر دوں تو آپ مجھے ہر وہ چیز عطا کریں گے جو میں مانگوں گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر انکار کیا اور کہا کہ یہاں تک میں اپنے رب سے پوچھ لوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بڑھیا کو اس کا سوال دے دیجئے۔ (یعنی اس کا مطالبہ پورا کر دیجئے)

پس بڑھیا نے کہا بے شک میں بڑھیا ہوں، چلنے کی سکت نہیں رکھتی، مجھے اٹھایئے اور مصر سے نکالئے۔ یہ سوال تو دنیا کا ہے۔ بہر حال آخرت میں میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) جنت کے جس بالا خانہ میں تو اترے میں تیرے ساتھ رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا تو بڑھیا نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر دریائے نیل کے درمیان پانی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس جگہ سے پانی کو ہٹا دے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، اس جگہ سے پانی ہٹ گیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ طلوع فجر کو مؤخر کر دے یہاں تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے امر سے فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس جگہ کو کھودا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جو سنگ مرمر کے صندوق میں تھے نکالا اور اٹھا کر لائے اور شام میں انہیں دفن کر دیا۔ ایسا کرنے پر ان کے لیے راستہ کھل گیا۔ بنی اسرائیل چلے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پچھلے حصہ میں تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام اگلے حصہ پر۔ فرعون نے جب بنی اسرائیل کے نہ ہونے کے باعث قلت محسوس کی تو اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کی طلب میں نہ نکلیں یہاں تک کہ مرغا بانگ دے۔

پس اللہ کی قسم اس رات مرغے نے بانگ نہ دی۔ پس فرعون بنی اسرائیل کی طلب میں نکلا۔ فرعون کے لشکر کے مقدمۃ الجیش پر ھامان ستر لاکھ فوج لیے ہوئے تھا اور ان میں ستر ہزار سیاہ گھوڑے تھے سوائے بقیہ مختلف رنگوں والے کے محمد بن کعب

فرماتے ہیں کہ فرعون کے لشکر میں ایک لاکھ سیاہ رنگ کے گھوڑے تھے سوائے بقیہ مختلف رنگوں والے کے، فرعون سیاہ رنگ گھوڑوں میں تھا اور کہا گیا کہ فرعون ستر لاکھ میں تھا اور اس کے سامنے ایک لاکھ جنگجو اور ایک لاکھ نیزہ بردار اور ایک لاکھ لاٹھی بردار۔ پس بنی اسرائیل چلے یہاں تک کہ سمندر کو پہنچے یا زبردست پانی میں پہنچے اور انہوں نے دیکھا پس دن چڑھتے ہی فرعون ان کے قریب آلگا۔ پس وہ حیران رہ گئے۔ پس بنو اسرائیل کہنے لگے اے موسیٰ! (علیہ السلام) اب ہم کیا کریں اور کہاں ہے وہ (نصرت) جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا تھا؟ یہ فرعون ہمارے پیچھے آ گیا اگر فرعون نے ہمیں پالیا تو وہ ہمیں قتل کرڈالے گا اور سمندر ہمارے آگے ہے اور اگر اس میں داخل ہوئے ہم غرق ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”فلما تراء ی الجمعان قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون قال موسیٰ کلا ان معی ربی سیھدین“ (اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو اصحاب موسیٰ پکار اُٹھے کہ ہم پکڑے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے عنقریب رہنمائی فرمائے گا۔)

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی ”ان اضرب بعصاک البحر“ (یہ کہ اپنا عصا سمندر کو ماریئے) پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا اس کو مارا۔ پس سمندر نے اطاعت نہ کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ سمندر کی کنیت کے ساتھ اسے خطاب کیجئے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا اور فرمایا اے ابو خالد اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ جا ”فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم“ اور اس میں بارہ راستے ظاہر ہوئے، ہر خاندان بنی اسرائیل کا ایک راستہ تھا اور ہر دو راستوں کے درمیان پہاڑ کی طرح پانی بلند ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دھوپ اور ہوا کو سمندر کی گہرائی پر بھیجا حتیٰ کہ راستے خشک ہو گئے۔ اس پر بنی اسرائیل سمندر میں گھس گئے۔ ہر قبیلہ ایک راستے پر تھا اور اس کی دونوں جانب پانی تھا جیسے کہ بڑا پہاڑ ہو مگر بعض بعض کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ پس انہوں نے خوف محسوس کیا اور ہر قبیلہ کہنے لگا کہ ہمارے دوسرے بھائی قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے پانی کے ان پہاڑوں کو حکم دیا کہ تم کھڑکی دار ہو جاؤ تو پانی کھڑکیوں والا ہو گیا۔ طبقہ وار جس سے بعض بعض کو دیکھ رہے تھے اور بعض بعض کی کلام سن رہے تھے حتیٰ کہ صحیح سالم دریا کو عبور کر گئے۔ پس اللہ تعالیٰ کے فرمان ”واذ فرقنا بکم البحر فانجینا کم“ (کا مصداق ہو گئے جس کا معنیٰ ہے کہ ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا۔ پس ہم نے تم کو نجات دی) فرعون کے لاؤ لشکر سے اور غرق ہونے سے۔ ”واغرقنا آل فرعون“ اور ہم نے لشکر فرعون کو غرق کردیا اور یہ اس لیے کہ بے شک جب فرعون سمندر کو پہنچا تو سمندر کو جدا جدا (رستوں والا) پایا تو اپنی قوم کو اس نے کہا سمندر کو دیکھو میری ہیبت سے اس لیے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے تاکہ میں اپنے ان غلاموں کو پکڑ سکوں جو مجھ سے بھاگ گئے ہیں۔ چلو سمندر میں داخل ہو جاؤ تو فرعون کی قوم سمندر میں داخل ہونے سے ڈری اور فرعون کو کہا گیا اگر تو رب ہے تو سمندر میں اس طرح داخل ہو جا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام داخل ہو گئے اور فرعون سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا اور فرعون کے پورے لشکر میں گھوڑی نہ تھی تو حضرت جبرئیل اٹھی ہوئی گھوڑی پر سوار ہو کر آ گئے (وديق اس مؤنث جانور کو کہتے ہیں جو طالب

مذکر ہو) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس گھوڑی کو ان کے آگے کیا اور سمندر میں گھس گئے۔ جب فرعون کے سیاہ گھوڑے نے گھوڑی کی ہوا سونگھی تو وہ گھوڑا سمندر میں اس گھوڑی کے پیچھے گھس گیا اور وہ حضرت کو نہ دیکھ رہے تھے۔

اس پر فرعون اپنے معاملہ کا کچھ بھی مالک نہ رہا اور نہ ہی فرعون حضرت جبرئیل کی گھوڑی کو دیکھ رہا تھا اور بقیہ گھوڑے فرعون کے گھوڑے کے پیچھے سمندر میں گھس گئے اور حضرت میکائیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار قوم کے پیچھے آ کر ان کو ہانکنے لگے تاکہ فرعونی لشکر میں سے کوئی بھی پیچھے الگ نہ رہے۔ حضرت میکائیل ان کو فرما رہے تھے اپنے ساتھیوں کے پیچھے لاحق ہو جاؤ حتیٰ کہ سب کے سب سمندر میں گھس گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سمندر سے نکلے اور میکائیل سمندر میں داخل ہوئے۔ فرعونی لشکر کا پہلا انسان جب سمندر سے نکلنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ ان سب کو پکڑ لے تو سمندر موجزن ہوا اور ان سب کو غرق کر دیا اور اس سمندر کے دونوں کناروں کے درمیان چار فرسخ (یعنی بارہ میل) کا فاصلہ تھا اور وہ بحر فارس کے ایک حصہ کے کنارہ پر تھا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں، وہ سمندر ہے۔

مصر کے پیچھے جسے اساف کہا جاتا ہے اور یہاں کا غرق ہونا۔ بنو اسرائیل کے سامنے ہوا یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "وانتم تنظرون" یعنی تم ان کے گرنے کو دیکھ رہے تھے اور

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اور (وہ زمانہ یاد کرو) جبکہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے تجویز کر لیا (پرستش کیلئے) گوسالہ کو موسیٰ کے (جانے کے) بعد اور تم نے ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی پھر بھی ہم نے تمہاری توبہ کرنے پر درگذر کیا تم نے اتنی بڑی بات ہوئی پیچھے اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) اور فیصلہ کی چیز اس توقع پر کہ تم راہ پر چلتے رہو اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ نے فرمایا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم بیشک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اپنی اس گوسالہ (پرستی) کی تجویز سے سو تم اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ پھر بعض آدمی بعض آدمیوں کو قتل کر دیں (عملدرآمد) تمہارے لئے بہتر ہوگا تمہارے خالق کے نزدیک پھر (اس عمل سے) حق تعالیٰ تمہارے حال پر (اپنی عنایت سے) متوجہ ہوئے بیشک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں۔

تفسیر ⑤١ "وَاِذْ وٰعَدْنَا" یہ اس باب مفاعلہ سے ہے جو ایک طرف سے ہوتا ہے جیسے کہ اہل عرب کہتے ہیں "عافاک اللّٰہ" (اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت بخشے) یا عاقبت اللص (میں نے چور کو سزا دی) یا طارقت النعل (میں نے جوتے میں کیل ٹھونکی)۔ زجاج فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے قبول کرنا تھا۔ پس اس لیے لفظ مواعدہ سے تعبیر فرمایا۔ ابوعمرو اور اہل بصرہ نے "وَاِذْ وَعَدْنَا" پڑھا یعنی وعدہ سے۔ "موسیٰ" عبرانی نام ہے جسے عربی بنایا گیا۔ عبرانی زبان میں موشی کا معنی پانی اور درخت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام موسیٰ علیہ السلام اس لیے رکھا گیا کہ وہ پانی اور درختوں کے (جھنڈ) سے پکڑے گئے تھے۔ پھر عربی میں ش کو س سے بدل دیا گیا۔ (موشی سے موسیٰ ہو گیا)

"اربعین لیلۃ" یعنی ان کا پورا ہونا۔ ذوالقعدہ سے تیس دن اور دس دن ذوالحجہ کے۔ اربعین کو لیلہ یعنی رات کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا دن کے ساتھ ذکر نہ کیا گیا اس لیے کہ عربی مہینے چاند کے حساب سے رکھے گئے ہیں اور چاند رات کو چڑھتا ہے اور کہا گیا یہ اس لیے کہ ظلمت روشنی سے مقدم ہے اور رات دن سے پہلے پیدا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وآیۃ لھم اللیل نسلخ منہ النھار" کہ ان کے لیے (قدرت الٰہی کی) نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچتے ہیں اور یہ اس لیے کہ جب بنو اسرائیل اپنے دشمن سے امان پا گئے اور شہر میں داخل ہوئے تو ان کے لیے نہ کوئی کتاب تھی اور نہ شریعت جو ان کی منتہائے نظر ہو۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وعدہ فرمایا کہ بنو اسرائیل کی طرف کتاب نازل فرمائے گا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا میں تمہارے رب کی طرف سے میعاد مقرر پر جا رہا ہوں۔ ان مقرر ایام میں تمہارے لیے کتاب لاؤں گا جس میں ہر اس چیز کا بیان ہوگا جو تم نے کرنا ہے اور جو تم نے چھوڑنا ہے اور ان کو چالیس راتوں کا وعدہ دیا۔ تیس ذوالقعدہ سے اور دس ذوالحجہ سے ان پر اپنا خلیفہ حضرت ہارون کو مقرر فرمایا۔ جب وعدہ آن پہنچا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر تشریف لائے جسے فرس الحیات کہا جاتا ہے۔ اس گھوڑے کا پاؤں جس چیز کو لگتا وہ چیز زندہ ہو جاتی اور فرس حیات حضرت جبرئیل علیہ السلام اس لیے لے آئے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے رب تعالیٰ کے حضور لے جائیں۔ جب سامری نے یہ صورت حال دیکھی اور سامری سنہار (زرگر) تھا جو کہ اہل باجری میں سے تھا اور اس کا نام میخا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں سامری اہل کرمان میں سے تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سامری کا تعلق بنی اسرائیل کے قبیلہ سامرہ سے تھا۔ سامری نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں رکھنے کی جگہ کو دیکھا کہ جہاں اس کا پاؤں پڑتا ہے کہ وہ مقام سبز ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ منافق تھا اسلام کو ظاہر کیے ہوئے تھا۔ اس کا تعلق گاؤ پرست لوگوں سے تھا جب اس نے جبرئیل علیہ السلام کو اس گھوڑے پر دیکھا تو وہ جان گیا یہ کوئی زیشان گھوڑا ہے تو اس نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں والی جگہ سے مٹی لے لی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے دل میں یہ خیال پڑ گیا کہ یہ مٹی جس پر ڈالی جائے گی، وہ چیز زندہ ہو جائے گی اور بنی اسرائیل نے مصر سے نکلتے وقت شادی کے بہانے قوم فرعون سے بہت سے سونے کے بہت سے زیورات عاریۃً لے لیے تھے۔ پس اللہ

تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا اور وہ زیورات بنو اسرائیل کے ہاتھ رہ گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تو سامری نے بنی اسرائیل کو کہا کہ تم جو زیورات قوم فرعون سے مانگے تھے۔ وہ مال غنیمت ہیں جو تمہارے لیے حلال نہیں ہیں۔ پس تم گڑھا کھودو اور انہیں دفن کر دو۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائیں تو ان کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام خود فیصلہ فرمائیں گے۔ حضرت علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو فرمایا، ان زیورات کو گڑھے میں دفن کر دو یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ جب تمام زیورات جمع کر دیئے گئے سامری نے ان کو ڈھالا۔

بچھڑا بنا کر تین دنوں میں پھر اس میں وہ مٹھی مٹی کی ڈال دی جو اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم والے نشان سے لی تھی پس وہ سونے کا بچھڑا بن کر نکلا جس پر جواہرات کا جڑاؤ بہت خوبصورت طریقے پر کیا گیا تھا۔ پس اس بچھڑے نے آواز کی آواز کرنا۔ علامہ سدی فرماتے ہیں وہ آواز بھی کرتا تھا اور چلتا بھی تھا۔ پس سامری نے کہا کہ یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے جسے موسیٰ علیہ السلام بھول گئے اور یہاں چھوڑ گئے اور وہاں طلب کرنے گئے۔

بنو اسرائیل نے وعدہ خلافی کی، دن کو علیحدہ اور رات کو علیحدہ شمار کیا۔ یعنی اس طرح دن رات کو دو دن شمار کیا۔ جب بیس دن گزر گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس نہ لوٹے تو بنو اسرائیل فتنہ میں پڑ گئے اور کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تیس راتوں کا وعدہ فرمایا۔ پھر دس راتیں بڑھا دی گئیں تو بنی اسرائیل کا فتنہ ان دس راتوں میں ہوا۔ جب دس راتیں گزر گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس نہ لوٹے تو بنی اسرائیل نے گمان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور بچھڑے کو دیکھا اور سامری کی بات سنی تو بنی اسرائیل کے آٹھ ہزار آدمی بچھڑے کے اردگرد عبادت کرنے بیٹھ گئے۔

اور کہا گیا ہے کہ سب نے عبادت کی سوائے حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) ساتھیوں کے یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب نے عبادت کی سوائے حضرت ہارون علیہ السلام ایک اکیلے کے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان "ثم اتخذتم العجل" یعنی معبود "من بعدہ" ابن کثیر اور حفص نے "اخذت، واتخذت" کی ذال کو ظاہر کیا اور باقیوں نے ذال کو ادغام کیا۔ "وانتم ظالمون" گناہ کر کے اپنے آپ کو نقصان دینے والے تھے۔ عبادت غیر محل میں رکھنے والے تھے۔

⑫ "ثم عفونا عنکم" تمہارے گناہوں کو ہم نے مٹا دیا "من بعد ذالک" تمہارے بچھڑے کی عبادت کرنے کے بعد "لعلکم تشکرون" تاکہ تم میرے معاف کر دینے کے شکر گزار بن جاؤ اور جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ احسان کیا، کہا گیا ہے شکر ظاہر و پوشیدہ تمام اعضاء کے ساتھ اطاعت کا نام۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ کسی نعمت کا شکر اس کا ذکر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "واما بنعمۃ ربک فحدث" (بہر حال اپنے رب کی نعمت کا بیان کیجئے) حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ ہر نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت کے ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی جائے اور کہا گیا کہ حقیقت شکر (یہ ہے) ادائے شکر سے عجز کا اظہار کیا جائے۔ حکایت کیا گیا ہے کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اے اللہ! تو نے مجھے کامل ترین نعمتیں

عطا کیں اور شکر کرنے کا مجھے حکم دیا۔ (یا اللہ) میرا تیری ذات عالی کا شکر کرنا بھی تیری طرف سے ایک نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام تو نے وہ علم سیکھا جس سے اوپر کوئی اور علم نہیں ہے۔

میرے بندہ کی طرف سے میرے لیے اتنا کچھ کافی ہے کہ میرا بندہ اس بات کو جان لے کہ اسے جو نعمت حاصل ہے پس وہ میری طرف سے ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: پاک ہے وہ ذات جس نے بندے کے اپنے شکر سے اعتراف عجز کو شکر بنادیا۔ جیسے کہ بندے کی معرفت الٰہیہ سے متعلق اعتراف عجز کو معرفت بنادیا۔

۵۳ "واذ آتینا موسیٰ الکتاب" یعنی تورات "والفرقان" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد بھی تورات ہے۔ تورات کا ذکر دو اسموں سے کیا گیا۔ حضرت کسائی فرماتے ہیں فرقان کتاب کی صفت ہے اور واؤ زائدہ ہے۔ یعنی کتاب فرقان "حلال وحرام میں فرق کرنے والی" یمان بن ریان فرماتے ہیں فرقان سے اللہ تعالیٰ کی مراد انفراق بحر یعنی سمندر کا جدا ہو جانا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واذ فرقنا بکم البحر فانجینا کم لعلکم تھتدون" (راہ پاؤ) ساتھ تورات کے۔

۵۴ (واذ قال موسیٰ) موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کی پوجا کرنے والوں سے کہا (یاقوم انکم ظلمتم انفسکم) کہ تم نے اپنے نفسوں کو دھوکہ دیا "باتخاذکم العجل" (بچھڑے کو) معبود (پکڑنے کے سبب) انہوں نے کہا تو اب ہم کیا کریں؟ فرمایا "فاقتلوا انفسکم" یعنی چاہیے کہ تم میں سے جو بے گناہ ہے وہ مجرم کو قتل کرے "ذلکم" یعنی قتل کرنا "خیر لکم عند بارئکم" جب ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا حکم دیا تو وہ کہنے لگے۔

سب کے سب ایک صحن میں اپنی چادروں سے گوٹ مار کر سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ حکم ہوا کہ اگر کوئی اپنی گوٹ کھولے یا نگاہ اٹھا کر قاتل کو دیکھے یا ہاتھ پیر کے ذریعے بچے تو وہ ملعون ہے اور اس کی توبہ مقبول نہ ہوگی۔ سب نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور اپنی اپنی گردنیں کھول دیں۔ مجرمین میں ان قاتلین کے عزیز واقارب بھی تھے کوئی کسی کا باپ کوئی بیٹا' کوئی بھائی' کوئی قریبی رشتہ دار' کوئی دوست تھا جب امتثال حکم الٰہی کیلئے تلوار اٹھائی تو فرط محبت وشفقت کی وجہ سے تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی اور حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ ہوسکی۔ سب نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا یا نبی اللہ اب ہم کیا کریں ہم تو مغلوب ہوگئے حق تعالیٰ نے زمین سے بخارات یا آسمان سے ایک ایک ابر سیاہ بھیجا کہ اس سے تاریکی چھا گئی کہ کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھتا تھا۔ القصہ قتل شروع ہوا اور کئی روز تک یہ قتل رہا صبح سے شام تک برابر قتل کرتے تھے۔ جب بنی اسرائیل کثرت سے مقتول ہوئے تو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے بارگاہ الٰہی میں رو رو کر دعا فرمائی کہ خداوندا! اسرائیل یک لخت ہلاک ہوئے جاتے ہیں اب اپنا رحم فرمایئے۔ حق تعالیٰ نے اس سیاہ ابر کو ہٹادیا اور حکم بھیجا کہ اب قتل نہ کریں جب ابر کھلا تو دیکھا گیا کہ ہزاروں آدمی مارے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مقتولین کی تعداد ستر ہزار تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت غم ہوا۔ حق تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ موسیٰ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں قاتل اور مقتول دونوں کو جنت میں داخل کروں اور جو قتل ہوئے انہیں شہادت کا مرتبہ دوں اور جو باقی رہیں ان کے گناہ معاف کردوں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: اور جب تم لوگوں نے (یوں) کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہارے کہنے سے یہاں تک کہ ہم (خود) دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ طور پر سو (اس گستاخی پر) آ پڑی تم پر کڑاکے دار بجلی اور تم (اس کا آنا) آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر ہم نے تم کو زندہ کر اٹھایا (موسیٰ کی دعا سے) تمہارے مر جانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے اور سایہ فگن کیا ہم نے تم پر ابر کو (میدان تیہ میں) اور (خزانہ غیب سے) پہنچایا ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور (اس سے) انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے

تفسیر: ﴿۵۵﴾ "واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللّٰہ جھرۃ" اور یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے لوگوں کو ساتھ لے کر دربار الٰہی میں حاضر ہوں، بچھڑے کی عبادت کے سلسلہ میں معذرت کریں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے بہتر قسم کے ستر (۷۰) آدمیوں کا انتخاب کیا اور ان کو فرمایا تم روزے رکھو اور طہارت کرو یعنی پاکیزگی اختیار کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے مقرر وعدہ کے مطابق ان کو طور سینا کی طرف لے کر نکلے۔

پس انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہمارے لیے طلب کیجئے کہ ہم اپنے رب کی کلام سنیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کرتا ہوں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب ہوئے تو ان پر بادل کا ایک ستون واقع ہوا اور وہ بادل سارے پہاڑ پر چھا گیا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بادل میں داخل ہوئے اور قوم کو فرمایا، قریب ہو جاؤ۔ پس قوم قریب ہوئی حتیٰ کہ بادل میں داخل ہوگئی اور سجدے میں گر گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال یہ تھا کہ جب ان سے رب تعالیٰ کلام فرماتے تو ان کے چہرے پر ایک ایسا چمکدار نور واقع ہوتا کہ کسی فرد و بشر کو تاب نظارہ نہ ہوتی۔

پس بنی اسرائیل کے آئے ہوئے نمائندہ افراد کے آگے پردہ ڈال دیا گیا۔ پس انہوں نے رب تعالیٰ کو سنا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرما رہے ہیں۔ حکم فرما رہے ہیں، منع فرما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو سنایا "انی انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا ذو بکۃ ... الخ" بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں بکہ (مکہ) والا ہوں۔ میں نے تم کو مصر کی سرزمین سے سخت ہاتھ کے ساتھ نکالا۔ پس میری عبادت کرو، میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نمائندگان قوم کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا ...

تیری بات نہیں مانتے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ (نری اللّٰہ کے ساتھ جھرۃ کی قید اس لیے لگائی) کہ اہل عرب دل کے ساتھ جان لینے کو بھی رویت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں (جیسے رؤیۃ قلبی کہا جاتا ہے) تو ساتھ ہی جھرۃ ذکر کر دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس دیکھنے سے ظاہراً آنکھوں کا دیکھنا مراد ہے۔

"فاخذتکم الصاعقہ" یعنی موت اور کہا گیا کہ آسمان سے آگ آئی اور انہیں جلا گئی۔ "وانتم تنظرون" یعنی بعض بعض کی طرف دیکھ رہا تھا جب تم کو موت نے پکڑا اور کہا گیا کہ "تنظرون" بمعنی "تعلمون" ہے اور نظر بمعنی علم ہوگی۔ پھر جب وہ ہلاک ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے اور عاجزی کرنے لگ گئے اور فرمانے لگے۔ میں بنو اسرائیل کو کیا جا کر کہوں گا جب ان کے پاس جاؤں گا کہ تیرے اچھے لوگ ہلاک ہو گئے ہیں؟

اے اللہ اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے تو ان کو بھی ہلاک کر دیتا اور مجھے بھی، اے اللہ تو کیا ہمیں اس عمل کے سبب ہلاک کرتا ہے جو عمل ہم میں سے بیوقوف لوگوں نے کیا ہے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کو قسمیں دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے ایک ایک کو زندہ فرما دیا۔ اس کے بعد کہ وہ ایک دن ایک رات مرے رہے۔ بعض، بعض کو دیکھ رہے تھے کہ وہ کیسے زندہ کیے جا رہے ہیں۔ پس یہ ہے فرمان اللہ تعالیٰ کا۔

۞ "ثم بعثنٰکم" تم کو زندہ کیا اور بعث کسی شئی کو اپنی جگہ سے اُبھارنا کہا جاتا ہے۔ بعثت البعیر میں نے اونٹ کو اُٹھایا "وبعثت النائم" اور میں نے سونے والے کو اُٹھایا، ابھارا "فانبعث" پس وہ اُٹھ گیا "من بعد موتکم" حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا تاکہ وہ اپنی بقیہ مدت عمر کو اور اپنے رزق کو پورا کریں۔ اگر وہ اپنی مدت عمر پورا ہونے پر مرتے تو ان کو قیامت تک نہ اُٹھایا جاتا۔ "لعلکم تشکرون"

۞ "وظللنا علیکم الغمام" (تم پر بادلوں کا سایہ کیا) جنگل میں جو تمہیں سورج کی گرمی سے بچاتا تھا اور غمام غم سے ہے جس کا اصل معنی چھپانا، ستر کرنا ہے بادل کو غمام اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سورج کے چہرے کو چھپاتا ہے اور یہ اس لیے کہ ان کے لیے جنگل میں کسی قسم کا کوئی جھونپڑا وغیرہ نہ تھا جو ان کو چھپاتا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف شکایت کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سفید اور پتلا بادل بھیجا جو بارش کے بادل سے زیادہ طیب تھا اور ان کے لیے نور کا ستون بھیجا جو ان کے لیے رات کو چمکتا تھا جب رات چاندنی نہ ہوتی۔ "وانزلنا علیکم المنّ والسلوٰی" یعنی جنگل میں اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ مَن ترنجبین تھی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ گوند کی طرح ایک چیز تھی جو درختوں پر واقع ہوتی تھی۔ اس کا ذائقہ شہد کی طرح تھا۔ حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ پتلی روٹی تھی۔ یعنی چپاتی۔

حضرت زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں اجمالی طور پر "مَنّ" ہر وہ چیز ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کسی پر بغیر کسی محنت و مشقت کے احسان فرما دیں۔ سعید بن زید (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کماۃ" یعنی کھمبی مَن سے ہے اس کا پانی بیماری سے شفاء ہے، کہتے ہیں پس یہ مَن ہر رات ان کے درختوں پر واقع ہوتی تھی جیسے کہ برف۔ ان میں سے

ہر انسان کے لیے ایک صاع ہوتا تقریباً پونے چار سیر پس وہ بولے اے موسیٰ ہم نے اس من کو اس کی مٹھاس کی وجہ سے قبول کر لیا۔ پس ہمارے لیے اپ رب سے دُعا کیجئے کہ وہ ہمیں گوشت کا کھانا عنایت کرے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان پر سلویٰ کو نازل فرمایا اور وہ ایک پرندہ ہے جو بٹیر کے مشابہ ہے۔ بعض نے کہا وہ عین بٹیر ہی تو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بادل کو اٹھایا۔ پس اس نے اس پرندے کی بارش کی جو کہ طول وعرض میں ایک میل اور بلندی میں ایک نیزہ تک بعض، بعض پر سوار تھے فرماتے ہیں سلویٰ اور شہد پس اللہ تعالیٰ ان پر من وسلویٰ کو ہر صبح نازل فرماتے طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک۔

پس ہر ایک ان میں سے اتنا کچھ لے لیتا جو اسے ایک دن ایک رات کافی ہوتا اور جس دن جمعہ ہوتا تو ہر ایک اتنا لیتا جو اسے دو دن کے لیے کافی ہوتا۔ یہ اس لیے کہ بروز ہفتہ اس کا نزول نہ ہوتا تھا۔ "کلوا" یعنی اور کہا ہم نے ان کو کھاؤ "من طیبات" حلال چیزوں سے "ما رزقناکم" اور کل کے لیے ذخیرہ نہ کرو۔ پس انہوں نے کیا "ذخیرہ" پس اللہ تعالیٰ نے ان سے اسے روک دیا اور جو کچھ انہوں نے ذخیرہ کیا تھا وہ خراب ہو گیا اور اس میں کیڑے پڑ گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما ظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون" یعنی اور ہمارے حق میں انہوں نے کمی کوتاہی نہ کی بلکہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ اپنا نقصان اس طرح کیا کہ آخرت میں حق تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہونے اور دنیا میں اپنا رزق کھویا جو بلا مشقت دنیاوی اور بلا حساب اخروی انہیں ملتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اگر بنو اسرائیل نہ ہوتے تو طعام کبھی خراب نہ ہوتا اور نہ کبھی گوشت بدبودار ہوتا اور اگر حضرت حوا علیہا السلام نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند سے کبھی بھی خیانت نہ کرتی۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾ وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾

(ترجمہ) اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے حکم کیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس (کی چیزوں میں سے) جس جگہ تم رغبت کرو بے تکلفی سے اور (یہ بھی حکم دیا کہ) دروازے میں داخل ہونا (عاجزی سے) جھکے جھکے اور (زبان سے یہ) کہتے جانا کہ توبہ ہے (توبہ ہے) ہم معاف کر دینگے تمہاری (پچھلی) خطائیں اور ابھی ابھی مزید براں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس (کے کہنے) کی ان سے فرمائش کی گئی تھی اس پر ہم نے نازل کی ان ظالموں پر ایک آفت سماوی اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے اس پر ہم

نے (موسیٰ کو) حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو (اس سے پانی نکل آئیگا) پس مارنے کی دیر تھی کہ فوراً اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے (اور بارہ ہی خاندان تھے بنی اسرائیل کے چنانچہ) معلوم کرلیا ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع (اور ہم نے یہ نصیحت کی کہ) کھاؤ اور پیو اور اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد (اعتدال سے) مت نکلو فساد (وفتنہ) کرتے ہوئے سرزمین میں۔

تفسیر ⑤⑧ "واذ قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ" قصبہ کو عربی زبان میں قریہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قصبہ والے جمع ہوتے ہیں اور اسی سے ہے مقراۃ جو کہ حوض کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی پانی جمع کرتا ہے۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس قصبہ سے مراد اریحاء ہے اور یہ جبارین کی بستی تھی۔ اس میں قوم عاد کے بقیہ لوگ تھے جنہیں عمالقہ کہا جاتا تھا۔ ان کا سردار عوج بن عنق تھا اور کہا گیا ہے کہ بلقاء تھا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قریہ رملہ، اُردن، فلسطین اور تدمر ہے، حضرت مقاتل فرماتے ہیں یہ قریہ ایلیا ہے۔ ابن کیسان فرماتے ہیں یہ قریہ شام ہے۔

"فکلوا منھا حیث شئتم رغدا" تمہارے اوپر وسعت کی گئی ہے۔ "وادخلوا الباب" یعنی قریہ کے دروازوں میں سے کسی دروازہ میں داخل ہو جاؤ اور اس قریہ (قصبہ) کے سات دروازے تھے "سجدا" یعنی حالت رکوع میں (جھکتے ہوئے) ٹیڑھے ہوکر۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم اس میں داخل ہو وہ تو شکر ایزدی کے لیے سجدہ کرو۔ "وقولوا حطۃ" حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم سے ہماری خطائیں مٹا دے، وہ استغفار کا حکم دیے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "لا الٰہ الا اللہ" کا حکم دیے گئے اس لیے کہ یہ کلمہ گناہوں کو گرا دیتا ہے اور "حطۃٌ" کی پیش اس تقدیری عبارت پر ہے۔ "قولوا مسالتنا حطۃ" (یعنی کہو ہمارا سوال گناہوں کے گرانے کا ہے) "نغفر لکم خطایاکم" "غفر" سے ہے اور اس کا معنی ستر ہے۔ پس مغفرت گناہوں کا چھپانا ہے۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے "یغفر لکم" پڑھا یاء کے ساتھ اور پیش کے ساتھ اور فاء کی زبر کے ساتھ اور ابن عامر رضی اللہ عنہ نے تاء کے ساتھ اور اس کی پیش کے ساتھ اور فاء کی زبر کے ساتھ اور سورۂ اعراف میں "جمیعا" پڑھا ہے اور یعقوب نے تاء اور اس کی پیش کے ساتھ اور باقی حضرات نے دونوں جگہ نون اور اس کی زبر کے ساتھ اور فاء کی زیر کے ساتھ۔ "وسنزید المحسنین" ثواب

⑤⑨ اپنے فضل سے "فبدل" پس بدل دیا "الذین ظلموا" اپنے نفسوں پر اور کہا "قولا غیر الذی قیل لھم" اور یہ کہ بے شک انہوں نے حطۃ کے لفظ کو حنطۃ سے بدل دیا۔ پس انھوں نے اپنی زبان میں کہا "حطانا سمقاثا" یعنی سرخ گندم اللہ تعالیٰ کے امر کی اہانت کرتے ہوئے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے دروازہ کو پست کر دیا گیا تا کہ اپنے سروں کو جھکا کر گزریں تو انھوں نے حالت سجدہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حکم الٰہی کی مخالفت کرتے ہوئے چوتڑوں کے بل

گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور فعلاً مخالفت ایسے کی جیسے قول خداوندی کو تبدیل کردیا تھا اور جو بات ان کو کہنے کے لیے کہی گئی تھی اس کے خلاف بات کہی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بنو اسرائیل کو کہا گیا دروازہ میں بحالت سجدہ داخل ہو دو اور حطۃ کہو۔ پس انہوں نے تبدیل کردیا اور چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور "حبۃ فی شعرۃ" کہتے ہوئے داخل ہوئے۔

"فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء" کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیجا تو ایک ساعت میں ان میں سے ستر ہزار ہلاک ہوگئے۔ "بما کانوا یفسقون" نافرمانی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے امر سے نکل نکل جاتے تھے۔

⑳ "واذا استسقٰی موسٰی" پانی طلب کیا (لقومہ) اور یہ اس لیے کہ وہ تیہ (جنگل) میں پیاسے ہوئے۔ پس انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی یہ کہ

ان کے لیے پانی طلب کرے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی جیسے کہ فرمایا "فقلنا اضرب بعصاک" یہ عصا جنت کی لکڑی آس کا تھا اس کی لمبائی دس گز (شرعی) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لمبائی کے مطابق اس کی دو شاخیں تھیں جو اندھیرے میں روشن ہوتی تھیں۔ اس عصا کا نام علیق تھا۔ اسے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے۔ پھر انبیاء کرام وراثۃً لیتے آئے یہاں تک کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے وہ عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا۔ حضرت مقاتل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عصا کا نام نبعی تھا۔

"الحجر" انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کوئی خاص معین قسم کا پتھر نہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس کسی پتھر کو عصا مبارک مارتے اس سے چشمے بہہ نکلتے۔ ہر قبیلہ کے لیے ایک چشمہ اور وہ بارہ (۱۲) قبیلے تھے۔ پھر ہر چشمہ ایک نالہ کے ذریعے بہہ پڑتا۔ اس قبیلہ کی طرف جن کو پلانے کا اس کو حکم دیا جاتا۔ باقی حضرات فرماتے ہیں کہ وہ ایک مقرر قسم کا پتھر تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ حجر کو معرف بالالف واللام لایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ہلکا سا پتھر تھا، مربع آدمی کے سر کے برابر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو اپنے تھیلے میں رکھتے تھے۔ جب بنی اسرائیل پانی کے محتاج ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پتھر کو رکھتے اور اس کو عصا کے ساتھ مارتے۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پتھر کے چار رُخ تھے اور ہر رُخ کی جانب تین چشمے اور ہر قبیلہ کے لیے ایک چشمہ اور کہا گیا ہے کہ پتھر ناتراشیدہ تھا اور کہا گیا ہے کہ نرم پتھر تھا۔ اس میں بارہ (۱۲) گڑھے تھے۔ ہر گڑھے سے میٹھے چشمہ کا پانی بہتا تھا۔ جب بنی اسرائیل والے فارغ ہوتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اٹھانے کا ارادہ فرماتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا مارتے جس سے پانی ختم ہوجاتا اور روزانہ اس سے چھ لاکھ افراد پانی پیتے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہانے کے لیے کپڑے رکھے تھے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا اور بنی اسرائیل کے ایک مجمع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

کپڑے لے کر گزرا۔ جب بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ادرہ بیماری (خصیوں میں ورم کا ہو جانا) کے ساتھ متہم کیا تھا جب وہ پتھر رک گیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس پتھر کو اٹھا لیں، اس پتھر میں میری قدرت پوشیدہ ہے اور تیرے لیے اس میں معجزہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کو اٹھا لیا اور اسے اپنے تھیلے میں رکھا۔ حضرت عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بارہ (۱۲) ضربیں اس پتھر میں لگاتے تو ہر ضرب مارنے کی جگہ پر عورت کے پستان کے سرے کی طرح کوئی چیز نمودار ہوتی پھر اس میں سے نہریں جاری ہو جاتیں اور بہہ پڑتیں۔ اکثر اہل تفسیر فرماتے ہیں: "انبجست" اور "انفجرت" ایک ہی چیز ہیں۔

ابو عمرو بن علاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "انبجست" کا معنی ہے عرقت یعنی سترشح ہونا رسنا اور "انفجرت" کا معنی بہنا۔ پس یہ قول خداوندی ہے "فانفجرت" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا، پس بہہ پڑے۔ "منه اثنتا عشرة عينا" خاندانوں کی تعداد کے مطابق "قد علم كل اناس مشربهم" اپنے پینے کی جگہ کوئی خاندان دوسروں کے پینے کی جگہ میں داخل نہ ہوتا تھا۔ "كلوا واشربوا من رزق الله" یعنی ہم نے ان کو کہا من وسلویٰ سے کھاؤ اور پانی سے پیو۔ پس یہ سب اللہ تعالیٰ کا رزق ہے جو تمہارے پاس بلا مشقت پہنچتا ہے۔ "ولا تعثوا فى الارض مفسدين" عثی کا معنی سخت ترین فساد کرنا۔ "عثى يعثى عثيا" (یعنی باب سمع، ضرب، فتح) اور "عثا يعثو عثوا" یعنی باب نصر اور عاث یعیث عیثا۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: اور جب تم لوگوں نے (یوں) کہا کہ اے موسیٰ (روز کے روز) ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے (یعنی من وسلویٰ پر) آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اگا کرتی ہیں ساگ (ہوا) ککڑی (ہوئی) گیہوں (ہوا) مسور (ہوئی) پیاز (ہوئی) آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو ادنیٰ چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے کسی شہر میں (جا کر) اترو (وہاں) البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو اور جم گئی اُن پر ذلت اور پستی (کہ دوسروں کی نگاہ میں قدر اور خود اُن میں اولوالعزمی نہ رہی) اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے (اور) یہ اس وجہ سے (ہوا) کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو (کہ وہ قتل خود اُن کے نزدیک بھی) ناحق (ہوتا) تھا اور

(نیز) وہ اس وجہ سے (ہوا) کہ ان لوگوں نے اطاعت شکنی اور دائرہ (اطاعت) سے نکل نکل جاتے تھے۔

تفسیر ⑥١ "واذ قلتم یا موسیٰ لن نصبر علی طعام واحد" اور یہ اس لیے انہوں نے اتفاق کیا اور اکتا گئے من وسلویٰ کے کھانے سے اور علی طعام واحد اس لیے کہا حالانکہ وہ دو کھانے تھے۔ اس لیے کہ عرب والے لفظ واحد سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ واحد کو دو کے لفظ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان" حالانکہ لؤلؤ اور مرجان بحر شور سے نکلتے ہیں، بحر شیریں سے نہیں اور کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔ پس گویا کہ وہ دونوں طعام واحد تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ من کو سلویٰ کے ساتھ گوندھتے تھے۔ پس وہ دونوں طعام واحد بن گئے۔ "فادع لنا" پس ہماری خاطر سوال کیجئے "ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلھا وقثائھا وفومھا" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الفوم الخبز" یعنی فوم روٹی ہے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں الفوم گندم ہے۔ علامہ قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فوم سے مراد وہ دانے ہیں جو سب کے سب کھائے جاتے ہیں۔ (یعنی غلہ) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فوم کا معنی ثوم ہے (یعنی لہسن) "وعدسھا وبصلھا" (دال مسور اور پیاز) (قال) ان کو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ" گھٹیا اور ردّی "بالذی ھو خیر" اشرف اور افضل؟ اور گندم کو قیمتاً ادنیٰ قرار دیا۔ اگرچہ وہ من وسلویٰ سے بہتر ہے یا خیر سے مراد یہ کہ وجود کے لحاظ سے من وسلویٰ آسان تھے یعنی عادۃً سہل الحصول ہونے کے اعتبار سے خیر۔ یا اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ من وسلویٰ کا مذکورہ چیزوں سے بہتر ہونا۔ اس اعتبار سے ہے کہ من و سلویٰ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لیے منتخب ہوئی تھیں اور جو چیزیں بنی اسرائیل نے مانگیں وہ ان کی اپنی پسند تھی اپنے لیے۔ "اھبطوا مصرا" یعنی پس اگر انہیں چیزوں کے حصول پر بضد ہو تو شہروں میں سے کسی بھی شہر میں اُتر جاؤ۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مصر سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون والا شہر مصر مراد ہے مگر قول اول زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ اگر مصر فرعون و موسیٰ مراد ہوتا تو اسے منصرف نہ لایا جاتا (غیر منصرف ہوتا بوجہ علمیت وتانیث کے) "فان لکم ماسألتم" زمین کی پیداوار سے "وضربت علیھم" ان پر رکھ دی گئی اور وہ لازم کر دیئے گئے (الذلۃ) ذلت واہانت کہا گیا ہے جزیہ۔

حضرت عطاء بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ذلت سے مراد اسلامی ممالک میں کفار کا علامت کفر کا اظہار ہے جیسے زنار وغیرہ یا پھر کفریہ شکل وصورت مثلاً یہودیوں والی علامت ظاہر کرنا "والمسکنۃ" فقیر کو مسکین اس لیے کہا جاتا ہے کہ فقر نے اس کو اپنی جگہ پر ساکن کر دیا اور حرکت کرنے سے بٹھا دیا۔ لہٰذا تو اسے مخاطب دیکھے گا کہ یہود اگرچہ مالدار ہوں مگر وہ ایسے نظر آتے ہیں گویا کہ وہ فقیر ہیں اور کہا گیا ہے ذلت دل کا فقر ہے۔ پس تو یہود سے بڑھ کر کسی بھی ملت والے کو نہیں دیکھے گا کہ وہ مال پر حریص اور مال کے سلسلہ میں ذلیل ہو۔ "وباؤا بغضب من اللہ" لوٹے اور باء کا استعمال صرف شر میں ہوتا ہے (یعنی باء کا معنی ہمیشہ شر کے ساتھ لوٹنے کا ہوگا)۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے غضب الٰہی کو اٹھایا اور اس کا اقرار کیا اور اسی (اقرار) سے ہے "ابوء لک بنعمتک علیّ" دعا میں یہ جملہ استعمال ہوتا ہے یعنی میں تیری خاطر ان نعمتوں کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر

فرمائیں اور ابوہ بہذنبی بھی اسی سے ہے کہ میں اپنے گناہوں کا اقرار واعتراف کرتا ہوں۔ "ذالک" یعنی غضب "بانہم کانوا یکفرون بآیات اللّٰہ" اوصاف محمد یہ اور تورات میں آیت رجم کا ہونے کا اور انجیل مقدس وقرآن کریم کا انکار کرتے تھے۔ "ویقتلون النبیین" صرف نافع نے اس سلسلہ میں یہ قول کیا ہے کہ نبی دراصل "نبیئ" ہے اور یہ باب "انبا" سے ہے۔ دریں صورت نبی کا معنی خبر دینے والا ہوگا۔ "انبا ینبئ" سے اور معروف قراۃ ترک ہمزہ سے ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ ❶ ایک وجہ یہ کہ یہ بھی "الانباء" سے ماخوذ ہے اور ہمزہ کو کثرت استعمال کے باعث تخفیفاً ترک کردیا گیا اور دوسری وجہ یہ کہ یہ بمعنی رفیع ہے اور نبوت سے لیا گیا اور یہ بلند مکان کو کہتے ہیں۔ پس اس بنیاد پر "النبیین" اپنے اصل پر ہوگا۔ (بغیر الحق) یعنی بلا جرم پس اگر کہا جائے بغیر الحق کیوں کہا؟ حالانکہ نبیوں کا قتل ہوتا ہی ناحق ہے۔ (جوابا) کہا جائے گا بغیر الحق کا ذکر قتل کے وصف کے لیے ہے اور قتل کبھی بالحق کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور کبھی بغیر الحق کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور یہ استعمال حق ایسے ہے جیسے لفظ حق کا استعمال اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔ "قال رب احکم بالحق" تو یہاں لفظ حق کا استعمال حکم کو موصوف بالحق کرنے کے لیے (یعنی حکم الٰہی چونکہ ہوتا ہی موصوف بالحق ہے لہٰذا بیان حقیقت کے لیے حق کی صفت سے حکم کو موصوف کیا گیا) یہاں یہ معنی نہیں کہ حکم الٰہی دو قسموں میں منقسم ہے جور (ظلم) کی طرف اور حق کی طرف روایت کیا جاتا ہے کہ بے شک یہود نے ستر نبیوں کو دن کے پہلے حصے میں قتل کردیا اور دن کے آخر حصہ میں تجارتی منڈیوں میں معروف ہوگئے۔ "ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون" میرے حکم سے تجاوز کرتے میرے حرام کردہ امور کا ارتکاب کرتے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور نصاریٰ اور فرقہ صابئین (ان سب میں) جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر اور روز قیامت پر اور کارگذاری اچھی کرے ایسوں کیلئے ان کا حق الخدمت بھی ہے اُن کے پروردگار کے پاس اور (وہاں جاکر) کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں اُن پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے اور جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا (کہ توراۃ پر عمل کریں گے) اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اُوپر (محاذات میں) معلق کردیا (اور کہا) کہ جلدی قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کیساتھ اور یاد رکھو جو (احکام) اس کتاب میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔

تفسیر: ۶۲ "ان الذین آمنوا والذین ھادوا" یعنی یہود ان کو اس نام سے موسوم اس لیے کیا گیا کہ انہوں نے "انا ھدنا الیک" کا بول بولا تھا۔ یعنی ہم نے تیری طرف میلان کیا، رجوع کیا۔

اور کہا گیا ان کو یہود اس لیے کہا گیا) کیونکہ انہوں نے توبہ کی تھی یعنی بچھڑے کی عبادت سے توبہ کی تھی اور کہا گیا اس لیے کہ انہوں نے دین اسلام اور دین موسیٰ علیہ السلام سے اعراض کیا۔

فائدہ:۔ (ھاد یمیل کا صلہ جب عن آئے تو اس کا معنی اعراض کرنا ہوتا ہے)۔ حضرت ابوعمرو بن العلاء فرماتے ہیں "لانھم یتھودون" یعنی وہ حرکت کرتے ہیں جب تورات پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے شک آسمانوں اور زمین نے بھی حرکت کی تھی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی تھی۔ (والنصاریٰ) نصاریٰ کے نام کے ساتھ اس لیے موسوم ہوئے کیونکہ حواریوں (عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں) نے کہا تھا نحن انصار اللہ۔ حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کو نصاریٰ کا نام اس لیے دیا گیا کہ یہ لوگ ایک ایسی بستی میں اترے جسے ناصرہ کہا جاتا تھا اور کہا گیا (کہ ان کو نصاریٰ اس لیے کہا گیا) بوجہ منسوب ہونے ان کے نصرت کی طرف اور یہ بستی ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اترتے تھے۔ "والصابئین" اہل مدینہ نے والصابین والصابون یعنی ہمزہ کو ترک کرکے پڑھا اور باقیوں نے ہمزہ کے ساتھ اس کا اصل معنی خروج ہے۔ کہا جاتا ہے صبا فلان یعنی ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کی طرف گیا۔

اور کہا جاتا ہے "صبات النجوم" جب ستارے اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے نکلیں اور اسی سے ہے صبا ناب البعیر جب اونٹ کے دانت نکلیں۔ پس یہ صابی بھی اس لیے "صابئین" کہلائے کہ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کی طرف چلے گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اہل کتاب میں سے ایک قوم ہے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کی ذبائح بھی اہل کتاب کی ذبائح کی طرح حلال ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نہ ان کی ذبائح حلال ہیں اور نہ ان کی عورتوں سے مناکحت جائز ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ایک قبیلہ ہے شام کی طرف یہود و مجوس کے درمیان۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صابی یہود و نصاریٰ کی قوم ہے یہ لوگ سروں کا درمیانہ حصہ منڈاتے ہیں اور شرمگاہ (عضو مخصوص) کو کٹاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قوم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں۔ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ انہوں نے ہر دین سے کچھ نہ کچھ لیا ہے۔ حضرت عبدالعزیز بن یحییٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "انقرضوا" یعنی صابئین ختم ہو چکے ہیں (اب ان کا وجود نہیں ہے)

"من آمن باللہ والیوم الآخر" کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ آیت کی ابتداء میں "ان الذین آمنوا" فرما دیا گیا؟ (جواب) کہا گیا ہے کہ انہوں نے حکم آیت میں اختلاف کیا۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول "ان الذین آمنوا" سے مراد ایمان تحقیقی لیا ہے۔ پھر ان مومنوں میں اختلاف ہے۔ پس ایک قوم نے کہا یہ وہ قوم ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بھی پہلے ایمان لائے اور یہ لوگ دین (حق) کے متلاشی تھے۔ مثلاً حبیب نجار، قس بن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، براء الشنی، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، بحیرا راہب اور وفد نجاشی۔ پس بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں

نے حضور علیہ السلام کو پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے آپ کو نہیں پایا۔

اور کہا گیا کہ یہ وہ مؤمن ہیں جن کا تعلق امم ماضیہ سے ہے اور کہا گیا اس سے مراد وہ مؤمن ہیں جو اس اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ سے ہیں اور "والذین ھادوا" وہ ہیں جو دین موسیٰ علیہ السلام پر تھے اور تبدیلی نہ کی (یعنی دین موسیٰ میں تحریف نہ کی اور وہ نصاریٰ مراد ہیں جو دین عیسیٰ علیہ السلام پر تھے اور (دین عیسیٰ میں) تبدیلی نہ کی اور اسی پر مر گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ دونوں نام (یہود و نصاریٰ) صرف ان کے لیے لازم ہیں۔ زمانہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں جبکہ وہ حق پر تھے جیسے اسلام کا نام اُمت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے اور صابون کا نام صابئین کے ساتھ اس وقت خاص جبکہ ان کا امر دین مستقیم و مستحکم تھا۔ "من آمن" اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو ایمان کی حالت میں مرے ہوں۔ کیونکہ حقیقت ایمان (جو عند اللہ معتبر ہے) وہی ہے جو زندگی بھر رہے اور یہ بھی جائز ہے کہ واؤ مضمر ہو یعنی "ومن آمن بعدک یامحمد الی یوم القیٰمۃ" اے محمد جو لوگ آپ کے بعد قیامت تک ایمان لائیں گے۔

اور بعض نے کہا کہ جو لوگ موصوف بالایمان ابتداء آیت میں مذکور ہیں۔ وہ علیٰ طریق مجاز مراد ہیں نہ کہ حقیقتاً پھر ان مؤمنین میں انہوں نے اختلاف کیا۔ بعض نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو انبیاء سابقین پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور کہا گیا اس سے مراد منافقین ہیں جو صرف زبان سے ایمان لائے اور دل سے ایمان نہ لائے اور وہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں جو یہودیت و نصرانیت کے تحریف و تبدیل کے بعد معتقد ہوئے اور صابئین کفار کی قسم ہے جو شخص ایمان لایا اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ان اقسام کفار میں سے دل کے ساتھ بھی اور زبان کے ساتھ بھی۔ "وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم" اور یہاں ضمیریں جمع والی لائی گئیں۔ یہ اس لیے کہ "من" واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب کی صلاحیت رکھتا ہے۔ (سب اس کا مصداق بن سکتے ہیں) "ولاخوف علیھم" دُنیا میں "ولاھم یحزنون" آخرت میں۔

Ⓐ "واذا اخذنا میثاقکم" تمہارا عہد اے گروہ یہود "ورفعنا فوقکم الطور" یہ سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ بعض کے قول کے مطابق اور یہ قول مجاہد کا ہے اور کہا گیا ہے کہ دُنیا میں کوئی لغت ایسی نہیں جو قرآن میں موجود نہ ہو۔ اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن کریم لغت عرب کے بغیر اور کوئی لغت نہیں ہے۔ ان حضرات کی دلیل "قرآناً عربیاً" فرمان الٰہی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ لفظ سریانی یا اس کے مثل اور غیر عربی الفاظ جو قرآن پاک میں موجود ہیں تو ان کا جواب یہ ہے کہ یہ محض اتفاق ہے کہ یہ یا اس قسم کے اور الفاظ سریانی یا اور قسم کے غیر عربی بھی ہیں اور عربی بھی۔ تو گویا یہ توافق بین اللغتین ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلسطین کے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو حکم دیا تو وہ اپنی بنیاد سمیت اُکھڑ آیا حتیٰ کہ ان کے سروں پر آ کھڑا ہوا اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ تورات کو قبول کریں اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔ پس انہوں نے انکار کر دیا۔ اس سے کہ اسے قبول کریں بوجہ اس گرانباری کے جو ان احکام میں تھی اور شریعت وزنی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا پس اس نے پہاڑ کو ان کے لشکر کے برابر اکھاڑا جو کہ تین میل طول و عرض میں تھا پس اس پہاڑ کو ان کے سروں پر قامت انسانی کے برابر سایہ

کی طرح اونچالا کھڑا کیا اور ان کو کہا اگر تم نے تورات کو (یعنی اس کے احکام) قبول نہ کیا اس پہاڑ کو میں تمہارے اوپر چھوڑ دوں گا۔

حضرت عطاء سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو ان کے سروں پر بلند کیا اور ان کے چہروں کے سامنے آگ کو بھیجا اور ان کے پیچھے بحر شور تھا۔ "خذوا" اس لیے ہم نے ان کو کہا خذوا یا کڑو "ما آتینا کم" (جو کچھ) ہم نے تم کو دیا۔ "بقوۃ" پوری کوشش اور محنت کے ساتھ اور ہمیشہ کے لیے "واذکروا" اور درس دو (مافیہ) اور کہا گیا یاد کرو اور عمل کرو "لعلکم تتقون" تاکہ تم دنیا میں ہلاکت سے نجات پاؤ اور آخرت میں عذاب سے بچو۔ پس اگر تم نے قبول کر لیا۔ "فبھا" ورنہ اس پہاڑ سے تمہیں کچل دوں گا اور اس سمندر میں غرق کر دوں گا اور اس آگ میں تمہیں جلا دوں گا۔ پس جب انہوں نے دیکھا ان عذابوں سے بھاگنے کی کوئی صورت نہیں قبول کیا اور سجدہ کیا اور حالت سجدہ میں کن انکھیوں سے پہاڑ کو دیکھتے تھے۔ پس یہی طریقہ یہود کے ہاں سنت قرار پایا کہ وہ نصف چہرے پر سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سجدہ کے باعث ہم سے عذاب اٹھایا گیا۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ ، بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: پھر تم اس قول و قرار کے بعد بھی (اس سے) پھر گئے سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم نہ ہوتا (تو اس عہد شکنی کا مقتضا تو یہ تھا کہ) ضرور تم (فوراً) تباہ (اور ہلاک) ہو جاتے اور تم جانتے ہی ہو اُن لوگوں کا حال جنہوں نے تم میں سے (شروع سے) تجاوز کیا تھا در بارہ (اُس حکم کے جو) یوم ہفتہ کے (متعلق تھا) سو ہم نے اُنکو کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ پھر ہم نے اس کو ایک (واقعہ) عبرت (انگیز) بنا دیا ان لوگوں کیلئے بھی جو اس قوم کے معاصر تھے اور اُن لوگوں کے لیے بھی جو مابعد زمانہ میں آتے رہے اور (نیز اس واقعہ کو) موجب نصیحت بنا دیا (خدا سے) ڈرنے والوں کیلئے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو وہ لوگ کہنے لگے کہ آیا آپ ہم کو مسخرا بناتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسا جہالت والوں کا سا کام کروں۔

تفسیر: ﴿۶۴﴾ "ثم تولیتم" تم نے اعراض کیا "من بعد ذالک" قبول تورات کے بعد "فلولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ" یعنی مہلت دینے اور تم سے تاخیر عذاب کرکے "لکنتم" البتہ تم ہو جاتے "من الخاسرین" سزا اور دنیا و آخرت کے چلے جانے (یعنی ان کے منافع) کے باعث نقصان میں پڑ جاتے اور کہا گیا ہے خاسرین کا معنی ہے فی الحال عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جاتے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دے کر رحم فرمایا۔

﴿۶۵﴾ "ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت" یعنی جن لوگوں نے حد سے تجاوز کیا۔ سبت کا اصل معنی قطع کرنا

ہے۔ کہا گیا ہے کہ سبت کو سبت اس لیے کہا گیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے عمل آفرینش (پیدا کرنے کا عمل) ختم فرما دیا۔ کہا گیا ہے کہ ہفتہ کے دن کو سبت اس لیے کہا گیا کہ یہود کو حکم دیا گیا کہ اس دن اعمال ختم کر دیں۔ قصہ یہ ہوا کہ یہود حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ایسی جگہ تھے جسے اَیلہ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر بروز ہفتہ مچھلی کا شکار حرام کر دیا۔

پس جب ہفتہ کا دن ہوتا سمندر کی ساری مچھلیاں وہاں (مقام اَیلہ پر) جمع ہو کر بوجہ امن کے وہاں پانی سے منہ نکالتیں اور مچھلیوں کی کثرت کے باعث پانی بھی نظر نہ آتا تھا۔ پھر جب ہفتہ ختم ہوتا متفرق ہو جاتیں اور سمندر کی گہرائی کو لازم پکڑتیں اور کوئی مچھلی نظر نہ آتی۔ پس یہی ہے قول خداوندی "اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم شرّعا ویوم لا یسبتون لا تاتیھم" اس فرمان الٰہی کا ترجمہ یہ ہے کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو ان کو مچھلیاں ظاہر و باہر ہو کر آتیں (یعنی پھدکتی کودتی سامنے آتیں) اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا اُن کو مچھلیاں نہ آتی تھیں۔ پھر شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا اور کہا کہ تمہیں جو منع کیا گیا ہے۔

مچھلیوں کے پکڑنے سے اس کا تعلق صرف اور صرف ہفتہ کے دن سے ہے تو لوگوں نے سمندر کے اردگرد حوض کھود ڈالے اور سمندر سے حوضوں کی طرف نہریں نکالیں۔ پھر جب جمعہ کی شام ہوتی ان نہروں کو کھول دیتے تو پانی کی موج مچھلیوں کو حوضوں کی طرف لے آتی۔ پس حوضوں کی گہرائی اور پانی کی قلت کے باعث مچھلیاں پانی پر قادر نہ ہوتیں۔ پھر جب اتوار کا دن ہوتا تو مچھلیاں کو پکڑ لیتے اور کہا گیا ہے کہ مچھلیوں کو ہفتہ کے دن حوضوں کی طرف ہانک لاتے مگر پکڑتے نہ تھے۔ پھر اتوار کے دن پکڑ لیتے۔

اور کہا گیا ہے کہ جالیں اور کنڈیاں جمعہ کے دن لگاتے اور اتوار کے دن نکالتے۔ کچھ عرصہ انہوں نے ایسا کیا اور ان پر عذاب نازل نہ ہوا۔ پس وہ گناہ پر دلیر ہو گئے اور کہنے لگے ہم اس کا اور کوئی سبب نہیں جانتے مگر یہی کہ (شکار کرنا) ہمارے لئے حلال کیا گیا۔ پس انہوں نے مچھلیوں کو پکڑا اور کھایا اور نمک لگایا۔ بیچا اور خریدا اور ان کا مال بڑھ گیا۔ جب انہوں نے یہ کیا تو قریہ والے جن کی تعداد تقریباً ستر (۷۰) ہزار تھی۔ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ❶ ایک قسم لوگوں کی وہ تھی جو شکار کرنے سے خود بھی رُکے اور شکار کرنے والوں کو منع کیا۔

❷ اور ایک قسم لوگوں کی وہ تھی جو شکار کرنے سے خود تو رُکے لیکن شکار کرنے والوں کو منع نہ کیا ❸ اور ایک قسم وہ تھی جنہوں نے حکم خداوندی کی ہتک حرمت کی منع کرنے والے بارہ (۱۲) ہزار تھے۔ جب مجرموں نے ان کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کیا تو منع کرنے والوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم ہم تمہارے ساتھ مل کر ایک بستی میں ہرگز نہ رہیں گے۔ پس انہوں نے قصبہ کو دیوار کے ساتھ تقسیم کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے دو سال سکونت اختیار کی اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام نے لعنت کی اور اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا ان کے گناہ پر اصرار کرنے کی وجہ سے۔ پس منع کرنے والے ایک دن اپنے دروازہ سے نکلے اور مجرموں میں سے کوئی بھی نہ نکلا اور نہ ہی انہوں نے اپنا دروازہ کھولا۔ جب انہوں نے کافی دیر کی تو یہ دیوار پر چڑھ گئے۔ پس اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سب کے سب بندر بنے ہوئے ہیں۔ ان کی دُمیں ہیں اور بندروں کی طرح آوازیں کر رہے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جوان بندر ہو گئے اور بوڑھے خنزیر بن گئے۔ پس وہ تین دن بندر رہے پھر ہلاک ہو گئے۔ تین دنوں سے زیادہ مدت مسخ شدہ باقی نہ رہا اور نہ ان میں توالد و تناسل ہوا۔

"فقلنا لھم کونوا قردۃ" یہ امر، امر تحویل وتکوین ہے (یعنی ایسا امر جس میں کسی کو کچھ ہو جانے کا حکم دیا جائے) "خاسئین" دور کیے ہوئے دھتکارے ہوئے۔ کہا گیا ہے اس میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی ہو جاؤ دھتکارے ہوئے بندر اور اسی لیے "خاسئات" نہیں فرمایا اور "خسأ" کا معنی دھتکارنا اور دور کرنا ہے اور "خسأ" کا فعل لازم بھی ہے اور متعدی بھی کہا جاتا ہے۔ خسأتہ خسأ میں اس کو دور کیا، دور کرنا "فخسأ خسوأ" پس وہ دور ہوا اور دور ہونا یہ ایسے ہے جیسے "رجعتہ رجعا" میں اس کو لوٹایا لوٹانا۔ فرجع رجوعا پس وہ لوٹا لوٹنا

⑥⑥ "فجعلناھا" یعنی ہم نے بنا دیا مسخ والی سزا دے کر (نکالا) یعنی سزا اور عبرت نکال ہر اس سزا کا نام ہے جس کو دیکھنے والا اس فعل سے رُک جائے جس فعل کی سزا وہ دی گئی ہے اور اسی سے ہے "نکول عن الیمین" اور وہ رُک جانا ہے۔ اس کی اصل نکل ہے اور وہ قید (بیڑی، ہتھکڑی) ہے۔

اور اس کی جمع انکال ہے "لما بین یدیھا" حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مابین یدیھا" سے مراد سابقہ گناہ ہیں۔ یعنی ہم نے اس سزا کو جزا بنا دیا۔ ان گناہوں کی جو شکار سے منع کرنے سے بھی پہلے واقع ہوئے۔ "وما خلفھا" جو گناہ اب موجود ہیں جن کے باعث ان کا مواخذہ کیا گیا اور یہ گناہ مچھلیاں پکڑنے کا ہے۔ حضرت ابو العالیہ اور حضرت ربیع رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں (اس کا معنی یہ ہے) کہ ان کے گزشتہ گناہوں کی سزا اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرت اس بات سے کہ ان کا طریقہ اختیار کریں دوسرا (ما) بمعنی مَن ہے اور کہا گیا ہے کہ "جعلناھا" یعنی اصحاب سبت والوں کی بستی کو ہم نے ان کے سامنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔ یعنی ان بستیوں کے لیے جو اس وقت موجود تھیں اور "وما خلفھا" اور جو بستیاں بعد میں وجود میں آئیں گی تاکہ نصیحت حاصل کریں۔

اور کہا گیا ہے اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی "فجعلناھا وما خلفھا" یعنی جو کچھ آخرت میں ان کے لیے عذاب تیار کیا گیا۔ "وجزاءً لما بین یدیھا" یعنی بدلہ ان گناہوں کا جو پہلے ہوئے ان کے گناہوں میں سے بسبب زیادتی کرنے ان کے ہفتہ کے معاملہ میں۔ "وموعظۃ للمتقین مؤمنین کے لیے جو حضور علیہ السلام کی اُمت میں سے ہیں۔ پس ان کے کام کی طرح یہ کام نہ کریں۔

⑥⑦ "واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ" بقرہ بقر (بیل) کی مؤنث ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بقرہ بقر سے مشتق ہے جس کے معنی پھاڑنا ہے۔ بقر (بیل) کو بقر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زمین پھاڑتا ہے یعنی ہل چلاتا ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک مالدار شخص تھا اور اس کا ایک چچا زاد فقیر تھا اور اس مالدار شخص کا اس فقیر چچا زاد کے سوا اور کوئی وارث نہ تھا۔ جب مالدار کی موت کا معاملہ لمبا ہوا کہ وہ جلدی نہ مرا تو چچا زاد نے اس کو قتل کر دیا اور اُٹھا کر دوسری بستی کے علاقہ میں پھینک دیا اور صبح کو اس نے قصاص کا مطالبہ کرنے لگا اور لوگوں کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ان پر قتل کا دعویٰ کرتا تھا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔

تو ان لوگوں نے قتل کا انکار کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر معاملہ قتل مشتبہ ہو گیا۔ کلبی کہتے ہیں یہ معاملہ اس وقت پیش آیا

جبکہ تورات میں "قسامۃ" کا حکم نہیں آیا تھا۔ (قسامت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی مقتول کسی علاقہ میں پایا جائے اور قاتل معلوم نہ ہو تو مقتول کا ولی محلہ یا علاقہ کے پچاس (۵۰) آدمیوں سے قسم لیتا ہے جو ان الفاظ سے قسم اُٹھاتے ہیں۔ اللہ کی قسم نہ ہم نے اس کو قتل کیا اور نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ دریں صورت جب وہ قسم اُٹھا دیں تو اہل محلہ پر دیت تقسیم ہو جاتی ہے)۔ مترجم۔ تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگیں تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ قاتل کو ظاہر کر دیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ گائے ذبح کریں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرمایا "ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ" (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے ذبح کرو)۔ مترجم۔ "قالوا اتتخذنا ھزوا" یعنی (اے موسیٰ علیہ السلام) تم ہم سے استہزاء کرتے ہو ہم تم سے مقتول کے بارے سوال کرتے ہیں اور تم ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیتے ہو اور یہ بات بنی اسرائیل نے اس لیے کہی کیونکہ دونوں باتوں میں بظاہر بڑی دوری تھی اور وہ یہ نہ جان سکے کہ اس (حکم الٰہی) میں کیا حکمت ہے۔ حضرت حمزہ نے "ھزوا و کفوا" تخفیف کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے ثقل (یعنی ضمہ) کے ساتھ پڑھا ہے اور حفص ہمزہ کو چھوڑتے ہیں۔ (قال) موسیٰ (نے کہا) "اعوذ باللّٰہ" میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے رُکتا ہوں۔ "ان اکون من الجاھلین" یعنی ایمان والوں کے ساتھ استہزاء کرنے والا بن جاؤں اور کہا گیا ہے "من الجاھلین" کا معنی یہ ہے کہ میں جواب مطابق سوال نہ دینے والا بن جاؤں کیونکہ سوال کے مطابق جواب نہ دینا جہل ہے۔

جب قوم بنی اسرائیل اس بات کو جان گئی کہ گائے کا ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ حکم ہے تو گائے کے اوصاف پوچھنے شروع کر دیئے۔ اگر وہ معمولی وجہ کی گائے کی طرف قصد کر کے ذبح کر دیتے تو وہی گائے ان کے لیے کافی تھی لیکن انہوں نے اپنے آپ پر (غیر ضروری سوال کر کے) سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی اور اس (حکم) کے تحت بھی حکمت پوشیدہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک آدمی تھا اور اس کا ایک بچہ (بیٹا) تھا اور ایک بچھڑی تھی۔ اس بچھڑی کو جھاڑیوں کی طرف لے آیا اور کہا اے اللہ! میں اس بچھڑی کو اپنے بیٹے کی خاطر تیرے سپرد کرتا ہوں، یہاں تک کہ یہ بڑی ہو جائے۔

یہ آدمی مر گیا اور وہ بچھڑی جھاڑیوں میں (پل کر) جوان ہو گئی اور وہ بچھڑی (جو اب بڑی ہو چکی تھی) جس کسی کو دیکھتی اس سے بھاگتی (بدکتی) جب اس آدمی کا بچہ بڑا ہو گیا اور اپنی والدہ کا فرمانبردار تھا اس نوجوان نے اپنی رات کے تین حصے کر رکھے تھے۔ رات کی ایک تہائی نماز پڑھتا، ایک تہائی سوتا اور ایک رات کی ایک تہائی (ماں کی خدمت کے لیے) ماں کے سرہانے بیٹھتا۔ جب صبح ہوتی چلا جاتا اور پیٹھ پر لکڑیاں چن کر لاتا اور بازار میں لا کر بیچ آتا جیسے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا۔ پھر ان پیسوں کے تین حصے کر دیتا، ایک حصہ صدقہ، ایک حصہ کو خرچ کرتا اور ایک حصہ والدہ کی خدمت میں پیش کرتا۔

ایک دن اس کی والدہ نے اس کو کہا کہ تیرے والد نے وراثت میں ایک بچھڑی چھوڑی تھی اور فلاں جھاڑیوں کے جنگل میں اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا تھا تو چلا جا اور ابراہیم و اسماعیل و اسحاق علیہم السلام کے معبود سے مانگ کہ وہ (معبود برحق) تجھے بچھڑی لوٹا دے اور

اس بچھڑی کی علامت یہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے گا تو تجھے یوں محسوس ہوگا کہ اس کے چہرے سے سورج کی شعاعیں نکل رہی ہیں اور وہ گائے (جو اب گائے بن چکی تھی) اپنے جمال اور صفائی کی وجہ سے مذہبہ (سنہری) کہلاتی تھی۔ چنانچہ وہ جوان جھاڑیوں کے اس جنگل میں آیا، دیکھا تو گائے چر رہی تھی۔ پس اسے آواز دی اور کہا کہ میں تجھے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام کے معبود کی قسم دیتا ہوں۔ پس وہ دوڑتی ہوئی متوجہ ہوگئی حتیٰ کہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ پس وہ جوان اس کی گردن سے پکڑ کر کھینچنے لگا تو حکم خداوندی سے وہ گائے بولی اور کہا اے اپنی ماں کے فرمانبردار جوان مجھ پر سوار ہو جا۔ پس بے شک یہ بات تیرے لیے آسان ہے۔ پس جوان نے کہا بے شک میری ماں نے سوار ہونے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ مجھے کہا تھا کہ اس کی گردن پکڑ کر لا۔ پس گائے بولی بنی اسرائیل کے معبود کی قسم اگر تو مجھ پر سوار ہوتا تو کبھی بھی مجھ پر قادر نہ ہوتا۔ اب جا پس بے شک اگر تو پہاڑ کو حکم کرے گا کہ وہ مکمل اکھڑ کر تیرے ساتھ چلے تو وہ تیری اپنی والدہ کی فرمانبرداری کے باعث ایسا ہی کرے گا تو وہ جوان اس گائے کو لے کر اپنی ماں کی طرف لے چلا۔ پس اس کی ماں نے کہا بے شک تو فقیر آدمی ہے تیرا مال نہیں ہے دن کو لکڑیاں چننا اور رات کو (اللہ تعالیٰ کے حضور) قیام کرنا تجھ پر شاق (گراں) ہے جا گائے کو بیچ۔ پس اس (نوجوان) نے پوچھا کتنے میں بیچوں؟

والدہ نے کہا تین دینار کے بدلے اور میرے مشورہ کے بغیر نہ بیچنا اور گائے کی قیمت تین دینار تھی۔ جوان اس گائے کو منڈی لے گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا تا کہ مخلوق کو اپنی قدرت کا مشاہدہ کرائے اور تا کہ اس جوان کو بھی آزمائے کہ وہ اپنی والدہ کا کس قسم کا فرمانبردار ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا خبیر تھا۔ پس فرشتہ نے اس کو کہا، یہ گائے کتنے میں بیچو گے؟ جوان نے کہا تین دینار میں بشرطیکہ میری ماں راضی ہو۔ فرشتہ بولا چھ (۶) دینار لے لے اور ماں سے مشورہ نہ کر۔ جوان بولا اگر تو گائے کے وزن کے برابر بھی سونا دے دے تب بھی اپنی ماں کی رضا کے بغیر نہ لوں گا۔ پس وہ (جوان) اس گائے کو واپس اپنی ماں کے پاس لے گیا اور قیمت (جو اس فرشتہ نے لگائی تھی) کی ماں کو خبر دی۔

پس ماں بولی واپس جاؤ اسے چھ (۶) دینار میں بیچو میری رضا کی شرط پر۔ وہ جوان اس گائے کو منڈی لے گیا اور فرشتہ آیا۔ پس کہا اپنی ماں سے مشورہ کر لیا؟ جوان بولا میری ماں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس گائے کو چھ (۶) دینار سے کم قیمت پر نہ بیچوں بشرطیکہ ماں سے مشورہ کرلوں۔

فرشتے نے کہا پس بے شک میں تجھے بارہ (۱۲) دینار دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو ماں سے مشورہ نہ کرے تو جوان نے انکار کر دیا اور ماں کے پاس واپس لوٹا اور اس صورت حال کی خبر دی۔ پس ماں نے کہا کہ جو تیرے پاس انسانی شکل میں آتا ہے پس جب آئے تو تو اس سے کہہ کر تو کیا حکم دیتا ہے کیا اس گائے کو ہم بیچیں یا نہ؟

چنانچہ لڑکے نے ایسا کیا تو اسے فرشتے نے کہا کہ اپنی ماں کے پاس جا اور اسے کہہ کہ اس گائے کو ابھی اپنے پاس رکھو۔ پس بے شک بنی اسرائیل کے ایک مقتول کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اس گائے کو خریدیں گے۔ پھر اس وقت گائے کے چمڑے میں دینار بھر کر لینے کے بغیر نہ بیچنا۔ پس اس نے گائے کو روک لیا (یعنی نہ بیچا) اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر

خاص طور پر اس گائے کا ذبح کرنا مقدر فرمادیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل والے گائے کے اوصاف کے بارے میں تفصیلی اوصاف پوچھتے رہے حتیٰ کہ وہی گائے (یتیم بچے والی) بیان کردہ اوصاف کے ساتھ موصوف ہونے کے اعتبار سے متعین ہوگئی۔ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے ساتھ اس بچے کو والدہ کی فرمانبرداری کا بدلہ دینے کے طور پر۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ درخواست کیجئے اپنے رب سے ہم سے بیان کردیں کہ اس (بیل) کے کیا اوصاف ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ (میری درخواست کے جواب میں) فرماتے ہیں۔ کہ وہ ایسا بیل ہو کہ نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو (بلکہ) پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں سو اب (زیادہ حجت مت کرو بلکہ) کرڈالو جو تم کو حکم دیا جاتا ہے کہنے لگے کہ (اچھا یہ بھی) درخواست کردیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ ہم سے (یہ بھی بیان کردیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو) آپ نے فرمایا کہ (اس کے متعلق) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہے جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو کہنے لگے کہ (اب کی بار اور) ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کردیجئے کہ ہم سے بیان کردیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں کیونکہ (گائے) اور بیل میں (قدرے) اشتباہ ہے اور ہم ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ (اب کی) ٹھیک سمجھ جاویں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ (یوں) فرماتے ہیں کہ وہ نہ تو بیل میں چلا ہوا ہو جس سے زمین جوتی جاوے اور نہ اس سے زراعت کی آبپاشی کی جاوے (غرض ہر قسم کے عیب سے) سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو (یہ سن کر) کہنے لگے کہ (ہاں) اب آپ نے پوری (اوصاف) بات فرمائی پھر اس کو ذبح کیا اور (ان کی حجتوں سے بظاہر) کرتے ہوئے معلوم ہوتے نہ تھے۔

تفسیر: ﴿۶۸﴾ "قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ما ھی" یعنی اس کی عمر کیا ہے؟ (قال) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "انہ یقول" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔ پس فرمایا بے شک وہ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "انھا بقرۃ لا فارض ولا بکر" یعنی نہ بڑی ہو نہ چھوٹی۔ فارض اس عمر رسیدہ کو کہتے ہیں جو بچہ نہ جنے۔ کہا جاتا ہے اسی سے ہے فرضت تفرض فروضا۔ بکر چھوٹی نو عمر جس نے ابھی بچہ نہ جنا ہو۔ فارض اور بکر دونوں سے ھاء (تانیث) کو حذف کردیا گیا۔ اس لیے کہ یہ دونوں

مؤنث کے ساتھ خاص ہیں۔ جیسے حائض مؤنث کے ساتھ خاص ہے۔ (عوان) درمیانی برابر "بین ذالک" یعنی بیان شدہ دو عمروں کے درمیان کہا جاتا ہے "عونت المراۃ تعوینا جب وہ عورت تیس سال سے زائد ہو جائے۔ اخفش کہتے ہیں عوان وہ جو بار ہا بچہ جن چکی ہو اس کی جمع عون ہے۔ "فافعلوا ما تؤمرون" گائے کا ذبح کرنا اور سوال زیادہ نہ کرو۔

Ⓐ "قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ما لونها قال انه یقول انها بقرة صفراء فاقع لونها" (فاقع کا معنی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سخت زرد رنگ والی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صاف (رنگ والی)۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الصفراء السوداء" (یعنی صفراء فاقع کا معنی ہے سیاہ رنگ) پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اسود فاقع نہیں کہا جاتا بلکہ اصفر فاقع کہا جاتا ہے اور اسود حالک کہا جاتا ہے (یعنی اسود (سیاہ) میں مبالغہ کرنے کے لیے ساتھ لفظ حالک لگتا ہے۔) اسی طرح احمر قانی بہت سرخ اخضر ناضر بہت سبز اور ابیض یقق بہت سفید (یہ الفاظ مختلف رنگوں میں مبالغہ کے لیے آتے ہیں۔) "تسر الناظرین" اس گائے کی طرف (دیکھنے والوں کو) اس گائے کا حسن بھلا لگے اور گائے کے رنگ کی صفائی۔

Ⓐ "قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ما هی" کیا وہ چرنے والی ہے یا کام کرنے والی؟ "ان البقر تشابه علینا" (تشابه علینا کہا یعنی مذکر کا صیغہ لائے) "تشابهت علینا" نہ کہا (مؤنث کا صیغہ نہ لائے) یا اس لیے کہ یہاں بقر کا لفظ مذکر استعمال ہوا ہے جیسے قول خداوندی ہے (اعجاز نخل منقعر) یعنی اس جگہ چونکہ لفظ نخل مذکر استعمال ہوا ہے اس لیے اس کی صفت منقعر بھی مذکر لائی گئی۔ زجاج کہتے ہیں یعنی جنس بقر متشابہ ہو گئی یعنی ملتبس ہو گئی اور اس کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا۔ پس ہم اس کی طرف راہ نہیں پا سکتے۔ "وانا ان شاء الله لمهتدون" اس کے وصف کی طرف (راہ پانے والے ہیں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ ان شاء اللہ نہ کہتے تو گائے (تسلی بخش طریقے پر) کبھی بھی بیان نہ کی جاتی۔

Ⓐ "قال انه یقول انها بقرة لا ذلول" کام کرنے کی عادی (کام پر سدھائی ہوئی) کہا جاتا ہے۔ "رجل ذلول" واضح طور پر ذلیل (یعنی جس میں خودی اور خودداری نہ ہو، ہر ایک کا مطیع اور حقیر) اسی طرح کہا جاتا ہے "دابة ذلولة واضح الذل" ہو (یعنی وہ جانور کام کا عادی ہو) "تثیر الارض" زمین کو زراعت کے لیے اُلٹ پلٹ کرتی ہو۔ "ولا تسقی الحرث" یعنی سانیہ نہ ہو (پانی نکالنے کا کام نہ کرتی ہو) "مسلمة" بری ہو۔

عیبوں سے "لاشیة فیها" یعنی اس کے پورے چمڑے کے رنگ کے علاوہ کسی اور رنگ کا داغ نہ ہو۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لاشیة فیها" کا معنی ہے کہ اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس میں نہ سفیدی ہو نہ سیاہی ہو۔ "قالوا الآن جئت بالحق" یعنی اب آپ ایسا بیان لائے ہیں جو تام اور شافی ہے جس میں اب کسی قسم کا اشکال نہیں ہے اور انہوں نے اس (قسم کی) گائے کو تلاش کیا تو اس جوان (جو والدہ کا فرمانبردار تھا) کے سوا کسی کے پاس ان صفات کے ساتھ مکمل موصوف گائے نہ پائی اور "وما کادوا یفعلون" کے معنی سے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے نہ کرنے کی وجہ ان کی شدت اضطراب اور اس گائے کے بارے میں اختلاف تھا۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهٰرُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٧٤﴾

ترجمہ: اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب تم لوگوں (میں سے کسی) نے ایک آدمی کا خون کر دیے پھر ایک دوسرے پر اسکو ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جسکو تم مخفی رکھنا چاہتے تھے اسلئے ہم نے حکم دیا کہ اسکو اس (بقرہ) کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو اسیطرح حق تعالیٰ (قیامت میں) مُردوں کو زندہ کرینگے اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائر (قدرت) تم کو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو ایسے ایسے واقعات کے بعد تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو (یوں کہنا چاہیئے کہ) کہ اُنکی مثال پتھر کی سی ہے بلکہ سختی میں (پتھر) سے بھی زیادہ سخت بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے (بڑی بڑی) نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے (اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی) پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں۔

تفسیر: ﴿٧٢﴾ "واذ قتلتم نفسا" یہ قصہ کا ابتدائی حصہ ہے۔ اگرچہ تلاوت کے اعتبار سے مؤخر ہے۔ اس مقتول کا نام عامیل تھا۔ "فادّٰرءتم فیہا" اس کا اصل "تدارأتم" ہے۔ تاء کو دال میں ادغام کیا گیا اور اس پر الف لائی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے قول "اثاقلتم" کی طرح حضرت ابن عباس اور مجاہد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اس کا معنی "فاختلفتم" ہے (یعنی تم نے اختلاف کیا) حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی "تدافعتم" ہے یعنی اس قتل کی ذمہ داری تمہارا بعض بعض پر ڈال رہا تھا۔ یہ درأ سے مشتق ہے اور وہ بمعنی دفع ہے۔ پس ہر شخص اس (قتل کے الزام) کو اپنے آپ سے دفع کرتا تھا۔ "واللہ مخرج" یعنی مظہر (ظاہر کرنے والا تھا)۔ "ما کنتم تکتمون" پس تحقیق قاتل قتل کو چھپاتا تھا۔

﴿٧٣﴾ "فقلنا اضربوہ" تو ہم نے کہا کہ مارو اس مردے کو "ببعضہا" بعض گائے کے ایک ٹکڑے کے ساتھ۔ اس بعض میں انہوں (مفسرین) نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں انہوں نے اس ہڈی کے ساتھ مارا جو معروف (نرم ہڈی) کے قریب تھی جو کہ عقل تھی (یعنی وہ جگہ جس پر مارنے سے جانور مر جاتا ہے)۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دم کے ابتدائی حصہ کو مارا کیونکہ پیدا ہونے میں یہی حصہ اول ہے اور اعضاء کے بوسیدہ ہونے میں یہ حصہ آخر ہے اور اسی پر دوسری دفعہ تخلیق کو مرکب کیا جائے گا جسے بعث کہتے

ہیں۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں گائے کی زبان کے ساتھ مارا۔

حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قول اس واقعہ سے متعلق زیادہ کرتا ہے کیونکہ زبان آلۂ کلام ہے (اور وہ مقتول بھی اس طرح کرنے سے بولا ہے) کلبی اور عکرمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں گائے کی دائیں ران کو مارا اور کہا گیا ہے کہ گائے کے کسی بھی عضو کو مارا۔ کوئی خاص معین حصہ نہ تھا۔ پس انہوں نے ایسا کیا تو مقتول اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس حال میں کہ اس کی گردن کی رگوں سے خون ٹپک رہا تھا اور کہا مجھے فلاں نے قتل کیا یہ کہنے کے بعد مردہ ہو کر گر گیا۔ چنانچہ قاتل مقتول کی میراث سے محروم کر دیا گیا۔

خبر میں ہے کہ (اس واقعہ) صاحب البقرہ کے بعد قاتل وارث (مقتول) نہیں ہوا اور اس میں اضمار ہے تقدیر (عبارت) یوں ہے۔ "**فضربت فحی**" "پس گائے کے کچھ حصہ کو مارا گیا۔ جس سے وہ مردہ زندہ ہو گیا۔" "**کذالک یحیی اللّٰہ الموتی**" (یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا)۔ جس طرح عامیل کو زندہ کیا۔ "**ویریکم آیاته لعلکم تعقلون**" کہا گیا تم اپنے آپ کو معاصی سے روکو گے۔ باقی رہا اس مسئلہ کا حکم اسلام میں کہ جب کسی جگہ مقتول پایا جائے اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو۔ پس اگر تو وہاں کسی انسان کے ملوث ہونے کا قوی امکان ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ دل میں مدعی کے سچے ہونے کا (گمان) غالب ہو۔ مثلاً یہ کہ ایک جماعت کسی گھر یا جنگل میں جمع ہو۔ جب وہ لوگ جدا ہوں تو وہاں ایک مقتول پایا جائے تو ایسی صورت میں یہ بات دل پر غالب ہے کہ قاتل انہیں میں ہے یا مقتول کسی محلہ یا بستی میں پایا جہاں کے سب لوگ مقتول کے دشمن ہیں۔ کوئی غیر دشمن ان میں نہیں تو دل پر یہ بات غالب ہوگی کہ انہیں لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے تو ایسی صورت میں ولی مقتول نے ان میں کسی ایک پر دعویٰ کیا تو مدعی سے پچاس قسمیں مدعی علیہ کے خلاف اٹھوائی جائیں گی اور اگر اولیاء (مقتول) متعدد ہوں تو قسم ان پر تقسیم کر دی جائے گی۔ پھر اس کے بعد جب وہ قسمیں اٹھا لیں گے تو اگر ان کا دعویٰ قتل خطا کا ہے تو مقتول کے عاقلہ سے دیت لیں گے۔

اور اگر ان کا دعویٰ قتل عمد کا ہے تو قاتل کے مال سے دیت لیں گے اور اکثر حضرات کے قول کے مطابق قصاص نہیں ہے اور بعض حضرات قصاص کی طرف گئے ہیں۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے بھی یہی کہا ہے اور اگر مدعی علیہ کے ملوث ہونے کے امکانات نہ ہوں تو پھر قول مدعی علیہ کا معتبر ہے مع اس کی قسم کے۔ پھر کیا اس مدعی علیہ سے ایک قسم لی جائے گی یا پچاس قسمیں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک ہی قسم ہوگی جیسے کہ باقی دعووں میں ہوتی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ پچاس قسمیں لی جائیں گی خون کے معاملہ کی سنگینی کے باعث اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی کو ملوث کرنے کا (شرعاً) کچھ حکم نہیں ہے اور مدعی کی قسم سے آغاز نہیں کیا جائے گا اور (حضرت امام صاحب نے) فرمایا کہ جب کسی محلہ میں مقتول پایا جائے تو محلہ کے صلحاء میں سے امام صاحب پچاس افراد کو منتخب کرے گا اور ان سے یہ قسم لے گا کہ انہوں نے نہ تو اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی انہیں قاتل کا علم ہے۔ اس کے بعد (امام) وہاں کے باسیوں سے دیت لے گا اور اس امر کی کہ کسی کو ملوث کرنے کی صورت میں مدعی سے قسم کی ابتداء کرائی جائے گی۔ دلیل یہ حدیث ہے۔ عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود خیبر کو نکلے، دونوں اپنی روزی کے سلسلے میں آپس میں جدا ہو گئے۔ پس عبداللہ بن سہل قتل ہو گئے تو محیصہ اور

عبدالرحمٰن مقتول مذکور کے بھائی اور حویصہ بن مسعود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عبداللہ بن سہل کے قتل کا ذکر کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا (تم پچاس قسمیں اُٹھوائے جاؤ گے جس کے باعث تم اپنے ساتھی کے خون کے مستحق ٹھہرو گے یا اپنے قاتل کے) پس انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ہم کس طرح قسمیں اُٹھائیں) ہم نے نہ تو قتل کا مشاہدہ کیا اور نہ حاضر تھے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر یہود پچاس قسمیں اُٹھا کر بری ہو جائیں گے تو مدعی حضرات نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کفار قوم کی قسموں کا کیسے اعتبار کریں؟ تو حضور علیہ السلام نے اپنی طرف سے دیت دینے کا عزم فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دیت دی۔

بشیر بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک اس دیت والے جانوروں میں سے ایک جانور نے ہمارے کھلیان میں مجھے لتاڑا اور ایک روایت میں کہ مجھے سرخ اونٹنی نے جو اس دیت والے اونٹوں میں سے تھے، ہمارے کھلیان میں لتاڑا۔ اس سے دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدعی فریق کی قسموں سے ابتدا فرمائی تا کہ ان کی طرف سے لوث کرنے کی جانب قوی ہو جائے اور وہ اس طرح کہ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ خیبر میں مقتول پائے گئے اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم میں اور اہل خیبر میں باہمی عداوت واضح تھی اور دلوں پر یہ بات غالب تھی کہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو اہل خیبر نے ہی قتل کیا ہے اور قسم ہمیشہ اس شخص کی دلیل بنتی ہے جس کی جانب قوی ہوتی ہے اور لوث نہ کرنے کی صورت میں مدعی علیہ کی جانب مضبوط ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اصل بات تو مدعی علیہ کا بری الذمہ ہونا ہے اور مدعا علیہ کا قول معتبر ہوتا ہے قسم کے ساتھ۔

⑭ "ثم قست قلوبکم" یعنی خشک ہو گئے اور دل کا خشک ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس سے نرمی اور رحم دلی نکل گئی اور کہا گیا ہے کہ "قست" کا معنی سخت ہو جانا ہے اور کہا گیا ہے کہ "قلت" کا معنی ہے کہ دل سیاہ ہو گئے۔ "من بعد ذالک" "ان دلالتوں کے ظاہر ہونے کے بعد۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہوں نے اس (مقتول کا زندہ ہو کر قاتل کی نشاندہی کرنا) کے بعد بھی یہی رٹ لگائے رکھی کہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا تو اس صورت میں ان لوگوں سے بڑھ کر دل کا اندھا اور اپنے نبی کی سخت تکذیب کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ "فھی" "پس یہ دل سختی اور شدت میں" "کالحجارۃ او اشد قسوۃ" پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کہا گیا ہے کہ اس جگہ او کا معنی واؤ والا ہے (معنی ہوگا کہ ان کے دل سختی میں پتھر کی طرح ہو گئے اور سختی میں اس پتھر سے بھی زیادہ شدید) جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں او بمعنی واؤ ہے۔ "مائۃ الف او یزیدون" (یعنی ایک لاکھ) بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

سوال: یہاں اللہ تعالیٰ نے دل کے سخت ہونے کو لوہے سے تشبیہ نہیں دی بلکہ پتھر سے حالانکہ لوہا پتھر سے زیادہ سخت ہوتا ہے؟

جواب: یہ اس لیے کہ لوہا نرم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ لوہے کو آگ سے نرم کیا جا سکتا ہے اور پھر لوہا حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے نرم بھی ہوا اور پتھر بالکل نرم نہیں ہوتا۔ اس کے بعد سخت دل پر پتھر کو فضیلت دی گئی۔ پس فرمایا "وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار" کہا گیا ہے کہ اس سے مراد تمام پتھر ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اسباط بنی اسرائیل کے لیے عصا مار کر پانی حاصل کرتے تھے۔ "وان منھا لما یشقق فیخرج منہ

الماء" اس سے مراد چشمے ہیں دریا نہیں۔ "وان منھا لما یھبط" پہاڑ کی بلندی سے پستی کی طرف لڑھکتے ہیں۔ "من خشیۃ اللہ" اور تمہارے دل نرم نہیں پڑتے۔ اے یہودیو اور نہ خوف خدا رکھتے ہیں۔

سوال: اگر کہا جائے کہ پتھر تو جماد ہے (ذی روح نہیں) ان کے اندر عقل ہی نہیں تو خوف خدا کیسے رکھتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اسے سمجھاتے ہیں اور الہام فرماتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے الہام کے ساتھ وہ خوف خدا رکھتا ہے۔ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے کہ ذوی العقول کے علاوہ جمادات اور تمام حیوانات کو معرفت الٰہیہ کا ایسا علم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

تو ان جمادات وحیوانات کی نماز ہے تسبیح ہے خوف خدا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وان من شیء الا یسبح بحمدہ" (کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس اور حمد وثناء کرتی ہے) اور فرمایا "والطیر صافات کلٌ قد علم صلاتہ وتسبیحہ" (کہ پرندے صف باندھے ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا علم رکھتا ہے) اور فرمایا "الم تر ان اللّٰہ یسجد لہ من فی السمٰوات ومن فی الارض والشمس والقمر" الآیۃ (اے مخاطب) (تو دیکھتا نہیں کہ اس ذات الٰہی کے لیے سجدہ کرتی ہے ہر وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے اور جو مخلوق زمین میں ہے اور سورج چاند بھی) پس انسان پر واجب ہے کہ وہ اس مضمون و مفہوم پر ایمان لائے اور اس کا (تفصیلی) علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کر دے۔ روایت کی جاتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ثبیر (مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام) پر تھے اور کفار حضور علیہ السلام کو تلاش کر رہے تھے تو پہاڑ ثبیر نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اُتر جائیے میں اس سے ڈرتا ہوں یہ کہ آپ مجھ پر پکڑے جائیں اور اللہ تعالیٰ مجھے اس کی وجہ سے عذاب دیں۔ تو جبل حراء نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف تشریف لائیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میں مکہ کرمہ میں وہ پتھر پہچانتا ہوں جو اس سے پہلے کہ میں مبعوث ہوتا مجھ پر سلام کیا کرتا تھا اور بے شک میں اس وقت بھی اسے پہچانتا ہوں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ مسلم نے اس کا اخراج ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے کیا۔ انہوں نے یحییٰ بن ابی بکر رحمہ اللہ سے روایت کی اور حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ثابت ہے کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جبل احد نمودار ہوا تو آپ نے فرمایا یہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، پھر لوگوں پر متوجہ ہو کر فرمایا: درمیان اس کے کہ ایک شخص گائے ہانکے جا رہا تھا کہ وہ تھک گیا۔ پس اس گائے پر سوار ہو گیا اور اس کو مارا تو گائے بولی ہم (گائیں) اس لیے تو پیدا نہیں کی گئیں ہم تو صرف کھیتی باڑی کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ پس لوگوں نے کہا سبحان اللہ گائے بولتی ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (پس (اس بات پر) میں ایمان لایا۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی ایمان لائے حالانکہ وہ دونوں وہاں نہیں تھے)۔

اور فرمایا (درمیان اس کے کہ ایک شخص اپنی بکریوں میں تھا۔ اچانک بھیڑیا ان میں سے ایک بکری پر چڑھ دوڑا۔ پس اس بکری کو اس کے مالک نے پالیا اور اسے چھڑا لیا۔ پس بھیڑیا بولا پس یوم السبع یعنی قرب قیامت کے دن اس بکری کا کون رکھوالا ہوگا؟ جبکہ میرے سوا اس کا چرانے والا کوئی نہ ہوگا) پس لوگوں نے کہا سبحان اللہ بھیڑیا کلام کرتا ہے! پس فرمایا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس پر میں اس پر ایمان لایا، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایمان لائے حالانکہ وہ دونوں وہاں موجود نہ تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے (یہ روایت) ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) جبل حراء پر تھے تو چٹان ہلنے لگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ٹھہر جا یعنی سکون پذیر ہو جا پس تیرے اوپر سوائے نبی و صدیق اور شہید کے اور کوئی نہیں۔ یہ روایت صحیح ہے اسے مسلم نے نکالا۔ (روایت کیا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں تھے، پس ہم مکہ سے باہر نواحی مکہ کی طرف پہاڑوں اور درختوں کی طرف نکلے تو حضور علیہ السلام جس کسی درخت یا پہاڑ کے پاس سے گزرتے تو وہ درخت یا پہاڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام جب خطبہ دیتے تو مسجد (نبوی) کے ستونوں میں سے ایک کھجور کے تنے کے ساتھ سہارا لگا کر (خطبہ ارشاد فرماتے) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منبر تیار کیا گیا تو آپ وہاں جلوہ افروز ہوئے۔ وہ کھجور کا ستون مضطرب ہوا اور اونٹنی (جو اپنے بچے سے بچھڑ جائے) کی طرح رونے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے رونے کو اہل مسجد نے سنا۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام (منبر سے) اترے اور اسے گلے لگایا جس پر وہ سکون پذیر ہوا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پتھر (چٹان) اوپر سے نیچے جب بھی لڑھکتا ہے تو خوف خدا سے لڑھکتا ہے اور ہمارے اس قول کی گواہی یہ فرمان خداوندی دیتا ہے "لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ و تلک الامثال نضربھا للناس لعلکم یتفکرون" فرمان عزوجل "وما اللہ بغافل" بھولنے والا نہیں۔ "عما تعلمون" دھمکی ہے اور کہا گیا ہے کہ بغافل کا معنی ہے کہ تمہارے اعمال کی سزا کو چھوڑنے والا نہیں بلکہ اس کا بدلہ دے گا۔ ابن کثیر نے "یعلمون" یاء کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے تاء کے ساتھ پڑھا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۷۶

(ترجمہ) (اے مسلمانو) کیا اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہارے کہنے سے ایمان لے آویں گے حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر اسکو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے (اور) اُسکو

سمجھنے کے بعد (ایسا کرتے تھے) اور (لطف یہ ہے) کہ جانتے (بھی) تھے اور جب ملتے ہیں (منافقین یہود) مسلمانوں سے تو (اُن سے تو) کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں یہ بعضے (منافق) دوسرے بعضے (علانیہ) یہودیوں کے پاس تو وہ اُن سے کہتے ہیں کہ تم (یہ) کیا غضب کرتے ہو کہ مسلمانوں کو وہ باتیں بتلاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے (توریت میں) تم پر منکشف کردی ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت میں مغلوب کردیں گے کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔

تفسیر ۷۵ "افتطمعون" کیا تم اُمید رکھتے ہو مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ "ان یومنوا لکم" یہود تمہاری تصدیق کریں گے۔ اس بات کی جو تم ان کو خبر دیتے ہو؟ "وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ" یعنی تورات "ثم یحرفونہ" اس میں جو احکام ہوتے ان کو بدل ڈالتے۔ "من بعد ماعقلوہ" اس کو جاننے (کے بعد) حضور علیہ السلام کی صفت کو انہوں نے بدلا اور آیت رجم میں تبدیلی کی۔ "وھم یعلمون" کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ یہ قول مجاہد، قتادہ، عکرمہ، سدی (رحمہم اللہ) اور ایک جماعت کا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اور مقاتل رحمہ اللہ نے یہ آیت ان ستر (۷۰) کے حق میں نازل ہوئی جنہیں میقات رب کے لیے منتخب کیا اور وہ جب واپس قوم کی طرف لوٹے، کلام الٰہی سننے کے بعد تو لوگوں نے ان ستر کی طرف رجوع کیا۔ ان میں سے جو سچے تھے انہوں نے پیغام الٰہی من و عن پہنچا دیا اور ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو سنا تھا کہ وہ اپنے حکم کے آخر میں فرماتے تھے اگر تم عمل کی طاقت رکھو (تو کرنا) تو یہ ہے ان کی تحریف حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ حق ہے۔

۷۶ "واذا لقوا الذین آمنوا" حضرت ابن عباس، حضرت حسن، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اس سے مراد منافقین یہود ہیں جو اپنی زبانوں سے ایمان لائے۔ جب وہ مؤمنین مخلصین سے ملتے ہیں "قالوا آمنا" (ہم ایمان لائے) تمہارے ایمان کی طرح "واذا خلا" لوٹا "بعضھم الی بعض" کعب بن اشرف، کعب بن اسد، وھب بن یہودا اور ان کے علاوہ رؤساء یہود۔ ان کے اس معاملہ پر "قالوا اتحدثونھم بما فتح اللہ علیکم" (ان کو بیان کرتے ہو) وہ کچھ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری کتاب میں واضح فرمایا۔ یہ کہ حضرت محمد حق ہیں اور ان کی بات سچی ہے اور فتاح بمعنی قاص ہوتا ہے یعنی بیان کرنے والا۔

اور کسائی کہتے ہیں "بما فتح اللہ" کا معنی "بما بینہ لکم" ہے یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیان کیا۔ حضور علیہ السلام صفات اور حلیہ مبارک کا علم واقدی کہتا ہے "بما فتح اللہ" کا معنی ہے "بما انزل علیکم واعطاکم" یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا اور تمہیں عطا کیا اور اسی کی مثال ہے۔ "لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض" یعنی ہم ہی نازل کرتے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں "بما فتح اللہ" کا معنی ہے وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمائی اور تمہیں عنایت کی۔ "لیحاجوکم بہ" تاکہ اس کے ذریعے تم سے جھگڑا کریں۔

اس سے مراد اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور وہ تمہارے ہی قول کے ذریعے تم پر حجت پکڑیں۔ پس کہیں تحقیق تم نے خود

تو پھر یہ تم تو یہ تصدیق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں تمہاری کتاب میں (مذکور ہے) پھر تم اس کی پیروی نہیں کرتے؟ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب اہل مدینہ نے یہود سے حضور علیہ السلام کی پیروی کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا تو علمائے یہود نے کہا اس پر (محمد) ایمان لے آؤ۔ پس وہ حق ہے پھر بعض نے بعض کو کہا کیا تم ان کو بیان کرتے ہو وہ کچھ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولا، واضح کیا تاکہ وہ (اصحاب رسول) تم اس کے ذریعے جھگڑا کریں؟ "لیحاجوکم" کا معنی ہوگا تاکہ تمہاری یہ بات ان (اصحاب رسول) کے حق میں تمہارے خلاف حجت ہو جائے۔ "عند ربکم" آخرت میں۔

اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو گناہوں پر ملنے والے عذاب کی خبر دی۔ پس بعض نے بعض سے کہا کیا تم بیان کرتے ہو وہ کچھ جو اللہ تعالیٰ نے تم پر عذاب نازل کیا تاکہ وہ تمہارے سے تمہارے رب کے پاس جھگڑیں تاکہ (اس صورت حال کو) تمہارے برخلاف اپنے حق میں عند اللہ اکرام و انعام سمجھیں اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قول یہود قریظہ کا تھا۔ بعض نے بعض کو کہا جب حضور علیہ السلام نے ان کو فرمایا یا اخوان القردة والخنازیر اے خنزیروں اور بندروں کے بھائیو! تو وہ کہنے لگے ہمارے اس امر کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے خبر دی؟ لازماً یہ راز کی بات تمہاری طرف سے آؤٹ ہوئی ہے۔ "افلا تعقلون"

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ کیا ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے اُن چیزوں کی بھی جن کو وہ مخفی رکھتے ہیں اور اُنکی بھی جن کا وہ اظہار کر دیتے ہیں اور اُن (یہودیوں) میں بہت سے ناخواندہ بھی ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن (بلاسند) دل خوش کن باتیں (بہت یاد ہیں) وہ لوگ اور کچھ نہیں (ویسے ہی بے بنیاد) خیالات پکا لیتے ہیں تو بڑی خرابی اُنکی ہوگی جو لکھتے ہیں (بدل بدل کر) کتاب (توریت) کو اپنے ہاتھوں سے پھر (عوام سے) کہہ دیتے ہیں کہ یہ (حکم) خدا کی طرف سے (یوں ہی آیا) ہے (اور) غرض (صرف) یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعے سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کرلیں سو بڑی خرابی (پیش) آوے گی اُن کو اس کی بدولت (بھی) جسکو اُن کے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی ہو گی اُن کو اُن (نقد) کی بدولت (بھی) جس کو وہ وصول کر لیا کرتے تھے۔

تفسیر ﴿۷۷﴾ "اولا یعلمون ان اللہ یعلم مایسرون" چھپاتے ہیں۔ "وما یعلنون" ظاہر کرتے ہیں یعنی یہود۔

﴿۷۸﴾ "ومنہم امیون" یعنی یہود سے کچھ لوگ امی ہیں جو پڑھنا اور لکھنا اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ (امیون) امی کی جمع ہے جو ام کی طرف منسوب ہے۔ گویا کہ امی شخص جس طرح ماں سے جدا ہوا اسی طرح باقی ہے نہ لکھنا جانتا ہے اور نہ پڑھنا۔ حضور علیہ السلام سے مروی ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بے شک ہم امی امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضور علیہ

السلام کے اُمی ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُم القریٰ کی طرف منسوب ہیں اور اُم القریٰ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

"لا یعلمون الکتاب الا امانی" ابوجعفر نے (امانی) یاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا۔ کتاب سے مراد کل قرآن ہے۔ امانی میں تخفیفاً ایک یاء کو حذف کر دیا گیا اور عام قراء نے امانی کی یاء کو شد کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ امانی امنیہ کی جمع ہے جو کہ تلاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ" یعنی فی قراءتہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ وہ کتاب کی قراءۃ و تلاوت محض یاد (زبانی) کرتے یعنی کتاب سے (دیکھ کر) نہیں پڑھتے اور کہا گیا کتاب کو (محض) حفظ و قراءت کی صورت میں جانتے ہیں اور اس کے معانی نہیں جانتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ معانی کتاب نہیں جانتے۔ حضرت مجاہد و حضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں "الا امانی" کا معنی ہے "الا کذبا و باطلا" کہ محض جھوٹ اور باطل جانتے ہیں۔ حضرت فراء رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "الا امانی" کا معنی ہے محض من گھڑت باتیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ما تمنیت منذ اسلمت" یعنی جب سے میں اسلام لایا ہوں جھوٹ نہیں بولا اور "امانی" سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ان کے علماء نے اپنی طرف سے لکھیں پھر ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان حلیہ سے متعلق تبدیلی وغیرہ حضرت حسن اور ابوالعالیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "امانی" سے مراد تمنی ہے۔ یہ ان کی جھوٹی آرزوئیں تھیں جو اللہ عزوجل پر تمناؤں کی شکل میں کرتے۔ مثلاً ان کا یہ کہنا "لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاری" کہ جنت میں سوائے یہود کے اور کوئی نہ جائے گا۔ یہ بات یہودی کہتے تھے اور جنت میں سوائے نصاریٰ کے کوئی نہ جائے گا یہ بات نصاریٰ کہتے تھے اور ان کا یہ کہنا "لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ" (کہ ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر چند دن) اور ان کا یہ کہنا "نحن ابناء اللہ و احباؤہ" کہ ہم خدا تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ تو ان سابقہ معانی کی صورت میں "الا امانی" کا معنی "لکن امانی" یعنی وہ کتاب کو کچھ نہیں جانتے لیکن چند چیزوں کی آرزو کرتے ہیں جو انہیں حاصل نہیں ہوتیں "وان ھم" اور نہیں ہے وہ "الا یظنون" یعنی وہ نہیں گمان کرتے مگر محض اٹکل پچوں اور وہم۔ انہیں یقین حاصل نہیں ہے۔ یہ بات حضرت قتادہ اور ربیع نے کہی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "امانی" کا معنی ہے "یکذبون" وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

⑫ فویل زجاج فرماتے ہیں ویل وہ کلمہ ہے جس کا استعمال اہل عرب ہر اس پر کرتے ہیں جو ہلاکت میں واقع ہوا اور کہا گیا ہے وہ کفار کی دُعا ہے جو وہ اپنے آپ پر ویل اور ثبور کا لفظ بول کر کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ویل کا معنی شدت عذاب کے ہیں۔ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں۔ ویل جہنم میں ایک وادی کا نام ہے۔

اگر اس وادی میں دُنیا کے پہاڑوں کو چلایا جائے تو اس کی سخت حرارت کے باعث پہاڑ پگھل جائیں۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ویل جہنم میں وادی ہے جس میں کافر گہرائی تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال لڑھکتا چلا جائے گا اور صعود آگ کا پہاڑ ہے اس میں (کافر) ستر سال چڑھتا رہے گا۔ پھر وہاں سے اسی طرح نیچے کی طرف گرے گا۔ "للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ

لیشتروا به ثمنا قلیلا" اور یہ اس طرح کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو احبار یہود کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں ان کا مذہبی تسلط وریاست چلی نہ جائے اور ان کی خوراک بند نہ ہوجائے ۔ چنانچہ احبار یہود نے عوام یہودیوں کو (دین اسلام) ایمان سے روکنے کے لیے یہ چال چلی کہ حضور علیہ السلام کی صفات جیسا کہ جو تورات میں مندرج تھیں ان کو بدل ڈالا۔

تورات میں حضور علیہ السلام کی صفت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسین چہرہ، خوبصورت بالوں والے، سرگیں آنکھوں والے میانہ قد ہوں گے تو احبار یہود نے ان صفات (حمیدہ) کو بدل ڈالا اور مذکورۃ الصدر صفات کی بجائے تورات میں یہ صفات درج کردیں کہ (وہ نبی آخر الزمان) لانبے قد اور نیلگوں آنکھوں والے سیدھے بالوں والے ہوں گے۔

جب ان (احبار یہود) سے نچلے درجہ کے عام یہود پوچھتے تو احبار یہود وہی کچھ پڑھ کر سنا دیتے جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھ دیا تھا اور عوام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو تورات سے پڑھ کر سنائی گئی ۔صفات کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فویل لهم مما کتبت ایدیهم" یعنی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کریمہ کو تبدیل کرکے اپنی طرف سے گھڑ کر لکھا (ایسا کرنے پر ان کے لیے خرابی ہلاکت تباہی)۔ "وویل لهم مما یکسبون" کھانے سے اور کہا گیا ہے گناہوں سے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

(ترجمہ) اور یہودیوں نے (یہ بھی) کہا کہ ہرگز ہم کو آتش (دوزخ) چھوئے گی (بھی) نہیں مگر (بہت) تھوڑے روز (جو انگلیوں پر) شمار کرلئے جاسکیں آپ (ان سے) یوں فرمادیجئے کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے (اس کے متعلق) کوئی معاہدہ لے لیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے یا (ایسے ہی) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے کیوں نہیں جو شخص قصداً بری باتیں کرتا رہے اور اسکو اس کی خطا (اور قصور اس طرح) احاطہ کرے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(تفسیر) ۸۰ "وقالوا" یعنی یہود (نے کہا) "لن تمسنا النار" ہمیں آگ نہیں پہنچے گی۔ "الا ایاما معدودۃ" ایک مقرر اندازہ پھر ہم سے عذاب زائل ہوجائے گا۔

انہوں نے ان دنوں کے بارے میں اختلاف کیا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے

تھے کہ دُنیا کی مدت سات ہزار سال ہے اور ہمیں صرف ایک ہزار کے بدلے ایک دن عذاب ہوگا۔ پھر سات دنوں کے بعد عذاب ختم ہو جائے گا۔ حضرت قتادہ اور حضرت عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہود "ایاما معدودۃ" سے چالیس دن مراد لیتے تھے جن میں ان کے آباؤ واجداد نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ حضرت حسن اور ابو عالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے معاملے میں عتاب فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے قسم اُٹھائی کہ ہمیں چالیس دن ضرور عذاب دے گا تاکہ قسم کو پورا کرنے کے لیے۔ پس اللہ عزوجل ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ فرمایا "قل" یا محمد (فرمایئے) "اتخذتم عند اللّٰہ" اس میں الف استفہام کی ہے جو کہ الف وصل پر داخل ہوئی ہے۔ "عھداً" یعنی (وعدہ) اس بات پر کہ وہ تمہیں صرف اتنی مدت عذاب دے گا۔ "فلن یخلف اللّٰہ عھدہ" اپنا وعدہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اس عہد سے مراد) عہد توحید ہے اس مفہوم پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے۔ "الا من اتخذ عند الرحمٰن عھداً"۔

اس سے مراد قول لا الٰہ الا اللہ ہے۔ "أم تقولون علی اللّٰہ مالا تعلمون" پھر فرمایا۔

⑧١ "بلیٰ" بلیٰ اور بل دونوں استدراک کے حرف ہیں اور دونوں کا معنی ماضی سے متعلق خبر کی نفی کرنا اور مستقبل سے متعلق خبر کی اثبات کرنا ہے۔ "مَنْ کسب سیئۃ" شرک "واحاطت بہ خطیئتہ" اہل مدینہ نے "خطیئاتہ" جمع کے ساتھ پڑھا اور احاطہ کا معنی کسی شئی کا ہر جانب سے گھیراؤ کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس حضرت عطاء، ضحاک، ابوالعالیہ اور ربیع اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ "احاطت بہ خطیئتہ" کا معنی وہ شرک جس پر موت واقع ہو اور کہا گیا ہے کہ "خطیئۃ" کا معنی بڑا گناہ اور احاطہ بہ کا معنی اس (گناہ) پر اصرار کرنا کہ بغیر توبہ کے مرجائے۔ یہ قول عکرمہ اور ربیع بن خیثم کا ہے۔ علامہ واحدی اپنی تفسیر وسیط میں فرماتے ہیں کہ ایمان والے اس آیت کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی وعید سنائی ہے جس کو گناہ احاطہ کرلیں اور جس سے سیئہ سرزد ہو چکی ہو جو کہ شرک ہے اور مومن اگرچہ گناہ کبیرہ کا عمل کرتا ہے لیکن اس سے شرک نہیں پایا جاتا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ ہیں جو دل کا گھیراؤ کرلیتے ہیں جب بھی گناہ کرتا ہے وہ گناہ بلند آتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دل پر چھا جاتا ہے اور یہ رین ہے۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے گناہ اس کو ہلاک کردیتے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "الا ان یحاط بکم" یعنی تم ہلاک ہو جاؤ۔ (یہ قول حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹوں کو مصر بھیجتے وقت فرمایا تھا)

"فاولئک اصحاب النّار ھم فیھا خالدون"

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: اور جو لوگ (اللہ اور رسول پر) ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ایسے لوگ اہل بہشت ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول وقرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے اچھی طرح (خوش خلقی سے) بات کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ پھر تم (قول وقرار کر کے) اُس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تم سے یہ قول واقرار (بھی) لیا کہ باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا پھر تم نے اقرار بھی کرلیا اور (اقرار بھی ضمناً نہیں بلکہ ایسا صریح جیسے) تم شہادت دیتے ہو۔

تفسیر: ﴿۸۲﴾ والذین امنوا..... خالدون ﴿۸۳﴾ "واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل" تورات میں اور میثاق سے مراد عہد شدید ہے۔ "لا تعبدون الا اللہ" ابن کثیر اور حمزہ اور کسائی نے "لا یعبدون" یاء کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے تاء کے ساتھ پڑھا۔ "لا تعبدون الا اللہ" اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے۔ "وقولوا للناس حسنا" لا تعبدون کا معنی لا تعبدوا ہے جب (اَن) کو حذف کیا گیا تو فعل مرفوع ہو گیا۔ حضرت ابی بن کعب نے "لا تعبدوا" پڑھا۔ "نھی" کے صیغہ پر "وبالوالدین" یعنی ہم نے ان کو حکم دیا، والدین کے ساتھ (احسانا) دونوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا اور اُن کے ساتھ مہربانی کرنے کا اور والدین کے ہر اس حکم کی اطاعت کرنے کا جو حکم خداوندی کے مخالف نہ ہو۔ "وذی القربی" اور قرابت والوں کے ساتھ اور قربیٰ حسنیٰ کی طرح مصدر ہے۔ "والیتامی" یتیم کی جمع ہے اور یتیم وہ بچہ ہوتا ہے جس کا باپ نہ ہو۔ "والمساکین" یعنی فقراء "وقولوا للناس حسنا" یعنی حضور علیہ السلام کے بارے میں سچ اور حق بات کہو۔

پس جو شخص بھی تم سے حضور علیہ السلام کے بارے میں پوچھے اس سے سچی بات کہو اور حضور علیہ السلام کی صفت بیان کرو اور اس کے امر کو چھپاؤ نہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباس سعید بن جبیر اور ابن جریج اور مقاتل (رضی اللہ عنہم) کا ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ لوگوں کو نیکی کا حکم کرو اور ان کو برائی سے منع کرو اور کہا گیا ہے کہ "قولوا للناس حسنا" کا معنی ہے کہ بات میں نرمی کرنا اور حسن خلق کے ساتھ باہمی گزران کرنا۔ حمزہ، کسائی اور یعقوب (رحمہم اللہ) نے "حَسَنًا" پڑھا ہے۔ حاء اور سین کی زبر کے ساتھ یعنی "قولا حَسَنًا" "واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ ثم تولیتم" تم نے عہد و پیمان سے اعراض کیا۔ "الا قلیلا منکم" یہ انہیں میں سے ایک قوم تھی جو ایمان لائے تھے۔ "وانتم معرضون" مثل اعراض کرنے تمہارے آباء کے۔

⑧٤ "واذ اخذنا میثاقکم لاتسفکون" یعنی نہیں بہاؤ گے "دماء کم" یعنی تمہارا بعض ، بعض کا خون نہ بہائے گا اور کہا گیا ہے تم نہ بہاؤ اپنے غیر کے خون کو پس وہ تمہارا خون بہائے گا۔ پس اس صورت میں گویا تم نے اپنا خون خود بہایا۔ "ولاتخرجون انفسکم من دیارکم" تمہارا بعض ، بعض کو اپنے گھر سے نہ نکالے اور کہا گیا کہ جو تمہارا پڑوس اختیار کرے اس کے لیے تم برے پڑوسی مت ثابت ہو کہ اپنے برے پڑوسی ہونے کی وجہ سے تم اسے نکلنے پر مجبور کردو۔ "ثم اقررتم" اس عہد کے ساتھ (تم نے اقرار کیا) کہ وہ حق ہے اور تم نے قبول کرلیا۔ "وانتم تشھدون" (تم گواہ رہو) آج بھی اس پرائے گروہ یہود اور قبول کرنے کا اعتراف کرتے ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ⑧٥

ترجمہ: پھر (اس صریح اقرار کے بعد) تم (جیسے ہو) یہ (آنکھوں کے سامنے موجود ہی) ہو (کہ) قتل و قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو ترکِ وطن بھی کراتے ہو (اس طور پر کہ) اُن اپنوں کے مقابلہ میں (اُن کی مخالف قوموں کی) امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ اور اگر ان لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ خرچ کرا کر رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات (بھی معلوم ہے) کہ تم کو اُن کا ترکِ وطن کرانا نیز ممنوع ہے کیا تو (پس یوں کہو کہ) کتاب (توریت) کے بعض (احکام) پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے سو اور کیا سزا ہونا چاہیے ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے بجز (اس کے کہ) رسوائی ہو دنیوی زندگانی میں اور روزِ قیامت بڑے سخت عذاب میں ڈال دیئے جاویں اور اللہ تعالیٰ کچھ بے خبر نہیں ہیں تمہارے اعمال (زشت) سے

تفسیر: ⑧٥ "ثم انتم ھٰؤلاء" یعنی یا ھٰؤلاء ، اور ھٰؤلاء" تنبیہ کے لیے ہے۔ "تقتلون انفسکم" یعنی تمہارا بعض ، بعض کو قتل کرتا ہے۔ "وتخرجون فریقامنکم من دیارھم تظاھرون علیھم" ظاء کی شد کے ساتھ یعنی "تظاھرون" اصل میں "تتظاھرون" تھا۔ تاء کو ظاء میں ادغام کردیا گیا۔ عاصم ، حمزہ ، کسائی (رحمہم اللہ) نے "تظاھرون" کو تخفیف کے ساتھ یعنی بغیر شد کے پڑھا ہے تو انہوں نے تفاعل کی تاء کو حذف کیا اور تاء خطاب کو باقی رکھا۔ مثل قول اللہ تعالیٰ کے "ولا تعاونوا" (بہرحال دونوں یعنی تخفیف و تشدید) صورتوں میں معنی "تتعاونوا" ہوگا یعنی تم مدد کرتے ہو اور ظہیر کا معنی عون ہے "بالاثم والعدوان" معصیت اور ظلم کے ساتھ۔ "وان یاتوکم اُسٰری" حمزہ نے "اَسْریٰ" پڑھا۔ دونوں صورتوں میں اسیر کی جمع ہے اور دونوں کا معنی ایک ہے۔ "تفادوھم" مال کے ساتھ تم ان کو چھڑاتے ہو۔ اہلِ مدینہ ، عاصم ، کسائی اور یعقوب

(رحمہم اللہ) نے "تفادوھم" پڑھا یعنی ان سے مبادلہ کرتے ہو مراد قیدی کو قیدی کے بدلہ چھوڑنا اور کہا گیا ہے دونوں قرأتوں کا معنی ایک ہی ہے۔ (یعنی تفادون باب تفاعل سے ہو یا باب مفاعلہ سے ہو۔)

آیت کا معنی علامہ سدی یوں بیان فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے تورات میں یہ عہد لیا تھا کہ بعض، بعض کو قتل نہیں کرے گا اور نہ تمہارا بعض، بعض کو گھر سے نکالے گا اور بنی اسرائیل کا کوئی غلام یا باندی تم پاؤ گے تو اسے جس قیمت پر خریدنا پڑے خرید کر آزاد کر دو گے۔ یہود کا قبیلہ بنو قریظہ انصار کے قبیلہ اوس کا حلیف تھا اور یہود کا قبیلہ بنو نضیر انصار کے قبیلہ خزرج کا حلیف تھا اور جنگ میں قتل کرتے۔

بنو قریظہ والے اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر لڑتے اور بنو نضیر اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر قتال کرتے اور جب (ان میں سے کوئی فریق دوسرے فریق پر) غالب آتا تو دوسروں کے شہروں کو خراب کرتے اور گھروں سے ان کو نکالتے اور فریقین میں سے کوئی آدمی اگر قید ہو جاتا تو مال جمع کر کے اس کو چھڑا لیتے۔ اگرچہ وہ قیدی ان کے دشمنوں سے ہوتا تو اہل عرب ان کو عار دلاتے اور کہتے کہ تم ان سے قتال بھی کرتے ہو اور فدیہ دے کر چھڑاتے بھی ہو؟

جواباً گروہ یہود کہتا کہ فدیہ دے کر اپنے قیدی کو چھڑانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اس پر عرب والے کہتے پھر ان سے لڑتے کیوں ہو؟ تو کہتے ہمیں اس بات کی شرم آتی ہے کہ ہمارے حلیف ذلیل ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر عار دلائی اور فرمایا "ثم انتم ھٰؤلاء تقتلون انفسکم" آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔

نظم کلام اس طرح ہے "وتخرجون فریقاً منکم من دیارھم تظاھرون علیھم بالاثم والعدوان (وھو محرم علیکم اخراجھم) وان یاتوکم اساری تفادوھم......"

پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے چار وعدے لیے۔ ❶ ترک قتال ❷ ترک اخراج ❸ ترک المظاہرہ علیھم مع اعداء ھم کہ ان کے دشمنوں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف معاونت نہ کریں گے۔ ❹ قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑائیں گے۔ انہوں نے تمام قسم کے معاہدوں سے اعراض کیا سوائے فدیہ دے کر چھڑانے کے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تو (اپنے بھائی کو) غیر کے ہاتھ میں پاتا ہے تو اس کا فدیہ دے کر چھڑا لیتا ہے اور تو خود اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہے۔ "فما جزاء من یفعل ذالک منکم" اے گروہ یہود "الا خزی" عذاب و ذلت "فی الحیاۃ الدنیا" تو بنو قریظہ کی رسوائی قتل اور قید ہو جانا تھا اور بنو نضیر کی رسوائی جلاوطنی اور شام کے علاقہ اریحا اور میدانی علاقے کھیتوں کی طرف ملک بدری تھی۔ "ویوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب" اور وہ آگ کا عذاب ہے۔ "وما اللہ بغافل عما تعملون" ابن کثیر، نافع اور ابوبکر رحمہم اللہ نے یاء کے ساتھ "یعملون" پڑھا ہے اور باقیوں نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے احکام کی مخالفت کر کے) دوسری زندگانی (کے حظوظ) کو لے لیا ہے بعوض (نجات) آخرت کے سو نہ تو اُن کی سزا میں (کچھ) تخفیف کی جاوے گی اور نہ کوئی اُن کی طرفداری (پیروی) کرنے پاوے گا اور ہم نے (اے بنی اسرائیل) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توریت) دی اور (پھر) اسکے بعد درمیان میں یکے بعد دیگرے (برابر مختلف) پیغمبروں کو بھیجتے رہے اور (پھر) ہم نے عیسیٰ بن مریم کو (نبوت کے) واضح دلائل عطا فرمائے اور ہم نے اُنکو روح القدس سے تائید دی کیا جب کبھی (بھی) کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمہارا دل نہ چاہتا تھا (جب ہی) تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا سو بعضوں کو تو تم نے (نعوذ باللہ) جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو (بے دھڑک) قتل ہی کر ڈالتے تھے اور وہ (یہودی افتخاراً) کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں (بلکہ) اُنکے کفر کے سبب اُن پر خدا کی مار ہے سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر: ﴿۸۶﴾ "اولئک الذین اشتروا" انہوں نے بدلا "الحیاۃ الدنیا بالآخرۃ فلا یخفف" ہلکا (نہ ہوگا) "عنهم العذاب ولا هم ینصرون" اللہ عزوجل کے عذاب سے روکے نہ جائیں گے۔

﴿۸۷﴾ "ولقد آتینا" ہم نے عطا کیا (موسیٰ الکتاب) تورات (دی) ایک ہی دفعہ "وقفینا" اور ہم نے پیچھے (بھیجا) "من بعدہ بالرسل" رسول کو بعد رسول کے "وآتینا عیسیٰ ابن مریم البینات" واضح نشانیاں اور یہ (نشانیاں) وہی ہیں جن کا ذکر سورۂ آل عمران اور مائدہ میں ہوا اور کہا گیا ہے کہ "بینات" سے مراد انجیل ہے "وایدناہ" انہیں ہم نے قوت بخشی۔ "بروح القدس" ابن کثیر نے "القدس" پڑھا۔ دال کی سکون کے ساتھ اور دوسروں نے دال کی ضمہ (پیش) کے ساتھ پڑھا اور یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے کہ "رُعْب" اور "رُعُب" ہے۔ روح القدس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ ربیع وغیرہ نے کہا روح سے مراد وہ ہے جس میں پھونک نہ ہو۔ قدس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخصیص وتکریم کی خاطر روح کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ یعنی وہ جو اس میں پھونکی گئی۔ یہ (اضافت روح اللہ تعالیٰ کی طرف) ایسے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ کی (اضافت الی اللہ تشریفاً وتکریماً ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فنفخنا فیه من روحنا" "وروح منه" اور کہا گیا ہے کہ قدس سے مراد طہارت ہے یعنی روح طاہر و پاکیزہ روح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی روح کو اللہ تعالیٰ نے قدس اس لیے

فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے تو صلب پدر نے اپنے اندر لیا اور نہ حیض والے رحم ان پر مشتمل ہوئے۔

وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے امر میں سے ایک امر تھے۔ حضرت قتادہ، سدی، ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور کہا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کا وصف قدس یعنی طہارت اس لیے ذکر کیا گیا کہ انہوں نے کبھی بھی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قدس سے مراد خود رب قدس کی ذات اقدس ہے اور روح حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید بذریعہ جبرئیل علیہ السلام اس طرح تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا کہ جہاں کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جائیں تم وہیں ان کے ساتھ جاؤ۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ کہا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح کا نام ان کی لطافت کی وجہ سے دیا گیا اور اس لیے بھی روح کہا گیا کہ وحی الٰہی کے حوالے سے ان کا خاص مرتبہ ہے جو کہ حیات قلوب کا سبب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روح القدس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم ہے جس کے طفیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ فرماتے تھے اور لوگوں کو عجیب (نشانیاں) دکھاتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد انجیل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے روح قرار دیا جس طرح کہ قرآن کریم کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روح قرار دیا گیا کیونکہ وہ (انجیل) حیات قلوب کا سبب تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا" جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر سنا تو بولے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح عمل کیا جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے اور نہ ان نبیوں کی طرح تم نے کیا جیسا کہ ان کے حالات و واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے پاس وہی کچھ لاؤ جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا اگر تم سچے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "افکلما جاء کم" اے گروہ یہود "رسول بما لاتھوی انفسکم استکبرتم" تم نے تکبر کیا اور ایمان قبول کرنے سے اپنے آپ کو تم نے عظیم سمجھا۔ "ففریقا" ایک گروہ کو "کذبتم" جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ "وفریقا تقتلون" یعنی تم نے قتل کیا جیسے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت شعیا علیہم السلام اور دوسرے نبی جو قتل کیے گئے۔

① "وقالوا" یعنی یہود نے کہا "قلوبنا غلف" "غلف" جمع اغلف کی ہے اور وہ ہے جس پر پردہ ہو اس کا معنی ہے ان دلوں پر پردہ ہے۔

پس نہ وہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں جو کچھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ حضرت مجاہد، حضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وقالوا قلوبنا فی اکنۃ" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "غلف" لام کی پیش کے ساتھ پڑھا اور یہ اعرج کی قرأت ہے اور یہ غلاف کی جمع ہے۔ اُن کی اس کہنے سے مراد یہ تھی کہ ہمارے دل ہر علم کا برتن ہیں لہٰذا ہم تیرے علم کے محتاج نہیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء رحمہ اللہ نے یہی فرمایا۔

کلبی کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ (ہمارے دل) ہر قسم کے علم کے برتن ہیں۔ پس یہ دل جو بات بھی سنتے ہیں اسے محفوظ کر لیتے ہیں مگر تمہاری بات! کہ نہ تو اس کو سمجھتے ہیں اور نہ محفوظ رکھتے ہیں۔ اگر تمہاری بات میں کچھ خیر ہوتی تو ہمارے دل اس کو محفوظ کر لیتے اور سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بل لعنھم اللہ" انہیں دھتکار دیا اور ہر خیر سے دور کر دیا "بکفرھم فقلیلا ما یؤمنون" حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے بہت تھوڑے ایمان لائیں گے اس لیے کہ مشرکین میں سے جو لوگ ایمان لائے ان کی تعداد زیادہ ہے ان ایمان لانے والوں سے جو یہود میں سے ایمان لائے یعنی بہت تھوڑے ایمان لائے ہیں۔ "قلیلا" کی نصب حال ہونے کی بنیاد پر ہے۔ حضرت معمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "لا یؤمنون الا بقلیل" کہ یہ لوگ نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے کے ساتھ جو کچھ ان کے پاس ہے ان کے ہاتھوں میں ہے اور اکثر کے ساتھ یہ کفر کرتے ہیں یعنی وہ قلیل ہے جس کے ساتھ یہ ایمان لائے ہیں اور "قلیلا" کی منصوب بنزع الخافض ہے۔ گویا اصل عبارت یوں تھی "بقلیل یؤمنون" اور حرف (ما) دونوں اقوال کے مطابق صلہ ہے اور واقدی کہتے ہیں اس کا معنی یوں ہے کہ "لا یؤمنون الا قلیلا ولا کثیرا" کہ یہ لوگ بالکل ایمان لاتے ہی نہیں نہ تھوڑا نہ زیادہ۔

(حضرت مفسر رحمہ اللہ کی مراد یہ ہوئی کہ قلیل کا ذکر کر کے کثیر کی طرف اشارہ کر دیا گیا جس طرح بیدک الخیر کے ذکر سے اس کے مدمقابل مفہوم کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا پھر جیسے رب المشرق سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ رب المشرق بھی ہے اور رب المغرب بھی تو گویا کہ اس سے مراد مکمل نفی ہے۔ مترجم) جیسے کوئی دوسرے کو کہے "ما اقل ما تفعل کذا" بہت تھوڑا ہے جو تو یہ کرے یعنی تو یہ کام بالکل نہیں کرے گا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: اور جب اُنکو ایک ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو منجانب اللہ ہے (اور) اُس (کتاب) کی (بھی) تصدیق کرنیوالی ہے جو (پہلے سے) اُنکے پاس ہے (یعنی توریت) حالانکہ اس کے قبل خود بیان کیا کرتے تھے کفار سے مگر پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ (جانتے) پہچانتے ہیں۔ اس کا (صاف) انکار کر بیٹھے سو (بس) خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر وہ حالت (بہت ہی) بری ہے جسکو اختیار کر کے وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں (اور وہ حالت) یہ (ہے) کہ کفر کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالےٰ نے نازل فرمائی محض (اسی) ضد پر کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر اُس کو منظور ہو نازل فرماتے ہیں تو یہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کفر کرنیوالوں کو ایسی سزا ہو گی جس میں (علاوہ تکلیف کے) ذلت بھی ہے۔

تفسیر ⑧⑨ "ولما جاء ھم کتاب من عند اللّٰہ" کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ "مصدق لما معھم" یعنی تورات "و کانوا" یعنی یہود (تھے) (من قبل) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے۔ "یستفتحون" نصرت طلب کرتے "علی الذین کفروا" مشرکین عرب پر اور یہ اس طرح جب کوئی بات ان کو غم میں ڈالتی یا دشمن ان پر چڑھ دوڑتا تو وہ کہتے یا اللہ! ہماری اس نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھیجے ہوئے کی برکت سے نصرت فرما جس کا بیان ہم تورات میں پاتے ہیں۔ پس ان کی نصرت کی جاتی تھی اور مشرک دشمنوں کو کہتے تھے کہ اس نبی کی تشریف آوری کا وقت قریب آ چکا ہے جو ہماری باتوں کی تصدیق لے کر آئیں گے۔ تو ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں ایسا قتل کریں گے جیسے کہ قوم عاد، قوم ثمود اور ارم کو قتل کیا جا رہا ہو۔ "فلما جاء ھم ما عرفوا" یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ بنی اسرائیل سے نہ تھے اور یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کو جان لیا۔ "کفروا بہ" حسد اور حسد کی وجہ سے "فلعنۃ اللّٰہ علی الکافرین"

⑨⓪ "بئسما اشتروا بہ انفسھم" بئس اور نعم دونوں فعل ماضی ہیں جن کو مدح اور ذم کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ باقی افعال کی طرح ان کی گردان نہیں ہوتی۔ اس آیت کا معنی ہوگا بہت بری چیز تھی جس کو انہوں نے اپنی ذات کیلئے پسند کیا جبکہ انہوں نے باطل کو حق کے بدلے لیا اور کہا گیا ہے کہ اس جگہ اشتراء بمعنی بیچ ہے اور معنی اس طرح ہوگا کہ برا ہے وہ کچھ جس کے بدلے انہوں نے اپنی ذات کا نصیب (آخرت) بیچ دیا۔ یعنی انہوں نے کفر کو اختیار کیا اور اپنی ذات کو آگ کے لیے خرچ کر ڈالا۔ "ان یکفروا بما انزل اللّٰہ" یعنی قرآن کریم "بغیا" یعنی حسد بغی کا اصل (معنی) فساد ہے۔ کہا جاتا ہے بغی الجرح۔

جب زخم خراب ہو جائے اور بغی بمعنی ظلم کا اصل معنی طلب ہے اور باغی طالب ظلم کو کہتے ہیں اور حاسد محسود پر حق الوسع ظلم کرتا ہے اس امر کے طلب کے سلسلہ میں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت زائل ہو جائے۔

"ان ینزل اللّٰہ من فضلہ" یعنی نبوت اور کتاب "علی من یشاء من عبادہ" محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ اور اہل بصرہ نے "ینزل" اور اس باب سے آنے والے ان تمام افعال کو (جو قرآن میں مذکور ہیں) تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے سوائے "سبحان الذی" کی دو جگہوں میں "وننزل من القرآن" اور "حتی تنزل علینا کتاباً نقرؤہ" نیز بصریوں نے سورۃ انعام میں "ان ینزل آیۃ" کو شد دی ہے۔ یعقوب نے سورۃ نحل میں آنے والے ینزل کو شد دی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے "وینزل الغیث" کی تخفیف میں موافقت کی جو کہ سورۃ لقمان میں ہے اور "حمعسق" میں ہے اور دوسرے سب کو شد دیتے ہیں اور سورۃ الحجر میں "وما ننزلہ الا بقدر" کی تشدید میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

"فباؤ" لوٹے (بغضب علی غضب) یعنی غضب کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا غضب (ان پر جو ہوا) وہ تورات کو ضائع اور تبدیل کرنے کی وجہ سے دوسرا غضب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا غضب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے اور دوسرا غضب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے انکار کرنے کی وجہ سے۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں پہلا غضب بچھڑے

کی پوجا کرنے کی وجہ سے اور دوسرا غضب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے "وللکافرین" نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے ہر قسم کے لوگوں کے لیے "عذاب مھین" رسوا کن عذاب جس میں انھیں ذلیل کیا جائے گا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ط قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ط قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ (ان تمام) کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے (متعدد پیغمبروں پر) نازل فرمائی ہیں تو کہتے ہیں ہم تو (صرف) اُس (ہی) کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے (یعنی توریت) اور جتنی اُس کے علاوہ ہیں اُن سب کا حالانکہ وہ بھی حق ہیں اور تصدیق کرنیوالی بھی ہیں اُن کی جو اُنکے پاس ہیں (یعنی توراۃ کی) آپ کہیے کہ (اچھا تو) پھر کیوں قتل کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو پہلے زمانہ میں اگر تم (توراۃ پر) ایمان رکھنے والے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تم لوگوں کے پاس صاف صاف دلیلیں لائے (مگر) اس پر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کرلیا موسیٰ علیہ السلام کے (طور پر جانے کے) بعد اور تم (اس تجویز میں) ستم ڈھا رہے تھے اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا اور طور کو تمہارے (سروں کے) اُوپر لا کھڑا کیا تھا (اور حکم دیا کہ) لو جو کچھ (احکام) ہم تم کو دیتے ہیں ہمت (اور پختگی) کے ساتھ اور سنو اس وقت انھوں نے زبان سے (تو) کہہ دیا کہ ہم نے سن لیا اور ہم سے عمل نہ ہوگا اور (وجہ اسکی یہ ہے کہ) اُنکے قلوب میں وہی گوسالہ پیوست ہو گیا تھا اُنکے کفر (سابق) کی وجہ سے آپ فرما دیجئے کہ یہ افعال بہت بُرے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے اگر تم (اب بھی) اہل ایمان ہو۔

تفسیر: ﴿۹۱﴾ "واذا قیل لھم آمنوا بما انزل اللّٰہ" یعنی قرآن "قالوا نؤمن بما انزل علینا" یعنی تورات ہمیں یہی کافی ہے۔ "ویکفرون بما وراءہ" یعنی جو تورات کے ماسوی کتب ہیں جیسے اللہ عزوجل کا قول ہے "فمن ابتغی وراء ذالک" یعنی اس کے سوا حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بما وراءہ کا معنی ہے بما بعدہ (یعنی ہم انکار کرتے ہیں جو تورات کے بعد کتب ہیں انجیل و قرآن)"وھو الحق" یعنی قرآن (مصدقا) حال ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے۔ "لما معھم" تورات سے (قل) ان کو (کہیے) یا محمد "فلم تقتلون" یعنی تم نے قتل کیا (انبیاء اللہ من قبل) اور "لِمَ" اس کا اصل "لِمَا" ہے۔ خبر اور استفہام میں فرق کے لیے الف کو حذف کر دیا گیا جس طرح کہ ان کا "فِیْمَ" اور "بِمَ" کہنا ہے۔ "ان کنتم مؤمنین" تورات کے ساتھ حالانکہ تمہیں تورات میں قتل انبیاء علیہم السلام سے منع کیا گیا ہے۔

⑫"ولقد جاء کم موسٰی بالبینات" واضح دلائل اور روشن وظاہر معجزات۔"ثم اتخذتم العجل من بعدہ" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہاڑ کی طرف چلے جانے کے بعد"وانتم ظالمون"

⑬"واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما آتیناکم بقوۃ واسمعوا" یعنی قبول کرو (لبیک کہو) اور اطاعت کرو طاعت اور قبول کرنے کو سننا مجازاً کہا گیا ہے کیونکہ سننا طاعت اور قبولیت کا سبب ہے۔"قالوا سمعنا" تیری بات کو"وعصینا" تیرے امر کی (نافرمانی کی) اور کہا گیا ہے کہ سمعنا وعصینا کا معنی یوں ہوگا کہ سنا ہم نے کان سے اور نافرمانی کی ہم نے دل سے۔

اہل معانی فرماتے ہیں کہ انہوں نے "سمعنا وعصینا" کا لفظ زبان سے نہیں کہا تھا لیکن جب انہوں نے سنا اور نافرمانی کے ساتھ پیش آئے تو اس طرز عمل کو مجازاً قول کی طرف نسبت کی گئی"واشربوا فی قلوبھم العجل بکفرھم" بچھڑے کی محبت اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت داخل کی گئی اور دلوں میں اس کا اختلاط ہوا جیسے رنگ کی آمیزش ہوتی ہے۔ زبردست تعلق کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

"فلان اشرب اللون" یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کا سپید رنگ سرخ رنگ کے ساتھ خلط ملط ہو جائے۔ قصص میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ بچھڑے کو (جو سونے کا تھا) ریتی کے ساتھ رگڑا جائے۔ پھر اس کا سفوف دریا میں بکھیر دیا جائے (ایسا کیا گیا) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس دریا سے پینے کا حکم دیا۔ پس جس شخص کے دل میں بچھڑے کی محبت کا کچھ حصہ بھی باقی تھا اس دریا کا پانی پینے والے پر سونے...... ظاہر ہوا۔

"قل بئسما یامرکم بہ ایمانکم" یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کرو۔ یعنی ایسا ایمان برا ایمان ہے جو بچھڑے کی پوجا کرنے کا حکم دے۔"ان کنتم مؤمنین" اپنے دعویٰ کے مطابق اور یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا تھا"نؤمن بما انزل علینا" جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ پس اللہ عزوجل نے ان کو جھٹلایا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

(ترجمہ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر (بقول) تمہارے عالم آخرت محض تمہارے ہی لئے نافع ہے بلا شرکت غیرے تو تم (اس کی تصدیق کیلئے ذرا) موت کی تمنا کر (کے دکھلا) دو اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو اور وہ ہرگز کبھی اس (موت) کی تمنا نہ کریں گے بسبب (خوف سزا) ان اعمال (کفریہ) کی جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور حق تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے

ان ظالموں (کے حال) کی اور آپ (تو) اُن کو حیات (دنیویہ) کا حریص اور (عام) آدمیوں سے (بھی) بڑھ کر پاویں گے اور مشرکین سے بھی ان میں کا ایک ایک (شخص) اس ہوس میں ہے کہ اُس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے اور عذاب سے تو نہیں بچا سکتا کہ (کسی کی بڑی) عمر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے سب کچھ پیش نظر ہیں اُن کے اعمال (بد)

تفسیر ۹۴ "قل ان کانت لکم الدار الآخرۃ عند اللّٰہ" اور یہ اس لیے کہ یہود باطل دعوے کے لیے مثلاً ان کا کہنا "لن تمسّنا النار الا ایاما معدودہ" (کہ ہمیں صرف چند دن آگ چھوئے گی) اور "لن یدخل الجنۃ الامن کان ھودا او نصاری" (یہود ہیں کہ کہتے جنت میں صرف یہودی جائیں گے۔ نصاریٰ کہتے کہ جنت میں صرف نصرانی جائیں گے) اور ان کا یہ کہنا "نحن ابناء اللّٰہ واحباؤہ" (ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور دوست ہیں) پس اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلایا اور ان پر حجت کو لازم کیا۔ پس فرمایا آپ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرمادیجئے اگر آخرت کا گھر (جنت) عند اللہ تمہارے لیے ہے (خالصۃ) یعنی خاصتاً (صرف) تمہارے لیے۔

"من دون الناس فتمنوا الموت" یعنی پس موت کا ارادہ کرو یا موت مانگو اس لیے کہ جس شخص کو یقین ہے کہ اس کا ٹھکانہ جنت ہے تو وہ اس جنت کی طرف مشتاق ہوتا ہے اور جنت میں داخل ہونے کی صورت سوائے موت کے بعد کے اور کوئی نہیں ہے۔ پس آرزو کر کے موت کو جلدی حاصل کرو۔ "ان کنتم صادقین" اپنی بات میں (اگر سچے ہو) اور کہا گیا ہے کہ "فتمنوا الموت" کا معنی ہے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس فراق کے عذاب شدید سے خلاصی کے لئے موت مانگو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ یہودی موت کی تمنا کرتے تو اس وقت ہر شخص ان میں سے اپنے آپ ہی سے گلا گھٹ جاتا اور روئے زمین پر ایک بھی یہودی باقی نہ رہتا سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔

۹۵ "ولن یتمنوہ ابداً بما قدمت ایدیھم" ان کا موت کی آرزو نہ کرنا بایں وجہ کہ انہیں اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہونے کا علم تھا اور "ماقدمت ایدیھم" سے مراد ان کے وہ اعمال ہیں جو انہوں نے آگے بھیجے اور عمل کی نسبت ہاتھ کی طرف اس لیے کی گئی کیونکہ انسان کے اکثر تصور ہاتھ سے ہوتے ہیں۔ پس اس کے اعمال کی نسبت ہاتھ کی طرف کی گئی۔ اگرچہ ان اعمال میں ہاتھ کا کچھ بھی عمل دخل نہ ہو۔ "واللّٰہ علیم بالظالمین"……

۹۶ (ولتجدنھم) "اس میں لام لام قسم ہے اور نون قسم کی تاکید کے لیے ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "واللّٰہ لتجدنھم یا محمد" اس سے مراد یہود "احرص الناس علیٰ حیاۃ ومن الذین اشرکوا" کہا گیا ہے کہ یہ "ومن الذین اشرکوا" اول کے ساتھ متصل ہے یعنی مشرکوں سے بھی زیادہ زندگی پر حریص ہیں اور کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "علیٰ حیاۃ" پر بات تمام ہوگئی۔ پھر "ومن الذین اشرکوا" سے ابتداء کی گئی اور "الذین اشرکوا" سے مراد مجوس (آتش پرست) مراد ہیں۔

ابوالعالیہ اور ربیع نے کہا مجوس کو مشرکین اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ نور اور ظلمت کا قول کرتے ہیں (یعنی نور و ظلمت اور خیر و شر کے خالق جدا جدا مانتے ہیں اور نور اور خیر کا خالق یزداں کو کہتے ہیں اور ظلمت اور شر کا خالق اھرمن کو تسلیم کرتے ہیں۔ مناسب:

مترجم)"ود" ارادہ کرتا ہے آرزو کرتا ہے "احدھم لو یعمر الف سنۃ" یعنی ہزار سال زندگی کی آرزو کرتا ہے۔ ہزار سال زندہ رہنا ان الفاظ کے ساتھ دُعا کرنا مجوس کا باہمی سلام تھا۔ وہ کہتے تھے "عش الف سنۃ وکل الف نیروز ومہرجان" تو ہزار سال زندہ رہو اور ہزار نیروز اور مہرجان کھا (نیروز، مہرجان، فارس میں دو عیدیں منائی جاتی تھیں)۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہود مجوس سے بھی زیادہ زندگی پر حریص ہیں جو کہ ہزار سال زندہ رہنے کی دُعا کرتے تھے۔ "وما ھو بمزحزحہ" اس کو دور کرنے والا نہیں۔ "من العذاب" آگ سے "ان یعمر" اس کی عمر کا لمبا ہونا اسے عذاب سے دور نہیں کرے گا اور "زحزح" (فعل) متعدی بھی ہے لازم بھی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "زحزحتہ فتزحزح" میں نے اس کو دور کیا۔ پس وہ دور ہو گیا اور یوں بھی کہا جاتا ہے "زحزحتہ فزحزح" یعنی میں نے اس کو دور کیا، پس وہ دور ہو گیا۔ "واللہ بصیر بما یعملون" یعقوب نے تاء کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے یاء کے ساتھ۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞

ترجمہ: آپ (ان سے) یہ کہئے کہ جو شخص جبریلؑ سے عداوت رکھے سو انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے اس کی (خود) یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی (سماوی) کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو۔

تفسیر: ۹۷ "قل من کان عدوا لجبریل" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہود کے بہت بڑے علماء میں سے ایک عالم جسے عبداللہ بن صوریا کہا جاتا تھا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا۔ آسمان سے کون سا فرشتہ تیرے پاس آتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام اس یہودی عالم نے کہا فرشتوں میں سے جبرئیل علیہ السلام فرشتہ ہمارا دشمن ہے اگر وحی لانے والا میکائیل علیہ السلام فرشتہ ہوتا تو ہم آپ پر ایمان لاتے۔

جبرئیل علیہ السلام تو ہمارے اوپر عذاب قتال اور سختی لے کر نازل ہوا اور اس نے ہمارے ساتھ بارہا دشمنی کی ہے اور ان دشمنیوں میں سے جو سخت دشمنی جبرئیل علیہ السلام نے ہم سے کی وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی علیہ السلام پر یہ بات نازل فرمائی تھی کہ بیت المقدس ایک ایسے شخص کے ہاتھوں خراب ہوگا جسے "بخت نصر" کہا جاتا ہوگا اور ہمیں اس وقت کی بھی خبر دی جس وقت وہ بیت المقدس کو خراب کرے گا۔ جب اس کا وقت آیا تو ہم نے بنی اسرائیل میں سے ایک مضبوط انسان کو بخت نصر کی طلب میں بھیجا تاکہ اسے وہ قتل کرے، ہمارا آدمی گیا، یہاں تک کہ اسے بابل میں اس حال میں ملا جب کہ بخت نصر مسکین تھا، لڑکا تھا، ہمارے آدمی نے اسے پکڑا تاکہ اسے قتل کرے تو جبرئیل علیہ السلام نے اس کو بچایا۔ پھر بخت نصر بڑا ہوا مضبوط ہوا اور اس نے ہم سے لڑائی لڑی اور بیت المقدس کو خراب کیا۔ اس لیے ہم جبرئیل علیہ السلام کو دشمن کہتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہود نے کہا کہ بے شک جبرئیل علیہ السلام ہمارا دشمن ہے اس لیے کہ جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ نبوت ہمارے اندر کرے، پس اس نے نبوت کا (منصب) ہمارے غیر میں کر دیا۔

حضرت قتادہ، عکرمہ اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ سے اوپر کی طرف زمین تھی اور ان کا گزرنا یہود کے مدارس کے پاس سے ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنی زمین پر جاتے تو یہود کے پاس بھی آتے اور اُن سے کچھ سنتے۔ یہود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں۔ وہ ہمارے مدارس کے پاس سے گزرتے ہیں تو ہمیں ایذا دیتے ہیں اور آپ ہمیں ایذا نہیں دیتے۔ بے شک ہم تم میں اُمید رکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ کی قسم میں تمہارے پاس تمہاری محبت کی وجہ سے نہیں آتا اور نہ میں تم سے اس لیے پوچھ پاچھ کرتا ہوں کہ مجھے اپنے دین کے بارے میں شک ہے۔ میں تو تمہارے پاس اس لیے آتا ہوں تاکہ مجھے حضور علیہ السلام کے بارے میں بصیرت کے لحاظ سے اضافہ ہو اور حضور علیہ السلام کی علامات تمہاری کتاب میں دیکھوں۔ اس پر یہود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرشتوں میں سے کون ہے جو تمہارے نبی کے پاس آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام اس پر یہود نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے راز پر مطلع کرتا ہے اور جبرئیل علیہ السلام ہم پر عذاب، دھنسانا، قحط سالی اور ہر قسم کی تنگی لانے والا ہے اور حضرت میکائیل علیہ السلام جب بھی لاتا ہے تو خوشحالی لاتا ہے سلامتی لاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا، جبرئیل علیہ السلام کو جانتے ہو مانتے اور محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے بتاؤ کہ جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا مقام ہے۔ وہ کہنے لگے جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی دائیں طرف ہیں اور میکائیل علیہ السلام بائیں طرف اور میکائیل علیہ السلام جبرئیل علیہ السلام کا دشمن ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پس میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک جو شخص حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دشمن ہے پس وہ حضرت میکائیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے اور جو شخص حضرت میکائیل علیہ السلام کا دشمن ہے پس وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے اور جو شخص ان دونوں کا دشمن ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کا دشمن ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر حضور علیہ السلام کے پاس لوٹ آئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پایا کہ وہ وحی لے کر پہلے آچکے تھے تو حضور علیہ السلام نے یہ آیات پڑھیں۔ پھر فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! تیرے رب نے تیرے ساتھ موافقت کی ہے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اس کے بعد اپنے آپ کو دین میں پتھر سے زیادہ سخت دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "قل من کان عدوا لجبریل فانہ" یعنی جبرئیل علیہ السلام "نزلہ" یعنی قرآن کو یہ ضمیر راجع کی گئی ہے۔ قرآن کریم کی طرف جو کہ پہلے مذکور نہیں ہے۔ "علی قلبک" یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم "باذن اللہ" اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ (مصدقا) موافق ہے "لما بین یدیہ" ان کتابوں کے جو اس سے پہلے ہیں۔ "وھدی و بشری للمؤمنین"

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ جو (کوئی) شخص خدا کا دشمن ہو اور فرشتوں کا (ہو) اور پیغمبروں کا (ہو) اور جبریل کا (ہو) اور میکائیل کا (ہو) تو (ان سب کا وبال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا اور ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائل واضحہ نازل کئے ہیں اور (قاعدہ کلیہ ہے کہ) کوئی انکار نہیں کیا کرتا (ایسے دلائل کا) مگر صرف وہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں کیا اور جب کبھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا ہوگا (ضرور) اسکو ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر دیا ہوگا بلکہ ان میں سے زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے (جو میرے کئے ہوئے اس عہد کا) یقین ہی نہیں رکھتے۔

تفسیر ﴿۹۸﴾ "من کان عدوا للّٰہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال" جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام کو تمام فرشتوں میں سے خاص طور پر ذکر کیا حالانکہ یہ دونوں فرشتے اللہ تعالیٰ کے اس قول "وملائکتہ" میں داخل ہیں۔ یہ محض فضیلت اور خاص کرنے کے لیے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "فیھما فاکھۃ ونخل ورمان" کھجور اور انار کو علیحدہ ذکر کیا حالانکہ یہ دونوں "فاکھۃ" کے اندر داخل ہیں یہ بھی فضیلت کے لیے ہے اور دونوں میں واؤ بمعنی او ہے یعنی جو ان میں سے کسی ایک کا دشمن ہے پس وہ سب کا دشمن ہے۔ اس لیے کہ ایک کا کافر سب کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔ "فان اللّٰہ عدو للکافرین" حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جبر، میک، اسراف یہ سریانی زبان میں بمعنی عبد ہیں اور آل اور ایل یہ اللہ تعالیٰ ہے۔ دونوں کا معنی عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے اور ابن کثیر نے (جبرئیل علیہ السلام) جیم کی زبر کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ "فَعْلِیْل" کے وزن پر۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "وَجِبْرِیْلُ رسول اللّٰہ فینا: وروح القدس لیس لہ کفاء" حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے ہمزہ کے ساتھ اور (کسرہ) کی اشباع کے ساتھ پڑھا ہے۔ بروزن (سلسبیل) اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اختلاس کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہمزہ کے بغیر "جَبْرَئِل" پڑھا اور باقیوں نے جیم کی کسرہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا اور میکائیل کو ابو عمر اور یعقوب اور حفص رحمہم اللہ نے (میکال) پڑھا۔ جریر کہتا ہے

عبدوا الصلیب وکذبوا بمحمد وبجبرائیل وکذبوا میکال

ایک اور کہتا ہے۔

"ویوم بدر لقیناکم لنا مدد فیہ مع نصر جبریل ومیکال"

نافع اور اہل مدینہ ہمزہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور اختلاس کے ساتھ بھی پڑھا ہے یعنی بغیر ہمزہ کے پڑھا بروزن میکال اور باقیوں نے ہمزہ اور اشباع کے ساتھ پڑھا بروزن میکائیل علیہ السلام۔ ابن صوریا نے حضور علیہ السلام سے

کہا تم ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے ہو جس کو ہم پہچانتے ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

۹۹ "ولقد انزلنا الیک آیات بینات" واضح اور حلال وحرام اور حدود واحکام کی تفصیل کے ساتھ۔ "وما یکفر بھا الا الفاسقون" حکم خداوندی سے نکلنے والے

۱۰۰ "او کلما" واؤ عطف پر الف استفہام داخل ہوئی۔

"عاھدوا عھدا" یعنی یہود نے معاہدہ کیا اگر (نبی آخر الزمان) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم ان کے ساتھ ضرور ایمان لائیں گے۔ پس جب ان کی طرف حضور علیہ السلام تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہوں نے کفر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضور علیہ السلام نے ان کو وہ عہد یاد دلایا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا اور ان کو حضور علیہ السلام کے بارے میں تاکید کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو مالک بن صیف نے کہا "واللہ ما عھد الینا عھداً فی محمد" کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کسی قسم کی تاکید نہیں کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس پر ابو رجا۔

عطاردی کی قرأت دلالت کرتی ہے جو کہ یوں ہے "اَوْ کلماعو ھدوا" پس عطاردی نے یہود کو مفعول بنایا "مفعول مالم یسم فاعلہ" حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان معاہدوں سے مراد وہ عہد ہیں جو کہ یہود اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھے کہ یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قتال میں مشرکین کی مدد نہیں کریں گے۔ پس انہوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا جیسے بنو قریظہ اور بنو نضیر کا عمل رہا۔ اس مفہوم پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے "الذین عاھدت منھم ثم ینقضون عھدھم" (وہ لوگ جن کے ساتھ آپ نے عہد کیا پھر انہوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا)۔ "نبذہ" اس کو پھینک دیا اور توڑ دیا۔ "فریق" چند گروہ "منھم" یہود سے "بل اکثرھم لایؤمنون"

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ط وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ط وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ط وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

(ترجمہ) اور جب اُنکے پاس ایک (عظیم الشان) پیغمبر آئے اللہ کی طرف سے جو تصدیق بھی کر رہے ہیں اُس کتاب کی جو اُن لوگوں کے پاس ہے (یعنی توراۃ کی) ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو پس پشت ڈال دیا جیسے اُن کو گویا (اُس کے مضمون کا) اصلاً علم ہی نہیں اور انھوں نے ایسی چیز کا (یعنی سحر کا) اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین (یعنی خبیث جن) حضرت سلیمان علیہ السلام کے (عہد) سلطنت میں اور حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا مگر (ہاں) شیاطین (بیشک) کفر (سحر) کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی (اس) سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے اور اس (سحر) کا بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں (جن کا نام) ہاروت ماروت (تھا) اور وہ دونوں کسی کو نہ بتلاتے جب تک یہ (نہ) کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان (خداوندی) ہے سو تو کہیں کافر مت بن جائیو (کہ ایسی پھنس جائے) سو (بعضے) لوگ اُن دونوں سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جسکے ذریعہ سے (عمل کرکے) کسی مرد اور اسکی بیوی میں تفریق پیدا کرادیتے تھے اور یہ (ساحر) لوگ اس کے ذریعہ سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے (تقدیری) حکم سے اور ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو (خود) اُن کو ضرر رساں ہیں اور اُن کو نافع نہیں ہیں اور ضرور یہ (یہودی) بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ (باقی) نہیں اور بیشک بُری ہے وہ چیز (یعنی سحر و کفر) جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں کاش اُن کو (اتنی) عقل ہوتی۔

(تفسیر) ● "ولما جاءھم رسول من عنداللّٰہ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظھورھم" یعنی تورات اور کہا گیا ہے کہ یہاں کتاب اللہ سے مراد قرآن پاک ہے۔ "کانھم لا یعلمون" علامہ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تورات پڑھتے تھے اور اس کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تورات کو انھوں نے ریشم اور دیباج میں لپیٹا اور سونے اور چاندی کے زیورات چڑھائے اور اس پر عمل نہ کیا۔ پس یہ یہاں کا تورات کو پھینک دینے کا مفہوم

● "واتبعوا" یعنی یہود "ماتتلوا الشیاطین" جو کچھ انھوں نے تلاوت کی عرب مستقبل کو ماضی کی جگہ رکھا کرتے ہیں اور ماضی کو مستقبل کی جگہ پر اور کہا گیا ہے "ماتتلوا" بمعنی "ما کانت تتلوا" یعنی جو تم پڑھتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "تتلوا" بمعنی پیروی کرتے اور اس کے ساتھ عمل کرتے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "تتلو" بمعنی "تحدث وتتکلم بہ" یعنی بیان کرتے اور اس کے ساتھ بولتے (علی ملک سلیمان) یعنی اس کے ملک میں اور عہد میں آیت کریمہ کا قصہ یوں ہے۔ شیاطین نے جادو لکھا اور شعبدہ بازیاں۔ آصف بن برخیا کی زبان پر لکھیں۔ یہ وہ کچھ جو آصف بن برخیا نے سلیمان بادشاہ کو سکھائیں پھر شیاطین نے ان کتابوں کو حضرت سلیمان کے مصلی کے نیچے دفن کردیا۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملک چھین لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم نہ ہوا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام فوت ہوئے تو شیاطین نے ان کتابوں

کو نکالا اور لوگوں کو کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس جادو کے زور سے تم پر بادشاہ بنے رہے۔ پس لوگوں نے اس جادو کو سیکھا۔

بہر حال علماء و صلحاء بنو اسرائیل نے کہا "معاذ اللہ" یہ علم علم سلیمانی نہیں ہو سکتا۔ بہر حال نچلے طبقے کے لوگ (عوام الناس) کہنے لگے یہ علم سلیمانی ہے اور اس کے سیکھنے کے درپے ہو گئے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی کتب کو چھوڑ دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلاف ملامت عام ہو گئی اور یہی صورت حال باقی رہی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی برأت (اس سفلی علم سے) نازل فرمائی۔ یہ کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے سدی کہتے ہیں شیاطین آسمان کی طرف چڑھتے تھے اور فرشتوں کی کلام سنتے جس کا تعلق زمین کے حالات سے ہوتا کسی کی موت وغیرہ۔

پھر وہ شیاطین کاہنوں کے پاس آتے اور جو کچھ آسمان سے کلام سنتے اس کے ہر کلمہ کے ساتھ ستر (۷۰) جھوٹ ملاتے اور اس کی خبر کاہنوں کو دیتے۔ لوگوں نے ان چیزوں کو لکھ لیا اور بنی اسرائیل میں یہ بات عام ہو گئی کہ جن غیب جانتے ہیں۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں میں (کارندے) بھیجے اور ان کتابوں کو جمع کیا اور ان کتابوں کو صندوق میں رکھا۔

اور وہ صندوق اپنی کرسی (تخت) کے نیچے دفن کر دیا اور فرمایا کہ میں کسی کو یہ کہتے نہ سنوں کہ جن غیب جانتے ہیں ورنہ میں اس کی گردن مار دوں گا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام دُنیا سے تشریف لے گئے اور وہ علماء بھی ختم ہو گئے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس امر سے آگاہ تھے کہ انہوں نے صندوق میں کتابیں جمع کر کے کرسی کے نیچے دفن کی تھیں اور نالائق لوگ ان کے بعد آئے تو شیطان انسانی شکل میں بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہیں ایسا دفینہ نہ بتاؤں جو تم سے کبھی ختم نہ ہو۔ انہوں نے کہا ضرور فرمایئے تو شیطان بولا کہ (سلیمان علیہ السلام کی) کرسی کے نیچے کھدائی کرو اور خود ان کے ساتھ جا کر اس جگہ کی نشاندہی کی اور خود ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ وہ لوگ بولے قریب ہو شیطان بولا میں قریب تو نہیں ہوتا لیکن وہ خزانہ یہاں ہے (کھودو) اگر نہ پاؤ تو مجھے قتل کر دینا اور یہ اس لیے کہ جب بھی کوئی شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نزدیک ہوتا تو وہ جل جاتا۔ پس بنی اسرائیل کے ان لوگوں نے کھدائی کر کے وہ کتابیں نکالیں۔ شیطان بولا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات انسانوں اور شیطانوں، پرندوں پر اس جادو کے ذریعے کنٹرول کرتے تھے۔ پھر شیطان اُڑ گیا اور یہ بات لوگوں میں عام ہو گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادوگر تھا۔ بنو اسرائیل نے وہ کتابیں اپنے قبضہ میں لے لیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر جادو یہود کے ہاں پایا جاتا ہے۔ جب حضور علیہ السلام تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جادو وغیرہ سے برأت بیان فرمائی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عذر (برأت) یہ نازل فرمایا "وما کفر سلیمان" جادو کر کے (حضرت سلیمان) نے کفر نہیں کیا تھا اور کہا گیا سلیمان علیہ السلام کافر نہ تھے جو جادو کرتے اور اس پر عمل فرماتے۔ "ولکن الشیطین کفروا" حضرت ابن عباس اور کسائی حمزہ رضی اللہ عنہم نے "ولکن" تخفیف نون کے ساتھ پڑھا ہے اور (شیاطین) کو رفع یعنی پیش کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے "ولکنّ" نون کی شد کے ساتھ پڑھا اور (شیاطین) کو زبر کے ساتھ پڑھا اور اسی طرح "ولکن اللہ قتلھم" اور "ولکن اللہ رمی" اور لکن کا معنی خبر ماضی کی نفی اور مستقبل کا اثبات۔ "یعلمون الناس السحر" کہا گیا ہے مراد

سنی علم اور کسی شئی کی مہارت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وقالوا یاایھا الساحر ادع لنا ربک" یعنی اے عالم اور صحیح بات یہ ہے کہ سحر طبع سازی اور خیال میں ڈالنے کا نام ہے۔ اہل السنت کے نزدیک سحر ایک موجود حقیقت ہے اور اکثر جماعتوں کا بھی مؤقف ہے لیکن سحر کا عمل کرنا کفر ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ سحر کی تاثیرات عجیب ہیں۔ خلاف واقع کو تخیل کر دیتا ہے۔ تندرست کو مریض کر دیتا ہے اور بسا اوقات اس کے اثر سے قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے سحر کے ذریعے قتل کرنے والے پر قصاص واجب کیا ہے۔ پس جادو شیطان کا عمل ہے جسے شیطان کی تعلیم کے سبب ساحر حاصل کرتا ہے۔ جب شیطان سے حاصل کرتا ہے تو پھر اوروں میں اس کو عمل میں لاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ جادو اشخاص و اعیان میں بھی اثر کرتا ہے تو انسان کو گدھے کی شکل میں کر دیتا ہے اور گدھے کو کتے کی شکل کر دیتا ہے مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ محض خیال میں ڈالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعیٰ"

البتہ جادو جسم میں مرض، موت، جنون کے طور پر اثر کرتا ہے اور کلام کا بھی طبیعتوں میں اور مزاج میں اثر ہوتا ہے۔ کبھی انسان ناگوار کلام سنتا ہے جس سے وہ گرم ہو جاتا ہے اور غضب ناک ہو جاتا ہے اور کبھی اس سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک قوم کی موت کلام سے ہو گئی تھی جو انہوں نے سنی تو یہ جادو بھی اور عوارض کی طرح ہے جو بدن میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ فرمان الٰہی "وما انزل علی الملکین ببابل" یعنی وہ کچھ سکھاتے جو ملکین پر نازل کیا گیا تھا۔ یعنی بذریعہ الہام وعلم۔ پس انزال بمعنی الہام و تعلیم کے ہے اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو ملکین پر نازل کیا گیا تھا۔ ابن عباس اور حسن رضی اللہ عنہما نے "ملکین" لام کی زیر کے ساتھ پڑھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ دو جادوگر تھے جو بابل میں تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ عجمی کافر سردار تھے کیونکہ فرشتے جادو نہیں جانتے۔ بابل سے مراد بابل عراق ہے۔ بابل کو بابل اس لیے کہا جاتا ہے کہ نمرود کے محل کے گرنے کے وقت زبانیں خلط ملط ہو گئی تھیں۔ یعنی زبانیں جدا جدا ہو گئیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بابل یہی کوفہ کی سرزمین کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ بابل دماوند پہاڑ کی جگہ واقع تھا۔ معروف قرأت ملکین لام کی زبر کے ساتھ ہے۔ اگر کہا جائے کہ فرشتوں سے تعلیم سحر کیسے جائز ہے؟ کہا جائے گا اس کی دو تاویلیں ہیں۔

پہلی تاویل یہ ہے کہ فرشتے عملاً تعلیم سحر نہیں کرتے بلکہ جادو کا بیان کرتے ہیں۔ اس کا باطل ہونا بیان کرتے ہیں اور جادو سے پرہیز کا حکم کرتے ہیں۔ اور تعلیم بمعنی اعلام ہے (یعنی سکھلاتے نہیں بتلاتے ہیں) پس بد بخت ان دونوں کی نصیحت چھوڑتا ہے اور ان کی ہنرمندی سے جادوگری سیکھتا ہے۔ دوسری تاویل زیادہ صحیح ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے بندوں کا اپنے دو فرشتوں کے ذریعے سے امتحان فرمایا جو ازلی شقی تھا وہ سحر سیکھتا اور اللہ کے ساتھ کفر کرتا اور جو سعید ازلی تھا وہ ترک کر دیتا اور ایمان پر باقی رہتا اور وہ دونوں فرشتے سحر کے بطلان کو ظاہر کر دیتے اس سے بچنے کا حکم فرماتے۔ پس اس میں سیکھنے والے کے لیے بھی امتحان ہے اور سکھلانے والے کے لیے بھی اور اللہ تعالیٰ کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے بندوں کا جس طرح چاہے امتحان لے۔ اسی کا اختیار ہے اور اسی کا حکم ہے۔

"ھاروت و ماروت" دونوں سریانی نام ہیں اور دونوں محل خفض میں ہیں یعنی مجرور (زیر والے) ہیں کیونکہ ہاروت و ماروت

ملکین کی تفسیر ہیں مگر دونوں لفظوں میں زبر دی گئی (زیر نہیں دی گئی) بوجہ عجمہ اور معرفہ یعنی علم (نام) ہونے کی وجہ (کیونکہ اس طرح دونوں غیر منصرف ہوگئے) اور ان کا قصہ جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مفسرین نے بیان کیا۔ بے شک فرشتوں نے انسانوں کے برے اعمال کو آسمانوں کی طرف حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں چڑھتے دیکھا تو فرشتوں نے عیب جوئی کی اور کہا یا اللہ! کیا یہی ہیں جن کو تو نے زمین میں اپنا خلیفہ بنا رکھا ہے اور ان کو منتخب کر رکھا ہے (فضیلت کے لیے) اور یہ آپ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر اے فرشتو! میں تمہیں زمین میں اُتاروں اور تمہارے اندر وہی چیز رکھ دوں جو میں نے اولاد آدم علیہ السلام میں رکھی ہے (نفسانی خواہشات) تو تم بھی وہی اعمال بد کرو گے جو اولاد آدم کر رہی ہے۔ فرشتے بولے سبحان اللہ ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ ہم تیری نافرمانی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو فرشتے منتخب کرو جو تم میں سے بہت بہتر ہوں، میں ان کو زمین کی طرف اُتاروں گا تو فرشتوں نے ہاروت و ماروت کا انتخاب کیا جو کہ فرشتوں میں سے صالح ترین اور عابد ترین تھے۔

کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا تین فرشتوں کا انتخاب کرو تو انہوں نے عزائیل جو کہ ہاروت ہے اور عزایا کو جو کہ ماروت ہے انہوں نے گناہ کے ارتکاب پر اپنے ناموں کو بدل ڈالا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان میں شہوت کو رکھ دیا اور ان کو زمین کی طرف اُتارا اور ان کو حکم دیا کہ لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلے کریں اور ان کو شرک اور قتل ناحق، زنا اور شراب پینے سے منع کیا۔ بہر حال عزائیل کے دل میں جب شہوت نازل ہوئی تو رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور درخواست کی کہ مجھے آسمان کی طرف اُٹھا لے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سے اقالہ فرمایا یعنی سابقہ ذکر کی گئی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا۔ پس عزرائیل نے پورے چالیس سال سجدہ کیا اور سر نہ اُٹھایا اور پھر ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے حیا کی وجہ سے سر جھکائے رکھا۔ بہر حال باقی دو اس پر ثابت رہے، سارا دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے جب شام کرتے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم لیتے اور اس کے باعث آسمان کی طرف چڑھ جاتے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابھی ان پر ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ فتنہ میں مبتلا ہوگئے۔ سب کہتے ہیں کہ اس طرح ہوا کہ ان دونوں کی طرف ایک دن زہرہ جھگڑا لے کر آئی۔ یہ عورت عورتوں میں سے خوبصورت ترین عورت تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل فارس میں سے تھی اور علاقہ کی ملکہ تھی۔ جب ان دونوں فرشتوں نے اس عورت کو دیکھا تو اس عورت نے ان کے دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ پس ان دونوں نے اس عورت کو ورغلایا، پر وہ نہ مانی اور واپس چلی گئی۔ دوسرے دن پھر آئی چنانچہ دوسرے دن بھی ان دونوں نے اسی طرح کیا یعنی اس عورت کو ورغلایا، اس دن بھی اس عورت نے انکار کیا اور کہا ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ تم اس بت کی عبادت کرو جس کی میں عبادت کرتی ہوں اور اس کی طرف نماز پڑھو، ان دونوں نے کہا کہ ان سب چیزوں کی طرف ہمارا راستہ بالکل نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان سے منع کیا ہے۔ پس زہرہ عورت چلی گئی۔ پھر تیسرے دن آئی اور اس کے ساتھ شراب کا پیالہ تھا اور ان دونوں کے دل میں اس عورت کی طرف میلان تھا۔ دونوں نے اس کو ورغلایا۔ اس عورت نے وہی کل والی شرائط پھر پیش کیں۔ انہوں نے کہا کہ غیر اللہ کی طرف نماز بڑا گناہ ہے اور بے گناہ قتل بھی (گناہ) عظیم ہے اور ان تینوں میں سے جو آسان کام ہے وہ شرب خمر ہے۔ پس دونوں نے شراب پی اور نشہ میں

آگئے اور اس عورت سے زنا کیا، ان دونوں کو ایک شخص نے دیکھا، انہوں نے اس کو قتل کردیا۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان دونوں فرشتوں نے بت کو سجدہ بھی کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے زہرہ کو ستارے کی شکل میں مسخ کردیا۔

بعض نے کہا ان کے پاس حسین ترین عورت آئی اور اپنے خاوند کے سلسلہ میں جھگڑا کیا، ان دو میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ کیا تیرے دل میں بھی وہی بات (شہوت) آگئی ہے جو میرے دل میں واقع ہوئی ہے؟ دوسرے نے کہا ہاں پس اس نے کہا کہ تو اس عورت کے حق میں اور اس کے خاوند کے خلاف فیصلہ دے گا؟ اس کے ساتھی نے کہا کیا تو جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کتنی سزا اور عذاب ہے؟ دوسرے ساتھی نے کہا کہ کیا تو جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عفو ورحمت کس قدر ہے؟ پس دونوں نے اس عورت سے (اپنی خواہش) طلب کی۔ پس اس عورت نے کہا نہیں مگر یہ کہ تم دونوں میرے حق میں اور میرے خاوند کے خلاف فیصلہ دو۔ پس انہوں نے اسی طرح فیصلہ دیا۔ پھر اس عورت کے نفس کے بارے میں سوال کیا۔ اس عورت نے کہا کہ نہیں مگر یہ کہ میرے خاوند کو قتل بھی کرو تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ تو جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر سزا اور عذاب ہے؟

اس کے ساتھی نے اس سے کہا کیا تو جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عفو ورحمت کس قدر ہے۔ پس اس کے خاوند کو انہوں نے قتل کر ڈالا پھر ان دونوں نے اس عورت سے اس کے نفس سے متعلق درخواست کی۔ عورت نے کہا کہ نہیں مگر یہ کہ ہمارا ایک بت ہے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں اگر تم میرے ساتھ مل کر اس بت کے پاس نماز پڑھو گے تو تمہاری مراد پوری کروں گی۔

پس ایک نے دوسرے سے وہی کہا جیسا اس نے پہلے سے کہا تھا اور اس کے ساتھی نے بھی اس کو وہی کچھ جواب دیا جیسا کہ پہلے نے جواب دیا تھا۔ چنانچہ ان دونوں نے اس کے ساتھ مل کر (بت کے پاس) نماز پڑھی۔ پس وہ عورت ستارے کی شکل میں مسخ کردی گئی۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور کلبی وسدی رحمہم اللہ بھی کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا کہ تم مجھے حاصل نہیں کرسکتے یہاں تک کہ مجھے اس کی خبر دو جس کے ذریعے تم آسمان کی طرف چڑھتے ہو، دونوں فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے اسم اکبر کے باعث۔ وہ کہنے لگی تم مجھے نہیں پاسکتے حتیٰ کہ تم مجھے وہ اسم اکبر سکھلاؤ تو ایک نے دوسرے کو کہا وہ اس کو سکھادے، اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، دوسرے نے کہا پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں گئی؟ پس انہوں نے وہ اسم اعظم اس عورت کو سکھلا دیا۔

پس اس عورت نے وہ اسم اعظم بولا اور آسمان کو چڑھ گئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ستارے کی شکل میں مسخ کردیا۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ زہرہ ستارہ "بعینہا" وہی عورت ہے اور دوسروں نے اس کا انکار کیا ہے کہ بیشک زہرہ ستارہ ان سات ستاروں میں سے ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے۔ پس فرمایا "فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس" اور جس عورت نے ہاروت وماروت کو فتنے میں ڈالا اس کا نام زہرہ اس کے حسن وجمال کے باعث تھا۔ جب اس نے بدکاری کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ستارے کی شکل میں مسخ کردیا۔

کہتے ہیں کہ ہاروت وماروت نے اس گناہ کے ارتکاب کے بعد اس دن شام کو آسمان کی طرف چڑھنا چاہا تو ان کے پروں نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ پس وہ جان گئے جو کچھ ان پر بلا نازل ہوئی دونوں نے حضرت ادریس علیہ السلام کا قصد کیا اور اپنے امر کی

خبر دی اور حضرت ادریس علیہ السلام سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت فرما دیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام سے انہوں نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کے نیک اعمال آسمان کی طرف اتنی مقدار میں چڑھتے ہیں جتنے اعمال تمام پوری مخلوق کے ہیں۔ پس اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کیجئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے شفاعت کی، اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو دُنیا اور آخرت کے عذاب کے مابین اختیار دیا (کہ ان دونوں عذاب میں سے جو چاہو قبول کرلو) ان دونوں نے دُنیا کے عذاب کو اختیار کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دُنیا کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ پس وہ دونوں بابل میں عذاب دیئے جاتے ہیں۔ انہوں (مفسرین) نے عذاب کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ دونوں اپنے بالوں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں تا قیام قیامت لٹکے رہیں گے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں کے سران کے پروں کے پیچھے لٹکے ہوئے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان دونوں کو قدموں سے لے کر رانوں سمیت تک زنجیروں میں جکڑا گیا ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں کو آگ سے بھرے کنویں میں رکھا گیا ہے۔ حضرت عمر بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دونوں اوندھے منہ ہیں اور لوہے کے ڈنڈوں سے مارا جاتا ہے۔ روایت کیا گیا ہے کہ بے شک ایک شخص نے ہاروت ماروت کا قصد کیا تاکہ ان سے جادو سیکھے۔ پس دونوں کو پاؤں کے ساتھ لٹکا ہوا پایا، دونوں کی آنکھیں نیلگوں تھیں اور چمڑے سیاہ، ان کی زبانوں اور پانی کے درمیان صرف چار انگلی کا فاصلہ تھا اور انہیں پیاس کا عذاب دیا جا رہا تھا۔

جب اس نے یہ دیکھا تو خوفزدہ ہو گیا اور کہا لا الہ الا اللہ جب ان دونوں نے سنا تو پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ایک انسان ہوں۔ انہوں نے پوچھا کس اُمت سے ہو، اس آدمی نے جواب دیا اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے، انہوں نے پوچھا کیا حضور علیہ السلام مبعوث ہو چکے ہیں اس نے کہا ہاں! دونوں نے کہا الحمد للہ اور خوشی کا اظہار کیا۔ اس آدمی نے پوچھا تمہارا خوش ہونا کس لیے ہے؟ انہوں نے کہا وہ نبی الساعۃ ہیں، ہمارے عذاب کا ختم ہونا قریب ہو چکا ہے۔

"وما یعلمان من احد" یعنی کسی ایک کو (نہیں سکھاتے) اور من صلہ ہے (حتی) اسے پہلے نصیحت کرتے ہیں۔ "یقولا انما نحن فتنۃ" آزمائش و امتحان ہیں۔ "فلا تکفر" یعنی جادو نہ سیکھ پس تو اس پر عمل کرے گا، پھر کفر کر بیٹھے گا۔ فتنہ کا اصل معنی آزمائش و امتحان ہے۔ اہل عرب کے اس قول سے مشتق ہے۔ "فتنت الذهب والفضۃ" یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تو سونے چاندی کو آگ میں پگھلائے تاکہ کھرا کھوٹا معلوم ہو۔ فتنۃ مفرد اس لیے ذکر کیا گیا حالانکہ وہ دو ہیں کیونکہ فتنۃ مصدر ہے اور مصادر تثنیہ جمع نہیں آتیں اور کہا گیا ہے کہ "انما نحن فتنۃ فلا تکفر" بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرشتے سیکھنے والے کو سات دفعہ نصیحت کرتے تھے۔ حضرت عطاء اور سدی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ جب سیکھنے والا سیکھنے پر اڑ جاتا تو اس کو کہتے ہیں اس راکھ پر جا اور اس پر پیشاب کر۔ وہ پیشاب کرتا ہے اور پیشاب کرتے ہی اس کے اندر سے ایک چمکتا ہوا نور نکلتا اور آسمان کی طرف چلا جاتا۔ یہ ایمان اور معرفت کا نور ہوتا اور اوپر سے ایک سیاہ چیز دھوئیں کی مانند اترتی ہے اور اس شخص کے کانوں میں داخل ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے۔

(اہم نوٹ):...... منجانب مترجم:۔ ہاروت وماروت سے متعلق یہ مکمل قصہ مستند نہیں۔ اس لئے اس سے مکمل احتراز کرنا چاہیے۔ اس کے غلط ہونے کی وجوہ ❶ فرشتے بالاجماع معصوم ہیں اور گناہ کبیرہ کا صدور منافی عصمت ہے۔ ❷ ان دونوں فرشتوں کو اس عذاب شدید میں گرفتار ہونے کے بعد تعلیم سحر کی فرصت کہاں اور لوگوں کو ان تک رسائی اور ان سے اختلاط کیسے ممکن تھا کہ سلسلۂ تعلیم وتعلم ہوسکے۔ ❸ فاسقہ وفاجرہ عورت کو اس خباثت کے باوجود کس طرح ممکن ہوا کہ وہ اسم اعظم کی تاثیر سے آسمان پر چڑھ سکے۔ ❹ مسخ وتبدیل صورت عذاب کی ایک صورت ہوتی ہے جس میں تحقیر واہانت ہوتی ہے ستارۂ درخشندہ وتابندہ کی شکل میں ہوجانا اور آسمان پر جگہ پالینا یہ تو کمال تعظیم ہے نہ کہ حقارت۔ ❺ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم میں شہوت رکھی گئی تو تم معاصی کروگے اور جواب میں فرشتوں کا یہ کہنا کہ نہیں ہم نہیں کریں گے یہ قول فرشتوں کا باری تعالیٰ کی تکذیب بھی ہے اور تجہیل بھی۔ اس قسم کا قول تو محض ایمان کے بھی منافی چہ جائیکہ فرشتے یہ قول کریں۔

فائدہ:۔ تمام علوم من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علوم صحیحہ اپنی مخلوق تک پہنچانے کے لیے انبیاء ورسل (علیہم السلام) کا انتخاب کیا اور علم سحر کو انسانوں تک پہنچانے کے لیے ان دو فرشتوں کو ذریعہ بنایا۔ مذکورہ بالا مضمون تفسیر عزیزی سے ماخوذ ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں بے شک ہاروت وماروت تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا اور ہر مسئلہ میں ان کے درمیان ایک ولعہ شیطان آتا جاتا ہے۔ "فیتعلمون منھما مایفرقون بہ بین المرء وزوجہ" اور وہ کہ ہر ایک کو دوسرے (ساتھی) سے الگ کرلیا جائے اور ایک کو دوسرے کی (نظر میں) طرف مبغوض کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وماھم" کہا گیا ہے یعنی جادوگر اور کہا گیا ہے یعنی شیاطین "بضارین بہ" یعنی جادو کے ساتھ (من احد) یعنی کسی ایک کو "الا باذن اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے علم اور تکوینی فیصلہ کے ساتھ۔ پس جادوگر جادو کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وجود میں (تاثیر کو) لاتے ہیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں اس کا معنی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے تقدیری فیصلہ اور قدرت مشیت کے ساتھ "ویتعلمون مایضرھم" یعنی جادو ان کو نقصان دیتا ہے۔ "ولا ینفعھم ولقد علموا" مراد یہود ہیں "لمن اشتراہ" یعنی جادو اختیار کیا "مالہ فی الآخرۃ" یعنی جنت میں (من خلاق) کوئی حصہ "ولبئس ماشروا بہ" بیچا اس کے ساتھ "انفسھم" اپنی ذات کا حصہ جبکہ انہوں نے جادو اور کفر کو دین اور حق پر اختیار کیا۔ "لو کانوا یعلمون"

اعتراض اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا "ولقد علموا لمن اشتراہ" البتہ تحقیق انہوں نے جان لیا تو اب "لو کانوا یعلمون" فرمانا چہ معنی دونوں کے مفہوم میں ٹکراؤ ہے جبکہ پہلے اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں وہ جان گئے؟ اب فرمایا "لو کانوا یعلمون"

جواب میں کہا گیا ہے "ولقد علموا" سے مراد شیاطین ہیں اور "لو کانوا یعلمون" سے مراد یہود ہیں اور کہا گیا ہے دونوں جگہ یہود مراد ہیں۔ لیکن جب یہود نے اپنے علم کے مطابق عمل نہ کیا گویا انہوں نے نہ جانا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

ترجمہ اور اگر وہ لوگ (بجائے اس کے) ایمان اور تقویٰ (اختیار) کرتے تو خدا تعالیٰ کے ہاں کا معاوضہ (اس کفر و بدعملی سے ہزار درجہ) بہتر تھا کاش اُن کو (اتنی) عقل ہوتی اے ایمان والو تم (لفظ) راعنا مت کہا کرو اور اُنظرنا کہہ دیا کرو اور اس (حکم) کو (اچھی طرح) سُن لیا کرو اور (ان) کافروں کو (تو) سزائے دردناک ہو (ہی) گی۔

تفسیر ⊙ "ولو انہم آمنوا" محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ساتھ ایمان لاتے۔ "واتقوا" یہودیت اور جادو سے بچتے "لمثوبۃ من عند اللہ خیر" البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا ثواب ان کے لیے بہتر ہوتا۔ "لو کانوا یعلمون"

⊙ "یا ایہا الذین آمنوا لاتقولوا راعنا" یہ اس لیے فرمایا کہ مسلمان بھی راعنا یا رسول اللہ کہتے تھے اور یہ "راعنا مراعاۃ" سے مشتق مراد لیتے تھے جس کے معنی تھے کہ اپنی سمع کو ہم سب کے لیے فارغ کیجئے۔ کہا جاتا ہے "ارعی اللہ الشیء وارعاہ" یعنی اس کی طرف کان لگایا (توجہ کی) اور غور سے سنا اور یہ لفظ یعنی "راعنا" لغت یہود میں بری گالی تھی۔ کہا گیا ہے ان کے نزدیک اس کا معنی سن خدا کرے نہ سنوایا جائے اور کہا گیا ہے کہ یہ لفظ "راعنا رعونۃ" سے تھا۔ جب کسی انسان کو بے وقوفی کی طرف منسوب کرنا مقصود ہوتا تو راعنا کہتے یعنی اے احمق! جب مسلمانوں کو یہود نے راعنا کہتے سنا تو آپس میں کہنے لگے ہم تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سرا گالی دیتے تھے اور یہ مسلمان تو علانیہ گالی دے رہے ہیں۔ چنانچہ یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور کہتے راعنا یا محمد، پھر آپس میں ہنستے۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب یہود سے سنا تو سب کچھ سمجھ گئے اور حضرت سعد بن معاذ ان کی لغت کو جانتے تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہود کو فرمایا، اگر میں نے تم میں سے کسی ایک کو حضور علیہ السلام کو راعنا کہتے سنا تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔

اس پر یہود نے کہا کیا تم راعنا نہیں کہتے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے "لاتقولوا راعنا" والی آیت نازل فرمائی تاکہ اس سے یہود حضور علیہ السلام کو گالی دینے کی راہ نہ پا سکیں۔

فرمایا "وقولوا انظرنا" یعنی ہماری طرف دیکھو اور کہا گیا ہے کہ "انظرنا" کا معنی ہے "انتظرنا وتان بنا" یعنی ہمارا انتظار کریں اور توقف کریں۔ کہا جاتا ہے "نظرت" "فلانا" "وانتظرتہ" یعنی میں نے فلاں کو مہلت دی اور اس کا انتظار کیا اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول۔

"انظرونا نقتبس من نورکم" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "انظرنا" کا معنی "افہمنا" یعنی ہمیں سمجھایئے "واسمعوا" جس چیز کا تم کو حکم دیا جا رہا ہے (اسے سنو) اور اطاعت کرو "وللکافرین" یعنی یہود کیلئے "عذاب الیم"

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ: ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ (خواہ) ان اہل کتاب میں سے (ہوں) اور (خواہ) مشرکین میں سے اس امر کو کہ تم کو کسی طرح کی بہتری (بھی) نصیب ہو تمہارے پروردگار کی طرف سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (وعنایت) کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں اور اللہ بڑے فضل (کرنے) والے ہیں ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت (ہی) کو (ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں (اے معترض) کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر: "ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب" اور یہ اس طرح کہ بے شک جب مسلمان اپنے حلیفوں کو جو یہود تھے یہ کہتے کہ حضور علیہ السلام پر ایمان لاؤ تو جواب دیتے تم جس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہو وہ ہمارے دین سے بہتر نہیں اگر بہتر ہوتا تو ہم ضرور اسے پسند آتے۔ ان کی تکذیب کیلئے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہود قطعاً اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر اے میرے نبی کے صحابہ کسی قسم کی خیر نازل ہو۔ "ولا المشرکین" تمہاری مشرکین کو یہ پسند ہے۔ مشرکین کے لفظ کا مجرور ہونا من کے زیر ترتیب آجانے کی وجہ سے ہے۔

"ان ینزل علیکم من خیر من ربکم" یعنی خیر اور نبوت اور "مِنْ" صلہ ہے۔ "واللہ یختص برحمتہ" رحمت سے مراد نبوت ہے "من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم" فضل کا معنی بغیر کسی سبب کے ابتداء احسان کرنا اور کہا گیا ہے کہ رحمت سے مراد اسلام اور ہدایت ہے اور کہا گیا ہے کہ آیت کا معنی اس طرح ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اولاد حضرت اسحاق علیہ السلام سے بھیجا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے مبعوث فرمایا تو یہود کو تو یہ بات اس لیے اچھی نہ لگی کہ نبی آخر الزمان کی بعثت بنو اسحاق و بنو اسرائیل سے کیوں نہ ہوئی اور مشرکین کو حضور علیہ السلام کا نبی ہونا اس لیے اچھا نہ لگا کہ آپ پر نازل ہونے والی کتاب ہدایت قرآن نے مشرکین کی بت پرستی کی بنیاد پر رُسوائی کی اور ان کے معبودوں کو عیب لگایا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

"ما ننسخ من آیۃ او ننسھا" اور یہ اس طرح کہ مشرکین کہنے لگے کہ بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ایک دن کسی چیز کا حکم دیتے ہیں پھر اسی سے ان کو روکتے ہیں اور اس کے برخلاف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں اپنی طرف سے کہتے ہیں۔ آج ایک بات کی اور کل اس سے رجوع کر لیا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی "واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ واللہ اعلم بما ینزل" انہوں نے کہا آپ (حضور علیہ السلام) صرف مفتری ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں "ما ننسخ من آیۃ او ننسھا" تو اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نسخ کی حکمت بیان فرمائی۔

لغوی طور پر نسخ کے دو معنی ہیں۔ ① نقل کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیرنا۔ اسی سے نسخ الکتاب یعنی مضمون الکتاب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کیا۔ نسخ کے اس معنی کے اعتبار سے پورا قرآن کریم منسوخ ہے اس لیے کہ قرآن کریم کو لوح محفوظ سے

نقل (کر کے دُنیا میں بھیجا گیا) کیا گیا۔ ❷ نسخ کا دوسرا معنی رفع یعنی اُٹھالینا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "نسخت الشمس الظل" یعنی دھوپ نے سائے کو اُٹھالیا اسے ختم کردیا۔ اس معنی کی رُو سے بعض قرآن ناسخ اور بعض قرآن منسوخ ہوگا اور آیت کریمہ میں نسخ کا یہی معنی مراد ہے اور اس قسم کے نسخ کی کئی صورتیں ہیں۔ ❶ خط یعنی الفاظ موجود اور حکم منسوخ۔ جس طرح وہ آیت جس میں رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنے کا حکم ہے اور وہ آیت جس میں عدت وفات کے لیے سال کا حکم ہے اسی طرح وہ آیت جس قتال میں تخفیف کی گئی (یعنی پہلے دس گنا دشمن کے بالمقابل ڈٹ جانے کا حکم تھا، بعد میں گھٹا کر یہ تعداد دوگنا کردی گئی۔ اگر اس سے بھی دشمن زیادہ ہو تو پسپائی کا جواز ہے) اسی طرح آیت متعہ اور اس قسم کی دوسری آیات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "ما ننسخ من آیۃ" کا معنی کرتے ہیں کہ جس کا ہم خط باقی رکھیں اور حکم بدل دیں ❷ اور نسخ میں سے ایک یہ ہے کہ تلاوت اُٹھالیں اور حکم باقی رکھا جائے۔ جیسے آیت رجم ❸ اور ایک نسخ یہ ہے کہ بالکل ہی قرآن کریم سے بھی اُٹھالی جائے اور دلوں سے بھی محو کردی جائے جس طرح کہ حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ رات کو کھڑے ہوئے تاکہ سورۃ پڑھیں مگر اس سورۃ میں سے ان کو سوائے بسم اللہ کے کچھ یاد نہ رہا۔ پس صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کو خبر دی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس سورۃ کی تلاوت اور احکام اُٹھائے جاچکے ہیں اور کہا گیا ہے کہ سورۃ احزاب سورۃ بقرہ کی طرح تھی۔ اس کا اکثر حصہ تلاوت واحکام کے لحاظ سے اُٹھادیا گیا یعنی منسوخ کردیا گیا۔ ❹ پھر نسخ حکم کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ حکم اُٹھائے جانے کے بعد اس کی جگہ اور حکم رکھ دیا جائے جیسے کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہوا اس کی جگہ کعبہ مکرمہ کو قبلہ مقرر کردیا گیا۔ اسی طرح خویش واقارب کے لیے وصیت کرنے کا حکم منسوخ ہوا تو اس کی جگہ میراث کا حکم نافذ کردیا گیا۔ عدۃ الوفات یعنی جس عورۃ کا خاوند فوت ہوجائے اس کی عدت ایک سال تھی اسے منسوخ کیا گیا۔ اس کی جگہ چار ماہ دس دن کی عدت مقرر کردی گئی۔ میدان قتال میں ایک مجاہد کا دس کے مقابلہ میں ثابت رہنے کا حکم منسوخ ہوا تو اس کی جگہ ایک مجاہد کا دو کے مقابلے میں جمار ہنے کا حکم دے دیا گیا ❺ اور نسخ کی ایک قسم یہ ہے کہ حکم منسوخ کیا گیا مگر اس کی جگہ کوئی اور حکم نہ رکھا گیا جیسے کہ عورتوں کا (ایمان کے لحاظ سے) امتحان لینا منسوخ ہوا مگر اس کی جگہ کوئی حکم نہیں دیا گیا۔

فائدہ:۔ نسخ اوامر ونواہی (یعنی احکام) کا ہوتا ہے۔ اخبار (یعنی قصص وغیرہ) میں نہیں۔ بہرحال آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول "ما ننسخ من آیۃ" عام حضرات کی قرأۃ نون اور سین کی زبر کے ساتھ ہے نسخ سے مشتق ہے یعنی اُٹھانا۔ ابن عامر نے ننسخ کو پہلے نون کی پیش کے ساتھ اور سین کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ انساخ سے مشتق کرکے اور اس کی دو وجہیں ایک بمعنی یہ کہ ہم اس کو منسوخ میں کردیتے ہیں۔ دوسرا معنی یہ کہ ہم اس کو منسوخ میں آپ کے لیے نسخہ بنادیتے ہیں۔ (جدید عربی میں نسخہ بمعنی کاپی، نقل، مثنی یعنی ڈپلی کیٹ کے آتے ہیں)۔

کہا جاتا ہے "نسخت الکتاب" یعنی اس کو میں نے لکھا اور "انسخته غیری" جب کہ اس کے لیے نسخہ بنا کردے یعنی ایک کاپی اس کی اس کو دے۔ "او ننسها" یعنی ہم اس کو آپ کے دل سے بھلادیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہم

اس کو چھوڑ دیتے ہیں منسوخ نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "نسوا اللّٰہ فنسیھم" یعنی انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ پس اس نے ان کو چھوڑ دیا اور کہا گیا ہے کہ "ننسھا" کا معنی ہے ہم اس کو چھوڑ دینے کا حکم دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے "انسیت الشیئ" جب تو نے اس کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہو۔ پس نسخ اوّل یہ ہوگا کہ حکم کو اٹھا دیا گیا اور اس کی جگہ اور حکم رکھ دیا گیا اور انسا کا معنی ہوگا نسخ کرنا اور اس کے قائم مقام اور حکم نہ کھنا ابن کثیر اور ابوعمرو نے "او ننساھا" پڑھا پہلے نون کی اور سین کی زبر کے ساتھ اور ہمزہ کے ساتھ یعنی ہم اس کو مؤخر کر دیتے ہیں اور اس کو تبدیل نہیں کرتے۔ کہا جاتا ہے "نسا اللّٰہ" فی اجلہ یا "انسا اللّٰہ اجلہ" دونوں کا ایک معنی ہے یعنی اس کی عمر بڑھا دی موت مؤخر کر دی۔ اس کے معنی میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ہم اس کی تلاوت اٹھا دیتے ہیں اور اس کا حکم مؤخر کر دیتے ہیں جس طرح آیت رجم میں کیا۔ بنا بریں نسخ اول کا معنی تلاوت اور حکم اٹھا لینے کے ہوگا۔

دوسرا قول حضرت سعید بن المسیب اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں بہرحال جو کچھ آیت منسوخ ہو جائے پس وہ آیت ہے جو قرآن کریم میں نازل ہوئی۔ اس نسخ کو دونوں نحو سے بناتے ہیں یا پھر "ننساھا" سے بناتے ہیں یعنی ہم اس کو مؤخر کر دیتے ہیں اور اس کو لوح محفوظ میں چھوڑ دیتے ہیں۔ پس اس کو نازل نہیں فرماتے۔ "نات بخیر منھا" وہ کچھ لاتے ہیں جو تمہارے لیے زیادہ نافع ہو اور تم پر زیادہ آسان ہو اور تمہارے لیے زیادہ باعث اجر ہو یہ معنی نہیں کہ کوئی آیت دوسری آیت سے بہتر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا سارا کلام ایک ہے اور سب کا سب خیر ہے۔ "او مثلھا" نفع دینے میں اور ثواب میں اس کے مثل ہو۔ پس ہر وہ آیت جو منسوخ ہو اور اس کے بعد وہ آیت آئے جس کا حکم آسان ہو تو اس کا خیر ہونا بایں معنی کہ عمل آسان ہے اور جس آیت کی منسوخی کے بعد ایسی آیت آئے جس کا حکم پہلے والی آیت سے مشکل ہو تو اس کا خیر ہونا بایں طور ہوگا کہ اس کا اجر و ثواب زیادہ ہوگا۔ "الم تعلم ان اللّٰہ علی کل شیئ قدیر" نسخ ہونا تبدیلی آیت کرنے کا لفظ استفہام کا ہے اور معنی اس کا تقریر مضمون ہے یعنی بے شک آپ جانتے ہیں۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۝ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝

ترجمہ: کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص اُن ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور (یہ بھی سمجھ رکھو کہ) تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار بھی نہیں ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے (بجا بجا) درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی (ایسی ایسی) درخواستیں کی جا چکی ہیں اور جو شخص بجائے ایمان لانے کے کفر کی باتیں کرے بلاشک وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا۔

تفسیر: ۝ "الم تعلم ان اللّٰہ لہ ملک السموات والارض ومالکم" اے گروہ کفار نزول عذاب کے وقت "من دون اللّٰہ"... جو کچھ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے... "من ولی" کوئی قریبی دوست کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے...

"ولی" اس کا معنی معاملات کا نگران و سرپرست۔ "ولا نصیر" ایسا مددگار جو تمہیں عذاب سے محفوظ رکھے۔

⑩ "ام تریدون ان تسألوا رسولکم" یہ آیت یہود کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آسمان سے کوئی کتاب

ایک ہی دفعہ لے آیئے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کو لائے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ام تریدون" یعنی کیا تم ارادہ رکھتے ہو۔ ام میں میم صلہ ہے اور کہا گیا ہے کہ "ام تریدون" کا معنی "ہل تریدون" ہے یعنی ام بمعنی ہل ہے یہ کہ تم اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سوال کرو۔ "کما سئل موسیٰ من قبل" ان سے ان کی قوم نے سوال کیا۔ "ارنا اللّٰہ جہرۃ" اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا ہم تمہاری بات کی تصدیق نہیں کرتے حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو سامنے لاؤ جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اُن کی قوم نے سوال کیا اور کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ علانیہ دکھاؤ۔ پس اس میں دلائل و براہین کے ظہور کے بعد کن چاہی سوالات سے منع کیا گیا ہے۔ "ومن یتبدل الکفر بالایمان" ایمان کے بدلے کفر لیا۔ "فقد ضل سواء السبیل" درمیانی راستہ سے بھٹک گیا۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞

ترجمہ: ان اہل کتاب (یعنی یہود) میں بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں (اور یہ خیر خواہی سے نہیں بلکہ) محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود اُن کے دلوں ہی سے (جوش مارتا) ہے حق واضح ہونے پیچھے خیر (اب تو) معاف کرو اور درگزر رو جب تک حق تعالیٰ اس معاملہ کے متعلق اپنا حکم (قانون جدید) بھیجیں بلاشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں اور (ہر دست صرف) نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور زکوٰۃ دیے جاؤ اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے جمع کرتے رہو گے حق تعالیٰ کے پاس (پہنچ کر) اُسکو پاؤ گے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں۔

تفسیر: ⑪ "ود کثیر من اہل الکتاب" یہ آیت یہود کے کچھ لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ انہوں نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو واقعہ احد کے بعد کہا اگر تم حق پر ہوتے تو تم شکست نہ کھاتے۔ لہٰذا تم دونوں ہمارے دین کی طرف آجاؤ ہم تم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اس پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا تمہارے دین میں عہد توڑنا کیسا ہے؟ انہوں نے کہا بہت سخت ہے تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے تو عہد کر رکھا ہے کہ محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ جب تک زندہ رہوں گا کفر نہ کروں گا۔ پس یہود نے کہا بہر حال یہ تو صابی ہو گیا۔ (اپنے دین سے پھرنے والے کو اس وقت صابی کہا جاتا تھا) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بہر حال میں اللہ تعالیٰ پر رب ہونے کے لحاظ سے راضی ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی ہونے کے لحاظ سے اور اسلام پر دین ہونے کے لحاظ سے راضی ہوں اور قرآن پر امام اور کعبہ کے قبلہ اور مؤمنین کے بھائی ہونے کے لحاظ سے راضی ہوں۔ پھر دونوں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس امر کی حضور کو خبر دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تم خیر کو پہنچے اور کامیاب ہوئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا "ودّ کثیر من اھل الکتاب" بہت سے اہل کتاب جن کا تعلق یہود سے ہے خواہش کی اور ارادہ کیا۔ "لو یردونکم" اے ایمان والو! (تمہیں لوٹا دیں) "من بعد ایمانکم کفاراً حسداً" حسداً کی زبر مصدر پر ہے یعنی مفعول مطلق ہے یعنی "یحسدونکم حسداً" تم پر حسد کرتے ہیں حسد کرنا "من عند انفسھم" یعنی اپنی طرف سے اس کا حکم ان کو اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ "من بعد ما تبین لھم الحق" یعنی تورات میں (یہ بات ظاہر ہو گئی) کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول (دعویٰ) سچ ہے اور آپ کا دین حق ہے۔ "فاعفوا" پس چھوڑ دو "واصفحوا" درگزر کرو۔ پس عفو کے معنی محو کرنا اور صلح کا معنی اعراض کرنا ہے اور یہ حکم آیت قتال سے پہلے تھا۔ "حتیٰ یاتی اللہ بامرہ" یعنی اپنا عذاب لائے۔ قتل اور قید کی شکل میں جس طرح کہ بنو قریظہ کا حال ہوا اور جلاوطن اور ملک بدری کی صورت میں جیسا کہ بنو نضیر کا حال ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بامرہ سے مراد امر قتال ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وقاتلوا المشرکین الذین لا یؤمنون باللّٰہ ولا بالیوم الآخر" ...... "وھم صاغرون" تک۔ حضرت ابن کیسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بامرہ سے مراد علم اور حکم ہے یعنی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ تم پر علم اور حکم لائے۔ چنانچہ بعض کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم تکوینی اسلام و ایمان لانے کا ہوا اور بعض کے متعلق قتل قید اور جزیہ کا حکم ہوا۔ "ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر"

⓾ "واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکاۃ وما تقدموا" جو کچھ تم آگے بھیجو گے "لانفسکم من خیر" فرمانبرداری اور عمل صالح "تجدوہ عند اللہ" اور کہا گیا ہے کہ خیر سے مراد مال ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان ترک خیراً" اور مراد زکوٰۃ و صدقہ ہے کہ اس کو تم اللہ تعالیٰ کے ہاں پاؤ گے حتیٰ کہ لقمہ اور پھل کو جبل احد کی طرح پاؤ گے۔ "ان اللہ بما تعملون بصیر"

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ کَانَ هُوْدًا اَوْنَصٰرٰی ط تِلْکَ اَمَانِیُّهُمْ ط قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۞ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَرَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ ۞ وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ط کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۞

ترجمہ: اور یہود اور نصاریٰ (یوں) کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پاوے گا بجز اُن لوگوں کے جو یہودی ہوں یا اُن لوگوں کے جو نصرانی ہوں یہ (خالی) دل بہلانے کی باتیں ہیں آپ (اُن سے یوں) کہیے کہ (اچھا) اپنی دلیل لاؤ اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو ضرور دوسرے لوگ جاویں گے (کیونکہ) جو کوئی شخص بھی اپنا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اُس کا عوض ملتا ہے پروردگار کے پاس (پہنچ کر) اور نہ ایسے لوگوں پر (قیامت میں) کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ (اُس روز) مغموم ہونے والے ہیں اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ (کا مذہب) کسی بنیاد پر (قائم) نہیں اور (اسی طرح) نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں حالانکہ یہ سب (لوگ آسمانی) کتابیں (بھی) پڑھتے پڑھاتے ہیں اسی طرح یہ لوگ (بھی) جو کہ (محض) بے علم ہیں اُن کا سا قول کہنے لگے سو اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان (عملی) فیصلہ کر دیں گے قیامت کے روز ان تمام (مقدمات) میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔

تفسیر: ❶ "وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا" اس سے مراد یہودی ہیں فراء کہتے ہیں کہ یہودی سے یا و زائدہ حذف کر دی گئی اور یہودیت سے جو فعل بنتا تھا اس کی طرف لوٹا دیا گیا (یعنی ھود) اخفش رحمۃ اللہ کہتے ہیں "ھود" عائد کی جمع ہے جس طرح عود عائد کی جمع ہے اور حول حائل کی جمع ہے۔ "او نصاریٰ" اور یہ اس لیے کہ یہود نے کہا کہ جنت میں سوائے یہود کے کوئی نہیں جائے گا اور دین یہودیت کے علاوہ اور کوئی دین نہیں ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ جنت میں صرف وہی جائے گا جو نصرانی ہوگا اور نصرانیت کے علاوہ کوئی اور کوئی دین نہیں ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ وفد نجران کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جو نصرانی تھے اور حضور علیہ السلام کی مجلس میں یہود کے ہمراہ جمع ہو گئے تو (یہود و نصاریٰ) بعض نے بعض کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تلک امانیھم" یعنی ان کی شہوات باطلہ ہیں جو انہوں نے آرزوؤں کی شکل میں اللہ تعالیٰ پر ناحق باندھ رکھی ہیں۔ "قل" یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم "ھاتوا" (لے آؤ) اس کی اصل آتو ہے "برھانکم" اپنی حجت یا دلیل اس پر جو تم گمان کرتے ہو۔ "ان کنتم صادقین" پھر ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا۔

❷ "بلیٰ من اسلم وجھہ" ایسے نہیں جیسے وہ کہتے ہیں بلکہ حکم اسلام کو حاصل ہے۔ جنت میں صرف وہ شخص جائے گا جس نے اپنا چہرہ مطیع کر لیا۔ (للہ) اللہ تعالیٰ کے حضور یعنی اپنا دین خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا اور کہا گیا ہے اپنی عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کر لی اور کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کی تو اضع کی۔ اسلام کی اصل استسلام ہے یعنی مان لینا، عاجزی کرنا، چہرے کو خاص اس لیے کیا کہ جب وہ سجدے میں سر کو جھکانے کی سخاوت کرتا ہے تو بقیہ اعضاء کے معاملہ میں کیسے بخل کرے گا۔ "وھو محسن" اپنے عمل میں (احسان کرنے والا) اور کہا گیا ہے محسن بمعنی مومن ہے اور کہا گیا ہے مومن بمعنی مخلص ہے۔ "فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون"

❸ "وقالت الیھود لیست النصاریٰ علی شیء" یہ آیت یہود مدینہ اور نصاریٰ نجران کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب وفد نجران حضور علیہ السلام کے پاس آیا تو ان کے پاس احبار یہود بھی پہنچ گئے۔ پس انہوں نے باہمی مناظرہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کی

آوازیں بلند ہوگئیں تو یہود نے ان کو کہا "ما انتم علی شیء من الدین" کہ تم کسی ایسی شئی پر نہیں جو دین میں معتبر ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا۔ نصاریٰ نے ان کو کہا "ما انتم علی شیء من الدین" کہ کسی ایسی شئی پر نہیں ہو جو دین میں معتبر ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا انکار کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا۔ "وقالت النصاریٰ لیست الیهود علی شیء وهم یتلون الکتاب" اور دونوں گروہ کتاب پڑھتے ہیں اور کہا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اختلاف ان کی کتابوں میں نہیں ہے۔ پس ان کا کتاب کی تلاوت کرنا اور جو کچھ کتاب میں ہے اس کی مخالفت کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ باطل پر ہیں۔

"کذالک قال الذین لایعلمون" یعنی ان کے آباء جو گزر چکے ہیں "مثل قولهم" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد عوام نصاریٰ ہیں۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد مشرکین عرب ہیں کہ انہوں نے بھی اپنے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں یہی کچھ کہا کہ وہ دینی اعتبار سے کسی معتبر شئی پر نہیں ہیں۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ امتیں ہیں جو یہود و نصاریٰ سے پہلے گزریں جیسے قوم نوح اور ھود اور صالح اور لوط اور قوم شعیب علیہم السلام۔ انہوں نے اپنے اپنے نبی کو کہا "لیس علی شیء"...... "فالله یحکم بینهم یوم القیامة" اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ "فیما کانوا فیه یختلفون" دین سے متعلق جو ان کا اختلاف تھا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اور اُس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں اُن کا ذکر (اور عبادت) کئے جانے سے بندش کرے اور اُن کے ویران ہونے (کے بارہ) میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت (اور بیباک) ہوکر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیے تھا (بلکہ جب جاتے) ہیبت اور ادب سے جاتے ان لوگوں کو دنیا میں بھی رُسوائی (نصیب) ہوگی اور (ان کو) آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی اور اللہ ہی کی مملوک ہیں (سب جہتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی کیونکہ تم لوگ جس طرف منہ کرو اُدھر (ہی) اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک کا) رُخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (تمام جہات کو) محیط ہیں کامل العلم ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۱۴﴾ "ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر" یہ آیت ططوس بن اسبیانوس رومی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ انہوں نے بنو اسرائیل سے لڑائی لڑی۔ ان کے جوانوں کو قتل کیا، بچوں کو قید کیا اور تورات کو جلا دیا اور بیت المقدس کو خراب کیا اور اس میں مردار پھینکے اور اس میں خنزیر ذبح کیے۔ یہ بیت المقدس خراب رہا یہاں تک کہ مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسے آباد کیا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

کہ بیت المقدس کو خراب کرنے والا بخت نصر اور اس کے ساتھی تھے وہ یہود سے لڑے اور بیت المقدس کو خراب کیا اور اس سلسلہ میں نصاریٰ نے ططوس رومی اور اس کے رومی ساتھیوں کی مدد کی۔

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے یحییٰ بن زکریا کو قتل کیا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کو بعض یہودیوں نے مجوسی بخت نصر بابلی کی مدد پر اُبھارا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا "ومن اظلم" یعنی بڑا کافر "ممن منع مساجد اللّٰہ" اس سے مراد بیت المقدس اور اس کے محراب (اس بات سے منع کیا) کہ ذکر کیا جائے "فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا اولئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین" اور یہ اس طرح کہ بیت المقدس عیسائیوں کے حج کی جگہ اور زیارت گاہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں اس کی آبادی کے بعد کوئی رومی (عیسائی) داخل نہ ہوگا مگر ڈرتے ہوئے اگر اس کا علم ہو جائے تو قتل کر دیا جائے۔ حضرت قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں کوئی نصرانی داخل نہ ہوگا مگر یہ کہ شکل و صورت بدل کر اگر اس پر قدرت حاصل کر لی جائے تو سزا دی جائے۔ حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ جزیہ کے ساتھ خوفزدہ کیے جائیں اور کہا گیا ہے کہ یہ خبر بمعنی امر ہے یعنی جہاد کے ذریعے انہیں دور بھگائے رکھو حتیٰ کہ ان میں سے کوئی بھی اس میں داخل نہ ہو مگر یہ قتل ہونے اور قید ہو جانے کا خوف رکھتے ہوئے۔ یعنی ان کے لیے مناسب اور لائق نہیں ہے (مسجد میں داخل ہونا) "لھم فی الدنیا خزی" عذاب سے ذلت ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد حربی کافر کا قتل اور ذمی کافر سے جزیہ لینا ہے۔ حضرت مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ کہتے ہیں ان کے تین (بڑے) شہر فتح کیے جائیں گے۔ قسطنطنیہ، رومیہ، عموریہ "ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم" اور وہ آگ ہے۔

⑮ وللّٰہ المشرق حضرت عطاء اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی اور مساجد سے مراد مسجد حرام ہے جس سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حج (عمرہ) سے اور نماز پڑھنے سے حدیبیہ والے سال روکا تھا اور جب انہوں نے حضور علیہ السلام کو اس سے روکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ذکر اللہ سے آباد کریں۔ پس تحقیق ایسا کرکے انہوں نے مسجد حرام کو خراب کرنے کی کوشش کی۔ یہی لوگ ہیں ان کے لیے قطعاً مناسب نہیں کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہوں مگر یہ کہ خوفزدہ ہو کر اس سے مراد اہل مکہ کو یا اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما رہے ہیں کہ میں آپ پر مکہ مکرمہ فتح کردوں گا حتیٰ کہ تم مکہ میں داخل ہو جاؤ گے اور مسجد حرام کے تم (مشرکین کی نسبت) زیادہ حقدار ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو فتح کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا کہ وہ ندا لگائے۔ خبردار! آج کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آسکے گا پس یہ ان کو ڈرانا ہوا اور شریعت میں یہ ثابت ہے کہ کسی مشرک کے لیے حرم میں داخل ہونا جائز نہیں ہے ان کے لیے دُنیا میں ذلت و رسوائی، قتل ہونا، قید ہونا اور جلاوطنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول "وللّٰہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تحویل قبلہ سے پہلے سفر پر نکلے۔ ان کو گہر (دھند) نے آگھیرا اور

نماز کا وقت بھی ہو گیا تو انہوں نے قبلہ کی طرف اندازہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب کُہر (دھند) چھٹ گئی تو اس وقت معلوم ہوا کہ انہوں نے قبلہ رُخ نماز نہیں پڑھی۔ جب واپس تشریف لائے تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس مسافر کے بارے میں نازل ہوئی جو نفل نماز ہر اس سمت کی طرف منہ کر کے پڑھتا ہے جس طرف اس کی سواری کا رُخ ہو۔

عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہر اس جانب منہ کر کے نماز پڑھتے تھے جس طرف آپ کی سواری متوجہ ہوتی۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ تحویل قبلہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبلہ جب کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا تو یہودیوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عار دلائی کہ ان مسلمانوں کا تو کوئی قبلہ ہی نہیں کبھی اس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور کبھی اُس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

حضرت مجاہد اور حضرت حسن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا "وقال ربکم ادعونی استجب لکم" وہ کہنے لگے ہم اللہ تعالیٰ کو کہاں سے پکاریں، پس اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا

"وللّٰہ المشرق والمغرب" کہ ملک بھی اللہ کی اور تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کی۔ "فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ" جس طرف تمہاری سواری کا رخ ہو ادھر ہی نفل پڑھو۔ یعنی اُدھر ہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فثم وجہ اللّٰہ" کا معنی ہے کہ وہیں اللہ تعالیٰ جانتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ "وجہ" کا معنی ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "کل شیٔ ھالک الا وجھہ" یہاں بھی "الا وجھہ" کا معنی ہے مگر وہ ذات کریم گویا لفظ وجہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کریم کو بیان کرنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ حضرت حسن، مجاہد، قتادہ، مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں "فثم وجہ اللّٰہ" کا معنی ہے پس وہیں اللہ تعالیٰ کا قبلہ ہے۔ الوجہ اور الوجہۃ اور جہۃ یعنی قبلہ سے کہا گیا ہے "فثم وجہ اللّٰہ" کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی رضا۔ "ان اللّٰہ واسع" یعنی غنی ہے۔ اپنی وسعت کے مطابق عطا کرتا ہے۔ فراء کہتے ہیں الواسع بمعنی وہ سخی جس کی نوازشات ہر شئی کو شامل ہوں۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے "واسع المغفرۃ" "(علیم) ان کی نیتوں کو جاننے والا ہے جہاں کہیں انہوں نے نمازیں پڑھیں اور دُعائیں کیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

(ترجمہ) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ (کیا مہمل بات ہے) بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں (موجودات) ہیں (اور) سب انکے محکوم بھی ہیں

(تفسیر) ۱۱۶ "وقالوا اتخذ اللّٰہ ولدا" ابن عامر نے "قالوا" پڑھا بغیر واؤ کے اور باقیوں نے "وقالوا اتخذ اللّٰہ ولدا" یہ آیت یہود مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہا اور نصاریٰ نجران کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے اور مشرکین عرب کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے کہا فرشتے خدا

تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (سبحانہ) اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو عالی منزہ قرار دیا اور عظمت بیان کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے۔ وہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کو یہ حق حاصل نہ تھا اور آدم علیہ السلام کے بیٹے نے مجھے گالی دی اور اسے یہ مناسب نہ تھا۔ بہرحال ابن آدم کا مجھے جھٹلانا اس طرح ہے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ میں اس کو اس طرح لوٹانے پر قادر نہیں ہوں جیسے کہ وہ پہلے تھا اور ابن آدم کا مجھے گالی دینا اس کا یہ کہنا ہے کہ میرے ہاں کوئی اولاد ہے۔ پس میں اس سے پاک ہوں کہ میں بیوی اپناؤں یا اولاد۔

"بل لہ مافی السمٰوٰت والارض" عبد ہونے کے لحاظ سے اور مملوک ہونے کے لحاظ سے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اسی کا ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے اور اسی کی ملک ہے۔ "کلٌ لہ قانتون" حضرت مجاہد، حضرت عطاء اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ "قانتون" کے معنی ہیں "مطیعون" حضرت عکرمہ، مقاتل رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ "قانتون" کا معنی ہے "مقرون" یعنی اپنی بندگی کا اقرار و اعتراف کرنے والے ابن کیسان فرماتے ہیں۔ "قائمون بالشھادۃ" کہ (حق کی) گواہی لے کر کھڑے ہونے والے۔ قنوت کا اصل معنی قیام ہے۔ یعنی کھڑا ہونا حضور علیہ السلام نے فرمایا "افضل الصلوٰۃ طول القنوت" کہ افضل نماز وہ ہے جس کا قیام طویل ہو اس آیت کے حکم کے بارے میں انہوں نے اختلاف کیا۔

پس ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس آیت کا حکم خاص ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عزیر حضرت مسیح علیہم السلام اور فرشتوں کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت اہل طاعت کی طرف راجع ہے نہ کہ باقی لوگوں کی طرف اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آیت کا حکم عام ہے تمام لوگوں میں کیونکہ لفظ کل جس پر داخل ہوتا ہے اس کے کل افراد کا احاطہ کرتا ہے۔ اس طرح کہ اس سے کچھ بھی باہر نہیں ہوتا۔ پھر وہ کفار سے متعلق "قانتون" کے مفہوم کے بارے میں دو طریقے انہوں نے اختیار کیے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے سائے ان کے نہ چاہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وظلالھم بالغدو والآصال" علامہ سدی کہتے ہیں کفار کی اطاعت بروز قیامت ہوگی۔ اس قول کی دلیل "وعنت الوجوہ للحی القیوم" اور کہا گیا ہے "قانتون" بمعنی "مسخرون" ہے یعنی جس مقصد و افادیت کے لیے ان کو پیدا کیا گیا ہے اس میں حکم خداوندی کے تابع ہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: (حق تعالیٰ) موجد (بھی) ہیں آسمانوں اور زمین کے اور جب کسی کام کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو بس اس کام

کی نسبت (انتا) فرما دیتے ہیں کہ ہو جا بس وہ (اسی طرح) ہو جاتا ہے اور (بعضے) جاہل یوں کہتے ہیں کہ (خود) ہم سے کیوں نہیں کلام فرماتے اللہ تعالیٰ یا ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آ جاوے اسی طرح وہ (جاہل) لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں جو اُن سے پہلے ہو گذرے ہیں ان ہی کا سا (جاہلانہ) قول ہے ان سب کے قلوب (کج فہمی میں) باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ہم نے تو بہت سی دلیلیں صاف صاف بیان کر دی ہیں (مگر وہ) اُنکے لیے (نافع ہیں) جو یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپکو ایک سچا دین دیکر بھیجا ہے کہ خوشخبری سناتے رہیے اور ڈراتے رہیے اور آپ سے دوزخ میں جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی۔

تفسیر ⑪ "بدیع السمٰوات والارض" یعنی ان کو پیدا کرنے والا اور ان کی نشوونما کرنے والا بغیر کسی سابقہ نمونے کے "واذا قضٰی امراً" یعنی جو معاملہ اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا اور کہا گیا ہے یعنی اس کو مستحکم کیا اور مضبوط کیا اور قضا کا اصل معنی فارغ ہوتا ہے اور اسی سے ہے کہ جو شخص مر جائے اس کے متعلق کہا جاتا ہے "قضٰی علیہ" دُنیا سے فارغ ہونے کی وجہ سے اور اسی سے ہے "قضاء اللّٰہ و قدرہ" کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے تقدیر و تدبیر کے اعتبار سے فارغ ہو گیا۔ "فانما یقول لہ کن فیکون" ابن عامر "کن فیکون" کو ہر جگہ زبر کے ساتھ پڑھا ہے سوائے آل عمران کی سورۃ میں "کن فیکون الحق من ربک" اور سورۃ انعام میں "کن فیکون قولہ الحق" اور زبر اس لیے دی کہ جواب امر پر جب فاء داخل ہو تو اس کو زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور باقیوں نے پیش کے ساتھ پڑھا۔

بایں معنی "فھو یکون" پس اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا۔ "فانما یقول لہ کن" جب کہ جس کو کن کہا جا رہا ہے وہ معدوم ہے اور معدوم کو خطاب نہیں کیا جاتا؟

جواب۔ ابن انباری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے "فانما یقول لہ" یعنی اس کو وجود بخشنے کی خاطر۔ یعنی "لہ" کا معنی یہ نہیں کہ اس کو کہتا ہے بلکہ اس کا معنی ہے اس کے واسطے کہتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے خطاب کا مفہوم ختم ہو گیا اور کہا گیا ہے کہ وہ اگرچہ معدوم ہے مگر چونکہ موجود ہو جانا مقدر ہو چکا ہے اور وہ ہر حال میں وجود میں آنے والا ہے تو وہ کالموجود کی طرح ہو گیا۔ پس اب خطاب درست ہے۔

⑫ "وقال الذین لا یعلمون" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد یہود ہیں۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لا یعلمون" سے مراد عیسائی ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد مشرکین عرب ہیں۔

"لولا" یہاں لولا بمعنی ھلا ہے اور "ھلا" کا استعمال کسی کام پر اُبھارنے کے لیے ہوتا ہے۔ "یکلمنا اللّٰہ" یعنی اللہ تعالیٰ ہم سے علانیہ کلام کیوں نہیں فرماتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور قرآن کریم میں جہاں بھی "لولا" آیا ہے وہ بمعنی "ھلا" ہے سوائے ایک مقام کے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "فلولا انہ کان من المسبحین" یہاں "لولا" کا معنی "فلولم یکن" ہے جس کا معنی ہے پس اگر وہ نہ ہوتے تسبیح کرنے والوں سے "او تاتینا آیۃ" وہ آیت رہنمائی کرنے والی

ہوتی اور علامت ہوتی آپ کے سچے ہونے پر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کذالک قال الذین من قبلھم" یعنی سابق اُمتوں کے کفار "مثل قولھم تشابھت قلوبھم" یعنی بعض بعض کے کفر میں اور سنگ دلی میں اور محال امور کو طلب کرنے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئے۔ "قد بینا الآیات لقوم یوقنون"

۱۱۹ "انا ارسلناک بالحق" یہاں بالحق بمعنی بالصدق ہے (یعنی حق سچ کے ساتھ ہم نے آپ کو بھیجا ہے۔ "ویستنبونک احق ھو قل ای وربی انہ لحق" یعنی وہ حق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بالحق کے معنی ہیں کہ قرآن کے ساتھ اور اس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے "بل کذبوا بالحق لما جاء ھم" ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں بالحق کا معنی اسلام اور اس کے احکام ہیں اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وقل جاء الحق" حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ ہم نے آپ کو بے فائدہ و فضول نہیں بھیجا، ہم نے صرف آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما خلقنا السموات والارض وما بینھما الا بالحق" اللہ تعالیٰ کا ارشاد "بشیرا" یعنی میرے دوستوں کو اور میرے فرمانبرداروں کو اچھے اجر و ثواب کی خوشخبری دینے والا (ونذیرا) ڈرانے والا اپنے دشمنوں کو اور گناہ گاروں کو عذاب الیم سے ڈرانے والا ہے "ولا تسال" یہ (فعل) نفی معروف ہے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی کہ بے شک ایک دن حضور علیہ السلام نے فرمایا، اے کاش! مجھے معلوم ہوجاتا میرے والدین کس حال میں ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا "لاتسئل" فرمانا اس طرح ہے جیسے عرب کا محاورہ ہے۔ "لاتسال عن شر فلان فانہ فوق ماتحسب" کہ فلاں کی برائی کے بارے میں نہ پوچھ وہ تیرے گمان سے بھی اوپر ہے اور یہ "لاتسئل" نفی نہیں ہے اور دوسروں نے "لاتسئل" پیش کے ساتھ پڑھا۔ فعل نفی کے طور پر معنی ہوگا آپ اُن کے بارے میں مسئول نہیں ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب" یعنی تبلیغ دین و احکام آپ کے ذمے ہے اور حساب و کتاب ہمارے ذمہ رہا۔

۱۱۹ "عن اصحاب الجحیم" جحیم بڑی آگ کو کہا جاتا ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: اور کبھی خوش نہ ہونگے آپ سے یہ یہودی اور نہ یہ نصاریٰ جب تک کہ آپ (خدانخواستہ) اُن کے مذہب کے بالکل پیرو نہ ہوجاویں آپ (صاف) کہہ دیجئے کہ (بھائی) حقیقت میں تو ہدایت کا وہی راستہ ہے جسکو خدا نے

(ھدایت کا راستہ) بتلایا ہے اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں اُنکے غلط خیالات کا علم (قطعی ثابت بالوحی) آچکنے کے بعد تو آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ پاویں گے نہ مددگار جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت وانجیل) دی بشرطیکہ وہ اُسکی تلاوت (اس طرح) کرتے رہے جسطرح کہ تلاوت کا حق ہے ایسے لوگ (البتہ آچکے) اُس دین حق پر ایمان لے آتے ہیں اور جو شخص نہ مانے گا (کس کا نقصان کریگا) خود ہی ایسے لوگ خسارہ میں رہیں گے۔

تفسیر ⓪"ولن ترضی عنک الیھود و لا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتھم قل ان ھدی اللّٰہ ھو الھدیٰ" اور یہ اس طرح کہ وہ حضور علیہ السلام سے مصالحت کا سوال کرتے اور آپ کو اس کا طمع دلاتے کہ اگر حضور علیہ السلام ان کو مہلت دیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس کا معنی یہ ہوا آپ اگر چہ ان سے مصالحت فرمالیں تو اس پر بھی راضی نہ ہوں گے۔ یہ مصالحت تو آپ سے صرف حیلے بہانے کے طور پر طلب کرتے ہیں اور یہ آپ سے اور کسی طور پر راضی نہیں ہوں گے مگر یہ کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کرلیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ قبلہ کے بارے میں ہے اور یہ اس طرح کہ یہود مدینہ اور نجران کے عیسائی حضور علیہ السلام کے بارے میں پر اُمید تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ فرما کر کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تو یہودی اور عیسائی حضور علیہ السلام کے بارے میں اس بات سے مایوس ہوگئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دین کے لحاظ سے موافقت کریں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولن ترضی عنک الیھود" (یعنی آپ سے یہودی راضی نہ ہوں گے) مگر یہودیت کے ساتھ اور نہ عیسائی راضی ہوں گے مگر عیسائیت کے ساتھ۔ ملت کے معنی طریقہ کے ہیں۔ "ولئن اتبعت اھواء ھم" کہا گیا ہے کہ یہ خطاب حضور علیہ السلام کے ساتھ اُمت کو ہے جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ولئن اشرکت لیحبطن عملک"...... "بعد الذی جاء ک من العلم" یہاں علم سے مراد بیان ہے یعنی اس بیان کے آجانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا دین دین اسلام ہے اور قبلہ قبلۂ ابراہیمی ہے جو کہ کعبہ ہے۔

⓪"مالک من اللّٰہ من ولی و لا نصیر"......"الذین آتیناھم الکتاب" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ کشتی والوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہمراہ آئے تھے۔ یہ چالیس مرد تھے۔ بتیس (۳۲) کا تعلق حبشہ سے تھا اور آٹھ شام کے راہب تھے۔ ان میں بحیرا راہب بھی تھا۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہوئے۔ عبداللہ بن سلام، شعبہ بن عمرو اور تمام بن یہودا، اسد، اسید (رضی اللہ عنہم) جو دونوں کعب رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور ابن یامین، عبداللہ بن صوریا، حضرت قتادہ، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں یہ اصحاب رسول ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ عامۃ المؤمنین ہیں۔ "یتلونہ حق تلاوتہ" کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پوچھنے والوں کے لیے اس طرح بیان کرتے جیسا کہ بیان کا حق ہے۔

اور "یتلونہ" میں ضمیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ کلبی رحمہ اللہ کے علاوہ باقی کہتے ہیں کہ یہ ضمیر کتاب کی

طرف لوٹتی ہے اور "یتلونہ" کے معنی میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "یتلونہ" کا معنی ہے "یقرؤنہ" ہے یعنی اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح کہ وہ نازل کیا گیا اور اس کو تبدیل نہیں کرتے اس کے حلال کو حلال گردانتے ہیں اور حرام کو حرام سمجھتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ اس کتاب کے محکم آیات پر عمل کرتے ہیں اور اس کے متشابہات پر ایمان لاتے ہیں اور جو مضمون و معنی ان پر مشکل ہوا سے جاننے والے کے سپرد کرتے ہیں۔ (جاننے والے سے رجوع کرتے ہیں) حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یتلونہ حق تلاوتہ" کا معنی ہے کہ جس طرح اس کی پیروی کرنے کا حق ہے ویسے ہی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول "اولئک یؤمنون بہ" ..... "ومن یکفر بہ فاولئک ھم الخٰسرون"

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اے اولاد یعقوب (علیہ السلام) میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر (وقتاً فوقتاً) انعام کیا اور اس کو (بھی) کہ میں نے تم کو (بہت سی باتوں میں) بہت لوگوں پر فوقیت دی اور تم ڈرو ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف نہ کوئی مطالبہ (حق واجب) ادا کرنے پاویگا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جاویگا اور نہ کسی کو کوئی سفارش (جبکہ ایمان نہ ہو) مفید ہوگی اور نہ اُن لوگوں کو کوئی بچا سکے گا اور جس وقت امتحان کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُنکے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ اُنکو پورے طور پر بجالائے (اُسوقت) حق تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا اُنھوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی (کسی کسی کو نبوت دیجئے) ارشاد ہوا کہ میرا (یہ) عہد (نبوت) خلاف ورزی (قانون) کرنیوالوں کو نہ ملے گا۔

تفسیر: ﴿۱۲۴﴾ ابن عامر رحمہ اللہ نے ابراہیم کے لفظ کو بعض جگہوں پر ابراھام پڑھا ہے اور یہ تینتیس جگہیں ہیں۔ ہر کل مقامات ننانوے (۹۹) ہیں جہاں ابراہیم کا لفظ آیا ہے۔ ابراہیم عجمی نام ہے اس لیے یہ منصرف نہیں بلکہ غیر منصرف ہے اور یہ ابراہیم بن تارخ اور یہ تارخ آزر بن ناحور ہے۔ ان کی پیدائش اھواز کے علاقہ سوس میں ہوئی اور کہا گیا ہے کہ بابل میں ہوئی اور کہا گیا ہے کہ مقام کوثی میں ہوئی اور کہا گیا ہے کسکر کے مقام پر ہوئی اور کہا گیا کہ حضرت ابراہیم کی ولادت حران میں ہوئی اور ان کے والد نمرود بن کنعان کی سرزمین بابل سے لے آئے اور ابتلاء کا معنی آزمانا اور امتحان میں ڈالنا ہے اور اس کا معنی امر بھی ہے یعنی حکم دینا، اللہ تعالیٰ کا بندوں کے آزمانے کا معنی یہ نہیں کہ آزما کر ان کے حالات معلوم کرتا ہے کیونکہ (آزمائے بغیر) اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور ان کے حالات کا عالم ہے بلکہ آزمائش میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ ان کے حالات اور لوگ بھی جان لیں اور بعض،

بعض کے حالات سے آگاہ ہوجائیں۔ وہ کلمات جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا، وہ کیا تھے اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ پس حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ تیس (۳۰) چیزیں تھیں جنہیں احکام اسلام کا نام دیا گیا۔ ان کے ساتھ کسی کو نہیں آزمایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سب کو پورا کر دکھایا۔ پس ان کے لیے برأت لکھ دی گئی۔ پس فرمایا "وابراهيم الذي وفى" ان تیس (۳۰) میں سے دس (۱۰) چیزیں سورۃ برأت میں ہیں۔ "التائبون العابدون" سے لے کر آخر تک اور دس (۱۰) چیزیں سورۃ احزاب میں ہیں "ان المسلمين والمسلمات" سے لے کر آخر تک اور دس ⑩ چیزیں سورۂ مؤمنون میں ہیں "قد افلح المؤمنون" سے لے کر آخر تک۔

اور طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دس ⑩ چیزوں کے ساتھ آزمایا اور یہ دس چیزیں فطرت سلیمہ ہیں۔ ان دس میں سے پانچ کا تعلق سر سے ہے اور وہ یہ ہیں ❶ مونچھیں کتروانا ❷ کلی کرنا ❸ ناک میں پانی کرنا ❹ مسواک کرنا ❺ سر میں مانگ نکالنا اور پانچ چیزیں باقی بدن سے متعلق ہیں۔ ❶ ناخن کترنا ❷ بغل کے بال اکھاڑنا ❸ زیر ناف بال مونڈھنا ❹ ختنہ کرانا ❺ پانی سے استنجا کرنا۔ ایک خبر میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مونچھیں کتریں اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ختنہ کرایا اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ناخن کاٹے اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے بڑھاپا دیکھا۔ یعنی ان کے بال سفید ہوئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑھاپے کے آثار دیکھے یعنی بالوں کو سفید ہوتے دیکھا تو پوچھا اے میرے رب یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، یہ وقار ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے میرے رب! میرے وقار میں اضافہ فرما۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آزمائش سے مراد وہی آیات ہیں یعنی ان کا مضمون ہے جو اس کے بعد ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "انی جاعلک للناس" "اماما" حضرت ربیع اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس آزمانے سے مراد احکام حج ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سات چیزوں کے ساتھ آزمایا۔ ❶ ستارے ❷ چاند ❸ سورج۔ پس ان میں بہت اچھی گہری نظر فرمائی اور ان سے اس بات پر استدلال کیا کہ بے شک اس کا رب دائم ہے کبھی زائل نہ ہوگا۔ ❹ اور آگ کے ساتھ آزمایا۔ پس اس پر صبر کیا۔ ❺ اور ہجرت کے ساتھ آزمایا۔ ❻ اور بیٹے کو ذبح کرنے کے ساتھ آزمایا ❼ اور ختنہ کرنے کے ساتھ آزمایا۔ پس ان چیزوں پر صبر کیا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آزمانے سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا یہ قول جب وہ بیت اللہ شریف کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ "ربنا تقبل منا" الی آخر الآیۃ پس ان دونوں نے سبحان الله، الحمدلله، لا اله الا الله والله اكبر کے پاکیزہ کلمات کے ساتھ کعبہ کی دیواروں کو بلند کیا۔ یمان بن رباب فرماتے ہیں کہ کلمات سے مراد اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کی قوم نے حجت بازی کی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وتلك حجتنا آتيناها ابراهيم" اور کہا گیا ہے کہ اس آزمائش سے مراد یہ آیات ہیں "الذي خلقني فهو يهدين" الی آخر الآیات۔ پس

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو تمام کر دکھایا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اتمھن" کا معنی ہے "اَدّاھن" یعنی ان کو پورا پورا ادا کر دیا۔ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اتمھن" کا معنی ہے "قام بھن" یعنی ان کی ذمہ داری کو پوری طرح نبھایا۔ حضرت یمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اتمھن" کا معنی ہے عمل بھن یعنی ان کو عمل میں لائے۔

"قال انی جاعلک للناس اماما" ہر قبر میں تیری اقتداء کی جائے گی۔ "قال" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "ومن ذریتی" یعنی میری اولاد میں سے بھی امام بنا دے جن کی اقتداء کی جائے۔ "قال" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لاینال" نہیں پہنچے گا "عھدی الظالمین" حمزہ اور حفص رحمہم اللہ نے عہدی کی یاء کو ساکن پڑھا اور باقیوں نے ی کو زبر کے ساتھ پڑھا۔ یعنی جو ان میں سے ظالم ہوگا اس کو "یہ وعدنا امامۃ" نہیں پہنچے گا۔ حضرت عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عھدی سے مراد رحمتی ہے (یعنی میری رحمت ظالموں کو نہ پہنچے گی)۔ علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عھدی کا معنی ہے "نبوتی" اور کہا گیا ہے اس سے مراد امامت ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظالم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ظلم میں ان کی اطاعت کی جائے۔ آیت کا معنی ہوگا کہ جو نبوت و امامت کا میں نے آپ سے کیا ہے یہ میرا عہد اس کو نہیں حاصل ہوگا جو شخص آپ کی اولاد میں سے ظالم ہوگا اور کہا گیا ہے کہ عہد سے مراد "امان من النار" ہے (یعنی جہنم کی آگ سے اسے امان حاصل نہ ہوگی) اور ظالم سے مراد مشرک ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن" (اس آیت کریمہ میں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ حدیث مبارک میں اس کی صراحت کی گئی)۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ) جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور مقام امن ہمیشہ کیلئے مقرر کیا اور مقام ابراہیم کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو اور ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) کی طرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں (کی عبادت) کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے۔

تفسیر: ۱۲۵ "واذ جعلنا البیت" یعنی کعبہ "مثابۃ للناس" لوگوں کے لیے جائے رجوع کہ چاروں اطراف کے لوگ وہاں آتے ہیں۔ حضرت مجاہد، سعید بن جبیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس (کعبہ) کو ثواب کی جگہ بنا دی کہ وہاں لوگ حج کر کے ثواب حاصل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "مثابۃ" کا معنی ہے جائے پناہ اور ٹھکانہ حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جمع ہونے کی جگہ۔ "وامنا" یعنی جائے امن کہ اس میں مشرکین کی ایذاء سے امن میں رہیں گے کیونکہ کفار و مشرکین اہل مکہ کی طرف تعرض نہ کرتے تھے اور کہتے تھے یہ لوگ اہل اللہ ہیں اور مکہ مکرمہ کے اردگرد کے لوگوں کو

نقصان پہنچاتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اولم یروا انا جعلنا حرماً آمنا ویتخطف الناس من حولھم" کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم پاک کو امن والا بنایا اور ان کے اردگرد کے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا کہ یہ شہر (مکہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دن سے حرام فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے کے باعث قیامت کے دن تک حرام ہے اس کا کانٹا نہ کاٹا جائے اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے، اس کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے مگر وہ اُٹھائے جو اس کی تشہیر کرنا چاہتا ہو اور اس کا گھاس نہ کاٹا جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم "اذخر" بوٹی کو مستثنیٰ کیجئے کیونکہ لوہاروں کے کام آتی ہے اور گھروں میں استعمال ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے "اذخر" کو مستثنیٰ فرمادیا۔ "واتخذوا" نافع ابن عامر "واتخَذوا" خاء کی زبر کے ساتھ پڑھا یعنی یہ خبر ہے اور باقیوں نے "واتخِذوا" خاء کی زیر کے ساتھ یعنی یہ امر ہے "من مقام ابراھیم مصلی" یمان فرماتے ہیں ساری مسجد حرام مقام ابراہیم ہے اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

سارا حرم مقام ابراہیم ہے اور کہا گیا کہ حج کے تمام مقدس مقامات مثلاً عرفہ مزدلفہ اور باقی جگہیں یہ سب مقام ابراہیم ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ مقام ابراہیم صرف وہ پتھر ہے جو مسجد حرام میں ہے جس کی طرف آئمہ حضرات نماز پڑھتے ہیں مگر اب یہ پتھر اور جگہ پر رکھ دیا گیا اور یہ وہ پتھر ہے جس پر بیت اللہ شریف بناتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کی انگلیوں کے نشانات واضح تھے۔ پھر ہاتھ زیادہ لگنے کی وجہ سے مٹ گئے۔ حضرت قتادہ، مقاتل، سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں ان کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا مگر ہاتھ لگانے یا بوسہ دینے کا حکم نہ دیا گیا تھا۔

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین جگہوں پر موافقت کی یا فرمایا کہ میرے رب نے میری تین جگہوں پر موافقت کی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کاش آپ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی" کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر نیک و بد بھی داخل ہوتے ہیں اگر آپ اُمہات المؤمنین کو پردے کا حکم دیتے (تو کیا اچھا ہوتا) تو اللہ تعالیٰ نے پردے کی آیت نازل فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی بعض بیویوں پر ناراض ہوئے ہیں۔ پس میں ازواج مطہرات کے پاس گیا اور ان کو کہا اگر تم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنے سے) رُک گئیں "فبھا" ورنہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں عطا فرمادیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی "عسی ربه ان طلقکن ان یبدله ازواجاً خیراً منکن"

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی۔ (۱) میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیتے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی" بہرحال مقام ابراہیم کے واقعہ کا آغاز اس طرح ہے کہ سعید بن جبیر

نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا کہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل علیہ السلام اور سیدہ ہاجرہ (علیہا السلام) لے آئے اور مکہ مکرمہ میں ٹھہرایا اور صورت حال پر کچھ زمانہ گزرا تو مکہ مکرمہ میں قبیلہ جرہم اترا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ میں سے ایک عورت کے ساتھ نکاح فرمایا اور حضرت ہاجرہ (علیہا السلام) وفات پا گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس جانے سے متعلق اجازت چاہی تو حضرت سارہ علیہا السلام نے اجازت دی اور ساتھ ہی شرط لگائی کہ جائیں بے شک مگر وہاں (سواری سے) اُترنا نہیں۔ حضرت مکہ مکرمہ تشریف لائے حالانکہ حضرت ہاجرہ فوت ہو چکی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی کو فرمایا تمہارا صاحب (خاوند) کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ شکار کرنے گئے ہیں اور حضرت اسماعیل حرم کے علاقہ سے نکل کر شکار فرمایا کرتے تھے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بہو کو فرمایا کہ کیا تمہارے پاس ضیافت ہے یعنی مہمانداری کا سامان ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی گزران کے بارے میں پوچھا، اس نے جواب دیا ہم تنگی اور سختی میں ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شکایت کی۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو فرمایا، جب تیرا خاوند آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور اسے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے۔ اپنے والد محترم کی خوشبو محسوس کی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا کیا تیرے پاس کوئی آیا؟ پس آپ علیہ السلام کی بیوی بولی ایک بزرگ تشریف لائے تھے جن کا حلیہ اس طرح تھا۔ بیوی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اور حلیہ کا بیان اہانت آمیز لہجے میں کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بولے وہ تم کو کیا فرما گئے ہیں؟ بیوی بولی انہوں نے فرمایا کہ جب اسماعیل علیہ السلام آئیں ان کو میرا سلام کہنا اور اسے کہنا کہ گھر کے دروازہ کی چوکھٹ بدل دے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بولے یہ بزرگ میرے والد محترم تھے، انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھے چھوڑ دوں۔ اپنے میکے چلی جا پس اس کو طلاق دے دی۔ پھر انہیں میں سے ایک اور عورت سے نکاح کیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرے رہے پھر حضرت سارہ علیہا السلام سے اجازت چاہی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مل آئیں پھر حضرت سارہ نے سابقہ شرط کے ساتھ جانے کی اجازت دی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دروازہ تک پہنچے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بتایا وہ شکار کرنے تشریف لے گئے ہیں اور ان شاء اللہ ابھی آجائیں گے۔ آپ نیچے اُتریئے، اللہ پاک آپ پر رحم فرمائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کیا تیرے ہاں مہمانداری کا سامان ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی بولی ہاں! پس دودھ اور گوشت لے آئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی گزران کے بارے میں پوچھا، وہ بولیں ہم خیر کے ساتھ اور وسعت (رزق) کے ساتھ ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کے لیے برکت کی دعا کی۔ (یعنی دودھ اور گوشت کے سلسلہ میں دعائے برکت فرمائی۔) اگر آپ کی بہو اس دن گندم کی روٹی یا جو کی

روٹی یا کھجور لاتیں تو پوری زمین سے زیادہ سرزمین مکہ میں گندم یا جو یا کھجور ہوتی۔ پس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے عرض کی کہ آپ اُتریں تاکہ میں آپ کا سر دھوؤں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ اُترے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام ابراہیم پر لائی اور مقام ابراہیم والا پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دائیں جانب رکھا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا پاؤں اس پتھر پر رکھا اور آپ کی بہو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر کی دائیں جانب کو دھویا۔ پھر اس پتھر کو بائیں جانب رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر کی بائیں جانب کو دھویا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات اس پتھر پر باقی رہ گئے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بہو کو فرمایا جب تیرا خاوند آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور اسے کہنا کہ تیرے دروازہ کی چوکھٹ مستحکم ہے۔ پس جب حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو اپنے محترم والد کی خوشبو محسوس کی۔ پس اپنی بیوی کو فرمایا کیا کوئی تیرے پاس آیا ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے کہا ہاں ایک بزرگ تمام انسانوں سے زیادہ حسین اور زیادہ خوشبو والے تشریف لائے تھے۔

اور مجھے اس طرح فرمایا میں نے ان کی خدمت میں اس طرح عرض کیا اور میں نے ان کا سر بھی دھویا اور یہ ان کے قدموں کی جگہ ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بولے وہ اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام میرے والد محترم تھے اور تو دروازہ کی چوکھٹ ہے وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں اپنے پاس رکھوں اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی بواسطہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ زمانہ کے بعد جو اللہ نے چاہا پھر تشریف لائے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب درخت کے نیچے تیر تراش رہے تھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد محترم کو دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہو گئے تو پھر دونوں نے اسی طرح کیا جس طرح کوئی بیٹا باپ اور کوئی باپ بیٹے کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر فرمایا اے اسماعیل! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم فرمایا ہے۔ آپ اس پر میرے ساتھ تعاون کریں گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا میں اس پر آپ کی مدد کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں گھر بناؤں۔ پس اس وقت بیت اللہ شریف کی بنیادیں بلند کیں۔ پس حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے۔ پس جب تعمیر بلند ہو گئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ پتھر لائے۔ پس اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے رکھا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اس رکھے گئے پتھر پر کھڑے ہو گئے اور وہ تعمیر کرتے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر دیتے اور وہ دونوں کہہ رہے تھے "ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم" خبر میں آیا ہے کہ رکن اور مقام دونوں جنت کے یاقوت میں سے دو یاقوت ہیں اگر مشرکوں کے ہاتھ نہ لگتے تو مشرق و مغرب کے درمیان کا حصہ روشن ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وعھدنا الی ابراھیم و اسماعیل" یعنی ہم نے ان دونوں کو حکم دیا اور انہیں وصیت کی۔ کہا گیا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کا نام اسماعیل اس لیے رکھا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے کہ مجھے بیٹا عطا فرما اور فرماتے "اسمع یا ایل" "اے اللہ! دُعا سن لے (یعنی قبول کرلے)" "ایل اللہ" کو کہتے ہیں۔ جب بیٹا عطا کیا گیا تو اس کا نام

اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا۔ "ان طھرا بیتی" یعنی کعبہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی نسبت بیت کے لفظ کے ساتھ اپنی طرف کی خصوصیت اور فضیلت بخشنے کے لیے کی۔ "ان طھرا بیتی" کا معنی ہے کہ اس کی بنا پاکیزگی اور توحید پر رکھو۔ حضرت سعید بن جبیر اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اسے بتوں اور شرک سے اور جھوٹی بات سے پاک رکھو اور کہا گیا ہے کہ اسے خوشبو کی دھونی اور خوشبودار کرو۔ یہ قول یمان بن رباب کا ہے۔ اہل مدینہ اور حفص نے "بیتی" یاء کی زبر کے ساتھ پڑھا یہاں بھی اور سورۂ حج میں بھی اور حفص نے سورۂ نوح میں بھی۔ "للطائفین" اس کے اردگرد پھرنے والے "والعاکفین" اس کے پاس ٹھہرنے والے "والرکع" راکع کی جمع ہے (یعنی رکوع کرنے والے) "السجود" سجدہ کرنے والے اور یہ نمازی ہیں۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ کہتے ہیں طائفین وہ مسافر ہیں اور عاکفین اہل مکہ ہیں۔ عطاء، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ کہتے ہیں مسافروں کے لیے طواف افضل ہے اور اہل مکہ کے لیے نماز افضل ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

ترجمہ: اور جس وقت ابراہیم نے (دعا میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اسکو ایک (آباد) شہر بنا دیجئے امن و امان والا اور اُسکے بسنے والوں کو پھلوں کی (قسم) سے بھی عنایت کیجئے (اور میں) اُنکو (کہتا ہوں) جو کہ اُن میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں (باقیوں کو آپ جانیں) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اُس شخص کو بھی کہ کافر رہے سو ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤں گا پھر اُسکو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچا دوں گا اور ایسے پہنچنے کی جگہ تو بہت بُری ہے۔

تفسیر ۞ "واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا" یعنی مکہ مکرمہ اور کہا گیا ہے کہ حرم مراد ہے "بلدا آمنا" یعنی امن والا جس کے باسی امن سے ہوں۔ "وارزق اھلہ من الثمرات" یہ دُعا اس لیے فرمائی کیونکہ وہ ایسی وادی میں تھے جو کھیتی والی نہ تھی۔ قصص میں ہے کہ طائف شام کے علاقہ اُردن سے تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا انہوں نے علاقہ طائف کو وہاں سے اکھاڑا اور بیت اللہ شریف کے اردگرد سات چکر دلوائے اور جہاں اب ہے اس جگہ رکھ دیا۔ پس اس طائف سے مکہ مکرمہ کے اکثر پھلوں کا تعلق ہے۔ "من آمن منھم باللہ والیوم الآخر" ایمان والوں کے لیے خاص دُعا فرمائی۔ "قال" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ومن کفر فامتعہ" ابن عامر نے "فامتعہ" بغیر شد کے پڑھا اور ہمزہ کی پیش کے ساتھ اور باقیوں نے شد کے ساتھ دونوں کا معنی ایک ہے۔ "قلیلا" یعنی میں کافر کو بھی موت تک تھوڑا سا رزق دوں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کے لیے چاہے کافر ہوں یا مومن رزق کا وعدہ فرما رکھا ہے اور یہاں رزق کو قلت کے ساتھ مقید اس لیے فرمایا کہ دُنیا کا سامان ہے ہی قلیل "ثم اضطرہ" یعنی اسے مجبور کروں گا آخرت میں

"الی عذاب النار وبئس المصیر" یعنی ایسا مرجع جس کی طرف وہ لوٹے گا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقام کے قریب یہ مضمون لکھا ہوا پایا کہ میں اللہ مکہ کا مالک ہوں جس دن میں نے سورج چاند پیدا کئے اسی دن مکہ کو بھی پیدا کیا۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: اور جبکہ اُٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل علیہ السلام بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے) کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۲۷﴾ اور اس کو میں نے حرام کیا جس دن سے میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس کو میں نے سات فرشتوں کے ذریعے سے محفوظ کیا جو اس کی طرف مائل ہیں۔ اس کا رزق تین راستوں سے آتا ہے اس (مکہ) کے لیے گوشت اور پانی میں برکت ڈالی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل" راوی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ والی جگہ کو زمین کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا اور یہ جگہ پانی پر سفید جھاگ کی شکل میں تھی۔ پس زمین کو اس کے نیچے سے پھیلایا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو آپ نے وحشت محسوس کی۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس امر کی شکایت (درخواست) کی تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت کی شکل میں بیت المعمور کو اتارا۔ سبز زمرد سے بنے ہوئے اس کے دو دروازے تھے۔ ایک مشرق کی طرف ایک مغرب کی طرف۔ پس اسے بیت اللہ شریف کی جگہ پر رکھا اور فرمایا اے آدم! میں نے تیرے لیے گھر کو اتارا جس کا تو طواف کرے جیسا میرے عرش کے ارد گرد طواف کیا جاتا ہے اس کے پاس تو نماز پڑھے جیسے میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حجر (اسود) نازل فرمایا، یہ سفید تھا۔ زمانہ جاہلیت میں حیض والی عورتوں کے ہاتھ لگانے کی وجہ سے سیاہ ہو گیا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان کی سرزمین سے مکہ مکرمہ کی طرف پیدل متوجہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتہ مقرر فرمایا جو آپ کو بیت اللہ شریف کی طرف رہنمائی کرے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے حج فرمایا اور احکام حج ادا کیے۔ پس جب آپ حج سے فارغ ہوئے تو فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور کہا اے آدم تیرا حج مبرور ہے اور ہم اس گھر کا آپ سے دو ہزار سال پہلے حج کر چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر چالیس (۴۰) حج کیے۔ بیت المعمور اسی حال پر طوفان نوح کے زمانہ تک رہا۔ (طوفان کے وقت) اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کو چوتھے آسمان پر اٹھا لیا جس پر روزانہ ستر ہزار فرشتے زیارت کیلئے جاتے ہیں اور پھر لوٹ کر نہیں آتے۔ اس طرح جس نے ایک بار زیارت کر لی اس کو قیامت تک دوبارہ زیارت کرنے کی سعادت نہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا حتیٰ کہ اس نے حجر اسود کو جبل ابی قبیس میں غرق ہونے سے بچانے کے لیے چھپا دیا۔ پس یہ کعبہ والی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک خالی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد بنائے کعبہ کا حکم دیا کہ اس میں ذکر (الٰہی) کیا جائے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ کعبہ والی جگہ بیان

فرمادے۔ پس اللہ تعالیٰ نے سکینہ کو حکم دیا کہ تا کہ بیت اللہ والی جگہ واضح کرے۔ سکینہ اکھاڑنے والی سخت ہوا جس کے دو سر تھے اور سانپ کے مشابہ تھی۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ بیت اللہ کو اس جگہ بنائیں جہاں سکینہ ٹھہر جائے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اس ہوا کے پیچھے ہو گئے حتیٰ کہ دونوں (یعنی ابراہیم اور ہوا) مکہ مکرمہ آئے تو ہوا نے بیت اللہ والی جگہ کو گھیر لیا۔

یہ حضرت علی اور حسن رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے برابر کی مقدار میں ایک بادل بھیجا، وہ بادل بھی رواں رہا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے سائے میں چلتے رہے۔ یہاں تک کہ مکہ پہنچے اور وہ بادل بیت اللہ شریف والی جگہ پر رُک گیا۔ پھر اس بادل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی گئی کہ اس بادل کے سائے کے برابر تعمیر کیجئے اور اس سے کم یا زیادہ نہ کریں اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بیت اللہ شریف والی جگہ پر دلالت کرنے کے لیے بھیجا۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "واذ بوانا لابراهيم مكان البيت" تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کعبہ فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرماتے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اُٹھا دیتے۔ پس یہ ہے قول خداوندی "واذ يرفع ابراهيم القواعد من البيت و اسماعيل" قواعد سے مراد بنیاد ہے قواعد قاعدہ کی جمع ہے۔ کسائی کہتے ہیں قواعد البیت سے مراد بیت اللہ کی دیواریں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیت اللہ شریف کو پانچ پہاڑوں سے یعنی پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے تعمیر کیا گیا۔ (۱) طور سینا (۲) طور زیتا (۳) لبنان جو ملک شام کا پہاڑ ہے۔ (۴) جودی جو کہ جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے اور کعبہ کی بنیادیں کوہ حرا سے بنائیں اور کوہ حرا جو مکہ مکرمہ میں ایک پہاڑ ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حجر اسود کے مقام تک پہنچے تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فرمایا کوئی خوبصورت سا پتھر لاؤ جو لوگوں کے لیے نشان ہو تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر لائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اس سے زیادہ خوبصورت پتھر لاؤ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تلاش کرنے نکلے تو جبل ابوقبیس نے آواز دی، اے ابراہیم! بے شک تیرے لیے میرے پاس امانت ہے اسے لے لے تو اس سے حجر اسود لیا اور اسے اپنی جگہ پر نصب کیا اور کہا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان میں ایک گھر بنایا ہے جو کہ بیت المعمور ہے اور اسے ضراح کا نام دیا گیا ہے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کی سیدھ پر اسی کی مقدار کے برابر اسی طرح زمین پر کعبہ تعمیر کریں اور کہا گیا ہے سب سے پہلے جس نے کعبہ تعمیر کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور طوفان نوح کے وقت مٹ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابراہیم کے لیے ظاہر فرمایا حتیٰ کہ اس کی تعمیر کی "ربنا وتقبل دعاء" اس عبارت میں اضمار ہے یعنی وہ دونوں کہہ رہے تھے "ربنا تقبل منا بناء نا" اے ہمارے رب ہم سے ہماری تعمیر کو قبول فرما۔ "انک انت السميع" ہماری دُعا کو (سننے والا ہے یعنی قبول کرنے والا ہے) "العليم" ہماری نیتوں کو جاننے والا ہے)۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

علیہ السلام میں سے ایک رسول بھیجا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تمام انبیاء علیہم السلام کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے سوائے دس کے اور وہ دس یہ ہیں۔ نوح، ہود، صالح، شعیب، لوط، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہم اجمعین "یتلوا" پڑھے "علیھم آیاتک" تیری کتاب یعنی قرآن آیت قرآنی کلام متصل کا نام ہے ختم ہونے تک اور کہا گیا ہے چند حروف کے مجموعہ کا نام ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "خرج القوم بآیتھم" یعنی اپنی جماعت سمیت قوم نکلی "ویعلمھم الکتاب" یعنی قرآن "والحکمۃ" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں حکمت سے مراد فہم قرآن ہے۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد مواعظ قرآن یعنی قرآنی نصیحتیں ہیں اور جو کچھ قرآن پاک میں احکام ہیں حضرت قتیبہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد علم و عمل ہے اور آدمی اس وقت تک حکیم نہیں ہوتا یہاں تک کہ

وہ علم و عمل کو جمع کرلے اور کہا گیا ہے کہ حکمت سنت واحکام کا نام ہے اور کہا گیا ہے حکمت فیصلہ کرنے کی قوت کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ حکمت فقہ ہے یعنی دین کی سمجھ ابوبکر بن درید فرماتے ہیں کہ ہر وہ بات جو تجھے نصیحت کرے یا تجھے اچھے خلق کی طرف دعوت دے یا تجھے برائی سے منع کرے۔ پس وہ حکمت ہے۔ "ویزکیھم" یعنی ان کو شرک اور گناہوں سے پاک کرے اور کہا گیا ہے کہ یزکیھم کا معنی ہے کہ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے۔ ابن کیسان فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز ان کے لیے عدالت کی گواہی دے۔ جب وہ آپ کی اُمت کے لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں تبلیغ احکام سے متعلق گواہی دیں گے۔ "یزکیھم" تزکیہ سے مشتق ہوا جس کے معنی تعدیل کے ہیں یعنی دوسرے کو عادل ثابت کرنا، بیان کرنا "انک انت العزیز الحکیم" ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عزیز کے معنی ہیں کہ اس جیسا نہ پایا جائے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عزیز کے معنی منتقم کے ہیں۔ اس قول کا بیان فرمان الٰہی ہے۔ "واللہ عزیز ذو انتقام" اور کہا گیا ہے عزیز کے معنی منع کے ہیں یعنی جس پر کسی کا قابو نہ چلے اور کہا گیا ہے عزیز بمعنی "القوی" عزۃ" قوت ہی تو ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فعززنا بثالث فقالوا" تو یہاں عززنا بمعنی قوینا ہے یعنی ہم نے قوت دی اور کہا گیا ہے عزیز کے معنی غالب کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک (مدعی) انسان کو خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ "وعزنی فی الخطاب" کہ گفتگو میں وہ مجھ پر غالب آتا ہے۔ چنانچہ مثال مشہور ہے۔ "من عز بز" یعنی "من غلب سلب" کہ جو غالب آیا اس نے چھین لیا۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

ترجمہ: اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو اور ہم نے (اُسی کی بدولت تو) اُن (ابراہیم) کو دنیا میں منتخب کیا اور (اُسی کی بدولت) وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں جب کہ اُن سے اُن کے پروردگار نے فرمایا کہ تم (خدا کی) اطاعت اختیار کرو اُنھوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی۔

تفسیر: ۱۳۰ "ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم" اور یہ اس طرح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے اپنے دو بھتیجوں سلمہ اور

مہاجر کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ پس ان دونوں کو کہا تحقیق تم جانتے ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے کہ میں اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ایک نبی بھیجنے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا پس جو شخص ایمان لایا۔ پس وہ ہدایت پاگیا اور جو ایمان نہ لایا۔ وہ ملعون ہے تو اس پر سلمہ تو ایمان لے آیا اور مہاجر نے اسلام لانے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمائی "ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم" اس کا معنی یہ ہوا کہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین اور شریعت کو چھوڑ دیا کہا جاتا ہے "رغب فی الشیء" اس نے کسی چیز میں رغبت کی جب اس شی کا اس نے ارادہ کیا اور کہا جاتا ہے رغب عنہ جب اس نے اس کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "مَنْ" یہ لفظ پوچھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی اس مقام پر ڈانٹ ڈپٹ ہے یعنی کوئی شخص بھی ملت ابراہیم سے اعراض نہیں کرتا۔ "الا من سفہ نفسہ" اس جملہ کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ "من خسر نفسہ" ہے یعنی جس شخص نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا۔ کلبی کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی ذات کے اعتبار سے گمراہ ہو گیا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے "من اھلک نفسہ" جس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ ابن کیسان اور زجاج کہتے ہیں اس کا معنی ہے "من جھل نفسہ" جو اپنے آپ سے جاہل رہا یعنی جس نے اپنے آپ کو نہ پہچانا۔ "سفاھۃ" کا معنی "جھالۃ" اور کمزور رائے کا ہونا ہے ہر سفیہ جاہل ہے (بے وقوف) جس نے اللہ تعالیٰ کے ماسوی کی عبادت کی وہ اپنے آپ سے جاہل رہا اور اپنے آپ کو اس نے نہ پہچانا۔ تو خالق کو بھی نہ پہچان سکا۔ جیسا کہ مقولہ ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی، اپنے آپ کو پہچان اور مجھے پہچان۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی، اے میرے رب! میں اپنے نفس کو کیسے پہچانوں اور تجھے کیسے پہچانوں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اپنے نفس کو ضعف کے ساتھ اور عجز وفنا کے ساتھ پہچان یعنی اس حقیقت کو ذہن نشین کر لے تو کمزور، عاجز اور فانی ہے اور مجھے قوت قدرت اور بقاء کے ساتھ پہچان کہ میں قوۃ والا قدرۃ والا اور باقی ہوں۔ حضرت اخفش فرماتے ہیں "سفہ نفسہ" کا معنی ہے "سفہ فی نفسہ" اس صورت میں لفظ منصوب بنزع الخافض حرف صفت ہوگا۔

فراء کہتے ہیں نفسہ تفسیر کی بنیاد پر منصوب ہے گویا کہ اصل عبارت تھی "سفھت نفسہ" اس کا نفس ناسمجھ نادان ہوا پس جب "سفہ" کا فعل صاحب نفس کی طرف منسوب ہوا تو نفس تفسیر کرنے والا ہو گیا تاکہ جانا جائے کہ "سفاھۃ" کا محل اور مقام کیا ہے یعنی نفس ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "ضِقْتُ بہ ذرعا یا ضاق ذرعی بہ" یعنی میرے تنگ ہونے کا محل اور مقام ذرع یعنی دل ہے۔

"ولقد اصطفیناہ فی الدنیا" اس کو ہم نے دُنیا میں منتخب اور چن لیا۔ "وانہ فی الآخرۃ لمن الصالحین" وہ آخرت میں نبیوں کے ساتھ جنت میں ہوگا۔ حسین بن فضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت میں تقدیم وتاخیر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "ولقد اصطفیناہ فی الدنیا والآخرۃ وانہ لمن الصالحین" کہ ہم نے اس کو دُنیا اور آخرت میں چن لیا اور بے شک وہ صالحین میں سے ہیں۔

۞ "اذ قال لہ ربہ اسلم" یعنی اسلام پر مستقیم رہ اور اسی پر ثابت قدم رہ کیونکہ وہ تو پہلے سے مسلم تھے تو رب اسلم کا یہ معنی

نہ ہوگا کہ اسلام لا بلکہ معنی ہوگا اسلام پر قائم اور کامزن ثابت قدم رہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اس وقت فرمایا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام غار سے نکلے حضرت کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسلم کا معنی ہے کہ اپنے دین اور عبادت کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے کیجئے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے اور اپنے معاملات اسی کے حوالے کیجئے۔ "قال اسلمت لرب العالمین" یعنی میں نے سپرد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس قول کو ثابت کر دکھایا کہ جب وہ آگ میں ڈالے گئے تو فرشتوں میں سے کسی ایک سے بھی مدد نہ چاہی۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ اور اسی (ملت) کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوب بھی میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کو تمہارے لیے منتخب فرمایا ہے سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان نہ دینا کیا تم خود (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا (اور) جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے مرنے کے بعد کس چیز کی پرستش کرو گے انہوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرت) ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے۔

تفسیر ① "ووصّی بہا ابراھیم بنیہ و یعقوب" اہل مدینہ اور اہل شام نے "اوصی" پڑھا ہے یعنی الف کے ساتھ اور ان کے مصاحف میں بھی ایسے ہی ہے اور باقیوں نے "ووصّی" شد کے ساتھ پڑھا ہے اور اس میں دونوں لغتیں ہیں جیسے "انزل اور نزل" ہیں اور اس کا معنی ہے کہ وصیت فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو کلمہ اخلاص کی وصیت فرمائی جو کہ لا الہ الا اللہ ہے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تیرا جی چاہے تو "بہا" کی ضمیر کو ملت کی طرف راجع کر کیونکہ پہلے ملت ابراہیم کا ذکر ہے اور اگر تو چاہے تو بہا کی ضمیر وصیت کی طرف راجع کرے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آٹھوں بیٹوں کو وصیت فرمائی۔ اسماعیل علیہ السلام کو اور ان کی والدہ ہاجرہ قبطیہ کو حضرت اسحاق اور ان کی والدہ سارہ کو اور باقی چھ بیٹوں کو اور ان کی والدہ قطورا بنت یقطن کنعانیہ (علیہم السلام) کو جس کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کی وفات کے بعد شادی کی تھی اور یعقوب علیہ السلام کا نام یعقوب علیہ السلام اس لیے رکھا گیا کہ یعقوب علیہ السلام اور ان کے بھائی عیص جڑواں تھے۔ پیدائش کے وقت عیص پہلے اپنی ماں کے پیٹ سے

نکلے اور ان کے پیچھے حضرت یعقوب عیص کی ایڑی پکڑے ہوئے نکلے۔

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور بعض نے کہا کہ یعقوب علیہ السلام کا نام یعقوب علیہ السلام اس لیے ہے کہ ان کی عقب بہت زیادہ ہے۔ ان کے بعد رہنے والی ان کی نسل کی تعداد کثیر ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بارہ بیٹوں کو وصیت فرمائی "یا بنی" اس کا معنی ہے یعنی اے میرے بیٹو! "ان اللہ اصطفی" چن لیا۔ پسند کیا۔ "لکم الدین" یعنی دین اسلام "فلا تموتن الا وانتم مسلمون" ایمان والے ہو کر مرنا اور کہا گیا ہے مخلص ہو کر اور کہا گیا ہے مفوضون یعنی اپنا معاملہ خدا کے سپرد کیے ہوئے مرنا ظاہراً نہی موت پر واقع ہے۔ درحقیقت ترک اسلام سے ان کو منع کیا گیا۔ اس کا معنی ہوگا اسلام پر پختگی اختیار کرنا حتیٰ کہ تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو۔ فضیل ابن عیاض رحمہ اللہ سے روایت ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الا وانتم مسلمون" یعنی اپنے رب تعالیٰ سے حسن ظن رکھتے ہوئے مرنا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے تین دن پہلے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یموتن احدکم" تم میں سے کوئی ایک نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو۔

⓭ "ام کنتم شہداء" یعنی کیا تم موجود تھے اس جملے سے مراد یہ ہے کہ تم حاضر گواہ نہ تھے۔ "اذ حضر یعقوب الموت" یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام موت کے قریب ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے حضور علیہ السلام سے کہا کیا آپ جانتے نہیں کہ بے شک یعقوب علیہ السلام جب فوت ہوئے تو انہوں نے اپنی اولاد کو یہودیت یعنی یہودی ہونے کی وصیت کی تھی۔ اس بنیاد پر یہ یہود سے خطاب ہوگا۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے تو اہل مصر کو دیکھا کہ قوم بتوں اور آگ کی پوجا کرتے ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو شرک میں مبتلا ہونے کے خوف سے جمع کیا اور نصیحت فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی" حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی نبی کی روح قبض نہیں فرمائی یہاں تک کہ اسے موت وحیات کے درمیان اختیار بخشا (یعنی وہ دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہیں یا موت قبول فرما کر عالم برزخ میں تشریف لانا چاہتے ہیں) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اختیار دیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بارگاہ صمدیت میں عرض کی کہ اے میرے رب! مجھے مہلت بخش یہاں تک کہ میں اپنی اولاد سے پوچھ لوں اور انہیں وصیت کرلوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت عنایت فرمائی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو جمع فرمایا۔

اور ان کو فرمایا میری موت آچکی ہے تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ "قالوا نعبد الٰہک والٰہ آبائک ابراھیم و اسماعیل و اسحاق" حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے چچا تھے۔ اہل عرب چچا کو باپ کہتے ہیں جیسے کہ خالہ کو ماں کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا "عم الرجل صنو ابیہ" آدمی کا چچا اس کے باپ کی مانند ہے اور حضور علیہ السلام نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا "رُدّوا علیّ ابی فانی اخشیٰ ان تفعل بہ قریش ما فعلت ثقیف بعروۃ بن مسعود" میرے اوپر میرے والد کو لوٹا دو مجھے ڈر ہے کہ اس کے ساتھ قریش وہی معاملہ نہ کریں جو قبیلہ ثقیف نے عروۃ بن مسعود

کے ساتھ کیا تھا یعنی کہیں قتل نہ کرڈالیں۔ اب اس فرمان نبوی میں حضور علیہ السلام نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا باپ فرمایا ہے۔ "الٰھا واحدا" یہاں الٰھا کا لفظ اللہ تعالیٰ کے اس قول "الٰھک" سے بطور بدل کے منصوب ہے اور کہا گیا ہے "الٰھاً" منصوب ہے بایں ترکیب "ای نعرفہ الٰھاً واحداً" کہ ہم اس کو ایک معبود جانتے پہچانتے ہیں۔ "ونحن له مسلمون"

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞

ترجمہ: یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گذر چکی اُنکے کام اُن کا کیا ہوا آویگا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا اور تم سے اُنکے کیے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی اور یہ (یہودی و نصرانی) لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تم بھی راہ (حق) پر پڑ جاؤ گے آپ (جواباً) کہہ دیجئے کہ ہم تو ملت ابراہیم یعنی اسلام پر رہیں گے جس میں کجی کا نام بھی نہیں اور ابراہیم علیہ السلام مشرک بھی نہ تھے۔

تفسیر: ۱۳۴ "تلک امۃ" جماعت "قد خلت" گزر چکی۔ "لھا ما کسبت" جو عمل کیا ہوگا وہی کام آئے گا "ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون" ہر شخص سے اپنے ہی عمل کے بارے میں سوال کیا جائے گا نہ کہ کسی اور کے عمل کے بارے میں۔

۱۳۵ "وقالوا کونوا ھوداً او نصاریٰ تھتدوا" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ مدینہ کے کعب بن اشرف مالک بن صیف وہب بن یہودا ابو یاسر بن اخطب اور نجران السید اور عاقب وغیرہ سب جمع ہوئے اور مسلمانوں سے دین کے بارے میں مناظرہ کیا۔ ہر گروہ اس بات کا مدعی تھا کہ وہ دین الٰہی کا زیادہ حق دار ہے۔ پس یہود نے کہا ہمارا نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام نبیوں سے افضل ہے اور ہماری کتاب تورات تمام کتابوں سے افضل ہے اور ہمارا دین تمام ادیان سے افضل ہے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب انجیل اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا انکار کیا اور عیسائیوں نے کہا ہمارا نبی تمام نبیوں سے افضل ہے اور ہماری کتاب انجیل تمام کتابوں سے افضل ہے اور ہمارا دین ادیان عالم سے افضل ہے اور انہوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا انکار کیا اور یہودیوں عیسائیوں دونوں گروہوں میں سے ہر ایک نے ایمان والوں کو کہا "کونوا علی دیننا" ہمارے دین پر آجاؤ۔ اس دین کے علاوہ اور کوئی دین ہے ہی نہیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قل" یا محمد فرما دیں "بل ملۃ ابراھیم" بلکہ ہم تو پیروی کریں ملت ابراہیم علیہ السلام کی۔ کسائی کہتے ہیں کہ ملت کے لفظ کی زبر بطور اغراء کے ہے یعنی برانگیختہ اور اُبھارنے کے طور پر ہے۔ گویا اتباع ملت ابراہیم پر ابھارا گیا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی گویا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں "اتبعوا ملۃ ابراھیم" کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرو اور کہا گیا ہے "بل ملۃ ابراھیم" کا معنی یوں ہوگا بلکہ ہم تو ملت ابراہیم علیہ السلام پر ہوتے ہیں گے اور بل ملۃ ابراہیم کی اصل عبارت یوں تھی بل نکون علی ملۃ ابراھیم "اس عبارت سے علیٰ کو حذف کردیا گیا۔ پس ملۃ کا لفظ منصوب رہ گیا۔ "حنیفاً" لفظ حنیف بصری نحویوں کے نزدیک حال پر منصوب ہے اور کوفی نحویوں کے نزدیک نصب علی القطع ہے۔ گویا اس سے مراد یوں ہے ملت ابراہیم الحنیف جب الحنیف سے الف لام گر گیا تو لفظ حنیف نکرہ ہونے کی بناء پر معرفہ

کے تابع نہ ہوسکا پس اس سے کٹ گیا۔ پس اس پر اس قطع کے باعث نصب آ گئی۔ مجاہد فرماتے ہیں الحنیفیۃ حضرت ابراہیم کی اس لائی ہوئی شریعت کے پیروکاروں کی جماعت ہے جس کے باعث حضرت ابراہیم امام بن گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں الحنیف وہ شخص جو تمام ادیان باطل سے منہ موڑ کر صرف دین اسلام کی طرف جھک جائے۔ یہ حنف سے مشتق ہے اور حنف کا معنی وہ میلان اور ٹیڑھا پن ہے جو کہ قدم میں ہوتا ہے اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حنیف حج کرنے والے اور ختنہ شدہ شخص کو کہتے ہیں۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب "حنیفا مسلما" ہو یعنی لفظ حنیف کے ساتھ مسلم کا لفظ بھی مستعمل ہو تو اس حنیف سے مراد الحاج ہے اور جب حنیف کے لفظ کے ساتھ مسلم کا لفظ نہ ہو تو وہ حنیف بمعنی مسلم ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الحنیفیۃ" ختنہ کرانے ماؤں کے حرام کرنے بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں کے حرام کرنے اور احکام الٰہی بجا لانے کا نام ہے۔ "وما کان من المشرکین" پھر ایمان والوں کو طریقہ ایمان سکھایا۔ پس فرمایا۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

ترجمہ: (مسلمانو) کہو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس (حکم) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر بھی جو (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) اسمٰعیل اور (حضرت) اسحٰق اور (حضرت) یعقوب (علیہم السلام) اور اولاد یعقوبؑ (میں جو نبی گذرے ہیں اُن) کی طرف بھیجا گیا اور اس (حکم و معجزہ) پر بھی جو حضرت موسٰیؑ اور حضرت عیسٰیؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا اُنکے پروردگار کی طرف سے اس کیفیت سے کہ ہم ان (حضرات) میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آویں جس طریق سے تم (اہل اسلام) ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ حق پر لگ جاویں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو تو وہ لوگ تو (ہمیشہ سے) برسر مخالفت ہیں ہی تو (سمجھ لو کہ) تمہاری طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے اُن سے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۳۶﴾ "قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا" یعنی قرآن "وما انزل الی ابراھیم" اور وہ دس صحیفے (و اسماعیل و اسحاق و یعقوب والاسباط) یعنی اولاد یعقوب اور وہ بارہ خاندان۔ ان کے ایک خاندان کو سبط کہا جاتا ہے۔ ان کو سبط کا نام اس لیے دیا گیا کہ اولاد یعقوب میں سے ہر ایک کے ہاں ایک جماعت پیدا ہوئی۔ کسی آدمی کے سبط کا معنی اس کا پوتا یا نواسا ہوتا ہے۔ اسی باعث حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو سبط رسول کہا گیا اور بنی اسرائیل کے سبط ایسے تھے جیسے اہل عرب کے ہاں قبائل ہیں جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں یا پھر شعوب اہل عجم کے ہاں ہیں۔ (گویا کہ یہ اصطلاحی نام ہے کسی

بڑے خاندان کو جس طرح اہل عرب قبیلہ اس کی جمع قبائل استعمال ہوتی ہے اور عجم میں بڑے خاندان کو شعب اور اس کی جمع شعوب ہے۔ اسی طرح بنو اسرائیل کے ہاں یہ اصطلاح تھی کہ اُن کے بڑے خاندان کو سبط اور اس کی جمع اسباط استعمال ہوتی ہے)

منجانب: مترجم:۔ اور ان کے اسباط میں انبیاء تھے اور اسی لیے فرمایا "وما انزل الیھم" اور کہا گیا ہے اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صلبی اولاد ہے جو سب کے سب نبی تھے۔ "وما اوتی موسیٰ" یعنی تورات "وعیسیٰ" یعنی انجیل "وما اُوتی" بمعنی اعطی یعنی عطا کیے گئے "النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم" یعنی ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں (ایمان لانے میں) ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان نہیں کرتے کہ ہم بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں اس کا کفر کریں جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا "ونحن له مسلمون" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور اس کی تفسیر مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں کرتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کیا کرو اور نہ ان کی تکذیب کیا کرو اور کہو آمنا باللہ الی آخر الآیۃ۔

⑬ "فان آمنوا بمثل ما آمنتم به" جس کے ساتھ تم ایمان لائے ہو اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما پڑھتے تھے اور لفظ (مثل) صرف بطور صلہ کے وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "لیس کمثله شیء" جس میں لفظ مثل کا کوئی معنی نہیں ہے لہٰذا "لیس کمثله شیء" "لیس هو کشیء" کے معنی میں ہے اس میں لفظ مثل کا کوئی معنی نہیں اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے پس اگر وہ ایمان لائیں ان تمام کے ساتھ جس کے ساتھ تم ایمان لائے ہو۔ یعنی ایسا ایمان لائے جیسا کہ تمہارا ایمان ہے اور ایسی توحید اختیار کریں جیسا کہ تم نے توحید اختیار کی اور کہا گیا ہے پس اگر وہ ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان لائے اور "بمثل ما امنتم" میں باء زائدہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پاک میں باء زائدہ ہے۔ "وھزی الیک بجذع النخلة" ابو معاذ نحوی فرماتے ہیں اس کا معنی ہے پس اگر وہ ایمان لائیں تمہاری کتاب پر جس طرح تم ان کی کتاب پر ایمان لائے ہو۔ "فقد اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی شقاق" یعنی اختلاف اور جھگڑے میں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہا جاتا ہے "شاقَّ مُشاقَّةً" یعنی وہ مخالفت کرے گویا کہ ہر ایک نے وہ جانب لے لی جو اس کے ساتھی کی جانب کی غیر ہے اس کے مخالف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لایجرمنکم شقاقی" یعنی میری مخالفت اور کہا گیا ہے فی شقاق کا معنی ہے۔ عداوت دشمنی میں ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "ذالک بانھم شاقوا اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ سے دشمنی اختیار کی "فسیکفیکھم اللہ" یا محمد یعنی آپ کی طرف سے یہود و نصاریٰ کے شر کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور تحقیق حضور علیہ السلام کفایت کیے گئے۔ بنو نضیر جو قبیلہ یہود تھا اس کے جلاء وطن ہونے کے ساتھ اور بنو قریظہ قبیلہ یہود کے قتل ہونے کے باعث اور یہود و نصاریٰ پر جزیہ مقرر کر دیا گیا۔ "وھو السمیع" ان کی باتوں کو سننے والا "العلیم" ان کے حالات کو جاننے والا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمہ ہم (دین کی) اس حالت پر رہیں گے جس میں (ہم کو) اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور (دوسرا) کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو اور (اسی لئے) ہم اس کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں آپ (اُن سے) فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ہم سے (اب بھی) حجت کئے جاتے ہو حق تعالیٰ (کے معاملہ) میں حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا (سب کا) رب ہے اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا اور ہم نے صرف حق تعالیٰ کی (خوشنودی) کے لئے اپنے دین کو شرک وغیرہ سے خالص کر رکھا ہے یا کہے جاتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ یہود اور نصاریٰ تھے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ (اچھا یہ تو بتلاؤ کہ) تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفا کرے جو اُس کے پاس منجانب اللہ پہنچی ہو اور (اے اہل کتاب) اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے سے بے خبر نہیں ہیں۔

تفسیر ﴿۱۳۸﴾ "صبغۃ اللّٰہ" کلبی، قتادہ اور حسن رحمہم اللہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صبغۃ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور دین کو اللہ تعالیٰ نے رنگ کا نام اس لیے دیا کہ جس طرح کپڑے پر رنگ کا اثر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح دین کا اثر بھی دین دار پر نمایاں ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ دین کو رنگ اس لیے فرمایا گیا کہ دین دار بھی دین کو لازم پکڑتا ہے اور جدا نہیں ہوتا جس طرح کہ رنگ کپڑے کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے اور جدا نہیں ہوتا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صبغۃ اللہ سے مراد فطرت اللہ ہے اور یہ تاویل، اول تاویل کے قریب ہے اور بعض نے کہا کہ صبغۃ اللہ سے مراد سنت اللہ ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ختنہ کرانا ہے کیونکہ ختنہ بھی ختنہ کرانے والے کو خون میں رنگ دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بے شک عیسائیوں کے ہاں جب کسی کا بچہ پیدا ہوتا ہے اور بچے پر جب سات دن گزر جاتے تو بچے کو ایک زرد رنگ والے پانی میں جو ان کے ہاں ہوتا ڈبو دیتے، اس پانی کو معمودیہ کہا جاتا اور بچہ کو اس پانی کے ساتھ رنگ دیتے تاکہ ختنہ کی جگہ اس پانی سے اس بچہ کو پاک کریں۔ جب بچے کے ساتھ یہ عمل کرتے تو کہتے "الآن صار نصرانیا حقا" کہ اب یہ پکا نصرانی بن گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کا دین، دین اسلام ہے وہ طریقہ نہیں جو کہ نصرانی لوگ کرتے ہیں۔ "صبغۃ اللّٰہ" کا لفظ برانگیختہ کرنے کے مفہوم کے مطابق منصوب یعنی زبر والا ہے تقدیر عبارت ہوگی "الزموا دین اللّٰہ" کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو لازم پکڑو۔ امام اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں صبغۃ اللہ کا لفظ "ملۃ ابراھیم" سے

بدل کر۔ "ومن احسن من اللہ صبغۃ" یعنی دین کے لحاظ سے اور بعض نے کہا کہ صبغۃ کا معنی تطہیر ہے تطہیر کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہے "ونحن لہ عابدون" "مطیعون" یعنی ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔

⑬ "قل" یا محمد یہود و نصاریٰ کو فرما دیجئے "اتحاجوننا فی اللہ" اللہ تعالیٰ کے دین میں تم ہم سے جھگڑتے ہو۔ "محاجۃ" کا معنی المجادلۃ فی اللہ ہے حجت کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحث و مباحثہ کرنا اور یہ اس طرح کہ انہوں نے کہا کہ بے شک انبیاء علیہم السلام ہم میں سے تھے اور ہمارے دین پر تھے اور ہمارا دین قدیم ہے لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہاری نسبت زیادہ قریب ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قل اتحاجوننا فی اللہ ...... وھو ربنا وربکم" اللہ تعالیٰ کی نسبت ہم اور تم برابر ہیں کیونکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ "ولنا اعمالنا ولکم اعمالکم" ہر ایک کے لیے اس کے عمل کی جزا ہے تو پھر کس طرح تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو۔ "ونحن لہ مخلصون" اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے ہو (اور ہم اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص یعنی موحد ہیں) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اخلاص کے معنی ہیں کہ بندہ اپنے دین یعنی عقیدہ اور عمل کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے کر دے، پس اپنے دین میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے اور نہ اپنے عمل کے ساتھ دکھلاوا کرے۔

حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ لوگوں کی خاطر (نیک) عمل چھوڑ دینا ریا ہے اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا یہ شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے تجھے عافیت بخشے۔

⑭ "ام تقولون" بمعنی "اتقولون" ہے یہ استفہام (پوچھنے) کا لفظ ہے اور اس کا معنی توبیخ یعنی ڈانٹنا ہے۔ ابن عامر حمزہ کسائی حفص نے "ام تقولون" کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے "قل اتحاجوننا فی اللہ" اور اس کے بعد فرمایا "قل ءانتم اعلم ام اللہ" (مقصد یہ کہ آگے پیچھے چونکہ خطاب کے صیغے ہیں اس لیے "ام تقولون" بھی تاء کے ساتھ بصیغہ خطاب ہوگا) اور باقیوں نے یاء کے ساتھ بصیغہ غائب پڑھا ہے۔ معنی ہوگا یہود و نصاریٰ کہتے ہیں۔ "ان ابراھیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب والاسباط کانوا ھودا او نصاریٰ قل" یا محمد "ءانتم اعلم" ان کے دین کے بارے میں (تم زیادہ جانتے ہو) "ام اللہ" حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام یہودی نہ تھے اور نہ نصرانی بلکہ حنیف مسلم تھے۔ "ومن اظلم ممن کتم" چھپایا "شھادۃ عندہ من اللہ" تعالیٰ اور یہ شہادت (گواہی) ان کا یہ علم کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد مسلم تھے اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی کتابوں کو کو لکھایا۔ "وما اللہ بغافل عما تعملون"

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭

ترجمہ: یہ (اُن بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گذر گئی ان کے کام ان کا کیا ہوا آوے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا اور تم سے اُن کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی

تفسیر: ⑭ تلک امۃ الخ یہ آیت کریمہ دوبارہ تاکید (مضمون) کی خاطر لائی گئی۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: اب تو (یہ) بیوقوف لوگ ضرور کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ سے جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس (بات) نے بدل دیا آپ فرما دیجئے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک میں ہیں جس کو خدا ہی چاہیں (یہ) سیدھا طریقہ بتلا دیتے ہیں اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنا دی ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو تمہارے لئے اللہ کے (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ ہوں اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس کے لئے تھا کہ ہم کو (ظاہری طور پر بھی) معلوم ہو جائے کہ کون رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے اور یہ قبلہ کا بدلنا (منحرف) لوگوں پر ہوا ہو ثقیل (ہاں) مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع (اور ناقص) کر دیں (اور) واقعی اللہ تعالیٰ تو (ایسے) لوگوں پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔

تفسیر: ⑭ "سیقول السفہاء" جاہل "من الناس ما ولاہم" کس چیز نے اُن کو پھیرا۔ "عن قبلتہم التی کانوا علیہا" یعنی بیت المقدس لفظ قبلہ بروزن "فِعْلَة" ہے مقابلہ سے مشتق ہے۔ یہ آیت کریمہ یہود اور مشرکین مکہ بیت المقدس سے مکہ مکرمہ کی طرف تحویل کعبہ پر ان کی طرف سے طعن کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ چنانچہ یہود نے مشرکین مکہ کو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا معاملہ (دین کا) گڑبڑ ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مولد (وطن) کی طرف مشتاق ہوئے ہیں اور (نماز میں) تمہارے شہر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اب وہ تمہارے دین کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قل للہ المشرق والمغرب" اقتدار کے لحاظ سے اور پوری مخلوق اس کے (تابع فرمان) بندے ہیں۔ "یہدی من یشاء الی صراط مستقیم"

⑮ "وکذالک جعلناکم امۃ وسطا" ان رؤساء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قبلہ کو محض حسد کی بنیاد پر چھوڑا ہے اور بے شک ہمارا قبلہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا قبلہ ہے اور بے شک محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس (حقیقت) کو بخوبی جانتے ہیں کہ لوگوں میں عدل (پر قائم) ہیں۔ پس حضرت معاذ

رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں حق وانصاف پر ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "کذالک" یعنی اور اسی طرح اور بعض نے کہا کہ "کاف تشبیہ کے لیے ہے اور یہ (کاف تشبیہ) اللہ تعالیٰ کے اس قول "ولقد اصطفیناہ فی الدنیا" کی طرف لوٹایا گیا ہے یعنی جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس کی اولاد کو چن لیا پسند کیا اسی طرح ہم نے تم کو اُمت وسط بنایا یعنی پسندیدہ اور عادل (وسط کا معنی خیر اور عدل اسی جگہ ایسے ہے) جس طرح اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قال اوسطھم" یعنی "خیرھم واعدلھم اور خیر الاشیاء اوسطھا" یعنی چیزوں میں سے درمیان والی چیز بہتر ہوتی ہے۔

اور کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "جعلنا امۃ وسطا" کا معنی ہے کہ ہم نے تم کو دین وسط والی اُمت بنایا جو دین کہ غلو (حد سے بڑھنا) اور تقصیر (کوتاہی کرنا) کے درمیان ہے کیونکہ حد سے بڑھنا اور کمی کوتاہی کرنا دین میں دونوں مذموم ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے درمیان ایک دفعہ عصر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والی کسی شئ کو نہ چھوڑا مگر یہ کہ اسی مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ذکر فرمادیا۔ یہاں تک کہ جب دھوپ کھجوروں کے سروں پر اور دیواروں کے کناروں تک آگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا کے گزرے ہوئے حصہ کے مقابل اس کا بقیہ حصہ اتنا بچ رہ گیا ہے جتنا کچھ کہ تمہارے اس دن کا حصہ باقی ہے اور بے شک یہ اُمت ستر اُمتوں کو پورا کررہی ہے اور یہ ستر (۷۰) اُمتوں کے بعد اور آخر میں آنے والی اُمت ہے اور یہ اُمت سابقہ سب اُمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ترین اُمت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ "لتکونوا شھداء علی الناس" قیامت کے دن (اس بات کے گواہ بن جاؤ) کہ رسولوں نے بے شک (اپنی اُمتوں کو) تبلیغ احکام فرمادی۔ ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء رحمہ اللہ کو کہا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا معنی ہے؟ "لتکونوا شھداء علی الناس" انہوں نے فرمایا اس سے مراد اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ہر اس شخص کے خلاف گواہی دے گی جس نے حق کو چھوڑ دیا۔ "ویکون الرسول" (اس جگہ رسول سے مراد) حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

"علیکم شھیدا" تمہیں درست کرنے والے اور تمہارا تزکیہ فرمانے والے اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک جگہ پر جمع کریں گے۔ پھر سابقہ اُمتوں کے کفار کو فرمائیں گے۔ "الم یاتکم نذیر؟" کیا تمہارے پاس ڈرانے والا اور متنبہ کرنے والا کوئی نہیں آیا تھا پس وہ انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا تھا تو پھر اس سلسلہ میں ان کے نبیوں سے دریافت فرمائیں گے تو انبیاء کرام علیہم السلام کہیں گے انہوں نے جھوٹ بولا ہم نے انہیں (احکام دین) پہنچادیئے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ (اس پر) گواہ طلب کریں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (یہ گواہوں کی طلبی) محض حجت قائم کرنے کے لیے ہوگی۔

چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو لایا جائے گا تو اُمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی کہ انہوں نے تبلیغ احکام کی تھی سابقہ (تکذیب کرنے والی) اُمتیں کہیں گی۔ یہ ہمارے بعد آنے والوں نے (ہماری صورت حال کو) کیسے جان لیا؟ اللہ تعالیٰ اس اُمت سے پوچھیں گے تو اُمت محمد یہ کہے گی یا اللہ! تو نے ہمارے پاس اپنے رسول کو بھیجا اور ان پر تو نے کتاب (قرآن) نازل فرمائی۔ اس کتاب میں اے اللہ! تو نے اپنے رسولوں کے احکام الٰہیہ پہنچانے کی خبر دی تھی۔

اے اللہ! تو نے اس میں جو کچھ خبر دی اس خبر دینے میں تیری ذات پاک بچی ہے۔ پھر حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام سے آپ کی اُمت کے بارے میں پوچھیں گے "فَيُزَكِّيهِمْ وَيَشْهَدُ بِصِدْقِهِمْ" پس حضور علیہ السلام اپنی اُمت کا تزکیہ فرمائیں گے یعنی اپنی اُمت کی عدالت کو ثابت کریں گے اور اس سلسلہ میں سچا ہونے کی گواہی دیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو قیامت کے روز لایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا "هل بلغت؟" کیا تو نے میرے احکام پہنچائے؟ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے ہاں یا رب! پس اللہ تعالیٰ اُمت نوح علیہ السلام سے پوچھیں گے کیا حضرت نوح علیہ السلام نے تمہیں تبلیغ فرمائی؟ پس وہ کہیں گے "ما جاء نا من نذير" ہمیں کوئی بھی متنبہ اور خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کہا جائے گا اس امر پر آپ کے گواہ کون ہیں؟

حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے "محمد و امته" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا پھر تم کو لایا جائے گا پس تم گواہی دو گے۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے یہ پڑھا "وكذالك جعلناكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا" اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی "وما جعلنا القبلة التي كنت عليها" پھیرنا اس قبلہ یعنی بیت المقدس سے (پھیرنا) پس یہ حذف مضاف کے باب سے ہوگا۔ (گویا تقدیر عبارت یوں ہوگی) "وما جعلنا تحويل القبلة التي كنت عليها" تو گویا قبلہ سے پہلے لفظ تحویل جو کہ مضاف ہے محذوف ہوگا اور اس کا بھی احتمال ہے کہ جعل کا مفعول ثانی محذوف ہو اور تقدیر عبارت یوں ہو کہ "وما جعلنا القبلة التي كنت عليها منسوخة" (تو جعل کا دوسرا مفعول منسوخۃ یہاں منسوخ ہوگا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عبارت "التي كنت عليها" کا معنی "التي انت عليها" ہو (یعنی جس قبلہ پر آپ تم ہو) اور یہ کعبہ مکرمہ ہے تو "كنت بمعنى انت" ایسے ہے جیسے فرمان الٰہی "كنتم خير امة" میں "كنتم" بمعنی "انتم" ہے۔ "الا لِنَعْلَمَ من يتبع الرسول" پس اگر کہا جائے کہ "الا لِنَعْلَمَ" کا کیا معنی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو تمام اشیاء کا عالم ہے۔ ان اشیاء کے وجود میں آنے سے بھی پہلے؟ کہا جائے گا کہ اس علم سے مراد وہ علم ہے جس سے ثواب وعقاب کا تعلق ہے کیونکہ ثواب و عقاب کا تعلق اس علم الٰہی سے نہیں جس کا اللہ تعالیٰ (پردہ) غیب میں عالم ہے بلکہ جزا و سزا کا تعلق اس علم الٰہی سے ہوتا ہے جس کا معنی و مصداق عالم موجودات میں پایا جائے تو "الا لِنَعْلَم" کا معنی وہ علم ہوگا جس کی بنیاد پر اس (محل معلوم) کا عامل جزا و سزا کا مستحق ہو جائے اور بعض نے کہا کہ "الا لنعلم" کا معنی ہے "لنرى ونميز" تاکہ ہم دیکھیں اور پرکھیں، امتیاز کریں کہ کون ہے جو قبلہ کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے۔ "ممن ينقلب على عقبيه" پس وہ مرتد ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے (بے شک جب تحویل قبلہ ہوئی تو کچھ مسلمان یہودیت کی طرف پھر گئے) اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ گئے۔ اہل معانی فرماتے ہیں کہ "الا لِنَعْلَمَ" کا معنی ہے "لِنعلمنا" بوجہ ہمارے اس علم کے کہ کون اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتا ہے بنسبت ان لوگوں کے جو اپنی ایڑی کے بل واپس لوٹتے ہیں۔ (گویا

تعلم بتاویل مصدر بمعنی علم ہوگا) اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق یہ بات سبقت کر چکی تھی (اور ثابت ہو چکی تھی) کہ تحویل قبلہ ایک قوم کی ہدایت کا سبب ہوگا اور ایک قوم کی گمراہی کا اور کبھی لفظاً استقبال بمعنی ماضی بھی آیا کرتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فلم تقتلون انبیاء اللّٰہ" اب اس جگہ "فلم تقتلون" بمعنی "فلم قتلتم" کے ہے۔ پس تم نے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کیا۔ "وان کانت" یعنی "ولقد کانت" تحقیق تھی یعنی قبلہ کی طرف سے پھرنا۔ بعض نے کہا کہ "کانت" کی ضمیر "عن قبلۃ" کی طرف راجع ہے اور بعض نے کہا کہ کعبہ کی طرف راجع ہے۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں "وان کانت التحویلۃ" یعنی اگرچہ تھی تحویل قبلہ "لکبیرۃ" ثقیل سخت "الا علی الذین ھدی اللّٰہ" جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔ سیبویہ کہتے ہیں "وان" تاکید ہے قسم کے مشابہ اسی لیے اس کے جواب پر لام داخل ہوئی ہے۔ "وما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم" اور یہ فرمان الٰہی اس لیے وارد ہوا کہ حیی بن اخطب اور اس کے دیگر یہودی ساتھی مسلمانوں کو کہنے لگے ہمیں تم ان نمازوں کے بارے میں بتاؤ جو تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں۔ اگر وہ (بجانب بیت المقدس پڑھنا) ہدایت تھی تو تم اس (ہدایت) سے پھر گئے اور اگر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا گمراہی تھی۔

اور جو لوگ تم میں سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے مر گئے وہ گمراہی پر مرے تو جواب میں مسلمانوں نے کہا ہدایت وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ حکم فرماویں اور گمراہی وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ منع فرماویں اور وہ کام بجالائیں۔ یہود بولے تمہاری ان سے متعلق کیا گواہی ہے جو تم میں سے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے مر گئے اور تحویل قبلہ الی الکعبہ سے پہلے مرنے والے مسلمانوں میں سے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے جن کا تعلق بنو نجار سے تھا اور حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ تھے جو بنو سلمہ سے تھے اور یہ دونوں نقباء میں سے تھے۔ (نقباء سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت سے قبل حضور علیہ السلام سے بیت العقبہ کی تھی اور اسی طرح تحویل قبلہ سے پہلے مرنے والے کچھ اور لوگ بھی تھے۔)

تو ان حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خاندان والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس چل کر گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو اللہ تعالیٰ نے (تحویل قبلہ فرما کر) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف پھیر دیا ہے۔ ہمارے ان بھائیوں کا کیا بنے گا جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور پھر تحویل قبلہ سے پہلے ہی مر گئے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم" یعنی "صلاتکم الی بیت المقدس" اللہ تعالیٰ تمہاری ان نمازوں کو ضائع نہیں فرمائے گا جو تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں۔

"ان اللّٰہ بالناس لرؤف رحیم" اہل حجاز اور ابن عامر، حفص رحمہم اللہ نے "لرؤوف" پڑھا یعنی واؤ اشباعی بروزن "فعول" پڑھا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اکثر اسماء گرامی "فعول" اور "فعیل" کے وزن پر ہیں جیسے غفور، شکور، رحیم، کریم وغیرہا۔ ابوجعفر ہمزہ کو لین پڑھتے ہیں یعنی واؤ سے بدل کر "رَوُف" پڑھتے ہیں۔ (لین وہ حرف علت ساکن جس کے ماقبل کی حرکت اس کے موافق ہو) باقی حضرات سلب ہمزہ کر کے یعنی رؤف کو بغیر ہمزہ کے پڑھتے ہیں "رَؤُف" بروزن "فعُل" پڑھتے ہیں۔ جریر شاعر کہتا ہے:

للمسلمین علیک حقا کفعل الواحد الرؤف الرحیم

"رافۃ" (بہت رحمت کرتا)

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: ہم آپ کے منہ کا (بیہ بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم (وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے (تو) پھر (حکم) ابھی دیئے دیتے ہیں کہ) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے۔ اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (حکم) بالکل ٹھیک ہے (اور) ان کے پروردگار ہی کی طرف سے (ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۴۴﴾ "قد نری تقلب وجھک فی السماء" یہ آیت کریمہ اگرچہ تلاوت میں بعد ہے۔ لیکن معنی کے لحاظ سے مقدم ہے کیونکہ یہ آیت قصہ کا آغاز ہے۔ تحویل قبلہ پہلا وہ معاملہ ہے جو شرع شریف میں منسوخ ہوا اور یہ اس طرح کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مکہ مکرمہ میں کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ صخرۂ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں تا کہ یہ امر یہود کا حضور علیہ السلام کی تصدیق کرنے کے زیادہ قریب ہو جائے کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تورات میں لکھی ہوئی آپ کی اس صفت کی تصدیق ہوگا (جس میں یہ درج تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مدت بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از ہجرت الی المدینہ سولہ (۱۶) یا سترہ (۱۷) مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔

اور آپ اس بات کو محبوب رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں کعبہ شریف کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جائے کیونکہ کعبہ شریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو یہود کے اس پروپیگنڈا کے باعث بھی پسند فرماتے تھے جو یہود نے ان دنوں شروع کر رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین میں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہمارے قبلہ کی اتباع کرتے ہیں تو حضور علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ مجھے یہ بات محبوب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کعبہ شریف کی طرف پھیر دے اس لیے کہ کعبہ میرے ابا حضور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرح اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور آپ اللہ تعالیٰ کے حضور مکرم و محترم ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب تعالیٰ سے سوال فرمادیں اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان کی طرف چڑھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل آسمان کی طرف نظر مبارک رکھی۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تحویل قبلہ کا حکم لے کر نازل ہوئے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رکھتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء" "فلنولینک قبلۃ" پس ہم پھیر دیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس) قبلہ کی طرف "ترضٰھا" جس کو آپ محبوب رکھتے ہیں اور اسے پسند کرتے ہیں۔ "فول" پھیر دیجئے "وجھک شطر المسجد الحرام" اس کی طرف اور اس سے مراد کعبہ ہے اور حرام بمعنی محرم لائق احترام باعظمت "وحیثما کنتم" کسی خشک علاقہ میں یا مثلاً مشرق میں یا مغرب میں "فولوا وجوھکم شطرہ" نماز کے وقت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ نے بیت اللہ شریف کی تمام طرفوں میں دُعا فرمائی اور نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ باہر تشریف لائے۔ پس جب آپ آئے تو کعبہ کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور فرمایا "ھذہ القبلۃ" یہ قبلہ ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل مدینہ منورہ تشریف لائے تو اپنے اجداد (دادوں) پر اُترے یا فرمایا اپنے ماموؤں کے پاس اُترے جو انصار میں سے اور بے شک حضور علیہ السلام نے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بیت اللہ شریف کی طرف کردیا جائے اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تحویل قبلہ کے بعد) جو پہلی نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ لوگوں نے نماز پڑھی تو جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر نماز پڑھی تھی ان میں سے ایک آدمی نکلا تو ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا جو رکوع میں تھے تو فرمایا بنام خدا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی ہے۔ چنانچہ وہ مسجد والے نمازی نماز کی جس حالت میں تھے وہیں بیت اللہ شریف کی طرف گھوم گئے اور یہود کو یہ بات اچھی لگتی تھی جب حضور علیہ السلام بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے اور اہل کتاب بھی (اس پر خوش تھے)۔

پس جب حضور علیہ السلام نے اپنا رُخ مبارک بیت اللہ شریف کی طرف پھیر لیا اس کا انہوں نے انکار کیا۔ حضرت براء اپنی اسی حدیث میں فرماتے ہیں کہ تحویل قبلہ سے پہلے کچھ لوگ فوت ہوگئے اور شہید ہوگئے ہمیں کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ہم ان لوگوں کے بارے میں کیا کہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" اور تحویل قبلہ غزوۂ بدر سے دو ماہ پہلے ماہ رجب میں زوال آفتاب کے بعد ہوا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ (تحویل قبلہ والی) اس وقت نازل ہوئی جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد بنی سلمہ میں تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز ظہر کی دو رکعتیں پڑھا چکے تھے۔ پس آپ نماز ہی میں پھر گئے اور مردوں کو عورتوں کی جگہ کی طرف پھیر دیا اور عورتوں کو مردوں کی جگہ کی طرف۔ چنانچہ یہ مسجد، مسجد قبلتین کا نام

دی گئی اور کہا گیا کہ تحویل قبلہ نماز سے باہر ہوئی یعنی دو نمازوں کے درمیانی وقت میں اور اہل قبا کو تحویل قبلہ کی خبر صبح کی نماز میں پہنچی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس اثناء میں کہ لوگ قباء میں نماز صبح میں مصروف تھے۔ ایک آنے والے نے ان کو آ کر کہا کہ بے شک حضور علیہ السلام پر آج رات نزول قرآن کریم ہوا ہے اور بے شک آپ کو اس کا حکم کیا گیا ہے کہ آپ کعبہ شریف کی طرف (نماز میں) متوجہ ہو جائیں تو انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا ہے اور (مسجد قبا کے) نمازیوں کے منہ شام کی طرف تھے تو وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ جب تحویل قبلہ ہوا تو یہود نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ (دین) اور کچھ نہیں ہے مگر ایک ایسی چیز ہے جسے آپ اپنی طرف سے گھڑتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) چنانچہ آپ کبھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور کبھی کعبہ شریف کی طرف۔ اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت رہتے تو ہم اُمید کرتے کہ آپ واقعی وہی ہیں جس کی ہم انتظار میں ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وان الذین اوتوا الکتاب لیعلمون انہ" یعنی کعبہ کا معاملہ "الحق من ربھم" پھر ان کو دھمکی دی۔ پس فرمایا "وما اللہ بغافل عما یعملون" ابوجعفر اور ابن عامر اور حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے تاء کے ساتھ پڑھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ بے شک تم اے گروہ مؤمنین میری رضا چاہتے ہو اور میں تمہارے اجر و ثواب سے غافل نہیں ہوں اور باقی حضرات نے "یعملون" کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر اس کا معنی یہ ہوگا میں غافل نہیں ہوں جو کچھ یہود کر رہے ہیں پس میں ان کو دنیا اور آخرت میں ان کو بدلہ دوں گا۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: اور اگر آپ (ان) اہل کتاب کے سامنے تمام (دنیا بھر کی) دلیلیں پیش کر دیں جب بھی یہ (کبھی) آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں اور آپ بھی ان کے قبلہ کو قبول نہیں کر سکتے (پھر موافقت کی کیا صورت) اور ان کا کوئی (فریق) بھی دوسرے (فریق) کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا اور اگر آپ ان کے (ان) نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں (اور وہ بھی) آپ کے پاس علم (وحی) آئے پیچھے تو یقیناً آپ (نعوذ باللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔

تفسیر: ۱۴۵ "ولئن اتیت الذین اوتوا الکتاب" یہود و نصاریٰ نے کہا اپنے دعویٰ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نشانی لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ولئن اتیت الذین اوتوا الکتاب بکل آیۃ" یعنی معجزہ "ماتبعوا قبلتک" یعنی کعبہ شریف "وما انت بتابع قبلتھم وما بعضھم بتابع قبلۃ بعض" کیونکہ یہود بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے اور وہ مغرب کی طرف تھا اور عیسائی مشرق کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور مسلمانوں کا قبلہ کعبہ مقدسہ تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان اہل مشرق کے حق میں فرمایا، مشرق سے حضور علیہ السلام کی مراد سردیوں کی مشرق ہے (یعنی سردیوں میں سورج کا انتہائی نقطہ طلوع) جو کہ سال کا انتہائی چھوٹا دن ہے اور مغرب سے مراد گرمیوں کی مغرب ہے (یعنی گرمیوں میں سورج کا انتہائی نقطہ غروب) جو کہ سال کا سب سے بڑا دن ہو۔

پس جو شخص مغرب صیف یعنی گرمیوں کے بڑے دن کے گوشہ غروب آفتاب کو اس وقت میں دائیں جانب کرے اور مشرق شتاء یعنی سردیوں کے سب سے چھوٹے دن کے گوشہ طلوع آفتاب کو بائیں جانب کرلے اس کا چہرہ قبلہ شریف کی طرف ہوگا۔ "ولئن اتبعت اھواء ھم" اھواء ھم سے مراد ان کی خواہشات ہیں۔ یہاں پر خطاب حضور علیہ السلام کو ہے اور مراد آپ کی اُمت ہے۔ "من بعد ماجاء ک من العلم" قبلہ کے معاملے میں آپ کو حق ظاہر اور روشن ہوگیا "انک اذا لمن الظالمین"

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِکُلٍّ وِّجْھَةٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ وانجیل) دی ہے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو (ان کی صورت سے) پہچانتے ہیں اور بعضے ان میں سے امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں (مگر) اخفا کرتے ہیں۔ (حالانکہ) یہ امر واقعی منجانب اللہ (ثابت ہو چکا) ہے سو ہرگز شک وشبہ کرنے والوں میں شمار نہ ہونا اور ہر مذہب والے شخص کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ عبادت (میں) منہ کرتا رہا ہے سو تم نیک کاموں میں لگا پو کر تم خواہ کہیں ہو گے (لیکن) اللہ تعالیٰ تم سب کو حاضر کردیں گے بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر: ⑭ "الذین آتیناھم الکتاب" مومنین اہل کتاب حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی "یعرفونه" یعنی محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہیں۔ "کما یعرفون ابناء ھم" (جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) بچوں کے درمیان سے۔ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام پر نازل فرمایا ہے "الذین آتیناھم الکتاب یعرفونه کما یعرفون ابناء ھم" تو یہ پہچاننا کیسا تھا؟ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عمر! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دیکھا تھا پہچان لیا تھا جیسے کہ اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں اور حضور علیہ السلام کی پہچان اس پہچان سے بھی شدید تھی جو مجھے اپنے بیٹے سے متعلق ہے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کس طرح؟ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق (نبی) ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی صفات ہماری کتاب میں بیان فرمائی ہیں اور میں نہیں جانتا کہ عورتیں (ہماری بیویاں) کیا کچھ کرتی ہیں۔ (مراد یہ تھی کہ جو بظاہر ہمارے بیٹے وہ در حقیقت بھی ہمارے بیٹے ہیں یا

نہیں؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن سلام! اللہ تعالیٰ تجھے توفیق عنایت فرمائے، بے شک تو نے سچ کہا۔ "وان فریقاً منهم لیکتمون الحق" (حق سے مراد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مبارکہ ہیں اور آپ کا نبی قبلتین ہونا جو تورات میں مذکور ہے۔ اس کو چھپاتے ہیں۔ "وهم یعلمون"

❶ "الحق من ربک" یعنی لفظ الحق خبر ہے مبتداء محذوف کی اصل تھا "هذا الحق" بعض نے کہا "الحق" فعل محذوف کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے عبارت یہ ہے "جاء الحق من ربک" (فلا تکونن من الممترین شک کرنے والوں (سے)

❷ "ولکل وجهة" یعنی ہر ملت و مذہب والوں کے لیے ایک قبلہ ہے۔ "وِجْهَةٌ" اس (جانب) کا نام ہے جس کی طرف توجہ کی جائے۔ "هو مُوَلِّيها" اس کی طرف متوجہ ہونے والا ہے۔ "وَلّیته اور ولیت الیه" تو اس وقت کہے گا جب تو اس پر متوجہ ہوگا اور "ولیت عنه" تو اس وقت کہے گا جب تو اس سے پیٹھ پھیرے گا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "هو مُوَلِّيها وجهه" وہ اس جانب اپنے منہ کو پھیرنے والا ہے۔ اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مُوَلِّی" کا معنی پھیرنے والا اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُمتوں کے منہ پھیرنے والا ہے ان کے قبلہ کی طرف اور ابن عامر رحمہ اللہ نے "هو مولاها" پڑھا ہے معنی ہوگا متوجہ کرنے والا۔ اس جانب قبلہ کی طرف پھیرا گیا ہے۔ "فاستبقوا الخیرات" خیرات (بھلائیوں) کی طرف۔ اللہ تعالیٰ اس سے ارادہ فرماتے ہیں کہ طاعات کی طرف جلدی کرو اور اس جلدی کرنے سے مراد قبول (احکام) کی طرف جلدی کرنا ہے۔ "اینما تکونوا" تم اور اہل کتاب "یات بکم الله جمیعا" قیامت کے دن پس تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ "ان الله علی کُلِّ شیءٍ قدیر"

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

ترجمہ: اور جس جگہ سے بھی (کہیں سفر میں) آپ باہر جاویں تو (بھی) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کی طرف رکھا کیجئے اور یہ (حکم عام قبلہ کا) بالکل حق ہے (اور) منجانب اللہ (ہے) اور اللہ تعالیٰ کے ہوئے کاموں سے اصلاً بے خبر نہیں اور (مکرر پھر کہا جاتا ہے کہ) آپ جس جگہ سے بھی (سفر میں) باہر جاویں اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف رکھئے۔ اور تم لوگ جہاں کہیں (موجود) ہو اپنا چہرہ (نماز میں) اس کی طرف رکھا کرو تا کہ (ان مخالف) لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں گفتگو (کی مجال) نہ رہے (ہاں) مگر ان میں جو کہ (بالکل ہی) بے انصاف ہیں

تو ایسے لوگوں سے (اصلاً) اندیشہ نہ کرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اور تا کہ تم پر جو (کچھ) میرا انعام ہے اس کی تکمیل کر دوں اور تا کہ (دنیا میں) تم راہ راست (حق) پر رہو۔

تفسیر ⑪ "ومن حیث خرجت فول وجهک شطر المسجد الحرام وانه للحق من ربک وما الله بغافل عما تعملون" "تعملون" کو ابو عمرو نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

⑫ "ومن حیث خرجت فول وجهک شطر المسجد الحرام و حیثما کنتم فولوا وجوهکم شطره" تکرار آیت تاکید نسخ کے لیے ہے۔ "لئلا یکون للناس علیکم حجة الا الذین ظلموا" اس آیت کریمہ کی تاویل میں انہوں (مفسرین) نے اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ کے قول "الا" کی توجیہ میں بھی اختلاف کیا۔ پس بعض نے فرمایا کہ تحویل قبلہ بجانب کعبہ اس لیے کیا گیا تا کہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے۔ اس وقت جبکہ تم کعبہ شریف کی بجائے کسی اور جانب منہ کرو گے۔ پس لوگ کہیں گے تمہارا تو کوئی قبلہ ہی نہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو کہ ظالم ہیں اور وہ قریش اور یہود ہیں۔ قریش کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف لوٹ آیا ہے کیونکہ وہ جان گیا ہے کہ کعبہ کا قبلہ ہونا ہی حق ہے اور بے شک وہ (کعبہ) اس کے آباء کا قبلہ ہے۔ پس اسی طرح (ایک نہ ایک دن) ہمارے دین کی طرف بھی لوٹ آئے گا۔ بہرحال یہود کہیں گے کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس سے باوجود یکہ یہ بات جانتے ہوئے کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا حق ہے نہیں پھرے مگر محض اس لیے کہ وہ (دین میں) اپنی رائے سے عمل کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے "لئلا یکون للناس علیکم حجة" سے مراد یہود کو لیا ہے۔ یہود کی حجت بطور مخاصمت کے ایمان والوں کے خلاف ان دنوں میں جبکہ ایمان والے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے یہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو تو قبلہ کا علم بھی نہ تھا حتیٰ کہ ہم نے ان کی رہنمائی کی۔

"الا الذین ظلموا" اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور ان کی حجت یہ تھی کہ جب تحویل قبلہ بطرف کعبہ ہوئی تو انہوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین میں متحیر ہیں اور عنقریب یہ ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آئیں گے۔ جیسا کہ ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ حضرت مجاہد، عطاء اور قتادہ رحمہم اللہ کے قول کا یہی مفہوم و معنی ہے۔ ان ذکر شدہ (۲) دو تاویلوں کی بنیاد پر "الا الذین" کا استثناء صحیح ہوگا اور فرمان الٰہی "الا الذین ظلموا" یعنی کسی ایک کو بھی تمہارے خلاف حجت و اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں سوائے مشرکین قریش کہ وہ تم سے حجت بازی کریں گے اور تم سے باطل طریق اور ظلم کے ساتھ جھگڑا اور مخاصمت کریں گے۔

باطل طریق پر جھگڑا کرنے کو حجت کا نام دیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "حجتهم داحضة عند ربهم" اور لفظ "الذین" کا مقام اعرابی جر یعنی زیر ہے۔ گویا کہ کہا گیا ہے "سوی الذین ظلموا" یعنی "الا" اس جگہ پر بمعنی سوی ہے۔ یہ بات کسائی نے کہی اور فراء رحمہ اللہ کہتے ہیں "الا الذین ظلموا" میں "الا" برائے استثناء ہے (نہ کہ بمعنی سوی) اور بوجہ "الا" کے "الذین" منصوب ہے۔ "منهم" یعنی لوگوں میں سے اور کہا گیا ہے کہ یہ کلام اول سے استثناء منقطع ہے اور "الا الذین ظلموا" بمعنی "لکن الذین" معنی ہوگا لیکن وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا وہ تم سے باطل طریق پر جھگڑا کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

"مالھم بہ من علم الا اتباع الظن" (تو یہاں بھی الا بمعنی لکن ہے) یعنی "لکن یتبعون الظن" لیکن وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں۔

اور قول کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص کہے "مالک عندی حقٌّ الا ان تظلمنی" (تو جیسا اس قول میں استثناء منقطع ہے کہ "انْ تظلمنی" کا مفہوم۔ حق کے مفہوم میں داخل نہیں ہے ایسے ہی مکمل آیت "الاَّ الذین ظلموا" میں ظالم لوگوں کا مجادلہ اور جھگڑا بالباطل مفہوم حجت میں داخل نہیں ہے)۔

ابوروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لئلا یکون للناس" سے مراد یہود ہیں کہ یہود کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے اور یہ اس لیے کہ وہ جانتے کہ کعبہ (قبلہ) ابراہیمی ہے اور وہ تورات میں انہوں نے یہ (لکھا) پایا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف پھیرے جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف پھیر دیا تاکہ ان کے لیے کوئی حجت و دلیل باقی نہ رہے۔ پس وہ یوں کہیں کہ جس نبی کو ہم تورات میں (لکھا) پاتے ہیں ان کو تو کعبہ کی طرف پھیرا جانا تھا اور آپ نہیں پھیرے گئے جب آپ کو کعبہ کی طرف پھیرا گیا تو ان کی حجت ختم ہوگئی۔ سوائے ظالم لوگوں کے پس وہ چھپائیں گے جو حق وہ پہچانتے جانتے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

استثناء نہیں ہے بلکہ "الاَّ" واؤ عطف کی جگہ پر ہے۔ یعنی "والذین ظلموا" اور وہ لوگ جو ظالم ہیں ان کے لیے بھی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

وکل　اخ　مفارقہ　اخوہ　　　　لعمر　ابیک　الاَّ　الفرقدان

ترجمہ: (تیرے باپ کی زندگی کی قسم ہر ایک بھائی کو اس کا بھائی چھوڑ جانے والا ہے۔ (جدا ہونے والا ہے) "الاَّ الفرقدان" کا معنی ہوگا اور فرقدان (دو ستارے) بھی باہم جدا ہونے والے ہیں۔)

پس آیت کا معنی ہوگا۔ پس (اے ایمان والو) تم کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو جاؤ تاکہ لوگوں کے لیے یعنی یہود کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے۔ پس وہ کہیں کہ تم نے کعبہ کو کیوں چھوڑ دیا حالانکہ وہ کعبہ قبلہ ابراہیمی ہے اور تم دین ابراہیم پر ہو اور نہ ان لوگوں کے لیے حجت باقی رہے جو کہ ظالم ہیں اور وہ مشرکین مکہ ہیں۔ پس وہ مشرکین کہنے لگیں کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دادا کے قبلہ کو کیوں چھوڑا کہ اس سے پھر کر قبلۂ یہود کی طرف نماز میں متوجہ ہوا؟ "فلا تخشوھم" اپنے اس پھرنے میں کعبہ شریف کی طرف اور ان کا تمہارے خلاف جھگڑا کرنے میں باہمی تعاون کرنے میں (ان سے نہ ڈرو) پس میں بے شک تمہارا دوست ہوں تمہیں ان پر دلائل براہین اور نصرت و فتح کے ساتھ غلبہ دوں گا۔ "واخشونی ولا تم نعمتی علیکم" اس کا عطف اللہ تعالیٰ کے اس قول "لئلا یکون للناس علیکم حجۃ" پر ہے اور تاکہ میں خاص تم کو قبلہ ابراہیمی کی طرف ہدایت دینے کے ساتھ اپنی نعمت تم پر تمام کروں۔ پس اس سے تمہارے لیے ملت حنفیہ تمام ہو جائے گی۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمام نعمت اسلام پر موت ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسلمان پر نعمت کے تمام ہونے کا معنی صرف یہی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو

جائے۔ "ولعلکم تھتدون" تاکہ تم گمراہی سے ہدایت پا جاؤ اور "لعل اور عسی" کا استعمال کلام الٰہی میں قطعی ثبوت کے معنی میں ہوتا ہے۔ (یعنی کلام الناس میں لعل و عسی برائے ترجی ہیں جس کا معنی غیر حتمی ہے مگر کلام الٰہی میں ایسا نہیں)۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۞

ترجمہ: جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا (جو کہ تم ہی میں سے (ہیں اور وہ) ہماری آیات (و احکام) پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور جہالت سے) تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب (الٰہی) اور کام کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی (مفید) باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی ان (نعمتوں) پر مجھ کو یاد کرو میں تم کو (عنایت سے) یاد رکھوں گا اور میری (نعمت کی) شکر گزاری کرو اور میری ناسپاسی مت کرو۔

تفسیر: ۞ "کما ارسلنا فیکم" یہ کاف برائے تشبیہ ہے اور اس کی شیٔ کا محتاج ہے جس کی طرف یہ لوٹے۔ پس بعض نے فرمایا یہ کاف ماقبل کی طرف راجع ہے۔ معناہ اس طرح ہوگا اور تاکہ میں تم پر نعمت تمام کروں۔ جیسا کہ تم میں ایسا رسول بھیجا جو تم میں سے ہے۔ حضرت محمد بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو دُعائیں فرمائی تھیں۔ ایک دُعا "ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا اُمۃ مسلمۃ لک" (کہ اے ہمارے رب ہمیں مسلم یعنی فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک اپنی فرمانبردار جماعت قائم رکھ)۔ دوسری دُعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول تھا۔ "ربنا وابعث فیھم رَسُوْلًا منھم" اے ہمارے رب پاک! ان (اہل مکہ) میں ایک ایسا رسول بھیج جو انہی (اہل مکہ) میں سے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا اور وہ حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور دوسری دُعا کی قبولیت کا وعدہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد (نسل) میں اُمت مسلمہ پیدا کرے گا۔ یعنی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کو رسول بھیج کر قبول کیا گیا۔ اسی طرح ان کی (دوسری) دُعا کو بھی قبول کیا گیا کہ میں تم کو دین ابراہیم علیہ السلام کی رہنمائی کروں گا اور تمہیں مسلمان بناؤں گا اور ملت حنیفیہ کے شرعی احکام بیان کر کے تم پر اپنی نعمت تمام کروں گا۔

حضرت مجاہد حضرت عطاء اور حضرت کلبی (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق اس کے مابعد سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی "فاذکرونی اذکرکم" اس کا معنی یہ کہ جس طرح میں نے تمہاری طرف تم میں سے رسول بھیجا پس تم میرا ذکر کرو اور یہ آیت کریمہ خطاب ہے اہل مکہ اور پورے عرب کو۔ یعنی جس طرح اے گروہ عرب ہم نے تمہارے اندر رسول بھیجا۔ "رسولاً منکم" یعنی محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم "یتلوا علیکم آیاتنا" یعنی قرآن کریم "ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ" بعض نے کہا کہ حکمت سے مراد سنت ہے اور بعض نے کہا کہ حکمت سے مراد قرآنی نصیحتیں ہیں۔ "ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون" احکام اور اسلام سے متعلق امور شرعیہ۔

❸ "فاذکرونی اذکرکم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (اس کا معنی ہے) تم میری فرمانبرداری کر کے مجھے یاد کرو، میں تمہاری مدد کر کے تمہارا ذکر کروں گا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تم میرا ذکر میری اطاعت کر کے کرو، میں تمہاری مغفرت کر کے تمہارا ذکر کروں گا بعض نے کہا کہ تم نعمت اور خوشحالی میں میرا ذکر کرو میں مشکل اور مصیبت میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اس کا بیان "فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون" یعنی اگر حضرت یونس علیہ السلام میری تسبیحات کرنے والے (خوشحالی میں) نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں تا قیامت رہتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندہ کے ساتھ اس کے مطابق معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے اور میں اپنے اس بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر میرا بندہ تنہائی میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی تنہائی (یعنی مجلس ملائکہ کے بغیر) میں اپنے بندہ کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ (میرا بندہ) میرا ذکر کسی مجلس میں کرتا ہے تو میں اپنے بندہ کا ذکر اس مجلس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں (فرشتوں میں) اگر میرا بندہ میری طرف (اعمال صالحہ کر کے) ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اپنے بندہ کی طرف (رحمت کے ساتھ) ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور اگر میرا بندہ میری طرف اسی طرح ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اپنے بندہ کی طرف ایک باع یعنی دو ہاتھ کے پھیلاؤ کے بقدر (بطور رحمت کے) قریب ہو جاتا ہوں اور جو شخص میرے پاس چل کر آتا ہے میں اس کی طرف تیز چل کر جاتا ہوں (بندہ کی توجہ الی اللہ اگر تھوڑی سی ہو تو اللہ تعالیٰ ازروئے رحمت کے بندہ کی طرف زیادہ متوجہ ہو جاتے ہیں)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یہ حدیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ان دس انگلیوں کی تعداد کے مطابق سنی۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! اگر تو میرا ذکر اپنی ذات میں (تنہائی میں) کرے گا میں بھی تیرا ذکر اپنی ذات میں (مجلس ملائکہ کے بغیر) کروں گا اور اگر تو میرا ذکر کسی مجلس میں کرے گا میں تیرا ذکر اس مجلس میں کروں گا جو تیری مجلس کے لوگوں سے بہتر ہوں گے (فرشتوں میں) اور تو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا میں تیری طرف ایک ہاتھ قریب ہوں گا اور اگر تو ایک ہاتھ قریب ہوگا میں تیری جانب ایک باع (دو ہاتھ کے پھیلاؤ کے بقدر) قریب ہوں گا اور تو میری طرف چلے گا میں تیری طرف تیز چلوں گا اور اگر تو میری طرف تیز چل کر آئے گا تو میں تیری طرف دوڑ کر آؤں گا۔

وضاحت

(مقصد یہ کہ بندہ اعمال صالحہ کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب تھوڑی مقدار میں حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ اپنے بندہ کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ بندہ کی تھوڑی توجہ پر رحمت الٰہیہ زیادہ مقدار میں متوجہ ہو جاتی ہے)۔ اور (اے ابن آدم!) اگر تو مجھ سے مانگے میں تجھے عطا کرتا ہوں اور اگر تو مجھ سے نہ مانگے گا تو میں تجھ پر ناراض ہو جاؤں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندہ

کے ساتھ ہوتا ہوں۔ جب تک میرا بندہ ذکر کرتا ہے اور میرے (ذکر) سے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں۔)

عبداللہ بن بشیر مازنی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ کہ تو دنیا سے صرف اس حالت میں رخصت ہو کہ تیری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تازہ ہو۔)

"واشکروا لی ولا تکفرون" تم میرا شکر اطاعت (فرمانبرداری) کے ساتھ کرو اور گناہ کر کے ناشکری نہ کرو (کفر نہ کرو) اس لیے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اور جس نے اس کی نافرمانی کی (گناہ کیا) پس تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔ (ناشکری کی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۞

ترجمہ: اے ایمان والو (غم ہلکا کرنے کے لئے) صبر اور نماز سے سہارا (اور مدد) حاصل کرو بلاشبہ حق تعالیٰ (ہر طرح سے) صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں (اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح مردے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم ادراک نہیں کر سکتے۔

تفسیر: ۞ "یا یہا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین" (یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد اور نصرت اور قبول دعا سے صابروں کے ساتھ ہے۔

۞ "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات" یہ آیت کریمہ ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے اور یہ چودہ آدمی تھے چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے۔ جو شخص راہ خدا میں شہید ہو جاتا لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے "مات فلان" کہ فلاں شخص مر گیا اور اس سے دنیا کی نعمتیں اور لذتیں چلی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات"...... "بل احیاء ولکن لا تشعرون" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء اُحد کے بارے میں ارشاد فرمایا: "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا"

"بل احیاء عند ربہم یرزقون" حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شہید اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہوتے ہیں ان کے رزق ان کی روحوں پر پیش کیے جاتے ہیں تو ان شہیدوں کی طرف خوشی اور مسرت پہنچتی ہے جس طرح کہ آل فرعون کی روحوں پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کو دکھ پہنچتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

ترجمہ: اور (دیکھو) ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف اور فاقہ سے اور کسی قدر مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ (دل سے یوں) کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال و اولاد حقیقۃً) اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور ہم سب دنیا سے اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۵۵﴾ "ولنبلونکم" یعنی اے اُمت محمد! ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔ لام قسم محذوف کا جواب ہے تقدیر عبارت ہوگی۔ "واللہ لنبلونکم" اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش فرمانبردار اور نافرمان کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ آزمائش اس لیے نہیں ہوتی تاکہ اللہ وہ کچھ جان لیں جس کا علم پہلے نہ رکھتے تھے (یعنی جس کو پہلے نہ جانتے تھے)...... "بشیء من الخوف" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی دشمن کا خوف (والجوع) یعنی قحط "ونقص من الاموال" خسارہ اور ہلاکت (مال) والانفس قتل اور موت کے ساتھ بعض نے کہا کہ مرض اور بڑھاپے کے ساتھ "والثمرات" پھلوں میں آفات (زرعی بیماریاں وغیرہ) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے حکایت کی گئی ہے انہوں نے فرمایا خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ بھوک (جوع) سے مراد رمضان شریف کے روزے (نقص من الاموال) سے مراد زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی "نقص انفس" جانوں کی کمی سے مراد مرض اور (نقص ثمرات) سے مراد اولاد کی موت ہے کیونکہ آدمی کی اولاد اس کے دل کا پھل ہوتی ہے۔

ابوسنان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بیٹے سنان کو دفن کیا اور ابوطلحہ خولانی قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ جب میں نے قبر سے (دفن کے بعد) نکلنے کا ارادہ کیا تو ابوطلحہ خولانی نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے نکالا، پھر فرمایا کیا تجھے میں خوشخبری نہ دوں؟

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندے کا بیٹا فوت ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے کیا تم نے میرے بندہ کے بیٹے کو قبض کرلیا (اسے موت دے دی)؟ فرشتے عرض کرتے ہیں ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا تم نے اس کے دل کے پھل کو قبض کرلیا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اس موقع پر) میرے بندہ نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں اس تیرے بندہ نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہا اور تیری تعریف کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس میرے بندہ کے لیے جنت میں گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو "وبشر الصابرین" مصیبتوں اور دکھوں پر (صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیجئے) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی صفات بیان فرمائیں۔

﴿۱۵۶﴾ "الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ" (اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں) عبد یعنی بندہ اور غلام ہونے کے لحاظ سے (وانا الیہ راجعون) (اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) آخرت میں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ بندہ کو جو کوئی مصیبت بھی پہنچے پھر وہ بندہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہے (اور دعا کرے) اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا کر، اللہ تعالیٰ اس بندہ کو اس مصیبت میں

ضرور اجر عطا فرماتے ہیں اور اس کو اس کا نعم البدل عطا فرماتے ہیں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب حضرت ابو سلمہ (اُم سلمہ کے خاوند) فوت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے حوصلہ بخشا اور توفیق دی تو میں نے کہا یا اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل بخش۔ (اس دُعا کی برکت سے) پس اللہ تعالیٰ نے مجھے (ابو سلمہ کی وفات پر صبر کرنے پر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نعم البدل عنایت فرمایا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کسی (اُمت) کو مصیبت میں اتنی (عظیم نعمت نہیں دی گئی) جتنی کہ کہ اس اُمت کو عنایت کی گئی۔ یعنی مصیبت کے وقت "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" کہنا۔ اگر یہ (نعمت) کسی کو دی جاتی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دی جاتی۔ کیا آپ حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنتے۔ "یا اسفٰی علی یوسف" گویا حضرت یعقوب علیہ السلام کو اگر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کی رہنمائی کی جاتی تو آپ "یا اسفٰی" کی بجائے "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" کہتے۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگئی۔

تفسیر ۱۵۷ "اولئک" اس صفت والے "علیہم صلوٰۃ من ربہم ورحمۃ" صلوات سے مراد رحمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ (بمعنی) رحمت ہوتی ہے اور صلوٰات کے بعد اللہ تعالیٰ نے رحمت کا ذکر تاکیداً فرمایا ہے اور تمام صلوٰات یعنی رحمت۔ "واولئک ہم المہتدون" انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کی طرف (راہ پانے والے ہیں) اور بعض نے کہا کہ حق اور درستگی کی طرف (راہ پانے والے ہیں) اور بعض نے کہا کہ یہ جنت اور ثواب کی طرف (راہ پانے والے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "نعم العدلان" دو ہم مثل اور مساوی (تحفے) اچھے ہیں۔ "ونعمت العلاوۃ" اور ایک اضافی نعمت اور تحفہ بھی اچھا۔ دو ہم مثل و مساوی چیزیں صلاۃ اور رحمت ہے اور علاوہ یعنی اضافی انعام ہدایت ہے۔ مصیبت والوں کے ثواب اور صبر کرنے والوں کے اجر و ثواب میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ سعد بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے مصیبت پہنچاتے ہیں۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو جو تھکان، مشقت، مرض، ملال، تکلیف، غم حتیٰ کہ کانٹا جو اس کو چبھے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی جس کو (دورہ پڑنے کی) بیماری تھی۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفا بخشے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں کہ وہ پاک ذات تجھے شفا دے اور تو چاہے تو صبر کر اور

تجھ پر کچھ حساب نہ ہوگا تو اس عورت نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں (اس بات کو قبول کرتی ہوں) کہ میں صبر کروں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے حساب نہ لیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب انسانوں سے زیادہ تکلیفوں والے کون ہیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام پھر ان کے بعد جو کوئی جتنا صاحب فضیلت ہوگا اللہ تعالیٰ آدمی کو اس کی دینی حیثیت کے مطابق آزماتے ہیں۔ اگر اس بندہ کے دین میں پختگی ہوگی اسی کے مطابق اس کی آزمائش ہوگی۔ اگر اس کے دین میں کمزوری ہوگی اس پر آسانی کی جائے گی (یعنی مصیبت کے باعث دینی کمزوری کو دور کیا جائے گا) (وہ اسی طرح تکلیفوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر چلے گا اور اس کا کوئی گناہ باقی نہ رہے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں بدلے کا بڑا ہونا مصیبتوں کے بڑا ہونے کے لحاظ سے ہے پس بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو محبوب رکھتے ہیں اسے مبتلا کر دیتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے (اس حالت میں) راضی ہوتا ہے پس اس کے لیے رضا (الٰہی) ہے اور جو شخص (اس مصیبت کی حالت میں) ناراض ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو جاتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت کی جان، مال، اولاد میں مصیبت باقی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا ہے اور اس پر کچھ گناہ باقی نہیں رہتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مؤمن کی مثال کھیتی کی سی ہے جیسے مسلسل ہوا ہلاتی رہتی ہے (اس طرح) مؤمن کو بھی ہمیشہ تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں اور منافق کی مثال سخت درخت کی سی ہے کہ اسے کچھ نہیں ہوتا یہاں تک کہ کاٹ دیا جاتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کا حال عجیب ہے۔ اگر اسے خیر پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ پس مؤمن کو اپنے ہر حال میں اجر دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ لقمہ جو اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے اس پر بھی اس کو اجر دیا جاتا ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: تحقیقاً صفا و مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ہے ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے) اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدر دانی کرتے ہیں۔ (اور اس خیر کرنے والے کی نیت و خلوص) خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ۲ "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ" صفا، صفاۃ کی جمع ہے اور یہ سخت اور چکنا پتھر ہے۔ صفاۃ بھی کہا جاتا ہے اور "صفًا" بھی جیسے حصاۃ بھی کہا جاتا ہے اور "حصیً" بھی اور نواۃ بھی اور نوی بھی۔ المروۃ نرم پتھر اس کی جمع مروات ہے اور جمع کثیر "مَرْو" ہے جیسے تمرۃ اور تمرات اور تمر صفا اور مروہ سے مراد مقام سعی کے ارد گرد مکہ کی دو مشہور پہاڑیاں ہیں۔ اسی وجہ سے ان دونوں پر الف لام داخل کیا گیا اور شعائر اللہ سے مراد دین کے نشان ہیں۔ اصل اس کی اشعار ہے جس کے معنی اعلام کے ہیں بتلانا مطلع کرنا شعائر کی واحد شعیرۃ ہے۔ نیکی کا ہر وہ عمل جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف قرب حاصل کیا جائے۔ نماز، دعاء، قربانی یہ سب شعیرہ ہیں۔ چنانچہ مطاف (طواف کی جگہ) موقف (ٹھہرنے کی جگہ) دس (۱۰) ذوالحجہ کو جانور ذبح کرنا یہ سب شعائر اللہ ہیں اور اس کے مانند مشاعر ہیں۔ مشاعر سے مراد اس جگہ وہ احکام حج ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا نشان بنایا ہے۔ صفا و مروہ انہیں (مشاعر) سے ہیں۔ یہاں تک کہ دونوں کے مابین اکٹھا چکر لگایا جاتا ہے۔ "فمن حج البیت او اعتمر" حج کا لغوی معنی قصد (ارادہ) کرنا۔ عمرہ کا معنی زیارت کرنا۔ "فلا جناح علیہ" یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں۔ جناح کا اصل جنح سے ہے جس کا معنی ہے میانہ روی سے ہٹ جانا "ان یطوف بھما" دونوں کے درمیان گھومے (آئے جائے) یطوف اصل میں "یتطوف" تھا۔ تاء کو طاء میں ادغام کیا گیا۔ اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ صفا اور مروہ پر اساف اور نائلہ دو بت تھے۔ اساف صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر تھا۔ اہل جاہلیت صفا و مروہ کے مابین ان بتوں کی تعظیم کے لیے چکر لگاتے تھے اور (تبرکاً) ان کو ہاتھوں سے چھوتے تھے۔

اسلام کی آمد کے بعد ان بتوں کو توڑ دیا گیا۔ ان دو بتوں کے حوالے سے مسلمان صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے سے کتراتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے سعی کی اجازت دی اور اس بات کی خبر دی کہ صفا و مروہ شعائر اللہ سے ہیں۔ اہل علم نے اس آیت کے حکم اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کے واجب ہونے کے بارے میں اختلاف کیا۔ ایک جماعت علماء کی سعی کے واجب ہونے کی طرف گئی ہے اور یہ قول ابن عمر، جابر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ یہی حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ نے کہا اور اسی طرف امام مالک، امام شافعی (رحمہما اللہ) گئے ہیں کچھ لوگ سعی کے نفل ہونے کی طرف گئے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہی ابن سیرین اور مجاہد نے کہا ہے اور اسی طرف سفیان ثوری اور اصحاب الرائے گئے ہیں اور ثوری اور اصحاب الرائی (رحمہم اللہ) نے کہا جو شخص سعی کو چھوڑ دے اس پر جانور ذبح کرنا ہے اور جن حضرات نے سعی کو واجب قرار دیا ان کی دلیل وہ روایت ہے۔

صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں قریش کی عورتوں کے ساتھ مل کر خاندان ابوالحسین کے گھر حضور علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے داخل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا و مروہ کے درمیان سعی فرما رہے تھے۔ پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سعی فرما رہے ہیں اور تیز دوڑنے کے باعث آپ کی چادر گھوم رہی تھی حتیٰ کہ میں (اپنے آپ) کہہ رہی تھی ابھی میں آپ کا گھٹنا مبارک دیکھوں گی۔ میں نے آپ کو سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے دوڑ (سعی) کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض کی ہے)۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہلیہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا

آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے بارے میں فرمایئے "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما" چنانچہ میں تو کسی پر کچھ گناہ نہیں سمجھتا کہ اگر وہ صفا و مروہ کے مابین طواف نہ کرے۔ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں (جیسا کہ تو کہہ رہا ہے) اگر ایسا ہوتا جیسا کہ تو کہہ رہا ہے تو پھر آیت کریمہ یوں ہوتی "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما" یہ آیت تو صرف انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انصار مناۃ کے لیے احرام باندھتے تھے اور مناۃ (مقام) قدید کے برابر میں تھا اور وہ صفا و مروہ کے درمیان طواف کے حلاشی (خواہاں) رہتے تھے۔ جب اسلام آیا تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" حضرت عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تم صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا مکروہ سمجھتے تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں! کیونکہ وہ (سعی بین الصفا والمروہ) جاہلیت کی نشانیوں میں سے تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (حرام) سے نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ فرما رہے تھے "نبدا کما بدا اللہ تعالیٰ بہ" کہ ہم (سعی کی) اس طرح سے ابتداء کریں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے (قرآن پاک میں) ابتداء کی (یعنی صفا سے) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا سے سعی کا آغاز فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر ٹھہرتے تو تین دفعہ اللہ اکبر فرماتے اور فرماتے "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علیٰ کل شیٔ قدیر" آپ ایسا تین دفعہ فرماتے ہیں۔ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے اقتدار ہے اور اسی کے لیے (کل) تعریف ہے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر شئی پر قادر ہے) اس کے بعد دُعا فرماتے اور مروہ پر بھی ایسا ہی فرماتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا سے اُترتے تو چلتے حتیٰ کہ جب آپ کے قدم مبارک بطن وادی (نشیبی جگہ) پر ٹکتے تو دوڑتے حتیٰ کہ اس جگہ سے نکل جاتے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سرخ اونٹ پر حج فرمایا اور آپ پر دو سوتی گودڑیاں (چادریں) تھیں۔ پس آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا پھر آپ صفا پر چڑھے اور دُعا فرمائی پھر سعی کے لیے نیچے اُترے اور وہ تلبیہ یعنی "لبیک اللھم لبیک" فرما رہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لبیک عبدی انا معک و سامع لک و ناظر الیک" ترجمہ: (اے میرے بندے میں موجود ہوں میں تیرے ساتھ ہوں تیرے لیے سننے والا ہوں اور تیری طرف دیکھنے والا ہوں) پس حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "ومن تطوع خیرا" حمزہ، کسائی نے یاء کے ساتھ پڑھا اور طاء کی شد اور عین کی جزم کے ساتھ پڑھا یعنی "تَطَوَّعَ کو یَطَّوَّعْ" اور اسی طرح دوسرا لفظ تطوع بھی اسی طرح پڑھا جو اس جگہ ہے "فمن تطوع خیرا فھو خیرلہ وان تصوموا" یعنی یطوع پڑھ۔ یعقوب نے اول میں حمزہ کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور باقیوں نے تاء کے

ساتھ اور عین کی زبر کے ساتھ ماضی میں پڑھا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ اگر "تطوع بالطواف بالصفا والمروہ" صفا ومروہ میں طواف کرکے نیکی (کارخیر) کرے۔ مقاتل وکلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں "فمن تطوع" کا معنی ہے یعنی طواف واجب کے بعد طواف (نفلی) زیادہ کرے اور کہا گیا ہے کہ حج فرض کے بعد عمرہ اور حج نفل کرے۔ حضرت حسن اور دیگر حضرات رحمہم اللہ فرماتے ہیں "فمن تطوع" کے اندر تمام اعمال داخل ہیں یعنی فرض اعمال زکوٰۃ نماز طواف کے علاوہ ہر قسم کے اعمال خیر کرے۔ "فان اللہ شاکر" اپنے بندہ کے عمل پر جزاء (حسن) دینے والا ہے (علیم) اس کی نیت (سو جاننے والا ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر کے ہونے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو اس کے استحقاق سے زیادہ دیتا ہے۔ تھوڑے عمل کی قدردانی فرماتا ہے اور زیادہ دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۞ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۞ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۞ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۞ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۞

ترجمہ: جو لوگ اخفاء کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں) واضح ہیں اور (دوسروں کو) ہادی ہیں بعد اس کے کہ ہم ان کو کتاب (الٰہی توراۃ وانجیل) میں عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہوں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور دوسرے بہتیرے لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح کر دیں اور (ان مضامین کو) ظاہر کر دیں تو ایسے لوگوں پر میں متوجہ ہو جاتا ہوں اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا البتہ جو لوگ (ان میں سے) اسلام نہ لادیں اور اسی حالت غیر اسلام پر مر جائیں ایسے لوگوں پر (وہ) لعنت (مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی بھی سب کی (ایسے طور پر رہا کرے گی کہ) وہ ہمیشہ (ہمیشہ) اسی (لعنت) میں رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ ہونے پاوے گا اور نہ (داخل ہونے کے قابل) ان کو مہلت دی جاوے گی اور (ایسا معبود) جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو ایک ہی معبود (حقیقی ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (وہی) رحمان ہے رحیم ہے۔

تفسیر: ۞ "ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بینہ للناس فی الکتاب" یہ آیت علمائے یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے صفات محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آیت رجم اور دیگر احکام تورات کو چھپایا "اولئک یلعنہم اللہ" لعن کا اصل معنی دھتکارنا بھگانا دور ہٹانا ہے۔ "ویلعنہم اللعنون" اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں

گے کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے اور کہتے ہیں اے اللہ! ان پر لعنت فرما، یہ لعنت کرنے والے کون ہیں، اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنوں اور انسانوں کے علاوہ ساری مخلوق ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ فرشتے ہیں، حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن اور انسان ہیں۔ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سارے بندے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو مسلمان جب بھی ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں تو وہ لعنت ان یہود و نصاریٰ پر پڑتی ہے جنہوں نے حضور علیہ السلام کے امر کو چھپایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو چھپایا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لعنت کرنے والے حیوانات ہیں جو ان لوگوں (اولاد آدم) پر اس وقت لعنت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ جب قحط سخت ہو جاتا ہے اور بارش رُک جاتی ہے۔ حیوانات کہتے ہیں کہ یہ (قحط) اولاد آدم کے گناہوں کی نحوست سے ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے (اس حکم لعنت سے) استثناء فرمایا۔

⓰ "الا الذین تابوا" کفر سے (توبہ کی) "واصلحوا" اسلام لائے یا ان اعمال کی اصلاح کی جن کا تعلق ان بندوں اور ان کے رب کے درمیان ہے۔ "وبینوا" جو کچھ انہوں نے چھپایا تھا (اسے بیان کیا) "فاولئک اتوب علیھم" جنہوں نے اپنی جانوں پر گناہ کر کے ظلم کیا پھر انہوں نے توبہ کی تو ان کی توبہ قبول کروں گا۔ "وانا التواب" میں اپنے ان بندوں کے دلوں کو اپنی طرف پھیرنے والا ہوں۔ "الرحیم" ان کے ساتھ (رحم کا معاملہ کرنے والا ہوں) جب وہ میری طرف متوجہ ہوں۔

⓱ "ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملائکۃ" یعنی فرشتوں کی لعنت "والناس اجمعین" ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قیامت کے دن ہوگا۔ کافر کو کھڑا کیا جائے گا۔ پس اس کو اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے لعنت کریں گے۔ پھر تمام انسان لعنت کریں گے۔

سوال۔ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "والناس اجمعین" کہ سب انسان اور جو ملعون ہے وہ بھی تو سب انسانوں میں شامل ہے تو وہ ملعون اپنے آپ کو کیسے لعنت کرے گا؟

❶ جواب میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن وہ اپنے آپ پر لعنت کرے گا جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ویلعن بعضکم بعضا"

❷ جواب بعض نے کہا کہ وہ ظالموں کافروں کو لعنت کریں گے اور جو ظالموں کافروں کو لعنت کرے گا حالانکہ یہ لعنت کرنے والا خود ظالم و کافر ہوگا۔ گویا اس نے اپنے آپ پر خود لعنت کی۔

⓲ "خالدین فیھا" اس لعنت میں ٹھہرے رہیں گے اور کہا گیا ہے کہ آگ میں (ہمیشہ رہیں گے) "لایخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون" نہ وہ مہلت دیے جائیں گے اور نہ ڈھیل۔ حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں مہلت نہیں دی جائے گی کہ وہ اس مہلت میں عذر کر سکیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ولا یؤذن لھم فیعتذرون"

⓳ "والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم" سبب نزول اس آیت کا یہ ہے کہ بے شک کفار قریش نے کہا یا محمد ہمارے لیے اپنے رب کا بیان فرمائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اور سورۃ اخلاص نازل فرمائی۔ سورۃ اخلاص

میں احد کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ واحد وہ ہے جس کی کوئی نظیر نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ ① "والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم" ② "اللہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیوم" ابو الضحیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں "ان الٰھکم الٰہ واحد" بے شک تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اگر وہ سچے ہیں تو (اپنے قول پر) ہمارے پاس کوئی نشانی لائے پس اللہ عزوجل نے فرمایا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: بلاشک آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں (اور اسباب لے کر) اور بارش کے پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کی (سمتیں اور کیفیتیں) بدلنے میں اور ابر (کے وجود) میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید (اور معلق) رہتا ہے دلائل (توحید کے موجود) ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں

تفسیر: ﴿۱۶۴﴾ "ان فی خلق السمٰوات والارض" لفظ سموات کو جمع ذکر فرمایا اور الارض کو مفرد۔ اس لیے کہ ہر آسمان الگ الگ جنس سے ہے اور زمین ایک ہی جنس سے ہے یعنی مٹی۔ پس آسمان میں نشانی ہے کہ اس کا بغیر ستون کے بلند ہونا اور بغیر کسی تعلق کے اسی کا قائم رہنا ہے اور اس میں سورج چاند ستارے سب اس کی نشانیاں ہیں اور زمین کا نشانی ہونا اس کا پھیلاؤ اور اس کی فراخی اور وسعت اور جو کچھ اس میں درخت اور دریا، پہاڑ، جواہر، نباتات دیکھے جاتے ہیں۔

"واختلاف اللیل والنھار" یعنی دن رات کا یکے بعد دیگرے آنا جانا ہر ایک دوسرے کا خلیفہ بنا ہے، دن جاتا ہے تو رات آجاتی ہے رات جاتی ہے تو دن آجاتا ہے اور اس فرمان الٰہی کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے: "وھو الذی جعل اللیل والنھار خلفۃ"

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اختلاف اللیل والنھار" کا معنی نور و ظلمت کے لحاظ سے اور کمی زیادتی کے لحاظ سے ہے۔ "اللیل لیلۃ" کی جمع ہے اور لیالی جمع الجمع ہے اور نہار نہر کی جمع ہے لیل کو نہار پر ذکر کرنے میں مقدم کیا کیونکہ وقت رات دن سے مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "و آیۃ لھم اللیل نسلخ منہ النھار" (یعنی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر

رات نشانی ہے کہ اس سے ہم دن کو کھینچ نکالتے ہیں۔)" والفلک التی تجری فی البحر " کشتیاں فلک کا واحد اور جمع ایک ہے۔ لہٰذا فلک سے جب جمع مراد لیا جائے تو اسے مؤنث کیا جاتا ہے اور جب مفرد مراد ہو تو مذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ واحد اور مذکر کرنے کے اعتبار سے فرماتے ہیں۔ "اذ ابق الی الفلک المشحون" (یہاں فلک سے مراد ایک کشتی ہے تو اس کی صفت مذکر یعنی مشحون لائی گئی اور جمع اور مؤنث سے متعلق فرمایا "حتیٰ اذا کنتم فی الفلک و جرین بھم بریح طیبۃ" (یہاں فلک سے مراد بہت سی کشتیاں مراد ہیں اس لیے اس کا فعل جمع مؤنث جرین لائی گئی۔)" والفلک التی تجری فی البحر" کشتی کا نشانی ہونا اس عمل کے لیے مسخر ہونا پانی کے اوپر چلنا جبکہ سامان سے لدی ہوتی ہے، پانی میں ڈوبتی نہیں "بما ینفع الناس" یعنی اس پر سوار ہونا اور اس پر تجارت اور دیگر کاروبار اور مختلف مقاصد کی خاطر سامان لادنا۔ "وما انزل اللّٰہ من السماء من ماء" اس سے مراد بارش بعض نے کہا کہ سماء سے مراد بادل ہے۔ اللہ تعالیٰ بادل میں پانی پیدا کرتا ہے پھر بادل سے اترتا ہے۔ بعض نے کہا ہے سماء سے مراد یہ معروف آسمان ہے۔ اللہ تعالیٰ پانی آسمان میں پیدا کرتا ہے پھر آسمان سے بادل کی طرف اُتارتا ہے پھر بادل سے زمین کی طرف اُتارتا ہے۔ "فاحیا بہ" پانی سے زندہ فرماتا ہے۔ "الارض بعد موتھا" (زمین کو) "بعد موتھا" سے مراد زمین کا خشک ہونا اور قحط زدہ ہونا ہے۔ "وبث فیھا" اس میں جدا جدا کر دیتا ہے بکھیر دیتا ہے۔ "من کل دابۃ و تصریف الریاح" حمزہ رحمہ اللہ نے

اور کسائی رحمہ اللہ نے (الریح) بغیر الف کے پڑھا ہے اور باقیوں نے الف کے ساتھ پڑھا "الریح" قرآن پاک میں ہر وہ لفظ ریح جو الف لام کے بغیر آئے اس کے مفرد اور جمع ہونے میں قراء حضرات نے اختلاف کیا سوائے اس لفظ ریح کے جو سورۂ ذاریات میں واقع ہے۔ "الریح العقیم" اس کے مفرد ہونے پر انہوں نے اتفاق کیا ہے اور (اسی طرح) سوائے "الریاح مبشرات" کے جو سورۂ روم میں واقع ہے اس کے جمع ہونے پر سب نے اتفاق کیا۔

اور ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے سب کو جمع پڑھا ہے اور قراء مختلف ہیں۔ لفظ ریح مذکر و مؤنث دونوں طرح واقع ہوا ہے۔ تصریف ریاح سے مراد اس کا شمالاً جنوباً ہونا ہے۔ شرقاً غرباً چلنا اور یا پھر ایک سیدھ پر نہ چلنا بلکہ متفرق طور پر چلنا ہے اور بعض نے کہا کہ تصریف ریاح سے مراد ہواؤں کا نرم و خوشگوار چلنا اور کبھی سخت جھکڑ کی صورت میں چلنا اور اسی طرح گرم لو چلنا اور کبھی ٹھنڈی چلنا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہوا اور پانی اللہ تعالیٰ کے بڑے لشکر ہیں۔ ہوا کو ریح اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ وہ طبیعت کو راحت پہنچاتی ہے۔ حضرت سیدنا قاضی شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہوا کا چلنا بیمار کو صحت بخشتا ہے یا تندرست کو بیمار کرتا ہے اور تین قسم کی ہواؤں میں بشارت (خوشخبری) ہے۔ صبا (مشرقی ہوا) اور شمال والی ہوا اور جنوب والی ہوا میں یہ باقی رہی۔ دبور (پچھم کی طرف سے آنے والی ہوا یعنی مغربی ہوا) یہ ریح عقیم ہے اس میں کچھ خوشخبری نہیں ہے اور کہا گیا ہے ہوائیں آٹھ ہیں۔ چار ہوائیں رحمت کے لیے ہیں اور چار عذاب کے لیے رحمت والی ہوائیں (جو قرآن کریم میں مذکور ہیں) "المبشرات الناشرات اور الذاریات اور المرسلات" اور جو ہوائیں عذاب کی ہیں وہ العقیم اور صرصر جن کا تعلق

خشکی سے ہے اور عاصف اور قاصف جن کا تعلق (پانی) سمندر وغیرہ سے ہے۔ ''السحاب المسخر'' یعنی بادل جو مطیع بنایا گیا ہے۔ سحاب بادل کو اس لیے کہا جاتا گویا کہ وہ گھسٹتا ہے کیونکہ سحب کا معنی گھسیٹنا اور کھینچنا ہے۔ یعنی بادل تیزی کے ساتھ چلتا ہے گویا کہ وہ گھسٹ رہا ہے یا کھینچ رہا ہے۔ ''بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون'' پس (ان آیات میں غور کرنے سے) وہ جان جائیں گے کہ ان چیزوں کا خالق وصانع ہے۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں نہیں جانی جاسکتیں کہ کہاں سے آرہی ہیں۔ گرج۔ بجلی۔ بادل۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۞

ترجمہ: اور کچھ آدمی وہ (بھی) ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا ضروری) ہے اور جو مومن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے اور کیا خوب ہوتا کہ یہ ظالم (مشرکین) جب (دنیا میں) کسی مصیبت کو دیکھتے تو (اس کے وقوع میں غور کر کے) سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے اور یہ (سمجھ لیا کرتے) کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب (آخرت میں اور بھی) سخت ہوگا۔

تفسیر ۱۶۵ ''ومن الناس'' مشرکین ''من یتخذ من دون اللہ انداداً'' یعنی بت جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ ''یحبونهم کحب اللہ'' یعنی یہ (مشرک) اپنے معبودان باطل سے ایسی محبت کرتے ہیں جس طرح کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں کہ یہ مشرک بتوں سے ایسی محبت رکھتے ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کو اور بتوں کو محبت رکھنے میں برابر کیا۔

''والذین آمنوا اشد حباً للہ'' (محبت پر) ثابت رہنے والے اور مشرکین کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ قائم ودائم رہنے والے ہیں کیونکہ وہ (ایمان والے) اللہ تعالیٰ پر اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کو ترجیحاً پسند نہیں کرتے اور مشرک جب کسی بت کو (معبود) پکڑتے ہیں پھر اس کے بعد کسی اور سے زیادہ خوبصورت دیکھتے ہیں تو پہلے کو پھینک دیتے ہیں اور دوسرے کو پسندیدہ قرار دے کر (معبود) اختیار کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (مشرکین کے بالمقابل مومنین کا ''اشد حبا للہ'' ہونے کا معنی یہ ہے) کہ کافر سخت مصیبت کے وقت اپنے معبود (بت) سے اعراض کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کی خبر دی۔ پس فرمایا ''فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین'' ترجمہ (جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے تو (بوقت مشکل) اللہ تعالیٰ کو صرف اسی کی اطاعت کرتے ہوئے پکارتے ہیں)۔ بخلاف مومن کے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کسی وقت اور کسی حال میں منہ نہیں موڑتا نہ راحت میں نہ تکلیف میں نہ شدت میں اور نہ آسانی میں۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو جس نے دنیا میں بتوں کی محبت

میں اپنے آپ کو جلا رکھا ہوگا حکم دیں گے کہ وہ بتوں سمیت داخل ہو جائیں۔ پس وہ داخل نہ ہوں گے کیونکہ وہ جانتے ہوں گے کہ جہنم کا عذاب دائمی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو کفار کے سامنے فرمائیں گے۔ اگر تم میرے پیارے ہو (مجھ سے محبت کرتے ہو) تو جہنم میں کود جاؤ تو ایمان والے جہنم میں گھس جائیں گے تو عرش کے نیچے سے آواز دینے والا آواز دے گا "والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ" کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ" اس لیے فرمایا ہے کہ ان ایمان والوں کو پہلے اللہ تعالیٰ نے محبوب رکھا پھر ایمان والوں نے اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھا اور جس شخص کی محبت کی گواہی معبود برحق خود دے اس کی محبت اتم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یحبھم و یحبونہ" (گویا اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی محبت کا ذکر پہلے فرمایا اور مؤمنین کی محبت کا (جو ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے) ذکر بعد میں فرمایا۔

"ولو یری الذین ظلموا" نافع، ابن عامر اور یعقوب نے "ولو تری" تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے یاء کے ساتھ (لو) کا جواب یہاں محذوف ہے اور قرآن مجید میں اس طرح کا (حذف) بہت واقع ہوا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ولو ان قرآنا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ" تو اس آیت میں آنے والے (لو) کا جواب بھی محذوف ہے۔ جواب "لکان ھذا القرآن کذالک" محذوف ہے اور جنہوں نے تاء کے ساتھ یعنی تری پڑھا ہے اس کا معنی ہوگا اگر آپ یا رسول اللہ ان لوگوں کو شدت عذاب میں دیکھیں جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ "لرایت امر عظیما" آپ امر عظیم دیکھیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے یا رسول اللہ آپ فرمادیں اے ظالم اگر تو ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا یعنی شرک کیا شدت عذاب میں دیکھے "لرایت امر فظیعا" تو اے ظالم! تو بھیانک منظر دیکھے گا (یہ جواب محذوف ہے)۔ اور جن حضرات نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس کا معنی ہوگا اگر دیکھیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ یہ عذاب کا مشاہدہ کرتے وقت عذاب الٰہی کی شدت اور اس کی سزا کو اگر دیکھیں تو کفر کی مضرت پہچان جائیں اور یہ بھی جان جائیں کہ وہ بت جن کو انہوں نے (معبود بنا رکھا تھا) ان کو کچھ نفع نہیں دے سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اذ یرون" ابن عامر رحمہ اللہ نے یاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "یُرون" اور باقیوں نے یاء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "العذاب ان القوۃ للّٰہ جمیعا و ان اللّٰہ شدید العذاب" یہ کہ سب طاقت اللہ تعالیٰ کی ہی ہے اس کا معنی "لراوا" جان جائیں گے اور یقین کرلیں گے کہ بے شک قوت سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور ابوجعفر اور یعقوب رحمہما اللہ نے "ان القوۃ" اور "ان اللّٰہ" ان کی الف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ جملہ مستانفہ (ابتدائیہ) کے طور پر اور "اذ یرون العذاب" پر کلام تام سمجھتے ہوئے اور جواب کو پوشیدہ (مضمر) مانتے ہوئے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ترجمہ: جبکہ وہ (ذی اثر لوگ) جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ان (عام) لوگوں سے صاف الگ ہو جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے اور سب (خاص و عام) عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے اس وقت سب قطع ہو جاویں اور (جب) یہ تابع لوگ (جاہل) یوں کہنے لگیں گے۔ کسی طرح ہم سب کو ذرا ایک دفعہ (دنیا میں) جانا مل جائے تو ہم بھی ان سے صاف الگ ہو جائیں جیسا کہ یہ ہم سے (اس وقت) صاف الگ ہو بیٹھے اللہ تعالیٰ یونہی ان کی بداعمالیوں خالی ارمان (کے پیرایہ میں) کر کے ان کو دکھلا دیں گے اور (ان تابعین اور متبوعین سب) کو دوزخ سے نکلنا بھی نصیب نہ ہوگا

تفسیر: ⓰ "اذ تبرّأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب" یہ قیامت کے دن ہوگا جس دن کہ اللہ تعالیٰ سرداروں کو اور ان کے پیروکاروں کو جمع فرمائیں گے تو بعض، بعض سے اعلان بیزاری کریں گے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس جگہ سرداروں سے مراد جن اور "اتبعوا" پیروکاروں سے مراد انسان ہیں۔ "وتقطعت بھم" یہاں "بھم" بمعنی "عنھم" ہے۔ (الاسباب) باہمی تعلقات جو دُنیا میں ان کے درمیان تھے قرابت داریاں دوستیاں اور ان کا باہمی میل ملاپ عداوت میں بدل جائے گا۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسباب سے یہاں مراد ارحام ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فلا انساب بینھم یومئذ" علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسباب سے مراد وہ اعمال جو وہ دُنیا میں کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا" کہ ہم ان کے اعمال کو بکھرا ہوا غبار بنا دیں گے۔ اسباب کا اصل معنی ہے وہ چیز جس کے ذریعے کسی شئی کی طرف پہنچا جائے کوئی ذریعہ ہو رشتہ داری ہو، محبت و دوستی ہو یا پھر احسان ہو ہی کو سبب کہا جاتا ہے اور راستہ کو سبب کہا جاتا ہے۔

⓱ "وقال الذین اتبعوا" پیروکار (کہیں گے) "لو ان لنا کرۃ" دُنیا کی طرف لوٹنا ہو "فنتبرّأ منھم" متبوعین (سرداروں سے اعلان بیزاری کریں) "کما تبرّؤا منا" آج کے دن (جس طرح وہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں) "کذٰلک" یعنی جس طرح ان کو عذاب دکھایا۔ "یریھم اللّٰہ" اور بعض نے کہا ہے جیسا کہ (اللہ تعالیٰ نے دکھایا ہے) بعض کا بعض سے اعلان بیزاری کرنا ان کو اللہ تعالیٰ دکھائے گا۔ "اعمالھم حسرات" ندامتیں، پشیمانیاں "علیھم" حسرات حسرۃ کی جمع ہے۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو وہ برائیاں دکھائے گا جن کا انھوں نے ارتکاب کیا ہوگا۔ پس اظہار حسرت و افسوس کریں گے کیا ہم نے کیوں کیے۔ بعض نے کہا کہ ان کو اللہ تعالیٰ وہ نیکیاں دکھائے گا جو انھوں نے چھوڑ دی تھیں تو وہ ان نیکیوں کو ضائع کرنے پر ندامت کا اظہار کریں۔ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرایا تھا۔ اس اُمید پر کہ وہ بت ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے۔ پس جب ان کو اس عمل پر عذاب دیا جائے گا جس پر ان کو اُمید اجر و ثواب تھی تو ندامت و حسرت کریں گے۔ علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے لیے جنت نمایاں اور ظاہر و بلند کی جائے گی۔

پس اس کی طرف دیکھیں گے اور جنت میں اپنے گھروں کی طرف دیکھیں گے۔ اگر وہ اطاعت کرتے (تو ان کو وہ گھر نصیب

ہوئے) پس ان کو کہا جائے گا یہ تمہارے گھر ہیں، رہائش گاہیں ہیں، اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے پھر ان کے گھر ایمان والوں میں تقسیم کردیے جائیں گے۔ پس یہ وہ وقت ہوگا جب ندامت اور حسرت کا اظہار کریں گے۔ "وماھم بخارجین من النار"

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۞

ترجمہ اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال پاک چیزوں کو کھاؤ (برتو) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے وہ تو تم کو ان ہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ (شرعاً) بری اور گندی ہیں اور یہ (بھی تعلیم کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کی تم سند بھی نہیں رکھتے اور جب کوئی ان (مشرک) لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم (اپنے پیغمبر کے پاس) بھیجا ہے اس پر چلو تو (جواب میں) کہتے ہیں کہ نہیں) بلکہ ہم تو اس (طریقہ) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا اگر چہ ان کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ (کسی آسمانی کتاب کی) ہدایت رکھتے ہوں

تفسیر ۞ "یایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً" یہ قبیلہ ثقیف، خزاعہ، عامر بن صعصعہ اور بنی مدلج کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے اپنے آپ پر کھیتی اور بعض جانوروں کو حرام کیا (جس کھیتی کو وہ بتوں کے نام کرتے یا وہ جانور جن کو بتوں کی نیاز کرتے ان کو اپنے استعمال میں نہ لاتے تھے) جانوروں کی تفصیل نام بنام

(بحیرہ): یہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کا دودھ بتوں کی نیاز کردیتے تھے۔ اس کا نام بحیرہ اس لیے ہے کہ وہ اس جانور کے کان کو پھاڑ دیتے تھے۔ بحیرہ بروزن فعیلہ بمعنی مفعولہ ہے۔ بحر کے معنی شق (پھاڑنے) کے ہیں۔ بحیرۃ یعنی "مشقوقۃ الاذن" جس مؤنث کا علامت کے طور پر کان پھاڑ دیا جائے وہ بحیرہ کہلاتی تھی۔

(سائبہ): وہ جانور جس کو وہ بتوں کے نام چھوڑ دیتے تھے اور اس سے باربرداری وغیرہ کسی قسم کا کام نہ لیتے تھے۔ وہ بتوں کے نام وقف ہوتا تھا جہاں چاہتا چلا جاتا کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہوتی۔

(وصیلہ): وہ جوان اونٹنی جو اول اول کے بعد دیگرے دو مؤنث بچے جنم دیتی۔ درمیان میں مذکر نہ ہوتا۔ اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

(حام): وہ مذکر اونٹ جو چند بار جفتی کا عمل کرتا۔ جب وہ ان کی مطلوبہ تعداد میں عمل جفتی سرانجام دیتا اس کو بھی بتوں کے نام کردیتے تھے اسے حوامی کہتے۔ اس پر بھی کسی قسم کی باربرداری نہ کرتے تھے۔

تو اس مقام پر تنبیہ کردی گئی کہ حلال وہی ہے جسے شریعت نے حلال قرار دیا۔ "طیبا" کہا گیا ہے کہ طیب وہ ہے جسے مرغوب ولذیذ اور پاکیزہ سمجھا جائے۔ مسلمان حلال کو پسندیدہ و پاکیزہ سمجھتا ہے اور حرام سے ڈرتا ہے۔ "ولا تتبعوا خطوات الشیطان" ابوجعفر اور ابن عامر، کسائی اور حفص اور یعقوب (رحمہم اللہ) نے طاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے طاء کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے اور "خطوات الشیطان" اس (شیطان) کے آثار ونشانات اور لغزشیں ہیں۔ بعض نے کہا کہ "خطوات الشیطان" سے مراد گناہوں والی نذریں ماننا (جو شرعاً جائز نہیں)۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں "خطوات الشیطان" سے مراد شیطان کے راستے ہیں "انه لکم عدوٌّ مبین" ظاہر العداوۃ واضح دشمنی جس کا اظہار وہ حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکہ دے کر اور سجدہ آدم علیہ السلام سے انکار کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا فعل (أبان) جس سے بمعنی اسم فاعل ہے کبھی لازم ہوتا ہے کبھی متعدی۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی عداوت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

◉ "انما یامرکم بالسوء" گناہ کے ساتھ (حکم کرتا ہے) "سوء" اصل میں اس کو کہتے ہیں جو کرنے والے کو بری لگے۔ یہ مصدر ہے "ساء یسوء، سوءً وساءۃً" کی جس کے معنی غمناک کرنے کے ہیں۔ "ساءہ" اسے غمناک کیا اور "سؤته فساء" میں نے اس کو غمناک کیا۔ پس وہ غمناک ہوگیا۔ "والفحشاء" گناہ اور ہر وہ قول یا عمل جو قبیح ہو۔ "سرّاء اور ضرّاء" کی طرح مصدر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الفحشاء" سے مراد وہ گناہ ہے جس میں حد لازم ہے اور سوء سے مراد وہ گناہ جس میں شرعاً حد نہیں ہے۔ علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الفحشاء" زنا ہے اور کہا گیا ہے کہ فحشاء بخل ہے۔ "وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون" کھیتی اور چوپایوں کو حرام کرنا۔

◉ "واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل اللّٰه" بعض نے کہا کہ یہاں سے نیا قصہ شروع ہو رہا ہے اور "لهم" میں اضمار قبل الذکر ہے۔ یعنی اس کا مرجع یہاں مذکور نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود کو اسلام کی دعوت دی تو رافع بن خارجہ اور مالک بن عوف کہنے لگے ہم تو اسی دین کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا کیونکہ وہ ہم سے افضل اور زیادہ عالم تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور کہا گیا ہے کہ یہ (نئی بات نہیں) ماقبل سے متصل ہے اور یہ مشرکین عرب اور کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی اور "لهم" کی ضمیر ان کی طرف راجع ہے جن مشرکین کا ذکر "ومن النّاس من یتخذ من دون اللّٰه اندادا" کے ضمن میں ہے۔ "قالوا بل نتبع ما الفینا" یعنی ہم نے پایا "علیه آباءنا" بتوں کی پرستش کرتا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے جب ان کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل فرمایا اس کی پیروی کرو اور جو تم نے اپنے اوپر حرام کیا ہے۔ مثلاً کھیتی اور چوپاؤں بحیرہ سائبہ وغیرہ کو اللہ تعالیٰ ان کو حلال فرما رہے ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کی بات مانو اور حام اور سیم جو کہ تم میں ہے یہ ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع ہے جن کا ذکر "یا ایها النّاس کلوا" میں ہے "قالوا بل نتبع" کسائی نے "بل نتبع" کے لام کو نون میں ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔

اور اسی طرح "ھل" اور "بل" کی لام کو "التاء، الثاء، الزاء، السین، الصاد، الطاء، الظاء" میں ادغام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ حمزہ رحمہ اللہ نے ثاء اور سین میں موافقت کی ہے۔ "ما الفینا..... وما وجدنا علیہ" جس پر ہم نے تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں اپنے آباء کو پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اَوَلَو کان آباءھم" یہ کیسے اپنے آباء کی اتباع کرتے ہیں حالانکہ ان کے آباء "لایعقلون شیئاً" (دین کے معاملہ میں کچھ نہیں سمجھتے) "اَوَلَو" میں جو واؤ ہے واؤ عطف ہے اور اسے واؤ تعجب بھی کہا جاتا ہے۔ اس واؤ پر توبیخ یعنی سرزنش کے لیے ہمزہ استفہام داخل ہوا ہے معنی ہوگا کیا یہ لوگ اپنے آباء کی پیروی کریں گے۔ اگر چہ ان کے آباء محض جاہل اور (دینی معاملات) کچھ نہ جانتے ہوں "لایعقلون" کا لفظ عام ہے اور معنی مراد خاص ہے یعنی "لایعقلون شیئاً من امور الدین" دینی معاملات میں سے کچھ بھی نہ جانتے ہوں۔ (یہ تخصیص اس لیے کی گئی) کیونکہ امور دُنیا سے آگاہ تھے۔ "ولا یھتدون" پھر ان کے لیے مثال ذکر فرمائی۔ پس (اللہ) جل ذکرہ فرماتے ہیں:

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّ ۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ○

ترجمہ: اور ان کافروں کی کیفیت (ناسمجھی میں) اس (جانور کی) کیفیت کے مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو بجز بلانے اور پکارنے کے کوئی بات نہیں سنتا (اسی طرح) یہ کفار بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو سمجھتے کچھ نہیں اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ (برتو) اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی (کا تعلق رکھتے ہو)

تفسیر: ○ "ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع" نعق اور نعیق چرواہے کی اس آواز کو کہتے ہیں جو وہ بکریوں کو ہانکنے کے وقت نکالتا ہے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی اور کافروں کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بہائم کو آواز دے۔ یعنی آپ تو گویا مثل آواز دینے والے کے ہیں اور یہ کفار مثل بہائم کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ کفار کو وعظ کرنے والے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی مثال مثل چرواہے کے ہے جو بکریوں کو آواز دیتا ہے حالانکہ وہ مثل (بکریوں) نہیں۔ "الا دعاء" آواز (ونداء) پکار لفظ مثل کو "الذین کفروا" کی طرف اس پر کلام کی دلالت کرنے کی وجہ سے مضاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے "واسئل القریۃ" فرمایا۔ اس کلام کا معنی ہوگا کہ جس طرح جانور چرواہے کی آواز سنتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں جو کچھ ان کو کہا جا رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح کافر بھی آپ کے وعظ سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں کرتے وہ تو صرف آپ کی آواز سن رہے ہیں اور کہا گیا ہے اس کا معنی ہے کہ ان کافروں کی مثال اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جو تمہائش کی جاری ہے اس سے متعلق کم عقلی اور کم فہمی میں اس "منعوق بہ" آواز دیئے گئے جانور کی سی ہے جو کہ "امر و نہی"

کے حوالے سے سوائے آواز کے اور کچھ نہیں سمجھتا۔ تو اس طرح ترجمہ کرنے سے کلام کا پورا مفہوم "منعوق بہ" آواز دیئے گئے جانور کے ساتھ خاص ہو جائے گا اور کلام کا تعلق (زیادہ تر) ناعق سے نہیں رہے گا اور ایسا کلام عرب میں عام ہے جو کرتے ہیں کہ وہ اپنے معنی کو واضح کرنے کے لیے نسبت کلام میں اول بدل کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں "فلان یخافک کخوف الاسد" اس کلام میں بظاہر خوف کی اضافت اسد کی طرف ہے حالانکہ اسد یعنی شیر نہیں ڈرتا تو گویا اصل کلام یوں تھی "کمخوفۃ الاسد" جیسا کہ وہ شخص شیر سے ڈرتا ہے ایسا ہی وہ تجھ سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا" ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ" (یہاں بظاہر نوء کی نسبت مفاتح کی (چابیوں) کی طرف کی گئی ہے حالانکہ گرانی مفاتح (چابیوں) کو نہیں بلکہ عصبہ کو ہوتی تو یہاں اضافت میں قلب ہے) حالانکہ عصبہ (جماعت) مفاتح (چابیوں) کے ساتھ متعلق ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے ان لوگوں کی مثال جو کافر ہوئے ان بتوں کو پکارنے میں جو کچھ نہیں سمجھتے اور نہ جانتے ہیں مثل اس شخص کے ہے جو بکریوں کو آواز کرتا ہے۔

تو وہ بکریوں کو آواز کرنے والا اپنی اس آواز سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ سوائے اس کے کہ وہ اس دعاء و پکار میں اپنے آپ کو تھکاتا ہے۔ اسی طرح کافر کو بھی سوائے اس کے بتوں کو (مشکلات) میں پکار کر کے اپنے آپ کو ہلکان کرے اور ان کی عبادت کر کے مشقت میں پڑے اور کچھ فائدہ نہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم ولو سمعوا ما استجابوا لکم" ترجمہ: (کہ اگر تم ان بتوں کو پکارو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور اگر (بالفرض) سن لیں تو تمہاری پکار کا جواب نہیں دیتے) اور بعض نے کہا کہ آیت کا معنی اس طرح ہے کہ وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کی مثال بتوں کو پکارنے کے اعتبار سے اس شخص کی سی ہے جو پہاڑوں کے درمیان (وادی میں) چیخے چلائے پھر اپنے اس چیخنے چلانے کی صدائے بازگشت سنے جس سے اس کو کچھ سمجھ نہ آئے۔ پس آیت کا معنی ہوگا (ان کافروں کی مثال بتوں کو پکارنے میں) اس پکارنے والے کی سی ہے جو اپنی پکار سے سوائے دعاء وندا کے کچھ نہ سنے۔ "صم" عرب والے اس شخص کو جو نہ سنے اور نہ عمل کرے۔ گویا کہ وہ بہرا ہے۔ "بکم" خیر سے (گونگے) ہیں خیر کی بات کہتے نہیں۔ "عمی" ہدایت سے (اندھے ہیں) اسے دیکھتے نہیں۔ "فھم لا یعقلون"

Ⓐ "یا ایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات" رزق حلال "ما رزقناکم" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(اے لوگو! بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ طیب (پاک) ہیں اور صرف طیب (پاک مال) ہی قبول فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اسی چیز کا حکم فرمایا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا" (ترجمہ: اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں اور نیک اعمال کرو۔)

ایمان والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو پھر حضور علیہ السلام نے آدمی کا ذکر فرمایا جو سفر لمبا کیے ہوئے ہے۔ پراگندہ و غبار آلود بال آسمان کی طرف دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر یا رب! یا رب! (کی صدائیں دے کر مانگتا ہے) حالانکہ اس کا کھانا حرام کا پینا حرام کا اس کا لباس حرام کا اور غذا بھی حرام کی دیا گیا

اس کی دُعا کیسے قبول کی جائے۔ "واشکروا اللّٰہ" اس کی نعمتوں پر (اس کا شکر ادا کرو) "ان کنتم ایاہ تعبدون" اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں کا ذکر فرمایا۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٧٣﴾

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار) جانور کو اور خون کو جو بہتا ہوا اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی جو شخص بھوک سے بہت ہی بے تاب ہو جائے (بشرطیکہ) نہ تو کھانے میں طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم۔

(تفسیر) ۱۷۳ "انما حرم علیکم المیتۃ" ابو جعفر رحمہ اللہ نے قرآن پاک میں جہاں کہیں "المیتۃ" کا لفظ آیا ہے۔ شد کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض قراء نے بعض (جگہوں پر) میتۃ کو شد کے ساتھ پڑھتے ہیں اور بعض میں نہیں "المیتۃ" ہر وہ جانور ہے جو بغیر ذبح کئے جائے مگر وہ جانور ایسا ہو جس کو عموماً ذبح کیا جاتا ہو "والدم" اس سے مراد بہنے والا خون ہے۔ اس معنی کو مراد لینے پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے۔ "او دما مسفوحا" شریعت نے میتۃ سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ کیا ہے اور خون سے جگر اور تلی کو مستثنیٰ کیا ہے۔ پس ان کو حلال فرمایا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لیے دو میتہ حلال کیے گئے ہیں اور دو خون دو میتہ مچھلی اور ٹڈی ہے اور دو خون میں گمان کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جگر اور تلی۔ "ولحم الخنزیر" اس سے مراد خنزیر کے تمام اجزاء ہیں مگر تعبیر لفظ لحم سے کی گئی ہے کیونکہ لحم (گوشت) مقصود معظم ہوتا ہے۔ "وما اھل بہ لغیر اللّٰہ" جو ذبح کیا جائے بتوں کے لیے اور طواغیت کے لیے۔

اہلال کا اصل معنی آواز بلند کرنا ہے اور مشرک جس بت کے لیے جانور ذبح کرتے تھے اس بت کے نام کے ساتھ آواز بلند کرتے تھے۔ یہ طریقہ ان کا جاری رہا حتیٰ کہ ہر ذبح کرنے والے کو مہل کہا جانے لگا۔ اگرچہ وہ آواز بلند نہ بھی کرے۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں "وما اھل بہ لغیر اللّٰہ" جس پر اللہ تعالیٰ کے ماسوا کا نام ذکر کیا جائے۔ "فمن اضطر" لفظ فمن کی نون کو زیر کے ساتھ اور یہی حال ہر اس حرف کا جو اسی طرح واقع ہو (یعنی التقاء ساکنین کے بعد پیش والا حرف ہو جیسے یہاں ن اور ض ساکن ہیں اور بعد میں ط پر پیش ہے) عاصم اور حمزہ نے ایسے پڑھا اور ابو عمر رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے مگر لام اور واو میں مثلاً "قل ادعوا اللّٰہ او ادعوا الرحمٰن" اور یعقوب رحمہ اللہ نے موافقت کی مگر واو میں اور ابن عامر رحمہ اللہ نے تنوین والے (نون) میں موافقت کی اور باقی سب حضرات نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔

پس جس نے زیر دی ہے تو وہ اس لیے کہ جزم کو زیر کی طرف حرکت دی جاتی ہے اور جس نے پیش دی تو اس لیے کہ فعل کا پہلا حرف پیش والا ہے اس پیش کو ماقبل کی طرف نقل کیا گیا اور ابو جعفر نے "فمن اضطر" میں طاء کو زیر کے ساتھ پڑھا اور اس کا معنی ہے کہ جو شخص میتہ کھانے کی طرف مضطر ہو جائے یعنی محتاج اور مجبور ہو جائے (غیر) لفظ غیر کو زبر دی گئی ہے حال ہونے کی بنیاد پر اور بعض نے کہا کہ یہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے اور جب تو دیکھے کہ لفظ غیر کی جگہ لفظ "لا" معنی کے اعتبار سے فٹ نہیں آتا تو وہ غیر حال واقع ہوگا اور جب غیر کی جگہ معنی "لا" کا آجانا صحیح ہو تو وہ غیر کا لفظ استثناء کے لیے ہے۔

"باغ ولا عاد" پس بعض نے کہا کہ غیر باغ کا معنی ہے سلطان عادل کے خلاف خروج اور بغاوت کرنے والا نہ ہو اور "ولا عاد" کا معنی ہے ظلم وتعدی اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو اور سفر معصیت نہ کرنے والا ہو۔ مثلاً ڈاکہ زنی کے لیے نکلا یا زمین میں فساد پھیلانے کے لیے سفر کیا۔ یہ قول ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ کا ہے اور کہتے ہیں جو گناہ کا سفر کر رہا ہے اس کے لیے عالت اضطرار میں میتہ کھانا جائز ہے اور نہ ہی وہ مسافر سفر کی دیگر شرعی سہولیات سے مستفید ہو سکتا ہے۔ جب تک کہ توبہ نہ کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہی کہا ہے کیونکہ عالت اضطرار میتہ کھانا اس کے لیے جائز کرنا اس کی جرم وفساد پر اعانت کرنا ہے اور ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ

"بغی" اور "عدوان" (کا مفہوم) کھانے کی طرف راجع ہے اس کی تفصیل میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں میتہ کے کھانے کی طرف بغیر اضطرار کے دلچسپی لینے والا اور رغبت رکھنے والا نہ ہو اور "ولا عاد" کا معنی ہے پیٹ بھرنے کی خاطر حد سے زیادہ کھانے والا نہ ہو۔ (مقصد یہ کہ محض جان بچانے کی حد تک بقدر ضرورت کھائے) اور بعض نے کہا کہ "غیر باغ" میتہ کو طلب کرنے والا نہ ہو جب کہ اس کے سوا حلال غذا اس کو میسر ہو۔ "ولا عاد" (یعنی مقررہ حد صرف جان بچانا) سے تجاوز کرنے والا نہ ہو کہ وہ پیٹ بھر کر کھانے بلکہ اس میتہ سے صرف اتنا کھائے جس سے اس کی جان بچ جائے۔

حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں غیر باغ کا معنی ہے یعنی حلال سمجھنے والا نہ ہو اور "ولا عاد" کا معنی ہے کہ اس کی میتہ سے زادِ راہ (توشہ) حاصل کرنے والا نہ ہو اور بعض نے کہا کہ غیر باغ جس قدر کھانے کی مقدار اس کے لیے حلال کی گئی ہے اس سے تجاوز کرنے والا نہ ہو اور "ولا عاد" کا معنی ہے کہ جتنا کھانا اس کی جان بچانے کے لیے ضروری ہے اس میں کوتاہی نہ کرے (یہاں معنی عاد کا معنی زیادتی کرنے والا یعنی اپنے نفس پر زیادتی کرنے والا ہوگا)۔

حضرت مسروق (تابعی) فرماتے ہیں جو شخص میتہ خون لحم خنزیر کھانے پر مجبور ہو جائے۔ پس وہ نہ کھائے یہاں تک کہ مر جائے وہ آگ (دوزخ) میں داخل ہوگا۔ اس مقدار میں علماء کا اختلاف ہے جس قدر میتہ کو کھانا مجبور انسان کے لیے حلال ہے۔ بعض نے کہا اس قدر کھائے جس سے اس کی جان بچ سکے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول اس کے لیے پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "غیر باغ" کا معنی ہے کہ وہ جماعۃ المسلمین سے علیحدگی اختیار کرنے والا نہ ہو اور

"ولا عاد" کا معنی ہے۔ بدحق مخالف سنت نہ ہو انہوں نے بدحق کو بوقت ضرورت حرام کھانے کی رخصت نہیں دی۔ "فلا اثم علیہ" اس مقدار کو کھانے میں اس پر کچھ حرج نہیں ہے۔ "ان اللہ غفور" (بخشنے والا ہے) اس شخص کو جو حالت اضطرار حرام کھاتا ہے۔ "رحیم" ہے کیونکہ اس نے اس سلسلہ میں اپنے بندوں کو (حرام کھانے کی) اجازت دی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝

ترجمہ: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب (کے مضامین) کا اخفا کرتے ہیں اور اس (خیانت) کے معاوضہ میں (دنیا کا) متاع قلیل وصول کرتے ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ (کے انگارے) بھر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو قیامت میں لطف کے ساتھ کلام کریں گے اور نہ (گناہ معاف کر کے) ان کی صفائی کریں گے اور ان کو سزائے دردناک ہوگی یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے (دنیا میں تو) ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور (آخرت میں) مغفرت چھوڑ کر عذاب (سر پر لیا) سو (شاباش ہے ان کو) دوزخ (میں جانے) کے لئے کیسے باہمت ہیں۔

تفسیر: ۝ "ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب" یہودیوں کے علماء اور سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی وہ اپنے ماتحت (عوام) سے ہدایات لیتے اور کھانے کی اشیاء اور اس اُمید میں تھے کہ نبی مبعوث ان میں سے ہوں گے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ان کو اپنے کھانے واتے اور زوال ریاست کی فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (جو ان کی کتاب میں تھی) تبدیل کر دیا۔ پھر اس (تورات) میں تبدیل شدہ صفت کو عوام کے لیے نکالا جب ماتحت (عوام) نے تبدیل شدہ صفت محمدی کو دیکھا کہ یہ تو حضور علیہ السلام کی صفات واقعیہ کے برعکس ہے۔

پس انہوں نے حضور علیہ السلام کی اتباع نہ کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب" یعنی صفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی نبوت کو "ویشترون بہ" اس چھپائی ہوئی صفت کے بدلے "ثمناً قلیلاً" معمولی بدل یعنی وہ کھانا دانہ جو ان کو ان کے ماتحتوں (عوام) کی طرف سے ان کو پہنچتا تھا۔ "اولئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار" صرف وہ کچھ کھاتے ہیں جو ان کو آگ کی طرف پہنچائے گا اور وہ رشوت اور حرام جب یہ کھانا وغیرہ ان کو آگ کی طرف پہنچانے والا ہے تو گویا کہ انہوں نے آگ کھائی ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ وہ کھانا انجام کار ان کے پیٹ میں آگ بن جائے گا۔ "ولا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ" ان کے ساتھ رحمت والا کلام اللہ تعالیٰ نہیں فرمائے گا اور نہ وہ کلام جو ان کو خوش لگے۔ صرف ان سے سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ والی کلام کرے گا۔ کہا گیا ہے کہ اس فرمان الٰہی کا مطلب ہے کہ

اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں سے بات بھی نہیں کرتا۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اس سے ناراض ہو۔ "ولا یزکیھم" ان کو گناہوں کی میل کچیل سے پاک نہیں فرمائے گا۔ "ولھم عذاب الیم"

● "اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ والعذاب بالمغفرۃ فما اصبرھم علی النار" حضرت عطاء اورعلامہ سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں "فما اصبرھم" میں ما استفہامیہ ہے۔ یعنی وہ کون سی چیز ہے جس نے ان کو آگ پر صابر بنا دیا ہے؟ "ما" بمعنی ای شیئی کے ہوگا یعنی "ای شیٔ" وہ کون سی چیز ہے جس نے ان کو آگ پر صابر بنادیا حتیٰ کہ انہوں نے حق کو چھوڑ دیا ہے اور باطل کی پیروی کرلی؟

حضرت حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم ان کو آگ پر کچھ صبر نہیں لیکن "فما اصبرھم علی النار" کا معنی ہے "ما اجراھم" کہ ان کو اس عمل پر کس چیز نے دلیر کردیا ہے جو عمل ان کو آگ کے قریب کرتا ہے؟ حضرت کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فما اصبرھم علی النار" کا معنی ہے یعنی ان کو اس پر کس چیز نے دوام دیا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ۝ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ: یہ (ساری مذکورہ سزائیں ان کو) اس وجہ سے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا اور جو لوگ (ایسی) کتاب میں بے راہی اختیار کریں وہ (ظاہر ہے کہ) بڑی دور کے اختلاف میں مبتلا ہوں گے کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آ گیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ (کی ذات و صفات) پر یقین رکھے اور (اسی طرح) قیامت کے دن (آنے پر) (بھی) اور فرشتوں (کے وجود) پر بھی اور سب کتب (سماویہ) پر اور پیغمبروں پر اور (وہ شخص) مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں (اپنے حاجتمند) رشتہ داروں کو اور نادار یتیموں کو اور دوسرے غریب محتاجوں کو (اور بے خرچ) مسافروں کو اور (لاچاری میں سوال کرنے والوں کو اور (قیدی اور غلاموں کو) گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب کسی جائز امر کا) عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل مزاج رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور (معرکہ) قتال میں (پس) یہ لوگ ہیں

جو بے کمال کے ساتھ موصوف) ہیں اور یہی لوگ ہیں جو بے تقوی (کہے جاسکتے ہیں)

تفسیر ❶ "ذالک بان اللّٰہ نزل الکتاب بالحق" یہ عذاب اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا۔ پس انہوں نے اس (حق) کا انکار کیا اور کفر کیا اور اس وقت لفظ "ذالک" محل رفع میں ہوگا یعنی "مصدر" پیش والا ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ "ذالک" کا لفظ محل نصب میں ہے یعنی زبر والا ہے محل ہوگا۔ "فعلنا ذالک بھم" ہم نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ (تو گویا "ذالک" کا لفظ "فعلنا" کا مفعول بہ ہو کر منصوب یعنی زبر والا ہو جائے گا "بان اللّٰہ" یعنی یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا۔ پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے۔

"ذالک" کا اسم اشارہ ان کے فعل کی طرف ہے۔ "ذالک" یہ بیان کا فعل جو وہ کرتے ہیں یعنی کفر باللہ، اختلاف فی الکتاب اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جرأت کرنا۔ یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون ختم اللّٰہ علی قلوبھم" (اس قول کا خلاصہ یہ ہوا کہ کفار کا کفر و اختلاف اور جرأت علی اللہ کتاب الٰہی کے مطہم کی حقانیت کے باعث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے وہ دولت ایمان سے سرفراز نہیں ہوں گی تو اللہ تعالیٰ کا یہ تقدیری فیصلہ (بظاہر) ان کے کفر و اختلاف کا سبب ہے)"وان الذین اختلفوا فی الکتاب" پس وہ بعض پر ایمان لائے اور بعض کا کفر کیا۔ "لفی شقاق بعید" وہ خلاف اور دور (حق سے) کی گمراہی میں ہیں۔

❷ "لیس البرَّ ان تُوَلّوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب" حمزہ و حفص رحمہم اللہ نے "لیس البر" کو راء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے راء کی پیش کے ساتھ جو لفظ بر کو پیش کے ساتھ پڑھتا ہے وہ لفظ بر کو "لیس" کا اسم بناتا ہے اور "لیس" کی خبر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے "ان تولوا" تقدیری عبارت ہوگی۔ "لیس البر تولیتکم وجوھکم" نہیں ہے نیکی (صرف یہی) تمہارا اپنے چہروں کو پھیرنا اور جس نے لفظ "بر" کو زبر دی ہے اس نے "ان تُوَلّوا" کو مقام رفع میں رکھا اس پر کہ "ان تولوا لیس" کا اسم ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "لیس تولیتکم وجوھکم البر کلہ" نہیں ہے تمہارا چہروں کو پھیرنا کل کی کل نیکی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ما کان حجتھم الا ان قالوا ائتوا"

بر ہر اس عمل خیر کو کہتے ہیں جو عمل کرنے والے کو جنت تک پہنچادے۔ اس آیت کے مخاطبین میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس سے مراد یہود و نصاریٰ لیے ہیں اور یہ اس لیے کہ بے شک یہود مغرب یعنی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کر کے اور ان میں سے ہر فریق کا دعویٰ تھا کہ نیکی اسی میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ نیکی ان کے دین و عمل کے سوا ہے لیکن اس آیت میں اس کو بیان نہیں فرمایا۔ حضرت قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ اسی قول پر ہیں اور باقیوں نے کہا اس آیت سے مراد مؤمنین لئے ہیں اور یہ اس طرح کہ ابتداء اسلام میں نزول فرائض سے پہلے جب کوئی شخص توحید و رسالت کی گواہی دیتا تھا تو وہ کسی بھی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتا۔ پھر اس کی

موت اسی حالت پر ہوتی تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی۔ جب حضور علیہ السلام نے ہجرت فرمائی اور احکام و فرائض کا نزول ہوا اور حدود مقرر ہو گئیں، تحویل قبلہ الی الکعبہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ پس فرمایا "لیس البر" یعنی ساری نیکی صرف یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور اس کے علاوہ کچھ نیکی نہ کرو "ولکن البر" بلکہ نیکی وہ ہے جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ اسی قول پر ہیں حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد، حضرت عطاء اور ضحاک (رضی اللہ عنہم) "ولکن البر" نافع اور ابن عامر رحمہم اللہ نے "ولکن" کو تخفیف (غیر مشدد) نون کے ساتھ پڑھا اور "البر" کو پیش کے ساتھ اور باقیوں نے نون لکن کو شد کے ساتھ اور بر کو راء کی زبر کے ساتھ پڑھا۔

"من آمن باللہ" (اللہ تعالیٰ نے) "مَنْ" کو جو کہ اسم ہے خبر بنایا ہے (بر) کی جو کہ فعل ہے حالانکہ "البر زید" نہیں کہا جاتا تو "اَلْبِرُّ مَنْ آمَنَ" کہنا کیسے درست ہوگا؟ اس کی وجہ (بیان کرنے) میں انہوں نے اختلاف کیا۔ کہا گیا ہے کہ جب (من) مصدر کی جگہ پر واقع ہوا تو اس کو بر کی خبر بنا دیا گیا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا "ولکن البر الایمان باللہ" اور عرب والے اسم کو فعل کی خبر بناتے رہتے ہیں۔ فراء کہتا ہے:

لعمرک . ماالفتیان ان تنبت اللحی ولکنما الفتیان کل فتی ندی

ترجمہ: تیری زندگی کی قسم جوان مردی یہ نہیں کہ داڑھیاں اُگ آئیں بلکہ جوان مردی شاعر (فراء) نے نبات اللحیہ کو فتی کی خبر بنایا۔

اور کہا گیا ہے کہ اس میں اختصار ہے۔ اس کا معنی ہوگا "ولکن البر من آمن باللہ" لہٰذا اول "البر" کے ذکر کے باعث دوسرے "بر" کے ذکر سے استغناء کیا گیا ہے جس طرح کہ کہتے ہیں "الجود حاتم" یعنی "الجود جود حاتم" یعنی سخاوت تو حاتم کی سخاوت ہے اور بعض نے کہا کہ یہاں اس کا معنی ہے "ولکن ذا البر من آمن باللہ" (بلکہ نیکی والا تو وہ شخص ہے) جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "ھم درجات عنداللہ" یعنی ذو درجات عند اللہ۔

اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے "ولکن البار من آمن باللہ" (تو بر بمعنی اسم فاعل ہوگی) مثل فرمان الٰہی کے "والعاقبۃ للتقویٰ" یعنی "للمتقی" (تو جس طرح یہاں تقویٰ بمعنی متقی ہے ایسے ہی بر بمعنی بار ہے) اور بر سے یہاں ایمان و تقویٰ مراد ہے۔ "والیوم الآخر والملائکۃ" سب پر "والکتاب" یعنی نازل شدہ کتابیں "والنبیین" سب کے سب "وآتی المال ..... ای اعطی المال" (مال دیا) "علی حبہ" حبہ کی ضمیر کہاں راجع ہے اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اکثر اہل التفسیر نے فرمایا کہ حبہ کی ضمیر مال کی طرف راجع ہے یعنی مال دیا حالت صحت میں اور مال کی محبت میں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو مال دے اس حال میں کہ تو صحت مند ہو، مال پر حریص ہو، دولت مندی کا اُمیدوار اور فقر سے ڈرے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا صدقہ اجر کے لحاظ سے بڑا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تو صدقہ کرے اس حال میں کہ تو صحت مند ہو، مال کا شدید خواہش مند ہو، فقر سے ڈرے اور دولت مندی کی اُمید کرے اور اتنی دیر نہ کر (راہ خدا دینے میں) حتیٰ کہ جب کہ (جان)

طلق کو پہنچ جائے (اس وقت) تو کہے فلاں کے لیے اتنا مال فلاں کے لیے اتنا مال حالانکہ وہ (مال) تمہاری فلاں کے لیے (یعنی جس جس مسکین وفقیر کا نام لے لے کر اب تو دے رہا ہے اخلاقی اعتبار سے یا شرعی فریضہ کے مطابق وہ مال تمہارا نہیں ٹھہراؤ مساکین کا۔

اور کہا گیا ہے کہ حبہ کی ضمیر اللہ عزوجل کی طرف راجع ہے تو علی حبہ کا معنی ہوگا علی حب اللہ تعالیٰ (ذوی القربی) اہل قرابت حضور علیہ السلام نے فرمایا (مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور قرابتدار پر صدقہ دو (نیکیاں) ہیں صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی) "والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل" حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسافر سے مراد وہ ہے جو اپنے اہل سے کٹ جائے اور تیرے پاس سے گزرے، مسافر کو ابن سبیل اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ راستہ کو لازم پکڑے ہوئے ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ ابن سبیل سے مراد مہمان ہے جو کسی آدمی کے پاس آئے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے "والسائلین" (یعنی طلب کرنے والے) بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سائل کو (کچھ نہ کچھ دے کر) لوٹاؤ اگر چہ جلا ہوا کھر۔ ایک روایت میں ہے حضور علیہ السلام نے ان (اُم نجید) کو فرمایا اگر تجھے جلے ہوئے کھر کے سوا اور کچھ نہ ملے تو وہی کھر ہی اسے دے دے۔

"وفی الرقاب" مراد اس سے مکاتب غلام (مکاتب وہ غلام ہوتا ہے جس کو مولا (سید) کہے کہ اتنے پیسے اگر تو دے دے تو تو آزاد تو اس کو اپنی آزادی کے عوض مال دینا ہوتا ہے تو اس سلسلہ میں اس کا مالی تعاون زکوٰۃ وصدقات سے کیا جائے) یہی اکثر مفسرین فرماتے ہیں اور کہا گیا ہے ذی روح (غلام) کو آزاد کرنا اور (غلام کی) گردن چھڑانا بعض کا قول ہے کہ "وفی الرقاب" کا معنی ہے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ دینا۔ "واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ" "واعطی الزکاۃ" (یعنی زکوٰۃ دے) "والموفون بعہدھم" جو (معاہدے) ان کے اور اللہ عزوجل کے درمیان ہیں اور وہ معاہدے ان کے اور لوگوں کے درمیان ہیں۔ "اذا عاھدوا" جب وعدہ کرتے ہیں پورا کرتے ہیں اور جب قسم اُٹھاتے ہیں یا منت مانتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں اور جب معاہدہ کرتے ہیں وفا کرتے ہیں۔

"اور جب کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور جب امین بنائے جاتے ہیں تو ادا کرتے ہیں۔ "والموفون" قول خداوندی کے مرفوع ہونے میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ کہا گیا ہے یہ خبر پر عطف ہے اس کا معنی ہے "ولکن ذالبر المؤمنون والموفون الخ" کہ بر والے (یعنی نیکی والے) وہ مومن ہیں جو امور مذکورہ پر ایمان لاتے ہیں اور فلاں فلاں عمل کرتے ہیں اور وہ وعدہ پورا کرنے والے ہیں الخ۔ اور کہا گیا ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔ "ھم الموفون" گویا کہ بر والوں کی مختلف اقسام ذکر فرمائیں پھر فرمایا یہ حضرات اور موفون۔ یعنی وعدہ ومعاہدہ پورا کرنے والے اس طرح ہیں اور کہا گیا ہے کہ "والموفون" کی رفع مبتداء وخبر کے اعتبار سے ہے۔ یعنی "وھم الموفون" اور وہ ہیں وفا کرنے والے۔ پھر فرمایا "والصابرین" صابرین کے منصوب ہونے کی چار وجہیں ہیں۔ (۱) ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی زبر تطاول کلام یعنی کلام کے لمبا ہونے کی وجہ سے۔ عرب والوں کا طریقہ ہے جب

کلام لمبی ہو جائے اور ترتیب طول پکڑ جائے تو اعراب بدل دیتے ہیں۔ اس کی مثال سورۂ نساء میں ہے۔ "والمقیمین الصلوٰۃ" اس سے ماقبل جملے مرفوع ذکر ہوئے۔ مثلاً "لکن الراسخون ...... والمؤمنون" اور "والمقیمین الصلوٰۃ" منصوب ہے۔ اگرچہ "والمقیمین الصلوٰۃ" کو منصوب علی المدح بھی کہا گیا مگر یہاں ابوعبیدہ رحمہ اللہ اس کے منصوب ہونے کی بظاہر کوئی وجہ بیان نہیں فرمارہے۔ سوائے اس کے کہ کلام کے طویل ہونے کے باعث اعرابی صورۃ بدل دی گئی۔ (اور اسی طرح طوالت کلام کے باعث تبدیلی اعراب سورۃ مائدہ میں ہے) اور سورۃ مائدہ میں ہے "والصابئون والنصاریٰ"

اور بعض نے کہا کہ ہے کہ اس کا معنی ہے "اعنی الصابرین" گویا صابرین کی نصب فعل اعنی کے حذف ہونے کی بنیاد پر ہے اور کہا گیا ہے کہ صابرین کی نصب اللہ تعالیٰ کے فرمان "ذوی القربیٰ" کی ترتیب پر ہے یعنی "آتی الصابرین" کہ وہ اپنا مال جس طرح "ذوی القربیٰ" "قرابت داروں کو دیتا ہے ایسے ہی صابرین کو بھی دیتا ہے۔

اور خلیل فرماتے ہیں کہ صابرین کی نصب علی المدح ہے۔ "ای امدح الصابرین" اور عرب والے مدح اور ذم کی بنیاد پر کلام کو نصب دیتے رہتے ہیں۔ گویا کہ اس سے مراد ممدوح و مذموم افراد مراد لیتے ہیں۔ پس اس لفظ اول کلام کے تابع نہیں کرتے اور اس کو (علی المدح) نصب دیتے ہیں پھر مدح ہی کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول "والمقیمین الصلوٰۃ" اور مذمت کی بنیاد پر منصوب ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول "ملعونین اینما ثقفوا"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب جنگ وقتال سرخ (سخت) ہو جاتا اور قوم، قوم سے ٹکرا جاتی، پس حضور علیہ السلام سے زیادہ دشمن کے قریب میرے کوئی نہیں ہوتا تھا۔ "احمرّ الباس" کا معنی اشتد الحرب (جنگ زوروں پر ہو جاتی) "اولئک الذین صدقوا" اپنے ایمان میں سچے ہیں "و اولئک ھم المتقون" اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے (بچتے ہیں)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے کہ مقتولین (بقتل عمد) کے بارہ میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں (قتل کیا جاوے) اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں ہاں جس کو دوسرے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے (مگر پوری معافی نہ ہو) تو مدعی کے ذمہ معقول طور پر (خون بہا) کا مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمہ) خوبی کے ساتھ (مال کا) ان کے پاس پہنچا دینا (ضروری ہے) یہ (قانون دیت وعفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف اور (شاہانہ) ترحم ہے پھر جو شخص اس (قانون) کے بعد تعدی کا مرتکب ہو تو اس شخص کو (آخرت میں) بڑا دردناک عذاب ہوگا

تفسیر ﴿۱۷۸﴾ "یا یھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص" شعبی، کلبی، قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ عرب کے قبیلوں میں سے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی اور اسلام کے آنے سے تھوڑا پہلے لڑے۔ ان کے درمیان مقتولین بھی تھے مجروحین بھی تھے۔ انہوں نے ابھی باہمی بدلہ وغیرہ نہیں لیا تھا یہاں تک کہ اسلام آ گیا۔ حضرت قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہما اللہ فرماتے ہیں (یہ لڑائی) بنو قریظہ اور بنو نضیر کے درمیان تھی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ (یہ لڑائی) قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان تھی۔ یہ تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ عرب کے ان دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ کو دوسرے پر کثرت و شرف کی بنیاد پر برتری حاصل تھی برتری والا قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کرتا۔ پس انہوں نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ اگر ہمارا غلام قتل ہوا تو اس کے بدلے ہم ان کا آزاد انسان قتل کریں گے اور اسی طرح عورت کے بدلہ ہم ان کا مرد قتل کریں گے اور اگر ہمارا ایک آدمی قتل ہوا تو ان کے دو آدمی قتل کریں گے اور دو کے بدلے چار قتل کریں گے۔

اور انہوں نے زخموں کو بھی علی ھذا القیاس دوہرے قصاص کا درجہ دے رکھا تھا۔ چنانچہ اسلام آ جانے پر انہوں نے اپنا یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور (قصاص میں) مساوات کا حکم فرمایا۔ پس وہ راضی ہو گئے اور اسلام لائے۔ "کتب علیکم القصاص" یعنی قصاص تم پر فرض کیا گیا ہے۔ "فی القتلیٰ" اور قصاص اس مساوات و مماثلت (برابری) کا نام ہے جو نفسوں کے تاوان اور قتل کی دیتوں میں اختیار کی جائے اور اس (قصاص) کی اصل قص الاثر ہے جب کسی نشان کا کسی نے پیچھا کیا۔

مقتول کے ساتھ جس طرح (زیادتی) کی گئی ہے۔ اس طرح زیادتی کرنے والے کے ساتھ وہی عمل کیا جائے اسے کہتے ہیں مماثلت۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مماثلت بیان فرمائی۔ "الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ" اور حکم اس میں یہ ہے کہ جب آزاد مسلمانوں کے ہر دو خون (قاتل و مقتول کے) برابر ہوں یا غلام مسلمانوں کے ہر دو کے خون (قاتل و مقتول کے) بھی برابر ہوں یا آزاد ذمیوں کے خون یا غلام ذمیوں کے خون برابر ہوئے تو ان کی ہر قسم میں سے مذکر قتل کیا جائے گا جب بھی قتل کیا جائے گا مذکر کے بدلہ میں بھی اور مؤنث کے بدلے میں بھی۔

اور مؤنث قتل کی جائے گی جب بھی قتل کی جائے گی مؤنث کے بدلے میں بھی اور مذکر کے بدلے میں بھی اور مؤمن کو کافر کے بدلے میں اور آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے گا اور والد بیٹے بیٹی کے بدلے میں اور مسلمان ذمی کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے گا اور ذمی مسلمان کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور غلام آزاد کے بدلے اور بیٹا بیٹی باپ کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ یہ قول حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد میں آنے والے اکثر اہل علم کا ہے۔ ابو جحیفہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کیا آپ کے پاس قرآن مجید کے علاوہ کچھ اور بھی حضور علیہ السلام سے حاصل شدہ کوئی چیز ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں! قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے دانہ کو (زمین سے) پھاڑا اور روح (انسان) کو پیدا فرمایا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو قرآن میں فہم و فراست کی دولت بخشے۔ (قرآن فہمی عطا کرے) اور سوائے اس کے جو کچھ اس صحیفہ میں ہے میں

نے کہا اس صحیفہ میں کیا لکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا قیدی چھڑانے کے مسائل اور یہ کہ مومن کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مساجد میں حدیں قائم نہ کی جائیں اور اولاد کے بدلہ میں والد سے قصاص نہ لیا جائے۔ علامہ شعبی، نخعی اور اصحاب الرائی کا رُجحان یہ ہے کہ کافر ذمی کے بدلہ میں مسلمان (قتل) کیا جائے گا۔ نیز وہ اس طرف بھی گئے ہیں کہ آزاد (قاتل) کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور حدیث اس شخص کے حق میں حجت (دلیل) ہے جو ذمی (کافر) کے بدلہ مسلمان پر قصاص واجب نہیں کرتا اور جماعت قاتلین کو جو فرد واحد کی قاتل ہے (قصاصا) قتل کیا جائے گا۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سات یا پانچ آدمیوں کو ایک آدمی کے قتل کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا تھا جس کو انہوں نے اچانک قتل کیا تھا اور فرمایا کہ تمام اہل صنعا بھی اس شخص کے قتل میں رُکاوٹ ڈالتے تو میں سب کو قتل کر دیتا اور اعضاء میں قصاص چلے گا۔ جیسا کہ جانوں میں قصاص ہے مگر ایک چیز ہیں کہ صحت مند تندرست کامل الاعضا قاتل مریض اور معذور مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور اعضاء میں ایسا نہیں۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی کے شل ہاتھ یا ناقص ہاتھ کو کاٹ دیا تو اس کے بدلہ میں کاٹنے والے کا صحیح اور کامل ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (اگرچہ وہ ناقص ہاتھ ایک انگلی کے اعتبار سے ناقص ہو) اصحاب الرائی اس طرف مائل ہوتے ہیں کہ اعضاء کا قصاص صرف اور صرف دو آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کے درمیان ہوگا اور مذکر و مؤنث اور آزاد و غلام کے درمیان اطراف و اعضاء میں قصاص نہیں ہوگا اور باقیوں کے نزدیک عضو کو قصاص کے معاملہ میں جان پر قیاس کیا گیا ہے۔

انس بن نضر (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ بے شک ربیع نے جو ان کی پھوپھی تھی ایک باندی کا دانت توڑ دیا۔ پس انہوں نے اس باندی سے معاف کرنے کی درخواست کی تو باندی والوں نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے تاوان مالی بدلہ دینا چاہا وہ نہ مانے۔ پس وہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوائے قصاص کے انہوں نے کسی اور صورت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ! کیا میری پھوپھی ربیع کا دانت توڑا جائے گا۔ نہیں قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو (دین) حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میری پھوپھی کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے انس (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا ہوا حکم قصاص ہے۔ قوم یعنی باندی والے معاف کرنے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے معاف کر دیا۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دیتے ہیں۔

"فمن عفی لہ من اخیہ شئ" یعنی اس کے لیے (بدلہ لینا) چھوڑ دیا جائے اور جو حکم اس پر واجب ہے اس سے اعراض کر لیا جائے اور وہ قتل عمد میں قصاص ہے اور دیت کو قبول کر لیا جائے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ انہوں نے کہا عفو یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت کو قبول کر لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "من اخیہ" یعنی اپنے بھائی کے خون سے اور بھائی سے مراد مقتول ہے اور

دونوں ضمیریں قول خداوندی میں اور "له من اخيه" کی "مَنْ" کی طرف راجع ہیں اور وہ قاتل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "شیء" "لفظ شیٔ (تھوڑی مقدار) اس پر دلیل ہے کہ اگر (مقتول کے) بعض اولیاء معاف کر دیں تو قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ خون کا کچھ حصہ ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فاتباع بالمعروف" طالب دیت پر لازم ہے کہ معروف طریقہ پر پیروی کریں لہٰذا اپنے حق سے زیادہ مطالبہ نہ کرے "واداء اليه باحسان" مطلوب منہ پر بہت اچھے طریقہ پر دیت ادا کر دینا لازم ہے کہ بغیر ٹال مٹول کے ادا کر دے۔ (طالب و مطلوب منہ) ہر دو کو اللہ تعالیٰ نے۔

لین دین میں احسان کا حکم دیا۔ صحابہ و تابعین میں سے اکثر علماء کا مذہب یہ ہے۔ جب ولی الدم (مقتول کا ولی) دیت لینے پر قصاص معاف کر دے تو اس کو دیت لینے کا حق ہے۔ اگرچہ قاتل اس پر راضی نہ بھی ہو۔ ایک قوم کہتی ہے کہ ولی الدم دیت لینے کا صرف اس صورت میں حق دار ہے جب قاتل بھی راضی ہو اور یہ حسن (بصری) نخعی اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اول مذہب والوں کی دلیل وہ ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم نے اے قبیلہ خزاعہ قبیلہ ھذیل کے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور میں اللہ کی قسم اس کی دیت دینے والا ہوں۔ پس اس کے بعد جس کسی نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا۔ اگر چاہیں تو قصاصاً قتل کریں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔

"ذالک تخفیف من ربکم ورحمة" یہ جو کچھ میں نے ذکر کیا قصاص کو معاف کر دینا اور دیت لینا یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ یہ اس لیے کہ تورات میں جان اور اعضاء کا قصاص اور زخموں کا بدلہ لینا یہود پر لازم تھا۔ قصاص کے بدلہ میں دیت لینے کا جواز ان کو حاصل نہ تھا اور شریعت نصاریٰ میں یعنی عیسائیوں کی شریعت میں صرف دیت تھی قصاص نہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو قصاص اور دیت لے کر معاف کر دینے میں اختیار دیا۔ یہ اللہ پاک کی طرف سے آسانی اور رحمت ہے۔ "فمن اعتدیٰ بعد ذالک" معاف کر دینے اور دیت قبول کر لینے کے بعد مجرم کو قتل کر دیا "فله عذاب اليم" وہ یہ اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ ابن جریج فرماتے ہیں اس کا قتل کرنا لازمی ہے حتیٰ کہ اس کے بعد عفو (معاف کر دینا) قبول نہ کیا جائے گا۔

اور آیت کریمہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ قاتل قتل کرنے سے کافر نہیں ہو جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کے بعد بھی خطاب "آمنوا" کے ساتھ فرمایا ہے۔ پس فرمایا "یا یھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص" آخر آیت میں فرمایا "فمن عفی له من اخیه شیء" اللہ تعالیٰ نے اس لفظ اخیہ سے اخوت ایمانی مراد لی ہے جو قتل کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اخوت (ایمانی) کو قطع نہیں فرمایا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۞

(ترجمہ) اور اے فہیم لوگو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ ایسے قانون امن کی خلاف ورزی سے) تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک آنے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی

ترکہ میں چھوڑا ہو تو (اپنے) والدین واقارب کے لیے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ کچھ بتلا جاوے (اس کا نام) وصیت ہے جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ ضروری کیا جاتا ہے۔

تفسیر ● "ولکم فی القصاص حیاۃ" اور یہ اس طرح کہ قتل کا ارادہ کرنے والا جب یہ جان لے گا کہ اس نے جب قتل کیا تو وہ خود بھی قتل کر دیا جائے گا تو وہ قتل سے رُک جائے گا تو اس میں اس کی بھی زندگی ہے اور جس کا ارادہ قتل کا تھا اس کی بھی بقا ہے۔ اس جملہ قرآنی کے مثل جملہ کہا گیا "القتل انفی للقتل" یعنی قتل، قتل کی بہت زیادہ نفی کرتا ہے مگر یہ لفظاً ومعناً آیت کریمہ کے جملہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا کیونکہ "فی القصاص حیاۃ" کے تلفظ شدہ حروف گیارہ ہیں جبکہ "القتل انفی للقتل" کے حروف چودہ ہیں۔ لفظاً جملہ قرآنی کو برتری حاصل رہی۔ پھر قصاص کا معنی قتل محض نہیں بلکہ بدلہ کا قتل اور اس قانون کا تصور یقیناً مزید قتل کو قتل سے باز رکھے گا تو واقعی حیات انسانی اس میں مضمر ہوئی جبکہ القتل سے صرف قتل ہے اور حق قتل کی نفی نہیں کرتا بلکہ قتل (قصاص) کو دعوت دیتا ہے۔ یہ اس جملہ انسانی کی معنوی خرابی ہوئی۔ من المترجم

اور کہا گیا ہے "حیاۃ" کا معنی قصاص آخرت سے سلامتی کا حاصل ہونا ہے۔ چنانچہ اس قاتل سے جب دُنیا میں قصاص لے لیا جائے گا تو اسے حیات اخروی نصیب ہوگی اور اگر قاتل سے دُنیا میں قصاص نہ لیا گیا تو آخرت میں بطور سزا کے قصاص لیا جائے گا۔ "یا اولی الالباب لعلکم تتقون" یعنی قتل سے قصاص کے خوف کے باعث رُک جاؤ۔

● "کتب علیکم" یعنی تم پر فرض کیا گیا۔ "اذا حضر احدکم الموت" موت کے اسباب وآثار اور بیماریوں کی وجہ سے نمایاں ہو جائیں۔ "ان ترک خیرا" مال اس کی مثال قول خداوندی ہے۔ "وما تنفقوا من خیر" (یہاں بھی خیر سے مراد مال ہے) "الوصیۃ للوالدین والاقربین" ابتداء اسلام میں والدین اور قرابت داروں کے حق میں وصیت کرنا فرض تھی۔ اس شخص پر جو اس حال میں فوت ہو کہ اس کا مال ہو۔ پھر یہ وصیت آیت میراث کے ذریعہ منسوخ کر دی گئی۔ عمر بن خارجہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے لہٰذا اب وارث کے حق میں وصیت نہیں ہے۔) اس اعتبار سے ایک جماعت کا موقف ہے کہ وصیت کا وجوب اُن اقارب کے حق میں منسوخ ہو گیا جو وارث بنتے ہیں اور ان کے حق میں وصیت کا وجوب باقی ہے جو وارث بنتے ہیں والدین میں سے اور رشتہ داروں میں سے اور یہ سیدنا ابن عباس، طاؤس، قتادہ اور رحمۃ اللہ کا قول ہے۔ حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص کسی قوم کے حق میں وصیت کرتا ہے اور قرابت داروں کو محتاج چھوڑتا ہے ان لوگوں سے وہ وصیت والا مال چھین لیا جائے گا اور اس سے قرابت داروں کو لوٹا دیا جائے گا۔ اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ تمام ورثاء کے حق میں وصیت کا واجب ہونا منسوخ ہے۔ البتہ جو لوگ وارث نہ ہوں ان کے حق میں وصیت کرنا مستحب ہے۔

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے پاس کوئی ایسی شئی ہو جس کے بارے میں اس کو وصیت کرنا ہو پھر دو راتیں بھی اس حال میں گزارے کہ اس کے

سرہانے لکھی ہوئی وصیت موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی (بالمعروف) معروف سے مراد ہے۔ وصیت اچھے طریقے پر کرے اور اپنے مال و جائیداد کی تہائی سے زیادہ نہ کرے اور معروف کا معنی یہ بھی ہے کہ ایسا نہ کرے کہ غنی کے حق میں وصیت کر دے اور فقیر کو چھوڑ دے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وصیت محتاج سے محتاج تر کے لیے ہے۔

حضرت سعد بن مالک (رضی اللہ عنہم) (جو کہ سعد بن ابی وقاص کے ساتھ مشہور ہیں) فرماتے ہیں میرے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے پورے مال کی وصیت کرتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا آدھے مال کی وصیت کروں، فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا پھر تہائی مال کی وصیت کروں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تہائی کی وصیت کرو اور تہائی زیادہ ہے۔ اگر تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو فقیر محتاج چھوڑ جائے کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ حضور علیہ السلام کے اس فرمان "یتکففون الناس" کا معنی ہے کہ لوگوں سے ہاتھ پھیلا کر صدقہ مانگتے پھریں۔

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اُم المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا میں وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا تیرا مال کتنا ہے اس نے عرض کی تین ہزار، سیدہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تیرے بال بچے کتنے ہیں؟ اس نے عرض کی چار تو اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان ترک خیرا" اور جو کچھ تیرے پاس ہے یہ معمولی مال ہے جا تے اپنے عیال کے لیے رہنے دے۔ (گویا اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے خیر سے مال کثیر مراد لیا) حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں (اپنے مال سے) پانچویں حصہ کی وصیت کروں، یہ میرے لیے بہتر ہے اس سے کہ میں چوتھے حصہ کی وصیت کروں اور مال سے میں چوتھے حصہ کی وصیت کروں یہ میرے لیے بہتر ہے اس سے کہ تیسرے حصہ کی وصیت کروں اور جس نے تیسرے حصہ کی وصیت کی اس نے (کچھ) نہ چھوڑا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں وصیت مال کے چھٹے حصہ کی کرے یا پانچویں حصہ کی کرے یا چوتھے حصہ کی۔ علامہ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (اسلاف) پانچویں حصہ کی وصیت کیا کرتے تھے یا چوتھے حصہ کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "حقا" مصدر کی بنیاد پر منصوب ہے (یعنی مفعول مطلق ہے) اور بعض نے کہا کہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے "مَنْصُوب" ہے۔ عبارت یوں ہوگی "جعل الوصیة حقا" کہ اللہ تعالیٰ نے وصیت کرنا حق بنا دیا "علی المتقین" یعنی مؤمنین۔

فَمَنْ ۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾

ترجمہ: پھر جو شخص (اس وصیت کو سننے کے بعد) اس (کے مضمون) کو تبدیل کرے گا تو اسی کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں۔

تفسیر: ۱۸۱ "فمن بدلہ" وصیت کو جس نے بدل دیا بدلنے والے وصی ہوں (جو وصیت پورا کرنے کے ذمہ دار ہیں) یا مرنے والے کے ولی ہوں یا وصیت کے گواہ ہوں۔ "بعد ما سمعہ" بعد اس کے کہ وصیت کرنے والے کا قول سن لیا (کیونکہ

سننے کا تعلق قول سے ہے) اس لیے سمعہ کی ضمیر مذکر ذکر ہوئی حالانکہ وصیت مؤنث ہے اور کہا گیا ہے کہ "سمعه" کی ضمیر "ایصاء" کی طرف راجع ہے۔ (یعنی وصیت کرنا) جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "فمن جاء ہ موعظة من ربه" اس میں ضمیر وعظ کی طرف راجع ہے۔ "فانما اثمه علی الذین"

"یبدلونه" اور میت اس سے بری ہے (یعنی جو کوئی وصیت کو بدلے گا اس کا گناہ اسی پر ہے) "ان اللہ سمیع" اس کو جس کے ساتھ وصیت کرنے والے نے وصیت کی (علیم) تبدیل کرنے والے کی تبدیلی کو جانتا ہے یا "وصی کی" وصیت کو سننے والا اور اس کی نیت کو جاننے والا ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ: ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی کی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں واقعی اللہ تعالیٰ تو (خود گناہوں کے) معاف فرمانے والے ہیں اور رحم فرمانے والے ہیں اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا (اس توقع پر کہ تم روزے کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ۔

تفسیر: ۝ "فمن خاف" بمعنی "علم" کے ہے جو شخص جان گیا جیسا کہ دوسری آیت میں بھی خاف بمعنی "علم" کے ہے (فان خفتم الا یقیما حدود اللہ) (من موص) حمزہ، کسائی اور ابوبکر، یعقوب رحمہم اللہ نے لفظ موص کو واؤ کی زبر اور صاد کی شد کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "مُوَصٍّ" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ما وصّی به نوحا" "ووصینا الانسان" (یہ سب باب تفعیل سے ہیں جس کا اسم فاعل "علی مُوَصٍّ" ہے) اور باقیوں نے واؤ کی سکون اور صاد کی تخفیف کے ساتھ پڑھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "یوصیکم اللہ فی اولادکم من بعد وصیة یوصی بها او دین" اس میں وصیت کا باب افعال مذکور ہے جس کا اسم فاعل "مُوْصٍ" ہے)۔ "جنفا" ظلم اور حق سے انحراف کرنا جنف کا معنی میلان ہے۔ "او اثما" خطاء۔ سدی اور عکرمہ اور ربیع رحمہم اللہ فرماتے ہیں جنف کے معنی خطا اور عمداً گناہ کے ہیں۔ "فاصلح بینهم فلا اثم علیه" آیت کے معنی میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آدمی کسی مریض کے پاس جائے اور وہ وصیت کررہا ہو، پس اس کو دیکھے کہ کمی کوتاہی کرکے یا حد سے زیادہ کرکے راہ اعتدال سے ہٹ رہا ہے یا جس جگہ وصیت کررہا ہے جس کے حق میں وصیت کررہا ہے وہ مستحق وصیت نہیں تو اس حاضر ہونے والے شخص پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اس وصیت کرنے والے کو عدل وانصاف کا حکم دے یا ظلم سے منع کرے۔ پس نظر کرے اس میں بھی جس کے لیے وصیت کی گئی اور ورثاء پر بھی نظر کرے۔ باقی حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان سے یہ ارادہ فرمایا کہ مرنے والا وصیت کرنے میں خطا کرے یا

جان بوجھ کر ظلم کرے تو مرنے والے کے ولی یا وصی (اس کے معاملات کا نگران) پر کچھ حرج نہیں ہے اور نہ ہی کچھ حرج ہے مسلمانوں کے امور پر نگران حاکم پر کہ وہ مرنے والے کی موت کے بعد جن کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور ورثاء کے مابین اصلاح کردیں (یعنی جو غلط طریقہ پر وصیت کرنے سے فساد شرعی آ گیا ہے اس کو درست کردیں) اور وصیت عدل اور راہ حق کی طرف موڑ دے۔ "فلا اثم علیہ" یعنی اس پر کچھ حرج نہیں ہے۔ "ان اللہ غفور رحیم"

طاؤس فرماتے ہیں کہ "جنفاً" کے معنی ہیں وصیت میں رُخ پھیرنا اور حیلہ سازی کرنا مثلاً پوتے کے لیے وصیت کردی۔ مقصد بیٹا ہے (یعنی بیٹے کو فائدہ پہنچانا ہے) یا یہ کہ نواسہ یا داماد کے حق میں وصیت کردی، مقصود بیٹی ہے (یعنی بیٹی کو فائدہ پہنچانا ہے)۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے نازل ہونے کے بعد "فمن بدلہ بعد ما سمعہ" مرنے والے کے ولی اور وصی وصیت کو ہر حال میں پورا کرتے تھے۔ اگرچہ وصیت کو پورا کرنے میں سارا مال چلا جاتا اور ورثاء کے لیے کچھ نہ بچتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس حکم مذکور کو اس فرمان الٰہی نے منسوخ کردیا۔ "فمن خاف من موص جنفاً" الآیۃ۔ ابن زید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ وصیت کرنے والا اس مشکل میں پڑ گیا کہ وہ والدین اور قرابت داروں کے لیے اس طرح وصیت کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور وصی (میت کے امور کا نگران) کے لیے بھی مشکل ہو گئی کہ وہ اصلاح کرے تو کیسے کرے تو اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ ان کے ہاتھوں سے لے لیا اور (وصیت کی بجائے) حصص میراث وفرائض کے مقرر فرمادیئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بےشک کوئی مرد یا عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والا عمل کرتے ہیں پھر جب ان پر موت کا وقت آجاتا ہے تو وصیت میں متعلقین کو نقصان دیتے ہیں تو ان ہر دو کے لیے آگ واجب ہوجاتی ہے۔ اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے "من بعد وصیۃ" اللہ تعالیٰ کے فرمان "غیر مضار" تک پڑھا۔

⑱ "یا یھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام" روزے فرض وواجب کیے گئے ہیں۔ لغت میں صیام کا معنی رُک جانے کے ہیں کہا جاتا ہے "صام النھار" جبکہ وہ درمیان میں آجائے اور دوپہر کی گھڑی قائم ہوجائے کیونکہ سورج جب آسمان کے درمیان پہنچتا ہے۔ گویا کہ وہ ٹھہر جاتا ہے اور تیز رفتاری سے رُک جاتا ہے اور اسی (یعنی صوم بمعنی رُک جانا) سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی "فقولی انی نذرت للرحمٰن صوما" یعنی خاموش رہنے (کی منت مانی ہے) کیونکہ خاموشی بھی کلام سے رُک جانے کا نام ہے اور شریعت میں صوم کا معنی ہے۔ کھانے پینے اور جماع کرنے سے وقت مخصوص میں رکنا۔ (یعنی طلوع فجر سے غروب آفتاب تک) نیت کے ساتھ رُک جانا۔ "کما کتب علی الذین من قبلکم" انبیاء اور اُمتوں میں سے۔ اس تشبیہ میں انہوں نے اختلاف کیا۔ چنانچہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم سے پہلے لوگوں کا روزہ عشاء سے لے کر دوسرے دن آنے والی رات تک کا ہوتا تھا جیسا کہ ابتداء اسلام میں تھا اور اہل علم کی ایک جماعت کہتی ہے اس تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ ماہ رمضان کے روزے عیسائیوں پر بھی فرض تھے جس طرح کہ ہم پر فرض کیے گئے تو پھر وہ روزے کبھی سخت گرمی میں آجاتے، کبھی سخت سردی میں آجاتے۔ یہ صورت حال ان پر سفر میں گراں گزرتی اور گزر بسر میں ان کو تکلیف دیتی تو نصاریٰ (عیسائیوں) کے

علماء اور سرداروں نے یہ رائے قائم کی کہ اپنے روزوں کو سال کی معتدل موسم گرمی سردی کے درمیان مقرر کردیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے روزوں کے لیے موسم بہار کا انتخاب کیا اور اس تبدیلی کے عوض بطور کفارہ کے دس (۱۰) روزوں کا اضافہ کردیا۔ چنانچہ روزے چالیس ہوگئے پھر نصاریٰ کا ایک بادشاہ منہ کی بیماری میں مبتلا ہوا تو اس نے منت مانی کہ اگر میں اس بیماری سے شفایاب ہوگیا تو ان روزوں میں ایک ہفتہ کا اضافہ کروں گا۔ چنانچہ وہ ٹھیک ہوا اور اس نے ایک ہفتہ کا اضافہ کردیا۔ اس کے بعد یہ بادشاہ مرگیا۔ اس کے بعد ان کا اور بادشاہ آیا اس نے کہا کہ روزے پچاس (۵۰) ہی پورے کردو۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو موت کی کثرت پہنچی۔ پس وہ کہنے لگے اپنے روزوں میں اضافہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے پہلی دفعہ دس (۱۰) روزے بڑھائے۔ اس کے بعد دوسری دفعہ پھر دس روزے بڑھائے۔ علامہ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر چہ میں سارا سال روزہ رکھوں مگر پھر میں شک والے دن روزہ نہیں رکھوں گا یعنی جس دن کے بارے میں کہا جائے کہ یہ دن شعبان کا ہے اور یہ بھی کہا جائے کہ یہ دن رمضان کا ہے اور یہ اس لیے کہ نصاریٰ (عیسائیوں) پر ماہ رمضان ہی کے روزے فرض ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے رمضان المبارک سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا اضافہ کردیا۔ بعد میں آنے والوں نے پہلوں کے طریقہ پر چلتے ہوئے اول و آخر مزید ایک ایک دن کا روزہ بڑھا دیا۔ اسی طرح ہوتے ہوتے پچاس روزے ہوگئے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان "کما کتب علی الذین من قبلکم" "لعلکم تتقون" یعنی روزہ کے ذریعہ (متقی بن جاؤ) کیونکہ روزہ تقویٰ کی طرف پہنچانے والا ہے اس لیے کہ روزہ میں نفس کو مغلوب کرنا اور خواہشات نفسانیہ کو توڑنا ہے اور کہا گیا ہے "لعلکم تتقون" تاکہ تم بچو خواہشات و شہوات سے کھانا، پینا اور جماع کرنا۔

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾

ترجمہ: تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو پھر (اس میں بھی اتنی آسانی ہے کہ) جو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر) یا (شرعی) سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار کرکے ان میں روزہ رکھنا ان پر واجب ہے) اور (دوسری آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی یہ ہے کہ) جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا ہے اور جو شخص خوشی سے (زیادہ) خیر کرے (کہ زیادہ فدیہ دے) تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا (اس حال میں بھی) زیادہ بہتر ہے اگر تم کچھ (روزے کی فضیلت کی) خبر رکھتے ہو۔

تفسیر: ۱۸۴ "ایاماً معدودات" کہا گیا ہے کہ ابتداء اسلام میں ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھنے واجب تھے اور دسویں محرم کا روزہ بھی فرض تھا۔ پس اسی طرح انہوں (ایمان والوں) نے ربیع الاوّل سے لے کر اگلے سال کے رمضان شریف تک سترہ (۱۷) مہینے روزے رکھے۔ پھر رمضان المبارک کے ساتھ سابقہ مذکورہ روزے منسوخ ہوگئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں کہ ہجرت کے بعد جو منسوخی ہوئی وہ قبلہ شریف اور روزوں کی منسوخی تھی اور کہا جاتا ہے رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت غزوۂ بدر سے ایک ماہ اور چند دن پہلے ہوئی۔ حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر سترہ (۱۷) رمضان المبارک بروز جمعہ ہجرت کے ٹھیک اٹھارہ (۱۸) ماہ بعد ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عاشورہ کا دن وہ دن تھا جس دن قریش زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھا کرتے تھے اور اعلان نبوت سے پہلے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ خود بھی رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ جب رمضان کا (روزہ) فرض ہوا پھر یہی رمضان کے روزہ کی فرضیت ہی باقی رہی اور عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔ پس جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے اسے چھوڑ دے۔

اور بعض نے کہا کہ "ایاماً معدودات" سے مراد رمضان شریف کے روزے ہیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور "ایاماً" منصوب ہے ظرف ہونے کے اعتبار سے ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی۔ "فی ایام معدودات" اور بعض نے کہا کہ "ایاماً" کی نصب تفسیر کی بنیاد پر ہے۔ "ایاماً معدودات کتب علیکم الصیام" کی تفسیر واقع ہے اور بعض نے کہا کہ یہ مالم یسم فاعلہ کی خبر ہے۔ "فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ" "فافطر" (یعنی بحالت سفر یا بحالت مرض میں روزے نہ رکھے اور افطار کرے "فعدۃ" (شمار کرنا ہے) "من ایام اُخر" اس پر شمار کرنا ہے۔ عدد اور عدۃ کا ایک معنی ہے اور دونوں ایام سے مراد اپنی مرض اور سفر کے ایام کے علاوہ ہیں "اُخر" ایسی جگہ ہے جہاں اس کو زیر آنی چاہیے لیکن یہ غیر منصرف ہے (اس لیے زیر نہیں آئی) بلکہ زبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "وعلی الذین یطیقونہ" اس آیت کی تاویل اور حکم میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ یہ ابن عمر اور سلمہ بن اکوع وغیرہما کا قول ہے اور یہ اس طرح کہ ابتدائے اسلام میں مسلمان کو اختیار تھا کہ روزہ رکھیں یا افطار کریں یا فدیہ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے اختیار دیا تھا۔

تاکہ روزہ کا حکم ان پر گراں نہ گزرے کیونکہ اس سے پہلے وہ روزہ کے عادی نہ تھے۔ پھر یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا اور ایک ہی بات حکم نازل ہوا "من شہد منکم الشہر فلیصمہ" (جو تم میں سے رمضان شریف کو حاضر ہو یعنی پالے وہ ہر حال میں روزہ رکھے) حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ رکھنا اور فدیہ دینا یہ حکم بہت بوڑھے کے ساتھ خاص ہے جو روزہ کی طاقت تو رکھتا ہے مگر روزہ رکھنا اس پر بہت ہی گراں ہے۔ ایسے بوڑھے شخص کو رخصت دی گئی کہ وہ روزہ نہ رکھے۔ اس کے بدلہ فدیہ دے پھر (یہ حکم) منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مریض کے بارے میں ہے جسے ایسی تکلیف ہے جس کو مرض کا نام دیا جا سکتا ہے مگر وہ روزہ رکھنے کی بھی طاقت رکھتا ہے اسے اختیار دیا گیا کہ وہ روزہ رکھے یا افطار کرے اور فدیہ دے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ" کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ بے شک آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے اور اس کا معنی ہوگا وہ لوگ جو جوانی میں روزہ

رکھنے کی طاقت رکھتے تھے اب بڑھاپے میں وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو ان پر روزہ کے بدلہ فدیہ دینا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "وعلی الذین یطوقونہ" پڑھا ہے یاء کی پیش اور طاء کی زبر تخفیف کے ساتھ اور واو کی زبر اور شد کے ساتھ "ای یکلفون الصوم" جنہیں روزہ کی تکلیف دی گئی ہے اور اس سے مراد بہت بوڑھا مرد بوڑھی عورت جو روزہ نہ رکھ سکیں اور وہ مریض جس کے مرض کے زوال کی امید نہ ہو۔ پس یہ لوگ ہیں جو روزہ کی تکلیف دیے گئے مگر روزہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس ان کے لیے جائز ہے کہ یہ روزہ نہ رکھیں اور ہر دن کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا دیں اور یہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے انہوں نے اس آیت کو محکم قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی "فدیۃ طعام مسکین" اہل مدینہ اور اہل شام نے بصورت مضاف پڑھا ہے یعنی طعام مضاف اور مسکین مضاف الیہ اور اسی طرح سورہ مائدہ میں بھی "کفارۃُ طعامِ مساکین" فدیہ کو طعام کی طرف مضاف کیا۔ اگرچہ فدیہ اور طعام (معنوی) اعتبار سے شئی واحد ہیں مگر لفظی تغایر کے لحاظ سے اضافت صحیح ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وحب الحصید" اور ان کا کہنا مسجد الجامع یا ربیع الاول (ان سب میں مضاف اور مضاف الیہ میں معنوی وحدت اور لفظی تفاوت ہے)۔

اور باقیوں نے "فدیۃٌ و کفارۃٌ" تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور (طعام) کو پیش کے ساتھ اور (مساکین) کو یہاں اہل مدینہ اور اہل شام نے جمع کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے مفرد پڑھا ہے جس نے لفظ مسکین کو جمع کر کے مساکین پڑھا ہے۔ انہوں نے مساکین کی نون کو زبر دی ہے اور جس نے مفرد پڑھا ہے اس نے نون کو زیر دی ہے تنوین کے ساتھ اور فدیہ بدلہ ہے اور فی یوم مسکین کو ایک سیر طعام کا دینا واجب ہے۔ بمطابق ایک سیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر کا وزن ایک رطل اور تہائی حصہ رطل کا۔ (آج کے وزن کے لحاظ سے رطل تقریباً آدھ سیر کے ہے یعنی ۴۰ تولہ) اور یہ فدیہ اس غذا کا دے جو غذا اس علاقہ اور شہر میں عام استعمال ہوتی ہو۔ یہ فقہاء حجاز کا قول ہے اور بعض فقہاء عراق فرماتے ہیں کہ اس شخص پر ہر اس دن کا جو افطار کرے ہر مسکین کو آدھا صاع دینا ہے اور بعض نے کہا کہ گیہوں ہو تو آدھا صاع اور کوئی اور غلہ ہو تو پورا صاع اور بعض فقہاء فرماتے ہیں افطار کرنے والا جو کچھ روزانہ خوراک کھاتا ہو اتنا کھانی یوم کے حساب سے مسکین کو دے دے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر مسکین کو اپنی سحری اور شام کا کھانا دے دے۔ "فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ" اگر ایک مسکین کے بجائے دو مسکین کو یا زیادہ مسکینوں کو (فی یوم جو افطار کرے) دے دے (تو اور اچھا ہے)۔

حضرت مجاہد اور عطاء اور طاؤس رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جو مقدار فدیہ کی اس پر واجب ہے اس سے زیادہ دے مثلاً اس پر ایک مد یعنی سیر ہے اور وہ صاع دے دے "فھو خیر لہ" تو اس کے لیے بہتر ہے "وان تصوموا خیر لکم" پس جو شخص (سابقہ اختیاری حکم کے) نسخ کی طرف گیا ہے اس کے نزدیک اس کا معنی ہے روزہ اس کے لیے فدیہ دینے سے بہتر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ بوڑھے کے لیے ہے کہ اگر وہ تکلیف برداشت کر کے روزہ اس پر گراں ہے پھر بھی روزہ رکھے تو یہ اس بوڑھے کے لیے بہتر ہے۔ اس سے کہ وہ افطار کرے اور فدیہ دے۔ "ان کنتم تعلمون" یہ بات جان لے کہ کسی مؤمن مکلف (عاقل بالغ) کے لیے یہ جائز نہیں کہ رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھے مگر تین آدمیوں کے لیے ایک وہ جس پر قضا اور

کفارہ (یہاں کفارہ سے مراد فدیہ ہے) دوسرا شخص وہ جس پر قضا ہے کفارہ (فدیہ) نہیں۔ تیسرا وہ شخص جس پر کفارہ (فدیہ) ہے قضا نہیں۔ بہرحال وہ شخص جس پر قضاء اور فدیہ دونوں ہیں وہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت جب ان کو بچے پر (نقصان کا) خوف ہو، یہ دونوں افطار کریں گی اور بعد قضاء کریں گی اور ان دونوں پر قضاء کے ساتھ ساتھ فدیہ بھی ہے۔ یہ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے یہی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور اسی طرح امام شافعی گئے ہیں اور ایک قوم نے کہا ان دونوں (حاملہ اور دودھ پلانے والی) پر فدیہ نہیں ہے۔ یہی حضرت حسن، عطاء اور ابراہیم نخعی اور زہری رحمہم اللہ نے کہا اور اسی طرح اوزاعی اور ثوری اور اصحاب الرای رحمۃ اللہ علیہم گئے ہیں اور وہ شخص جس پر قضاء ہے اور فدیہ نہیں وہ مریض، مسافر، حیض والی اور نفاس والی عورت ہے اور وہ شخص جس پر کفارہ یعنی فدیہ ہے اور قضاء نہیں ہے وہ شیخ کبیر یعنی بالکل بوڑھا کھوسٹ اور وہ مریض جس کی مرض زائل ہونے کی اُمید نہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے روزے کے دنوں کا بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْعَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ط یُرِیْدُاللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَاهَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞

ترجمہ: (وہ تھوڑے دن) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے (جس کا ایک وصف یہ ہے کہ) لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالۃ ہے منجملہ ان کتب کے جو کہ (ذریعہ) ہدایت (بھی) ہیں اور (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی (بھی) ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہئے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار کرکے (ان کا روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام وقوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ ایام (ادا یا قضا کی) شمار کی تکمیل کرلیا کرو (کہ ثواب میں کمی نہ رہے) اور تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی ثناء و بزرگی بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو رستہ بتلا دیا اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

تفسیر: ۞ "شہر رمضان" شہر کی پیش ہو شہر رمضان کے معنی پر ہے (گویا شہر رمضان مبتدا محذوف کی خبر ہے) کسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شہر رمضان کی تقدیر عبارت ہے "کُتِبَ علیکم شہر رمضان" کہ تم پر رمضان کا مہینہ فرض کیا گیا ہے (گویا شہر کی پیش مفعول مالم یسم فاعلہ کی بنیاد پر ہے) شہر (مہینہ) کا نام شہر اس کی شہرۃ کی وجہ سے رکھا گیا اور رمضان کے بارے میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ رمضان المبارک کو شہر رمضان ایسے ہی کہا جاتا ہے جس طرح اس کو شہر اللہ کہا جاتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ رمضان مہینہ کا نام ہے۔

اس ماہ کا نام رمضان اس لیے رکھا گیا کہ یہ رمضاء سے مشتق ہے اور رمضاء گرم پتھر کو کہا جاتا ہے اور وہ (اہل عرب) اس ماہ کے روزے سخت گرمی میں رکھتے تھے اور حرارت (دھوپ) کی وجہ سے پتھر گرم ہو جاتے تھے۔

"الذی انزل فیہ القرآن" قرآن کو قرآۃ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سورتوں آیات اور حروف کو جمع کرتا ہے اور اس میں قصے، اوامر و نواہی، وعد و وعید جمع کیے گئے۔ قرء کا اصل معنی جمع کرنا ہے اور کبھی ہمزہ حذف کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے قریت الماء فی الحوض جب تو اس (حوض) میں پانی جمع کرے۔ ابن کثیر نے قران راء کی زبر کے ساتھ اور ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے اور شافعی بھی ایسے ہی پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ لفظ قرآن قراءۃ سے نہیں بلکہ قرآن اس کتاب مقدس کا نام ہے۔ جس طرح کہ تورات اور انجیل کتابوں کے نام ہیں۔ مقسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن" کے بارے میں پوچھا گیا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" اور اللہ تعالیٰ کے فرمان "انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ" کے بارے میں پوچھا گیا (کہ ان فرامین الٰہی اور نزول واقعی میں کیا مطابقت ہے) حالانکہ قرآن کریم تمام مہینوں میں نازل کیا گیا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وقرآنا فرقناہ" جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید لیلۃ القدر ماہ رمضان المبارک میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں واقع بیت العزت کی طرف ایک ہی دفعہ نازل کیا گیا پھر اس مقام سے حضرت جبرئیل علیہ السلام تیئیس (۲۳) سال کی (طویل مدت میں) حضور علیہ السلام کے قلب اطہر پر تھوڑا تھوڑا لے کر نازل ہوتے رہے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "فلا اقسم بمواقع النجوم"

داؤد بن ابی ہند فرماتے ہیں میں نے علامہ شعبی کو کہا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن" تو کیا قرآن کریم بقیہ تمام مہینوں میں نازل نہیں ہوتا رہا؟ (پھر رمضان المبارک کی تخصیص کا کیا معنی) جواب میں علامہ شعبی نے فرمایا بالکل ایسے ہی ہے لیکن بات یہ ہے کہ حضرت جبرئیل حضور علیہ السلام کے ساتھ نازل شدہ حصہ قرآن پاک کا دور فرمایا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ جس حصہ قرآن کے بارے میں چاہتے اسے ثابت رکھتے اور محکم رکھتے اور جو حصہ چاہتے بھلوا دیتے۔ حضرت ابوذر سے روایت کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفوں کا نزول تین (۳) رمضان المبارک کو ہوا اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ یکم رمضان المبارک کو ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کا نزول چھ (۶) رمضان المبارک کو ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نزول تیرہ (۱۳) رمضان المبارک کو ہوا اور حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور (۱۸) اٹھارہ رمضان المبارک کو نازل ہوئی اور قرآن مجید و فرقان حمید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیس (۲۴) رمضان المبارک کو نازل ہوا۔

"ھدی للناس" گمراہی سے (ہدایت ہے لوگوں کے لیے) لفظ "ھدی" محل نصب میں ہے قطع طور پر کیونکہ قرآن معرفہ ہے اور "ھدی" نکرہ ہے۔ لہٰذا "ھدی" (ہونے کی وجہ سے حال واقع ہوگا)۔ "وبینات من الھدی" حلال و حرام اور حدود

احکام سے متعلق واضح ہدایات و دلالات ہیں (رہنمائی ہے)" والفرقان "حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" جو شخص گھر میں مقیم ہو اور رمضان المبارک کا مہینہ آجائے۔ اہل علم نے اس شخص کے بارے اختلاف کیا ہے جو گھر میں مقیم تھا اور رمضان المبارک آ گیا۔ اس کے بعد اس نے سفر کیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے لیے افطار جائز ہے۔ عبیدہ سلمانی رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں ان حضرات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" (گویا روزہ بصورۃ ادا رکھنا اس پر فرض ہے جو پورا رمضان المبارک گھر میں موجود رہے) "الشهر كله شهود" شہر کا معنی سارا رمضان المبارک ہے اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ جب ماہ رمضان میں سفر شروع کیا تو اب اس کے لیے افطار جائز ہے اور آیت کا معنی ہے جو تم میں سارا مہینہ گھر میں مقیم رہے۔

وہ اس ماہ کے روزے رکھے یعنی سارے مہینہ کے روزے رکھے اور جو تم میں سارا مہینہ مقیم نہ رہے۔ پس رمضان کا جو حصہ گھر میں مقیم ہو ان دنوں کے روزے رکھے۔ (مقصود رمضان کے معنی بحالت اقامت رمضان المبارک کو پانا ہے) اس پر دلیل وہ روایت ہے جو عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے سال مکہ شریف کی طرف رمضان المبارک میں نکلے۔ پس آپ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ مقام کدید تک پہنچے۔ پھر آپ نے افطار فرمایا اور آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی افطار کیا۔ پس (حضرات صحابہ کرام) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نئی سے نئی بات کا اتباع فرماتے تھے۔

"ومن كان مريضا او على سفر فعدة من ايام أخر "مرض اور سفر کے عذر کے باعث افطار (یعنی روزہ نہ رکھنا) جائز قرار دیا۔ اس کلام کا اعادہ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ حالت سفر و مرض میں روزہ نہ رکھنے کے حکم کی سہولت ناسخ میں بھی ایسے ہی ثابت اور قائم ہے جس طرح کہ منسوخ میں قائم و ثابت تھی۔ اس مرض میں فقہاء و مفسرین نے اختلاف کیا جو مرض کہ روزہ نہ رکھنے کو جائز کر دیتی ہے۔ اہل ظواہر اس طرف گئے ہیں کہ ہر وہ مرض جسے عرف عام میں مرض کہا جائے افطار یعنی روزہ نہ رکھنے کو جائز کر دیتی ہے یہ ابن سیرین کا قول ہے۔ طریف بن تمام عطاردی فرماتے ہیں کہ میں محمد بن سیرین کے پاس رمضان المبارک میں گیا تو وہ کھا رہے تھے۔ پس فرمایا میری اس انگلی کو تکلیف ہے (اس لیے میں نے روزہ نہیں رکھا) حضرت حسن، ابراہیم نخعی (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں (جو مرض روزہ کا افطار جائز کرتی ہے) وہ مرض ہے جس کے ہوتے ہوئے نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہو جائے اور اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ اس مرض سے مراد وہ مرض ہے جس کے ہوتے ہوئے روزہ رکھنے سے اس کے ناقابل برداشت حد تک بڑھ جانے کا خوف ہو۔ خلاصہ یہ کہ جب مرض کے ہوتے ہوئے روزہ رکھنا روزہ دار کو مشقت میں ڈالے تو افطار جائز ہے اور اگر مرض کی حالت میں روزہ رکھنا تکلیف نہ دے تو وہ مریض تندرست آدمی کے حکم میں ہے باقی رہا سفر کا معاملہ تو اس میں عام اہل علم کے نزدیک روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں۔ مگر وہ جو روایت کیا گیا ہے ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، عروۃ بن الزبیر اور علی بن حسین (رضی اللہ عنہم) سے کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ سفر میں روزہ جائز نہیں ہے۔ پس جو شخص سفر میں روزہ رکھے اس پر قضاء

ہے۔ان حضرات نے حضور علیہ السلام کے اس فرمان "لیس من البرّ الصیام فی السفر" کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں مگر یہ حکم بعد والوں کے نزدیک اس شخص کے بارے میں ہے جس کو روزہ مشقت اور تکلیف میں ڈالے۔

پس اس کے لیے بہتر ہے کہ روزہ نہ رکھے اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جو کہ حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے کہ آپ نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک آدمی کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ شخص روزہ دار ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے اور بحالت سفر روزہ رکھنا جائز ہونے کی دلیل وہ ہے جو ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رمضان المبارک میں سفر کر رہے تھے ہم میں سے بعض حضرات روزہ دار تھے اور بعض حضرات بغیر روزہ کے تھے یعنی افطار کیے ہوئے تھے۔

پس نہ تو روزہ دار افطار کرنے والوں پر عیب لگا رہا تھا اور نہ افطار کرنے والا روزہ داروں پر اعتراض کر رہا تھا۔ اب دونوں (۱۔ روزہ رکھنا ۲۔ روزہ نہ رکھنا) میں سے افضل کیا ہے؟ اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ پس ایک گروہ کہتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے افطار کرنا افضل ہے۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی طرف سعید بن مسیّب اور علامہ شعبی رحمہما اللہ گئے ہیں اور ایک اس طرف گئی ہے کہ روزہ رکھنا افطار یعنی روزہ نہ رکھنے سے افضل ہے۔ یہ بات معاذ بن جبل اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے۔ ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر دو (۲) میں سے (روزہ رکھنا یا نہ رکھنا) جو صورت حال آسان ہو وہی افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" اور یہ قول مجاہد، قتادہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا ہے۔ (سفر میں اگر مشقت نہ ہو روزہ رکھنا آسان ہے کہ ایک معمول کے مطابق عام لوگوں کی ہمراہی میں روزہ رکھا جائے گا اگرچہ اس کی رخصت ہے بعد میں قضا کرنا مشکل ہوگی سب کھا پی رہے ہوں گے۔ ایسی صورت میں روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر روزہ رکھنا تکلیف و مشقت میں ڈالے تو نہ رکھنا افضل ہے کہ آسانی اسی میں ہے) جو شخص صبح کو مقیم ہو گھر میں ہو اور روزہ دار ہو دن کے درمیان مسافر ہو جائے۔ اکثر اہل علم فرماتے ہیں کہ اس کے لیے اس دن میں افطار کرنا یعنی روزہ توڑ دینا جائز نہیں اور ایک گروہ کہتا ہے کہ اس کے لیے افطار کرنا یعنی روزہ توڑ دینا جائز ہے اور یہ قول علامہ شعبی کا ہے اور یہی امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور جو شخص مسافر ہو اور روزہ رکھ لے اس کے لیے بالاتفاق یہ جائز ہے کہ روزہ توڑ دے اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جو

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے سال مکہ مکرمہ کی طرف ماہ رمضان میں نکلے۔ یہاں تک کہ آپ کراع غمیم تک پہنچے۔ لوگوں نے بھی آپ کے ہمراہ روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! بے شک لوگوں پر روزہ گراں گزر رہا ہے۔ آپ نے عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگوایا۔ پس آپ نے پیا اس حال میں کہ لوگ دیکھ رہے تھے (آپ کے پینے کے بعد) بعض لوگوں نے افطار کیا اور بعض حضرات روزے سے رہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ بے شک کچھ لوگ اب بھی روزہ سے ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا "اولئک العصاۃ" یہ لوگ نافرمان ہیں (یعنی اپنے نبی کے عمل کے خلاف کرنے والے) انہوں نے اس سفر میں اختلاف کیا (یعنی سفر کی مقدار میں) کچھ حضرات نے کہا ایک دن کا سفر (یعنی اتنی مقدار کا سفر) جسے ایک دن میں طے کیا جا سکے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ (وہ سفر جو افطار کو جائز کرتا ہے) دو (۲) دن تک کا سفر ہے اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ایک جماعت تین (۳) دن کے سفر کی طرف گئی ہے اور یہ قول سفیان ثوری اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا ہے۔

"یرید اللہ بکم الیسر" مرض اور سفر میں روزہ کا نہ رکھنا جائز کر کے (آسانی فرمائی) "ولا یرید بکم العسر" ابو جعفر نے "العُسُر و الیُسُر" پڑھا یعنی سین کی پیش کے ساتھ اور ان دو (۲) لفظوں کے مثل کوئی اور لفظ ہو تو اس میں بھی ان کی قراءۃ ایسی ہی ہے۔ علامہ شعبی فرماتے ہیں جب کسی شخص کو شرعی اختیار (یعنی جواز کے لحاظ) سے دو کاموں میں اختیار دیا جائے اور وہ شخص ان دو (۲) کاموں میں سے آسان کام کو اختیار کرے تو اس آسان کام پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ "ولتکملوا العدۃ" ابو بکر رحمہ اللہ نے "ولتکملوا" کی میم کو شد کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے تخفیف کے ساتھ اور یہ قراءۃ پسندیدہ و بہتر ہے (اس کی تائید) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الیوم اکملت لکم دینکم" تو "اکملتُ" بھی میم کی تخفیف کے ساتھ ہے نہ کہ شد کے ساتھ اور حرف واؤ جو "ولتکملوا" کے اندر ہے۔ یہ واؤ ترتیب (عطف) کے لیے ہے اور لام۔ لام "کَیْ" ہے۔ عربی میں "کَیْ" تاکہ کے معنی میں آتی ہے تقریر عبارۃ ہوگی۔ "وَیُرِیْدُ لِکَیْ تُکْمِلُوا العدۃ" یعنی تاکہ تم رمضان کے مہینہ کے دنوں کی گنتی (تعداد) مکمل کرو کہ جو روزے تم نے بوجہ سفر یا مرض کے رمضان المبارک میں افطار کیے ہیں ان کو بعد رمضان قضاء (ادا) کر کے رمضان کے روزوں کی تعداد پوری کرلو۔ اور فرمایا "ولتکملوا العدۃ" یعنی مہینہ کے دنوں کی تعداد۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ انتیس (۲۹) کا ہوتا ہے تو روزہ نہ رکھو حتیٰ کہ چاند دیکھو اور افطار (یعنی عید) نہ کرو یہاں تک کہ چاند دیکھو اور (چاند کا معاملہ) مخفی رہے تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہ (رمضان) سے پہلے ایک یا دو دن روزہ نہ رکھو (یعنی رمضان شریف کے بالکل متصل) مگر یہ کہ کسی شخص کی عادت روزہ کے موافق وہ دن آجائے (جو ماہ رمضان کے متصل ہو) کہ وہ پہلے اس دن کا روزہ رکھا کرتا تھا۔ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو (عید کرو) اور (اگر چاند کا معاملہ) مخفی ہو جائے (کہ چاند نظر نہ آئے تو پھر تمیں چاند کی گنتی پھر افطار کرو (عید کرو)" ولتکبروا اللہ" اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرو "علی ما ھداکم" کہ اس نے تمہاری ماہ رمضان کے روزہ جیسے پسندیدہ عمل کی طرف رہنمائی فرمائی۔

اور تمام مذہب والوں میں سے تم کو (اے مسلمانو!) اس (ماہ رمضان) کے ساتھ خاص کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "ولتکبروا اللہ" سے مراد لیلۃ الفطر کی تکبیرات ہیں۔ امام شافعی ابن مسیب اور حضرت عروہ اور ابو سلمہ (رحمہم اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عید الفطر کی رات کو جہرا (بلند آواز سے) تکبیرات پڑھتے تھے۔ عید الاضحیٰ کی رات بھی عید الفطر کی رات

کے مشابہ ہے (کہ اس رات کو بھی جہراً تکبیرات کہی جائیں) مگر جو کہ حاجی ہو کیونکہ اس کا ذکر تلبیہ یعنی "لبیک اللّٰھم لبیک" کہنا ہے "ولعلکم تشکرون" اللہ تعالیٰ کا اس کی نعمتوں پر (شکر ادا کرو) ماہ رمضان کی فضیلت اور روزہ داروں کی فضیلت کے بارے میں روایات وارد ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا (جب رمضان داخل ہوتا ہے تو شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں)۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب
رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن جکڑے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ دوزخ کا ایک دروازہ بھی نہیں کھولا جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ جنت کا ایک دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا۔ آواز دینے والا آواز دیتا ہے اے خیر کے چاہنے والے آگے بڑھ اور اے شر کے طلبگار بس کر اور اس کے لیے دوزخ سے آزاد ہونے والے ہوتے ہیں اور یہ معاملہ ہر رات ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو شخص رمضان شریف کے روزے از روئے ایمان۔ حکم الٰہی کی فرمانبرداری کی بنیاد پر (بہ نیت ثواب) رکھتا ہے اس کے سابقہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور رمضان المبارک میں ایمان اور (حسن نیت) فرمانبرداری کے اعتبار سے قیام (نماز میں) کرتا ہے اس کے بھی سابقہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور لیلۃ القدر میں ایمان اور حکم الٰہی کے مطابق بطور امتثال امر کے قیام (نماز میں) کرتا ہے اس کے بھی سابقہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا! اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہو چکا ہے اور ایک روایت میں "اظلکم" کی بجائے لفظ "اطلکم" ہے (یعنی ظاء کی بجائے طاء کا حرف ہے) جو بمعنی اشرف تم پر نمودار ہو چکا ہے۔ "شھر عظیم" عظمت والا مہینہ شھر مبارک بابرکت مہینہ اس میں ایک ذی قدر رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ یہ وہ ماہ مبارک ہے جس کے روزوں کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا اور اس کی راتوں کے قیام کو نفل قرار دیا۔ جو شخص اس ماہ مبارک میں کسی بھی نفل نیکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے وہ ایسا کہ اس شخص نے رمضان المبارک کے علاوہ کسی فرض کو ادا کیا ہو اور جس شخص نے اس ماہ مبارک میں فرض ادا کیا وہ ایسا ہے کہ اس نے غیر رمضان میں ستر فرض ادا کیے ہوں اور یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا ثواب (ڈائریکٹ) جنت ہے اور یہ باہمی غمخواری اور دکھ بانٹنے کا مہینہ ہے اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ (روایت میں ہے مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے)۔ جو شخص اس ماہ مبارک میں کسی روزہ دار کو روزہ افطار کراتا ہے یہ روزہ افطار کرانا اس کی مغفرت کا اور دوزخ کی آگ سے آزادی کا سبب بن جاتا ہے اور روزہ دار کے اجر و ثواب میں کمی کیے بغیر روزہ افطار کرانے والے کو بھی روزہ دار جتنا ثواب ملتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک شخص کو یہ وسعت حاصل نہیں کہ وہ روزہ دار کا روزہ افطار کرا سکے (یعنی پیٹ بھر کھلا سکے) حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ ثواب اس شخص کے لیے بھی ہے جو روزہ دار کو دودھ کا گھونٹ پلائے، کھجور کا دانہ کھلائے یا پانی کا گھونٹ پلائے اور جس شخص نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اس شخص کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے اس طرح پلائیں گے کہ اس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک پیاسا نہ ہوگا اور جو شخص اس ماہ مبارک میں اپنے غلام سے کام کی تخفیف کر دے، اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیں گے اور اس کو آگ سے آزادی بخشیں گے۔ یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور (یہ رمضان المبارک وہ) مہینہ ہے جس کا پہلا حصہ رحمت ہے دوسرا حصہ مغفرت اور اس کا آخر آگ سے آزادی ہے۔ پس اس ماہ مبارک میں چار چیزوں کی کثرت اختیار کرو۔ دو چیزیں ایسی ہیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے اور دو ایسی ہیں جن سے تم مستغنی نہیں رہ سکتے۔ بہر حال وہ دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے، وہ ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (یعنی کلمۂ شہادت کی کثرت) اور (دوسری) یہ کہ تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور وہ دو چیزیں جن کے سوا تمہیں کوئی چارۂ کار نہیں۔ وہ یہ کہ تم جنت کا سوال کرو یعنی اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو اور (دوسری) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی دوزخ سے پناہ حاصل کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کا ہر عمل دس گنا تک بڑھایا جاتا ہے حتیٰ کہ سات سو گنا تک بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مگر روزہ پس تحقیق وہ (روزہ) میرے لیے ہے اور اس کی جزا بھی میں ہی دوں گا۔ روزہ دار میری (رضا کی) خاطر اپنا کھانا پینا اور خواہش کو چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی اس کو بوقت افطار حاصل ہوتی ہے اور ایک خوشی اس کو (روز قیامت) اپنے رب سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی اور البتہ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ (محبوب) ہے۔ روزہ ڈھال ہے (دُنیا میں گناہوں سے اور آخرت میں عذاب سے) اور جس دن تم میں سے کسی کو روزہ ہو تو نہ تو فحش بیانی کرے اور نہ (اللہ کی) نافرمانی کرے۔ پس اگر کوئی اس سے بدزبانی کرے یا لڑائی جھگڑا کرے پس کہہ دے میں روزہ دار آدمی ہوں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جنت میں آٹھ دروازے ہیں ان دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے اس میں روزہ داروں کے سوا اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ روزے اور قرآن پاک بندہ کی شفاعت کریں گے۔ روزے کہیں گے اے رب! میں نے اس کو کھانے پینے اور خواہشات سے دن کو روکا، پس اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ قرآن کریم کہے گا، اے رب! میں نے اس کو رات کے وقت سونے سے روکا، پس اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ پس دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۞

ترجمہ: اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں (اور باستثنا نامناسب درخواست کے) منظور کر لیتا ہوں ہر عرضی درخواست کرنے والے کی جبکہ وہ میرے حضور درخواست دے سوان کو چاہیے کہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں امید ہے کہ وہ رشد حاصل کر سکیں گے

تفسیر: ۞"واذا سالک عبادی عنی فانی قریب" کلبی نے ابوصالح سے روایت کی، انہوں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ نے کہا یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا رب ہماری دُعا کیسے سنتا ہے؟ حالانکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ ہمارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ پھر ہر آسمان کی موٹائی بھی اسی قدر ہے۔

یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ضحاک کہتے ہیں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کیا ہمارا رب قریب ہے؟ ہم اس کو سرگوشی کے انداز میں پکاریں یا دور ہے کہ با آواز بلند ندا دیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "واذا سالک عبادی عنی فانی قریب" اور اس میں عبارت پوشیدہ ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ پس ان کو فرما دیجئے بے شک میں علم کے ساتھ ان کے قریب ہوں مجھ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ونحن اقرب الیہ من حبل الورید"

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ ایک وادی پر چڑھے تو انہوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کے ساتھ آوازیں بلند کیں۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہرو (اپنے آپ پر رحم کرو) تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے تم اس ذات پاک کو پکار رہے ہو جو ذات کریم سننے والی بھی ہے اور قریب بھی اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔

"اجیب دعوۃ الداع اذا دعان" اہل مدینہ نے سوائے قالون اور ابوعمرو کے دونوں جگہ وصل کی صورت میں یاء کو ثابت رکھ کے پڑھا ہے۔ یعنی "الداع" کو "الداعی" اور دعان کو دعانی پڑھا ہے اور باقی قراء وصل اور وقف دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کر کے پڑھا ہے اور اسی طرح قراء نے ان تمام یاءات میں جو خط میں محذوف ہیں (یعنی تحریر میں نہیں آئیں) ان کو تلاوت حذف کرنے یا ثابت رکھنے میں اختلاف کیا ہے اور یعقوب نے تمام یاءات کو وصل اور وقف کی دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے اور باقی قراء نے ان یاءات کو ثابت رکھنے میں اتفاق کیا ہے جو حالت وصل میں بھی اور حالت وقف میں بھی جو تحریراً ثابت و موجود ہیں۔ "فلیستجیبوا لی" کہا گیا ہے۔ استجابت بمعنی اجابت ہے یعنی اطاعت کے ساتھ میری اجابت کریں یعنی لبیک کہیں۔

اور اجابت کا معنی لغت میں اطاعت ہے اور جو چیز مانگی جائے وہ دے دینا۔ لہٰذا لفظ اجابت کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی

طرف ہوگی تو معنی ہوگا عطا کرنا اور جب بندہ کی طرف ہوگی تو معنی ہوگا اطاعت کرنا اور کہا گیا ہے "فلیستجیبوا لی" کا معنی ہے یعنی مجھ سے اجابت کی درخواست کریں اور استجابت کی حقیقت یہ ہے کہ میری اطاعت کریں۔ "ولیومنوا بی لعلھم یرشدون" تاکہ راہ پائیں اور اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "اجیب دعوۃ الداع" کا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی "ادعونی استجب لکم" کا کیا معنی ہوگا حالانکہ ہم کبھی بہت زیادہ پکارتے ہیں۔

پس وہ قبول نہیں فرماتا؟ ہم جواب میں کہتے ہیں ان دو آیات کے معنی میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ کہا گیا ہے یہاں لفظ "ادعونی" اور دعوۃ الداع سے مراد اطاعت ہے اور اجابت کا معنی ثواب دینا ہے اور کہا گیا ہے ان دونوں آیات کا معنی خاص ہے۔ اگرچہ دونوں کے لفظ عام ہیں۔ لہٰذا ان دونوں آیات کی تقدیر عبارت ہوگی۔ "اجیب دعوۃ الداع ان شئت" کہ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں اگر میں چاہوں تو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں "فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء" (تو اس آیت میں بھی مصیبت اور تکلیف کو دور کرنے کو مشیت کے ساتھ مقید کردیا۔ اسی طرح یہاں بھی قبولیت دعا مشیت کے ساتھ مقید ہوگی) یا معنی یہ ہوگا کہ میں دعا قبول کرتا ہوں۔ اگر دعا کرنے والے کی دعا میرے تقدیری فیصلے کے مطابق ہو یا پھر معنی ہوگا کہ میں دعا قبول کرتا ہوں۔ اگر دعا کا قبول کرنا دعا مانگنے والے کے حق میں بہتر ہو یا معنی ہوگا کہ میں دعا قبول کرتا ہوں اگر دعا کرنے والا کسی امر محال کی دعا نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی ایک کی دعا کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے جب تک کہ گناہ سے متعلق دعا نہ کرے یا اس کی دعا کا تعلق قطع رحمی سے نہ ہو اور دعا کے معاملہ میں جلد بازی نہ کرے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! دعا سے متعلق جلد بازی کے کیا معنی ہیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دعا مانگنے والا کہتا ہے میرے رب! بے شک میں نے تجھ سے مانگا۔ اے میرے رب بے شک میں نے تجھ سے دعا کی۔ پس میں نہیں دیکھتا کہ تو میری دعا قبول کرے۔ پس اس وقت وہ دعا مانگنے سے تھک جاتا ہے اور دعا مانگنا چھوڑ دیتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اجابت دعا کا مفہوم عام ہے (یعنی کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے) اور اجیب کا معنی ہوگا کہ میں سنتا ہوں اور کہا جاتا ہے کہ آیت کریمہ میں اس سے زیادہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ استجابت دعا فرماتا ہے باقی رہا دعا اور آرزو عطا فرمانا یہ اس میں مذکور نہیں ہے۔

اور ایسا ہوتا ہے کہ کبھی سردار اپنے غلام کو جواب دیتا ہے اور والد اپنے بیٹے کو جواب دیتا ہے پھر اس کا سوال پورا نہیں کرتا اور اجابت یعنی جواب ہر حال میں دعا کے وقت ثابت ہونے والی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کا جواب دیتا ہے پھر اگر تو اس بندہ کے حق میں مانگی ہوئی چیز مقدر میں ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے ورنہ اسے نہیں دیتا اور اس دعا کا اجر و ثواب اس شخص کے لیے ذخیرہ آخرت کردیا جاتا ہے یا پھر اس دعا کی برکت سے اس بندہ سے کسی مصیبت کو روک دیا جاتا ہے اور اجابت دعا کے اس مفہوم پر دلیل وہ روایت ہے۔ حضرت عبادہ بن الصامت (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین پر جو بھی مسلمان اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کرتا ہے مگر یہ کہ یا

تو اللہ تعالیٰ اس کو وہی چیز عطا فرماتے ہیں جو وہ مانگتا ہے یا پھر مانگی ہوئی چیز کے مثل اس سے کسی برائی (تکلیف) کو ٹال دیتے ہیں۔ جب تک کہ بندہ گناہ یا قطع رحمی کی دُعا نہ کرے اور بعض نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کی دُعا کا جواب دیتا ہو تو فوراً فرماتے ہیں مگر جس شخص کی مراد کو پورا فرمانا چاہتے ہیں اس کی مقصد براری کو مؤخر فرمادیتے ہیں تاکہ وہ بندہ دُعا مانگتا رہے اور اللہ تعالیٰ اس کی (پرسوز) آواز کو سنتا رہے اور جس شخص کی آواز کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں اس کی مانگی ہوئی چیز اسے فوراً دے دیتے ہیں بعض نے کہا کہ دُعا کے کچھ آداب اور شرطیں ہیں جو کہ قبولیت دُعا کے اسباب ہیں جو شخص ان آداب و شرائط کو پورا کرتا ہے وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس کی مراد پوری کی جائے اور جو ان آداب کو پورا نہیں کرتا تو وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جو کہ دُعا کرنے میں حد سے بڑھنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص قبولیت دُعا کا مستحق نہیں رہتا۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۞

ترجمہ: روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم ان کے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہو خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت کر کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے مگر خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا۔ سو اب ان سے ملو ملاؤ اور جو (قانونِ اجازت) تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے (بلا تکلف) اس کا سامان کرو کھاؤ اور پیو (بھی) اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (یعنی نورِ صبح صادق) سے متمیز ہو جائے سیاہ خط سے پھر (صبح صادق) سے رات تک روزہ کو پورا کیا کرو اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف کرنے والے ہو مسجدوں میں یہ سب احکام خداوندی کے ضابطے ہیں سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے (اور) احکام (بھی) لوگوں (کی اصلاح) کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ (مطلع ہو کر خلاف کرنے سے) پرہیز رکھیں۔

تفسیر: ۞ "احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم" رفث جماع سے کنایہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیاء فرمانے والے کریم ہیں وہ اس قسم کی باتوں، اشارات و کنایات میں ذکر فرماتے ہیں، تصریح نہیں کرتے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں مباشرت (باہمی ملاپ) کا اور ملامست (بدن کا بدن سے چھونا) کا اور افضاء (ایک کا دوسرے تک پہنچنا) کا یا دخول (داخل ہونا) اور رفث (فحش گوئی) کا ذکر کرتے ہیں (اگرچہ ان الفاظ کے لغوی معنی وہی ہیں جو

ان الفاظ کے بعد بریکٹ میں ذکر کیے گئے مگر) اس سے مراد جماع ہوتا ہے۔ حضرت زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رفث کا کلمہ ہر اس مراد کے لیے جامع ہے جو کہ مرد، عورتوں سے چاہتے ہیں۔ اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں اس طرح تھا کہ جب آدمی روزہ افطار کرتا تو اس کے لیے کھانا پینا اور جماع کرنا جائز ہوتا۔ یہاں تک کہ نماز عشاء پڑھتا اور نماز عشاء سے پہلے سو جاتا تو اس کے لیے کھانا پینا اور عورتیں آئندہ رات تک حرام ہو جاتیں۔

پھر یوں ہوا کہ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز عشاء پڑھنے کے بعد بیوی سے صحبت فرمائی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے غسل فرمایا تو رونے لگ گئے اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ اور آپ علیہ السلام کی طرف اپنی جانب سے اس غلطی کے سلسلہ میں معذرت کرتا ہوں کہ میں نماز عشاء کے بعد اپنی بیوی کے پاس لوٹا تو میں نے (اپنی بیوی سے) خوشبو پائی تو میرے نفس نے مجھے بہکایا، پس میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا۔

پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عمر (رضی اللہ عنہ) اس کام کے تو مناسب تو نہ تھا (یعنی تجھ سے ایسا ہو جانے کی اُمید تو نہ تھی) اس پر کچھ اور لوگ کھڑے ہو گئے اور اس قسم کی غلطی کا اعتراف کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوا "احل لکم لیلة الصیام" یعنی تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں بیویوں سے صحبت کرنا جائز کر دیا گیا ہے۔ "ھن لباس لکم" یعنی تمہارے لیے باعث سکون "وانتم لباس لھن" (تم) ان کے لیے باعث سکون (لباس کا معنی سکون سے کرنے کی دلیل) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے "وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا" یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے اس کی بیوی کو پیدا کیا تا کہ اپنی بیوی (حوا) کی جانب سے سکون محسوس کریں) اور بعض نے کہا کہ کسی کو کسی کی طرف سے اس قدر سکون نہیں ملتا جتنا کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کی جانب سے سکون میسر ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ خاوند اور بیوی ہر ایک کو لباس اس لیے کہا گیا ہے کہ سوتے وقت دونوں کپڑوں سے بے نیاز ہو کر ایک ہی کپڑے (لحاف یا چادر) میں مل کر سوتے ہیں حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اس کپڑے کی مانند ہو جاتے جو ہر ایک پہنتا ہے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ھن فراش لکم وانتم لحاف لھن" کہ وہ (تمہاری بیویاں) تمہارے لیے فراش (گدے کی مانند) ہیں اور تم ان کے لیے لحاف ہو۔ ابو عبیدہ وغیرہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ (اے مرد) یہ تیرا لباس ہے، تیرا بچھونا ہے، تیری چادر ہے اور بعض نے کہا کہ لباس اس چیز کا نام ہے جو کسی شئی کو چھپا دے تو مناسب ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے لیے ستر (پردہ) میں واقع ہوں اور آڑ ہوں اس چیز سے جو جائز نہیں۔ (گویا میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے لیے بے حیائی اور بدکاری کے لیے رُکاوٹ ہیں پردہ ہیں)۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے جس نے شادی کی اس نے اپنا دو تہائی دین محفوظ کر لیا۔ "علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم" تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے اور عشاء کے بعد بیوی سے صحبت کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ حضرت براء

فرماتے ہیں کہ جب رمضان شریف کے روزے فرض ہوئے تو لوگ سارا مہینہ بیوی کے قریب نہ جاتے۔ اس دوران بعض لوگ (بیویوں سے محبت کرکے) اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "علم اللّٰہ انکم کنتم تختانون انفسکم" ...... "فتاب علیکم" تم سے درگزر فرمایا "وعفا عنکم" تمہارے گناہوں کو مٹا دیا۔ "فالآن باشروھن" ان سے جماع کرو بالکل حلال صورت میں۔ مجامعت یعنی جماع کو مباشرت کہا گیا کیونکہ میاں بیوی کا چمڑا باہمی طور پر مل جاتا ہے۔

"وابتغوا ما کتب اللّٰہ لکم" جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں فیصلہ کردیا ہے اس کو طلب کرو اور کہا گیا ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اسے طلب کرو یعنی اولاد۔ اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اولاد تلاش کرو اگر بیوی نہ جنے گی تو یہ جنے گی۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ رخصت طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں کھانے پینے اور جماع کو جائز کرکے لکھ دی ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے یعنی لیلۃ القدر۔

"وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض" یہ آیت کریمہ ایک انصاری صحابی کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام ابوصرمۃ بن قیس بن صرمۃ رضی اللہ عنہ تھا۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا نام ابوقیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ان کا نام ابوقیس صرمۃ بن انس بن صرمۃ تھا اور یہ اس طرح ہوا کہ وہ سارا دن روزہ کی حالت میں اپنی زمین میں کام کرتے رہے۔ جب شام ہوئی تو گھر والوں کی طرف کھجور لے کر لوٹے اور بیوی سے فرمایا کھانا لا۔ پس بیوی نے ارادہ کیا کہ کوئی شئی (کھانا) گرم کرکے پیش کرے۔ پس اس کی بیوی کھانا گرم کرنے گئی اور ابتداء اسلام میں یہ تھا کہ جو شخص نماز عشاء پڑھ لے یا سو جائے اس پر کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اس صحابی کی بیوی کھانا گرم کرکے فارغ ہوئی، اچانک کیا دیکھتی ہے کہ خاوند سو گیا ہے وہ سارے دن کا تھکا ہارا تھا پس بیوی نے اس کو جگایا تو اس صحابی نے یہ گوارا نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے۔ چنانچہ اس نے کھانے سے انکار کردیا۔

چنانچہ اس نے بحالت مشقت روزہ کے ساتھ صبح کی۔ پس ابھی دوپہر نہ ہوئی تھی کہ اس پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ پس جب اسے افاقہ ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ جب حضور علیہ السلام نے اسے دیکھا تو فرمایا۔ ابو قیس تجھے کیا ہوا؟ کہ تو کمزور ہو گیا ہے۔ حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ نے اپنا حال ذکر کیا۔ پس حضور علیہ السلام اس کے حال پر غمزدہ ہوگئے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں "وکلوا واشربوا" یعنی روزہ کی راتوں میں (کھاؤ پیو) "حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" دن کی سفیدی رات کی سیاہی سے ہر دو (دن کی سفیدی رات کی سیاہی) کو دھاگا کہا گیا ہے کیونکہ دونوں دھاگے کی مانند ابتداء میں پھیلے ہوئے ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" تو نازل ہوا مگر فرمان الٰہی "من الفجر" نازل نہ ہوا۔ پس کچھ جب روزہ کا ارادہ فرماتے تو اپنے پاؤں میں ایک سفید اور ایک

سیاہ دھاگا باندھ لیتے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے کہ جب تک کہ دونوں دھاگوں کا دیکھنا واضح نہ ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد "من الفجر" کو نازل فرمایا۔ پس اس وقت معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سفید و سیاہ دھاگے سے رات اور دن مراد لیا ہے۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب "حتّٰی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" نازل ہوئی تو میں نے ایک سفید رسی لی اور ایک سیاہ رسی لی اور دونوں کو میں نے اپنے سرہانے کے نیچے کر دیا اور شروع ہوا میں ان دونوں رسیوں کو دیکھتا اور ادھر رات کو دیکھتا۔ پس میرے لیے واضح نہ ہوتا۔ پس صبح حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور علیہ السلام کو اپنا حال ذکر کیا۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان (دو دھاگوں) سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں ان کی اذان کے بعد تم سحری کھا پی سکتے ہو۔ یہاں تک کہ ابن مکتوم اذان نہ دیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابن اُم مکتوم نابینا تھے۔ اس وقت تک اذان نہ دیتے حتیٰ کہ انہیں کہا جاتا تو نے صبح کر دی صبح کر دی اور جان لے کہ فجر دو قسم ہے کاذب اور صادق فجر کاذب پہلے نمودار ہوتی ہے لمبی ہوتی ہے آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اس کے طلوع ہونے سے رات کا خاتمہ نہیں ہوتا اور روزہ دار کے لیے کھانا پینا بھی حرام نہیں ہوتا۔ پھر وہ غائب ہو جاتی ہے اس کے بعد فجر صادق طلوع ہوتی ہے۔ عرضاً پھیلی ہوئی ہوتی ہے، اُفق میں جلدی پھیل جاتی ہے۔ اس کے طلوع ہونے سے دن کا آغاز ہو جاتا ہے اور روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں سحری کھانے سے اذان بلال اور فجر کاذب نہ روک دے بلکہ وہ صبح (صادق) جو اُفق میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ "ثم اتموا الصیام الی اللیل" یعنی روزہ دار کے لیے فجر صادق کے طلوع ہونے سے لے کر غروب آفتاب تک کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے اور جب سورج غروب ہو فطر واقع ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات یہاں سے آ جائے اور دن یہاں سے پیٹھ پھیر جائے اور سورج غروب ہو جائے پس روزہ دار نے افطار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد" عکوف کے معنی کسی شئی پر قائم ہونا۔

اعتکاف کا شرعی معنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنا۔ اعتکاف مسجد کے علاوہ کہیں جائز نہیں ہے اور تمام مسجدوں میں جائز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پوری زندگی رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کا اعتکاف بیٹھتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اعتکاف بیٹھتی رہیں اور آیت کریمہ حضور علیہ السلام کے ان چند ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مسجد میں اعتکاف بیٹھتے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو اپنی بیوی سے متعلق حاجت پیش آتی تو وہ بیوی کی طرف جاتا اور اس سے جماع کرتا۔ پس غسل کرتا اور مسجد کو لوٹ آتا۔ پس اس عمل سے (حالت اعتکاف میں) دن رات منع کر دیے گئے۔ یہاں تک کہ اپنے اعتکاف سے فارغ ہوں۔

پس حالت اعتکاف میں جماع حرام ہے اور اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ باقی رہی جماع کے علاوہ بوس و کنار شہوت کے ساتھ پس مکروہ ہے اور اس سے اکثر اہل علم کے ہاں اعتکاف نہیں ٹوٹتا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے یہی قول زیادہ واضح ہے۔ جیسا کہ اس (بوس و کنار) سے حج باطل نہیں ہوتا اور (اہل علم) کا ایک گروہ کہتا ہے کہ بوس و کنار سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اور یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ بوس و کنار کے وقت اگر انزال ہو جائے تو اعتکاف باطل ہو جاتا ہے اور اگر انزال نہ ہو تو پھر اعتکاف باطل نہ ہوگا۔ جیسا کہ روزہ کا معاملہ ہے۔ بہرحال بیوی کو ایسا ہاتھ وغیرہ لگانا جس سے لذت مقصود نہ ہو تو پھر اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔

بعید اس کے جو کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف بیٹھتے تو اپنا سر مبارک میری طرف جھکاتے قریب کرتے اور میں آپ کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں سوائے حاجت انسانی کے تشریف نہ لاتے۔ "تلک حدود اللہ" یہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے روزہ اور اعتکاف کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں وہ حدیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے منع فرمایا ہے۔ علامہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدود اللہ کا معنی ہے شروط اللہ (اللہ تعالیٰ کی شرطیں) شہر بن حوشب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدود اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرض ہیں۔ حد کا لغوی معنی منع کرنے کے ہیں۔ اسی وجہ سے بواب یعنی دربان کو حداد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی لوگوں کو داخل ہونے سے منع کرتا ہے اور حدود کا معنی ہوگا وہ (احکام الٰہی) جو لوگوں کو اپنی مخالفت کرنے سے منع کرتی ہیں۔ "فلا تقربوھا" ان کو (عمل میں) مت لاؤ۔ "کذالک" اسی طرح "یبین اللہ ایاتہ للناس لعلھم یتقون" تاکہ اس سے بچیں۔ پس عذاب سے نجات پا جائیں۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (طور پر) مت کھاؤ اور ان (کے جھوٹے مقدمہ کو) حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ (بطریق گناہ (یعنی ظلم) کے کھا جاؤ اور تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔

تفسیر: ﴿۱۸۸﴾ "ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" بعض نے کہا کہ یہ آیت امرؤ القیس بن عابس کندی کے بارے میں نازل ہوئی کہ اس پر ربیعہ بن عبدان حضرمی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کے پاس زمین کا دعویٰ کیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرمی کو فرمایا تیرے پاس گواہ ہیں؟ حضرمی نے کہا نہیں تو، حضور علیہ السلام نے فرمایا پس تیرے لیے قسم ہوگی (یعنی کندی قسم اٹھائے گا) پس وہ (کندی) قسم اٹھانے چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ اپنے مال پر قسم اٹھاتا ہے تاکہ ظلماً اسے کھائے تو یہ اللہ تعالیٰ کو اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منہ موڑنے والے ہوں گے (بوجہ ناراض ہونے کے) پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" یعنی تمہارا بعض، بعض کے مال کو نہ کھائے بغیر اس

طریقے کے جو اللہ تعالیٰ نے جائز فرمایا ہو۔ باطل کا اصل معنی وہ شئی جو چلے جانے والی ہے۔

باطل طریق پر کھانے کی کئی قسمیں ہیں کبھی مال کو غصب اور چھینا جھپٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے کبھی بطریقہ کھیل کے مثلاً جوا بازی یا گویے کا گانے پر اجرت لینا وغیرھا اور کبھی بطریق رشوت اور خیانت کے کھایا جاتا ہے۔ "وتدلوا بھا الی الحکام" ان مالوں کے معاملات جو تمہارے اور مالوں کے مالکوں کے درمیان ہیں حکام کی طرف لے جاؤ ادلاء کا اصل معنی کنویں میں ڈول لٹکانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے ادلی دلوہ جب وہ ڈول کو (نیچے) چھوڑ دے اور "دلاہ یدلوہ" اس وقت کہا جائے گا جب وہ اس ڈول کو نکالے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مضمون اس شخص سے متعلق ہے جس پر کسی کا مال واجب ہو اور اس پر گواہ نہ ہوں۔ پس وہ اس مال کا انکار کر دے اور اس سلسلے میں وہ حاکم کے ہاں جھگڑا کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس پر حق واجب ہے اور اس حق کو روکنے کے باعث گنہگار رہتا ہے۔ اس آیت کے بارے میں مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تو ظالم ہو تو پھر جھگڑا نہ کر۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مضمون آیت کا یہ ہے کہ جھوٹے گواہ کھڑے کرے اور فرمان الٰہی "وتدلوا" حرف نہی کے تکرار کے باعث محل جزم میں ہے اور اس کا معنی ہوگا "ولا تدلوا بھا الی الحکام" کہ اس معاملہ کو حکام کی طرف مت لے جاؤ اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ باطل طریقہ پر مت کھاؤ اور اسے حکام کی طرف منسوب کرو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اپنے بھائی کے مال کا معاملہ حاکم کے پاس مت لے جا حالانکہ تو جانتا ہے کہ اس سلسلہ میں تو ظالم ہے اس لیے کہ حاکم کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ عالم اسلام کے عظیم قاضی حضرت قاضی شریح فرمایا کرتے تھے میں تیرے حق میں فیصلہ کرتا ہوں حالانکہ میں تجھے ظالم سمجھتا ہوں لیکن ظاہر گواہوں کی رو سے میرے لیے اور کوئی راستہ اس کے سوا نہیں کہ میں تیرے حق میں فیصلہ کروں اور یہ میرا فیصلہ تیرے لیے حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔

حضرت زینب اپنی والدہ محترمہ حضرت سیدہ ام المومنین ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتی ہیں کہ بے شک حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ کوئی تم میں اپنی دلیل کو بیان کرنے میں۔ دوسرے سے زیادہ تیز لب و لہجہ اختیار کرنے والا ہو پھر میں اس کے (حسن بیان) سننے کے اعتبار سے فیصلہ کر دوں۔ لہٰذا میں جس کسی کے حق میں اس کے بھائی کی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو مت لے کیونکہ اس صورت میں میں اس کے لیے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔ "لتاکلوا فریقاً" گروہ "من اموال الناس بالاثم" ظلم کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں اثم سے مراد جھوٹی قسم ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بھائی کا مال چھین رہا ہے۔ "وانتم تعلمون" (حالانکہ تم جانتے ہو) تم باطل پر ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات ہیں

لوگوں کے (اختیاری معاملات مثل عدت ومطالبہ حقوق کے) لئے اور غیر اختیاری عبادات مثل) حج وزکوٰۃ کا وروزہ وغیرہ) کے لئے اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام چیزوں سے بچے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اصل الاصول تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو (اس سے البتہ) امید ہے کہ تم (دارین میں) کامیاب ہو۔

تفسیر ⑪ "ویسئلونک عن الاھلۃ" یہ آیت کریمہ حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم انصاری (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں نازل ہوئی۔ دونوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ چاند کا کیا حال ہے، باریک نمودار ہوتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ نور سے بھر جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے آغاز کیا تھا اور ایک حالت پر باقی نہیں رہتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "یسئلونک عن الاھلۃ" "اَھِلَّۃ" ہلال کی جمع ہے جیسے کہ اردیہ رداء کی جمع ہے۔ ہلال کو ہلال اس لیے کہا گیا کیونکہ لوگ اس کے دیکھنے کے وقت آواز بلند کرتے ہیں۔ یہ "استھل الصبی" سے لیا گیا جب بچہ بوقت ولادت روتا ہے اور جیسے کہا جاتا ہے "اھلّ القوم بالحج" یہ اس وقت جب لوگ بوقت تلبیہ اپنی آواز کو بلند کرتے ہیں "قل ھی مواقیت للناس والحج" مواقیت میقات کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چاند کو ہم نے ایسا اس لیے کیا ہے تا کہ لوگ حج، عمرہ، روزہ، افطار، قرضوں کی مدتوں اور عورتوں کی عدتوں وغیرہ کو جان لیں۔ پس اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاند کو سورج کے خلاف بنایا کہ وہ سورج ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے۔ "ولیس البرّ بان تاتوا البیوت من ظھورھا" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لوگ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں اور ابتداء اسلام میں ایسا کرتے جب ان میں بعض حج عمرہ کا احرام باندھ لیتے تو وہ باغ، گھر، مکان وغیرہ میں دروازے کے راستہ سے نہ آتے۔ اگر تو پکے مکان والے ہوتے تو گھر کی پچھلی طرف نقب لگاتے اور وہاں سے آنا جانا کرتے یا (دیوار کے ساتھ) سیڑھی لگاتے اور اس سے اترتے چڑھتے اور اگر اہل وبر یعنی اونٹوں کے بالوں کھالوں سے بنے ہوئے خیموں والے ہوتے تو خیموں کی پچھلی جانب سے نکلتے اور احرام کھولنے تک دروازہ سے نہ آتے جاتے اور ایسا کرنے کو نیکی سمجھتے مگر وہ حضرات اپنے حمس کہلاتے تھے اور حمس کہلانے والے قریش، قبیلہ کنانہ، خزاعہ ثقیف، خثعم اور بنو عامر بن صعصعہ اور بنو نضر بن معاویہ تھے۔ یہ لوگ حمس کا نام دین میں سختی کے اعتبار سے دیئے گئے تھے اور حماسہ کا معنی شدۃ اور سختی کے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور علیہ السلام ایک انصاری کے گھر میں داخل ہوئے تو ایک انصاری بھی حضور علیہ السلام کے پیچھے دروازہ سے داخل ہوا۔ جسے رفاعہ بن تابوت کہا جاتا تھا۔

حالانکہ وہ محرم تھا۔ پس لوگوں نے اس انصاری صحابی پر اعتراض کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری صحابی کو (جو دروازہ سے داخل ہوا تھا) فرمایا تو دروازہ سے داخل کیوں ہوا؟ حالانکہ تو محرم تھا اس نے جواب دیا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو دیکھا کہ آپ دروازہ سے داخل ہوئے۔ پس میں بھی آپ کے پیچھے داخل ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا میں تو احمسی ہوں (یعنی اس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں جو کہ حمس قبائل میں شمار ہوتا ہے یعنی قریشی ہوں) تو اس انصاری صحابی نے عرض کی اگر آپ احمسی ہیں تو

گھر میں بھی احمسی ہوں۔ میں آپ کے طریقہ سیرت اور دین پر راضی ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ زہری کہتے ہیں کہ کچھ لوگ انصار میں سے جب عمرہ کا احرام باندھتے تو ان کے اور آسمان کے درمیان کوئی شئی حائل نہ ہوتی۔

اور اگر کوئی آدمی عمرہ کا احرام باندھ کر گھر سے نکلتا اور نکلنے کے بعد اس کو کوئی حاجت (گھر سے متعلق) پیش آتی۔ پس وہ واپس لوٹتا اور گھر کی چھت کی وجہ سے حجرہ کے دروازہ سے داخل نہ ہوتا کہ کوئی چیز اس کے اور آسمان کے درمیان حائل نہ ہو تو وہ پیچھے سے دیوار کھولتا، پھر اپنے حجرہ میں داخل ہوتا اور اپنی حاجت کے بارے میں حکم کرتا۔ حتیٰ کہ ہمیں یہ بات پہنچی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے زمانہ میں عمرہ کا احرام باندھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں داخل ہوئے تو آپ کے بنی سلمہ قبیلہ کا ایک انصاری بھی داخل ہوا تو حضور علیہ السلام نے اس کو فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس انصاری صحابی نے عرض کیا اس لیے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ داخل ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا بے شک میں احمسی ہوں تو اس انصاری صحابی نے کہا تو میں بھی احمسی ہوں (احمسی کی وجہ تسمیہ پہلے بیان ہو چکی ہے) اور آپ کے دین پر ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "ولیس البرّ بان تاتوا البیوت من ظھورھا" ابن کثیر ابن عامر اور حمزہ اور کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ نے "البیوت والغیوب والجیوب والعیون وشیوخا" (ان تمام الفاظ کو جو قرآن کریم میں وارد ہیں) یاء کی وجہ سے پہلے حرف کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے اصل لفظ کے مطابق پہلے حرف کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن عامر اور حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے لفظ (جیوب) کو پہلے حرف کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوبکر اور حمزہ رحمہم اللہ نے لفظ (العیوب) کو حرف عین کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ولکن البرّ من اتقی" نیکی تو شخص کی نیکی ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ "واتوا البیوت من ابوابھا" حالت احرام میں "واتقوا اللہ لعلکم تفلحون"

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ⑲⑳

ترجمہ: اور بے تکلف تم بھی لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو (نقض عہد کر کے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (از خود) حد (معاہدہ سے) مت نکلو واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے

تفسیر: ⑲⑳ "وقاتلوا فی سبیل اللہ" اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں (لڑو) "الذین یقاتلونکم" ابتداء اسلام میں حضور علیہ السلام کو مشرکین سے قتال کرنے سے روک دیا تھا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مشرکین سے لڑنے کا اس آیت کے ذریعے سے حکم فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑیں۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لڑائی سے متعلق یہ پہلی آیت کریمہ ہے جو نازل ہوئی۔ پھر اس کے بعد تمام مشرکین سے لڑنے کا حکم جو مقابلہ میں لڑیں یا نہ لڑیں اس آیت کریمہ کے ساتھ دیا گیا۔ "اقتلوا المشرکین حتیٰ" "الذین یقاتلونکم" والی آیت کریمہ (جس میں یہ شرط لگائی گئی تھی کہ جو مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑیں ان سے لڑیں) اس آیت کریمہ "اقتلوا المشرکین" سے منسوخ ہو گئی۔ کہا گیا ہے کہ "اقتلوا المشرکین" (کہ مشرکوں سے لڑو) کی آیت

کے ساتھ قریبا ستر آیات منسوخ ہوگئیں اور ارشاد ربانی "ولا تعتدوا" یعنی ان سے لڑائی میں پہل نہ کرو اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت "الذین یقاتلونکم" (جس میں مشرکین کی طرف سے قتال (لڑائی) کی شرط لگائی گئی ہے) منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے یعنی اس کا مضمون ومفہوم اب بھی زیر عمل ہے۔ پھر "الذین یقاتلونکم" کا معنی ہوگا ان کافروں سے لڑو جو تم سے لڑیں (جن میں لڑنے کی صلاحیت ہو یعنی جو دلیر مرد لڑنے والے مشرک ہیں ان سے لڑو)۔

پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "ولا تعتدوا" کا معنی ہوگا کہ عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں راہبوں کے ساتھ نہ لڑو (جو تم سے لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں) اور نہ ان سے لڑو جو تمہاری طرف صلاحجی کی بات کریں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ سلیمان اپنے والد (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب لشکر بھیجتے تھے تو فرماتے تھے "اغزوا بسم اللہ وفی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ لا تغلوا" ترجمہ اس عبارت کا (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ہر اس شخص سے جو ذات الٰہی کا انکار کرتا ہے اس کے ساتھ قتال کرو اور دین میں غلو نہ اختیار کرو) اور فرماتے ہیں "ولا تعتدوا ولا تقتلوا امراۃ" اور نہ بچے کو قتل کرو اور نہ بوڑھے کو اور نہ قتل کرو عورت کو۔ کلبی ابو صالح سے روایت کرتے ہیں اور ابو صالح سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ یوں ہوا کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت عمرہ کیلئے نکلے۔

اور ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ وہ چلے حتیٰ کہ حدیبیہ کے مقام پر اترے۔ پس ان کو مشرکوں نے بیت الحرام (میں داخل ہونے) سے روکا۔ حضور علیہ السلام نے ان سے اس بات پر مصالحت فرمائی کہ اس سال واپس ہوجائیں بریں شرط کہ آئندہ سال مشرکین تین دنوں کے لیے مکہ مکرمہ کو خالی کردیں گے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کا طواف فرمائیں گے۔ جب آئندہ آنے والا سال آیا تو حضور علیہ السلام نے اور اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء کے لیے تیاری فرمائی اور اس بات کا اندیشہ ظاہر فرمایا کہ کہیں قریش مکہ اپنا وعدہ وفا نہ کریں اور بیت الحرام (میں داخلہ) سے ان کو روک دیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات پر اظہار کراہت فرمایا کہ مشرکین مکہ سے حرمت والے مہینے اور بیت الحرام میں لڑیں قتال کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وقاتلوا فی سبیل اللہ" یعنی بحالت احرام (اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو) "الذین یقاتلونکم" قریش کے ساتھ قتال کرو "ولا تعتدوا" پس بحالت احرام حرم مقدس میں لڑائی کی ابتداء کرو۔ "ان اللہ لا یحب المعتدین"

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى

لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

ترجمہ اور (جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں اس وقت خواہ) ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور (خواہ) ان کو (مکہ سے) نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے اور شرارت (ضرر میں) قتل سے بھی سخت تر ہے اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب و نواح میں (کہ حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے نہ لڑیں۔ ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی لڑنے کا سامان کرلیں تو (اس وقت) تم بھی ان کو مارو ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے پھر اگر وہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں (اور اسلام قبول کرلیں) تو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے اور مہربانی فرمائیں گے۔ اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور ان کا دین (خالص) اللہ ہی کا ہوجائے اور اگر وہ وہ لوگ (کفر سے) باز آجائیں تو (قانون یہ ہے کہ) سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔

تفسیر ﴿۱۹۱﴾ "واقتلوهم حيث ثقفتموهم" کہا گیا ہے پہلی آیت کریمہ (کا مضمون) اس آیت کریمہ کے ساتھ منسوخ ہے (کیونکہ پہلی آیت میں کفار سے قتال اس صورت میں تھا کہ جب وہ مقابلہ میں لڑائی میں پہل کریں تو مسلمان دفاعی جنگ لڑیں اور قتال کی ابتداء نہ کریں مگر اس آیت میں حکم ہے کہ کفار کو جہاں کہیں پاؤ ان کو قتل کرو اور ان کے قتال کرنے کی پہل کرنے کا انتظار نہ کریں) ثقفہ کا لغوی معنی (کسی کام میں) مہارت و بصیرت کے ہیں اور معنی ہوگا کہ مشرکین کو قتل کرو جہاں تم ان سے قتل کرنا مناسب سمجھو اور ان کے قتل کرنے پر تم قادر ہو۔ "واخرجوهم من حيث اخرجوكم" (اور ان کو اس جگہ سے نکالو جس جگہ سے انہوں نے تم کو نکالا) اور یہ اس طرح کہ انہوں نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مشرکوں کو ان کے گھروں سے نکالو جیسا کہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا۔

"والفتنة اشد من القتل" اُن کا اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے ساتھ شرک کرنا اس امر سے زیادہ سخت اور بڑا ہے کہ تم ان کو حرم مقدس میں بحالت احرام قتل کرو۔ "ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتّٰى يقاتلوكم فيه فان قاتلوكم فاقتلوهم" حمزہ اور کسائی نے "ولا تقتلوهم حتّٰى يقتلوكم فان قتلوكم" ان میں الف کے بغیر قتل سے مشتق کرکے پڑھا ہے (نہ کہ قتال سے) اور اس کا معنی ہوگا کہ بعض مشرکوں کو قتل نہ کرو۔ اہل عرب کہتے ہیں "قتلنا بنی فلان" (ہم نے بنی فلاں کو قتل کیا) حالانکہ سارا قبیلہ قتل نہیں کیا ہوتا بلکہ بعض قبیلہ کو قتل کیا ہوا ہوتا ہے اور باقی قراء نے الف کے ساتھ لفظ قتال سے مشتق کرکے پڑھا ہے اور ایسا کرنا ابتداء اسلام میں تھا کہ حرمت والے شہر مقدس میں ابتداء قتال کرنا جائز نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ منسوخ ہوگیا۔ "وقاتلوهم حتّٰى لاتكون فتنة" یہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "واقتلوهم حيث ثقفتموهم" جہاں کہیں تم ان کو پاؤ حرم میں یا حرم مقدس سے باہر حل میں ان کو قتل کردو۔ پھر اس آیت کا یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ منسوخ ہوگیا "ولا تقاتلوهم

عند المسجد الحرام" (کہ مسجد حرام میں ان سے قتال نہ کرو) پھر اس فرمان خداوندی کو سورۂ براءۃ میں نازل ہونے والی آیت السیف نے منسوخ کردیا تو "ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام" ناسخ بھی ہے "واقتلوھم حیث ثقفتموھم" کے لیے اور منسوخ بھی ہے۔ سورۂ براۃ والی آیت السیف کے ساتھ۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ لہٰذا حرم مقدس میں ابتداء قتال کرنا جائز نہیں۔ "کذالک جزاء الکافرین"

۱۹۲ "فان انتھوا" قتال اور کفر سے (اگر رک جائیں) "فان اللہ غفور رحیم" یعنی غفور ہے گزشتہ گناہوں کے لیے اور بندوں کے ساتھ رحیم بھی ہے۔

۱۹۳ "وقاتلوھم" مشرکین سے (قتال کرو) "حتی لاتکون فتنۃ" شرک باقی نہ رہے۔ مشرکین سے اس وقت تک قتال کرتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بت پرست سے اسلام ہی قبول کیا جائے گا۔ اسلام سے اگر انکار کرے تو قتل کردیا جائے۔ "ویکون الدین" طاعت وعبادت (للہ) صرف اسی ایک ذات (احد) کی ہوجائے۔ پس اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ فتنہ میں ایک شخص سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ پس کہا آپ کو (ان دونوں میدان قتال میں) نکلنے سے کیا چیز مانع ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لیے رکاوٹ یہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون (بہانا) حرام فرمایا ہے تو اس شخص نے کہا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کو سنتے نہیں "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا" (اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر دو گروہ ایمان والوں سے لڑ پڑیں تو سرکش گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ حق کی طرف مائل ہوجائے)۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بھتیجے! میں اس آیت کا (اس موقع پر) اعتبار کروں اور لڑ دوں مجھے اس سے زیادہ یہ چیز پسند ہے کہ میں اس آیت کا اعتبار کروں (ذہن میں رکھوں) جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ومن یقتل مومنا متعمدا"...... (کہ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اس کی سزا جہنم ہے) اس پر اس شخص نے کہا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے "وقاتلوھم حتی لاتکون فتنہ" (کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہوجائے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ عمل ہم نے حضور علیہ السلام کے مبارک دور میں کیا۔ جب اسلام تھوڑا تھا (یعنی مسلمان تھوڑے تھے) کہ آدمی اپنے دین کے معاملہ میں فتنہ میں ڈالا جاتا تھا کہ اسے قتل کر ڈالتے یا عذاب میں مبتلا کرتے حتی کہ اسلام پھیل گیا عام ہوگیا اور فتنہ باقی نہ رہا اور دین سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا ہوگیا۔ اور تم ارادہ کرتے ہو کہ لڑو حتی کہ فتنہ پھیلے کہ دین غیر اللہ کا ہو۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ فتنہ کے سلسلہ میں لڑنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جانتے بھی ہو کہ فتنہ کیا چیز ہے؟ حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے لڑتے تھے۔ اور تمہارا قتال ملک کے سلسلہ میں ان کے قتال کی مانند نہیں۔ "فان انتھوا" کفر سے (رک جائیں) اور اسلام لے آئیں "فلا عدوان" ان پر کوئی راہ نہیں یعنی کوئی مواخذہ نہیں۔ "الا علی الظالمین" عدوان کا یہ معنی سیدنا عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما نے فرمایا اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے فرماتے ہیں "ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علیّ" ان دو مدتوں میں سے جو بھی پوری کروں مجھ پر کوئی راہ (مواخذہ) تمہیں گرفت نہیں۔ اہل معانی فرماتے ہیں "العدوان الظلم" کہ عدوان بمعنی ظلم ہے پس اگر وہ اسلام لائیں مگر ان کا مال لینا نہ قید کرنا ہے اور نہ قتل کرنا ہے۔

مگر ظالموں میں سے جو شرک پر باقی رہیں اور مشرکوں کے ساتھ یہ کام کیے جائیں (مال لینا قید کرنا اور قتل کرنا) تو ظلم نہیں ہوگا۔ "الا علی الظالمین" کی عبارت سے جو مفہوم ہوتا ہے کہ ان پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر یعنی ظالموں پر زیادتی ہے (کہ ان کا مال چھینا جائے ان کو قید کیا جائے اور قتل کیا جائے) ظالموں پر ان کاموں کو زیادتی کا نام بطور جزا دینے اور لفظی مقابلہ کے دیا ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ" (جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو) زیادتی کے بدلہ اور جزاء کو زیادتی کا نام لفظی مقابلہ کے طور پر دیا گیا ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وجزاء سیئة مثلها" کہ برائی کی سزا اس کے مثل برائی ہے۔ یہاں بھی برائی کی سزا کو برائی کا نام دیا گیا۔ یہ بھی لفظی مشاکلہ و مقابلہ کے طور پر کافر کو ظالم کا نام دیا گیا کیوں کہ کافر عبادت کا محل اپنی جگہ میں ادا نہیں کرتا۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمہ: حرمت والا مہینہ بعض حرمت والے مہینے کے ہے اور یہ حرمتیں تو عوض و معاوضے کی چیزیں ہیں سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں

تفسیر: ﴿۱۹۴﴾ "الشهر الحرام بالشهر الحرام" یہ آیت کریمہ عمرۃ القضاء کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ میں عمرہ کی غرض سے نکلے۔ پس بیت اللہ آنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں نے حدیبیہ کے مقام پر روکا۔ پس آپ نے اہل مکہ سے اس بات پر مصالحت فرمائی کہ اس سال آپ واپس ہو جائیں اور آئندہ سال تشریف لائیں اور عمرہ کی قضا دیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اس سال واپس تشریف لے گئے اور دوسرے سال ذوالقعدہ میں تشریف لائے اور سن ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ادا فرمایا۔ پس یہ ہے معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا "الشهر الحرام" یعنی ذوالقعدہ (جو حرمت والا مہینہ ہے) جس میں تم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہو اور عمرہ کیا ہے ۷ھ میں اس حرمت والے مہینے کے بدلہ میں ہے یعنی اس ذوالقعدہ کے بدلہ میں ہے جس ذوالقعدہ ۶ھ میں بیت اللہ شریف سے روکے گئے تھے۔

"والحرمات قصاص" حرمات حرمت کی جمع ہے۔ لفظ حرمات کو جمع اس لیے لایا گیا کہ یہاں کئی حرمتیں ہیں۔ حرمت

والے مہینہ ذوالقعدہ کی حرمت مکہ مکرمہ کی حرمت احرام کی حرمت اور قصاص کے معنی مساوات و مماثلت یعنی برابری کے ہیں اور وہ یہ کہ فاعل کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے جیسا کہ اس نے کیا اور کہا گیا ہے کہ قصاص والا مضمون قتال یعنی لڑائی کے بارے میں ہے۔ معنی ہوگا کہ اگر مشرکین حرمت والے مہینے میں قتال (لڑائی) کی ابتداء کریں تو تم بھی ان سے حرمت والے مہینہ میں لڑو کیونکہ یہ برابری والا معاملہ کرنا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے کیا۔ "فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ" اور اس سے قتال کرو۔ "بمثل ما اعتدیٰ علیکم" قتال کے مقابلہ میں جوابی قتال کو (جو کہ جزاء ہے ان کے ابتدائی قتال) ابتداء کا نام ازدواج کلام کی بنیاد پر دیا گیا یعنی کلام کے لفظی جوڑ کی بنیاد پر۔ جیسا کہ قرآن کریم میں "جزاء سیئة سیئة مثلها" میں ایسا واقع ہے "واتقوا اللّٰہ واعلموا ان اللّٰہ مع المتقین"

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: اور تم لوگ (جان کے ساتھ مال بھی) خرچ کیا کرو اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو اور (جو) کام (کرو) اچھی طرح کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔

تفسیر: ﴿۱۹۵﴾ "وانفقوا فی سبیل اللّٰہ" اس سے مراد جہاد ہے اور ہر کار خیر میں (خرچ کرنا) فی سبیل اللہ ہے لیکن اس کا مطلقاً استعمال جہاد کی طرف راجع ہے۔ "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة" کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "بایدیکم" میں با زائدہ ہے مراد ہے "ولا تلقوا ایدیکم" یعنی اپنے آپ کو ہلاکت کی طرف (نہ ڈالو) نفس کو ہاتھوں کے ساتھ تعبیر کیا گیا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے "بما کسبت ایدیکم" یعنی بسبب اس کے جو تم نے کمایا (تو یہاں بھی کسب کے مفہوم کو ایدی کے ساتھ تعبیر کیا گیا) اور بعض نے کہا ہے کہ با اپنی جگہ پر واقع ہے (یعنی زائدہ نہیں ہے) اور عبارت یوں ہوگی "ولا تلقوا انفسکم بایدیکم الی التھلکة" "ای الھلاک" (یعنی اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں کے ساتھ ہلاکت کی طرف مت ڈالو) اور بعض نے کہا کہ "تھلکة" کا معنی (ہلاک نہیں) بلکہ ہر وہ چیز جس کا انجام ہلاکت کی طرف ہو یعنی تم اس کام میں شروع نہ ہو (جس کا انجام ہلاکت ہے)۔

اور بعض نے "تھلکة" اور ہلاک میں فرق کیا ہے کہ تھلکہ وہ امر جس سے احتراز ممکن ہو اور ہلاک وہ جس سے بچاؤ ممکن نہ ہو اور اہل عرب انسان کو یوں نہیں کہتے "القی بیدہ الا فی الشر" (یعنی لفظ القی کا استعمال امر خیر میں نہیں ہوتا بلکہ شر میں ہوتا ہے) اور اس آیت کی تاویل میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ بعض نے کہا کہ یہ آیت بخل اور راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے سے متعلق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ راہِ خدا میں خرچ کرنا چھوڑ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اور یہ قول حذیفہ، حسن، قتادہ، عکرمہ اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر اگرچہ تیرے پاس سوائے تیر وغیرہ کے کچھ نہ ہو اور کوئی انسان یہ ہرگز نہ کہے کہ میں کچھ نہیں پاتا اور علامہ سدی اس بارے میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر اگرچہ اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی ایک رسی ہی کیوں نہ ہو اور اپنے آپ کو ہلاکت کی طرف مت پھینکو اور یہ نہ کہو میرے پاس کچھ نہیں۔ سعید بن مسیب اور مقاتل بن حبان رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب اللہ

تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا تو (کچھ) لوگوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ہم اپنے مال اللہ کے راستہ میں خرچ کردیں تو محتاج رہ جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں تمہیں فقر و فاقہ کا خوف حقوق اللہ اور حقوق العباد میں خرچ کرنے سے منع نہ کرے۔

عیاض بن غضیف کہتے ہیں ہم ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہ) کی بیمار پرسی کے لیے آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، جب آپ علیہ السلام نے فرمایا جو شخص زائد (از ضرورت) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس کو سات سو گنا اجر وثواب ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے پس نیکی دس گنا ہے۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگ جہادی قافلوں میں بغیر نفقہ کے نکلتے تھے۔ پس یا تو اپنے مقصد میں ناکام رہتے یا پھر (لوگوں پر) بوجھ بن جاتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکل کر اپنی ذات پر خرچ کرنے کا حکم دیا اور جس شخص کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہ ہو تو بغیر خرچ کے نہ نکلے۔ پس وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔ پس اس صورت میں ہلاکت یہ ہوگی کہ وہ بھوک پیاس یا چلنے کی مشقت سے ہلاک ہوجائے گا اور بعض نے کہا کہ یہ آیت کریمہ ترک جہاد کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ہم انصار لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ عطا فرمایا اور نصرت فرمائی تو ہم نے آپس میں کہا کہ ہم نے اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع کو چھوڑ رکھا تھا کہ اسلام عام ہوگیا پھیل گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرمائی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع کی طرف دھیان دیں اور نقصان کی تلافی کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وانفقوا فی سبیل اللّٰہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" پس ہلاکت اہل وعیال اور مال ومتاع میں لگ جانا اور جہاد کو چھوڑ دینا ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف رہے تا آنکہ آخری جہاد وہ تھا جو حضرت سیدنا امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انہوں نے قسطنطنیہ کا فرمایا۔ پس وہیں وفات پائی اور قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے ساتھ مدفون ہیں۔

اور قسطنطنیہ والے سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی برکت سے پانی پلائے جاتے ہیں (یعنی بارش برسائی جاتی ہے) حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرگیا کہ اس نے نہ تو جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں جہاد کا خیال آیا تو ایسے شخص کی موت شعبہ نفاق پر ہوئی۔ حضرت محمد بن سیرین اور عبیدہ سلمانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "القاء الی التھلکۃ" اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا ہے۔ ابوقلابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے مراد) وہ شخص جو گناہ کرے پھر کہے کہ میں تو ہلاک ہوگیا میری توبہ کہاں قبول ہوسکتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوجائے اور گناہوں میں منہمک ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کو اس سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انہ لا ییئس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون"..... "واحسنوا ان اللّٰہ یحب المحسنین"

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ: اور جب حج وعمرہ کرنا ہوتو اس) حج وعمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کیا کرو پھر اگر (کسی دشمن یا مرض کی وجہ سے) روک دیئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرو) اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہے جس سے پہلے سر منڈوانے کی ضرورت پڑ جائے تو (وہ سر منڈوا کر) فدیہ دے دے (تین) روزے یا (چھ مسکین کو) خیرات دے دے یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے پھر جب امن کی حالت میں ہو تو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر متمتع ہوا ہو (یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو جو کچھ قربانی اسے میسر ہو (ذبح کرے اور جس نے صرف عمرہ یا صرف حج کیا ہو اس پر حج وغیرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ تین دن کے روزے ہیں (ایام) حج میں اور سات ہیں جبکہ (حج سے) تمہارا لوٹنے کا وقت آ جاوے۔ یہ پورے دس ہوئے یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل (وعیال) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے قریب میں نہ رہتے ہوں (یعنی میقات کے اندر اس کا گھر نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ کسی امر میں خلاف نہ ہو جائے) اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بے باکی اور مخالفت کرنے والوں کو) سزائے سخت دیتے ہیں۔

تفسیر: ① "واتموا الحج والعمرة لله" حضرت علقمہ اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ نے "واتموا الحج والعمرة لله" پڑھا۔ حج اور عمرہ کے اتمام سے متعلق انہوں نے اختلاف کیا۔ پس بعض نے کہا کہ ان دونوں کو احکام اور حدود اور سنتوں کی رو سے تمام کرے اور یہ قول ابن عباس علقمہ اور ابراہیم نخعی اور مجاہد (رضی اللہ عنہم) کا ہے۔ ارکان حج پانچ ہیں۔ ① احرام ② عرفات میں ٹھہرنا ③ طواف زیارت ④ سعی (صفا ومروہ میں دوڑنا) ⑤ سر کا منڈانا یا بال کتروانا۔

حج کے احرام سے باہر نکلنے یعنی احرام کھولنے اور حلال ہونے کی دو قسمیں ہیں اور احرام کھولنے کے تین اسباب ہیں ① دسویں ذوالحجہ (یوم النحر) کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا۔ ② طواف الزیارت۔ ③ سر منڈانا (یا کتروانا)۔ پس جب ان تین چیزوں

میں سے دو چیزیں پائی جائیں گی تو تحلل اول یعنی پہلا قسم احرام کھولنے کا حاصل ہو جائے گا اور مذکورہ تین چیزوں میں سے جب تینوں کی تینوں پائی جائیں گی تو تحلل ثانی یعنی احرام سے باہر آنے کی دوسری قسم حاصل ہو جائے گی اور تحلل اول یعنی احرام سے باہر آنے کی پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ سوائے بیوی سے صحبت کرنے کے احرام کی بقیہ ممنوع چیزیں جائز ہو جائیں گی۔ مثلاً سر ڈھانپنا، خوشبو لگانا، ناخن کترنا وغیرہ وغیرہ اور جب تحلل ثانی یعنی احرام سے باہر آنے کی دوسری قسم پائی جائے گی تو آدمی مکمل طور پر احرام سے باہر آ جاتا ہے اور احرام کی تمام ممنوعات جائز ہو جاتی ہیں (گویا بیوی سے صحبت بھی جائز اور مباح ہو جاتی ہے)۔

عمرہ کے چار ارکان ہیں ❶ احرام باندھنا ❷ بیت اللہ شریف کا طواف کرنا ❸ صفا و مروہ میں دوڑنا ❹ سر منڈانا (یا کترانا)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اتموا الحج والعمرۃ" حج و عمرہ کا تمام کرنا یوں ہے کہ مستقلاً ہر دو کا احرام علیحدہ علیحدہ گھر کے مکانوں سے باندھا جائے۔ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے "واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ" کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو ہر دو یعنی حج اور عمرہ کا احرام گھر کے مکانوں سے باندھے اور اسی قسم کا ارشاد گرامی حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمام عمرہ اس طرح ہے کہ ایام حج کے علاوہ باقی دنوں میں تو عمرہ ادا کرے اور اگر عمرہ حج کے مہینوں میں کیا گیا تو یہ تمتع ہو جائے گا اور اس شخص پر اگر پا سکے تو "ھدی" یعنی جانور ذبح کرنا لازم اور اگر جانور نہ پا سکے تو پھر روزے رکھنا لازم ہیں (تین روزے حج سے پہلے پہلے اور سات روزے فراغ حج کے بعد تلک عشرۃ کاملۃ یہ مکمل دس ہو گئے) اور حج کے تمام ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کے تمام احکام پورے پورے ادا کیے جائیں۔ حتیٰ کہ تمتع اور قران کی صورت میں اس سے کوئی ایسا حکم نہ چھوٹے جس سے اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا لازم آتا ہو اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں حج اور عمرہ کا اتمام اس طرح ہے کہ ان دونوں پر خرچ کیے جانے والا پیسہ حلال کا ہو اور حج و عمرہ میں ہر اس چیز سے بچے جو اللہ تعالیٰ نے منع فرمائی ہے اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج اور عمرہ کا اتمام یہ ہے کہ تو گھر سے صرف اور صرف حج یا عمرہ ادا کرنے کی غرض سے نکلے نہ کہ تجارت یا کسی اور غرض کی خاطر۔ سیدنا فاروق اعظم، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (مکہ مکرمہ کی طرف) بصورت وفد جانے والے زیادہ ہیں اور حاجی تھوڑے ہیں اور جو شخص حج کرنے کی (شرعی طور پر) استطاعت یعنی طاقت رکھتا ہے پوری اُمت کا اتفاق ہے کہ اس شخص پر حج فرض ہے۔ البتہ وجوب عمرہ میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ اکثر اہل علم عمرہ کے واجب ہونے کی طرف گئے ہیں اور حضرت عمر کا قول ہے حضرت علی المرتضیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! بے شک کتاب الٰہی کی رو سے عمرہ حج کا ساتھی ہے۔ "اتموا الحج والعمرۃ للّٰہ"

حضرت عطاء، طاؤس، مجاہد، حسن، قتادہ اور سعید بن جبیر (رحمہم اللہ) نے یہی فرمایا۔ سفیان ثوری اسی طرف گئے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہی ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ عمرہ سنت ہے اور یہ قول حضرت جابر کا ہے۔ علامہ شعبی بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور اہل عراق بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے

فرمان "واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ" کی تاویل کی ہے۔ بایں معنی کہ عمرہ کو تمام کرو جب تم اس میں داخل ہو جاؤ یعنی شروع کرلو۔ باقی رہا عمرہ کو ابتداء شروع کرنا تو یہ واجب نہیں نفل ہے اور جس نے عمرہ کو واجب قرار نہیں دیا اس نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے جو محمد بن منکدر نے حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور علیہ السلام سے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا کیا عمرہ واجب ہے؟ پس آپ نے فرمایا نہیں۔ ہاں اگر تم عمرہ کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد عالی "واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ" کا معنی ہے کہ حج اور عمرہ کو شروع کرو۔

پس جب تم حج اور عمرہ میں داخل ہو جاؤ تو دونوں کو تمام کرو تو "اتموا الحج والعمرۃ للّٰہ" کا حکم شروع کرنے اور تمام کرنے دونوں سے متعلق ہے یعنی "اقیموھما" یعنی دونوں کو قائم کرو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ثم اتموا الصیام الی اللیل" یعنی روزوں کو شروع کرو اور تمام کرو۔ حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج اور عمرہ کو ملا کر کرو کہ یہ دونوں فقر و فاقہ اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح کہ بھٹی لوہے، سونے، چاندی کی زنگ اور کھوٹ کو دور کرتی ہے اور مقبول حج کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مخلوق خدا میں سے جو آدمی بھی حج اور عمرہ کرنے کی طاقت رکھے اس پر حج اور عمرہ واجب ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ" اور جو (ایک دفعہ کے بعد) زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ اُمت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حج عمرہ تین طریقوں پر جائز ہے۔ ❶ افراد ❷ تمتع ❸ قران۔ افراد کی صورت یہ ہے کہ (ایام حج میں) صرف حج کرے پھر اس سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کرے اور تمتع کی صورت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور اعمال عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ سے حج کا احرام باندھے اور اسی سال حج کرے اور قران کی صورت یہ ہے کہ حج اور عمرہ کا دونوں کا احرام اکٹھے باندھے یا عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کا طواف شروع کرنے سے پہلے حج کو بھی اس میں داخل کر دے (یعنی نیت کرلے)۔ پس یہ قارن ہو جائے گا۔ ان تین صورتوں میں سے افضل صورت کے بارے میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ افراد افضل ہے اس کے بعد تمتع افضل ہے پھر قران افضل ہے، یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے۔

یہ اس لیے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر نکلے۔ پس بعض ہم میں سے وہ تھے جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا ہوا تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حج کا احرام باندھا ہوا تھا۔ بہر حال جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا وہ (احکام عمرہ ادا کر کے) احرام سے فارغ ہو گئے اور جن حضرات نے صرف حج کا احرام باندھا ہوا تھا یا حج عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہوا تھا پس وہ حلال نہ ہوئے (یعنی احرام سے باہر نہ آئے) حتیٰ کہ دسویں ذوالحجہ کا دن آ گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حج کے بارے میں بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ نکلے اور ہم نے سوائے حج کے اور کسی چیز کی نیت نہ کی اور نہ ہی ہم حج کے سوا عمرہ وغیرہ کو جانتے تھے اور ابن عمر سے روایت کی گئی ہے کہ بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج افراد فرمایا (صرف حج کا احرام باندھا اور ساتھ عمرہ کی نیت نہ کی) اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ قران افضل ہے اور یہ امام ثوری اور اصحاب الرائی کا قول ہے۔ انہوں نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لبیک بحجة و عمرة" کہ میں حج و عمرہ دونوں سے متعلق لبیک کہتے ہوئے احرام باندھتا ہوں۔

اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ تمتع افضل ہے اور احمد بن حنبل کا قول ہے اور اسحاق بن راہویہ (رحمہم اللہ) کا۔ انہوں نے اس روایت سے دلیل دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ کے ساتھ حج ملا کر تمتع فرمایا اور اپنے ساتھ ذوالحلیفہ سے ھدی (جانور) بھی ہانکا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہوئے اور عمرہ کا احرام باندھا۔ اس کے بعد پھر حج کا احرام باندھا اور حضور علیہ السلام کے ساتھ لوگوں نے بھی عمرہ کے ساتھ حج ملا کر تمتع کیا۔ پس بعض لوگ وہ تھے جنہوں نے اپنے ساتھ ھدی (جانور) ہانکا تھا اور بعض وہ تھے کہ اپنے ساتھ جانور نہ لائے تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو لوگوں کو فرمایا کہ جو تم میں سے اپنے ساتھ جانور لایا ہے اس کے لیے حج کی ادائیگی تک کوئی بھی وہ چیز حلال نہیں جو بوجہ احرام حرام ہے اور جو اپنے ساتھ جانور نہیں لایا وہ طواف بیت اللہ کر کے اور صفا و مروہ میں سعی کر کے تقصیر یعنی سر کے بال کتروا کر احرام کھول دے اور اس کے بعد پھر حج کا احرام باندھے اور جو ھدی (جانور) نہ پا سکے اسے چاہیے کہ ایام حج میں تین روزے رکھے اور سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے گھر لوٹے۔

پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ مکہ مکرمہ تشریف لائے پھر طواف کرے اور حجر اسود کا استلام کرے اور تین چکر (طواف) میں ہلکا ہلکا دوڑے اور بقیہ چار چکروں میں حسب معمول چلے اور بیت اللہ شریف کا طواف مکمل کرنے پر مقام ابراہیم علیہ السلام کے قریب دو رکعت نماز ادا کرے پھر سلام پھیر کر صفا کو آئے اور صفا و مروہ میں سات چکر لگائے۔ پھر بوجہ احرام جو چیزیں حرام تھیں ان کے ساتھ حلال والا معاملہ کرے (یعنی حالت احرام میں باقی رہے) حتیٰ کہ حج پورا کرے اور دسویں ذوالحجہ کو جانور نحر کرے پھر واپس آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کرے۔ پھر ہر چیز سے (جو بوجہ احرام ممنوع ہوں) حلال ہو جائے (یعنی احرام کھول دے) پھر اسی طرح کرے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

حضرت عروہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت فرماتے ہیں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمتع کے بارے میں خبر دی۔ پس لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا۔ اس کے آگے حدیث ویسے حدیث نقل کی جیسے سالم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ حضرات مفسرین کرام نے حضور علیہ السلام کے احرام کے متعلق اختلاف کیا۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب اختلاف الاحادیث میں مختصر کلام کی۔ بے شک اصحاب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بعض مفرد تھے بعض قارن تھے اور بعض متمتع اور ہر ایک آپ سے احکام حج لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی تعلیم سے ہدایات لینا۔ چنانچہ سب کی نسبت آپ علیہ السلام کی طرف کی گئی بریں معنی آپ نے اس چیز کا حکم دیا اور اجازت دی۔ پس لغت عرب میں یہ بات جائز ہے کہ حکم کرنے والے کی طرف اس چیز کی نسبت کی جائے۔ جیسا کہ جس کی خاطر کام کیا جائے اس کی طرف فعل کی نسبت کی جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فلاں نے یہ گھر بنایا اور اس سے مراد اس کے بنانے کا حکم کرنا مراد ہوتا ہے جس طرح روایت کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ماعز صحابی کو رجم فرمایا حالانکہ آپ نے رجم کا حکم فرمایا تھا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت جابر، حضرت عائشہ اور ابن عمر (رضی اللہ عنہم) کی روایت کی وجہ سے اِفراد کو پسند فرمایا اور ان کی روایت کو باقیوں کی روایت پر بہت وجوہ مقدم فرمایا۔

❶ پہلی وجہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت رکھنے کے لحاظ سے مقدم ہیں۔ پھر یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے واقعۂ حجۃ الوداع کو اول اور آخر میں باحسن طریق بیان فرمایا ہے۔

❷ دوسری وجہ ان کی روایت کو مقدم کرنے کی یہ ہے کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حافظۂ (قویہ) کی فضیلت حاصل ہے۔

❸ تیسری وجہ تقدیم روایت کی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وہ قرب ہے جو ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاصل تھا۔

یہ احادیث آنے والی حدیث ابن عمر اور حدیث عائشہ سے متعارض ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ کو حج کے ساتھ کر کے تمتع فرمایا۔

ابن شہاب نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ بے شک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمتع کے بارے میں خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کو حج کے ایام میں کر کے تمتع فرمایا۔ پس لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا آگے اسی طرح روایت ذکر کی جس طرح سالم نے عبداللہ بن عمر سے نقل کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عمرہ ہے جس کے ساتھ ہم نے تمتع کیا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تمتع کے بارے میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا۔ پس ہم نے بھی آپ کے ساتھ مل کر تمتع کیا۔ ہمارے شیخ امام نے فرمایا کہ جو کچھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صرف حج کی نیت سے نکلے۔ یہ روایت تمتع کے منافی نہیں ہے کیونکہ ان کا نکلنا تو حج کے ارادہ سے تھا پھر بعض حضرات نے عمرہ کو مقدم کیا اور بعض نے حج کا احرام باندھا۔ یہاں تک کہ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تمتع بنانے کا حکم دیا۔

"فان احصرتم" اس احصار کے بارے میں جو محرم کے لیے احرام کھولنے کو جائز کرتا ہے۔ علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہر وہ رکاوٹ جو محرم کو بیت اللہ شریف تک جانے میں مانع ہو اور احرام کے تقاضے پورا کرنے میں حائل ہو وہ رکاوٹ بوجہ دشمن کے ہو یا بوجہ مرض کے یا زخم ہو یا خرچہ ختم ہو گیا ہو یا سواری گم ہو گئی، یہ سب رکاوٹیں اس کے لیے احرام کھول دینے کو جائز کرتی ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے یہی فرمایا اور حضرت ابراہیم نخعی، حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت عطاء، حضرت

قتادہ، حضرت عروہ بن زبیر (رحمہم اللہ) کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اور اہل عراق اسی طرف گئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ کلام عرب میں احصار تکلیف اور مرض کی وجہ سے بند ہونے کا نام ہے۔ کسائی اور ابوعبیدہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں جو (بندش) مرض یا زادِ راہ ختم ہونے کی وجہ سے ہو بعض نے کہا کہ اس سے وہ محصور ہو گیا اور وہ "مُحْصَر" ہے اور جو دشمن کی بندش یا جیل جانے کے باعث ہو، بعض نے کہا کہ وہ بند کیا گیا ہے پس وہ محصور ہے یہاں دشمن کی حبس کے باعث احصار قرار دینا مرض کے احصار پر قیاس کرنا ہے جب کہ حبس دشمن مرض والی بندش کے معنی میں ہو۔ ان حضرات نے اس روایت سے دلیل دی ہے جو حضرت عکرمہ نے حجاج بن عمرو انصاری سے روایت کی۔ حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی کوئی ہڈی ٹوٹ گئی یا لنگڑا ہو گیا اس کے لیے اگلے سال حج کرنا حلال ہو گیا (یعنی اس تکلیف والے سال حج نہ کرے، احرام کھول دے بوجہ احصار کے اور آئندہ سال حج کرے)۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس اور ابوہریرہ (رضی اللہ عنہم) سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ (حجاج) نے سچ کہا گیا اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس احرام باندھنے والے کے لیے حلال ہونا یعنی احرام کھولنا سوائے دشمن کی بندش کے جائز نہیں ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور انہوں نے فرمایا سوائے دشمن کی بندش کے اور کوئی احصار نہیں ہے یہ مفہوم و معنی ابن عمر اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) سے بھی منقول ہے اور سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر (رحمہما اللہ) کا بھی یہی قول ہے اور اسی طرف امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور حضرت اسحاق (رحمہم اللہ) گئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے حصر اور احصار کا ایک معنی ہے اور حضرت ثعلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل عرب کہتے ہیں "حصرت الرجل عن حاجته فهو محصور" کہ میں نے آدمی کو اس کی حاجت سے روکا اور وہ محصور ہے اور اہل عرب کا یہ کہنا کہ "احصره العدو اذا منعه عن السير هو مُحْصَرٌ" کہ دشمن نے اس کو حصر کیا اور اس کو چلنے سے روکا۔ چنانچہ وہ محصر ہے۔ (گویا اہل عرب کے ہاں احصار اور حصر یا محصور اور محصر میں فرق ہے۔ چنانچہ حصر عام ہے کسی قسم کی رکاوٹ حاجت کو پورا کرنے میں واقع ہو جائے وہ حصر ہے اور وہ شخص محصور ہے اور احصار خاص دشمن کی رکاوٹ کا نام ہے جب کہ وہ سفر میں مانع ہو جائے اور وہ شخص محصر ہے۔

اس خاص امتیاز کے سلسلہ میں (جو کہ حصر و محصور اور احصار و محصر کے درمیان ہے) انہوں نے اس بات سے دلیل پکڑی ہے کہ یہ آیت کریمہ قصۂ حدیبیہ سے متعلق ہے اور اس سفر عمرہ میں جو حبس (رکاوٹ) واقع ہوئی وہ دشمن (کفار مکہ) کی طرف سے تھی اور اس موقف پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے جو کہ آیت کریمہ کے سیاق میں واقع ہے۔ "فاذا امنتم" پس جب تم امن والے ہو جاؤ اور امن خوف سے ہوتا ہے۔ ان حضرات نے حجاج بن عمرو کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے بوجہ اس مفہوم مدلول کے جو ابن عباس سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حصر تو صرف دشمن ہی کی حصر ہے اور بعض نے حجاج کی حدیث کی یوں تاویل کی ہے کہ ہڈی ٹوٹ جانے یا لنگڑا ہو جانے سے حلال ہونا اس وقت صحیح ہے جب احرام باندھتے وقت اس امر کی شرط لگائے جیسا کہ ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حج کرو اور اس امر کی شرط لگا لے۔ اے اللہ!

احرام سے میرا حلال ہونا اس وقت ہوگا جہاں تو مجھے روک لے پھر محصر (بند شدہ محرم) جانور ذبح کرکے یا سر منڈا کر احرام کھول دے اور ھدی (جانور) سے مراد بکری ہے اور اللہ کے اس فرمان "فما استیسر من الھدی" سے مراد بھی بکری ہے۔

اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس جانور کے ذبح ہونے کا مقام وہی جگہ ہے جہاں محرم محصر (بند) ہو جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیبیہ والے سال جانور اسی جگہ ذبح فرمایا تھا اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ محصر (بند شدہ محرم) اسی جگہ ٹھہرا رہے اور ایک جانور حرم بھیجے اور اس آدمی سے وعدہ لے لے جو اس جانور کو وہاں ذبح کرے پھر حسب وعدہ وہاں محرم احرام کھول دے۔ یہ اہل عراق کا قول ہے اور اگر محرم جو محصر ہے اگر جانور نہ پاسکے تو اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس ھدی (جانور) کا اور کوئی چیز بدل نہیں ہے۔

پس محرم احرام کھول دے اور جانور اس کے ذمہ رہا۔ جب پائے (ذبح کرے) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا بدل ہے پھر بدل کی صورت میں مختلف اقوال ہیں۔ پس ایک قول میں یہ ہے کہ اس پر اسی طرح روزے لازم ہیں جس طرح کہ متمتع پر لازم ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بکری کی دراہم کے ساتھ قیمت لگائی جائے اور دراہم کو طعام مسکین کی شکل دی جائے اور اس طعام کو صدقہ کردیا جائے اور اگر اطعام سے عاجز آجائے تو "لکل مُدٍّ" (سیر) طعام ایک دن روزہ رکھے جیسا کہ (بحالت احرام) خوشبو لگانے یا لباس پہننے کی شکل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ جب محرم کو گرمی سردی کی وجہ سے سر چھپانے کی ضرورت پڑے یا سلی ہوئی قمیص کی حاجت ہو جائے یا مریض ہو گیا اور خوشبو والی دوا لینے کی ضرورت پڑی تو وہ یہ کام کرے اور اس کے ذمہ فدیہ ہے اور اس کا فدیہ بالترتیب میانہ روی کے ساتھ یہ کہ اس پر بکری ذبح کرنا ہے۔ اگر بکری نہ پاسکے تو بکری کی دراہم کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی اور دراہم (درہموں) کے ساتھ طعام خریدے گا اور طعام (فی مسکین) صدقہ کرے گا اور اس سے بھی عاجز آجائے تو فی سیر طعام کے بدلے روزہ رکھے گا۔ پھر "مُحْصَر" (بند شدہ محرم) کا احرام اگر تو فرضی ہے جو اس پر ثابت شدہ ہے تو یہ فرض اس کے ذمہ رہا اور اگر نفلی حج ہے تو اس پر قضا ہے یا نہیں؟ اس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس پر قضا نہیں ہے اور یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس پر قضاء (حج) لازم ہے۔ یہ مجاہد اور علامہ شعبی اور نخعی اور اصحاب الرائی (رحمہم اللہ) کا قول ہے۔

"فما استیسر من الھدی" اس پر جو جانور میسر ہو لازم ہے اور لفظ "ما" کا محل (اعراب) رفع (پیش) ہے اور بعض نے کہا کہ ما محل نصب میں یعنی زبر میں ہے یعنی ما مفعول ہے تقدیر عبارت ہوگی۔ "فاھدِ ما استیسر" یعنی جو جانور آسانی سے مل سکے وہ بھیج دے اور لفظ "ھدی" "ہدیہ" کی جمع ہے اور یہ ہر اس جانور کا نام ہے جو بیت اللہ شریف کی طرف طلب ثواب کی نیت سے بھیجا جائے اور جو جانور با آسانی ہو سکے وہ بکری ہے یہ بات حضرت علی، حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) نے فرمائی کیونکہ بکری آسانی کے مفہوم کے زیادہ قریب ہے۔

حضرت حسن، حضرت قتادہ (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں ہدیہ کا اعلیٰ درجہ اونٹ ہے درمیانہ درجہ گائے ہے اور ادنیٰ درجہ بکری

ہے۔"ولا تحلقوا رؤسکم حتّی یبلغ الھدی محلہ" اس محل میں انہوں نے اختلاف کیا ہے جس جگہ جانور پہنچے پر محرم احرام کھول سکتا ہے۔ پس بعض نے کہا کہ وہ مقام یہ ہے کہ جس جگہ محرم محصر ہوا ہے اسی جگہ جانور ذبح کردیا جائے چاہے وہ مقام (حل یعنی حرم سے باہر کا علاقہ ہو یا وہ مقام مقام حرم ہو اور "محلہ" کا معنی ہے جہاں اس جانور کا ذبح ہونا حلال ہو۔

عبداللہ بن زبیر نے مسور بن مخرمہ (رضی اللہ عنہ) سے واقعہ حدیبیہ سے متعلق روایت کی مسور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب معاہدہ سے متعلق کتابت ہو چکی تو حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور نحر کرو یعنی جانور اونٹ وغیرہ ذبح کرو اور سر منڈاؤ۔ پس اللہ کی قسم ان میں سے ایک آدمی بھی نہ اٹھا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار ہا فرمایا۔ جب ان میں سے کوئی بھی نہ اٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب سے آپ کو جو کوفت پہنچی اس کا ذکر کیا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا نبی اللہ! اگر آپ علیہ السلام یہ چیز محبوب رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نحر اور حلق کریں تو اس سلسلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی بات نہ کریں حتیٰ کہ آپ علیہ السلام اپنا بدنہ (اونٹ) ذبح کریں اور اپنے نائی کو بلائیں کہ وہ آپ علیہ السلام کا سر مونڈ دے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام باہر تشریف لائے اور کسی سے کوئی بات نہ کی حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے ایسا کیا اور اپنا اونٹ نحر کیا اور اپنے نائی کو بلایا۔ پس اس نے آپ علیہ السلام کا سر مونڈا۔ پس جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کا یہ عمل دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے ہو گئے اور انہوں نے (جانور) نحر کیے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض کے سر اسی طرح (جلدی اور عجلت میں (مونڈے حتیٰ کہ بعض بعض کو قتل کرنے کے قریب ہو گئے یعنی غم اور بھیڑ کرنے کے باعث۔ اور بعض کہتے ہیں کہ محصر کے جانور کے ذبح کرنے کی جگہ حرم مقدس کی سرزمین ہے۔ پس اگر حاجی ہے تو جانور ذبح کرنے کا وقت دسویں ذوالحجہ ہے اور اگر وہ محصر عمرہ کرنے والا ہے تو اس جانور کے ذبح کرنے کا وقت وہی ہے جس وقت وہ جانور حرم مقدس میں پہنچ جائے۔

"فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ" اس کا معنی ہے کہ تم حالت احرام میں سر نہ منڈاؤ مگر یہ کہ تم مرض یا سر میں تکلیف جو جوؤں کی وجہ سے ہو یا سر درد کی وجہ سے ہو سر منڈانے پر مجبور ہو جاؤ "ففدیۃ" اس میں اضمار ہے۔ پس اس نے سر منڈایا تو اس پر فدیہ ہے یہ آیت کریمہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

کعب بن عجرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یعنی کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جوئیں ان کے منہ پر گر رہی ہیں۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تیرے کیڑے وغیرہ تجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہاں! پس ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سر منڈا دے اور وہ حدیبیہ میں تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ اس مقام پر احرام کھولیں گے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس اُمید پر تھے کہ وہ مکہ میں داخل ہوں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فدیہ کا حکم نازل فرمایا۔ پس کعب رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام نے حکم دیا۔

کہ وہ چھ مساکین کو کھانا دیں یا بکری ذبح کریں یا تین دن روزہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ففدیۃ من صیام" تین دن

"او صدقة" یعنی تین صاع طعام چھ مساکین پر تقسیم کردے ہر مسکین کو آدھا صاع "او نسک" "نسک کا مفرد نسیکہ یعنی ذبیحہ جس کا اعلیٰ درجہ بدنہ یعنی اونٹ اور درمیانہ درجہ گائے ہے اور ادنیٰ درجہ بکری ہے ان میں جو چاہے ذبح کرے۔ پس یہ فدیہ اختیاری ہے اور اندازہ پر ہے۔ محرم کو اختیار ہے کہ جانور ذبح کرے یا روزہ رکھے یا صدقہ کرے اور ہر جانور یا طعام جو اس محرم کو لازم ہے جو مکہ مکرمہ میں ہو اور اسے مساکین حرم پر صدقہ کرے۔ سوائے اس جانور کے جو "محصر" (راستہ میں بوجہ رکاوٹ رُک جائے اور حج یا عمرہ نہ کرسکے) پر لازم ہو۔ پس وہ جانور وہیں ذبح کرے جہاں اسے بند کردیا گیا ہو اور بہرحال روزہ اس کے لیے جائز ہے جہاں چاہے رکھے۔ "فاذا امنتم" جب تم اپنے خوف کی حالت سے امن کی حالت کی طرف آجاؤ اور اپنی بیماری سے تندرست ہو جاؤ۔ "فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى" اس حصہ میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس طرف گئے ہیں۔ بے شک اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص روک دیا جائے حتیٰ کہ اس کا حج فوت ہو جائے اور وہ احرام نہ کھول لیں پس وہ مکہ مکرمہ آئے اور عمرہ کے اعمال کر کے احرام سے باہر آجائے اور اپنے اس احلال یعنی عمرہ کر کے احرام کو کھولنے کے باعث وہ آئندہ سال تک نفع اُٹھائے پھر حج کرے تو اس احلال یعنی احرام سے باہر آکر آئندہ سال دوسرا احرام باندھنے تک وہ متمتع ہوا یعنی نفع اُٹھانے والا ہوا۔

اور بعض نے کہا اس کا معنی ہے پس جب تم حالت امن میں آجاؤ اور اپنے احرام سے احصار کے بعد فارغ ہو جاؤ اور اپنا عمرہ تم ادا نہ کرو اور آئندہ سال تک عمرہ کو مؤخر کردو، پھر حج کے مہینوں میں تم عمرہ کرو، پھر عمرہ کر کے احرام کھول دو۔ پس تم تمتع کرو یعنی حج کے احرام تک احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حلال والی آزادیوں سے نفع اٹھاؤ پھر اس کے بعد تم حج کا احرام باندھو۔ پس تم پر لازم ہے کہ جو جانور میسر ہو سکے (ذبح کرو) یہ قول علقمہ اور ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کا ہے۔ ابن عباس اور عطاء اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس جگہ وہ آدمی مراد ہے جو دُنیا کے کسی کونے سے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے آئے۔ پس وہ عمرہ کرے اور احرام کھول کر مکہ مکرمہ میں ٹھہر جائے حتیٰ کہ انہیں حج کے مہینوں میں حج ادا کرے۔ پس اسی سال وہ حج کرے تو وہ احرام عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے احرام باندھنے تک درمیانی مدت میں حلال ہونے کے منافع سے مستفید ہونے والا ہو کر وہ متمتع ہوا تو تمتع کا معنی عمرہ کے احرام سے فارغ ہو کر حج کے احرام باندھنے تک درمیانی مدت میں احرام سے آزادی والے منافع سے نفع اُٹھانا ہوا اور تمتع والی صورت میں جانور ذبح کرنے کے واجب ہونے کے لیے چار شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ عمرہ کا احرام حج کے مہینوں میں باندھے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اسی سال حج کا احرام باندھے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ حج کا احرام مکہ مکرمہ سے باندھے اور حج کے احرام کے لیے میقات کی طرف واپس نہ لوٹے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ مسجد حرام میں حاضر ہو۔ پس جس میں یہ چار شرطیں پائی جائیں۔ اس محرم پر لازم ہے جو جانور میسر ہو ذبح کرے اور وہ (آسان جانور) بکری ہے اور اسے دسویں ذوالحجہ کو ذبح کرے اور اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد دسویں ذوالحجہ سے پہلے جانور ذبح کرے تو بعض اہل علم کے نزدیک جائز ہے۔ جیسا کہ وہ جانور دسویں ذوالحجہ سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے

جو کسی جنایہ (احرام والی پابندی کے خلاف ورزی کرنے یا کسی اور حکم حج کے خلاف کرنے) کے باعث لازم ہو اور بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ دم تمتع (یعنی تمتع جو جانور لازم ہو) دسویں ذوالحجہ سے پہلے ذبح کرنا ایسا ہی جائز نہیں جس طرح کہ قربانی کا جانور دسویں ذوالحجہ سے پہلے جائز نہیں ہے۔

"فمن لم یجد "ھدی کا (جانور نہ پائے) "فصیام ثلاثۃ ایام فی الحج" یعنی تین دن روزہ رکھو کم از کم یہ کہ آٹھویں ذوالحجہ سے ایک دن پہلے دوسرا روزہ آٹھویں ذوالحجہ تیسرا روزہ نویں ذوالحجہ کو رکھے اور اگر ان تاریخوں سے پہلے اور احرام حج باندھنے کے بعد بھی تین دن روزہ رکھے تو یہ بھی جائز ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک دسویں ذوالحجہ یا ایام تشریق (گیارہویں بارہویں تیرہویں ذوالحجہ) میں یہ روزے جائز نہیں ہیں اور بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ ایام تشریق میں بھی یہ روزے رکھنے جائز ہیں۔ یہ مؤقف اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) سے منقول ہے۔ یہ امام مالک اوزاعی، امام احمد اور اسحاق (رحمہم اللہ) کا قول بھی ہے۔

"وسبعۃ اذا رجعتم" سات دن روزے اس وقت رکھو جب تم اپنے گھر اور اپنے شہر واپس لوٹ آؤ اور اگر سات روزے گھر لوٹنے سے پہلے رکھے تو جائز نہ ہوں گے اور یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اور بعض نے کہا کہ اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھنے بھی جائز ہیں اور آیت کریمہ میں "اذا رجعتم" کے ساتھ جس رجوع کا ذکر ہے اس سے مراد بھی یہی ہے۔ "تلک عشرۃ کاملۃ" اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر تاکیداً کیا ہے اور یہ اس لیے کہ اہل عرب حساب میں مجمل رہنمائی مزید تشریح اور اضافی بیان کی طرف محتاج ہوتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ یعنی دس دن روزے لازم ہیں تین دن ایام حج میں اور سات دن جب تم لوٹو۔ پس یہ مکمل دس ہو گئے اور کہا گیا ہے کہ "عشرۃ کاملۃ" کا معنی ہے کہ اجر وثواب میں کامل ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ دس دن روزے اس مراد میں کامل ہیں جو کہ ھدی (جانور) کے بدلہ روزوں کو رکھا گیا۔ (دس دن کے روزے جانور ذبح کرنے کا بدل کامل ہیں ناقص نہیں ہیں) اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی شروط وحدود کامل ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ جملہ لفظاً خبر ہے اور معنی کے لحاظ سے امر ہے۔ گویا مراد یہ ہے کہ "فاکملوھا ولا تنقصوھا" ان کو کامل طریق پر رکھو، ناقص نہ کرو "ذالک" یعنی یہ حکم "لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام" حاضری المسجد الحرام کے مفہوم میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں اور یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اہل حرم ہیں یہی طاؤس نے کہا اور ابن جریج نے کہا اس سے مراد اہل عرفہ۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حاضری المسجد الحرام سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا وطن ومسکن مکہ مکرمہ سے مسافت قصر (یعنی اتنے سفر سے کم فاصلہ پر ہو جس سفر کے باعث شرعاً نماز میں قصر لازم آتی ہے) سے کم فاصلہ پر ہو۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاضری المسجد الحرام سے مراد وہ ہے جو میقات یا میقات کے اندر اندر ساکن ہو۔ یہ اصحاب الرائی کا قول ہے اور دم قران دم تمتع کی طرح ہے (قران وہ حج ہے جس میں حج کے مہینوں میں حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا جائے۔ اس

میں بھی اسی طرح جانور ذبح کرنا واجب ہے جس طرح کہ تمتع میں۔ اس جانور ذبح کرنے کو دمِ قران کہا جاتا ہے۔)

اور کی جب قران یا تمتع کرے تو اس پر ھدی (جانور) واجب نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ مہاجرین وانصار اور ازواج مطہرات نے حجۃ الوداع میں احرام باندھا اور ہم نے بھی احرام باندھا جب ہم مکہ مکرمہ آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اپنے حج والے احرام کو عمرہ بنا دو یعنی اس میں عمرہ کی نیت کرلو مگر وہ شخص جس نے ھدی (جانور) کو قلادہ باندھا ہو یعنی جانور ہمراہ لایا ہو۔ ہم نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور صفا ومروہ میں سعی کی اور عورتوں کے پاس آئے۔ (ان سے جماع کیا) حسب معمول کپڑے پہنے پھر آٹھویں ذوالحجہ (ترویہ) کی شام ہم حکم دیئے گئے کہ حج کا احرام باندھیں۔ پس جب ہم فارغ ہوئے تو ہمارا حج تمام ہوگیا۔ "وعلینا الھدی" اور ہم پر جانور ذبح کرنا واجب ہوا تو حضرات نے ایک سال میں (حج کے مہینوں میں) دو عبادتیں جمع کیں یعنی حج اور عمرہ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب۔

اور ایسا کرنا مکہ والوں کے سوا باقی عام لوگوں کے لیے جائز قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ذالک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام" کہ یہ اس کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں اور جس کا حج فوت ہو جائے اور حج کا فوت ہونا وقوف عرفہ کے فوت ہونے سے ہے۔ یہاں تک کہ دسویں ذوالحجہ کی طلوع فجر ہو جائے۔ پس یہ شخص عمرہ کے اعمال کر کے اپنے احرام کو کھول دے گا اور آئندہ سال اس پر قضاء (حج) لازم ہوگی اور فدیہ بھی لازم اور یہ فدیہ تمتع اور قران والے فدیہ کی ترتیب اور اندازے کے مطابق ہوگا۔

سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ بے شک ھبار بن اسود یوم النحر دسویں ذوالحجہ کو آئے اور سیدنا فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا ھدی (جانور) نحر فرما رہے تھے۔ اس نے عرض کیا یا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ہم نے (چاند کی) گنتی میں غلطی کی۔ ہم گمان کرتے تھے کہ آج یوم العرفہ نویں ذوالحجہ کا دن ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم صادر فرمایا کہ تو بھی مکہ مکرمہ جا اور تیرے ساتھی بھی جائیں وہاں تو اور تیرے ساتھی بیت اللہ شریف کا طواف کریں اور تم صفا ومروہ میں دوڑ و اور جانور ذبح کروا کر تمہارے ساتھ ہو تو پھر تم سر منڈواؤ یا کترواؤ۔ پھر تم لوٹ جاؤ۔ پھر جب آئندہ سال آئے پس تم حج کرو اور ساتھ ھدی (جانور) بھی لاؤ اور جو شخص جانور نہ پا سکے تو ایام حج میں تین دن روزہ رکھنا لازم ہیں اور سات روزے اس وقت جب تم واپس گھر لوٹو۔ "واتقوا اللہ" احکام کی ادائیگی میں (اللہ سے ڈرو) "واعلموا ان اللہ شدید العقاب" ارتکاب مناہی پر یعنی اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کو اگر عمل میں لایا جائے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

ترجمہ: (زمانہ افعال) حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (شوال ذیقعدہ اور دس تاریخیں ذی الحجہ کی) سو جو شخص ان میں (اپنے ذمہ) حج مقرر کرلے تو پھر (اس کو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست ہے) اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے اور جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے اور (جب حج کو جانے لگو) خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں (گداگری سے) بچنا ہے اور اے ذی عقل لوگو مجھ سے ڈرتے رہو۔

تفسیر: ● "الحج اشهر معلومات" حج کا وقت معلوم مہینے ہیں اور یہ ماہ شوال اور ذوالقعدہ اور نو (۹) دن ذوالحجہ کے دسویں ذوالحجہ کی طلوع فجر تک۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ "اشهر معلومات شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں اور دونوں باتیں درست ہیں اور ان باتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے جس نے دس ذوالحجہ کا قول کیا اس نے ذوالحجہ کی راتیں شمار کیں اور راتوں سے تعبیر کیا اور جس نے کا قول کیا اس نے دنوں سے تعبیر کیا یعنی صرف دن مراد لیے کیونکہ اشھر حج کا آخری دن یوم العرفہ ہے اور وہ نویں ذوالحجہ ہے۔ پھر "اشهر" جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا جبکہ جمع کے لیے تین مہینے ضروری ہیں اور یہ دو ماہ اور چند دن ہیں۔ جواب یہ ہے کہ تیسرا مہینہ بھی حج کا وقت ہے (اگرچہ بعض سہی) اور اہل عرب وقت کو تھوڑا ہو یا زیادہ مکمل شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ (عربی) کہتا ہے "اتیتک یوم الخمیس" میں تیرے پاس خمیس والے دن آؤں گا۔

(حالانکہ سارا دن خمیس کا تو آنے کا فعل نہیں واقع ہوتا) بلکہ آنا تو صرف خمیس کی ایک گھڑی ہی میں ہے اور اہل عرب کہتے ہیں "زرتک العام" میں نے تیری اس سال زیارت کی حالانکہ پورا سال زیارت نہیں ہوتی بلکہ سال کے بعض حصے میں زیارت ہوتی ہے اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ دو اور دو سے زیادہ بھی جمع ہے کیونکہ جمع کا لغوی معنی شئی کو شئی کے ساتھ ملانے کے ہیں۔ پس جب دو کو جماعت (جمع) کا نام دینا درست ہے تو دو اور بعض تیسرے کو جمع (بطریق اولیٰ) کہا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو کو لفظ جمع سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فقد صغت قلوبكما" اصل میں "قلبا كما" ہونا چاہیے تم دونوں کے دل (دو آدمیوں کے دو ہی دل ہوتے ہیں۔)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اشھر سے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ مکمل مراد لیا ہے کیونکہ حاجی پر نویں ذوالحجہ کے بعد بھی کچھ کام ذمہ میں رہتے ہیں۔ مثلاً کنکر مارنا، جانور ذبح کرنا، حلق کرانا، طواف زیارت کرنا، منیٰ میں رات گزارنا تو یہ کام بھی حج کے حکم میں ہیں۔ "فمن فرض فيهن الحج" پس جس شخص نے "لبیک اللّٰھم لبیک" کہہ کر اور احرام باندھ کر اپنے اوپر حج کو واجب کرلیا اور لفظ "فیھن" سے معلوم ہوا کہ جو احرام اشھر حج کے علاوہ کسی اور وقت میں باندھا جائے اس سے وہ احرام برائے حج منعقد نہ ہوگا اور یہ قول ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم کا ہے۔ عطاء، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اسی طرح اوزاعی اور امام شافعی رحمہما اللہ گئے ہیں۔ سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (اشھر حج کے علاوہ اگر کسی وقت احرام باندھا جائے تو وہ احرام برائے حج تو نہیں ہوگا البتہ) وہ احرام عمرہ کے لیے واقع ہوگا۔ (باقی اوقات میں باندھے گئے احرام کا حج کے لیے واقع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مہینوں کو حج کی فرضیت کے لیے خاص فرمایا۔

اب اگر باقی اوقات میں باندھا گیا احرام بھی حج کے لیے منعقد ہو جائے تو حج کے مہینوں کا حج کے ساتھ خاص ہونے کا کچھ فائدہ نہ رہے گا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے نمازوں کو ان کے اوقات کے ساتھ خاص فرمایا۔ پھر اس کے بعد اگر کوئی شخص کسی نماز کے وقت آنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ لے تو یہ تکبیر تحریمہ اس فرض نماز کے لیے منعقد نہ ہوگی اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ باقی اوقات میں باندھے گئے احرام پر حج کی ادائیگی کا انعقاد درست ہوگا اور یہ امام مالک اور ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔ باقی رہا عمرہ تو پورے سال کے اوقات عمرہ کا وقت ہیں مگر یہ کہ کوئی شخص اعمال حج میں معروف ہو (تو اس وقت وہ شخص عمرہ نہیں کر سکتا) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی کہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے۔ پس جب بھی وہ سر دھونے باہر نکلتے اور عمرہ فرماتے۔ "فلا رفث ولا فسوق" ابن کثیر اور اہل بصرہ نے "فلا رفثٌ ولا فسوقٌ" پیش اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے زبر کے ساتھ بغیر تنوین کے پڑھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا جدال فی الحج" اور ابوجعفر نے سب کو پیش اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور رفث میں انہوں نے اختلاف کیا (یعنی رفث کے معنی میں اختلاف کیا) ابن مسعود اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا "رفث" سے مراد جماع ہے اور یہ قول حسن اور مجاہد اور عمرو بن دینار اور قتادہ اور عکرمہ اور ربیع اور ابراہیم نخعی کا ہے اور علی بن ابی طلحہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رفث کا معنی ہے عورتوں پر چھا جانا یعنی عورتوں سے اختلاط، بوسہ اور غمز یعنی ٹٹولنا اور فحش اشارے اور عورتوں کو فحش کلام کے ساتھ پیش آنا۔ حصین بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اونٹ کی دم ہاتھ میں لے کر اس کو اس حال میں مروڑنا شروع کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حدی خوانی کر رہے تھے اور یہ شعر فرما رہے تھے:

"وَهُنَّ یمشین بنا همیسا　ان تصدق الطیر ننک لمیسا"

ترجمہ: (وہ (اونٹ) ہمیں لے کر آہستہ چل رہے ہیں اگر پرندے نے سچ کہا (فال درست نکلی) تو لمیس سے جماع کریں گے)

حصین بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا آپ رفث فرما رہے ہیں حالانکہ آپ محرم ہیں تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رفث اس فحش گفتگو کا نام ہے جو عورتوں کی موجودگی میں کی جائے۔ طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رفث یہ ہے کہ عورتوں سے جماع کرنے کے ساتھ اشارہ و کنایہ میں بات کرنا اور ان کی موجودگی میں جماع کا ذکر کرنا۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رفث کا معنی ہے کہ مرد عورت کو حالت احرام میں کہے جب میں احرام سے فارغ ہوا تو تجھے پہنچوں گا (تجھ سے جماع کروں گا)

اور بعض نے کہا ہے کہ رفث فحش گفتگو اور قول قبیح کرنا ہے۔ بہر حال الفسوق پس ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ الفسوق ہر قسم کے معاصی کا نام ہے اور یہ طاؤس کا قول ہے حسن کا سعید بن جبیر قتادہ زہری ربیع اور قرظی (رحمہم اللہ) کا قول بھی یہی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فسوق کا معنی ہے اس عمل کا ارتکاب کرنا جس سے محرم کو حالت احرام میں کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً شکاری جانور قتل کرنا، ناخن کترنا اور بال لینا یا اس قسم کے مشابہ کام کرنا (جن کا کرنا محرم کے لیے جائز نہیں) ابراہیم اور عطاء اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے

ہیں کہ فسوق سے مراد گالی گلوچ کرنا ہے ان کی دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر" کہ مسلمان کو گالی دینا فسوق ہے اور مسلمان کے ساتھ قتال کرنا (بوجہ مسلمان ہونے کے) کفر ہے۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الفسوق التنابز بالالقاب" کا نام یعنی مسلمان بھائی کو برے لقب کے ساتھ بلانا یا ذکر کرنا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ علیہ السلام فرما رہے تھے (جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حج کیا اور اس میں فحش کلامی عورتوں کی موجودگی میں نہ کی) یعنی رفث نہ کیا اور نہ احرام کی حد بندیوں کی خلاف ورزی کی وہ شخص حج کر کے واپس اپنے گناہوں سے (پاک) اس حال میں لوٹا جیسا کہ اس کی ماں نے اس کو آج جنا ہے۔ "ولا جدال فی الحج" ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جدال یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے لڑائی جھگڑا اس حد تک کرے کہ اس کو ناراض کردے۔ عمرو بن دینار، سعید بن جبیر، عکرمہ، زہری، عطاء اور قتادہ (رحمہم اللہ) کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جدال کا معنی یہ ہے کہ بعض کہیں حج آج ہے اور بعض کہیں حج کل ہے (گویا جدال یعنی جھگڑا کا معنی یہ ہے کہ حج کے دن متعین کرنے میں جھگڑا کریں)۔ قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جدال (جھگڑا) کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ جب منیٰ میں قریش جمع ہوتے تو کچھ کہتے کہ ہمارا حج تمہارے حج سے زیادہ تمام ہے اور دیگر کہتے کہ نہیں ہمارا حج تمہارے حج سے زیادہ تمام ہے۔

مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حجۃ الوداع کے موقع پر جبکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حج کا احرام باندھ چکے تھے، فرمایا اپنے حج والے احرام کو عمرہ کا احرام بنا دو مگر وہ عمرہ کا احرام نہ بنائیں جو اپنے ساتھ جانور کو قلادہ باندھ کر لا چکے ہیں تو احرام والے حضرات بولے ہم اس احرام کو عمرہ کا احرام کیسے بنا سکتے ہیں جبکہ ہم حج کا نام لے چکے ہیں؟ پس اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے جدال کا نام دیا۔

ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجاج کرام مختلف جگہوں پر وقوف (عرفات) کرتے اور ہر گروہ یہ کہتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ٹھہرنے کی جگہ یہی ہے جہاں ہم ٹھہرے ہیں۔ پس اس سلسلہ میں وہ جھگڑتے تھے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ جدال بایں طور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ عرفات میں ٹھہرتے اور بعض مزدلفہ میں ٹھہرتے اور بعض ذوالقعدہ میں حج کرتے، بعض ذوالحجہ میں حج کرتے اور ہر فریق کہتا کہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہی ٹھیک ہے درست ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ولا جدال فی الحج" یعنی حج کا طریق کار اسی طرح مستحکم ومضبوط ہوگیا جس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا، اب اس کے بعد کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے اور حضور علیہ السلام کے اس فرمان کا (کہ زمانہ اسی شکل وصورت پر گھومتا ہے جس حالت پر اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا) یہی معنی ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لا جدال کا معنی ہے کہ حج میں شک نہیں ہے کہ وہ ذوالحجہ میں ہی ہے پس نسئی باطل ہوگیا

(فسوق زمانہ جاہلیت کے اس طریق کار کا نام ہے کہ مہینوں میں آگے پیچھے کرکے ردوبدل کرتے تھے) اہل معانی یعنی علم معانی والے فرماتے ہیں کہ "لاجدال وغیرہ" بظاہر نفی ہے یعنی خبر ہے درحقیقت نہی ہے یعنی جملہ انشائیہ ہے لہٰذا "لارفث" کا معنی ہوگا۔ "لاترفثو" یعنی رفث نہ کرو "ولا فسوق" کا معنی ہے فسق نہ کرو اور لاجدال کا معنی ہے کہ جھگڑا وغیرہ نہ کرو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لاریب فیہ" معنی ہے "لا ترتابوا" شک نہ کرو "وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ" یعنی اس پر کچھ مخفی نہیں ہے۔ پس تمہیں اس کی جزا دے گا۔ "وتزودوا فان خیر الزاد التقوی" یہ آیت یمن کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بغیر زادِ راہ کے حج کے لیے نکلتے اور کہتے ہم متوکل لوگ ہیں اور کہتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے گھر کا حج کرنے جارہے ہیں کیا وہ ہمیں کھانا بھی نہ دے گا۔ پھر جب مکہ مکرمہ آتے تو لوگوں سے مانگنا شروع کردیتے اور کبھی یہ حالت چھینا جھپٹی تک جا پہنچتی تو اللہ جل ذکرہ نے فرمایا "وتزودوا" یعنی اس قدر زادِ راہ اٹھالیا کرو جس سے تم حج کرسکو اور اپنے چہرہ کو سوال کی ذلت سے بچاؤ۔ اہل تفسیر زاد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کیک، کشمش، ستو اور کھجور وغیرہ ہیں۔ "فان خیر الزاد التقوی" سوال اور چھینا جھپٹی سے (بچنا بہترین زادِ راہ ہے) "واتقون یا اولی الالباب" اے عقل والو.....

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ: تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو (تمہاری قسمت میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر الحرام کے پاس (مزدلفہ میں شب کو قیام کرکے) خدا تعالیٰ کو یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (نہ یہ کہ اپنی رائے کو دخل دو) اور حقیقت میں قبل اس کے تم محض ہی ناواقف تھے۔

تفسیر: ۱۹۸ "لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم"

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت کی منڈیاں (بازار) تھیں (یعنی ان میں خرید و فروخت ہوتی تھی) جب اسلام آیا تو لوگوں نے ایام حج میں تجارت کو گناہ تصور کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم" مواسم حج میں (یعنی ایام حج میں تجارت کرکے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسا ہی پڑھا۔ ابوامامہ تیمی سے روایت کیا گیا ہے فرماتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ وہ لوگ ہیں کہ حج کے (آنے جانے کے) سلسلہ سواریاں کرایہ پر دیتے ہیں (اور ساتھ حج بھی کرتے ہیں) اب لوگوں کا گمان ہے کہ اس طرح ہمارا حج نہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم احرام نہیں باندھتے جیسا کہ لوگ احرام باندھتے ہیں اور تم طواف کرتے ہو جس طرح کہ لوگ طواف کرتے ہیں اور کنکر بھی مارتے ہو جس طرح کہ لوگ کنکر مارتے ہیں؟ ابوامامہ تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

کہ میں نے کہا کہ بالکل ایسا کرتے ہیں تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر تو حاجی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے حضور علیہ السلام سے یہی سوال کیا جو سوال تم نے مجھ سے کیا ہے تو حضور علیہ السلام نے اس شخص کو کچھ جواب نہ دیا حتیٰ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے "لیس علیکم جناح" یعنی حرج (نہیں ہے) کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو یعنی ایام حج میں تجارت کر کے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو "فاذا افضتم" واپس ہوو افاضہ کا معنی ہے بھیڑ کی شکل میں واپس ہونا اس کا اصل قول عرب کے مطابق یوں ہے "افاض الرجل ماءہ" یعنی اس کو انڈیلا (من عرفات) عرفات عرفہ کی جمع ہے۔ عرفہ اگرچہ ایک خاص جگہ کا نام ہے چونکہ اس کے آس پاس والے یہاں جمع ہوتے ہیں اس اعتبار سے جمع لایا گیا جیسا کہ ان کا کہنا ہے "ثوب اخلاق" یعنی پرانا کپڑا عرفات کو عرفہ کیوں کہتے ہیں۔ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احکام حج دکھاتے سمجھاتے رہے اور ساتھ فرماتے رہے "اعرفت" کیا آپ جان گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جواباً فرماتے "عرفت" ہاں میں پہچان گیا۔ پس (اس باہمی محاورہ کے اعتبار سے) اس جگہ کو عرفات کا نام دیا گیا اور دن کو عرفہ کا نام دیا گیا۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام زمین کی طرف اتارے گئے تو سرزمین ہند میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت حوا جدہ میں اتریں تو ہر ایک نے ایک دوسرے کو تلاش کرنا شروع کیا تو نویں ذوالحجہ یوم عرفہ کو عرفات کے مقام پر دونوں جمع ہو گئے اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تو اس باہمی تعارف کے باعث اس دن کا نام عرفہ اور جگہ کا نام عرفات پڑ گیا۔

علامہ سدی فرماتے ہیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کے لیے پکارا اور سب نے لبیک کی تو سب نے (پکار کا جواب دیا) اور جن کو آنا تھا وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا کہ عرفات میں جائیں اور علامات سے ان کو بتا دیا جب عقبہ کو پہنچے تو شیطان سامنے آ گیا تاکہ آپ کو واپس لوٹائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو سات کنکر مارے اور ہر کنکر کے ساتھ اللہ اکبر فرمایا۔ پس شیطان بھاگ گیا اور جمرۂ ثانیہ پر آ گیا پس وہاں بھی کنکر مارے اور تکبیر فرمائی۔ شیطان وہاں سے بھی بھاگا اور جمرۂ ثالثہ پر آ گرا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں بھی شیطان کو مارا اور تکبیر فرمائی۔ جب شیطان نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے کہنے میں نہیں آ رہے چلا گیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے یہاں تک کہ آپ ذوالمجاز آئے۔ پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو نہ پہچان سکے۔ پس وہاں سے گزر گئے تو اس جگہ کا نام ذوالمجاز رکھا گیا۔ (گزرنے کی جگہ)

پھر چلے حتیٰ کہ عرفات میں آ ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ کی بیان کی گئی علامات و صفات کے مطابق مقام عرفات کو پہچان لیا۔ پس اس پہچاننے کے وقت کو عرفہ اور جگہ کا نام عرفات رکھا گیا حتیٰ کہ جب شام ہوئی تو قریب ہوئے یعنی مقام جمع کے قریب ہوئے۔ پس اس کا نام مزدلفہ رکھا گیا۔ ابو صالح سے روایت کی گئی ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آٹھ ذوالحجہ کی شب کو خواب میں دیکھا کہ اُسے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا

حکم دیا جارہا ہے۔ جب آپ نے صبح کی تو وہ دن سارا سوچ میں گزارا کہ یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے؟ تو اس دن کا نام یوم الترویہ رکھا (یعنی سوچ بچار کا دن) اس کے بعد نویں ذوالحجہ کی شب کو پھر وہی خواب دیکھا۔ پس جب آپ نے صبح کی تو یہ بات جان گئے پہچان گئے کہ یہ خواب من جانب اللہ ہے۔ پس اس پہچان کے سبب اس دن کا نام یوم العرفہ رکھا گیا۔

اور بعض نے کہا کہ اس دن کا نام یوم العرفہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس دن عرفات کے پہاڑوں پر چڑھتے ہیں اور عرب والے بلند جگہ کو عرفہ کہتے ہیں مرغا کی کلغی کو بھی بلند و بالا ہونے کی وجہ سے "عُرف الدیک" کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس دن کا نام عرفہ اس لیے رکھا گیا کہ لوگ اس دن اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ عرفہ کا نام اس لئے رکھا گیا کہ عرفہ عرف سے ہے اور عرف خوشبو کو کہا جاتا ہے اور منیٰ کو منیٰ اس لیے منیٰ کا نام دیا گیا کہ لوگ اس میں خون بہاتے ہیں جس کی وجہ سے وہاں گوبر اور خون ہوتا ہے اور وہ جگہ خوشبودار نہیں ہوتی بخلاف عرفات کے کہ وہ گوبر وغیرہ سے پاک ہے لہٰذا خوشبودار ہوتی ہے۔

"فاذکروا اللّٰہ" دعا اور "لبیک اللّٰھم لبیک" کے ساتھ "عند المشعر الحرام" اور وہ مزدلفہ کے دو پہاڑوں کے درمیان عرفہ سے پتھر پھینکنے کی جگہ سے لے کر محسر تک ماوزمان اور محسر مشعر حرام سے نہیں مشعر کا نام شعار سے لیا گیا ہے شعار کے معنی علامت کے ہیں چونکہ یہ حج کی علامات سے ہے (اس لیے اسے مشعر کہا گیا) حرام کا اصل معنی منع کرنا ہے مشعر حرام کو حرام اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس میں چند چیزیں کرنا ممنوع ہیں۔ مزدلفہ کو جمع اس لیے کہا گیا کہ اس میں مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھا جاتا ہے۔ عرفات سے واپسی غروب آفتاب کے بعد ہوتی ہے اور جمع یعنی مزدلفہ سے واپسی دسویں ذوالحجہ کو طلوع آفتاب سے پہلے ہوتی ہے۔ طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت عرفہ سے سورج غائب ہونے سے پہلے واپس ہوتے تھے۔

اور مزدلفہ سے طلوع شمس کے بعد لوٹتے اور کہتے تھے ثبیر (پہاڑ) روشن ہوگیا تاکہ لوٹ مار کرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو (عرفہ سے واپسی) مؤخر کر دیا اور اس کو (مزدلفہ سے واپسی) مقدم کر دیا۔ کریب نے اُسامہ (رضی اللہ عنہم) سے سنا، اُسامہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کہ حضور علیہ السلام عرفہ سے واپس ہوئے حتیٰ کہ جب شعب میں پہنچے تو وہاں اُترے اور پیشاب فرمایا۔ پھر وضو فرمایا۔ پس وضوء مکمل نہ کیا۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! نماز، حضور علیہ السلام نے فرمایا نماز تیرے آگے ہے پس سوار ہوئے پس جب مزدلفہ پہنچے وہاں اُترے اور وضوء مکمل فرمایا، پھر تکبیر کہی گئی۔ پس آپ علیہ السلام نے نماز مغرب پڑھی، پھر ہر انسان نے اپنا اونٹ اپنی جگہ پر بٹھایا، پھر عشاء کی تکبیر کہی گئی۔ پس آپ علیہ السلام نے نماز عشاء پڑھی اور مغرب وعشاء کے درمیان کچھ نہ پڑھا۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام واپس ہوئے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام مزدلفہ آئے وہاں مغرب وعشاء ایک اذان اور دو تکبیر کے ساتھ ادا فرمائی اور ان دو کے درمیان نوافل ادا نہ فرمائے۔ پھر لیٹ گئے حتیٰ کہ طلوع فجر ہوگئی۔ پس فجر کی نماز اس وقت جب کہ صبح خوب نمودار ہوگئی ایک اذان اور ایک تکبیر کے ساتھ پڑھی۔ پھر قصواء (اونٹنی) پر سوار ہوئے حتیٰ کہ مشعر حرام کو تشریف لائے اور قبلہ شریف کی طرف رُخ فرمایا، دُعا فرمائی اللہ اکبر فرمایا اور لا الٰہ الا اللہ فرمایا اور وحدہ لاشریک لہ فرمایا اور وہاں خوب سفیدی پھیلنے تک تشریف رہے اور طلوع شمس سے پہلے لوٹے۔

ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی کہ بے شک حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ عرفہ سے مزدلفہ تک حضور علیہ السلام کے پیچھے بیٹھے۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت فضل (بن عباس) کو مزدلفہ سے منٰی تک اپنے پیچھے بٹھایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دونوں (اسامہ، فضل) کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مسلسل جمرہ عقبہ تک "لبیک اللھم لبیک" فرماتے رہے۔

"واذکروا کما ھداکم" اللہ تعالیٰ کا ذکر توحید و تعظیم کے ساتھ کرو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دے کر تمہارا ذکر کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین کی رہنمائی کی اور احکام حج کی رہنمائی "وان کنتم من قبلہ لمن الضالین" یعنی اور تحقیق تم تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے اور تم اس سے پہلے نہیں تھے مگر گمراہوں میں سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وان نظنک لمن الکاذبین" یعنی ہم تمہیں نہیں گمان کرتے مگر جھوٹوں میں سے اور "من قبلہ" کی ضمیر "ھُدٰی" کی طرف راجع ہے اور بعض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ پھر یہ غیر مذکور سے کنایہ ہوگی۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: پھر تم سب کو ضرور ہے کہ اس جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں اور (احکام حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے) (خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو) یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے اور مہربانی فرما دیں گے۔

تفسیر: "ثم افیضوا من حیث افاض الناس" اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ قریش اور ان کے حلفا (ساتھی) اور وہ لوگ جو قریش کے دین کے مطابق ہوتے مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور کہتے کہ ہم اللہ والے ہیں اور حرم خداوندی کے ساکن ہیں لہٰذا ہم حرم سے پیچھے نہیں ہو سکتے (یعنی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے) اور نہ حرم سے نکل سکتے ہیں یہ لوگ حمس کہلاتے۔

یہ اپنے آپ کو اس سے عظیم جانتے کہ تمام عرب کے ہمراہ مل کر وقوف عرفات کریں۔ (ایسا کرنے سے ان کو تکبر اور غرور مانع تھا) جب باقی لوگ عرفات سے لوٹتے یہ اپنے آپ کو حمس کہلانے والے مزدلفہ ہی سے لوٹ آتے (حماسۃ کے لغوی معنی غیرت مند جوشیلا اور دلیر ہونے کے ہیں) یہ لوگ بھی اپنے آپ کو اس سلسلہ میں غیور سمجھتے تھے کہ ہماری غیرت نسبی کے یہ بات مخالف ہے کہ ہم عام لوگوں کے ہمراہ وقوف عرفات کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عرفات میں آ کر ٹھہریں اور پھر عرفات ہی سے عام لوگوں کے ہمراہ واپس ہوں اور ان کو خبر دی کہ یہی سنت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے تمام مسلمانوں کو خطاب فرمایا۔

فرمان الٰہی "من حیث افاض الناس" جمع ہے (مزدلفہ کا دوسرا نام جمع ہے) یعنی پھر تم لوٹو جمع (مزدلفہ) سے منٰی کی طرف اور انہوں نے کہا چونکہ عرفات سے واپسی مزدلفہ کی واپسی سے پہلے ہے تو پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ جب تم عرفات سے لوٹو پس تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو پھر اس کے بعد تم عرفات سے لوٹو؟ لہٰذا "ثم افیضوا" سے مراد مزدلفہ سے لوٹنا ہے۔ پہلا قول اکثر اہل تفسیر کا ہے اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ لہٰذا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی "فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج ثم افیضوا من حیث افاض"

"النّاس فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللّٰہ عند المشعر الحرام" (عبارت کا اس تقدیم وتاخیر کے اعتبار مفہوم عبارت بالکل درست ہوگیا اور تکرار مضمون کا اعتراض وارد نہ ہوا) اور بعض نے کہا ہے کہ "ثم" بمعنی واو ہے۔ یعنی "وافیضوا" جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ثم کان من الذین آمنوا" (جیسے اس جگہ ثم بمعنی واو ہے اسی طرح یہاں "ثم افیضوا" میں بھی بمعنی واو ہے) بہر حال "الناس" سے مراد کل عرب ہیں سوائے حمس کے (حمس کی تشریح گزر چکی ہے)۔ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں "النّاس" سے مراد یمن والے اور قبیلہ ربیعہ ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں "الناس" سے مراد یہاں صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جیسے کہ فرمان الٰہی ہے "ام یحسدون النّاس" کہ اس فرمان خداوندی میں بھی الناس سے مراد صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کہا جاتا ہے "ھذا الذی یقتدیٰ بہ ویکون لسان قومہ" ترجمہ: (وہ جس کی پیروی کی جاتی ہے اور اپنی قوم کی زبان ہے یعنی اس کا ترجمان ہے)۔

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "النّاس" سے یہاں حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں۔ اس کی دلیل حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی قرأت ہے۔ "ثم افیضوا من حیث افاض النّاسی"۔ اور کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھول گئے جب درخت میں سے کھا بیٹھے۔ ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ (عروہ) فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا میں بھی بیٹھا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس ہونے کی صورت میں کس طرح چلتے تھے؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتاری سے چلتے تھے اور جب کھلی جگہ پاتے تو اور تیز ہو جاتے۔

ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نص" اس رفتار کا نام ہے جو رفتار "عنق" سے (قدرے) زائد ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ وہ نویں ذوالحجہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوٹے تو حضور علیہ السلام نے اپنے پیچھے سخت ڈانٹ (کی آواز) اور اونٹوں کو مارنا سنا تو آپ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کے ساتھ ان کی طرف اشارہ فرمایا اور ارشاد فرمایا (لوگو! تم پر وقار اور سنجیدگی لازم ہے) نیکی جانوروں کے دوڑانے میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکا کرو تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے اباء (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا) بڑھ کر ہونا چاہیے سو بعضے آدمی (جو کہ کافر ہیں) ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو (جو کچھ دینا ہو) دنیا میں دے دیجئے اور ایسے شخص کو آخرت میں (بوجہ انکار آخرت کے) کوئی حصہ نہ ملے گا۔

تفسیر ﴿۲۰۰﴾ "فاذا قضیتم مناسککم" جب تم اپنے حج سے فارغ ہو جاؤ اور ذبح ہونے والے جانور ذبح کر چکو (مناسک کی تشریح کچھ اس طرح ہے) "نسک الرجل ینسک نسکا" یہ اس شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے جب وہ

اپنے جانور کو ذبح کر لے اور یہ جمرۂ عقبہ کو کنکر مارنے اور منیٰ میں ٹھہرنے کے بعد ہوتا ہے۔ "فاذکروا اللہ" تکبیر یعنی اللہ اکبر، الحمد للہ اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو) "کذکرکم آباء کم" اور یہ اس طرح کہ جب عرب والے حج سے فارغ ہوتے بیت اللہ شریف کے قریب ٹھہر جاتے اور اپنے آباء واجداد کے فخریہ کارنامے بیان کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا "فاذکرونی" (میرا ذکر کرو) کیونکہ میں ہی ہوں کہ جس نے تم کو اور تمہارے آباء واجداد کو باعث فخر مقام ومرتبہ عطا فرمایا اور تم پر اور تمہارے آباء پر احسان فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح کہ چھوٹے بچے باپ دادا کا ذکر کرتے ہیں اور یہ اس طرح کہ جب بچہ پہلے پہل بولتا ہے تو (ابا ابا کہہ کر) باپ ہی کا ذکر کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کا ذکر نہیں کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو نہ کہ کسی اور کا۔ جس طرح کہ بچہ اپنے باپ کا ذکر کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس قول "فاذکروا اللہ کذکرکم آباء کم" کے بارے میں پوچھا گیا اور اعتراض یہ کیا گیا کہ کبھی آدمی پر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جب وہ اپنے باپ کا ذکر نہیں کرتا۔

تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بات یوں نہیں (بلکہ اس فرمان الٰہی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی محبت کا والدین کی محبت سے بڑھا ہوا ہونا مراد ہے) وہ اس طرح کہ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر غضبناک ہو جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے اور تیرا یہ غضبناک ہونا اس غصہ ہونے سے بھی زیادہ ہو جس وقت کہ تیرے والدین کو گالی دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "او اشد ذکرا" بلکہ سخت یعنی زیادہ ذکر کرنا "فمن الناس من یقول ربنا آتنا فی الدنیا" اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین حج میں اللہ تعالیٰ سے سوائے دُنیا کے کچھ نہ مانگتے تھے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے اے اللہ! ہمیں بکریاں، اونٹ، گائے اور غلام عنایت فرما اور ایک آدمی کھڑا ہوتا تھا۔ پس کہتا اے اللہ! میرا باپ بڑے قبے اور بڑے پیالے والا

اور بہت زیادہ مال والا تھا۔ پس مجھے بھی ویسا ہی عطا فرما جیسا کہ تو نے میرے باپ کو دیا تھا۔ یہ وہ آدمی ہے جس کی نیت دُنیا، اسی دُنیا کے لیے خرچ کیا، اسی کے لیے کام کیا اور اسی دُنیا کے لیے اپنے آپ کو تھکایا۔ "ومالہ فی الآخرۃ من خلاق" کچھ حصہ نصیب (نہیں)۔

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِى ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴿٢٠١﴾

ترجمہ: اور بعضے آدمی (جو کہ مؤمن ہیں) ایسے ہیں (جو دعا میں یوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بہتری عنایت کیجئے۔ اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے۔

تفسیر: ﴿٢٠١﴾ "ومنہم من یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" مؤمنین (یہ کہتے ہیں) مفسرین نے (اس دُعا میں ذکر کی گئی) ہر دو حسنہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "فی الدنیا حسنۃ" سے مراد نیک بیوی ہے اور "فی الآخرۃ حسنۃ" سے مراد حورعین ہیں۔ حضرت عبداللہ بن

عمرو بن ابی العاص (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دُنیا ساری کی ساری نفع اُٹھانے کا سامان ہے اور اس کا بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "فی الدنیا حسنۃ" سے مراد علم اور عبادت ہے اور "فی الآخرۃ حسنۃ" سے مراد جنت اور (اس کا) دیکھنا ہے۔ علامہ سدی اور ابن حبان رحمہما اللہ فرماتے ہیں "فی الدنیا حسنۃ" سے مراد رزق حلال اور عمل صالح ہے اور "فی الآخرۃ حسنۃ" سے مراد بخشش اور ثواب ہے۔

حضرت ابو امامہ (رضی اللہ عنہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے دوستوں سے میرے نزدیک قابل رشک وہ مؤمن ہے جو قلیل المال ہے۔ نماز سے اسے خوب حصہ حاصل ہے اپنے رب کی عبادت اچھی طرح کرتا ہے کہ پوشیدہ طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہو، لوگوں میں گمنام ہو اس کی طرف (بوجہ عدم شہرت کے) انگلیوں کے ساتھ اشارہ نہ کیا جاتا ہو اور اس کا رزق (معیشت) برابر سرابر ہو (یعنی ضرورت کی حد تک مال رکھتا ہو جس سے اس کی ضروریات پوری ہوتی ہوں) اور اتنے سے رزق پر قانع ہو۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ مبارک کے ساتھ تیزی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یوں اسے جلدی موت آ جائے۔ اس پر رونے والے تھوڑے ہوں اور اس کی میراث بھی تھوڑی ہو۔

حضرت قتادہ اس آیت کریمہ کہ "فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ" کا معنی ہے دُنیا میں عافیت اور آخرت میں عافیت۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ اس آیت سے متعلق فرماتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام، قرآن عطا فرمایا ہو۔ اہل وعیال بخشے ہوں اور مال و متاع دیا ہو۔ پس یقیناً اس کو "حسنۃ فی الدنیا اور حسنۃ فی الآخرۃ" دی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ (کمزوری میں) پرندہ کے بچہ کی طرح ہو رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ سے کیا مانگتا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کہا کرتا تھا یا اللہ! تو جو کچھ آخرت میں مجھے سزا دینا چاہتا ہے وہ سزا مجھے دُنیا ہی میں دے دے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ تو اس (دُنیا والے عذاب) کی طاقت نہیں رکھتا تو نے یہ کیوں نہ کہا اے اللہ! ہمیں دُنیا میں خیر و خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر و خوبی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ فرماتے تھے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار"

یحییٰ بن عبید نے سائب کے والد عبداللہ بن سائب (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رُکن بنی جمح اور رُکن اسود کے درمیان یہ دُعا فرما رہے تھے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار"

اُولٰٓئِکَ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا ط وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ط فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ لِمَنِ اتَّقٰی ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

ترجمہ: ایسے لوگوں کو (دونوں جہان میں) بڑا حصہ ملے گا۔ بدولت ان کے اس عمل (یعنی طلب دارین) کے اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب لینے والے ہیں اور (منیٰ میں خاص طریقہ سے بھی) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص (دسویں کے بعد) دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں (ایک دن کی) اور تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں یہ سب اس شخص کے واسطے (ہے) جو (خدا سے) ڈرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

تفسیر ﴿۲۰۲﴾ "اولئک لھم نصیب" حصہ ہے "مما کسبوا" خیر اور دعا سے ثواب اور جزا کے ساتھ "واللہ سریع الحساب" جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حساب لیں گے تو جلد حساب لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو ہاتھ باندھنے نہ صدری تحفظات اور نہ ہی سوچ و بچار کی ضرورت پڑے گی۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں پلک جھپکنے سے زیادہ تیز حساب لے لیں گے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ قیامت کا آنا (جو یوم الحساب ہے) قریب ہے اس لیے کہ لازماً ہر آنے والی چیز قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وما یدریک لعل الساعۃ قریب"

﴿۲۰۳﴾ "واذکروا اللہ" تکبیرات کے ساتھ نمازوں کے بعد اور (رمی) جمرات کے وقت کہ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور اس کے علاوہ بقیہ اوقات میں (فی ایام معدودات) گنے چنے دنوں میں یہ ایام تشریق اور یہ ایام منیٰ اور رمی جمرات کے دن ہیں ان دنوں کے تھوڑے ہونے کی وجہ سے انہیں معدودات کا نام دیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "دراھم معدودۃ" اور ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں جن کا آخری دن دس ذوالحجہ (یوم النحر) ہے اور اکثر اہل علم کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ (ایام) معلومات سے مراد دسویں ذوالحجہ کا دن اور دو دن اس کے بعد والے اور معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معلومات دسویں ذوالحجہ کا دن اور تین دن اس کے بعد والے ہیں۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہ معلومات سے مراد نویں ذوالحجہ کا دن ہے اور دسویں ذوالحجہ کا دن اور ایام تشریق۔ حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایام معدودات اور ایام معلومات ایک ہی چیز ہیں اور یہ ایام تشریق ہیں۔ "نبیشہ ھذلی" سے روایت کیا گیا ہے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے دن ہیں اور ایام تشریق میں ذکر کرنے کا ایک حصہ اللہ اکبر کہنا بھی ہے۔ اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ چنانچہ عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ دونوں منیٰ میں

ان دنوں نمازوں کے بعد اور مجلسوں میں خیموں میں اور بستروں پر اور راستوں میں تکبیر پڑھا کرتے تھے۔

اور ان دونوں حضرات کی تکبیر کی اتباع کرتے ہوئے اور لوگ بھی تکبیر کہتے اور حضرت عمر اور ابن دونوں یہ آیت پڑھتے تھے۔ عام علماء کے نزدیک ان دنوں میں حاجی غیر حاجی سب کے لیے نمازوں کے بعد تکبیر کہنا مشروع ہے۔ البتہ مقدار میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ بعض اس طرف گئے ہیں کہ نویں ذوالحجہ کی صبح سے یہ تکبیرات شروع کی جائیں اور ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر پر ختم کی جائیں۔ یہ حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت مکحول نے یہی فرمایا اور حضرت ابو یوسف رحمہ اللہ اسی طرف گئے ہیں اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ یہ تکبیرات نویں ذوالحجہ کی صبح کی نماز سے شروع کی جائیں اور دس ذوالحجہ کی عصر کے بعد ختم کی جائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ تکبیرات دسویں ذوالحجہ کی ظہر سے شروع کی جائیں اور ایام تشریق کے آخری دن کی صبح کی نماز کے بعد ختم کی جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے دو قولوں میں سے ایک قول میں یہی فرمایا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس لیے کہ لوگ اس (معاملہ تکبیر) میں حجاج کے تابع ہیں اور ان کا حاجیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ تلبیہ کہنے سے پہلے۔

اور حجاج کرام دسویں ذوالحجہ بعد نماز ظہر تکبیرات میں شروع ہوتے ہیں۔ لفظ تکبیر سے کیا مراد ہے اس سلسلہ میں حضرت سعید بن جبیر اور حضرت سیدنا حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلسل تین دفعہ اللہ اکبر کہنا ہے اور اہل مدینہ کا یہی قول ہے اور اسی طرف امام شافعی رحمہ اللہ گئے ہیں اور فرمایا ذکر اللہ میں جس قدر اضافہ ہو بہتر اور مستحسن ہے۔ اہل عراق کے ہاں دو دفعہ اللہ اکبر کہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا۔ **"فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیه"** اس سے مراد یہ ہے کہ جو حجاج کرام ایام تشریق کے دوسرے دن کوچ کرنا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں ہے اور یہ اس طرح کہ حاجی پر لازم ہے کہ وہ منیٰ میں ایام تشریق کی پہلی اور دوسری رات گزارے اور روزانہ زوال آفتاب کے بعد اکیس کنکریاں مارے۔ ہر جمرہ کے پاس سات کنکریاں مارے اور رات نہ گزارنے کی رخصت اونٹ چرانے والوں کو اور حجاج کرام کو پانی پلانے والوں کو حاصل ہے۔ پھر اس کے ہر وہ شخص جو ایام تشریق کے دوسرے دن رمی جمرات کرے اور کوچ کرنے کا ارادہ کرے اور تیسری رات وہاں نہ گزارے اور اس دن رمی جمرات کرے تو اس کے لیے گنجائش ہے۔ یہی اس ارشاد خداوندی کے **"فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیه"** اور جس شخص نے کوچ نہ کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو اس پر لازم ہے کہ وہاں وہ رات گزارے حتیٰ کہ تیسرے دن رمی جمرات کر کے کوچ کرے **"ومن تاخر فلا اثم علیه"** جس نے جلدی کی اور دوسرے دن چلا گیا تو اس پر اس جلدی کرنے میں کچھ گناہ نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی یہاں تک کہ تیسرے دن کوچ کیا تو اس پر اس تاخیر کرنے میں کچھ گناہ نہیں اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی اس طرح ہے پس جس شخص نے جلدی کی اور اس تعجیل والی رخصت کو قبول کیا تو اس پر اس میں کچھ گناہ نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اور اس رخصت کو قبول نہ کیا تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور کہا گیا ہے کہ حاجی مغفور ہو کر واپس لوٹا اور اس پر کچھ گناہ

نہیں تعجیل کی یا تاخیر کی جیسا کہ ہم نے روایت کی کہ جس شخص نے حج کیا پس نہ تو فحش کلامی (عورتوں کی موجودگی میں) اور نہ احکام حج کی خلاف ورزی کی تو وہ اس حال میں واپس لوٹا جیسا کہ اس کی ماں نے اسے آج جنا ہو۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ "لمن اتقی" اس شخص کے لیے جو ہر اس عمل سے بچا جس کو اللہ تعالیٰ نے حج میں کرنا منع فرمایا۔

جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے حج کیا پس نہ فحش کلامی کی اور نہ نافرمانی کی۔ پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گناہوں سے بخشش اس شخص کے لیے کی گئی ہے جو حج میں (منہیات سے) بچا اور کلبی رحمہ اللہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ معنی منقول ہے کہ جو شخص شکار کرنے سے بچا (کیونکہ) اس کے لیے جب تک ایام تشریق نہ گزریں شکار کرنا حلال (جائز) نہیں ہے۔ ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے گناہ ختم ہوگئے۔ اگر اس نے بقیہ عمر تقویٰ کی زندگی گزاری۔ "واتقوا اللّٰہ واعلموا انکم الیہ تحشرون" تم آخرت میں جمع کیے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزا دیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

ترجمہ: اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزہ دار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر بتاتا ہے اپنے مافی الضمیر پر حالانکہ وہ (آپ کی) مخالفت میں نہایت شدید ہے

تفسیر: ⓐ "ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا" کلبی اور مقاتل اور عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی جو بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ اس کا نام اُبی تھا اور اس کا نام اخنس اس لیے رکھا گیا کہ وہ بدر کے دن حضور علیہ السلام کے مقابل لڑنے سے بنی زہرہ کے تین سو آدمی لے کر واپس ہٹ گیا تھا۔ یہ شخص میٹھی گفتار اور خوش منظر تھا۔ اسلام ظاہر کرتا اور کہتا یا رسول اللہ! مجھے آپ علیہ السلام سے محبت ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اٹھاتا تھا اور منافق تھا۔

حضور علیہ السلام اُسے قریب بٹھاتے۔ پس اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا "ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا" آپ اس کی بات کو مستحسن سمجھتے ہیں اور آپ کے دل میں وہ عظیم معلوم ہوتی ہے۔ استحسان کے بارے میں کہا جاتا ہے "اعجبنی کذا" وہ مجھے اس طرح اچھا لگا اور ناگواری اور انکار کی صورت میں کہا جاتا ہے "عجبت من کذا" امر مستحسن کے بارے میں اعجاب باب افعال اور بغیر حرف کے ذکر کیا جاتا ہے اور ناگواری و انکار کی صورت میں فعل مجرد اور من کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ "ویشھد اللّٰہ علی مافی قلبہ" یعنی اخنس منافق کا یہ کہنا "واللّٰہ انی بک مؤمن ولک محب" اللہ کی قسم میں آپ کے ساتھ ایمان لانے والا ہوں اور آپ کا محب ہوں۔ "وھو الد الخصام" یعنی "شدید الخصومۃ" سخت جھگڑا کرنے والا۔ کہا جاتا ہے۔ "لددت یا ھذا ...... وانت تلد لددا ولدادۃ" (یہ جملے اس وقت بولے جاتے ہیں جب کسی کا سخت جھگڑالو ظاہر کرنا مقصود ہو۔) پس جب تو ارادہ کرے کہ بے شک وہ اپنے مدمقابل پر غالب آ گیا۔

تو تو کہے گا "لدّہ یلدّہ لدًّا" مرد کے بارے میں کہا جاتا ہے "رجل الد" اور عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے "امراۃ

للداء" اور قوم سے متعلق کہا جاتا ہے "قوم لد" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وتنذر به قوما لدا" زجاج کہتے ہیں یہ "لدیدی العنق" سے مشتق ہے جو کہ رخساروں کو کہا جاتا ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ جس جانب سے جھگڑا کرے دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے جھگڑے کے کسی بھی باب میں غالب آتا ہے۔ "خصام" باب مفاعلہ خاصم خصاما ومخاصمت کی مصدر ہے۔ یہ بات ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کی۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ خصم کی جمع ہے کہا جاتا ہے خصم۔ "وخصام و خصوم" یعنی جیسے "خصوم" خصم کی جمع ہے ایسے ہی خصام بھی جمع ہے جیسے بحر کی جمع بحار اور بحور آتی ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "الد المخصام" کا معنی ہے کاذب القول جھوٹی بات والا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الد المخصام" کا معنی ہے "شدید القسوۃ فی المعصیۃ" گناہ میں سخت جدل بالباطل باطل کے ساتھ لڑنے جھگڑنے والا۔ "یتکلم بالحکمۃ ویعمل بالخطیئۃ" باتیں تو دانائی کی کرے اور عمل گناہوں کا کرے۔

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ مبغوض "اَلَدُّ الْخِصَامِ" یعنی سخت جھگڑالو ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

ترجمہ: اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کر دے اور (کسی کے) کھیت یا مواشی کو تلف کر دے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا تو خوف کر تو نخوت اس کو اس گناہ پر (دونا) آمادہ کر دیتی ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بری ہی آرام گاہ ہے اور بعضا آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہے۔

تفسیر: ۝ "واذا تولی" جب پیٹھ پھیری اور آپ سے اس نے منہ پھیرا "سعی فی الارض" اس (زمین) میں عمل کیا بعض نے کہا اس (زمین) میں چلا "لیفسد فیها" ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قطع رحمی کی اور مسلمانوں کا خون بہایا "لیفسد فیها" کا یہ معنی ہے "ویهلک الحرث والنسل" اور یہ اس طرح کہ اخنس اور قبیلہ ثقیف کے درمیان مخالفت و مخاصمت تھی۔ پس اخنس رات کو آیا اور ان کی کھیتیوں کو جلا ڈالا اور ان کے جانوروں کو ہلاک کر دیا۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اخنس طائف کی طرف اپنے مال کے تقاضا کے لیے جو اس نے کسی مقروض سے لینا تھا گیا۔ پس اس مقروض کے غلہ کے کھلیان کو آگ لگا دی اور اس کی گدھی کے اعضاء کاٹ دیئے۔ "والنسل" ہر جانور کی نسل اور انسان بھی اسی سے ہیں۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "واذا تولی" کا معنی ہے یعنی جب کسی امر کا مالک بن جاتا ہے اور والی (حکمران) بن جاتا ہے "سعی فی

الارض " (یعنی زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے) حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "واذا تولی سعی فی الارض " کا معنی ہے۔ یعنی جب کسی امر کا والی بن جاتا ہے تو زیادتی اور ظلم والا عمل کرتا ہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بارش روک لیتا ہے اور کھیتی اور نسل ہلاک ہو جاتی ہے۔ "واللہ لایحب الفساد" اللہ تعالیٰ فساد پر راضی نہیں ہے۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "درھم" (وغیرہ) کا تنا یعنی مالی ڈاکہ ڈالنا بھی زمین میں فساد ڈالنا ہے۔

❁ "واذا قیل لہ اتق اللہ" اللہ تعالیٰ سے ڈر "اخذتہ العزۃ بالاثم" یعنی اس کو عزت، جاہلی حمیت وعصبیت گناہ کے فعل پر ابھارتی ہے۔ یعنی ظلم، غرور تکبر کے ساتھ اور کہا گیا ہے اس کا معنی ہے اس کو اس کا غرور گناہ کے لیے آمادہ کرتا ہے جس گناہ کا جذبہ داعیہ اس کے دل میں ہے تو یہاں باءلام کے قائم مقام ہے۔

"فحسبہ جھنم" اس سے کافی ہے "ولبئس المھاد" بچھونا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑے گناہوں میں سے یہ گناہ ہے کہ کسی کو کہا جائے "اتق اللہ" خدا تعالیٰ سے ڈر تو وہ اس کے جواب میں کہے "علیک نفسک" کہ پہلے تو اپنے آپ کو سنبھال۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کہا گیا "اتق اللہ" خدا سے ڈر تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر عاجزی کرتے ہوئے فوراً رخسار زمین پر رکھ دیے۔

❁ "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ" اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لیے "واللہ رؤف بالعباد" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہے کہ بے شک یہ آیت سریہ رجیع کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ اس طرح کہ کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جب کہ آپ علیہ السلام مدینہ منورہ میں تھے (قاصد) بھیجے۔ بے شک ہم اسلام لا چکے ہیں آپ ہماری طرف اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند عالم بھیجیے جو کہ ہمیں دین کی تعلیم دیں۔

اور یہ ان کا مکر تھا (ان کی طرف سے سازش تھی) تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف خبیب بن عدی انصاری، مرثد بن ابی مرثد غنوی، خالد بن بکیر، عبداللہ بن طارق بن شہاب بلوی، زید بن دثنہ (رضی اللہ عنہم) کو بھیجا اور ان پر حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح انصاری رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس جاسوس بھیجے اور ان پر حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ پس وہ حضرات چلے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان (جگہ) بطن رجیع میں اترے اور ان کے پاس عجوہ کھجور تھی۔ پس انہوں نے کھائی، پس ایک بڑھیا وہاں گزری، اس نے کھجور کی گٹھلیاں دیکھیں تو فوراً اپنی قوم کے پاس مکہ مکرمہ آگئی اور کہا کہ اس راستے پر اہل یثرب اصحاب محمد چلے ہیں تو فوراً ستر آدمی ان میں سے سوار ہوئے، ان کے پاس نیزے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ان دس حضرات کا گھیراؤ کر لیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے ہذیل میں سے ایک قبیلہ کو ذکر کیا جسے بنولحیان کہا جاتا تھا تو قریباً سو تیر انداز ان کے پیچھے ہو لیے اور انہوں نے ان کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کیا یہاں تک کہ انہوں نے ان (اصحاب رسول) کے کھجور کھانے کی جگہ کو پا لیا جس جگہ وہ اترے تھے۔ پس انہوں (تیر اندازوں) نے کہا یہ یثرب کی کھجور ہے۔ انہوں نے صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کا پیچھا کیا جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اور آپ کے ساتھیوں نے ان کو محسوس کیا تو یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "فدفد" (پہاڑی) کی طرف پناہ گزین ہوئے اور مشرکوں نے ان حضرات کا گھیراؤ کر لیا اور حضرت مرثد، حضرت خالد، عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم کو انہوں نے شہید کر دیا۔

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ترکش بکھیر دیا اور اس میں سات تیر تھے۔ چنانچہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ان سات تیروں سے سات بڑے مشرک قتل کر ڈالے۔ اس کے بعد دُعا کی، یا اللہ! میں نے دن کے پہلے حصہ میں تیرے دین کی حفاظت کی تو میرے جسم کی دن کے آخری حصہ میں حفاظت فرما۔ پھر مشرکوں نے ان کا گھیراؤ کیا اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا۔ شہید کرنے کے بعد مشرکوں نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تا کہ آپ کا سر مشرک عورت سلافہ بنت سعد بن شہید کے ہاتھوں بیچیں اور سلافہ کے بیٹے غزوۂ احد میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے تھے منت مانی تھی کہ اگر میں عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سر پر قادر ہوگئی تو اس کے سر کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھڑوں کا ایک چھتہ بھیج دیا جس نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی حفاظت کی جس کی بنا پر وہ آپ کا سر کاٹنے پر قادر نہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا نام "حمی الدبر" پڑ گیا۔ (بھڑوں کے ذریعے حفاظت کئے ہوئے) چنانچہ کافر کہنے لگے ابھی اس کو چھوڑ دو جب بوقت شام یہ بھڑیں چلی جائیں گی ہم اس کا سر کاٹ لیں گے۔ پس (بوقت شام) سیاہ بادل اُٹھا اور برسا جیسے مشکیزے بہہ پڑتے ہیں جس سے وادی نہر کی صورت اختیار کر گئی جس نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو اُٹھا کر جنت پہنچا دیا اور پچاس مشرکوں (مرداروں) کو جہنم رسید کیا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہوا تھا کہ نہ مشرک ان کو چھوئے گا اور نہ وہ مشرکوں کو کبھی چھوئیں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عجیب ہے کہ بندۂ مؤمن کی حفاظت بھڑوں سے کرائی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے نذر مانی ہوئی تھی کہ نہ مشرک ان کو چھوئے گا اور نہ کبھی وہ مشرک کو چھوئیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد ان کو اس سے محفوظ رکھا۔ جیسا کہ انہوں نے زندگی بھر اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ مشرکوں نے حضرت خبیب بن عدی کو اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو قید کیا اور دونوں کو مکہ کر مدلے گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف کے بیٹوں نے خریدا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث کو غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا۔ چنانچہ حضرت ان کے پاس قیدی بن کر رہے۔ چنانچہ حارث کے بیٹے اپنے باپ کے عوض حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا عزم مصمم کر لیا تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ان سے استرا حاصل کیا تا کہ زیر ناف بال صاف کریں، اتنے میں ان کا ایک بچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے بچہ کو ران پر بٹھا لیا، استرا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، بچے کی ماں گھبرا گئی اور چیخی، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تو ڈرتی ہے کہ میں بچے کو قتل کروں گا، میں ایسا کرنے والا نہیں ہوں دھوکہ ہماری شان کے لائق نہیں۔

اس (واقعہ) کے بعد وہ عورت کہتی تھی۔ واللہ میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم میں نے اس کو ایک دن انگور کھاتے دیکھا حالانکہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور مکہ پاک میں انگور نہ تھے۔ بس یہ (غیبی) رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ پھر کافر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حدودِ حرم سے باہر علاقہ حل میں قتل کی غرض سے لے گئے اور کافروں نے ارادہ کیا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی چڑھائیں۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو چنانچہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے بوقت شہادت دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت قائم کی پھر فرمایا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہوتا کہ تم موت سے گھبراہٹ پر محمول کرو گے میں اور نمازیں پڑھتا (پھر دعا کی) اے اللہ! ان کو گن گن کر اور جدا جدا کر کے مار اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے اشعار کا ترجمہ جو بوقت شہادت انہوں نے فرمائے۔ پھر فرمایا۔ جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جارہا ہوں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے کہ میرا گرنا کس پہلو پر ہوگا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہو رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کٹے ہوئے اعضاء میں بھی برکت ڈال دے۔

پس انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو زندہ سولی پر لٹکا دیا۔ پس آپ نے فرمایا یا اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ اس وقت میرے پاس کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو میرا سلام تیرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ پس تو میرا سلام پہنچا دے۔ پھر ابو سروعہ عقبہ بن حارث کھڑا ہوا اور اس نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا اور کہا جاتا ہے کہ مشرکوں میں سے ایک آدمی تھا جس کو سلامان ابو میسرہ کہا جاتا تھا اس کے پاس نیزہ تھا اس نے وہ نیزہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی چھاتی پر رکھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا کا خوف کر اس کہنے سے اس کی سرکشی اور بڑھ گئی اور نیزہ چھاتی سے پار کر دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق ہے "واذا قیل له اتق اللّٰه اخذته العزة بالاثم" یعنی سلامان کا یہ حال ہے۔

باقی رہے حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ سے صفوان بن اُمیہ نے خرید ا۔ اپنے باپ اُمیہ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے غلام نسطاس کے ساتھ علاقہ (حل) تنعیم کی جانب بھیجا۔ قریش کا ایک گروہ بھی وہاں جمع ہو گیا جن میں ابو سفیان بھی تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قتل کے لیے آگے لایا گیا تو ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا زید کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس ہوں، ہم اس کی گردن مار رہے ہوں اور تو اپنے اہل و عیال میں بیٹھا ہو تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم! مجھے تو یہ بات بھی پسند نہیں (یعنی ناقابل برداشت ہے) کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ ہوں جس جگہ اب ہیں یعنی اپنے گھر میں اور حضور علیہ السلام کے پاؤں مبارک میں کانٹا چبھ جائے اور میں گھر بیٹھا رہوں۔ اس پر ابو سفیان کہنے لگا میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو کسی سے اس قدر محبت کرتا ہو جس قدر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ پھر نسطاس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ پس جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کون ہے جو (مکہ جا کر) خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی کی لکڑی سے اُتار لائے اور اس کے لیے (اس عمل کے عوض) جنت ہو۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور علیہ السلام یہ کام میں پورا کروں گا اور میرا ساتھی مقداد بن اسود (رضی اللہ عنہ)۔ پھر دونوں رات کے وقت نکل کھڑے ہوئے، دن کو چھپ جاتے، رات کو چل پڑتے۔ یہاں تک کہ رات کے وقت مقام تنعیم پہنچے تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی سولی کے اردگرد مشرکوں کے چالیس جوان نشہ کی نیند سو رہے تھے۔ پس حضرت زبیر و مقداد رضی اللہ عنہما نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی سے اُتارا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا جسم اب بھی تروتازہ تھا۔ چالیس دن گزر جانے کے باوجود ان کے جسم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی، ان کا ہاتھ زخم پر تھا جس سے خون رس رہا تھا، خون کا رنگ خون والا تھا اور خوشبو کستوری کی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو گھوڑے پر اُٹھالیا اور چل پڑے، اتنے میں کفار بیدار ہو گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو نہ پا کر قریش مکہ کو خبر دی تو ان کے ستر سواروں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا پیچھا کیا جب مشرکوں نے ان حضرات کو پالیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے جسم کو زمین پر پھینک دیا اور زمین حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو نگل گئی۔ چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا لقب "بلیع الارض" (زمین کے نگلے ہوئے) پڑ گیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان مشرکوں کو فرمایا، اے قریش! تمہیں ہمارے اوپر (آنے کی یا حملہ کی) جرأت کیسے ہوئی۔ پھر سر سے عمامہ اُتارا اور فرمایا، میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہوں میری ماں صفیہ بنت عبدالمطلب ہے، میرا ساتھی مقداد بن اسود (رضی اللہ عنہ) ہے ہم دونوں ان دو شیروں کی مانند ہیں جو اپنے بچوں پر گرے ہوئے ہوں اور دفاع کر رہے ہوں اگر چاہو تو میں تم سے تیر اندازی کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں اگر چاہو تو اُتر کر لڑنے کو تیار ہوں۔ اگر چاہو تو واپس ہو جاؤ چنانچہ کافر واپس لوٹ گئے۔ حضرت زبیر و مقداد رضی اللہ عنہما حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے پاس موجود تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آسمان کے فرشتے ان دو حضرات پر فخر کر رہے ہیں تو حضرت زبیر اور مقداد (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں یہ نازل ہوا "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ"

جب انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی سے اُتار کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے عوض بیچ دیا اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ حضرت صہیب بن سنان رومی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب ان کو مشرکوں نے ایمان والوں کے ایک گروہ میں پکڑا اور ان پر سختی کی تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا، میں بوڑھا آدمی ہوں اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں کہ میں تم میں سے ہو جاؤں یا کسی اور کے ساتھ، کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تم میرا مال لے لو اور مجھے اور میرے دین کو چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ان پر شرط لگائی تھی کہ مجھے سواری اپنا خرچہ لے جانے دو گے جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا مکہ کرمہ رہے پھر مدینہ منورہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) نے کچھ لوگوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے ابو یحییٰ! تجھے تیرا سودا مبارک ہو۔ جواباً حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) تیرا سودا بھی خسارے کا نہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا میرے لیے کیا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تیرے بارے اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل

فرمایا ہے پھر یہ آیت پڑھی۔ حضرت سعید بن مسیب اور عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ مہاجر بن کر حضور علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا پیچھا کیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترکش سے تیروں کو نکالا اور فرمایا قریشیو! تم اس حقیقت کو جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ تیر انداز ہوں، خدا کی قسم! میرا ہر ایک تیر تم میں سے کسی نہ کسی کے دل میں پیوست ہوگا اور جب تک میرے پاس ایک تیر بھی باقی ہے تم میرے پاس نہیں پہنچ سکتے۔ پھر جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے اسے استعمال کروں گا۔ اس کے بعد تم جو چاہو کرنا اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے اس مال کی جو مکہ مکرمہ میں رہنمائی کر دوں اور تم میرا راستہ چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ نے ایسا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم جانتے ہو یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی؟ یہ اس مسلمان کے حق میں نازل ہوئی جو کسی کافر سے ملتا ہے۔ پس اس کو کہتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ وہ کافر یہ کلمہ کہنے سے انکار کرتا ہے۔ پس مسلم کہتا ہے اللہ کی قسم! میں اپنی ذات کو ضرور (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) بیچوں گا۔ پس کافر سے اکیلا لڑتا ہے حتیٰ کہ قتل ہو جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله" کا مصداق اس شخص کو دیکھتا ہوں جو کھڑا ہو جاتا ہے۔ پس کسی ایک کو خوف خدا کا حکم کرتا ہے۔ پس جب وہ قبول نہیں کرتا اور نخوت اس کو گناہ پر اور زیادہ آمادہ کرتی ہے۔ کہتا ہے اور میں اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بیچتا ہوں۔ پس وہ اس سے لڑتا ہے پس اس پر دو آدمی لڑ پڑتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو فرماتے رب کعبہ کی قسم! دو دونوں لڑتے ہیں۔ ابو الخلیل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو یہ آیت "ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله" پڑھتے سنا۔ پس حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے "انا لله وانا الیه راجعون" پڑھا۔ وہ آدمی کھڑا ہوا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہا۔ پس اسی راہ قتل کر دیا گیا۔ (گویا اس آیت کا مصداق اس قسم کا شخص ہے)۔

ابو غالب نے ابو امامہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی، بے شک ایک آدمی نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا جہاد افضل ہے؟ فرمایا افضل ترین جہاد اس شخص کا ہے جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور فاسد خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم مت چلو واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں (صراط مستقیم سے) لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ (بڑے) زبردست ہیں۔ حکمت والے ہیں

تفسیر ﴿۲۰۸﴾ "یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" اہل حجاز اور کسائی نے اس جگہ "السّلم" سین کی زبر کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے سلم سین کی زیر کے ساتھ پڑھا اور سورۂ انفال میں سین کی زیر کے ساتھ اور ابوبکر اور باقیوں نے سین کی زبر کے ساتھ اور سورۂ محمد میں زیر کے ساتھ حمزہ اور ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ پڑھا ہے۔ یہ آیت کریمہ مؤمنین اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نضیری اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اور یہ اس طرح کہ وہ حضرات ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے اور اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ سے اسلام لانے کے بعد بھی اظہار کراہت کرتے اور عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) تورات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم راتوں کی نمازوں میں اس کی تلاوت کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" یعنی اسلام میں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل اسلام کے احکام اور اعمال میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ اور کہا گیا ہے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ تمام شرعی احکام میں مکمل طور پر اس حال میں کہ اس کے سوا کسی اور کی طرف تجاوز کرنے والے نہ ہو۔ سلم اصل میں استلام سے اور انقیاد سے ہے (یعنی مطیع اور فرمانبردار ہونا) اسی لیے صلح کو سلم کہا جاتا ہے۔ حضرت سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اسلام آٹھ حصے ہے۔ پس آپ نے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ، جہاد، امر بالمعروف نہی عن المنکر شمار فرمایا اور فرمایا وہ شخص ناکام و نامراد ہوا جس کو کوئی حصہ نہ ملا۔ "ولا تتبعوا خطوات الشیطان" اس کے قدموں کے نشانات کی پیروی نہ کرو جس سلسلہ میں کہ وہ تمہارے لیے مزین کرے۔ ہفتہ کی تعظیم اور اونٹوں کے گوشت کی کراہت کے بارے میں "انہ لکم عدو مبین" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں کیا آپ اجازت عنایت فرماتے ہیں کہ ہم ان کی بعض باتیں لکھ لیا کریں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تم (دین کے بارے) حیران و سرگرداں ہو جس طرح کہ یہود و نصاریٰ سرگرداں ہوئے؟ میں تمہارے پاس سفید اور صاف شفاف (ملت) لے کر آیا ہوں۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

﴿۲۰۹﴾ "فان زللتم" تم بھٹک گئے۔ کہا گیا ہے تم ہٹ گئے۔ کہا جاتا ہے "زلت قدمہ تزل زلا وزللا" جب وہ پھسل جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد شرک ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جان لیا عنقریب بعض لوگ پھسل جائیں گے۔ پس اسے مقدم کیا اور اس میں وعید سنائی تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے خلاف حجت ہو جائے۔ "من بعد ما جاءتکم البینات" یعنی واضح دلائل "فاعلموا ان اللہ"

"عزیز" انتقام لینے میں (غالب ہے) (حکیم) اپنے معاملہ میں (حکیم ہے) پس عزیز اور غالب جس کے (قبضہ قدرت) سے کوئی شئی باہر نہیں اور حکیم اپنے معاملات میں درست پہنچنے والا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

ترجمہ: یہ (گمراہ) لوگ صرف اس امر کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس (سزا دینے کے لئے) آویں اور سارا قصہ ہی ختم ہو جاوے اور یہ سارے مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کئے جاویں گے آپ (علماء) بنی اسرائیل سے (ذرا) پوچھئے (تو سہی) ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دی تھیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتا ہے اس کے پاس پہنچنے کے بعد تو یقیناً حق تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں

تفسیر: ⊛ فرمان الٰہی "هل ينظرون" نہیں انتظار کرتے وہ لوگ جو اسلام میں داخل ہونا چھوڑنے والے ہیں اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔ "نظرته اور انتظرته" کا معنی ایک ہے (گویا یہاں "ينظرون بمعنى ينتظرون" ہے جب لفظ نظر کے ساتھ لفظ وجہ (چہرہ) ملا ہوا ہو یا نظر کے ساتھ لفظ "الی" مذکور ہو تو اس وقت نظر کا معنی آنکھ سے دیکھنا ہوگا۔ "الا ان ياتيهم الله في ظلل" "ظلل ظلة کی جمع ہے (معنی سایہ) "من الغمام" غمام سفید اور پتلے بادل کو کہتے ہیں۔ بادل کو غمام اس لیے کہتے ہیں کہ غم کا معنی ستر ہے یعنی چھپانا اور بادل بھی ستر (چھپانے) کا کام کرتا ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غمام سحاب عام بادل کے علاوہ کوئی خاص قسم کا بادل ہے جو کہ (امر الٰہی سے) بنو اسرائیل کے لیے مقام تیہ کے لیے تھا۔

حضرت مقاتل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غمام سفید کہر کی مانند ہوتا ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "في سترة في الغمام" بادل کے پردے میں پس ان کی طرف زمین والے نہ دیکھ سکیں گے۔ "والملائكة" ابو جعفر نے اس کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ الغمام پر عطف کرتے ہوئے تقدیر عبارت ہوگی "مع الملائكة"۔ عرب کہتے ہیں "اقبل الامير في العسكر اي مع العسكر" باقی حضرات نے "الملائكةُ" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ بایں معنی "الا ان ياتيهم الله والملائكةُ في ظلل من الغمام" (یعنی جس طرح اللہ یاتی کے فعل کا فاعل ہے ایسے ہی "الملائكةُ" بھی فاعل ہے) اس آیت کریمہ کے مفہوم اور باقی آیات قرآنی جن کا مفہوم و معنی اس آیت کریمہ سے ملتا جلتا ہے ان سب کے بارے میں یہی بہتر ہے کہ ان کے ظاہر پر ایمان لایا جائے اور اس کا علم (حقیقی) اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے یا پھر انسان یہ عقیدہ رکھے کہ بے شک "الله عز اسمه حدث" کی علامات سے منزہ ہے۔ اسی انداز فکر پر آئمہ سلف اور علماء اہل السنت چلے ہیں۔ کلبی کہتے ہیں یہ وہ پوشیدہ (راز) ہے جس کو کھولا نہیں جا سکتا۔ مکحول، زہری، اوزاعی، امام مالک، ابن مبارک، سفیان ثوری، لیث بن سعد، حضرت احمد اور اسحاق (رحمہم اللہ) اس آیت کے مفہوم اور اس قسم کے مفہوم پر مشتمل دیگر آیات کے بارے میں کہتے ہیں۔ ان آیات کا معاملہ یہ ہے کہ جس مفہوم کے ساتھ یہ آیات نازل ہوئی ہیں ویسی ہی ہیں بغیر کسی کیفیت کے معلوم کیے کے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس قسم کے معنی (مثلاً آنا وغیرہ) کے ساتھ جب بھی اپنے آپ کو موصوف کیا پس اس کی تفسیر یہ ہے "قراء ته والسكوت عليه" یعنی اس آیت کا پڑھنا ہے مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے سکوت کرنا ہے۔

ذات باری تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی بھی تفسیر کرنے کا مجاز نہیں۔ "وقضي الامر" عذاب ثابت و محقق ہوا اور حساب سے فراغت ہوئی اور یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے قضاء بالحق ہے جو بروز قیامت اللہ تعالیٰ مخلوق کے مابین فرمائیں گے۔ "والى الله ترجع الامور" ابن عامر اور حمزہ اور کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ نے ترجع کو تاء کی زبر کے ساتھ اور جیم کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے تاء کی پیش اور جیم کی زبر کے ساتھ۔

⑪ "سل بني اسرائيل" یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہود مدینہ سے پوچھئے "كم آتيناهم" ان کے آباء اور اسلاف کو کتنا کچھ ہم نے "من آية بينة" (واضح نشانیاں دیں) اہل حجاز اور قتیبہ نے "بينة" کے لفظ کی باء اور یاء کو شد کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے یاء کی شد کے ساتھ پڑھا۔ "بينة" کا معنی واضح دلالت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر جیسے کہ عصا، ید بیضا، سمندر کو پھاڑنا وغیرہ اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ دلائل ہیں جو ان کو تورات و انجیل کے حوالے سے حضور علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں ملیں۔ "ومن يبدل" جو بدلے "نعمة الله" کتاب اللہ (مراد ہے) اور کہا گیا ہے عہد اللہ اور کہا گیا ہے کہ "من يبدل" کا معنی ہے کہ جو اس دلالت کا انکار کرے جو حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت سے متعلق ہے۔ "من بعد ما جاءته فان الله شديد العقاب"

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ترجمہ: دنیوی معاش کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور (اسی وجہ سے) ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ یہ (مسلمان) جو کفر و شرک سے بچتے ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ میں ہوں گے قیامت کے روز اور روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے انداز دے دیتے ہیں۔

تفسیر: ⑫ "زين للذين كفروا الحياة الدنيا" اکثر حضرات کا موقف یہ ہے کہ مزین کرنے والے خود اللہ تعالیٰ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تزئین کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوبصورت اشیاء اور عجیب و غریب مناظر پیدا فرمائے۔ مخلوق نے ان کو خوب دیکھا تو وہ اشیاء ان کو اچھی لگیں۔ پس ان میں مفتون ہو کر رہ گئے (لٹو ہو گئے) زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں ان کے لیے شیطان نے یہ سب کچھ مزین کیا۔ کہا گیا ہے یہ آیت کریمہ مشرکین عرب ابو جہل اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو دنیا میں پھیلایا ہے نفع حاصل کرتے لطف اندوز ہوتے اور آخرت کا انکار کرتے۔ "ويسخرون من الذين آمنوا" فقراء مؤمنین سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "الذين آمنوا" سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت خباب (رضی اللہ

عنہم) اوران جیسے حضرات مراد ہیں۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی اور اس کے دیگر منافق ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو دُنیا میں خوشحالی کی زندگی گزارتے تھے اور کمزور مؤمنوں اور فقراء مہاجرین کے ساتھ مسخرہ کرتے اور کہتے ذرا ان لوگوں کو دیکھو یہ ہیں وہ لوگ جن کے بارے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ ہے کہ ان کے ذریعے سے وہ غلبہ حاصل کریں گے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ بنو قریظہ، بنونضیر، بنو قینقاع کے سرداران یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو فقراء مہاجرین کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ بنو قریظہ اور بنونضیر کے مال ان کو بغیر لڑائی اور قتال کے عنایت فرماوے گا اور یہ یہود ایمان والوں کے ساتھ ان کے فقر کے باعث استہزاء کرتے ہیں۔ "والذین اتقوا" یہ فقراء "فوقھم یوم القیامۃ" کیونکہ ایمان والے اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور یہ کفار و یہود اسفل سافلین میں ہوں گے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوا، میں نے اہل ایمان بہشت میں اکثر مساکین کو پایا اور میں جہنم کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو جہنمیوں میں میں نے زیادہ تر عورتوں کو پایا۔ اہل مرتبہ بڑے لوگ روکے ہوئے تھے مگر وہ بڑے جو جہنمی تھے پس ان کے بارے میں حکم ہو چکا تھا کہ انہیں جہنم رسید کیا جائے۔

سہل بن سعد ساعدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے فرمایا۔ اس (گزرنے والے) کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ یہ شخص معزز ترین لوگوں سے ہے۔ اللہ کی قسم یہ شخص اس لائق ہے کہ اگر پیغام نکاح دے تو نکاح کر دیا جائے۔ سفارش کرے تو قبول کر لی جائے۔ پس حضور علیہ السلام خاموش ہو گئے پھر اس کے بعد ایک اور شخص گزرا۔ حضور نے اس (اپنے پاس بیٹھنے والے) کو فرمایا اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا یہ شخص فقراء مسلمین سے ہے۔ یارسول اللہ! اور اس قسم کا شخص ہے اگر کہیں پیغام نکاح دے تو وہ پیغام قبول نہ ہو، اگر سفارش کرے تو مسترد ہو جائے، اگر بات کرے تو سنی نہ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک (جو بظاہر بے حیثیت ہے) اس (صاحب حیثیت) جیسوں سے اگر زمین بھی بھر جائے تو بھی یہ افضل و اشرف ہے۔ "واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب" بہت بے اندازہ کیونکہ ہر وہ چیز جو تحت الحساب ہو پس وہ قلیل ہے۔ اس فرمان الٰہی سے مراد خداوندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے وسعت فرماتا ہے۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں من غیر حساب کا معنی ہے بغیر کسی تاوان اور گرفت کے۔ دُنیا میں رزق دیتا ہے اور اس کا آخرت میں حساب نہیں کرتا اور بعض نے کہا ہے کہ بغیر حساب کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے فراخی (رزق) فرماتا ہے۔ ہر ایک کو اس کی حاجت کے مطابق نہیں دیتا بلکہ غیر محتاج کو زیادہ دیتا ہے اور محتاج کو تھوڑا دیتا ہے۔ پس نہ تو اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے اور نہ رزق دینے کے سلسلہ میں اس کا حساب کیا جا سکتا ہے اور نہ کہا جا سکتا ہے اے اللہ! تو نے اس کو کیوں دیا اور اسے محروم کیوں رکھا اور تو نے اس کو اس سے زیادہ کیوں دیا؟

اور بعض نے کہا ہے کہ بغیر حساب کا معنی ہے (اس طرح دیتا ہے) کہ خزانہ خالی ہو جانے کا خوف نہیں رکھتا کہ وہ جو کچھ خرچ کرے اس

کا حساب کرنے کا محتاج ہو اس لیے کہ دینے والے کی طرف سے حساب کرنا اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ اس کو خزانہ ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا ۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

ترجمہ: (ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرما دیویں اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو (اولا) کتاب ملی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضح پہنچ چکے تھے باہم ضدا ضدی کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے (بحث) ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں (مختلفین) اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہ تعالیٰ بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلا دیتے ہیں

تفسیر: ﴿۲۱۳﴾ "كان الناس أمة واحدة" ایک دین پر تھے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد صرف حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ وہ اُمت واحدہ تھے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک آدم کو لفظ جمع (امت) سے ذکر کیا گیا کیونکہ وہ نسل انسانی کی بنیاد اور ابوالبشر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت حوا کو پیدا فرمایا۔ پھر ان دونوں سے انسانوں کو پھیلایا پس وہ پھیل گئے اور سب مسلمان تھے یہاں تک کہ ہابیل قتل کیا گیا۔ پس انہوں نے اختلاف کیا "فبعث الله النبيين" حضرت حسن اور حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ وفات آدم سے بعثت نوح علیہ السلام تک ایک اُمت تھے۔ ملت کفر پر تھے جانوروں کی مانند۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور باقی نبیوں کو بھیجا۔ حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے بعثت نوح علیہ السلام تک اور ان دونوں کے درمیان دس زمانے ہیں یہ سب ایک ہی شریعت حق و ہدایت پر قائم تھے۔ پھر زمانہ نوح علیہ السلام میں انہوں نے اختلاف کیا۔ پس ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ پس حضرت نوح علیہ السلام پہلے نبی (تشریعی) تھے جو مبعوث ہوئے۔ پھر ان کے بعد نبیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں اُمت واحدہ سے مراد کشتی نوح علیہ السلام کے افراد مراد ہیں جو سب کے سب مؤمن تھے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں اُمت واحدہ تھے کہ سب کے سب کافر تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور باقی نبیوں کو بھیجا اور کہا گیا ہے کہ پورا عرب اُمت واحدہ یعنی

دین ابراہیم علیہ السلام پر قائم تھا۔ یہاں تک کہ عمرو بن لحی لعنۃ اللہ علیہ نے دین ابراہیمی کو بدل ڈالا۔

ابوالعالیہ سے روایت کی گئی ہے وہ ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں جب سارے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکال کر حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیے گئے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اقرار لیا گیا سب کے سب اُمت واحدہ (کل کے کل مسلمان) تھے۔ لوگ اس دن کے علاوہ کبھی بھی اُمت واحدہ نہیں بنے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد انہوں نے اختلاف کیا۔ اس کی نظیر سورۂ یونس میں ہے "وما کان الناس الا أمة واحدة فاختلفوا فبعث اللّٰہ النبیین" انبیاء کرام کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے۔ ان میں سے رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور قرآن پاک میں جن کے نام مذکور ہیں وہ اٹھائیس ہیں۔ (مبشرین) ثواب کی خوشخبری دینے والے ہر اس شخص کو جو ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی "و منذرین" عذاب سے ڈرانے والے ہر اس شخص کو جس نے کفر کیا اور نافرمانی کی۔ "وانزل معھم الکتاب" کتابیں اس کی تقدیر عبارت یوں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کتاب نازل کی۔

"بالحق" عدل اور سچائی کے ساتھ۔ "لیحکم بین الناس" ابوجعفر نے "لیحکم" یاء کی پیش اور کاف کی زبر کے ساتھ یہاں پڑھا اور سورۂ آل عمران کے اول میں اور سورۂ نور کی دونوں جگہوں میں کیونکہ درحقیقت کتاب فیصلہ نہیں کرتی بلکہ کتاب کے ذریعے فیصلہ کیا جاتا ہے اور عاصم نے "لیحکم" یاء کی زبر اور کاف کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی کتاب فیصلہ کرے قدرے کلام میں وسعت (مجازی) کے ساتھ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق" (ہماری یہ کتاب تم پر حق کے ساتھ بولتی ہے) اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے تاکہ ہر نبی اپنی کتاب کے ساتھ فیصلہ کرے۔ "فیما اختلفوا فیہ وما اختلف فیہ" کتاب میں (اختلاف نہ کیا) "الا الذین أوتوہ" ان لوگوں نے اختلاف کیا جو وہ کتاب دیے گئے تھے۔ "من بعد ما جاءتھم البینات"

یعنی تورات و انجیل کے احکام۔ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کے اختلاف کے دو معنی ہیں ایک معنی یہ کہ بعض نے بعض کی کتاب کا انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ویقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض" دوسرا معنی اختلاف کا یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تحریف کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یحرفون الکلم عن مواضعہ" اور کہا گیا ہے کہ آیت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کی کتاب کی طرف راجع ہے کہ جس میں اہل کتاب نے اختلاف کیا۔ "من بعد ما جاءتھم البینات" اس سے مراد حضور علیہ السلام کا وہ بیان ہے جو ان کی کتابوں میں موجود تھا۔ "بغیا" ظلم اور حسد کے طور پر "بینھم فھدی اللّٰہ الذین آمنوا لما اختلفوا فیہ" اس کی طرف جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا "من الحق باذنہ" اپنے علم اور ان میں اپنے ارادہ کے ساتھ اس آیت کے بارے میں ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ انہوں نے قبلہ میں اختلاف کیا۔ پس بعض ان میں وہ ہیں جو مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور بعض وہ جو مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور بعض وہ جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرمائی اور کعبہ شریف کی

طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اسی طرح انہوں نے روزوں میں اختلاف کیا۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں رمضان شریف کے روزوں کی رہنمائی فرمائی۔ انہوں نے دنوں میں اختلاف کیا (کہ کون سا دن ہفتہ میں معظم ہے) پس یہود نے ہفتہ کا دن لے لیا اور عیسائیوں نے اتوار کے دن کا انتخاب کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں جمعہ مبارک کی رہنمائی فرمائی۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اختلاف کیا۔ یہود نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ عیسائیوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس میں سے حق کی طرف رہنمائی فرمائی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اختلاف کیا۔ پس یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہتان محض کا نشانہ بنایا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حق وہدایت کی طرف رہنمائی" واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم"

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

ترجمہ: (دوسری بات سنو) کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں (بے مشقت) جا داخل ہو گے؟ حالانکہ تم کو ہنوز ان (مسلمان) لوگوں کا سا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور (مصائب سے) ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانے کے) پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد (موعود) کب ہوگی؟ یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد (بہت) نزدیک ہے۔

تفسیر: ﴿۲۱۴﴾ "اَم حسبتم ان تدخلوا الجنۃ" حضرت قتادہ اور سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ آیت کریمہ غزوۂ خندق کے موقع پر نازل ہوئی۔ مسلمانوں کو مشقت اور سخت خوف اور سردی اور تنگدستی اور مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وبلغت القلوب الحناجر" (کہ دل شدت غم کے باعث گلے تک آگئے) اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ جنگ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو انہیں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وہ بغیر مال کے نکلے تھے اور اپنے گھربار اور مال ومتاع مشرکوں کے ہاتھوں چھوڑ آئے تھے اور (ان چیزوں پر) انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو ترجیح دی تھی۔ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کو ظاہر کیا اور (منافق) قوم نے اپنی منافقت کو چھپایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ام حسبتم" اس کا معنی ہے تم نے گمان کیا۔ فراء رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ میم صلہ ہے۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں "ام حسبتم" کا معنی ہے "بل حسبتم" اور آیت کا معنی ہے۔ کیا تم نے اے مسلمانو! یہ گمان کرلیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے "ولما یاتکم" ابھی تمہیں نہیں پہنچا (ما) صلہ ہے۔

"مثل الذین خلوا" ان لوگوں جیسے حالات جو لوگ گزر گئے۔ "من قبلکم" (تم سے پہلے) نبیوں اور ایمان والوں میں سے "مستھم البأساء" فقر، شدت اور دیگر مصائب "والضراء" مرض اپاہج پن اور دائمی بیماری "وزلزلوا" قسم قسم کی مصیبتوں تکلیفوں کے ساتھ جھنجوڑے گئے اور خوفزدہ کیے گئے۔ "حتی یقول الرسول والذین معه متی نصر اللہ" ان کو ہمیشہ تکلیف رہی حتیٰ کہ انہوں نے نصرت خداوندی کو مؤخر سمجھا یعنی دیر سے آنے والی سمجھا۔

"الا ان نصر اللہ قریب" نافع نے "حتی یقول الرسول" یقول کی لام کو پیش کے ساتھ پڑھا۔ اس کا معنی ہے "حتی قال الرسول" اور جب وہ فعل جو "حتی" کے قریب ہو معنی کے لحاظ سے ماضی اور لفظاً مستقبل کا صیغہ ہو تو تجھے اختیار ہے دونوں وجہوں کا کہ اس کو پیش دے یا اگر نصب دے تو یہ ظاہر کلام کی بنا پر ہوگی۔ کیونکہ "حتی" فعل مستقبل کو زبر دیتا ہے اور پیش اس لیے کہ اس کا معنی ماضی ہے اور "حتی" ماضی میں عمل نہیں کرتا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۥ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۥ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور جو نسا نیک کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے (وہ اس پر ثواب دیں گے) جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو (طبعاً) گراں (معلوم ہوتا) ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر: ﴿۲۱۵﴾ "یسئلونک ماذا ینفقون" یہ آیت کریمہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ بہت بوڑھے مالدار تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کیا کچھ صدقہ کریں اور کس پر خرچ کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "یسئلونک ماذا ینفقون" اللہ تعالیٰ کے قول "ماذا" میں اعراب کے لحاظ سے دو وجہیں ہیں۔ (۱) ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کے اعراب کا محل زبر ہے بوجہ قول خداوندی "ینفقون" کے تقدیر عبارت ہوگی۔ "ای شیء ینفقون" "ماذا" بمعنی "ای شیء" کے "ینفقون" کا مفعول ہوگا اور اعراب کی دوسری وجہ ہے کہ بوجہ ما کے رفع ہوگی۔ اس کا معنی ہوگا "ما الذی ینفقون؟" کہ کیا کچھ خرچ کریں۔ "قل ما انفقتم من خیر" خیر سے مراد مال ہے "فللوالدین والاقربین والیتامٰی والمساکین و ابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ به علیم" اس کے ساتھ تمہیں بدلہ

دے۔ اہل تفسیر نے کہا یہ (خرچ کرنے کا طریقہ کار) زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے تھا۔ پس زکوٰۃ کی وجہ منسوخ کر دیا گیا۔

۞ "کتب علیکم القتال" تم پر جہاد فرض کیا گیا۔ اس آیت کے حکم میں علماء کرام نے اختلاف کیا۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاد نفل ہے اور آیت سے مراد اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ کوئی اور اسی طرف امام ثوری گئے ہیں جن حضرات کا یہ موقف ہے ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "فضل اللّٰہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلا وعد اللّٰہ الحسنٰی" (اگر جہاد نفل نہ ہوتا بلکہ فرض ہوتا) اور اگر جہاد سے بیٹھ رہنے والا تارک فرض ہوتا تو جہاد کے بعد حسنیٰ کا کوئی وجہ نہ ہوتا اور بعض حضرات نے ظاہر آیت کے مطابق موقف اختیار کیا اور کہا جہاد تمام مسلمانوں پر قیامت تک فرض ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مر گیا اور اس نے نہ تو جہاد کیا اور نہ ہی جہاد کا سوچا وہ شخص منافقت کے شعبہ پر مر گیا اور ایک قوم نے کہا اور اسی پر جمہور ہیں کہ بے شک جہاد فرض کفایہ ہے جب بعض (مسلمان) جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں تو باقیوں سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ جیسا کہ نماز جنازہ اور سلام کا جواب (کہ جب اہل مجلس میں سے بعض سلام کا جواب دے دیں تو باقیوں پر جواب دینا واجب نہ ہوگا)۔ حضرت زہری اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر جہاد فرض کیا ہے۔ اب ان کی مرضی جہاد کریں یا بیٹھ رہیں پس جو شخص جہاد کرے اس نے بہت اچھا کیا اور بیٹھ رہا پس وہ تیار شدہ (کمک) ہے اگر اس سے مدد طلب کی جائے تو اعانت کرتا ہے اور اگر اس کو جہاد کے لیے نکالا جائے تو نکل پڑتا ہے اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو بیٹھا رہتا ہے۔

"وھو کرہ لکم" ای شاق علیکم یعنی تم پر گراں ہے۔ بعض اہل معانی نے فرمایا کہ کرہ سے مراد طبعی طور پر دور بھاگنا ہے کیونکہ اس میں مال کی مشقت اور طبیعت کی مشقت ہے اور جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ یہ معنی نہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ناگوار سمجھا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "وھو کرہ لکم" کا مفہوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے "سمعنا واطعنا" کے کہنے سے منسوخ ہو گیا۔ انہوں نے پہلے اس حکم کو ناگوار سمجھا پھر اسے محبوب سمجھا اور کہا "سمعنا واطعنا" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وعسٰی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم" اس لیے کہ جہاد میں دو خوبیوں میں سے ایک خوبی یقینی ہے کامیابی مال غنیمت یا پھر شہادت اور جنت "وعسٰی ان تحبوا شیئا" جہاد سے بیٹھ رہنا "وھو شر لکم" کیونکہ اس میں غنیمت بھی فوت ہو جائے گی اور ثواب بھی نہ ملے گا۔ "واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون" "یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ" اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے پھوپھی زاد تھے جمادی الاخری میں غزوۂ بدر سے دو ماہ پہلے پورے سترہ مہینے کے اختتام پر بھیجا۔

جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ آئے ہوئے گزرے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن جحش کے ساتھ آٹھ آدمی مہاجرین کے بھی بھیجے۔ ❶ حضرت سعد بن ابی وقاص زہری ❷ عکاشہ بن محصن اسدی ❸ عتبہ بن غزوان سلمی ❹ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ ❺ سہیل بن بیضاء ❻ عامر بن ربیعہ ❼ واقد بن عبداللہ ❽ خالد بن بکیر (رضی اللہ عنہم) اور ان کے امیر عبداللہ

بن جحش رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے نام پر چل اور دو دن کی مسافت چلنے سے پہلے خط نہ دیکھنا۔ پس جب (دو دن کی مسافت پر) نازل ہو تو خط کھول اور ساتھیوں پر اس کو پڑھ۔ پھر جس مقصد کے لیے میں نے تجھے حکم دیا ہے اس کے لیے چل اور اپنے ساتھ چلنے کے لیے کسی ایک ساتھی کو بھی مجبور ہرگز نہ کر۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دو دن چلے پھر اُترے اور حضور علیہ السلام کا خط کھولا پس اس میں تھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد پس اللہ تعالیٰ کی برکت کے مطابق چل۔ اپنے تابعداروں سمیت حتیٰ کہ بطن نکلہ اُترے وہاں قافلہ قریش کی انتظار کیجئے شاید کہ تو ہمارے لیے اس قافلہ سے خبر لائے۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خط دیکھا تو فرمایا "سمعا و طاعة" (حکم سنا اور مانا) پھر اپنے ساتھیوں کو وہ کچھ فرمایا (جس کا حکم تھا) اور فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے مجھے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ میں تم سے کسی ایک کو مجبور کروں جو تم میں شہادت کا متمنی ہو۔ پس وہ چلے اور جو ناگوار سمجھے پس وہ لوٹ جائے۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چلے اور آپ کے ساتھ آپ کے ساتھی بھی چلے اور کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہا۔ پھر جب فرع سے اوپر معدن کے علاقہ میں پہنچے حجاز کی ایک جگہ جسے نجران کہا جاتا تھا۔ وہاں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما نے اپنا ایک اونٹ گم کیا جس پر وہ باری باری سوار ہو رہے تھے تو یہ دونوں اس اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ باقی ساتھیوں کو لے کر چلے۔ یہاں تک کہ بطن نخلہ کے مقام میں پہنچے جو کہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ اسی اثناء میں قریش کا قافلہ گزرا جو کشمش اور دیگر سامان لیے ہوئے تھا اور دیگر طائف کی تجارت کا سامان لیے ہوئے تھا۔ اس قافلہ میں عمرو بن الحضرمی، حکم بن کیسان جو ہشام بن مغیرہ کا غلام تھا اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ، اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی تھے جب انہوں نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا تو ان سے ڈر گئے۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ لوگ تم سے خوفزدہ ہو گئے ہیں ایسا کرو کہ تم اپنے کسی ساتھی کا سر مونڈ دو اور وہ ان کے سامنے آئے تو ان میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کا سر مونڈ دیا اور ان کے سامنے ظاہر ہوئے۔ قافلہ قریش کے لوگوں نے کہا یہ تو عمرہ والے لوگ ہیں تم پر کوئی خوف نہیں پس وہ مطمئن ہو گئے اور یہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ یہ دن جمادی الاخریٰ کا ہے حالانکہ وہ دن رجب کا تھا۔ پس قوم نے باہمی مشورہ کیا کہ اگر تم ان لوگوں کو رات تک چھوڑتے ہو تو حرمت والا مہینہ داخل ہو جائے گا۔ پھر یہ لوگ تم سے محفوظ ہو جائیں گے۔ پس انہوں نے بالاتفاق فیصلہ کیا۔ پس واقد بن عبداللہ سہمی نے تیر مار کر عمرو بن حضرمی کو قتل کر ڈالا۔ پس ابن حضرمی مشرکین کا پہلا مقتول تھا۔

اور وہ (واقد) ہجرۃ میں پہلا قاتل تھا۔ حضور علیہ السلام نے ابن حضرمی کے قریشی ورثاء کو دیت ادا کر دی۔ یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اور قریش کے درمیان دو سال کا معاہدہ تھا، یہ مجاہدہ وغیرہ کہتے ہیں، معاہدہ باہمی قتال نہ کرنے کا تھا، حکم اور عثمان قید ہو گئے اور یہ اسلام میں پہلے قیدی تھے اور نوفل بھاگ گیا۔ مؤمنین کرام رضی اللہ عنہم اونٹ اور دو قیدی حضور علیہ السلام کے پاس مدینہ منورہ ہانک کر لائے۔ قریش نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینہ کی حرمت پامال کی کہ اس میں خون بہایا اور مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو اس سلسلہ میں عار دلائی اور کہا او صابیو (کفار مسلمان ہونے والوں کو صابی کہتے تھے) کے

گروہ تم نے حرمت والے مہینے بھی حلال کرڈالے اور ان میں قتال کیا۔ حضور علیہ السلام کو یہ صورت حال پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن جحش کو فرمایا کہ میں نے تم کو حرمت والے مہینہ (رجب) میں قتال کا حکم تو نہ دیا تھا، اونٹ اور قیدی رُک گئے اور حضور علیہ السلام نے ان میں سے کچھ بھی لینے سے انکار کردیا۔ یہ بات سریہ پر (جو دستہ حضرت ابن جحش کی قیادت میں گیا تھا) گراں گزری۔ انہوں نے گمان کیا کہ وہ بے شک ہلاک ہوگئے اور سخت نادم ہوئے۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ ہم نے ابن حضرمی کو قتل کیا پھر ہم نے شام کو رجب کا چاند دیکھا۔ اب ہم کو معلوم نہیں کہ ہم نے ابن حضرمی کو رجب میں قتل کیا ہے یا جمادی الاخریٰ میں۔

اس سلسلہ میں لوگوں نے بہت کچھ قیاس آرائیاں کیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی۔ پس حضور علیہ السلام نے قافلہ کے اونٹوں کا سامان لے لیا اور اس میں سے خمس نکالا۔ یہ اسلام میں حاصل ہونے والا پہلا خمس تھا اور باقی مال مجاہدین کے دستہ میں تقسیم فرمادیا۔ یہ اسلام میں حاصل ہونے والی پہلی غنیمت تھی اور اہل مکہ نے اپنے دونوں قیدیوں حکم اور عثمان کے فدیہ کے سلسلہ میں کہلا بھیجا۔

جواباً حضور علیہ السلام نے فرمایا ہم ان دونوں قیدیوں کو اپنے پاس رکھیں گے یہاں تک کہ ہمارے ساتھی سعد اور عتبہ رضی اللہ عنہما آجائیں۔ اگر وہ نہ آئے تو ہم ان دونوں کے بدلے میں ان دو کو قتل کردیں گے۔ جب دونوں یعنی سعد و عتبہ رضی اللہ عنہما آگئے تو حضور علیہ السلام نے ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ بہرحال حکم بن کیسان تو اسلام لائے اور حضور علیہ السلام کے پاس مدینہ منورہ میں رہ گئے اور بئر معونہ میں شہید ہوئے اور عثمان بن عبداللہ مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور وہاں حالت کفر میں فوت ہوگئے۔ باقی رہے نوفل تو اس نے غزوہ خندق کے موقع پر اپنے گھوڑے کے پیٹ پر مارا تا کہ گھوڑا خندق میں داخل ہو تو نوفل گھوڑے سمیت خندق میں گر گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کا خاتمہ کیا۔ مشرکوں نے نوفل کے مردار وجود کو بیٹیوں کے عوض حضور علیہ السلام سے طلب کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے لے جاؤ یہ خبیث الجثہ ہے اس کے عوض دیت کا لیا گیا پیسہ بھی خبیث ہے۔ پس یہ واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

(ترجمہ) لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ اس میں خاص طور پر قتال کرنا (یعنی عمداً) جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام

(یعنی کعبہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا (اس) قتل (خاص) سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر (خدا نہ کرے) قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین (اسلام) سے پھیر دیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جاوے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں (اور) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے حقیقۃً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو اور اللہ کے رستہ میں جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (اس غلطی کو) معاف کر دیں گے (اور تم پر) رحمت کریں گے۔

تفسیر ⊛ "یسئلونک عن الشھر الحرام" رجب کے بارے میں رجب کو شہر حرام حرمت کا مہینہ اس لیے کہا گیا کہ اس میں قتال حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "قتال فیہ" اس ماہ میں قتال کرنے سے متعلق (قل) یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیجئے "قتل فیہ کبیر" اس میں لڑائی عظیم ہے (یعنی بڑا گناہ ہے) یہ کلام یہاں تک مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نئے سرے سے کلام کا آغاز فرمایا "وصد عن سبیل اللّٰہ" اے مشرکو! تمہارا مسلمانوں کو اسلام سے روکنا "وکفربہ" اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا "والمسجد الحرام ای مسجد حرام" کے ساتھ (کفر کرنا) اور کہا گیا ہے کہ "وصدکم عن المسجد الحرام" یعنی تمہارا مسجد حرام سے روکنا گویا "والمسجد الحرام" کا تعلق "صد عن سبیل اللّٰہ" سے ہے۔

"واخراج اھلہ" اخراج اہل المسجد مسجد والوں کو نکالنا "منہ اکبر" اس مسجد سے بوجھ (گناہ) کے لحاظ سے بڑا ہے۔ "عنداللّٰہ والفتنۃ" شرک جس پر تم ہو "اکبر من القتل" (یہ چیزیں) ابن حضرمی کو حرمت والے مہینہ میں قتل کرنے سے بھی بڑا گناہ ہیں۔ پس جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو عبداللہ بن انیس نے مؤمنین مکہ کی طرف لکھا کہ جب تمہیں مشرکین مکہ حرمت والے مہینہ میں لڑائی کے سلسلہ میں عار دلائیں تو تم ان مشرکوں کو کفر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے اور مسلمانوں کو بیت الحرام میں داخل ہونے سے منع کرنے کے ساتھ عار دلاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا یزالون" یعنی مشرکین مکہ (ہمیشہ رہیں گے) یہ "لا یزالون" ایسا فعل ہے جس کی مصدر نہیں ہے۔ جیسا کہ عسیٰ وہ فعل ہے جس کی مصدر نہیں۔ "یقاتلونکم" (تم سے لڑتے رہیں گے) اے گروہ مؤمنین "حتی یردوکم" تمہیں پھیر دیں "عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت" کی جزم جزم نسق یعنی ترتیب عطف کی جزم ہے جس کا تعلق "یرتدد" سے ہے۔ "وھو کافر فاولئک حبطت" باطل ہوگئے "اعمالھم" ان کے نیک اعمال "فی الدنیا والآخرۃ و اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ دستہ جو حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں کیا تھا اس میں شامل حضرات نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم کو اس سلسلہ میں اجر و ثواب بھی ملے گا اور کیا یہ ہمارا سفر سفر جہاد کہلائے گا؟ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا

⊛ "ان الذین آمنوا والذین ھاجروا" جنہوں نے خویش واقربا کو اور مال ومتاع اور گھروں کو چھوڑا۔ "وجاھدوا" مشرکوں سے جہاد کیا (فی سبیل اللہ) اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ نے اس سریہ (دستہ) کے اس عمل کو جہاد قرار دیا۔ "اولٰئک یرجون رحمۃ اللہ" اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بیشک یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں۔ "واللہ غفور رحیم"

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(ترجمہ) لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں اور وہ گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر وخیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو۔

(تفسیر) ⊛ "یسئلونک عن الخمر والمیسر" یہ آیت کریمہ سیدنا حضرت عمر بن خطاب اور حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہم) اور چند ایک انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ہمیں شراب اور جوئے کے بارے میں فتویٰ دیجئے کیونکہ یہ چیزیں عقل کو لے جانے والی اور مال کو سلب کرنے والی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور یہ قول مکمل طور پر حرمت شراب سے متعلق ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں شراب سے متعلق چار آیتیں نازل ہوئیں اور وہ یہ ہیں "ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکرا ورزقا" تو مسلمان پیتے تھے اور ان دنوں یہ مسلمانوں کے لیے حلال تھی۔ پھر یہ آیت کریمہ حضرت عمر اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کے سوال پر نازل ہوئی۔ قل فیھما اثم کبیر "پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کے بارے میں پیش رفت فرمائی ہے تو کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "اثم کبیر" کے مطابق شراب پینا چھوڑ دیا اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "ومنافع للناس" کے مطابق پیتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک دعوت تیار کی اور لوگوں کو اس دعوت میں بلایا۔ اس دعوت میں ان کو شراب پیش کی گئی۔ ان حضرات نے پی اور حالت نشہ میں ہوگئے اور نماز مغرب کا وقت آگیا۔ انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو آگے کیا تاکہ ان کو نماز پڑھائے تو اس امام نے سورۃ "قل یا یھا الکافرون" تلاوت کی اور یوں پڑھا "قل یایھا الکافرون اعبد ماتعبدون" اسی طرح آخری سورۃ "لا" کو حذف کرکے پڑھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "یایھا الذین آمنوا لاتقربوا الصلٰوۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون" کہ اے ایمان والو حالت نشہ میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ جو کچھ کہو اسے جان لو۔

اس آیت کریمہ کی رو سے اوقات صلوٰۃ میں نشہ حرام کر دیا گیا۔ پھر جب یہ آیت "لاتقربوا الصلوٰۃ" نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے شراب پینا چھوڑ دیا اور کہنے لگے کہ اس چیز میں کیا خیر ہوگی جو ہمارے اور نماز کے درمیان حائل ہو جائے اور بعض لوگ اوقات نماز میں شراب نہ پیتے اور باقی اوقات میں پی لیتے۔ یہاں تک کہ کوئی بعد نماز عشاء شراب پیتا اور صبح تک نشہ اتر چکا ہوتا اور نماز صبح کے بعد پیتا اور نماز ظہر تک ہوش میں آ چکا ہوتا۔ حضرت عتبان بن مالک نے ایک دعوت میں لوگوں کو بلایا جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی تھے اور ان حضرات کے لیے حضرت عتبان نے اونٹ کا سر بھونا۔ پس انہوں نے کھایا اور شراب بھی پی۔ یہاں تک کہ شراب نے ان میں خوب اثر کیا۔ پھر اس کے بعد وہ آپس میں فخر کرنے لگے اور اشعار پڑھنے لگے تو حضرت سعد نے ایک قصیدہ پڑھا جس قصیدہ میں انصار کی مذمت کی گئی تھی اور اپنی قوم کے فخر کا بیان تھا تو ایک انصاری نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی ماری اور حضرت سعد کا سر پھوڑ دیا۔ حضرت سعد نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر انصاری کی شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا" کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں بیان شافی یعنی تسلی بخش بیان ارشاد فرمایئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت سورۂ مائدہ میں نازل فرمائی۔ الی قولہ "فھل انتم منتھون" اور یہ غزوۂ احزاب کے چند روز بعد کی بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "انتھینا یا رب" یا اللہ ہم رک گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شراب حرام ہوگئی اور ان دنوں عرب والوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عیاشی نہ تھی۔

اور شراب کی حرمت سے بڑھ کر عرب والوں کے لیے اور کوئی چیز حرمت کے لحاظ سے سخت نہ تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سورہ مائدہ میں شراب کی حرمت نازل ہوئی تو ہم شراب کے مٹکے لے کر نکلے۔ ہم میں سے بعض نے اپنا مٹکا توڑ ڈالا اور بعض نے اپنا مٹکا پانی اور مٹی سے دھو ڈالا۔ گویا مدینہ منورہ کی گلیاں چھوڑ دی گئیں۔ یعنی ان میں شراب بہا کر کچھ مدت توجہ نہ کی گئی۔ پھر جب بارش ہوئی تو ان میں شراب کی رنگت ظاہر ہوئی اور شراب کی بدبو مہکی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شراب کو عربی میں خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اس کو دندان میں چھوڑ دیتے حتیٰ کہ وہ خمیر بن جاتی اور متغیر ہو جاتی۔ ابن مسیب سے مروی ہے کہ خمر کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ اسے چھوڑ دیا جاتا یہاں تک کہ اس کا رنگ صاف ہو جاتا اور تلچھٹ بیٹھ جاتی۔

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے فرمایا کہ میرے لیے اور کوئی شراب نہ تھی سوائے تمہاری کھجور کے شراب کے اور میں ابوطلحہ اور فلاں فلاں کو کھڑا پلا رہا تھا۔ اچانک ایک آدمی آیا جس نے کہا شراب حرام ہوگئی۔ پس انہوں نے کہا اے انس رضی اللہ عنہ یہ مٹکے انڈیل دے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نہ تو انہوں نے شراب کے بارے میں مزید پوچھا اور نہ اس آدمی کی خبر دینے کے بعد اس سلسلہ میں مراجعت کی۔ علماء کرام نے شراب کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم کہتی ہے کہ یہ انگور یا تازہ کھجور کا نچوڑ ہے جو کہ آگ پر پکائے بغیر سخت ہو جائے اور جوش مارے۔ آئمہ کرام کا اس شراب کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ شراب نجس ہے پلید ہے اس کے پینے والے کو حد لگائی جائے اور اس کا پینے والا فاسق ہے اور اس کو حلال سمجھنے والے کو کفر کی طرف منسوب کیا جائے اور سفیان ثوری، ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور ایک جماعت کا

موقف یہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور شراب حرام نہیں ہے اور اس کے علاوہ کسی اور شئی سے بنائی ہوئی شراب کو حرام نہ کہا جائے گا۔ مثلاً گندم سے، جو سے جوار سے شہد سے اور فانیذ (فانیذ ایک قسم کا حلوہ ہے) سے بنائی گئی شراب حرام نہیں مگر یہ کہ نشہ آور ہو۔ اگر نشہ لائے تو حرام ہوگی اور انہوں نے کہا جب انگور و تازہ کھجور کا رس اتنا پکایا جائے کہ اس کا آدھا چلا جائے تو وہ حلال ہے لیکن یہ مکروہ اور اگر اتنا پکایا جائے حتیٰ کہ اس کی دو تہائی چلی جائے انہوں نے کہا وہ حلال ہے اس کا پینا جائز ہے مگر یہ کہ اس سے نشہ حرام ہے۔

یہ حضرات اس روایت سے دلیل پکڑتے ہیں جو کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض عمال کو لکھا کہ مسلمانوں کا رزق طلاء سے ہے جس کا (پکانے سے) دو تہائی حصہ چلا جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔ ابو عبیدہ اور معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ طلاء جس کا تہائی باقی رہ جائے پینا جائز ہے۔ ایک قوم کا کہنا ہے جب رس پکایا جائے معمولی درجہ کا پکانا وہ حلال ہو جاتا ہے اور یہ اسماعیل بن علیہ کا قول ہے۔ اکثر اہل علم کا موقف یہ ہے کہ جس مشروب کا اکثر نشہ آور ہو وہ شراب ہے اور اس کا تھوڑا پینا بھی حرام ہے اس کے پینے والے کو حد لگائی جائے گی۔

انہوں نے اس روایت سے دلیل دی ہے جو ابوسلمہ نے ام المومنین سیدہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے "بتع" "کا معنی" "نبیذ العسل" یا عرق انگور کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مشروب نشہ لائے وہ حرام ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جس مشروب) کا زیادہ حصہ نشہ دے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔

ابن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ آور حرام ہے جس نے دنیا میں شراب پی اور وہ بغیر توبہ کے مر گیا جبکہ وہ شراب کا رسیا تھا تو وہ اسے (شراب طہور جنت والی) آخرت میں نہ پیئے گا۔

ابن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول پر خطبہ دیا۔ پس فرمایا بے شک شراب کا حرام ہونا نازل ہو چکا ہے اور یہ شراب پانچ چیزوں سے ہے۔ انگور، کھجور، گندم، جو، شہد اور خمر (شراب) وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ شعبی نے نعمان بن بشیر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک انگور سے شراب ہے، کھجور سے شراب ہے، شہد سے شراب ہے، گندم سے شراب ہے جو سے شراب ہے۔ پس ثابت ہوا کہ شراب صرف وہ نہیں جو انگور سے بنائی جائے یا کھجور سے بنائی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے فلاں سے شراب کی بو محسوس کی ہے اور وہ موقع کیا وہ شراب طلاء ہے (یعنی جو تھوڑ پکایا جائے اور اس کا تہائی حصہ چلا جائے) میں پوچھتا ہوں اس نے کون سی شراب پی ہے؟ اگر وہ شراب نشہ آور ہے تو میں اس کو کوڑے لگاؤں گا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو مکمل حد لگائی۔

اور جو کچھ کہ روایت کی گئی ہے حضرت عمر اور ابو عبیدہ اور معاذ رضی اللہ عنہم سے طلاء کے بارے میں پس وہ طلاء ہے جو پکایا

جائے حتیٰ کہ نشہ لانے سے نکل جائے یعنی نشہ آور نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے باذق (یہ وہ نچوڑ ہے جسے تھوڑا سا پکایا جاتا ہے یہ بھی نشہ آور ہوتا ہے) کے بارے پوچھا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم باذق کے بارے میں سبقت کر چکا ہے یعنی گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فما اسکر فھو حرام" جو چیز نشہ لائے وہ حرام ہے۔ "والمیسر" یعنی جوا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں آدمی جوا میں اہل وعیال اور مال و متاع کی بازی لگاتا ہے۔ ان دو میں سے جو شخص جوا میں غالب آتا یعنی جوا جیت جاتا وہ دوسرے کا مال اور اہل لے جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "منبر مفعل" کے وزن پر ہے۔ میسر عرب والوں کے اس قول سے لیا گیا ہے "تیسر لی الشیء" یہ جملہ اہل عرب اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آسانی مل جائے پھر قمار جوا کو میسر کہا گیا اور مقامر یعنی جوا باز کو یاسر اور یُسر کہا گیا۔ اصل جوا "اقشر کشتی" یعنی اس اونٹ میں ہوتا تھا جو قابل ذبح ہوتا اور یہ اس طرح کہ عرب مال دار لوگ لائق ذبح اونٹ کو خریدتے پھر اسے نحر کرتے اور اس کے اٹھائیس حصے کرتے پھر اس پر دس تیروں کی قرعہ اندازی کرتے۔ ان تیروں کو ازلام اور اقلام کہا جاتا تھا۔ ان دس تیروں سے سات تیر حصے والے ہوتے۔ فذ تیر کا ایک حصہ ہوتا تو اُم تیر کے دو حصے ہوتے۔ رقیب کے تین حصے ہوتے، حلس تیر کے چار حصے نافس تیر کے پانچ حصے، مسبل کے چھ حصے، معلی کے سات حصے اور تین تیر ایسے ہوتے جن کا کوئی حصہ نہ ہوتا اور وہ تین تیر یہ تھے منیح سفیح وغد۔

پھر ان تیروں کو ایک چمڑے کے تھیلے میں کر دیتے۔ اس تھیلے کا نام ریابہ ہوتا اور وہ تھیلا ایک انصاف پسند آدمی کے ہاتھ کر دیتے۔ اس آدمی کو مجیل اور مفیض کہتے۔ پھر وہ آدمی اس تھیلے کو الٹ پلٹ کرتا اور اس میں سے ایک ایک تیر نکالتا۔ ان دس آدمیوں میں سے کسی کے نام۔ پس جس کے نام جو تیر نکلتا اپنا حصہ اس تیر کے حوالے سے لے لیتا جس مقدار کا اس کا حصہ ہوتا۔ اگر کسی کے نام پر وہ تیر نکلتا جو ان تین تیروں میں سے ہوتا جن کے حصے نہیں تو وہ آدمی کچھ نہ لیتا اور سارے اونٹ کی قیمت کی چٹی اس کو ڈالتے۔ بعض نے کہا کہ نہ تو اس شخص کو کچھ حصہ ملتا اور نہ کل اونٹ کی قیمت کی چٹی اس پر ڈالی جاتی اور یہ تیر بے کار چلا جاتا۔ پھر اس اونٹ کا گوشت فقراء میں تقسیم کر دیا جاتا اور یہ لوگ خود کچھ نہ کھاتے، ایسا کرنا فخر سمجھتے اور اس میں حصہ نہ لینے والے کی مذمت کرتے اور اس کا نام برم (تھڑ دلا) رکھتے اور یہ جوا عرب میں رواج پذیر تمام جوؤں سے برا تھا اور گمراہ کن تھا۔ آیت کریمہ سے مراد ہر قسم کا جوا ہے۔

طاؤس، عطاء اور مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں ہر وہ چیز جس میں قمار (جوا) ہو وہ میسر ہے حتیٰ کہ بچوں کا اخروٹ اور گوٹی کا کھیل بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ شطرنج (جوا کا وہ کھیل جو ۳۲ مہروں سے ۶۴ خانوں میں کھیلا جاتا ہے) اور نرد چوپڑ بازی بھی میسر ہے۔ "قل فیھما اثم کبیر" جھگڑے کا، گالی گلوچ اور بدکلامی کا بڑا بوجھ ہے۔ حمزہ اور کسائی "اثم کثیر" یعنی ثاء کے ساتھ پڑھا اور باقی قراء نے کبیر باء کے ساتھ پڑھا ہے۔ شراب اور جوئے میں وہ گناہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ مائدہ میں کیا ہے "انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون" (ومنافع للناس) شراب کا نفع پینے کی لذت، خوشی اور کھانے کا مزہ اور شراب کی تجارت

کا نفع اور جوا کا نفع بغیر مشقت کے مال پالینا اور فقیر لوگوں کا اس سے نفع مند ہونا اور اس میں گناہ یہ ہے کہ جب کسی کا مال جوئے میں بلا عوض چلا جاتا ہے تو یہ بات اس کو بری لگتی ہے پھر وہ اپنے اس ساتھی سے دشمنی رکھتا ہے اور اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔" والمهما اكبر من نفعهما "حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شراب اور جوئے کا حرام ہونے کے بعد کا گناہ ان کے حرام ہونے سے پہلے والے نفع سے بڑا ہے اور وہ گناہ وہ دشمنی اور بغض ہے جو اس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔" ويسئلونك ماذا ينفقون "اور یہ اس طرح کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کی ترغیب دی تو انہوں نے کہا "ماذا تنفق؟" ہم کیا کچھ خرچ کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قل العفو" ابو عمرو اور حسن اور قتادہ اور ابن ابی اسحاق رحمہم اللہ نے "العفو" کو رفع یعنی پیش کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا وہ جو کچھ خرچ کریں وہ عفو ہو اور باقی حضرات نے "العفوَ" زبر کے ساتھ پڑھا ہے پھر معنی ہوگا یا رسول اللہ آپ فرمادیں۔ "انفقوا العفو" عفو خرچ کرو۔ مفسرین نے عفو کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔

قتادہ، عطاء اور سدی فرماتے ہیں عفو کے معنی ہیں وہ مال جو زائد از حاجت ہو۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کماتے تو خرچہ کے مطابق مال روک لیتے اور گھریلو خرچہ سے زائد کو اس آیت کریمہ کے حکم کے مطابق صدقہ کردیتے۔ پھر یہ صدقہ (بحیثیت لازم ہونے کے) زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہوگیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "العفو" کے معنی ہیں کہ ایسی صورت میں خرچ کرو کہ خرچ کرنے کے بعد بھی تمہیں غنا حاصل رہے فقیر نہ ہو جاؤ کہ لوگوں پر بوجھ بن جاؤ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کی بنیاد پر ہو۔ (یعنی صدقہ دینے کے باوجود غنا باقی رہے) اور اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے ہاتھ) سے بہتر ہے اور اس کے ساتھ ابتداء کر (یعنی جو صدقہ دینے کی) جس کا تو سرپرست ہے (یعنی جو لوگ تیری نگرانی میں ہیں) عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس میں نہ فضول خرچی ہو اور نہ تنگی ہو وہ ہے درمیانہ درجہ کا خرچ کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "والذين اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا" طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو (خرچ) آسان ہو اور عفو ہر شئی میں "یسر" (آسان) کا نام ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "خذ العفو" یعنی جو لوگوں کی آسان عادات ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرے پاس دینار ہے (گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اس کو کہاں خرچ کروں) تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اسے اپنی ذات پر خرچ کر (اسی سابقہ مفہوم کے اعتبار سے) اس نے کہا حضور علیہ السلام میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کر، اس نے عرض کیا ایک دینار اور بھی میرے پاس ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کر، اس نے عرض کی میرے پاس ایک دینار اور ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا اس کو اپنے خادم پر خرچ کر، اس نے کہا میرے پاس اور دینار ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا اس سلسلے میں تو بہتر جانتا ہے (جہاں بہتر سمجھے خرچ کر)

" كذالك يبين الله لكم الآيات " زجاج کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے " كذالك " فرمایا یعنی واحد حاضر کو خطاب کیا

حالانکہ مخاطب جماعت ہے۔ اس لحاظ سے ''کذالکم'' ہونا چاہیے تھا جواب میں فرمایا کہ جماعت بمعنی قبیل ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''کذالک ایھا المقبیل'' اور کہا گیا ہے کہ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کو خطاب، خطاب اُمت پر مشتمل ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء'' (تو جیسے یہاں خطاب حضور علیہ السلام کو ہے مراد امت ہے اسی طرح یہاں خطاب حضور علیہ السلام کو اور مراد اُمت ہے) ''لعلکم تتفکرون''

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾

ترجمہ اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں۔ اور اللہ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (الگ الگ) جانتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر ⓶ ''فی الدنیا والآخرۃ'' بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں النفقات کے بارے میں بیان فرماتے ہیں تا کہ تم دُنیا و آخرت میں غور و فکر کرو۔ پس دُنیاوی معاش کی اصلاح کی خاطر اپنے مالوں کا حساب کرلو اور اس سے زائد مال کو اس جگہ خرچ کرو جہاں خرچ کرنا آخرت کے لحاظ سے نفع مند ہو۔ اکثر مفسرین اس آیت کا معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح دُنیا و آخرت کے معاملہ میں آیات کو بیان کرتے ہیں تا کہ تم سوچو بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ اخراجات کے بارے میں آیات بیان فرماتے ہیں تا کہ تم دُنیا کے زوال وفنا کے بارے میں سوچو، پھر اس سے بے رغبت ہو جاؤ اور آخرت کے متوجہ اور آجانے کے بارے میں اور اس کے باقی رہنے کے بارے میں سوچو، پھر تم آخرت میں رغبت کرنے لگو۔

''ویسئلونک عن الیتامیٰ'' ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن'' اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی اترا ''ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلما'' تو مسلمان یتیموں کے مال میں سخت حرج محسوس کرنے لگے حتیٰ کہ یتیموں کے مال کو اپنے مالوں سے جدا کر دیا۔ یہاں تک کہ جو کھانا یتیم کے لیے تیار کیا جاتا اور اس کا کچھ حصہ بچ رہتا تو اس کھانے کو اپنے استعمال میں نہ لاتے اور وہ کھانا خراب ہو جاتا۔ یہ صورت حال ان پر گراں گزرتی تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے اس سلسلہ میں سوال کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ''قل اصلاح لھم خیر'' کہ یتیموں کے مال کی اصلاح بغیر کسی اجرت اور معاوضہ لینے کے بہتر ہے اور اجر کے لحاظ سے عظیم ہے کیونکہ ایسا کرنے میں تمہارے لیے ثواب ہے اور ایسا کرنا یتیموں کے حق میں بھی بہتر ہے کہ ان کا مال بڑھے گا (ضائع نہ ہوگا) حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اصلاح لھم'' خیر کا معنی ہے کہ یتیم کا سرپرست اپنے مال کو یتیم پر وسیع کر دے اور یتیم کے مال میں وسعت نہ کرے۔

"وان تخالطوھم" اس میں مال کے ملانے کا جواز معلوم ہوا کہ تم اگر یتیموں کے مال میں مشارکت کرو اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا دو۔ اخراجات کے لحاظ سے رہائش کے اعتبار سے خادموں اور جانوروں کے لحاظ سے اور اپنی نگرانی و نگہبانی کا جو تم ان کے مال کی کر رہے ہو، اگر عوض اور بدلے لو اور جو کچھ یتیم کا مال تم لو اس کے بدلے اپنا مال دے کر مکافات کردو یعنی معاملہ برابر کردو۔

"فاخوانکم" پس وہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائی بعض بعض کی مدد کرتے ہیں اور باہمی رضامندی کے طور پر اور اصلاح کے لیے ایک دوسرے کا مال لیتے ہیں۔ "واللہ یعلم المفسد" جو یتیموں کا مال خراب کرے "من المصلح" جو ان کے مال کی اصلاح کرے یعنی جو شخص یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر خیانت کا ارادہ کرے اور یتیم کا مال خراب کرے اور ناحق کھائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتے ہیں اور اس کو بھی جانتے ہیں جو یتیموں کا مال ملا کر اصلاح کا ارادہ کرے۔ "ولو شاء اللہ لاعنتکم" تم پر تنگی فرماتا اور یتیموں کا مال ملانے کو جائز نہ فرماتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس فرمان الٰہی کا معنی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جو مال تم یتیموں کا لیتے اسے تمہارے لیے ہلاک کرنے والا بنا دیتا۔ "عنت" کا اصل معنی "شدۃ" اور "مشقۃ" ہے اور اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں تمہیں اس قسم کا حکم دیتا جو تم پر گراں اور باعث مشقت ہوتا۔ "ان اللہ عزیز" اپنی قدرت اور سلطنت کے لحاظ سے تم پر مشقت ڈالنے پر غالب و قادر ہے اور کہا گیا ہے کہ عزیز وہ ہے جو اپنے غلبہ کے ساتھ حکم فرمائے۔ وہ حکم بندوں پر آسان ہو یا گراں ہو۔ (حکیم) حکیم ہے ہر اس میں وہ جو فرماتا ہے اپنی تدبیر سے اور (بندوں کو) مشقت میں نہ ڈالنے کے لحاظ سے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

ترجمہ: اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جاویں۔ اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو (کیونکہ) یہ لوگ دوزخ میں جانے کی تحریک دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں۔ اپنے حکم سے اور اللہ تعالیٰ اس واسطے آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں

تفسیر: ۲۲۱ "ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن" اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ بے شک مرثد بن ابی مرثد غنوی اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ابو مرثد غنوی ہیں اور عطاء کہتے ہیں ابو مرثد کناز بن الحصین اور یہ دلیر تھے ان

کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہاں سے مسلمانوں کو پوشیدہ طور پر نکال لائیں۔ جب حضرت موصوف مکہ مکرمہ پہنچے تو ان کی آمد سے متعلق ایک مشرک عورت عناق نامی نے سنا جوان کی زمانہ جاہلیت میں محبوبہ تھی تو وہ عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی اے ابو مرثد کیا تم خلوت نہیں کرتے تو حضرت ابو مرثد نے ان کو فرمایا عناق تجھے ہلاکت ہو ہمارے اور اس گناہ (زنا) کے درمیان اسلام حائل ہے۔ اس پر وہ عورت کہنے لگی تو کیا تجھے اس بات کی رغبت نہیں کہ مجھ سے نکاح کرلے۔ اس پر حضرت ابو مرثد نے فرمایا ہاں مگر میں حضور علیہ السلام کے پاس جاؤں گا اور ان سے مشورہ کروں گا۔ اس پر اس عورت نے کہا کیا تو میرے متعلق تنگ دلی اور ناگواری کرتا ہے۔ پھر اس عورت نے اور لوگوں سے مدد چاہی اور انہوں نے حضرت ابو مرثد کو سخت مارا اور پھر اس کو چھوڑ دیا۔ پھر جب ابو مرثد نے مکہ مکرمہ میں اپنا کام پورا کرلیا اور واپس حضور علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضور علیہ السلام کو اپنی کارگزاری سنائی جو کچھ اس عورت عناق اور مارنے والوں نے اس عورت کے سبب ان کے ساتھ کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس عورت کے ساتھ میرے لیے نکاح کرنا جائز ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا "**ولا تنکحوا المشرکات حتٰی یؤمن**" اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے حق میں منسوخ ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے اعتبار سے "**والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم**" نیز حضور علیہ السلام کے فرمان اور اجماع اُمت کے اعتبار سے بھی۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں لیکن اہل کتاب مسلمان عورتوں سے نکاح نہ کریں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ تم ان (اہل کتاب) پر مشرک کا لفظ کیوں استعمال کرتے ہو حالانکہ انہوں نے صرف حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا ہے تو اس کے جواب میں حضرت ابوالحسن بن فارس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا۔

حضرت قتادہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں مشرکات سے مراد بت پرست عورتیں مراد ہیں کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نائیلہ بنت فرافصہ سے جب نکاح کیا تھا تو وہ نصرانیہ تھی پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تحت آنے کے بعد نائیلہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے نصرانی عورت سے نکاح کیا تھا۔ حضرت حذیفہ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس کی راہ چھوڑ دو۔ جواباً حضرت حذیفہ نے لکھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ حرام ہے لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم اہل کتاب عورتوں کی وجہ سے مؤمن عورتوں میں تنازع نہ کرنے لگو (یعنی مؤمن عورتوں سے نکاح کرنے میں بے اعتنائی نہ برتنے لگو) "**ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم**" اپنے حسن و جمال اور مال و منال کے باعث (مشرک عورت تمہیں اچھی ہی کیوں نہ لگے) پھر بھی مومنہ باندی بہتر ہے۔ یہ آیت حضرت خنساء کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی سیاہ باندی تھی۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا اے خنساء تیرا ذکر تیرے سیاہ رنگ اور قبول صورت نہ ہونے

کے باوجود طلا اعلیٰ یعنی آسمانوں پر ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔

حضرت سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن رواحہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ اس طرح کہ ان کی ایک سیاہ رنگ کی باندی تھی۔ اس پر حضرت عبداللہ ناراض ہوئے اور ایک طمانچہ مارا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو اس کی خبر دی تو حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا وہ کیا ہے اے عبداللہ؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ وہ باندی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ رمضان المبارک کے روزے رکھتی ہے اور وضو اچھی طرح کرتی ہے اور نماز پڑھتی ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ مومنہ ہے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پس قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی مبعوث فرمایا ہے میں نے اس باندی کو آزاد کیا اور اب میں ضرور اس سے نکاح کروں گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا اور مسلمان لوگوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پر طعن کیا اور کہا کیا تو باندی سے نکاح کرتا ہے؟ اور ان پر آزاد مشرک عورت پیش کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی "ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا" یہ اجماع ہے کہ مسلمان عورت کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ مشرک سے نکاح کرے۔

"ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم اولئک" اس سے مراد مشرکین "یدعون الی النار" ایسے اعمال کی طرف دعوت دیتے ہیں جو آگ کو واجب کرنے والے ہیں "واللہ یدعو الی الجنۃ والمغفرۃ باذنہ" "باذنہ" کا معنی "بقضائہ" یعنی فیصلہ تقدیری کے مطابق وقدرت اپنی تقدیر کے مطابق و ارادے اپنے ارادہ کے مطابق "ویبین آیاتہ للناس" آیات سے مراد اوامر اور نواہی ہیں (لعلھم یتذکرون) تاکہ اس سے نصیحت یاب ہونے کی امید ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ط قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

(ترجمہ) اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ وہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے قربت مت کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جاویں پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جاویں تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے (یعنی آگے سے) یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک رہنے والوں سے

(تفسیر) ﴿۲۲۲﴾ انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک یہود کا طریقہ تھا کہ جب کوئی عورت حیض والی ہوتی تو اسے گھر سے نکال دیتے اور اس کے ساتھ مل کر نہ کھاتے اور نہ پیتے اور نہ اس کو گھر میں اکٹھا رکھتے۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی

المحیض" الآیۃ۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیض والی عورتوں کو گھر میں اکٹھا رکھو اور ان کے ساتھ ہر معاملہ کرو سوائے جماع کے۔ پس یہود نے کہا کہ یہ شخص (حضور علیہ السلام) اور کچھ ارادہ نہیں رکھتا مگر یہ ہمارے ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کریں۔ تو اُسید بن حضیر اور عباد بن بشیر رضی اللہ عنہما حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور دونوں نے کہا یا رسول اللہ یہودی یوں یوں کہہ رہے ہیں کیا ہم ان عورتوں سے حالت حیض میں جماع کرنا نہ شروع کر دیں۔ پس حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ حضور علیہ السلام ان دونوں پر ناراض ہو گئے ہیں۔ پس وہ دونوں نکلے پس ان دونوں کے سامنے سے حضور علیہ السلام کے پاس دودھ کا ہدیہ آیا۔ حضور علیہ السلام نے فوراً ان کے پیچھے آدمی بھیجا اور ان دونوں کو دودھ پلایا۔ پس ہم جان گئے کہ حضور علیہ السلام ان پر ناراض نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "یسئلونک عن المحیض" یعنی حیض کے بارے میں (پوچھتے ہیں) اور یہ لفظ مصدر ہے حاضت المرأۃ تحیض حیضا و محیضا کہ عورت حیض والی ہو گئی۔ گویا حیض اور محیض دونوں مصدر ہی ہیں جس طرح کہ سیر اور مسیر مصدر ہی ہیں۔ حیض کا اصل معنی "الفجار و سیلان" یعنی بہہ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "قل ھو اذی" یعنی قذر ہے (قابل نفرت ہے) اذی ہر وہ چیز ہے جو قابل نفرت ہو۔ "فاعتزلوا النساء فی المحیض" اعتزال سے مراد وطی نہ کرنا ہے۔ "ولا تقربوھن" یعنی ان سے جماع نہ کرو۔ البتہ چھونا اور اس کے ساتھ مل کر سونا جائز ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن میں نہاتے تھے اور ہم دونوں جنبی ہوتے اور حضور علیہ السلام مجھے حکم دیتے کہ میں تہبند باندھ لوں پھر میرے ساتھ مباشرت فرماتے یعنی ننگے بدن مل کر سوتے حالانکہ میں حیض والی ہوتی اور حضور علیہ السلام حالت اعتکاف میں اپنا سر مبارک نکالتے (یعنی مسجد سے سر مبارک باہر نکالتے) اور حضور علیہ السلام کا سر دھوتی حالانکہ میں حیض والی ہوتی تھی۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں حیض والی ہو گئی جبکہ میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی۔ پس میں حضور علیہ السلام سے الگ ہو گئی اور اپنے حیض والے کپڑے لے کر پہن لیے۔ پس مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو حیض والی ہو گئی؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور اپنے پاس چادر مبارک میں داخل فرمالیا۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں پیتی تھی جبکہ میں حیض والی ہوتی تھی اس کے بعد میں وہ (برتن) حضور علیہ السلام کو دیتی تھی اور اپنا منہ مبارک اس جگہ پر رکھ کر پیتے تھے جس جگہ سے میں نے پیا ہوتا اور میں ہڈی پر سے گوشت کھاتی پھر حضور علیہ السلام مجھ سے وہ بوٹی لے لیتے اور اس جگہ منہ رکھ کر کھاتے جس جگہ میں نے منہ رکھ کر کھایا ہوتا۔ پس حیض والی عورت سے جماع حرام ہے۔ جس نے کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اگر امام وقت کو معلوم ہو جائے تو اس کو سزا دے۔ اہل علم نے ایسا کرنے پر کفارہ واجب ہونے پر اختلاف کیا ہے۔ اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ ایسا کرنے پر کفارہ تو نہیں ہے البتہ استغفار کرے اور توبہ کرے۔

اور ایک قوم کا موقف یہ ہے کہ ایسے شخص پر کفارہ ہے یہ کہنے والے حضرت قتادہ، اوزاعی، امام احمد اور اسحاق ہیں اور یہ دلیل

اس حدیث سے دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) روایت بیان کرتے ہیں۔ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کیا۔ چنانچہ فرمایا اگر تو حیض کا خون خالص رنگ والا تازہ ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر زرد رنگ کی طرف مائل ہو تو آدھا دینار صدقہ کرے۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف بھی بیان کی گئی ہے اور حیض نماز کے فرض ہونے کے لیے بھی مانع ہے اور جواز کے لیے بھی مانع ہے اور روزہ کے جواز یعنی ادا کے لیے مانع ہے مگر وجوب صوم کے لیے مانع نہیں ہے حتیٰ کہ جب حیض سے پاک ہو جائے گی تو روزہ رکھنا اس پر بطور قضا کے واجب ہوگا مگر نماز کی قضا لازم نہ ہوگی۔ اسی طرح نفاس والی کا حکم ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم حضور علیہ السلام کے زمانہ میں حیض والی ہوتی تھیں۔ پھر جب ہم پاک ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں روزہ کی قضاء ادا کرنے کا حکم فرماتے اور نماز کی ادا کا حکم نہیں فرماتے تھے۔ حیض والی عورت کے لیے طواف بیت اللہ مسجد میں اعتکاف قرآن پاک کو ہاتھ لگانا قرآن کریم پڑھنا یہ سب منع ہے اور خاوند کے لیے حیض والی بیوی سے جماع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ جسرہ بنت دجاجہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلے تھے پس آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ گھروں کو مسجد کی طرف سے پھیر دو (یعنی دروازوں کو) کیونکہ میں کسی حیض والی اور جنبی کے لیے مسجد کو جائز نہیں رکھتا (یعنی مسجد کا داخلہ)۔

"فاذا تطھرن" عاصم نے ابوبکر اور حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ کی روایت سے طاء اور ھاء کی شد کے ساتھ پڑھا۔ معنی ہوگا یہاں تک کہ غسل (طہارت) کریں اور باقیوں نے طاء کی سکون اور ھاء مخفف کی پیش کے ساتھ پڑھا تو معنی ہوگا حتیٰ کہ حیض سے پاک ہوں اور ان کا خون کٹ جائے "فاذا تطھرن" یعنی غسل کرلیں "فاتوھن" پس ان سے جماع کرو "من حیث امرکم اللہ" جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تم کو عورتوں سے جدا رہنے کا حکم دیا تھا اسی جگہ سے ان کے پاس آئے یعنی فرج (اگلی شرمگاہ)۔

حضرت مجاہد اور قتادہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان سے فرج میں وطی کرو اور اس سے کسی اور جگہ کی طرف تجاوز نہ کرو یعنی پچھلی جانب سے بچو اور کہا گیا ہے کہ "من حیث" کا معنی "فی حیث" "امرکم اللہ" اور وہ فرج (اگلی شرمگاہ ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ" یعنی فی یوم الجمعہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے پس ان کے پاس اس طریقہ سے آؤ جس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے آنے کا حکم دیا اور وہ حالت طہر ہے۔ ابن حنیفہ نے فرمایا کہ حلال طریقہ سے نہ بدکاری کی راہ سے اور بعض نے کہا ہے کہ بیویوں کے پاس اس وقت نہ جاؤ جب وہ روزہ دار ہوں، اعتکاف کرنے والیاں ہیں یا حالت احرام میں ہوں (اس کے علاوہ حالات میں) ان کے پاس جانا اور جماع کرنا تمہارے لیے حلال ہے اور جان لو کہ کسی اس شئی کی حرمت جس سے حیض نے منع کیا ہو۔

یہ ممانعت اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک غسل نہ کرلیں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم نہ کرے سوائے روزہ کی حرمت کے۔ تحقیق حیض والی کا خون اگر رات کے وقت ختم ہو جائے اور رات ہی کو اس نے روزہ کی نیت کرلی اور غسل دن کو کیا تو

اس کا روزہ درست ہوگا اور حالت حیض میں طلاق دینا طلاق بدعی ہوگی اور اگر خون ختم ہونے کے بعد اور غسل سے پہلے طلاق دی تو طلاق بدعی نہ ہوگی اور حضرت ابو حنیفہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر خون اکثر مدت حیض پر ختم ہو جو کہ ان کے نزدیک دس دن ہے تو غسل سے پہلے اس عورت سے خاوند کے لیے صحبت کرنا جائز ہے۔ حضرت مجاہد اور عطاء اور طاؤس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں جب عورت شرمگاہ دھولے تو غسل سے پہلے خاوند کو جماع کرنا جائز ہے اور اکثر اہل علم کے ہاں حیض ختم ہونے کے بعد غسل کرنے سے پہلے یا پھر پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنے سے پہلے خاوند کے لیے جماع کرنا حرام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوی سے صحبت جائز ہونے کو دو شرطوں کے ساتھ معلق کیا ہے۔ (۱): "انقطاع دم" یعنی حیض کا ختم ہونا (۲) غسل کرنا پس فرمایا "حتٰی یطھرن" یعنی حیض سے "فاذا تطھرن" یعنی جب غسل کرلیں پھر ان کے پاس آؤ اور جس نے "یطھرن" کو شد کے ساتھ پڑھا۔ پس اس سے مراد غسل ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وان کنتم جنبا فاطھروا" یعنی پس غسل کرو (جیسے "فاطھروا" میں شد ہے اور مراد غسل ہے کہ جنبی آدمی کے لیے پاک ہونے کے لیے ضروری ہے کہ غسل کرے۔ اسی طرح "تطھرن" میں شد آنے کی صورت میں غسل کرنا شرط طہارت ہے) پس اس کی دلالت اس امر پر ہوگی کہ عورت کے غسل کرنے سے پہلے خاوند کو اس سے صحبت کرنا جائز نہیں۔

"ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین" حضرت عطاء اور مقاتل بن سلیمان اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور بے وضو اور جنابت سے اور نجاست سے پانی کے ذریعے طہارت کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں اور شرک سے پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں شرک سے توبہ کرنے والوں اور گناہوں سے پاک رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں گناہوں سے توبہ کرنے والے کہ اس کی طرف واپس نہیں لوٹتے اور متطہرین سے مراد ہے کہ گناہوں سے پاک رہنے والے کہ سرے سے گناہ کرتے ہی نہیں اور "تواب" وہ ہے جو جب بھی گناہ کرے تو توبہ کرلے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "فانہ کان للاوابین غفورا"

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ: تمہاری بیبیاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو آؤ۔ اور آئندہ کے واسطے (بھی) اپنے لئے کچھ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ بیشک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور (اے محمد) ایمانداروں کو خوشی کی خبر سنا دیجئے۔

تفسیر: ﴿۲۲۳﴾ "نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انّی شئتم" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر رضی

اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہلاک ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کس چیز نے تجھے ہلاک کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی آج رات میں نے کجاوہ بدلا ہے (یعنی بیوی سے صحبت، دوسرے انداز سے کی جو کہ پہلے عام انداز سے مختلف تھا) حضور علیہ السلام نے جواب نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی "نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم" یعنی سیدھا لٹا کر جماع کرو یا اُلٹا کر کے۔ البتہ دُبر سے بچو اور حالت حیض سے پرہیز کرو۔

حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ جو شخص بیوی سے اوندھا کر کے جماع کرے مگر دخول فرج میں کرے تو ایسی صورت میں بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔ پس یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم" حضرت مجاہد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا طریقہ یہ تھا کہ بیوی سے صرف ایک انداز سے جماع کرتے تھے اور یہ بہت ہی مستور انداز تھا عورت کے لیے۔ انصار کے لوگوں نے یہ انداز جماع یہود سے لیا تھا اور قریش جماع میں بیویوں سے خوب لذت حاصل کرتے، سامنے کر کے اور اوندھا کر کے اور چت لٹا کر۔

پس جب مہاجرین مدینہ منورہ پہنچے تو ایک مہاجر نے انصاری عورت سے نکاح کیا تو مہاجر اپنے قریشی آزادانہ طریقہ کار سے جماع کرنا چاہا۔ عورت نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ ہم سے ایک ہی انداز سے جماع کیا جاتا تھا تم بھی ایسا ہی کرو ورنہ مجھ سے دور رہو یہاں تک کہ ان کی یہ خبر چلی اور یہ معاملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

"نساء کم حرث لکم" الآیۃ یہاں حرث سے مراد بچہ پیدا ہونے کی جگہ ہے "فاتوا حرثکم انی شئتم" سامنے سے یا اوندھا کر کے چت لٹا کر اور "انی" استفہام کا حرف ہے جس کے ذریعے حال اور محل کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اس کا معنی ہوگا جس طرح تم چاہو اور جہاں سے چاہو بعد اس کے کہ ذات ایک ہو۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "انی شئتم" سے مراد صرف فرج یعنی عورت کی شرمگاہ ہے اور اسی طرح "حرث لکم" ہے "مزرع لکم" کے معنی میں ہے یعنی کھیتی کی جگہ بچہ پیدا ہونے کی جگہ زمین کی مانند ہے جہاں کاشت کی جاتی ہے۔ اس آیت میں دُبر کی طرف سے آنے کے حرام ہونے کی دلیل ہے کیونکہ محل حرث یعنی کھیتی کی جگہ وہ قُبل ہے یعنی عورت کی شرمگاہ نہ کہ دُبر۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ حکم عزل سے متعلق ہے (عزل کا مطلب ہے کہ بوقت جماع منی کو شرمگاہ سے باہر نکال کر دیا جائے) یعنی اگر تم چاہو تو عزل کرو اور چاہو تو عزل نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عزل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا تیری کھیتی ہے اسے پیاسا رکھو یا سیراب کرو اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عزل کے لیے باندی سے مشورہ کیا جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ عزل مکروہ ہے اور کہا کہ یہ واد خفی ہے (یعنی ایک قسم کا زندہ درگور کرنا ہے) بذریعہ امام مالک حضرت نافع سے روایت کی گئی۔

حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر سے قرآن سیکھتا تھا پس انہوں نے یہ آیت پڑھی "نساء

کم حرث لکم" فرمایا جانتے ہو کہ یہ آیت کس سے متعلق نازل ہوئی؟ میں نے کہا میں تو نہیں جانتا آپ نے فرمایا یہ ایک شخص سے متعلق نازل ہوئی جس نے بیوی سے دُبر میں جماع کیا "لواطت کی" پس اس پر گراں ہوا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

امام مالک رحمہ اللہ سے بیوی کے ساتھ دُبر سے جماع کرنے کا جواز منقول ہے مگر ان کے ساتھیوں نے اس کا انکار کیا ہے۔

عبداللہ بن حسن سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر سے ملے اور اُن سے کہا اے ابوعمر آپ نے حضرت نافع کی حدیث عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے کون سی بیان کی کہ وہ اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے کہ عورتوں کو ان کی دُبروں کی طرف سے آیا جائے؟ پس آپ رحمہ اللہ فرمایا غلام نے جھوٹ بولا اور غلطی کی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تو صرف اتنا فرمایا کہ عورتوں سے ان کی شرمگاہوں میں دُبروں کی طرف یعنی پیچھے کی طرف سے آیا جائے۔ (یعنی مقام تو وہی قُبل یعنی شرمگاہ ہو مگر عورت کو اوندھا کر کے اس سے جماع کیا جائے) دُبر کی طرف سے آنے یعنی بیوی سے لواطت کرنے کی حرمت پر دلیل حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے۔ عمرو نے خزیمہ بن ثابت (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ بے شک ایک آدمی نے حضور علیہ السلام سے عورتوں کو پیچھے کی طرف سے آنے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو سوراخوں میں سے کس سوراخ میں کیا؟ پیچھے کی طرف سے قُبل یعنی شرمگاہ میں جماع کیا تو پھر ٹھیک ہے یا پیچھے کی طرف سے دُبر میں کیا یعنی لواطت کی تو پھر نہیں یعنی جائز نہیں (اس جگہ حدیث شریف میں تین لفظ خرتین، خزرتین، خصفتین مذکور ہیں۔ (تینوں کا معنی ملتا جلتا ہے یعنی سوراخ) حضور علیہ السلام نے یہ الفاظ فرما کر ارشاد فرمایا۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ حق فرمانے سے حیاء نہیں فرماتا یعنی حق کہنے سے نہیں رُکتا۔ عورتوں کے پاس دُبر کی طرف سے نہ آیا کرو یعنی لواطت نہ کیا کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کو دُبر کی طرف سے آتا ہے یعنی لواطت کرتا ہے۔ "وقدموا لانفسکم" حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں "قدموا انفسکم" سے مراد یہ ہے کہ بیوی سے جماع کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وقدموا لانفسکم" سے مراد یہ ہے کہ جب اپنی بیوی کے پاس جماع کے لیے آئے تو دُعاء (خیر) مانگے۔

حضرت کریب سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے پاس آنے کا ارادہ کرے کہے "بسم اللہ اللّٰھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطن مارزقتنا"

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس سے دور رکھ جو کچھ تو ہمیں رزق عطا کرے۔ (یعنی اولاد)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اگر اس دفعہ کے جماع میں میاں بیوی کے مقدر میں بچہ یا بچی ہوئی تو اسے شیطان کبھی ضرر نہ دے گا اور بعض نے کہا ہے کہ "قدموا لانفسکم" سے مراد طلب اولاد ہے۔ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان فوت ہوتا ہے اس کا (ہر قسم کا) عمل کٹ

جاتا ہے مگر تین (ذرائع) سے ①: صدقۂ جاریہ (یعنی وہ رفاہی عمل تعمیر جو اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا ہوتا ہے) ② (اس کا) علم جس سے اس کے بعد بھی نفع حاصل کیا جاتا ہو (اس میں تدریس کے اعتبار سے اس کے شاگرد اور اس کی تقاریر و تصانیف کا سرمایہ تعمیر) ③ نیک اولاد جو اس کے لیے دُعاءِ خیر کرتی رہے اور کہا گیا ہے کہ "قدموا لانفسکم" سے مراد پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنا ہے تاکہ نیک اولاد پیدا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت سے نکاح چار وجوہ سے کیا جاتا ہے۔ ① مال کی وجہ سے ② خاندانی وجاہت وشرافت سے ③ عورت کے حسن وجمال کی وجہ سے ④ عورت کی دینداری کے باعث تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں دیندار عورت سے نکاح کرنے میں کامیابی حاصل کر۔ "تربت یداک" کا لغوی معنی اگرچہ دُعائے ذلت وہلاکت ہے مگر عرف میں جس کام کے سلسلہ میں یہ جملہ وارد ہو اس کے خلاف کرنے میں اظہار تعجب اور اس کام کے کرنے کے بارے میں ترغیب دینا ہوتا ہے۔ (مترجم)

بعض نے کہا ہے "قدموا لانفسکم" والی آیت کا معنی تقدیم افراط ہے یعنی چھوٹے بچے کا مر کر ذخیرۂ آخرت بن جانا مراد ہے۔ فرط اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو قوم سے آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالنے کے سلسلہ میں پانی وغیرہ ضروریات کا انتظام کرے جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا "فرطکم علی الحوض" کہ میں حوض (کوثر) پر تمہارا فرط ہوں گا۔ سعید بن المسیب نے حضرت سیدنا ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی مسلمان کے تین بچے فوت ہوں پھر اس کو آگ چھوئے مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان پورا ہونے کی حد تک (یعنی صرف آگ کے اوپر گزر جانا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے "وان منکم الا واردھا" کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا گزر جہنم سے نہیں ہوگا) کلبی اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ "قدموا لانفسکم" سے مراد خیر اور عمل صالح ہے اس کی دلیل سیاق آیت یعنی آیت کا مابعد کا حصہ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "واتقوا اللہ واعلموا انکم ملقوہ" ملاقوہ کا معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہو پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا "وبشر المؤمنین"

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں۔

(تفسیر) ۲۲۴ "ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم" یہ آیت حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ پس حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ نہ تو اس کے پاس جائیں گے نہ اس سے کلام کریں گے اور نہ اس کے اور اس کے مخالف کے درمیان صلح کرائیں گے اور اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جب بات کی جاتی تو آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی ہے کہ ایسا نہیں کروں گا لہٰذا میرے لیے سوائے قسم کو پورا کرنے کے کچھ جائز نہیں ہے۔ پس اللہ

تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی۔ ابن جریج رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ مسطح پر خرچ نہیں کریں گے کیونکہ مسطح نے واقعہ افک میں خوض کیا (اس کے سننے میں دلچسپی لی یا بیان کیا)۔ عرضۃ اصل میں شدت اور قوت کے لیے ہے۔ اسی لیے وہ جانور جو سفر کے لیے تیار کیا جائے اسے عرضہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سفر پر قادر ہوتا ہے۔ پھر ہر وہ چیز جو کسی امر کی صلاحیت رکھتی ہو اس چیز کو اس امر کے لیے عرضہ کہا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ عورت کو عرضۃ النکاح کہا جاتا ہے جب وہ نکاح کے لائق ہو جائے اور عرضہ ہر وہ چیز جو پیش آئے اور کسی شئی سے رُکاوٹ بن جائے تو آیت کا معنی ہوگا کہ حلف باللہ کو بر (نیکی) اور تقویٰ کے لیے سبب مانع نہ بناؤ۔ تم میں سے کسی کو صلہ رحمی اور نیکی کی طرف دعوت دی جائے۔ جواب میں وہ کہے کہ میں نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی ہے کہ میں یہ نیکی نہ کروں گا تو قسم کو نیکی چھوڑنے کا بہانہ بنالے۔

"ان تبرّوا" اس کا معنی ہے "انْ لا تبرّوا" یہ کہ تم نیکی نہ کرو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یبین لکم ان تضلّوا" یعنی "لئلا تضلوا" (اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم نہ بھٹکو)

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جس نے قسم اٹھائی پھر اس نے اس سے بہتر امر دیکھا تو اسے چاہیے کہ قسم (توڑ کر) کا کفارہ دے اور جو بہتر امر ہے اس کو کرے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۞

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دارو گیر نہ فرماویں گے تمہاری قسموں میں بیہودہ قسم پر لیکن دارو گیر فرماویں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں حلیم ہیں

تفسیر: ۞ "لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم" لغو۔ ہر وہ حصہ جو کلام میں سے ساقط ہو اور غیر معتبر ہو۔ اہل علم نے آیت کریمہ میں مذکور لغو قسم کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں یمین لغو ہر وہ قسم ہے جو غیر اختیاری طور پر جلد بازی میں بلا ارادہ زبان سے نکل جائے۔ مثلاً کہنے والے کا کہنا "لا واللہ" ایسے نہیں اللہ کی قسم "بلی واللہ" ہاں ایسے ہے اللہ کی قسم۔ "کلا واللہ" ہرگز ایسا نہیں اللہ کی قسم۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یمین لغو انسان کا لا واللہ بلیٰ واللہ کہنا ہے بعض راویوں نے مرفوع بیان کیا ہے۔ شعبی وعکرمہ رحمہم اللہ اسی طرف گئے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لغو قسمیں وہ ہیں جو ہنسی مزاح اور جھگڑے میں اُٹھائی جائیں اور وہ بات جو دل سے صادر نہ ہو۔ خلاصہ ہر وہ قسم جو سنجیدہ کلام میں وارد نہ ہو وہ یمین لغو ہے اور ایک قوم کا کہنا ہے کہ ہر وہ قسم اٹھانے والا سمجھے کہ یہ قسم سچی ہے بعد

میں ظاہر ہو کہ ایسی نہ تھی یعنی یوں نہ تھی۔ یہ قول حسن بصری رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی، قتادہ، مکحول (رحمہم اللہ) کا ہے اور حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور انہوں نے فرمایا یمین لغو میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یمین لغو وہ ہے جو بحالت غصہ اُٹھائی جائے۔ طاؤس رحمہ اللہ نے یہی کہا۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا، گناہ پر اُٹھائی گئی قسم ہے کہ اس قسم کے توڑنے پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ فرمائیں گے بلکہ قسم اُٹھانے والے کو چاہیے کہ قسم توڑ کر کفارہ دے۔ حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس (قسم گناہ توڑنے والے) پر کفارہ نہیں ہے۔

کیا ہم شیطان کے نقش قدموں کی پیروی کرنے کے سلسلے میں کفارہ دیں؟ علامہ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص گناہ پر قسم اُٹھائے اس کا کفارہ یہی ہے کہ اس سے توبہ کرے اور ہر وہ قسم جس کا پورا کرنا تجھ پر (شرعاً) جائز نہیں اس میں کفارہ نہیں ہے اگر میں اس کو کفارہ کا حکم کرتا تو میں اس کو قسم پورا کرنے کا حکم کرتا اور حکم کرتا کہ اپنے اس قسمیہ قول پر برقرار رہے۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یمین لغو وہ ہے جو انسان اپنی ذات کے خلاف بددعا کے طور پر کہے۔ مثلاً کسی انسان کا یوں کہنا اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اندھا کردے۔ اس قسم کی تمام قسمیں لغو ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ اگر ان کا مواخذہ فرماتے تو جلد سزا دیتے۔

"ولو یعجل اللہ للناس الشر استعجالہم بالخیر لقضی الیہم اجلہم" اور فرمایا "ویدع الانسان بالشر دعاءہ بالخیر" "ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم" جس قسم کا قصد اور پکا ارادہ تم نے کیا اور کسب قلب پختہ ارادہ اور نیت "واللہ غفور حلیم" اور جان لے کہ قسم سوائے لفظ اللہ اور اللہ تعالیٰ کے کسی نام کے سوا اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کے سوا منعقد نہیں ہوتی۔ پس اللہ تعالیٰ کی قسم اس طرح ہوگی کہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں جس کے لیے میں نماز پڑھتا ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ (قبضۂ قدرت) میں میری جان ہے اور اس قسم کے الفاظ۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ قسم اُٹھانا اس طرح ہے "واللہ والرحمٰن" اور اس قسم کے الفاظ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی قسم اس طرح ہے مثلاً قسم اُٹھانے والے کا کہنا "وعزۃ اللہ" اللہ تعالیٰ کے غلبہ کی قسم وعظمت اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی قسم۔ وجلال اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کی قسم "وقدرۃ اللہ" اللہ تعالیٰ کی قدرت کی قسم اور اس قسم کی قسمیں۔

مذکورہ قسموں کے ساتھ اگر مستقبل کے امر کی قسم اُٹھاتا ہے پھر قسم توڑ بیٹھتا ہے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا اور اگر اس قسم کی قسم گزشتہ زمانہ سے متعلق اُٹھاتا ہے کہ ایسا ہوا حالانکہ نہیں ہوا یا قسم اُٹھاتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا حالانکہ ہوا۔ اگر صورت حال سے آگاہ ہونے کے باوجود جھوٹی قسم اُٹھاتا ہے تو یہ یمین غموس ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک زمانہ ماضی سے متعلق قسم پر کفارہ ہے۔ صحیح صورتحال سے متعلق عالم ہو یا جاہل۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہی فرمایا اور بعض حضرات کے نزدیک کفارہ واجب نہیں ہے یہ اصحاب الرائی کا قول ہے۔ انہوں نے کہا اگر ماضی کی صورت حال سے آگاہ ہونے پر بھی جھوٹی قسم اُٹھائی تو یہ گناہ کبیرہ ہے تو اس پر کفارہ لازم نہیں جس طرح کہ باقی کبائر کا حکم ہے اور اگر ناواقفی میں قسم اُٹھاتا ہے تو یہ قسم ان کے نزدیک یمین لغو ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی

قسم اُٹھاتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کعبہ کی قسم، بیت اللہ کی قسم، نبی اللہ کی قسم یا اپنے باپ کی قسم اُٹھاتا ہے یا اس قسم کی کوئی اور قسم تو یہ قسم قسم نہ ہوگی اور جب اس قسم کی قسم اُٹھائے گا تو کفارہ بھی واجب نہ ہوگا اور یہ قسم مکروہ ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس قسم کے گناہ ہونے کا ڈر ہے۔ رافع نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں پایا کہ وہ قافلہ میں چل رہے تھے اور وہ اپنے باپ کی قسم اُٹھا رہے تھے۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم اُٹھاؤ۔ پس جو شخص قسم اُٹھانے والا ہے اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی قسم اُٹھائے یا پھر خاموش رہے۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ: جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں (کے پاس جانے) سے ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کرلیں جب تو اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے رحمت فرمادیں گے

تفسیر: ۝ "للذین یؤلون من نساء ھم تربص اربعۃ اشھر" یؤلون یعنی قسم اُٹھاتے ہیں اور ایلا کا معنی قسم ہے۔ آیت کریمہ سے مراد بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم اُٹھانا ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایلاء زمانہ جاہلیت میں طلاق تھا۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل جاہلیت کا بیوی کو نقصان دینے کا طریقہ تھا جب آدمی نہ بیوی کو پسند کرتا اور نہ یہ چاہتا کہ اس عورت کے ساتھ کوئی اور نکاح کرے تو قسم اُٹھاتا کہ بیوی کے قریب نہ جائے گا۔ پس بیوی کو اس حال میں چھوڑتا کہ نہ تو وہ بغیر خاوند کے ہوتی اور نہ خاوند والی۔ ابتداء اسلام میں بھی لوگ اسی طریق پر تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایلاء کے بارے اسلام میں ایک مدت مقرر فرمادی۔ اہل علم نے اس سے اختلاف کیا۔ پس اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم اُٹھائے کہ وہ بیوی کے قریب کبھی نہ جائے گا یا قریب نہ جانے کی چار ماہ سے زیادہ مدت مقرر کردی تو ایسا شخص مولی یعنی ایلاء کرنے والا ہوگا۔ پس وہ چار ماہ گزرنے سے پہلے تعرض نہ کرے یعنی بیوی کے قریب نہ جائے اور چار ماہ گزرنے کے بعد اسے بیوی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا یا پھر عورت کے مطالبہ پر بیوی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے گا۔ "فئی" کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ خاوند نے بیوی سے صحبت نہ کرنے کی بات کی ہے۔ بیوی سے صحبت کرکے اپنے اس قول سے رجوع کرے، اگر اس کو صحبت کرنے کی قدرت ہو تو اور اگر صحبت کرنے پر قادر نہیں ہے اور زبانی رجوع کرے اور اگر نہ رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو بادشاہ مدت گزرنے کے (قاضی) ایک طلاق دے دے گا۔ حضرت عمر، عثمان، علی، ابوالدرداء، ابن عمر رضی اللہ عنہم گئے ہیں۔ سلیمان بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے دس سے زیادہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا۔ سب کہتے تھے کہ ایلاء کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا۔ سعید بن جبیر سلیمان بن یسار اور حضرت مجاہد اسی طرف گئے ہیں۔ امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ نے بھی کہا۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو عورت پر طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی۔ یہ قول ابن عباس ابن مسعود کا ہے۔ سفیان ثوری اور اصحاب الرائی نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت سعید بن المسیب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلاق

رجعی واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم چار ماہ سے کم مدت پر اٹھائی تو وہ ایلاء کرنے والا نہ ہوگا بلکہ صرف قسم اٹھانے والا ہوگا۔ پس اگر مدت مقررہ گزرنے سے پہلے صحبت کر لی تو اس پر کفارہ یمین ہوگا اور اگر قسم اٹھائی کہ چار ماہ بیوی سے صحبت نہ کرے گا تو جو حضرات چار ماہ گزرنے پر خاوند کو رک جانے کا قول ذکر کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس سے رجوع کرنے کا مطالبہ یا طلاق کا مطالبہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مدت ایلاء باقی ہو اور مدت تو گزر گئی اور جو حضرات اس کو رجوع کرنے یا طلاق دینے کا مطالبہ کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے ان حضرات کے نزدیک یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا اور مدت گزرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک غلام اور آزاد ہر دو کے لیے مدت ایلاء چار ماہ ہے۔ اس لیے کہ یہ مدت ایسے معنی کے لیے مقرر کی گئی ہے جس کا تعلق طبیعت سے ہے اور وہ ہے عورت کا خاوند کے بغیر قلیل الصبر ہونا۔ اس معنی میں غلام آزاد سب برابر ہیں۔ جس طرح کہ عنین کی مدت اور امام مالک اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ غلامی کی وجہ سے عنین ہونے کی وجہ سے مدت نصف ہو جائے گی مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مدت کے نصف ہونے میں عورت کی غلامی کا اعتبار کرتے ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ خاوند کی غلامی کا اعتبار کرتے ہیں جیسے کہ ہر دو نے طلاق کے بارے میں کہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "تربص اربعة اشھر" یعنی چار ماہ کے انتظار تربص کا معنی تثبت وتوقف یعنی ٹھہرنا انتظار کرنا۔

"فان فاؤ" جماع سے متعلق اٹھائی گئی قسم سے رجوع کریں "فان اللّٰہ غفور رحیم" چار مہینے گزرنے کے بعد وطی کے ساتھ اپنی قسم سے عورتوں کی طرف رجوع کرلے تو اس صورت میں اکثر اہل علم کے ہاں اس پر کفارہ قسم واجب ہوگا۔ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر کفارہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ پس فرمایا "فان اللّٰہ غفور رحیم" اور اکثر حضرات کے نزدیک اس وعدۂ مغفرت کا تعلق آخرت کی سزا کے ساقط ہونے سے ہے نہ کہ کفارہ سے۔

مسئلہ:۔ اور اگر عورت سے کہے اگر میں تیرے قریب جاؤں پس میرا غلام آزاد ہے کہے اگر میں تیرے قریب جاؤں تو طلاق والی ہے یا کہے اللہ تعالیٰ کے لیے میرے اوپر غلام کا آزاد کرنا ہے یا مجھ پر روزہ لازم ہے یا نماز لازم ہے اس قسم کے الفاظ کہنے والا یعنی بیوی کے قریب جانے پر یہ چیزیں اپنے اوپر لازم کرنے والا ایلاء کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ ایلاء کرنے والا وہ شخص ہوتا ہے جس پر بیوی سے صحبت کرنے پر اس قسم کی چیزیں لازم ہو جائیں۔ مدت گزرنے کے بعد اسے کہا جائے گا، اگر رجوع کیا تو قریب ہونے کے ساتھ معلق کی گئی طلاق واقع ہو جائے گی یا غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر قریب ہونے سے متعلق اپنے ذمہ کوئی چیز لازم کی تھی تو بیوی سے صحبت کرنے کی صورت میں اس پر کفارۂ قسم لازم ہوگا۔ ایک قول کے اعتبار سے اور ایک قول کے مطابق اس پر وہ چیز لازم ہوگی جو اس نے اپنے اوپر لازم کی تھی۔ مثلاً غلام آزاد کرنا، روزہ یا نماز۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾

ترجمہ: اور اگر بالکل چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر ان کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست (حاکم) ہیں حکیم ہیں

تفسیر: ﴿۲۲۷﴾ "وان عزموا الطلاق" طلاق کو واقع کر کے متحقق کر دیا، ثابت کر دیا "فان اللّٰه سمیع" (سننے والا) ان کی بات کو (علیم) (جاننے والا ہے) ان کی نیتوں کو اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ مدت کے گزرنے کے بعد بھی طلاق واقع نہ ہوگی جب تک کہ اس کو اس کا خاوند طلاق نہ دے کیونکہ اس میں عزم کی شرط کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فان اللّٰه سمیع علیم" پس اللہ تعالیٰ کے اس قول نے دلالت کی کہ بے شک وہ "مسموع" (سنی ہوئی بات) کا فیصلہ کرتا ہے اور قول ہی وہ چیز ہے جو سنا جاتا ہے۔

﴿۲۲۸﴾ "والمطلقات" اپنے خاوندوں کی رسیوں (جکڑ بندیوں) سے چھوٹی ہوئی "یتربصن" انتظار کریں "بانفسھن ثلاثة قروء" پس نکاح نہ کریں۔ قروء قرء کی جمع ہے۔ قرع کی طرح اس کی جمع "قلت ...... اقرؤ" اور جمع کثرت "اقراء" ہے۔

وضاحت:۔ جمع قلت وہ ہے جو دس افراد سے کم پر بولی جائے اور جمع کثرت وہ ہے جو دس افراد یا اس سے زیادہ پر بولی جائے۔ قرء کے معنی میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت کا موقف ہے کہ اس سے مراد حیض ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کا قول ہے۔ حضرت حسن، حضرت مجاہد بھی یہی فرماتے ہیں، اوزاعی، حضرت ثوری اور اصحاب الرائی اسی طرف گئے ہیں۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ (جس عورت کو خون بلا وقفہ مسلسل جاری رہے) کو فرمایا تھا "دعی الصلٰوۃ ایام اقرائک" یعنی حیض کے دنوں کی نماز چھوڑ دے۔ اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کو لفظ اقراء سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ عورت ایام حیض کی نماز چھوڑتی ہے۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ قرء سے مراد طہر ہیں۔ یہ قول حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کا ہے اور یہی فقہائے سبعہ کا اور امام زہری رحمہ اللہ کا ہے۔ ربیعہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ ان حضرات نے اس سے دلیل دی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ جب وہ حالت حیض میں تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے۔ اس کے بعد چاہے تو اسے اپنے پاس روک رکھے اور چاہے تو ہاتھ لگانے (صحبت کرنے) سے پہلے طلاق دے دے۔ پس یہ ہے وہ عدت جس سے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے لیے عورتوں کو طلاق دی جائے۔ پس اس (واقعہ) نے خبر دی کہ زمانہ عدت جو ہے وہ طلاق ہے اور لغت کی جانب سے قول شاعر حجت ہے۔

ففی کل عام انت جاشم غزوۃ   تشد لا قصاھا عزیم عزائکا
مورثۃ مالا وفی الحی رفعۃ   لما ضاع من قروء نسائکا

شاعر نے ان دو شعروں میں خطاب کر کے کہا کہ ہر سال تو جہاد کی طرف نکل جاتا ہے اور بیویوں سے صحبت نہیں کرتا جس سے ان کے اقراء ضائع ہو جاتے ہیں۔ خاوند کے سفر پر جانے سے اقراء کا ضیاع اس وقت ہوگا جب اقراء سے مراد طہر لیا جائے گا نہ کہ زمانہ حیض۔ اختلاف کا نتیجہ اس وقت ظاہر ہوگا جب عدت بیٹھنے والی تیسرے حیض میں داخل ہوگی تو اُن کے قول کے مطابق جو عدت طہر سے شمار کرتے ہیں۔ عدت گزر جائے گی کیونکہ جس طہر میں طلاق واقع ہوئی ہے اس طہر کے بقیہ حصہ کو قرء میں شمار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مطلقہ عورت تیسرے حیض میں داخل ہوگی تو وہ عورت خاوند سے بری ہے اور خاوند اس عورت سے بری ہے اور جو اس طرف گئے ہیں کہ اقراء سے مراد حیض ہے وہ کہتے ہیں کہ عدت اس وقت تک نہ گزرے گی جب تک کہ عورت تیسرے حیض سے پاک نہ ہوگی اور یہ اختلاف اس حیثیت سے ہے کہ قرء کا نام حیض اور طہر دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے "اقرءت المراۃ" جب وہ حیض والی ہو جائے اور کہا جاتا ہے "اقرات المراۃ" جب وہ پاک ہو جائے اور اس کی اصل میں انہوں نے اختلاف کیا تو ابو عمرو بن العلاء اور ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اصل میں کسی شئی کے آنے اور جانے کے وقت کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "رجع فلان لقرئہ ولقارئہ" فلاں اپنے وقت پر واپس لوٹا۔ یہ جملہ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے وقت پر واپس لوٹے اور اسی طرح کہا جاتا ہے "ھذا قارئ الریاح" یہ ہواؤں کے چلنے کا وقت ہے۔ مالک بن حرث ہذلی فرماتے ہیں "کرھت العقر عقر بنی سلیل" کہ "اذا ھبت لقارئھا الریاح" ترجمہ: میں نے بنو سلیل کی منزل کو ناپسند سمجھا۔ جب ہوائیں اپنے وقت پر چلیں اس شعر کے دوسرے حصہ میں قارء کا لفظ وقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور قرء بمعنی وقت حیض اور طہر دونوں کے لیے موزوں ہے کیونکہ دونوں اپنے وقت پر آتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ قرء بمعنی بند کرنے اور جمع کرنے کے ہے۔ عرب والے کہتے ہیں "ماقرات الناقۃ سلاً قط" یعنی اونٹنی نے اپنے رحم کو بچے پر جمع نہ کیا۔ یہاں عرب کے محاورہ میں قرأت بمعنی جمع کرنے کے ہیں اور اسی معنی میں یہ محاورہ

ہے۔"قریت الماء فی الحوض" یعنی میں نے پانی حوض میں جمع کیا۔(یہاں "قریت" کا معنی میں نے جمع کیا سے کیا گیا) قریت کے لفظ میں ہمزہ چھوڑ دیا گیا۔لہٰذا "قروء" اس مقام پر خون کے رُک جانے اور جمع ہو جانے کے معنی میں ہے۔

پس اس معنی کی بنیاد پر طہر کے معنی کو ترجیح ہوگی کیونکہ طہر خون کو روکتا اور جمع کرتا ہے اور حیض اس خون کو چھوڑ دیتا ہے۔عدتوں میں مجموعی طور پر حکم یہ ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے چاہے فرقت طلاق سے واقع ہوئی ہو یا خاوند کی موت سے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (کہ حمل والیوں کی عدت ان کے حمل کا وضع ہوتا ہے) اور اگر حاملہ نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ میاں بیوی میں فرقت موت سے واقع ہوئی ہے تو عورت پر لازم ہے کہ چار ماہ دس دن عدت بیٹھے چاہے خاوند دخول سے پہلے مر جائے یا دخول کے بعد اور برابر ہے کہ عورت ایسی عمر میں ہو کہ اس کو حیض آتا ہے یا ان عورتوں میں سے ہو جن کو (چھوٹے یا بڑے ہونے کی وجہ سے) حیض نہیں آتا۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق (اور جو تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو (بطور عدت کے چار ماہ دس دن روکے رکھیں) اور اگر میاں بیوی میں فرقت طلاق کی وجہ سے ہوئی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر طلاق دخول سے پہلے واقع ہوئی ہے تو اس عورت پر کچھ عدت نہیں۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق (جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو) پھر تم ان کو ہاتھ لگانے سے (یعنی صحبت کرنے سے) پہلے طلاق دے دو پھر تمہارے لیے ان عورتوں پر کچھ عدت نہیں (جو وہ عدت گزاریں) اگر طلاق دخول کے بعد واقع ہوئی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ عورت کو ابھی تک حیض بالکل نہیں آیا یا عورت عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکی ہے جس میں حیض بند ہو جاتا ہے تو ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق (اور وہ جو حیض آنے سے مایوس و نا اُمید ہو گئی ہیں تمہاری عورتوں میں سے (ان کی عدت میں) اگر تم کو شبہ پڑے تو ان کی عدت تین ماہ ہے)

اور اگر وہ (مطلقہ) ان عورتوں میں سے جن کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق (کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو (بطور عدت کے) تین حیض روکے رکھیں) اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "یتربصن بانفسھن" لفظ کے لحاظ سے خبر اور معنی کے لحاظ سے امر ہے اور باندی اگر حاملہ ہے تو آزاد عورت کی طرح اس کی عدت وضع حمل ہے اور باندی اگر غیر حاملہ ہے تو خاوند فوت ہونے کی صورت میں اس کی عدت دو ماہ پانچ راتیں ہیں اور طلاق کی صورت میں اگر باندی کو حیض آتا ہے تو عدت دو حیض ہے اور اگر باندی کو حیض نہیں آتا تو عدت ڈیڑھ ماہ ہے اور کہا گیا ہے کہ حیض کی طرح دو ماہ عدت ہے۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غلام دو عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور دو طلاقیں دے سکتا ہے اور باندی دو حیض عدت بیٹھے اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو دو ماہ عدت بیٹھے یا ڈیڑھ ماہ۔

"ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن" حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد حیض ہے اور وہ اس وقت جب خاوند رجوع کا ارادہ کرے۔پس وہ عورت کہے کہ میں تین حیض گزار چکی ہوں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حمل ہے اور اس آیت کا معنی ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کو چھپائے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے رحم میں پیدا کیا ہے۔

حیض یا حمل تاکہ خاوند کا حق جو رجوع یا اولاد سے متعلق ہے باطل ہو جائے "ان کن یؤمن باللہ والیوم الآخر" اس کا معنی یہ ہے کہ (شریعت کے اس حکم پر عمل کرنا) مؤمن عورتوں کا یہ شیوہ ہے اگر چہ مومنہ کافرہ دونوں اس حکم میں برابر ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ تو کہے میرا حق ادا کر اگر تو مومن ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ حق ادا کرنا ایمان والوں کا طریقہ ہوتا ہے "وبعولتھن" ان کے خاوند بعولۃ جمع بعل کی ہے جیسے فحولۃ جمع فحل کی ہے۔ خاوند کو بعل اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ بیوی کے کاموں کا نگران و ذمہ دار ہے۔ بعل کا اصل معنی سردار اور مالک ہے "احق بردھن" زیادہ حق دار ہیں بیویوں کو اپنی طرف لوٹانے کے بارے میں "فی ذالک" حالت عدت میں "ان ارادوا اصلاحا" رجوع کرنے سے ان کی مراد اصلاح اور حسن معاشرت ہو نہ کہ نقصان پہنچانا۔ جیسا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے کہ ان میں سے کوئی آدمی بیوی کو طلاق دیتا۔ پس جب عدت گزرنے کے قریب ہوتی تو رجوع کر لیتا پھر کچھ مدت چھوڑ دیتا پھر اس کو طلاق دے دیتا پھر جب عدت گزرنے کے قریب ہوتی بیوی سے رجوع کر لیتا پھر کچھ عرصہ بعد اس کو طلاق دے دیتا۔ اس سے اس کا مقصد بیوی پر عدت کو لمبا کرنا ہوتا تھا۔ "ولھن" عورتوں کے لیے خاوندوں پر "مثل الذی علیھن" خاوندوں کے لیے (یعنی جس طرح خاوندوں کے حقوق عورتوں پر اسی طرح عورتوں کے حقوق بھی خاوندوں پر ہیں) "بالمعروف" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے معنی کے بارے میں فرماتے ہیں میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں بیوی کی خاطر بن سنور کر رہوں جس طرح وہ میری اس بات کو پسند کرتی ہے کہ وہ میری خاطر بن سنور کر رہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف"

سعید نے حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کی۔ حکیم نے اپنے باپ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تو خود کھائے تو اس کو کھلائے اور جب تو خود کپڑا پہنے بیوی کو بھی پہنائے۔ اس کے چہرے پہ نہ مارے، اس کو برا نہ کہے اور اس سے جدائی اختیار نہ کرے مگر گھر کی حدود کے اندر اندر۔

حاتم بن اسماعیل مدنی نے خبر دی، وہ جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے کہتے ہیں کہ ہم حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس گئے۔ پس میں نے عرض کی ہمیں حضور علیہ السلام کے حج مبارک کے بارے میں بیان کیجئے۔ پس انہوں نے حجۃ الوداع کا پورا قصہ بیان کیا۔ یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نویں ذوالحجہ کا خطبہ بیان کیا۔ فرمایا دو عورتوں کے معاملہ میں خدا کا خوف کرو، بے شک تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے اور تمہارا ان بیویوں کے ذمہ یہ حق ہے کہ وہ کسی کو تمہارے بستروں پر نہ آنے دیں جو تمہیں پسند نہیں (یعنی گھر میں داخل نہ ہونے دیں) اگر وہ ایسا کریں تو ان کو مارو مگر وہ مار اذیت ناک نہ ہو اور ان عورتوں کے لیے تمہارے اوپر لازم ہے ان کا رزق ان کے کپڑے معروف طریقہ پر اور بے شک میں چھوڑ چلا ہوں تمہارے اندر وہ چیز اگر تم اس کو مضبوطی سے تھام لو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم اور تم میرے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔ پس تم کیا کچھ کہنے والے ہو گے؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فرمایا ہم گواہی دیں گے بے شک آپ نے پہنچا دیا اور اپنی امت کی

''امانۃ الہیہ کو'' ادا کر دیا خیر خواہی کی۔ حضور علیہ السلام نے اپنی انگشت سبابہ کے ساتھ اشارہ فرمایا کہ اس کو آسمان کی طرف بلند فرماتے تھے اور لوگوں کی طرف جھکاتے۔ اے اللہ! تو گواہ ہو جا یہ تین دفعہ فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایمان والوں میں کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو ان میں سے اچھے اخلاق والا ہے اور تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیوی کے حق میں اچھے ہیں۔) اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ''وللرجال علیھن درجۃ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ (کہ مردوں کا عورتوں پر ایک درجہ فائق ہونا) اس لیے ہے کہ مرد عورت کو حق مہر ادا کرتا ہے اور اس پر مال خرچ کرتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (مردوں کا ایک درجہ فائق ہونا) جہاد کے اعتبار سے ہے (کہ مرد جہاد کرتا ہے عورت جہاد کی فضیلت سے محروم ہے) بعض نے کہا ہے (مرد کی بالاتری) عقل کے اعتبار سے بعض نے کہا ہے۔ شہادت کے اعتبار سے بعض نے کہا ہے کہ میراث کے لحاظ سے (کہ مرد بنسبت عورت کے زیادہ میراث پاتا ہے) بعض نے کہا ہے باعتبار دیت کے کہا گیا کہ طلاق کے لحاظ کہ طلاق کا معاملہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ بعض نے کہا (کہ رجعی طلاق میں) رجوع کرنے کے اعتبار سے سفیان اور زید بن اسلم فرماتے ہیں امارہ امیر بننے کے لحاظ سے قتیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''وللرجال علیھن درجۃ'' کا معنی ہے حق میں فضیلت کے لحاظ سے ''واللہ عزیز حکیم''

ہمیں احمد بن محمد بن عیسیٰ برتی نے خبر دی (وہ کہتے ہیں) ہمیں حذیفہ نے خبر دی (وہ کہتے ہیں) ہمیں سفیان نے خبر دی، سفیان نے اعمش سے روایت کی۔ اعمش نے ابوظبیان (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ بے شک معاذ بن جبل ایک جہاد میں نکلے جس میں حضور علیہ السلام نے ان کو بھیجا تھا۔ پھر واپس ہوئے وہاں لوگوں کو دیکھا تھا کہ بعض بعض کو سجدہ کرتے تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر کسی کو میں حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

ترجمہ: وہ طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (کسی) جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضابطہ خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر

عورت اپنی جان چھڑا لے۔ یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلو اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جاوے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں

تفسیر ⓶⓶⓽ "الطلاق مرتان" حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے فرمایا کہ لوگ ابتداء میں بے شمار و لاتعداد طلاقیں دیتے اور آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا۔ جب عدت گزرنے کو آتی تو اس سے رجوع کر لیتے۔ پھر اس کو طلاق دے دیتا پھر رجوع کر لیتا، مقصد عورت کو نقصان پہنچانا ہوتا پھر یہ آیت نازل ہوئی "الطلاق مرتان" یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند رجوع کر سکتا ہے وہ صرف دو دفعہ ہے۔ پس جب وہ تین طلاق دے گا تو پھر وہ عورت اس آدمی کے لیے حلال نہ ہوگی مگر دوسرے خاوند سے نکاح کے بعد۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فامساک بمعروف" بعض نے کہا ہے کہ امساک سے مراد دوسری طلاق کے بعد رجوع کرنا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد رجوع کرنے کے بعد معروف طریقہ کے مطابق اپنے پاس رکھنا ہے۔ یعنی جب دوسری طلاق کے بعد رجوع کر لے تو معروف طریقہ کے مطابق اپنے پاس بیوی کو رکھے اور معروف سے مراد ہر وہ طریقہ ہے جو شریعت میں جانا پہچانا ہو مثلاً حقوق نکاح کی ادائیگی اور حسن صحبت۔ "او تسریح باحسان" وہ یہ کہ طلاق کے بعد بیوی کو چھوڑ دے (یعنی رجوع نہ کرے) حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے۔

بعض نے کہا کہ تسریح باحسان سے مراد تیسری طلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "او تسریح باحسان" وہ واضح لفظ جس سے بغیر کسی نیت کے طلاق واقع ہو جاتی ہے وہ تین لفظ ہیں۔ ❶ طلاق ❷ فراق ❸ السراح۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ صریح صرف لفظ طلاق ہے۔ طلاق سے متعلق مجموعی حکم یہ ہے کہ آزاد آدمی جب اپنی بیوی کو دخول کے بعد ایک یا دو طلاق دے دے تو جب تک بیوی عدت کے اندر ہے خاوند کے لیے بیوی کی مرضی کے بغیر بھی بیوی سے رجوع کرنا جائز ہے اور اگر خاوند نے رجوع نہ کیا یہاں تک کہ اس کی عدت گزر گئی یا پھر دخول سے پہلے طلاق دی یا پھر بیوی سے خلع کر لیا تو ان تینوں صورتوں میں اس آدمی کے لیے نئے نکاح کے بغیر بیوی حلال نہ ہوگی اور یہ نیا نکاح عورت کی اجازت سے ہوگا اور ولی عورت کی اجازت سے ہوگا اور اگر بیوی کو تین طلاق دی تو پھر وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ عورت اس کے سوا کسی اور سے نکاح کرے (پھر وہ دوسرا خاوند اپنی مرضی سے طلاق دے اور اس کی عدت گزار کر پھر اس پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے)۔

اور اگر غلام کے نکاح میں عورت ہو اور وہ اس کو دو طلاق دے تو وہ عورت اس غلام خاوند کے لیے کسی دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کے بغیر جائز نہیں ہے۔ اہل علم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ خاوند یا بیوی میں سے کوئی ایک غلام ہو یعنی خاوند غلام اور بیوی آزاد ہو یا بیوی باندی ہو تو اکثر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ عدد طلاق کا اعتبار خاوند سے متعلق ہے۔ لہٰذا اگر خاوند آزاد ہے تو وہ اپنی باندی بیوی کو تین طلاق دے سکتا ہے اور غلام خاوند اپنی آزاد عورت کو دو طلاق دینے کا مجاز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الطلاق بالرجال" کہ طلاق کی تعداد کا تعلق مردوں سے ہے (کہ آزاد تین طلاق کا مالک اور غلام دو کا)" والعدۃ بالنساء" اور عدت کا تعلق عورتوں سے کہ عورت آزاد ہے تو تین حیض اس کی عدت ہوگی اور اگر عورت باندی ہے تو

دو حیض اور یہ قول حضرت عثمان، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی حضرت عطاء، حضرت سعید بن المسیب (رحمہما اللہ) نے کہا اور اسی طرف امام مالک اور امام شافعی، حضرت احمد اور حضرت اسحاق رحمہم اللہ گئے ہیں اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ عدد طلاق کا اعتبار عورت سے ہے۔ لہٰذا غلام خاوند اپنی آزاد بیوی کو تین طلاق دے سکتا ہے اور آزاد خاوند اپنی باندی بیوی کو صرف دو طلاق دے سکتا ہے اور یہ قول سفیان ثوری اور اصحاب الرائی کا ہے۔

"ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن شیئا" تم نے ان کو مہر وغیرہ سے کچھ چیز عطاء کی۔ پھر خلع کا استثناء کیا۔ پس فرمایا "الا ان یخافا ان لا یقیما حدود اللّٰہ" یہ آیت کریمہ عبداللہ بن ابی اوفی کی صاحبزادی حضرت سیدہ جمیلہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی۔

بعض نے کہا کہ حضرت حبیبہ بنت سہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ حضرت حبیبہ حضرت ثابت بن قیس سے بغض رکھتی تھیں اور حضرت ثابت حضرت حبیبہ سے محبت فرماتے تھے۔ دونوں کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوئی۔ حضرت حبیبہ نے اپنے باپ کے پاس آکر خاوند کی شکایت کی اور کہا کہ وہ مجھ سے برا معاملہ کرتا ہے اور مجھے مارتا ہے تو باپ نے کہا اپنے خاوند کے پاس چلی جا، میں اس بات کو عورت کے لیے اچھا نہیں سمجھتا کہ وہ ہمیشہ ہاتھ اُٹھانے، خاوند کی شکایت کرتی رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت حبیبا اپنے باپ کے پاس ایک دفعہ پھر آئی اور اس پر مار کا نشان بھی تھا۔ باپ نے کہا اپنے خاوند کے پاس لوٹ جا۔ حضرت حبیبہ نے جب دیکھا کہ اس کا باپ اس کی شکایت کا ازالہ نہیں کر رہا تو حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئی اور حضور علیہ السلام سے اپنے خاوند کی شکایت کی اور مارنے کے نشانات دکھانے اور کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ میں اور نہ وہ (ہمارا گزارا نہیں ہوسکتا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیجا اور فرمایا کہ تمہارا اور تمہارے گھر والوں کا باہمی کیا معاملہ ہے؟ اس پر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ علیہ السلام کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے۔ روئے زمین پر سوائے آپ علیہ السلام کی ذات اقدس کے مجھے اس (بیوی) سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ثابت کی بیوی کو فرمایا تو کیا کہتی ہے؟ تو حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری کہ جب حضور علیہ السلام نے پوچھا ہے تو حضور علیہ السلام سے جھوٹ بولے۔ پس حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، ثابت نے سچ کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے ہلاک نہ کر دے۔ پس مجھے اس سے نکالئے اور کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہتی کہ حق تعالیٰ اس کے خلاف آپ علیہ السلام پر نازل فرمادے۔ پس وہ (ثابت) تمام انسانوں سے صحبت اور محبت کے لحاظ سے بڑھ کر کریم (بہتر ہے) مگر میں اسے مبغوض رکھتی ہوں۔ پس نہ میں اور نہ وہ (ہمارا گزارا نہیں ہوسکتا) حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور علیہ السلام میں نے اس کو باغ دیا ہے (حق مہر کے طور پر) پس اس کو فرمایئے کہ وہ باغ مجھے لوٹا دے میں اس کا راستہ چھوڑ دیتا ہوں (یعنی طلاق دے دیتا ہوں)۔ پس حضور علیہ السلام نے اس کو فرمایا کہ تو اسے

باغ لوٹا دے گی اور اپنے امر کی مالک بن جائے گی ؟ (اس سوالیہ نشان کا مطلب یہ ہے کہ کیا تجھے یہ منظور ہے؟) حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی قسم یعنی ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا اے ثابت! اس حبیبہ سے وہ کچھ لے لے جو کچھ تو نے اس کو دیا تھا اور اس کا راستہ چھوڑ دے۔ (یعنی اسے طلاق دے دے۔ چنانچہ حضرت ثابت نے ایسا ہی کیا)

حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ثابت پر حسن خلق اور دینداری کے اعتبار سے قطعاً ناراض نہیں مگر میں اسلام میں کفر کو ناگوار سمجھتی ہوں (یعنی مسلمان ہو کر خاوند کی ناشکری کروں) حضور علیہ السلام نے اسے فرمایا کیا تو اس پر اس کا باغ لوٹا دے گی؟ اس نے کہا ہاں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، باغ قبول کر لے اور اسے طلاق دے دے۔ "الا ان یخافا" وہ دونوں جان لیں کہ (ازدواجی زندگی سے متعلق) اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گی۔ ابو جعفر اور حمزہ اور یعقوب رحمہم اللہ نے "الا ان یُخافا" یاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ان دونوں سے معلوم کیا جائے یعنی قاضی یا حاکم وقت زوجین سے یہ معلوم کریں۔ یہ قرأۃ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے "فان خفتم" (اگر تم خوف محسوس کرو) اس جگہ خوف کو زوجین کے ماسواء کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح نہیں فرمایا "فان خافا" اور باقیوں نے "یَخافا" یاء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی میاں بیوی اپنے آپ میں یہ محسوس و معلوم کریں کہ وہ دونوں حدود اللہ (جو ازدواجی زندگی سے متعلق ہیں) قائم نہ رکھ سکیں گے۔ عورت خوف محسوس کرنے کہ خاوند کے حق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر بیٹھے گی اور خاوند کو یہ خطرہ لاحق ہو کہ اس کی بیوی اس کی اطاعت نہ کرے گی کہیں اس پر زیادتی (ظلم) نہ کر بیٹھوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا اس بات سے کہ خاوند نے بیوی کو جو کچھ دیا تھا اس میں سے کچھ لے۔ ہاں اس وقت کچھ لینا جائز ہے جب جھگڑا بیوی کی طرف سے ہو۔ مثلاً کہے کہ میں تیری فرمانبرداری نہ کروں گی اور تیرے قریب نہ آؤں گی اور اس طرح کی اور باتیں

"فان خفتم الا یقیما حدود اللّٰہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ" اس میں کچھ گناہ نہیں جو کچھ عورت اپنی ذات کا فدیہ دے۔ فراء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "علیھما" سے صرف خاوند مراد لیا ہے نہ کہ بیوی اور ضمیر "تثنیہ" میں دونوں کا ذکر دونوں کے باہمی ملاپ کی وجہ سے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا "نسیا حوتھما" یعنی جس طرح "نسیا" میں ضمیر حضرت موسیٰ اور خادم موسیٰ کی طرف راجع ہے حالانکہ بھولنے والے صرف خادم موسیٰ تھے نہ کہ حضرت موسیٰ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ ان ہر دو پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ عورت پر نشوز یعنی جھگڑا کا گناہ نہیں جب وہ ہلاکت اور گناہ کا خوف محسوس کرے اور نہ اس سے متعلق کوئی گناہ ہے جو کہ وہ اپنی ذات کا فدیہ اور مال دے کیونکہ وہ عورت مال کو ناحق ضائع کرنے سے منع کی گئی ہے اور خاوند پر گناہ نہیں ہے جب وہ عورت سے مال لے لے۔ جب عورت خوشدلی سے مال دے اور اکثر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ خاوند نے جو کچھ عورت کو دیا خلع کی صورت میں خاوند عورت سے اس سے زیادہ مال لے لے۔

زہری فرماتے ہیں کہ خاوند کے لیے مہر میں دیئے گئے مال سے زیادہ مال خلع کی صورت میں لینا جائز نہیں ہے۔ سعید بن

مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خاوند بیوی سے اپنا دیا ہوا سارا مال نہ لے بلکہ کچھ چھوڑ دے اور خلع نشوز یعنی جھگڑے کی حالت کے بغیر بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے کیونکہ اس میں بلاوجہ قطع تعلق کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک تمام جائز کاموں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہونے کے باوجود ناپسند کام طلاق ہے اور محبوب ترین جائز عمل غلام آزاد کرنا ہے۔) ابوقلابہ نے ابواسماء رحبی سے، وہ ثوبان سے روایت کرتے ہیں، ثوبان (رضی اللہ عنہ) یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو عورت بغیر عذر (شرعی) کے خاوند سے طلاق طلب کرتی ہے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔ طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلع صرف حالت نشوز (جھگڑے) کے ساتھ خاص ہے اور آیت حسب عادت اس بارے میں دال ہے کہ خلع غالباً صرف جھگڑے کے خوف کی صورت میں ہوتا ہے اور جب آدمی اپنی بیوی کو مال کی شرط پر لفظ طلاق کے ساتھ طلاق دے تو اس سے بینونۃ واقع ہوگی (یعنی طلاق بائنہ واقع ہوگی) اور عدد طلاق میں اس سے کمی واقع ہوگی۔

اہل علم نے خلع کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر حضرات کا موقف یہ ہے کہ خلع طلاق بائن ہے اور اس سے عدد طلاق میں کمی واقع ہوگی اور یہ حضرت عمر، عثمان، علی، ابن مسعود (رضی اللہ عنہم) کا قول ہے۔ سعید بن مسیب، عطاء، حسن، شعبی، نخعی (رحمہم اللہ) بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالک، ثوری، اوزاعی اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں اور یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ظاہر قول ہے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے۔ اس عدد طلاق میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ عبداللہ بن عمر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت عکرمہ اور طاؤس رحمہما اللہ نے یہی کہا ہے۔ حضرت احمد اور اسحاق رحمہما اللہ اسی طرف گئے ہیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو طلاق کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد خلع کا ذکر کیا۔ اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا اور فرمایا "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتّٰی تنکح زوجًا غیرہ" اگر خلع طلاق شمار ہو تو دریں صورت طلاقیں چار ہوں گی اور جس نے قول اول کیا (یعنی خلع کو طلاق شمار کیا) اس نے "او تسریح باحسان" کو تیسری طلاق شمار کیا ہے۔ فرمان خداوندی "تلک حدود اللّٰہ" یہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ہیں۔ حدود اللہ وہ ہیں جن کو کراس کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ "فلا تعتدوھا" ان سے تجاوز نہ کرو۔ "ومن یتعد حدود اللّٰہ فاولٰئک ھم الظّٰلمون"

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

(ترجمہ) پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دے دے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے پھر اگر یہ اس کو طلاق دے دے تو ان دونوں پر

اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جاویں بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہوں کہ (آئندہ) خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے اور یہ خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند ہیں۔

تفسیر ⊕ "فان طلقھا" تیسری طلاق "فلا تحل لہ من بعد" تیسری طلاق کے بعد "حتٰی تنکح زوجاً وغیرہ" طلاق دہندہ کے علاوہ پس وہ دوسرا خاوند اس سے جماع بھی کرے لفظ نکاح جماع اور عقد دونوں کو شامل ہے۔ یہ آیت کریمہ تمیمہ کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ عائشہ بنت عبدالرحمٰن بن عتیک قرظی کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اپنے چچازاد رفاعہ بن وہب بن عتیک قرظی کے گھر میں تھی اس نے اسے تین طلاق دی۔

حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے ہوئے سنا کہ رفاعہ قرظی کی بیوی حضور علیہ السلام کے پاس آئی اور عرض کی میں رفاعہ کے پاس تھی پس اس نے مجھے طلاق دی اور طلاق بھی طلاق قطعی (مغلظہ) اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کیا اور اس کے پاس تو صرف کپڑے کا پلو ہے۔ پس حضور علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا کیا تو ارادہ رکھتی ہے کہ رفاعہ کے پاس لوٹ جائے؟ اس نے عرض کی ہاں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا نہیں حتیٰ کہ وہ تیرا شہد چکھے۔

اور تو اس کا شہد چکھے اور روایت کیا گیا ہے کہ وہ عورت جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ٹھہری پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے چھوا ہے (جماع کیا ہے) پس اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تو اپنی پہلی بات میں جھوٹ کہا اب ہم دوسری بات میں تیری تصدیق نہیں کریں گے) پس وہ عورت اسی حال میں رہی حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ پس وہ عورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹنا چاہتی ہوں۔ یقیناً مجھے میرے دوسرے خاوند نے چھولیا ہے (جماع کرلیا ہے) اور مجھے طلاق دے دی ہے۔ بے شک تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے فرمایا تھا جو کچھ فرمایا تھا لہٰذا اب تو پہلے خاوند کی طرف مت لوٹ۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ عورت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی وہی کچھ کہا جو وہ عورت پہلے کہہ چکی تھی تو اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو اس پہلے خاوند کی طرف مت لوٹ، اگر تو پہلے خاوند کی طرف لوٹی تو میں تجھے ضرور سنگسار کروں گا۔

"فان طلقھا فلاجناح علیھما ان یتراجعا" اگر اس کو دوسرا خاوند طلاق دے دے بعد اس کے کہ اس سے جماع کرلے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ یعنی نہ عورت پر نہ پہلے خاوند پر کہ وہ باہم رجوع کرلیں۔ یعنی نکاح جدید کے ساتھ "ان ظنا" اگر علم جب دونوں جان لیں اور بعض نے کہا ہے کہ ظنا کے معنی ہیں جب دونوں کو امید ہو چلے کیونکہ کوئی ایک بھی نہیں جانتا کہ آیندہ کیا کچھ ہونے والا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے "ان یقیما حدود اللہ" ان دونوں کے درمیان صلاح "تیرخوبی" کا معاملہ ہوگا اور حسن صحبت ہوگی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ان ظنا" کا معنی ہے کہ جب وہ اس بات کو بخوبی جان لیں کہ ان دونوں کا نکاح بغیر دلسہ (فراڈ بازی) کے ہے اور دلسہ سے مراد محض حلال کرنا ہی مقصود ہے (یعنی حلالہ کی ڈرامہ بازی) یہ حضرت سفیان

ثوری، اوزاعی، امام مالک، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب تین طلاق والی مطلقہ دوسرے آدمی سے محض اس بنیاد پر نکاح کرتی ہے کہ وہ دوسرا خاوند اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے تو یہ نکاح فاسد ہے۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ دوسرے خاوند سے نکاح میں یہ شرط نہ لگائی جائے کہ وہ (نکاح کے بعد) چھوڑ دے گا تو نکاح صحیح ہے اور اس سے تحلیل (اس عورت کا پہلے خاوند کے لیے حلال ہونا) ہو جائے گی اور اس عورت کے لیے مہر مثل ہوگا مگر ایسا کرنا اس وقت مکروہ ہے جب ارادہ میں یہ بات ہو کہ وہ نکاح کرنے کے بعد چھوڑ دے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حلال کرنے والے اور جس کے لیے (عورت کو) حلال کیا گیا ہے لعنت فرمائی ہے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک آدمی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آ کر کہا کہ بے شک ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہے۔ پس اس کا بھائی بغیر کسی منصوبہ بندی کے گیا۔ پس اس عورت سے نکاح کیا تا کہ اس پہلے خاوند کے لیے حلال کرے۔ پس ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ نکاح بر غبت ہو، ہم حضور علیہ السلام کے زمانے میں اس قسم کے نکاح کو زنا شمار کرتے تھے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ تعالیٰ نے حلال کرنے والے اور جس کے لیے عورت حلال کی گئی ہے لعنت فرمائی ہے)" **وتلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون** "یعنی جانتے ہیں جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

ترجمہ اور جب تم نے عورتوں کو (رجعی) طلاق دی ہو پھر وہ اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جاویں تو (یا تو) ان کو قاعدہ (رجعت) کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادے سے کہ ان پر ظلم کیا کرو گے اور جو شخص ایسا (برتاؤ) کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو ولعب (کی طرح بے وقعت) مت سمجھو اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور (خصوصاً) اس کتاب اور (مضامین) حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے نازل فرمائی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعہ سے نصیحت فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں

تفسیر ۲۳۱ "**واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن**" یہ آیت کریمہ ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام ثابت بن یسار تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی حتیٰ کہ جب عدت گزرنے کے قریب ہوئی اس سے رجوع کر لیا، پھر اس کو طلاق دے دی۔

اس سے مقصود عورت کو نقصان پہنچانا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فبلغن اجلھن" اس کے قریب ہو گئیں کہ وہ عدت گزرنے کے ساتھ (خاوندوں سے) جدا ہو جائیں۔ اس آیت کریمہ سے حقیقتاً عدت کا گزر جانا مقصود نہیں کیونکہ جب واقعتاً عدت گزر جائے۔

تو خاوند بیوی کے روکنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا یہاں بلوغ سے مراد بلوغ مقاربت ہے (یعنی عدت ختم ہونے کے قریب ہو جائے) اور اس کے بعد آنے والے فلا تعضلوھن "میں عدت کا واقعتاً گزر جانا مراد ہے اور بلوغ دو معنوں کو شامل ہے کہا جاتا ہے "بلغت المدینۃ" یہ جملہ تو اس وقت کہے گا جب تو شہر کے قریب ہو جائے اور جب تو اس کو داخل ہو (یعنی پہنچے کے قریب ہو جانا یا واقعی پہنچ جانا "فامسکوھن" ان سے رجوع کرلو (بمعروف) بعض نے کہا ہے رجوع کرنا معروف طریقہ سے ہو اور وہ اس طرح کہ اپنے رجوع پر گواہ بنالے اور رجوع کرنا زبانی ہو وطی (جماع) سے نہ ہو۔ "اوسرحوھن بمعروف" ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی عدت گزر جائے۔ پس وہ اپنے آپ کی مالک بن جائیں۔ "ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا" رجوع کرنے سے مقصود زیادہ دیر روک کر بیویوں کو نقصان پہنچانا نہ ہو۔ "ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا۔ "ولا تتخذوا آیات اللہ ھزوا" کلبی فرماتے ہیں یہاں آیات اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "فامساک بمعروف او تسریح باحسان" اور ہر وہ شخص حکم شرع کی مخالفت کرتا ہے پس وہ شخص آیات الٰہی کو مذاق بنانے والا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیات الٰہی کو مذاق بنانا اس طرح ہے کہ آدمی بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر کہتا کہ میں تو ہنسی مزاح کر رہا تھا اسی طرح غلام آزاد کر کے کہتا اور نکاح کرتا تو اسی طرح کہتا کہ میں تو مزاح کر رہا تھا۔

ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جن سے متعلق سنجیدہ گفتگو بھی سنجیدہ ہے اور ہنسی مزاح کے طور پر ان کا ذکر کرنا یا کلام کرنا بھی سنجیدہ کلام کے حکم میں ہے اور فرمایا وہ تین چیزیں یہ ہیں: طلاق، نکاح، رجوع کرنا۔ "واذکروا نعمۃ اللہ علیکم" نعمت سے مراد ایمان ہے "وما انزل علیکم من الکتاب" قرآن کریم "والحکمۃ" یعنی سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض نے کہا ہے کہ حکمت سے مراد مواعظ قرآنی ہیں۔ "یعظکم بہ واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بکل شیء علیم"

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(ترجمہ) اور جب تم میں ایسے لوگ پائے جاویں کہ وہ اپنی بیبیوں کو طلاق دے دیں پھر وہ عورتیں اپنی میعاد (عدت) بھی پوری کر چکیں تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں جب کہ باہم رضامند ہو جاویں

قاعدہ کے موافق اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو اور تم میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر ﴿۲۳۲﴾ "واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن" جمیلہ بنت یسار جو کہ معقل بن یسار مزنی کی بہن تھی ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ محترمہ ابو القداح بن عاصم بن عدی بن عجلان کے گھر تھیں۔ پس انہوں نے اس کو طلاق دی۔ معقل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک آدمی سے کر دیا۔ پس اس نے میری بہن کو طلاق دے دی حتیٰ کہ جب اس کی عدت گزر گئی۔ وہ آدمی میری بہن کو پیغام نکاح دینے آ گیا۔ میں نے اس آدمی کو کہا میں نے اپنی بہن کا تجھ سے نکاح کر دیا اور اس کو تیرے زیر فراش کیا، تیرا اکرام کیا، پس تو نے اس کو طلاق دے دی۔ اب پھر تو اسے نکاح کا پیغام دینے آ گیا؟ خبردار! میری بہن اب تیری طرف کبھی نہ لوٹے گی اور وہ آدمی کچھ برا نہ تھا اور عورت (میری بہن) بھی اس کے پاس جانا چاہتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا "فلا تعضلوهن ان ینكحن ازواجهن" میں نے عرض کی یا رسول اللہ اب میں کروں گا (یعنی اپنی بہن کا نکاح اس آدمی سے کردوں گا روکوں گا نہیں)۔ راوی کہتا ہے چنانچہ اس نے اس عورت کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فبلغن اجلهن" یعنی ان کی عدت گزر جائے۔ "فلا تعضلوهن ان ینكحن ازواجهن" یعنی ان عورتوں کو (سابقہ خاوندوں سے) نکاح سے نہ روکو۔ "عضل" کا معنی منع کرنا ہے۔ عضل کا اصل معنی تنگی اور شدت ہے۔ کہا جاتا ہے "عضلت المرأة" جب اس عورت کا بچہ اس کے پیٹ میں اٹک جائے۔

اور اس بچے پر نکلنا تنگ ہو جائے۔ "الداء العضال" وہ بیماری جس کا علاج نہ کیا جا سکے۔ اس آیت میں اس امر پر دلیل ہے کہ (تنہا) عورت عقد نکاح کی متولی نہیں بن سکتی اس لیے کہ اگر عورت اس کی مالک ہوتی تو اس مقام پر پھر "عضل" یعنی نکاح سے روک نہ ہوتی اور نہ ہی ولی کو رکاوٹ "عضل" ڈالنے سے منع کرنے کا کوئی معنی ہوتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں خاوندوں سے خطاب ہے کہ ان کو ضرر دینے سے منع کیا جا رہا ہے کیونکہ ابتداء آیت میں ان سے خطاب کیا گیا مگر اول قول زیادہ صحیح ہے۔ "اذا تراضوا بینهم بالمعروف" عقد حلال اور مناسب و جائز مہر کے ساتھ "ذالک" جو نہی مذکور ہے "یوعظ به من كان منكم یؤمن بالله والیوم الآخر" اس آیت کریمہ میں مفرد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ خطاب عورت کے اولیاء (ولی وارثوں) سے ہے۔ اس لیے کہ جمع کو خطاب کرنے کے لیے لفظ "ذالكم" ہے پھر جب زیادہ استعمال ہوا حتیٰ کہ انہیں گمان ہوا کہ کاف نفس یعنی ذات حرف کا حصہ ہے اور کاف خطاب نہیں۔ پس انہوں نے لفظ "ذالک" استعمال کیا۔ پس جب انہوں نے یہ کہا تو کاف مفرد، تثنیہ، جمع مذکر مؤنث کے لیے یکساں ہو گیا (دلالت کے لحاظ سے)

بعض حضرات کا قول ہے کہ "ذالک" سے خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس لیے مفرد مذکور ہوا۔ پھر اس کے بعد مؤمنین کے ساتھ خطاب میں رجوع فرمایا۔ پھر فرمایا "ذالكم ازكى لكم ...... اى خير لكم" تمہارے حق میں بہتر ہے "واطهر" تمہارے دلوں کو شک سے پاک کرنے کے لحاظ سے اور یہ اس لیے کہ ان ہر دو (میاں بیوی) کے مابین ایک قلبی تعلق

پہلے سے اس طرح قائم ہے جس کے ہوتے ہوئے اس بات کا خطرہ موجود ہے کہ یہ تعلق خاوند بیوی کو ناجائز کام تک پہنچا دے۔ نیز خاوند اور بیوی کے ولی وارثوں کے متعلق یہ قوی احتمال موجود ہے کہ ان کے دلوں کی طرف کوئی ایسی بدگمانی سبقت کر جائے جس سے میاں بیوی بری ہوں۔ اس طرح جائین کے ولی وارث گنہگار ہو جائیں۔ "واللہ یعلم وانتم لا تعلمون" اللہ تعالیٰ اس محبت کو خوب جانتا ہے جو خاوند اور بیوی کے درمیان قلبی طور پر قائم ہے جو تم نہیں جانتے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

ترجمہ اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو پھر اگر دونوں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی سے اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ ان کے حوالہ کر دو جو کچھ ان کو دینا ہو قاعدہ کے موافق اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں

تفسیر ۝ "والوالدات یرضعن اولادھن" طلاق یافتہ وہ عورتیں جن کے ہاں ان کے خاوندوں کی جانب سے اولاد ہے "یرضعن" خبر بمعنی امر یعنی بظاہر تو اللہ تعالیٰ "یرضعن" لفظ کے ساتھ خبر دے رہے ہیں۔ درحقیقت دودھ پلانے کا حکم دے رہے ہیں۔ مگر یہ امر استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے کیونکہ بچوں کو جب دودھ پلانے والی کوئی اور عورت دستیاب ہو تو اس مطلقہ عورت پر دودھ پلانا واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سورۂ طلاق میں فرماتے ہیں "فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن" (پس اگر وہ مائیں طلاق یافتہ) دودھ پلائیں تو ان کو ان کا بدلہ دے دو۔ اس فرمان الٰہی میں حتمایہ کہا گیا کہ وہ دودھ پلائیں بلکہ ان کا لفظ لا کر یعنی اگر وہ دودھ پلائیں یہ معاملہ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

پس اگر والدہ بچے کو دودھ پلانے میں دلچسپی لے تو وہ اور عورتوں سے زیادہ حق دار ہے "حولین کاملین" دو سال اور کمال کا لفظ تاکید کے لیے ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "تلک عشرۃ کاملۃ" اور کہا گیا ہے کہ کاملین کا لفظ اللہ تعالیٰ

نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ اہل عرب سال کے بعض حصہ کو سال اور مہینے کے بعض حصہ کو مہینہ شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الحج اشہر معلومات" تو یہاں حج کے اوقات کے سلسلہ میں لفظ "اشہر" جو کہ جمع ہے اور جمع کے لیے تین عدد ہوتے ہیں جبکہ حج کا وقت تین مہینے نہیں بلکہ دو مہینے مکمل اور تیسرا مہینہ کا بعض حصہ اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے "فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ" تو یہاں "تعجل فی یومین" فرمایا حالانکہ اس تعجل میں ایک دن مکمل اور دوسرا دن کا بعض ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے "اقام فلان بموضع کذا حولین" کہ فلاں شخص فلاں جگہ دو سال ٹھہرا حالانکہ وہ وہاں ایک سال اور دوسرے سال کا بعض حصہ ٹھہرا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے کھول کر بیان فرمایا کہ یہ دو سال کامل ہیں یعنی ۲۴ مہینے

(دودھ پلانے کی) اس حد میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا یہ دو سال کی حد بعض بچوں کے بارے میں ہے۔ چنانچہ حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جب عورت بچہ چھ ماہ کی مدت حمل پر جنے تو اس بچہ کو پورے دو سال دودھ پلائے گی اور اگر سات ماہ کی مدت حمل پر بچہ جنے تو تیئیس ماہ دودھ پلائے گی۔ یعنی دو سال سے ایک ماہ کم اور اگر نو ماہ کی مدت حمل میں بچہ جنے تو وہ بچہ کو اکیس ماہ دودھ پلائے گی اور اگر دس ماہ مدت حمل پر بچہ جنے تو وہ عورت بچہ کو بیس ماہ دودھ پلائے گی۔

یہ سب کچھ تیس ماہ پورا کرنے کے لیے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد عالی کے مطابق "وحملہ و فصالہ ثلاثون شہرا" ایک قوم نے کہا یہ مدت دودھ پلانے کی ہر بچے کے لیے جس وقت بھی پیدا ہو۔ اس کی مدت رضاعت دو سال سے کچھ کمی واقع نہ ہوگی مگر والدین کے باہمی اتفاق سے والدین میں سے جو ایک دو سال کی مدت رضاعت سے پہلے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہے گا تو اس کے لیے یہ جائز نہ ہوگا مگر یہ بھی کہ دونوں اس پر متفق ہو جائیں۔ بوجہ فرمان خداوندی کے "فان ارادا فصالا عن تراض منہما و تشاور" یہ ابن جریج اور ثوری کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے والبی کی روایت ہے بعض نے کہا ہے کہ آیت سے مراد یہ ہے کہ دودھ پینے کی وہ مدت جس سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ وہ دو سال ہے۔ لہٰذا دو سال کے بعد حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ماؤں پر فرض کیا ہے کہ وہ اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں۔ پھر تخفیف فرمائی "لمن اراد ان یتم الرضاعۃ" یعنی یہ مدت رضاعت کی انتہا ہے اور اس سے کم دودھ پلانے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔ دو سال سے کم مدت دودھ پلانا بچے کی بہتری پر موقوف ہے اور اس پر جس سے اس بچہ کی زندگی موقوف ہے "وعلی المولود لہ" یعنی والد "رزقہن" ان کا طعام "وکسوتہن" ان کا لباس "بالمعروف" آسانی کی حد تک جس حد تک با آسانی لباس خوراک مہیا کر سکے "لاتکلف نفس الا وسعہا" اپنی طاقت کے مطابق "لاتضار والدۃ بولدہا" ابن کثیر اور اہل بصرہ نے "لاتضار" کو راء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لاتکلف" کے مطابق۔ اس کا اصل "تُضَارِرُ" پھر راء کو راء میں ادغام کر دیا گیا۔

اور باقی حضرات نے "تضارّ" راء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور ان حضرات نے کہا کہ جب راء کو راء میں ادغام کیا گیا تو

اس کو اخف الحرکات دی گئی اور وہ زبر ہے اور آیت کا معنی ہے کہ والدہ کو بچے کے حوالے سے نقصان نہ دیا جائے کہ والدہ دودھ پلانے پر راضی ہے پھر بھی اس سے چھین کر بچہ کسی اور کے حوالے کر دیا جائے۔ "ولا مولود له بولده" کہ بچہ ماں کے دودھ پینے پر مانوس ہو چکا ہے اور ماں بچے کو باپ کی طرف پھینک دے تاکہ باپ کو دودھ پلانے پلوانے پر مشکل پیش آئے اور کہا گیا ہے کہ والدہ کو نقصان بایں معنی نہ دیا جائے کہ ماں دودھ نہیں پلانا چاہتی اور باپ اس کو مجبور کرتا ہے جبکہ بچہ دوسری عورت کے دودھ کو قبول کر چکا ہے کیونکہ دودھ پلانا ماں پر واجب نہیں ہے اور باپ کو بھی بچے کی وجہ سے نقصان نہ دیا جائے۔ بایں طور کہ بچہ کسی اور عورت کے دودھ کو قبول نہیں کرتا اور والدہ عام حق الخدمت سے بڑھ کر دودھ پلانے کی اُجرت لیتی ہے۔ ان دونوں قولوں کے مطابق "لا تضار" کا لفظ پہلی راء کی زبر کے ساتھ ہوگا۔ فعل مجہول کی بنیاد پر اور "والدة والمولود له" دونوں مفعول ہوں گے اور یہ بھی محتمل ہے کہ فعل "الوالدة" اور "المولود له" کا ہو یعنی یہ دونوں تضار کے فاعل ہوں اور تضار قبل الادغام تضارر فعل معروف ہو اور معنی ہوگا۔ لا تضارر والدة کہ والدہ نقصان نہ دے کہ (دودھ پلا سکنے کے باوجود) دودھ نہ پلائے اور انکار کر دے تاکہ والد پر یہ معاملہ مشکل ہو جائے۔ "ولا مولود له" کہ والد بچے کی ماں کو نقصان نہ دے کہ اس سے بچہ چھین لے اور ماں کو دودھ نہ پلانے دے۔ ان اقوال کی بنیاد پر ضرار کا تعلق والدین سے ہوگا کہ بچے کے حوالے سے والد والدہ ایک دوسرے کو نقصان دیں۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ ضرار کا تعلق بچہ سے ہو کہ والد والدہ دونوں بچے کو نقصان نہ دیں۔ ماں کا نقصان دینا بایں معنی کہ وہ بچہ کو دودھ نہ پلائے حتیٰ کہ بچہ ہلاک ہو جائے یا باپ خرچ نہ کرے یا بچے کو ماں سے چھین لے جس سے بچے کو نقصان پہنچے اس اعتبار سے باء زائدہ ہوگی اور معنی ہوگا کہ ماں بچے کو نقصان نہ دے اور نہ باپ بچے کو نقصان دے اور یہ تمام اقوال مفسرین سے منقول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وعلی الوارث مثل ذالک" اس وارث میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قوم نے کہا کہ وارث سے مراد بچہ کا وارث ہے معنی ہوگا کہ بچہ کا وہ وارث کہ جب بچہ مر جائے اور اس بچہ کا مال ہو اور وہ وارث اس مال کا وارث ہو۔ اس پر اتنا خرچہ لازم آئے گا جو بچہ کے باپ پر لازم تھا۔ جب وہ زندہ ہوتا پھر انہوں نے اختلاف کیا ہے کہ اس بچے کے ورثاء میں سے کون سا وارث مراد ہے؟ بعض نے کہا اس وارث سے مراد بچے کے عصبہ مرد ہیں۔ مثلاً دادا، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد۔ یہ قول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت ابراہیم، حسن، مجاہد، عطاء (رحمہم اللہ) نے بھی یہی کہا ہے اور یہ مذہب سفیان کا ہے۔ ان حضرات نے کہا کہ جب بچہ کا مال نہ ہو۔

اس پر خرچ کرے۔ بچے کے ورثاء عصبہ کو اس امر پر مجبور کیا جائے گا کہ اس بچے کے دودھ پلانے کا انتظام کریں اور بعض نے کہا ہے بچہ کا وارث سے مراد عام ہے۔ مردوں میں سے ہو یا عورتوں سے۔ یہ قول قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہم کا ہے اور امام احمد و اسحاق رحمہما اللہ کا مذہب ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ بچے کے خرچہ سے متعلق ہر وارث کو میراث کی مقدار کے مطابق مجبور کیا جائے گا (یعنی اگر بچہ مالدار ہونے کی صورت میں فوت ہو جاتا تو جو جو وارث اس بچے کے ترکہ سے جس قدر حصہ میراث پاتا موجودہ صورت حال میں اس کے ذمہ بچہ پر خرچ کرنا بھی میراث کے حصے کے مطابق لازم ہوگا) یہ وارث عصبہ ہوں یا غیر عصبہ۔

بعض نے کہا کہ اس وارث سے بچے کے ذی رحم محرم وارث مراد ہیں۔ پس اگر کوئی وارث ذی رحم محرم نہیں مثلاً چچا کا بیٹا یا مولیٰ تو یہ وارث آیت سے مراد نہیں ہیں اور یہ قول ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آیت کریمہ میں وارث سے مراد خود بچہ ہے جو کہ اپنے مرنے والے باپ کا وارث ہے۔ لہٰذا دودھ پلانے کی اُجرت اور اس بچے کا خرچہ اسی بچے کے مال سے ہوگا۔ اگر اس بچے کا مال نہ ہو تو اس کی ماں پر خرچہ لازم ہوگا اور بچے پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں سوائے والدین کے اور کسی پر جبر نہ کیا جائے گا۔ یہ قول امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ کا ہے بعض حضرات کا قول ہے کہ یہاں آیات کریمہ میں وارث سے مراد والدین میں سے بچ رہنے والا ہے (یعنی اگر باپ مر گیا تو والدہ اور اگر والدہ فوت ہوگئی تو والد مراد ہوگا) لہٰذا بچ رہنے والے پر وہی خرچہ واجب ہوگا جو کہ والد پر تھا۔ مثلاً دودھ پلانے کی اُجرت باقی خرچہ اور لباس وغیرہ اور کہا گیا ہے کہ "علی الوارث مثل ذالک" سے مراد خرچہ وغیرہ نہیں بلکہ ترک مضارۃ (یعنی نقصان نہ پہنچانا مراد ہے)۔ جس طرح والد کے ذمہ تھا کہ نقصان نہ دے ایسے ہی وارث کے ذمہ ہے کہ نقصان نہ دے۔ علامہ شعبی اور زہری رحمہما اللہ نے یہی کہا ہے "فان ارادا" والدین "فصالا" دو سال سے پہلے دودھ چھڑانا "عن تراض منهما" والدین کا اتفاق کرنا "وتشاور" یعنی اس سلسلہ میں علم رکھنے والے باہمی مشورہ کریں حتیٰ کہ خبر دیں کہ اس وقت بچے کا دودھ چھڑانا بچے کو نقصان نہیں دے گا۔ مشاورہ کا معنی رائے معلوم کرنا ہے۔

"فلا جناح علیهما" دو سال سے پہلے دودھ چھڑانے میں کچھ حرج نہیں ہے "وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم" یعنی ماؤں کے علاوہ اور دودھ پلانے والیاں لاؤ جب مائیں دودھ پلانے سے انکار کردیں کسی عذر معقول کی بناء پر ماؤں کے لیے بچوں کو دودھ پلانا مشکل ہو یا ان کا دودھ ختم ہوگیا ہو یا مائیں اور جگہ نکاح کرنے کا ارادہ کرلیں۔ "فلا جناح علیکم اذا سلمتم" ان کی ماؤں کی طرف "ما آتیتم" جو تم نے ان کے لیے رضاع کی اُجرت مقرر کی اتنی مقدار کی جس قدر انہوں نے دودھ پلایا اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ جب تم دودھ پلانے والیوں کی طرف ان کی اُجرت سپرد کردو "بالمعروف" ابن کثیر نے "ما آتیتم" پڑھا ہے اور سورۂ روم میں ہے "ما اتیتم من ربا" یعنی الف کی مد کے بغیر بلکہ قصر کے ساتھ اس کا معنی ہوگا "ما فعلتم" یعنی جو کچھ تم کرو۔ جیسے کہا جاتا ہے "اتیت جمیلا اذا فعلته" یعنی "اتیت جمیلا" اس وقت کہا جائے گا جب تو نے اچھا کام کیا ہوگا۔ لہٰذا اس قراۃ کی بنیاد پر "سلمتم" کا معنی تسلیم بمعنی اطاعت وانقیاد یعنی مطیع ہونا ہوگا نہ کہ بمعنی تسلیم اجرۃ یعنی اجرۃ ادا کرنا۔ لہٰذا دریں صورت "اذا سلمتم" کا معنی ہوگا جب تم اللہ تعالیٰ کا امر تسلیم کرلو اور اس کے حکم کے لیے مطیع وفرمانبردار ہوجاؤ اور بعض نے کہا ہے کہ جب تم دودھ پلانے کے لیے باہمی رضامندی واتفاق کے بچے کو سپرد کردو نہ کہ نقصان دینے کے لیے "واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر"

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۳۴﴾ "والذین یتوفون منکم" وہ مر جائیں اور ان کی عمر کی مدتیں پوری ہو جائیں۔ "متوفی" اور استوفی کا معنی ایک ہے اور "توفی" کا معنی کسی شئی کو پورا پورا لے لینے کے ہیں۔ "ویذرون ازواجا" بیویاں چھوڑ جائیں "یتربصن" وہ انتظار کریں "بانفسھن اربعۃ اشھر و عشرا" چار ماہ دس دن میں زیب و زینت اور خوشبو اور گھر سے باہر جانا اپنے خاوندوں کے فراق کی وجہ سے چھوڑ کر عدت بیٹھیں۔ مگر جب حاملہ ہوں تو اس وقت ان کی عدت وضع حمل ہوگی۔ ابتداء میں وفات کی عدت ایک سال تھی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج" پھر یہ مدت عدت چار ماہ دس دن کے ساتھ منسوخ کر دی گئی۔ ابن ابی نجیح حضرت مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ یہ عدت چار ماہ دس دن کی عورت کے خاوند کے اہل والوں کے ہاں گزارنی واجب تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے "متاعاً الی الحول" نازل فرمائی تو تمام عدت سات ماہ بیس دن بطور وصیت بنا دی گئی عورت اگر چاہے تو۔

اپنی وصیت کے تحت سال بھر ٹھہری رہے اور اگر چاہے تو چلی جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن" مثلاً عدت جیسا کہ اس عورت پر واجب ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت نے عورت کی اپنے اہل کے ہاں عدت گزارنے کو منسوخ کر دیا اور اپنی وصیت کے اعتبار سے رہائش پذیر ہوگی اور اگر چاہے تو نکل جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ "غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم" والی آیت نے اپنے اہل کے ہاں عدت گزارنے کے وجوب کو ختم کر دیا۔ پس اب جہاں چاہے عدت گزارے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر عورت چاہے تو اپنے اہل کے ہاں عدت گزارے اور رہائش از روئے وصیت رکھے۔ "کمافی القرآن وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول" اور اگر چاہے تو نکل جائے اور رہائش نہ رکھے از روئے فرمان الٰہی "فلا جناح علیکم فیما فعلن" مترجم۔

حضرت عطاء فرماتے ہیں پھر میراث کے حکم نے سکنیٰ (رہائش) کو بھی منسوخ کر دیا۔ پس اب عورت جہاں چاہے عدت گزارے اور اس کے لیے رہائش نہیں ہے اور عدت وفات میں اس پر سوگ واجب ہے اور سوگ یہ کہ زیب و زینت اور خوشبو سے رک جائے۔ پس عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ سر میں کسی قسم کا تیل لگائے خواہ اس میں خوشبو ہو یا نہ ہو۔ البتہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ سر کے علاوہ باقی جسم کو تیل لگائے بشرطیکہ اس میں خوشبو نہ ہو اگر خوشبو ہو تو پھر جائز نہ ہوگا اور اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ خوشبودار سرمہ لگائے یا وہ سرمہ جس میں زینت ہو۔ مثلاً سیاہ سرمہ (کاجل وغیرہ) البتہ فارسی سرمہ لگانے میں کچھ حرج نہیں جس میں زینت نہ ہو اور اگر زینت والے سرمہ کی طرف مجبور ہو جائے تو بہت سے اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے جن میں حضرت

سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار، حضرت عطاء، نخعی، امام مالک نے بھی یہی کہا اور اصحاب الرائی نے بھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رات کو سرمہ لگائے اور دن کو پونچھ ڈالے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے خاوند ابو سلمہ فوت ہوئے تو میرے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے اور میرے چہرے پر "صَبِر" لگا ہوا تھا۔ "صَبِر" کڑوے درخت کے پھل کا رس ہوتا ہے جو رنگت کو خوبصورت بناتا ہے اور تحسین کرتا ہے۔ مترجم۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ چہرے کو خوبصورت جوان بناتا ہے لہٰذا اس کو صرف رات کے وقت استعمال کرو دن کو اُتار دیا کرو۔ نیز عورت کے لیے خضاب لگانا خوبصورت کپڑے پہننا ریشم اور زیورات استعمال جائز نہیں اور عورت کے لیے سفید کپڑے کا استعمال جائز ہے۔ اسی طرح کپڑا اونٹ کے بالوں سے بنا ہوا جائز ہے اور زینت کے لیے رنگین اون کا استعمال جائز نہیں۔ مثلاً سرخ سبز تازہ اور زرد اور کپڑے استعمال جائز ہے جو کہ زینت والا رنگ نہ دیا گیا ہو۔ مثلاً سیاہ اور سرمئی۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں رنگ دار کپڑا (عدت والی عورت) کسی حال میں نہ پہنے۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کے پاس اس وقت جب ان کے والد محترم حضرت ابو سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خوشبو منگوائی جس میں زردی تھی، وہ خوشبو خلوق تھی یا کوئی اور خوشبو (خلوق ایک مشہور خوشبو کا نام ہے جس کا جزو اعظم زعفران ہوتا ہے) وہ خوشبو باندی کو لگائی پھر اس کے بعد اسے اپنے پیٹ پر ملا پھر فرمایا اللہ کی قسم مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی سوائے اس کے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ علیہ السلام منبر پر فرما رہے تھے کہ کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے مگر خاوند پر کہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا یہی فرماتی ہیں کہ میں زینب بنت جحش کے پاس گئی جب ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش فوت ہوئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے خوشبو منگوائی اور اسے استعمال کیا۔ پھر فرمایا کہ واللہ مجھے خوشبو کی حاجت نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ علیہ السلام منبر پر فرماتے تھے کسی اس عورت کے لیے جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے مگر خاوند پر کہ چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی والدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو سنا وہ فرماتی تھیں کہ ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی یا رسول اللہ بے شک میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھ کو تکلیف ہے، تو کیا ہم اس کی آنکھ میں سرمہ ڈالیں؟ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا نہیں پھر فرمایا کہ یہ تو صرف چار ماہ دس دن ہیں حالانکہ تم میں سے کوئی عورت زمانہ جاہلیت میں سال کے سرے پر مینگنی پھینکتی تھی۔ حضرت حمید فرماتے ہیں میں نے زینب رضی اللہ عنہا سے کہا سال کے سرے پر مینگنی پھینکنے کا کیا معنی ہے؟ پس حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا۔

اور خراب کپڑے پہن لیتی خوشبو کو استعمال نہ کرتی حتیٰ کہ سال گزر جاتا پھر اس کے بعد گدھا یا بکری یا پرندہ لایا جاتا۔ اس جانور کے ساتھ وہ اپنی عدت کھولتی (عدت کھولنے کا طریقہ یہ ہوتا کہ اس جانور کے ساتھ اپنے جسم کا کوئی حصہ ملتی۔ بہت تھوڑا

ایسے ہوتا کہ کسی جانور کے ساتھ وہ اپنا جسم لگاتی مگر یہ کہ وہ جانور مر جاتا۔ پھر وہ نکلتی اور اس کے ہاتھ میں مینگنی دی جاتی پھر وہ عورت اس مینگنی کو پھینکتی پھر اس کے بعد وہ خوشبو وغیرہ لگاتی۔ حضرت مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تفتض کا معنی ہے کہ وہ چھڑا کرتی۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مدت (عدت) میں حکمت یہ ہے۔

کہ بے شک اس مدت میں بچے میں روح پڑ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ بے شک بچہ پیٹ میں حرکت کرتا ہے۔ نصف مدت حمل کے باعث اور بے شک چار ماہ دس دن قریباً نصف مدت حمل ہے اور عشراً کیوں کہا (جبکہ عشراً اس وقت کہا جاتا ہے جب معدود مؤنث ہو اس لیے کہ اس سے راتیں مراد ہیں کیونکہ عرب والے جب دنوں اور راتوں کے درمیان عدد کو مبہم کرتے ہیں تو راتوں کو غلبہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں "صمنا عشرا" حالانکہ روزہ تو صرف دن کو ہوتا ہے۔ مبرد کہتے ہیں "عدد عشراً" مؤنث اس لیے لایا گیا کہ اس سے مراد مدت ہے۔ "ای عشر مدد" دس مدتیں اور ہر مدت دن رات پر مشتمل ہے اور جب وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا حاملہ ہو تو اس عورت کی عدت اکثر اہل علم کے نزدیک وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں یا بعد والے وضع حمل ہے۔ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ حاملہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا آخر الاجلین عدت بیٹھے یعنی وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو مدت طویل ہو اور بعد میں ختم ہو اس کے ساتھ عدت بیٹھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سورۃ النساء "القصری نساء طولی" کے بعد نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "نساء قصریٰ" سے مراد سورہ طلاق لے رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا فرمان "و اولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن" (جس میں عدت وضع حمل بیان کی گئی) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد نازل ہوا "یتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرا" جو سورۂ بقرہ میں ہے۔ لہٰذا "اولات الاحمال" کو ناسخ سمجھا جائے گا اور عامۃ الفقہاء نے "اربعة اشهر و عشرا" میں حدیث سبیعہ سے تخصیص کی ہے۔

ہشام نے اپنے والد سے انہوں نے مسور بن مخرمہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی، بے شک سبیعہ اپنے خاوند کی وفات سے چند راتیں بعد نفاس والی ہو گئیں (یعنی اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا) تو حضرت سبیعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور نکاح کی اجازت چاہی۔ پس آپ علیہ السلام نے اس کو نکاح کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فاذا بلغن اجلهن" ان کی عدت گزر جائے۔ "فلا جناح علیکم" اولیاء عورت کو خطاب ہے "فیما فعلن فی انفسهن" خاوندوں کا انتخاب کرنا بعض کا قول ہے "فیما فعلن" سے مردوں سے نکاح کی خاطر زینت اختیار کرنا ایسی زینت جس کا شرع انکار نہ کرے۔ "(بالمعروف) والله بما تعملون خبیر" عدت وفات میں سوگ کرنا عورت پر واجب ہے البتہ طلاق کی عدت گزارنے والی سوگ کا واجب ہونا اس میں نظر ہے۔ اگر تو طلاق رجعی کی عدت گزارنے والی ہے تو اس پر سوگ نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مناسب ہے کہ ایسی زیب و زینت اختیار کرے جو اس کے خاوند کے دل کو رجوع پر مشتاق کرے۔ وہ عورت بوجہ خلع کے خاوند سے جدا ہوئی ہے یا وہ جو تین طلاق یافتہ ہے ان کے بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) ان پر سوگ کرنا ایسے لازم ہے جیسے خاوند کی وفات

والی پر سوگ کرنا واجب ہے۔ یہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا قول ہے۔ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر سوگ کرنا لازم نہیں ہے یہ قول حضرت عطا کا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾

ترجمہ: اور تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارہ میں بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں ارادہ (نکاح کو) پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا (ضرور) ذکر مذکور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو نہ پہنچ جاوے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہے تمہارے دلوں کی بات کی سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں حلیم بھی ہیں

تفسیر: ﴿۲۳۵﴾ "ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء" یعنی عدت گزارنے والی عورتیں تعریض کا اصل معنی کسی شی کے ساتھ اشارہ کرنا۔ تعریض فی الکلام وہ کچھ ہے جس کی مراد سامع بغیر تصریح کے سمجھ جائے۔ عدت کے دوران نکاح کے پیغام میں تعریض کرنا یعنی اشارات و کنایات سے کام لینا جائز ہے۔ وہ اس طرح کہ یوں کہے تجھ میں کئی ایک دلچسپی لے رہے ہیں۔ تجھ جیسی عورت کون پائے گا؟ بے شک تو خوبصورت ہے۔

اور بے شک تو نیک ہے اور بے شک تو میرے نزدیک محترم ہے۔ میرا مقصود تجھ سے نکاح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حلال طریقے پر جمع فرمادے تو مجھے اچھی لگتی ہے۔ اگر میں نے تجھ سے نکاح کر لیا تو تیرے ساتھ احسان کا معاملہ کروں گا۔ اس قسم کی کلام کرنا ایسا نہ کہے کہ تو مجھ سے نکاح کر اور جواب میں عورت بھی کہے کہ میں تجھی سے نکاح کروں گی جب کہ وہ عورت اس مرد میں رغبت رکھتی ہو۔ ابراہیم کہتے ہیں اس میں کچھ حرج نہیں کہ اس عورت کی طرف ہدیہ بھیجے اور عدت کے دوران اس کے کام کاج کرے جبکہ وہ عدت گزار عورت تو جوان نہ ہو۔ روایت کی جاتی ہے کہ سکینہ بنت حنظلہ اپنے خاوند سے بائنہ ہوگئی تو حضرت ابو جعفر محمد بن علی الباقر اس کی عدت کے دوران تشریف لے گئے اور کہا اے حنظلہ کی بیٹی میں وہ شخص ہوں کہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے میری قرابت داری کو جانتی ہے اور میرے دادا علی رضی اللہ عنہ کا حق بھی اور میری اسلام میں سبقت سے بھی تو آشنا ہے تو حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں آپ مجھے پیغام نکاح دیتے ہیں حالانکہ میں عدت میں ہوں اور تو وہ شخص ہے کہ تجھ سے اخذ کیا جاتا ہے یعنی سیکھا جاتا ہے (لوگ تیری اتباع کرتے ہیں) حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے تجھ کو حضور

علیہ السلام سے اپنی قرابت داری کی خبر دی ہے۔ بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تھے اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند ابو سلمہ کی عدت (وفات) میں تھیں تو حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے مرتبہ و مقام کا ذکر کیا تھا حالانکہ حضور علیہ السلام اپنے ہاتھ پر اُٹھائے ہوئے تھے حتیٰ کہ چٹائی نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر سخت اُٹھانے کی وجہ سے نشان ڈال دیئے۔ پیغام نکاح کو اشارۃً کنایۃً عدت وفات میں ذکر کرنا جائز ہے اور قرأۃ الحیاۃ کی عدت گزارنے والی یعنی جو زندہ خاوند سے جدا ہوگئی ہے۔ دیکھا جائے گا اگر تو وہ ایسی ہے کہ جس خاوند سے جدا ہوئی ہے اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ مثلاً تین طلاق کے ساتھ مغلظہ ہونے والی یا بوجہ لعان کے خاوند سے جدا ہونے والی یا حرمت رضاع کے باعث خاوند سے جدا ہونے والی ہے تو اس عورت کو پیغام نکاح اشارۃً تعریضاً دینا جائز ہے اور اگر وہ عورت ایسی ہے کہ اس کے ساتھ اس کے خاوند کو نکاح کرنا جائز ہے۔ مثلاً خلع کرنے والی یا وہ عورت جس کا نکاح فسخ کیا گیا ہے تو اس عورت کے خاوند کو صراحتاً یا اشارۃً پیغام نکاح دینا جائز ہے۔

اور کیا خاوند کے علاوہ باقی مردوں کو اسے پیغام نکاح اشارۃً دینا جائز ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ ❶ ایک قول ہے کہ جائز ہے جس طرح کہ مطلقہ ثلاث کو پیغام نکاح دینا دوسروں کے لیے جائز ہے۔ ❷ دوسرا قول یہ ہے کہ دوسروں کے لیے پیغام نکاح دینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ میاں بیوی کا باہمی دوبارہ لوٹ آنا صاحب عدت (خاوند) کے لیے اس طرح ثابت ہے جس طرح کہ رجعی طلاق والی لہٰذا خاوند کے بغیر کسی اور کو حق نہیں پہنچتا کہ پیغام نکاح میں تعریض کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "من خطبۃ النساء" نکاح چاہنا خطبہ مصدر ہے۔ "خطب الرجل المراۃ یخطب خطبۃ" مرد نے عورت کو پیغام نکاح دیا یا پیغام نکاح دیتا ہے۔ اخفش کہتے ہیں "خطبۃ" کا معنی ذکر کرنا اور خطبہ کا معنی تشہد۔ پس اس کا معنی ہوگا اس بارے میں تم پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ تم عدت والیوں کے پاس عورتوں کا ذکر تعریضاً کرو "او اکننتم" پوشیدہ رکھو "فی انفسکم" ان سے نکاح کے بارے میں کہا جاتا ہے "اکننت الشیٔ و کننتہ" یہ دو لغتیں ہیں یعنی "اکننتُ" مزید فیہ اور کننت مجرد دونوں کا معنی ایک ہے چھپانا۔ ثعلب کہتے ہیں "اکننتُ الشیٔ" کا معنی "اخفیتہ فی نفسی" یعنی میں نے اس شئی کو دل میں پوشیدہ رکھا اور "کننتُہ" کا معنی "سترتہ" اس شئی پر پردہ ڈالا۔

علامہ سدی کہتے ہیں کہ پیغام نکاح کو پوشیدہ رکھنے کی یہ صورت ہے کہ اس عورت پر داخل ہوکر سلام کیا اور چاہا تو ہدیہ وغیرہ بھیج دیا اور کسی قسم کی کلام نہ کی۔ "علم اللہ انکم ستذکرونھن" تم ذکر کرو گے اپنے دلوں کے ساتھ "ولکن لا تواعدوھن سرا" اس منع شدہ سر میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم کا کہنا ہے کہ یہ زنا ہے آدمی عورت پر زنا کی خاطر داخل ہوتا اور وہ نکاح کے سلسلہ میں تعریض کرتا اور اس عورت کو کہتا مجھے چھوڑ دے، جب تیری عدت پوری ہو جائے گی میں تیرا نکاح ظاہر کردوں گا، یہ قول حسن، قتادہ، ابراہیم اور عطاء رحمہم اللہ کا ہے اور عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یعنی اس سے پوشیدہ نکاح نہ کرے کہ اس عورت کو روکے رکھے جب وہ حلال ہو جائے (یعنی عدت گزر جائے) اس

نکاح کو ظاہر کردے اور مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "لا تواعدوھن" کا معنی ہے کہ عورت سے کہے کہ اپنے آپ کو مجھ سے گنوا نہ دینا (ضائع نہ کر دینا) اس لیے کہ میں تجھ سے نکاح کرنے والا ہوں۔ علامہ شعبی اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں "لا تواعدوھن" کا معنی ہے کہ اس عورت سے اس بات کا پختہ عہد نہ لیا جائے کہ وہ عورت اس مرد کے سوا کسی سے نکاح نہ کرے گی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ عدت میں نہ اس کو صراحتہً پیغام نکاح بھیجے اور نہ نکاح کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "سر" کا معنی ہے جماع کرنا۔ علامہ کلبی کہتے ہیں کہ عدت والی عورتوں کے سامنے اپنی یہ تعریف نہ کریں کہ میں زیادہ جماع کرنے والا ہوں۔ پس یوں کہے میں تیرے پاس چار یا پانچ دفعہ آؤں گا اس قسم کی باتیں اور "سر" ذکر کرکے جماع مراد لیا جاتا ہے۔ "امرأ القیس" کہتا ہے:

"الا زعمت بسباسۃ الیوم اننی کبرت و ان لا یحسن السر امثالی"

خبردار گمان کیا ہے بسباسہ نے آج کے دن اس بات کا بے شک میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور یہ کہ میں اچھی طرح کر سکتا مجھ جیسا جماع کو (اس شعر میں "امرأ القیس" نے لفظ "سر" سے جماع مراد لیا ہے)۔ مترجم۔ اور زنا اور جماع کو سر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ عورت اور مرد کے درمیان ایک پوشیدہ امر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "الا ان تقولوا قولا معروفا" قول معروف سے مراد وہی جو ہم نے ذکر کیا کہ نکاح کا ذکر تعریضاً کرنا۔

"ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ" عقد نکاح پر اپنا عزم مصمم و محقق نہ کرو یہاں تک کہ کتاب (اللہ تعالیٰ کا لکھا) اپنی مدت مقررہ کو پہنچ جائے یعنی حتیٰ کہ عدت گزر جائے۔

اللہ تعالیٰ نے عدت کو کتاب کا نام دیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض شدہ ہے۔ مثل اس قول خداوندی کے "کتب علیکم" یعنی تم پر فرض کیا گیا "واعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ" پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ "واعلموا ان اللہ غفور حلیم" سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۞

ترجمہ: تم پر (مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے اور (صرف) ان کو ایک جوڑا دے دو صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدے کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔

تفسیر: ۞ "لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ" نہ تم نے ان بیویوں کو مس کیا (یعنی جماع کیا) اور نہ ان کے لیے مہر مقرر کیا۔ یہ آیت کریمہ ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جس نے قبیلۂ

بنوحنیفہ کی ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا پھر جماع سے پہلے اسے طلاق دے دی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ پس اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو متعہ (نفع اٹھانے کی چیز) دے۔ اگرچہ اپنی ٹوپی۔ حمزہ اور کسائی نے "مالم تماسوھن" پڑھا ہے یعنی اس جگہ الف کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ احزاب میں باب مفاعلہ کے ساتھ پڑھا ہے (یعنی سورۃ احزاب میں "من قبل ان تمسوھُنّ کو تماسوھن" پڑھا) کیونکہ ہر دو (میاں بیوی) کا بدن ایک دوسرے کے ساتھ ملتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "من قبل ان یتماسا" اور باقیوں نے "تمسوھن" بغیر الف کے پڑھا ہے کیونکہ غشیان (بیوی کو ڈھانپ لینا) مرد کا فعل ہوتا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "ولم یمسسنی بشر"...... "او تفرضوا لھن فریضہ" ان عورتوں کے لیے تم مہر ثابت کرو (مقرر کرو) اگر یہ کہا جائے کہ طلاق دینے والے سے "لا جناح" کہہ کر گناہ کی نفی کا کیا معنی ہے؟ جب کہ طلاق جوڑ کو توڑنے کا نام ہے اور حدیث شریف میں ہے "ابغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق" تمام جائز کاموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین کام طلاق دینا ہے پھر طلاق دہندہ سے گناہ کی نفی کر دی جبکہ فراق امساک (اپنے پاس روک رکھنے) سے زیادہ خوفناک ہے تو اس سوال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ "لا جناح بمعنی لاسبیل للنساء علیکم" کہ اگر تم جماع سے پہلے اور مہر مقرر کرنے سے پہلے بیویوں کو طلاق دے دو تو عورتوں کو مہر اور نان ونفقہ کے حوالے سے تم پر کوئی راہ نہیں (کہ وہ مہر اور نفقہ کا مطالبہ کرسکیں) اور کہا گیا ہے کہ "لا جناح علیکم" کا معنی یہ ہے کہ تم پر جماع کرنے سے پہلے طلاق دینے پر کوئی گناہ نہیں جس وقت چاہو طلاق دے دو، عورت حالت حیض میں ہو یا پاک۔

کیونکہ جس عورت کو نکاح کے بعد جماع کیے بغیر طلاق دی جائے اس میں طلاق سنت اور طلاق بدعت کی کوئی تقسیم نہیں بخلاف اس عورت کے جو "مدخول بھا" ہو یعنی جس سے جماع کیا جا چکا ہو کیونکہ اس کو حالت حیض میں طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ (اگرچہ طلاق دینے کی صورت میں واقع ہو جائے گی) "ومتعوھن" ان کو اپنے مال سے اتنا کچھ دو جس سے وہ نفع اٹھائیں۔ متعہ اور متاع وہ زادِ راہ جس کے ذریعہ (منزل مقصود تک) پہنچا جا سکے۔ "علی الموسع" غنی پر "قدرہ وعلی المقتر" فقیر پر یعنی اس کی طاقت کے مطابق۔ ابوجعفر اور ابن عامر اور حمزہ اور کسائی اور حفص نے "قدَرُہ" دونوں میں دال کی زبر کے ساتھ اور باقیوں نے دونوں میں دال کی جزم کے ساتھ اور یہ دونوں لغت ہیں اور کہا گیا ہے القدر دال کی جزم کے ساتھ مصدر ہے اور قدر دال کی زبر کے ساتھ اسم ہے۔ "متاعًا" کی نصب (زبر) مصدر کی بنیاد پر ہے (یعنی مفعول مطلق ہے) یعنی "متعوھن متاعًا" (بالمعروف) یعنی اس طریقہ کے مطابق جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے بغیر کسی ظلم کے "حقًا علی المحسنین" حکم آیت کا بیان یہ ہے کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کرے پھر اس سے جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دے۔ اس پر بالاتفاق متعہ واجب ہے (یعنی نفع اٹھانے کی کوئی چیز یا مال دینا) اور اگر اس کا حق مہر مقرر کیا مگر جماع سے پہلے اس کو طلاق دے دی اس کے لیے اکثر کے قول کے مطابق متعہ واجب نہیں اور اس کے لیے مقرر شدہ مہر کا آدھا حصہ ہے اور جس عورت کو جماع کے بعد طلاق دی جائے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ

ایسی عورت کے لیے متعہ نہیں کیونکہ وہ مہر کی حق دار ہے یہ قول اصحاب الرائی کا ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ وہ متعہ کی مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق "وللمطلقات متاع بالمعروف" اور یہ قول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت عطاء اور مجاہد اور قاسم بن محمد رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے اور اسی طرف امام شافعی رحمہ اللہ گئے ہیں کیونکہ اس عورت کا مستحق مہر ہونا اس کے عوض ہے جو اس مرد نے اس عورت سے جماع کا نفع اُٹھا کر اس عورت کا نقصان کیا۔ پس اس عورت کے لیے متعہ وحشت فراق کی بنیاد پر ہوگا۔ پس اس قول پر وجوب متعہ صرف ایک عورت کے حق میں ہے اور یہ وہ عورت ہے جس کو حق مہر کے تقرر کے بغیر جماع سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اور قول ثانی کے مطابق ہر عورت کے لیے متعہ ہے مگر ایک کے لیے نہیں اور وہ وہ عورت ہے جس کا حق مہر مقرر ہے مگر جماع سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر عورت کے لیے متعہ (نفع کی چیز) ہے سوائے اس کے جس کا مہر مقرر کیا گیا مگر اسے خاوند نے مس نہ کیا۔ اسکے لیے آدھا مہر کافی ہے۔ زہری کہتے ہیں دو متعہ ہیں ایک کا فیصلہ بادشاہ کرے گا اور دوسرے متعہ کا فیصلہ بادشاہ (قاضی) نہیں کرے گا بلکہ "فیما بینه وبین اللّٰه" (دیانۃً) لازم ہوگا۔ بہرحال وہ متعہ جس کا فیصلہ بادشاہ کرے گا (یعنی قاضی) یہ وہ مطلقہ عورت ہے جسے بغیر مہر کے تقرر اور جماع کیے کے طلاق ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "حقا علی المحسنین" اور جس متعہ کا لزوم "فیما بینه وبین" اللہ تعالیٰ ہے (یعنی دیانت ہے) اور اس کا فیصلہ بادشاہ (قاضی) نہیں کرے گا۔ پس یہ وہ مطلقہ ہے جسے جماع کے بعد طلاق مل جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "حقا علی المتقین" حضرت حسن، سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ ہے برابر ہے کہ مہر مقرر کرنے اور جماع سے پہلے طلاق واقع ہو یا مہر کے تقرر کے بعد اور جماع سے پہلے طلاق واقع ہو۔

"وللمطلقات متاع بالمعروف" اور یہ فرمان خداوندی کے جو کہ سورۂ احزاب میں ہے۔ "فمتعوهن وسرحوهن سراحاً جميلاً" اور دونوں (حسن وسعید بن جبیر) نے کہا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی "لا جناح عليكم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة" کہ تحقیق تم نے ان عورتوں کے لیے حق مہر مقرر کیا (اس کے ساتھ یہ مفہوم مقدر ہے) "او لم تفرضوا لهن فريضة" یا تم نے ان عورتوں کے لیے مہر مقرر نہیں کیا۔ بعض نے کہا کہ متعہ واجب نہیں ہے اور اس کا امر، امر استحبابی ہے۔ روایت کیا گیا ہے بے شک ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی حالانکہ اس کے ساتھ دخول کر چکا تھا تو اس کی اس مطلقہ بیوی نے قاضی شریح کی عدالت میں متعہ کے بارے میں جھگڑا کیا تو قاضی شریح نے مرد سے فرمایا تو اس سے انکار نہ کر کہ تو محسنین سے ہو اور نہ اس سے انکار کر کہ تو متقین سے ہو اور اس کو مجبور نہ کیا (یعنی صرف متعہ کی ترغیب دی اور جبر نہ کیا) متعہ کی مقدار میں انہوں نے اختلاف کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ متعہ کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ خادم دیا جائے اور درمیانہ درجہ یہ ہے کہ کپڑا (لباس) دیا جائے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایسی چیز دی جائے جس کی معقول قیمت ہو یعنی تیس درہم۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کو سیاہ باندی بطور متعہ کے دی۔ حضرت سیدنا حسن بن علی کرم اللہ وجہہ ایک عورت کو طلاق دی اور اس کو دس ہزار درہم متعہ کے طور پر دیے۔ اس کے

جواب میں اس عورت نے کہا "متاع قلیل من حبیب مفارق" کہ بچھڑنے والے دوست کے بدلے متاع قلیل ملا ہے۔ حضرت امام اعظم سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب متعہ میں میاں بیوی اختلاف کریں تو اس کی مقدار مہر کا آدھا حصہ ہے اس سے آگے نہ بڑھا جائے۔ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ خوشحالی اور تنگدستی میں خاوند کے حال کا اعتبار کیا جائے گا۔

اس آیت کے حکم میں سے یہ ہے کہ بے شک جو شخص بالغ عورت سے اس کی مرضی سے بغیر مہر کے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہے اور عورت کو اس مطالبہ کا حق ہے کہ اس کے لیے مہر مقرر کیا جائے اور اگر وہ شخص مہر مقرر کرنے سے پہلے بیوی سے صحبت کرلے تو عورت کے لیے خاوند پر مہر مثل لازم ہوگا اور اگر مہر مقرر کرنے اور بیوی سے صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے دے گا تو عورت کے لیے متعہ لازم ہوگا اور مہر مقرر کرنے اور صحبت سے پہلے میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرگیا تو اس بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ آیا وہ عورت مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟ تو ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس کے لیے مہر نہیں ہے اور یہی قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے۔

جیسا کہ اگر مہر مقرر کرنے اور صحبت سے پہلے طلاق دے اور ایک قوم اس طرف گئی ہے اس کے لیے مہر ہے کیونکہ موت مہر مقرر کو پکا کرنے میں جماع کی طرح ہے۔ اسی طرح مہر مثل کو واجب کرنے میں جبکہ عقد نکاح میں مہر مقرر نہ ہو یہ سفیان ثوری اور اصحاب الرای کا قول ہے۔ ان حضرات نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے جو علقمہ سے روایت کی گئی ہے اور علقمہ نے ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی کہ ان سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا جس نے نہ تو اس کے لیے مہر مقرر کیا اور نہ ہی اس سے جماع کیا حتیٰ کہ فوت ہوگیا۔ پس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس عورت کے لیے اتنا ہی مہر ہے جتنا کہ اس عورت کے خاندان والی عورتوں کے لیے ہوتا ہے نہ تھوڑا نہ زیادہ۔ اس عورت پر عدت بھی ہے اور اس کے لیے میراث بھی ہے۔ اس پر حضرت معقل بن یسار اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمارے خاندان کی عورت بروع بنت واشق کے حق میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔ جیسا کہ آپ نے فیصلہ کیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت بروع بنت واشق والی حدیث ثابت ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہٹ کر کسی کی بات میں کچھ دلیل نہیں اور اگر وہ حدیث ثابت نہیں ہے تو اس عورت کے لیے مہر نہیں میراث ہے۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت بروع کی حدیث کے بارے فرمایا کرتے تھے ہم قبیلہ اشجع کے دیہاتی کی بات اللہ تعالیٰ کے

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

(ترجمہ) اور اگر تم ان بیویوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر تم

نے مقرر کیا ہو اس کا نصف (واجب) ہے۔ مگر یہ کہ وہ عورتیں (اپنا نصف) معاف کردیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کردے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق (رکھنا اور توڑنا) ہے اور تمہارا معاف کردینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

تفسیر ◎ "وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم" یہ اس طلاق کے بارے میں ہے جو مہر مقرر کرنے کے بعد اور جماع سے پہلے دی جائے۔ پس اس عورت کے لیے مہر مقرر کا آدھا ہے اور اگر جماع سے پہلے میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرجائے تو عورت کو مکمل مہر مقرر ملے گا اور آیت کریمہ میں مذکور "مس" سے مراد جماع ہے اور ایسی صورت میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ اگر مرد عورت سے خلوت (یعنی میاں بیوی کو ایسا تخلیہ حاصل ہو کہ اگر خاوند جماع کرنا چاہے تو کرسکے) تو کرے مگر جماع نہ کرے اور جماع سے پہلے طلاق دے دے تو اس میں بعض حضرات کا قول ہے کہ اس عورت کے لیے صرف آدھا مہر ہے اور عدت گزارنا لازم نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جماع سے پہلے طلاق میں آدھا مہر واجب کیا ہے اور عدت واجب نہیں کی اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے اور ایک قوم کا کہنا ہے کہ اس عورت کے لیے مکمل مہر ہے اور عدت بھی۔ بوجہ اس کے جو روایت کیا گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وہ فرماتے ہیں جب پردے ڈال دیئے جائیں تو مہر واجب ہے اور اسی طرح حضرت زید بن ثابت سے بھی روایت کی گئی ہے اور بعض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس روایت والے قول کو اس پر محمول کیا ہے کہ عورت کو مہر دینا اس وقت واجب ہے۔ جب عورت اپنے آپ کو مرد کے سپرد کردے نہ کہ مہر کی مقدار مقرر کرنے کے سلسلہ میں ہے (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے صرف مہر کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے نہ کہ مہر کی مقدار یعنی آدھا یا کل مہر۔)...... (مترجم) بعض کا قول ہے کہ یہ آیت اس آیت کے لیے ناسخ ہے جو کہ سورۃ احزاب میں ہے "فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن" اس عورت کے لیے جسے جماع کرنے سے پہلے طلاق دی جاتی متعہ تھا (یعنی نفع اٹھانے کی کوئی چیز دی جاتی) پس اس آیت سے اسے منسوخ کردیا گیا اور اس عورت کے لیے جس کا مہر مقرر شدہ ہو اور جماع سے پہلے طلاق دی جائے آدھا مہر واجب ہے اور متعہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وقد فرضتم لھن فریضۃ" یعنی ان کے لیے تم نے مہر مقرر کیا تو اس مقرر شدہ مہر کا نصف حصہ واجب ہے۔

"الا ان یعفون" عورتیں معاف کردیں مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنا حصہ (آدھا مہر) چھوڑ دے اور سارا مہر خاوند کو لوٹا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد "او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح" اس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ بے شک "بیدہ عقدۃ النکاح" سے مراد عورت کا ولی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی کہا ہے اس کا معنی ہے یا تو عورت معاف کردے کہ اپنا حصہ خاوند کو دے دے۔ اگر تو عورت عفو کرنے کی اہل ہے یعنی ثیبہ ہے یعنی کہ پہلے سے بیوہ یا مطلقہ ہے یا اس عورت کا ولی معاف کردے کہ اس عورت منکوحہ کا حصہ چھوڑ دے۔ اگر عورت کنواری ہے (یاد رہے کہ ثیبہ باکرہ (کنواری) کی تقسیم امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں ہے)...... (منجانب: مترجم) یا وہ عورت معاف کرنے کی اہل نہیں (کسی اور

اعتبار سے) تو اس عورت کے ولی کے لیے جائز ہے کہ عورت کا حصہ معاف کر دے اور یہ قول حضرت علقمہ، حسن، زہری اور ربیعہ (رحمہم اللہ) کا ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ ولی کو حصہ عورت معاف کرنے کا حق اس وقت ہے جب عورت کنواری ہو۔ پس اگر عورت ثیبہ ہو تو اس عورت کے ولی کو اختیار نہیں کہ معاف کر دے اور بعض نے کہا ہے کہ "الذی بیدہ عقدۃ النکاح" سے مراد خاوند ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حضرت سعید بن مسیب سعید بن جبیر، علامہ شعبی، شریح، مجاہد و قتادہ (رحمہم اللہ) نے بھی یہی کہا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ عورت کے ولی کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ عورت کے مہر کا کچھ حصہ چھوڑ دے معاف کر دے۔ عورت کنواری ہو یا ثیبہ (یعنی مطلقہ یا بیوہ) جیسا کہ ولی کو طلاق سے پہلے باتفاق آئمہ ترک مہر کا اختیار نہ تھا اور جیسا کہ ولی کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ عورت کے مال سے کچھ ہبہ کر دے اور انہوں نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ یا تو عورت اپنا حصہ چھوڑ کر معاف کر دے کہ سارا مہر خاوند کے پاس لوٹ جائے (اور عورت اپنا آدھا حصہ نہ لے) یا خاوند اپنا حصہ چھوڑ کر معاف کر دے۔ پس سارا مہر بیوی کا ہو جائے۔ پس اس تاویل پر آیت کی توجیہ یہ ہوگی کہ "الذی بیدہ عقدۃ النکاح" سے مراد اپنا نکاح ہوگا جو کہ قبل از طلاق اور بعد از طلاق ہر حال میں نکاح کے معاملہ کا مالک ہے (اور وہ خاوند ہے)۔ "وان تعفوا اقرب للتقویٰ" اس کا محل اعراب مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع (پیش) ہے یعنی "والعفو اقرب للتقویٰ" (یعنی "ان تعفو بتاویل" مصدر مبتداء اور "اقرب للتقویٰ" خبر ہے) اور "للتقویٰ" بمعنی "الی التقویٰ لام" بمعنی "الیٰ" کے ہے اور خطاب خداوندی مرد و زن سب کو شامل ہے کیونکہ مذکر مؤنث جب جمع ہو جائیں تو (خطاب میں) غلبہ مذکر کو ہوتا ہے۔ ان تعفوا مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے عبارت یہ ہوگی۔ عفا بعضکم عن بعض اور اقرب للتقویٰ اس کی خبر ہوگی۔ یعنی تم میں سے ہر ایک دوسرے کو معاف کر دینا۔

تقویٰ کے زیادہ قریب ہے "ولا تنسوا الفضل بینکم" یعنی کا بعض پر مہربانی اور احسان کرنا کہ مرد سارا مہر دے دے یا عورت اپنا حصہ مہر چھوڑ دے اس کو مت بھولو۔ اللہ تعالیٰ نے عورت و مرد دونوں کو احسان کرنے پر ابھارا اور ترغیب دی۔ "ان اللہ بما تعملون بصیر"

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ۝

ترجمہ حفاظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔

تفسیر ۝ "حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ" ہمیشگی اور فرض نمازوں پر مداومت اختیار کرو، نمازوں کے اوقات اور حدود اور ارکان کو تمام کرنے کے ساتھ پھر ان نمازوں میں سے "صلوٰۃ وسطیٰ" کو محافظت کرنے کے ساتھ اس کی فضیلت پر دلالت کرتے ہوئے خاص کیا۔ وسطیٰ اوسط کی تانیث ہے "وسط الشیء" کا معنی اس کا بہتر اور درمیانہ حصہ علماء صحابہ اور ان سے بعد کے علماء نے "صلوٰۃ وسطیٰ" کی تعیین میں اختلاف کیا ہے۔

بعض نے کہا "صلوٰۃ وسطیٰ" نماز فجر ہے اور یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عمر، ابن عباس اور معاذ و جابر (رحمہم اللہ)

کا ہے۔ حضرت عطاء، عکرمہ اور مجاہد رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ نے اسی طرف میلان کیا ہے۔

ان حضرات کی دلیل کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وقوموا للہ قانتین" پس قنوت نام قیام لمبا کرنے کا اور صبح کی نماز طول قیام اور قنوت کے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت کریمہ میں نمازوں میں سے نماز صبح کو خاص کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا" یعنی اس نماز میں دن اور رات والے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ نماز دن اور رات کے ہر دو حصوں میں مندرج ہوتی ہے اور صبح کی نماز اس لیے بھی صلوٰۃ وسطیٰ ہے کہ یہ نماز ایسی نمازوں کے درمیان ہے جن کو جمع کرکے پڑھا جاتا ہے (یعنی ظہر، عصر اور مغرب، عشاء کہ سفر میں صورۃً ظہر، عصر اور مغرب، عشاء کو جمع کیا جاتا ہے۔ ظہر آخر وقت میں اور عصر اول وقت میں۔ اسی طرح مغرب آخر وقت میں اور عشاء اول وقت میں۔ نیز حج کے موقع پر ظہر، عصر دونوں ظہر کے وقت ملا کر پڑھی جاتی ہیں اور مغرب، عشاء، عشاء کے وقت میں ملا کر پڑھی جاتی ہیں) مگر فجر کی نماز میں نہ تو قصر ہے اور نہ کسی اور نماز کے ساتھ ملا کر پڑھی جاتی ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ "صلاۃ وسطیٰ" سے مراد نماز ظہر ہے اور یہ زید بن ثابت، ابو سعید خدری، اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہم) کا قول ہے کیونکہ یہ نماز دن کے درمیان ہے۔ نیز دن کی تین نمازوں کے اعتبار سے درمیانہ درجہ کا طول رکھتی ہے کیونکہ فجر میں طول زیادہ ہے اور عصر کی نماز میں ادنیٰ درجہ کا طول ہے اور ظہر میں درمیانہ درجے کا طول ہے۔

زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ھاجرہ (دوپہر کی دھوپ) میں نماز ظہر پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظہر کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز سخت نہ تھی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی "حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ" اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک جماعت نے روایت کیا۔ یہ حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، ابو ایوب، ابوہریرہ، عائشہ صدیقہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے۔ ابراہیم نخعی، قتادہ اور حسن (رحمہم اللہ) نے بھی یہی کہا ہے۔

حضرت ابو یونس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حکم فرمایا کہ میں ان کے لیے قرآن شریف لکھوں اور فرمایا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو مجھے بتانا "حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ" پس جب لکھتے لکھتے اس آیت پر پہنچا میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے لکھوایا "حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ" "صلوٰۃ العصر" "وقوموا للہ قانتین" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

زر بن حبیش فرماتے ہیں ہم نے عبیدہ (رضی اللہ عنہ) کو کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں پوچھے۔ پس انہوں نے پوچھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سمجھتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز فجر ہے حتیٰ کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خندق کے دن سنا۔ "شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر" کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ

سطی سے مشغول رکھا۔ نماز عصر سے اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں کو اور قبروں کو آگ سے بھرے۔ نیز نماز عصر اس لیے صلوٰۃ وسطی ہے کہ یہ نماز دن کی دو نمازوں (فجر، ظہر) اور رات کی دو نمازوں (مغرب، عشاء) کے درمیان ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو تخت تنبیہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔

ابو ملیح کہتے ہیں کہ ہم جنگ میں بادل والے دن حضرت بریدہ (رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ تھے تو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عصر کی نماز جلدی پڑھ لو۔ پس تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز عصر کو چھوڑا اس کے عمل ضائع ہو گئے۔

قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ سے مراد نماز مغرب ہے کیونکہ وہ درمیانی نماز ہے نہ تھوڑی (فجر کی طرح کہ دو رکعت ہے) اور نہ زیادہ (عصر عشاء کی طرح کہ چار رکعت ہیں)

بعض نے کہا کہ صلوٰۃ وسطی عشاء کی نماز ہے اس سے متعلق سلف سے کچھ منقول نہیں۔ عشاء کا صلوٰۃ وسطی ہونا بعض متاخرین نے ذکر کیا ہے اور عشاء کے صلوٰۃ وسطی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسی دو نمازوں کے درمیان ہے جن کی قصر نہیں کی جاتی (مغرب، فجر) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطی سے مراد پانچ نمازوں میں سے کوئی ایک غیر معین نماز ہے۔

صلوٰۃ وسطی کو اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے یعنی معین نہیں فرمایا۔ بندوں کو تمام نمازوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں ترغیب و تحریض کے لیے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو ماہ رمضان میں مخفی رکھا اور دعا کی قبولیت کی گھڑی کو جمعہ کے دن میں مخفی رکھا اور اسم اعظم کو اپنے اسماء حسنیٰ میں مخفی رکھا تا کہ سب کی بندے محافظت کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وقوموا للّٰہ قانتین" ای مطیعین یعنی مطیع وفرمانبردار ہو کر۔

قنوت کے معنی میں مفسرین کے اقوال۔ علامہ شعبی، عطاء، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ اور طاؤس (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں کہ قنوت کے معنی طاعت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اُمَّۃً قَانِتًا لِلّٰہِ"....."ای مطیعا" مطیع وفرمانبردار۔ کلبی، مقاتل فرماتے ہیں کہ ہر دین و مذہب والوں کے لیے نماز ہے جس میں وہ نافرمان ہو کر کھڑے ہوتے ہیں پس تم (اے ایمان والو!) اپنی نماز میں مطیع وفرمانبردار ہو کر کھڑے ہو اور کہا گیا ہے کہ قنوت کا معنی ہے کہ جو کلام نماز میں منع ہو اس سے خاموشی اختیار کرنا۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کلام کرتے تھے۔ ہم میں سے ایک شخص ساتھ والے ساتھی سے کلام کرتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی "وقوموا للّٰہ قانتین" پس ہمیں سکوت کا حکم دیا گیا اور کلام سے منع کر دیا گیا۔ مجاہد فرماتے ہیں "قانتین" کا معنی ہے "خاشعین" یعنی عاجزی کرنے والے اور فرمایا کہ رکوع کو لمبا کرنا بھی قنوت سے ہے آنکھیں جھکائے رکھنا پُرسکون ہونا، بازو پست رکھنا (یہ سب قنوت کا حصہ ہیں) علماء کا شیوہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی نماز پڑھتا تو وہ خدائے رحمٰن سے ڈرتا تھا کہ کسی جانب التفات کرے یا کنکریاں اُلٹ پلٹ کرے یا کسی شئی سے کھیلے یا اپنے آپ سے دُنیا کے معاملہ میں بات کرے یعنی خیال و دھیان دوڑائے مگر یہ کہ ایسا بھول کر کرے اور کہا گیا ہے کہ قنوت سے مراد قیام (صلوٰۃ) کا لمبا ہونا ہے۔

حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ کون سی نماز افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "طول القنوت" جس نماز کا قیام لمبا ہو بعض نے کہا کہ "قانتین کا معنی ہے "داعین" یعنی دُعا مانگنے والے اس کی دلیل جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے۔ "قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھراً متتابعا" کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ایک ماہ دُعا مانگتے رہے۔ چند قبیلوں کے خلاف دُعا کرتے رہے جو کہ بنی سلیم سے تھے۔ رعل، ذکوان، عصیہ بعض کا قول ہے کہ "قانتین کا معنی ہے مصلین یعنی نماز پڑھنے والے جیسا ارشاد الٰہی "امن ھو قانت آناء اللیل" قانت یعنی نماز پڑھنے والا۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

ترجمہ: پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو پھر جب کہ اطمینان ہو جائے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اس طریق سے کرو جو تم کو سکھلایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے

تفسیر: "فان خفتم فرجالا او رکبانا" "فرجالا" یعنی پیدل کہا جاتا ہے راجل ورجال جیسے صاحب وصحاب اور قائم وقیام اور نائم ونیام۔ (اسی طرح راجل ورجال یعنی پیدل چلنے والا اور پیدل چلنے والے) "او رکبانا" اپنے جانوروں پر سوار ہو کر رکبان راکب کی جمع ہے اس کا معنی ہے کہ اگر تمہارے لیے ممکن نہ ہو کہ تم قانتین ہو کر نماز پڑھو اور نماز کا حق بوجہ خوف کے پورا نہ ادا کر سکو تو پاؤں کے بل پیدل چل کر پڑھو یا جانوروں کی پیٹھوں پر سوار ہو کر نماز پڑھو۔ یعنی عین لڑائی اور تلوار چلانے کے وقت میں جس طرح منہ ہو نماز پڑھے، پیدل یا سوار قبلہ کی جانب متوجہ ہونے والا ہو یا قبلہ رُخ نہ ہو۔

سواری پر نماز پڑھنے کا طریقہ

رکوع سجدہ اشارہ سے کرے اور سجدہ کا اشارہ رکوع سے پست ہو اور اسی طرح جب درندہ اس کی طرف متوجہ ہو یا اس پر سیلاب چھا جائے اور اسے اپنی ذات کا خوف لاحق ہو جائے۔ پس اس کے آگے بھاگے اس حال میں کہ اشارے سے نماز پڑھنے والا ہو تو جائز ہے۔ حالت خوف میں نماز چند قسم ہے پس یہ نماز ان قسموں میں سے ایک ہے جو کہ سخت خوف کی حالت کی ہے باقی قسموں کا بیان سورۃ نساء میں آئے گا ان شاء اللہ۔ اکثر اہل علم کے نزدیک خوف کی وجہ سے تعداد رکعات کم نہ ہوگی۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبان پر گھر میں چار رکعت نماز فرض کی اور سفر میں دو رکعت اور حالت خوف میں ایک رکعت یہ حضرت عطاء، طاؤس، حسن، مجاہد، قتادہ (رحمہم اللہ) کا قول ہے۔ وہ شدت خوف کی حالت میں ایک رکعت پڑھتے تھے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تو لڑائی میں مصروف ہو اور لوگ ایک دوسرے کو مار رہے ہوں پس اس وقت کہہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر۔ پس جب تو نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا پس یہی تیری نماز ہے۔ "فاذا امنتم فاذکروا اللہ" یعنی پانچوں نمازیں پڑھو مکمل طور پر ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے۔ "کما علمکم مالم تکونوا تعلمون"

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِىْ مَا فَعَلْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

ترجمہ: اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے ایک سال تک منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں ہاں تو تم کو گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارہ میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۴۰﴾ "والذین یتوفون منکم" اے گروہ مرداں "یذرون" یعنی چھوڑیں "ازواجاً" یعنی بیویاں "وصیة لازواجھم" اہل بصرہ اور ابن عامر اور حمزہ اور حفص نے "وصیةً" زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ بایں معنی "فلیوصوا وصیةً" (یعنی فعل محذوف سے مصدر (مفعول مطلق) ہے) اور باقیوں نے "وصیةٌ" رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ "ای کتب علیکم الوصیةُ" (یعنی فعل محذوف مجہول کا نائب فاعل ہے) "متاعًا الی الحول" "متاعًا" پر مصدر کی وجہ سے نصب ہے تقدیر عبارت ہوگی۔ "متعوھن متاعًا" اور کہا گیا ہے کہ متاعًا کی زبر اس عبارت کی تقدیر پر ہوگی۔ "جعل اللہ ذالک لھن متاعًا" اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کے لیے متاع بنایا ہے اور متاع سال کے خرچہ کا نام ہے اس عورت کا کھانا، لباس، رہائش اور وہ چیز جس کی وہ محتاج ہو۔ (غیر اخراج) یہ حال کے اعتبار سے منصوب (زبر والا) ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کی زبر حرف جار کے کھینچنے کی وجہ سے ہے جو کہ غیر پر تھا۔ اصل میں تھا "من غیر اخراج"

یہ آیت طائف کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جسے حکیم بن حارث کہا جاتا تھا۔ اس نے مدینہ منورہ کی طرف بال، بچوں، بیوی اور ماں باپ سمیت ہجرت کی۔ پس وہ فوت ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والدین اور اولاد کو اس کی میراث سے دیا اور اس کی بیوی کو کچھ نہ دیا اور ان کو حکم فرمایا کہ مرنے والے خاوند کے ترکہ سے اس کی بیوی پر پورا سال خرچ کریں۔ عدت وفات ابتداء اسلام میں پورا سال تھی اور وارث پر عورت (بیوہ) کو سال پورا ہونے سے پہلے گھر سے نکالنا حرام تھا اور اس سال عدت کا خرچ رہائش وغیرہ کا خاوند کے مال میں اس عورت کے لیے واجب ہوتا تھا جب تک عورت خود نہ نکلتی اور اس عورت کے لیے میراث نہ تھی۔ اگر وہ خاوند کے گھر سے نکلتی تو خرچہ ساقط ہو جاتا تھا اور خاوند پر لازم تھا کہ وہ اس امر کی وصیت کر جائے۔ یہ صورت حال اسی طرح رہی تا آنکہ آیت میراث نازل ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے سال کے خرچہ کو منسوخ کر دیا اور میراث خاوند میں سے عورت کے لیے ربع (چوتھا حصہ جبکہ خاوند کی اولاد نہ ہو) اور ثمن (آٹھواں حصہ جبکہ خاوند کی اولاد ہو) مقرر ہوا اور سال کی عدت کو چار ماہ دس دن کی عدت سے منسوخ کر دیا گیا۔

"فان خرجن" سال گزرنے سے پہلے وارثوں کے نکالے بغیر از خود وہ عورتیں نکلیں۔ "فلا جناح علیکم" اے اولیاء میت "فی ما فعلن فی انفسھن من معروف" نکاح کے لیے زینت۔ مردوں سے گناہ اٹھانے کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یا اگر تم ان کی

عورتوں کا خرچہ (کھانا، لباس، رہائش) وغیرہ کاٹ دو اور ان کو نہ دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے جبکہ وہ عدت گزرنے سے پہلے گھر سے نکل جائیں۔ دوسری وجہ یہ کہ اگر تم ان عورتوں کو گھر سے نکلنے سے منع نہ کرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ بیوہ کا سال پورا خاوند کے گھر میں گزارنا واجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو اختیار دیا تھا کہ گھر میں پورا سال ٹھہری رہے اور اس عورت کے لیے۔

خرچہ رہائش وغیرہ ہو یا وہ عورت (بیوہ) گھر سے نکل جائے۔ پس اس کے لیے نہ خرچہ نہ رہائش یہ حکم باقی رہا تا آنکہ چار ماہ دس دن کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا۔ "واللّٰہ عزیز حکیم"

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ م بِالْمَعْرُوْفِ ط حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

(ترجمہ) اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک و کفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں اس توقع پر کہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

(تفسیر) ۝ "وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین" متعہ کے ذکر کا اعادہ اللہ تعالیٰ نے محض اضافی معنیٰ کی خاطر کیا اور وہ اس طرح کہ اس آیت کے علاوہ دوسری جگہ اس عورت کا ذکر ہے جو کہ غیر مسوسہ ہو یعنی جس کے ساتھ خاوند نے صحبت نہ کی ہو اور اس آیت کریمہ میں متعہ کے حوالے سے تمام مطلقہ عورتوں کا حکم مذکور ہے اور کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا "ومتعوهن علی الموسع قدره وعلی المقتر قدره" اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک "حقا علی المحسنین" مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر میں احسان کا معاملہ کرنا چاہوں گا تو کروں گا (یعنی متعہ دوں گا) ورنہ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وللمطلقات متاع" متعہ (نفع کی چیز دینا) کو عورتوں کے ساتھ لام تملیک لا کر خاص کر دیا گیا اور فرمایا "حقا علی المتقین" متقین سے مراد مومنین ہیں جو شرک سے بچنے والے ہیں۔

۝ كذلك .... الخ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

(ترجمہ) (اے مخاطب) تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لئے سو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے (حکم) فرمایا کہ مر جاؤ (سب مر گئے) پھر ان کو جلا دیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں (کے حال) پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (اس قصہ میں غور کرو)

طاعون سے بھاگنے والوں کا ایک قصہ

تفسیر ② "الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم" اکثر اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ "واسط" کی طرف ایک بستی تھی جسے داوردان کہا جاتا تھا وہاں طاعون واقع ہوا تو لوگوں کا ایک گروہ اس علاقہ سے نکل بھاگا اور ایک گروہ باقی رہ گیا تو بستی میں رہنے والوں کی اکثریت ہلاک ہوگئی اور نکلنے والے صحیح سالم رہے۔ جب طاعون ختم ہوا تو وہ صحیح سالم واپس آگئے جو بستی میں رہ کر باقی بچ گئے تھے وہ نکلنے والوں کے بارے میں کہنے لگے، ہمارے نکلنے والے بھائی تو ہم سے زیادہ محتاط اور سمجھدار نکلے۔ اگر ہم بھی ایسا کرتے جس طرح انہوں نے کیا تو ہم بھی بچ جاتے۔ اگر اب کے دوبارہ طاعون واقع ہوا تو ہم بھی ایسی جگہ کی طرف نکل جائیں گے جہاں طاعون نہ ہوگا۔ چنانچہ آئندہ سال بھی طاعون کی وباء پھیل گئی تو اس علاقہ کی بھاری اکثریت وہاں سے نکل گئی بھاگ گئی۔ حتیٰ کہ ایک کشادہ وادی میں جا اُترے۔ پس جب اس مقام پر پہنچے جہاں نجات چاہتے تھے تو وادی کے نیچے سے فرشتہ نے آواز دی اور ایک فرشتہ نے اوپر سے آواز دی (تم مر جاؤ) چنانچہ سب مر گئے۔

ابن شہاب نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت کی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) شام کی طرف نکلے جب سرغ کے مقام پر پہنچے تو آپ کو شام میں وباء پھیلنے کی خبر پہنچی تو آپ کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے خبر دی۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی علاقہ زمین میں وبا کے متعلق سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی علاقہ میں وباء پھیلے اور تم وہاں ہو تو اس جگہ سے وباء فرار کرکے نہ نکلو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرغ ہی سے واپس ہوگئے۔ کلبی، مقاتل اور ضحاک رحمہم اللہ کہتے ہیں (جن کے فرار کا ذکر اس جگہ قرآن مجید میں ہے) کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد سے بھاگ نکلے تھے اور یہ اس طرح کہ بنو اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے اس کو حکم دیا کہ دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے نکلیں تو انہوں نے لشکر بندی کی، پھر بزدل ہوگئے اور موت کو ناگوار سمجھا۔ پس بہانہ بنایا اور بادشاہ کو کہا کہ جس زمین کو ہم جا رہے ہیں وہاں تو وبا پھیلی ہوئی ہے تو لہٰذا جب تک وہاں وباء ختم نہیں ہوتی ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر موت مسلط کردی۔ پس وہ اپنے علاقوں سے موت کے ڈر سے بھاگے۔ پس جب بادشاہ نے یہ صورتحال دیکھی بادشاہ نے دُعا کی اے یعقوب علیہ السلام کے رب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے معبود بے شک۔

تو اپنے بندوں کی نافرمانی دیکھ رہا ہے پس تو ان کی ذات میں ایسی نشانی دکھا جس سے وہ جان جائیں کہ وہ تجھ سے ہرگز نہیں بھاگ سکتے۔ پس جب وہ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو "موتوا" فرمایا ان کو سزا دینے کے لیے پس وہ ایک آدمی کی طرح (یعنی بیک وقت) مر گئے اور ان کے جانور بھی مر گئے۔ اس طرح ان پر آٹھ دن گزر گئے حتیٰ کہ وہ سوج گئے اور ان کے جسم بدبودار ہوگئے۔ پس لوگ ان کی طرف نکلے اور ان کے دفن سے عاجز آ گئے۔ پس لوگوں نے ان مرے ہوؤں کے اردگرد درندوں کے بچاؤ کے لیے باڑ لگادی اور ان کو اسی طرح چھوڑ دیا۔

علماء نے ان کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں تین ہزار تھے، وہب فرماتے ہیں چار ہزار تھے۔ کلبی فرماتے ہیں آٹھ ہزار تھے، ابوروق فرماتے ہیں دس ہزار تھے، علامہ سدی فرماتے ہیں تیس ہزار سے زائد تھے۔ ابن جریج فرماتے ہیں چالیس ہزار تھے۔ عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں ستر ہزار تھے۔ تمام اقوال میں سے بہتر قول اس شخص کا ہے جس نے کہا ہے کہ دس ہزار سے زائد تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وھم اُلوف" "اُلوف" جمع کثیر ہے اور اس کی جمع قلت آلاف ہے اور الوف کا استعمال دس ہزار سے کم پر نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا ہے اسی حال پر مدت گزر گئی اور ان کے جسم گل سڑ گئے، ہڈیاں گوشت سے خالی ہوگئیں، ان پر اللہ کے نبی گزرے جن کو حزقیل بن بوذی کہا جاتا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کے تیسرے خلیفہ ہیں اور یہ اس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنو اسرائیل کے قیم (سربراہ) یوشع بن نون تھے۔ پھر کالب بن یوقنا پھر حزقیل ان کو ابن العجوز کہا جاتا تھا کیونکہ ان کی والدہ بوڑھی تھیں، بڑھاپے اور بانجھ ہونے کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی دُعا مانگی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو حزقیل بیٹا عطا فرمایا۔

حضرت حسن اور مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی ذوالکفل تھے اور حزقیل کو ذوالکفل کا نام دیا گیا کیونکہ یہ ستر نبیوں کے ضامن بنے اور ان کو قتل ہونے سے بچایا۔ جب حزقیل علیہ السلام ان مرے ہوؤں پر گزرے تو ان پر ٹھہر گئے اور تعجب کے ساتھ ان پر سوچنے لگ گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل کو وحی فرمائی کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے (اپنی قدرت کی) نشانی دکھاؤں؟ حضرت حزقیل علیہ السلام نے فرمایا ہاں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمادیا اور کہا گیا ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے ان کے زندہ ہونے کی دُعا فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمادیا۔ حضرت مقاتل وکلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ مرنے والے قوم حزقیل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آٹھ دنوں بعد زندہ فرمادیا اور یہ اس طرح کہ جب ان لوگوں کو یہ صورت حال پیش آئی۔ حضرت حزقیل علیہ السلام ان کی طلب میں نکلے تو انہیں مرا ہوا پایا۔ پس حضرت حزقیل علیہ السلام روئے اور فرمایا اے میرے رب! میں ایسی قوم میں تھا جو لوگ تیری حمد وثناء کرتے تھے، تیری تسبیح وتقدیس کرتے تھے۔ تیری تکبیر (بڑائی بیان) کرتے تھے۔ تہلیل "لا الہ الا اللہ" کا وِرد کرتے تھے۔ اب میں اکیلا رہ گیا ہوں میری قوم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے ان کی حیات (زندگی) تیرے ہاتھ کردی ہے تو حضرت حزقیل علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوجاؤ۔ پس انہوں نے زندگی پائی۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ جب زندہ ہوئے تو انہوں نے کہا "سبحانک اللّٰھم ربنا وبحمدک لا الہ الا انت" پس وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے اور طویل زمانہ تک زندہ رہے اور موت کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں تھے جو کپڑا پہنتے وہ کفن کی شکل میں تبدیل ہوجاتا حتیٰ کہ اپنی طبعی عمر کے مطابق جوان کے لیے لکھی گئی تھی فوت ہوگئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آج بھی یہود کے اس قبیلہ کے افراد میں موت کی وہ بُو پائی جاتی ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس فرار پر ناراض ہوئے اور ان کو موت سزا کے طور پر دی، پھر اُٹھائے گئے تاکہ وہ طبعی

زندگی پوری کریں۔ اگر ان کو وقت مقررہ والی موت آتی تو وہ بارہ کبھی نہ اٹھائے جاتے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "الم تر"

......"ای الم تعلم باعلامی ایاک" کیا میرے اس واقعہ کے بتلانے اور جتلانے کے باعث آپ نہیں جانتے۔

"الم تر" میں جس رویۃ (یعنی دیکھنے) کا ذکر ہے وہ رویت قلبی ہے اور اہل معانی (علم فصاحت و بلاغت) کا میلان اس طرف ہے کہ "الم تر" کا استعمال بات پر تعجب دلانے کے لیے ہے۔ کیا آپ نے ان کے مثل دیکھا ہے جیسے کہ تو کہے "الم تر الی ما یصنع فلان" کیا تو نے اس کو دیکھا ہے جو کچھ فلاں کر رہا ہے۔ قرآن کریم میں جس جگہ کسی بھی ایسے واقعہ کے متعلق "الم تر" کا استعمال ہوا ہے جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیکھا اس کی توجیہ یہی ہے (جو ابھی بیان ہوئی) کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے نکلے۔

"وھم الوف" الف کی جمع ہے اور بعض کا قول ہے کہ "الوف" الفت سے ماخوذ ہے اس کے معنی "مؤلفۃ القلوب" کے ہیں یعنی ان کے دل جڑے ہوئے تھے یا الوف آلف کی جمع ہے جیسے "قعود" قاعد کی جمع ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد عدد ہے۔ (حذر الموت) یعنی موت کے خوف سے "فقال لھم اللہ موتوا" "موتوا" کا امر برائے تحویل ہے (یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانے کا حکم یا ایک ماہیت و حقیقت سے دوسری حقیقت و ماہیت میں بدل جانا) جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کونوا قردۃ خٰسئین" یعنی ذلیل بندر بن جاؤ "ثم احیاھم" ان کی موت کے بعد "ان اللہ لذو فضل علی الناس" بعض نے کہا ہے کہ یہ فضل الٰہی تمام انسانوں کے حق میں عام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے خاص طور پر مؤمنین مراد ہیں۔ "ولکن اکثر الناس لایشکرون" بہرحال اگر الناس سے مراد عام انسان ہو تو کافر انسان شکر نہیں کرتا اور اگر مؤمنین مراد ہوں تو پھر معنی ہے کہ اکثر ایمان والے غایت شکر کو نہیں پہنچے (یعنی کما حقہ شکر نہیں کرتے)۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

ترجمہ اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین کر رکھو اس بات کا اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں کون شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دیوے اور اللہ کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی کی طرف (بعد مرنے کے) لے جائے جاؤ گے۔

تفسیر ﴿۲۴۴﴾ "وقاتلوا فی سبیل اللہ" اس کی اطاعت میں اس کے دشمنوں سے لڑو "واعلموا ان اللہ سمیع علیم" اکثر اہل تفسیر فرماتے ہیں یہ خطاب ان لوگوں کو تھا جو زندہ کیے گئے تھے ان کو فی سبیل اللہ قتال کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پس وہ گھروں سے جہاد سے فرار کر کے نکلے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دی۔ پھر ان کو زندہ کیا اور ان کو حکم دیا کہ جہاد کریں اور کہا گیا ہے کہ یہ خطاب اس امت کو ہے کہ ان کو جہاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

قرضاً حسناً کی مختلف تفاسیر اور وجہ تسمیہ

﴿۲۴۵﴾ "من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا" قرض ہر اس چیز کا نام ہے جو انسان اس غرض سے دے تا کہ اس پر بدلہ لے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے اس عمل (صالح) کو جو وہ اس پر تیار شدہ اجر حاصل کرنے کی اُمید پر کرتے ہیں قرض کا نام دیا کیونکہ وہ یہ عمل ثواب کی طلب کے لیے کرتے ہیں۔

کسائی فرماتے ہیں کہ قرض ہر وہ عمل ہے جو تو نے آگے بھیجا۔ وہ عمل اچھا ہو یا برا قرض کا اصل معنی لغت کے اعتبار سے قطع ہے۔ قرض کو قرض اس لیے کہا جاتا ہے کہ قرض دینے والا اپنے مال کا کچھ حصہ کاٹ کر اس لیے دیتا ہے تا کہ اس جیسا (مال کا حصہ) اس کی طرف لوٹے اور کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ میں مجاز اختصار ہے۔ گویا کہ عبارت یوں ہے "من ذالذی یقرض عباد اللہ والمحتاجین من خلقہ" کون ہے وہ جو اللہ کے بندوں اور اس کی مخلوق میں سے محتاجوں کو قرض دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ" اللہ کے بندوں کو ایذاء دیتے ہیں جس طرح کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے اے ابن آدم (انسان) میں نے کھانا طلب کیا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا تھا، بندہ کہے گا میں تجھے کھانا کیسے دیتا حالانکہ تو رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تجھ سے میرے فلاں بندہ نے کھانا طلب کیا تھا تو نے اس کو کھانا نہیں دیا تھا کیا تجھے معلوم نہیں بے شک اگر تو اس کو کھانا دیتا تو اس کو تو میرے پاس پاتا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "یقرض اللہ" قرض حسنہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں۔ حسین بن علی واقدی فرماتے ہیں کہ خوشدلی کے ساتھ ثواب کے لیے (خرچ کرتے ہیں)۔

ابن مبارک فرماتے ہیں کہ مال حلال سے خرچ کرتے ہیں اور فرمایا اس خرچ پر احسان نہیں جتلاتے اور نہ ایذاء دیتے ہیں۔

فیضاعفہ کی مختلف قرأتیں

"فیضاعفہ لہ" ابن کثیر اور ابوجعفر اور ابن عامر اور یعقوب (رحمہم اللہ) نے "فیضعفہ" پڑھا ہے اس کا باب تشدید ہے۔ (یعنی تفعیل کے باب سے) سورۂ احزاب میں ابوعمرو نے اس قرأۃ کی موافقت کی ہے (یعنی وہاں اس نے "فیضعفہ" پڑھا ہے) اور اوروں نے "فیضاعفہ" الف کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (باب مفاعلہ سے) اور یہ دونوں لغتیں ہیں شد کے ساتھ پڑھنے کی دلیل۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "اضعافا کثیرۃ" ہے کیونکہ تشدید برائے تکثیر ہوتی ہے (باب تفعیل میں کسی نہ کسی اعتبار سے کثرت کا مفہوم پایا جاتا ہے) ابن عامر، عاصم اور یعقوب نے فاء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے (یضاعف کی فاء پر زبر کے ساتھ) اسی طرح سورۃ حدید میں بھی استفہام کے جواب کی بنیاد پر اور کہا گیا ہے کہ فاء کی زبر اضماران کے اعتبار سے ہے یعنی "یضاعفہ" سے پہلے اَن مقدر ہے اور باقیوں نے "یضاعفہ" کو فاء کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ "یقرض اللہ"

کے سوا کوئی نہیں جانتا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تضعیف سات سو گنا تک ہے "واللّٰہ یقبض ویبسط" اہل بصرہ اور حمزہ نے یہاں "یبسط" اور اعراف میں "یبسط" سین کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح کہ اس کے ہم شکل اور لفظ ہیں اور ان دونوں لفظوں کو باقیوں نے صاد کے ساتھ پڑھا ہے۔

یقبض ویبسط کی تفاسیر

❶ بعض کا قول ہے "یقبض" رزق روک کر۔ روح قبض کر کے اور کمی کر کے اور "یبسط" توسیع کر کے بعض کا قول ہے۔

❷ "یقبض" صدقہ اور توبہ قبول کر کے اور "یبسط" انفاق فی سبیل اللہ کے بعد اور بھیج کر اور ثواب عطا فرما کر۔

❸ بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے موت دی۔ پس اسے قبض فرمالیا اور جس کی عمر کو بڑھایا، لمبا کیا اس کے لیے بسط فرمایا ❹ بعض کا قول ہے کہ قبض اور بسط دلوں کے اعتبار سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صدقہ کا حکم دیا تو خبر دی کہ بندوں کو اس خرچ کرنے پر قدرت حاصل نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ فرمایا بعض دلوں کو منقبض فرماتا ہے۔ پس خیر کے ساتھ اس کا دل نہیں کھلتا اور بعض دلوں کو فراخ فرماتا ہے۔ پس وہ اپنی ذات کے فائدہ کی خاطر خیر (صدقہ) آگے بھیجتا ہے جس طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتے ہیں بدلتے ہیں۔ (الحدیث) "والیہ ترجعون"

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف تم لوٹو گے۔ پس اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا تمہیں بدلہ دے گا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الیہ کی ضمیر تراب (مٹی) کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اس سے تراب (مٹی) جو کہ غیر مذکور ہے مراد ہے یعنی مٹی سے ان کو پیدا کیا اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

ترجمہ: (اے مخاطب) تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے تحقیق نہیں ہوا جب کہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں (جالوت سے) قتال کریں۔ ان پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جاوے (اس وقت) جہاد نہ کرو؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کون سبب ہوگا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم اپنی بستیوں اور اپنے اپنے

فرزندوں سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو باستثنا ایک قلیل مقدار کے (باقی) سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں

تفسیر ۲۴۶ "الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل" "ملاء من القوم" سے مراد قوم کے معزز و اشراف افراد ہوتے ہیں۔ "ملاء" کا اصل معنی لوگوں کی جماعت ہے اس کے اپنے لفظ سے اس کا مفرد کوئی نہیں جس طرح کہ قوم، رھط، ابل، خیل، جیش کے الفاظ (کہ یہ اپنے اپنے معانی کے لحاظ سے جماعت پر دلالت کرتے ہیں) "ملاء" کی جمع املاء ہے۔ "من بعد موسٰی" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد "اذ قالوا النبی لھم" اس نبی کے بارے میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔

یہاں نبی سے کون سے نبی مراد ہیں؟

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف (علیہ السلام) مراد ہیں۔

علامہ سدی فرماتے ہیں اس نبی کا نام شمعون تھا۔ ان کا نام شمعون اس لیے کہ ان کی والدہ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے بیٹا عطا فرمائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی۔ پس بیٹا پیدا ہوا ان کی والدہ نے ان کا نام شمعون رکھا جس کا معنی ہے سمع اللہ تعالیٰ دعائی۔ اللہ تعالیٰ نے میری دُعا سن لی (قبول کرلی) عبرانی زبان میں س ش ہو جاتی ہے اور یہ شمعون بن صفیہ بنت علقمہ، لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہے۔

باقی مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ نبی اشمویل ہیں اور یہ عبرانی میں اسماعیل بن بال بن علقمہ۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی اشمویل علیہ السلام ہیں جو کہ عبرانی زبان میں اسماعیل بن ھلقایا ہیں۔

وہب اور ابن اسحاق اور کلبی رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل کے نبی سے اس سوال کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہوئے ان کے بعد بنو اسرائیل میں یوشع بن نون (علیہ السلام) خلیفہ ہوئے۔ ان میں تورات اور امر الٰہی کو قائم فرماتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اُٹھالیا۔ پھر بنو اسرائیل میں کالب بن یوقنا اسی طرح خلیفہ بنے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اُٹھالیا پھر حزقیل علیہ السلام خلیفہ بنے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اُٹھالیا پھر بنو اسرائیل میں بڑی بڑی نئی باتیں پیدا ہوگئیں۔ عہد الٰہی کو بھول گئے حتیٰ کہ انہوں نے بتوں کی پوجا کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان میں الیاس علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ پس انہوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام اس لیے بھیجے جاتے تھے تاکہ ان احکام اور دینی طریقوں کی تجدید کریں جن کو بنی اسرائیل بھول چکے ہوتے۔ پھر حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت یسع علیہ السلام خلیفہ ہوئے۔ پس بنی اسرائیل میں جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا تشریف فرما رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اُٹھالیا۔ ان کے بعد ان میں کئی ایک خلیفہ ہوئے اور بنی اسرائیل میں بڑی عظیم عدولیاں پیدا ہوگئیں۔ پس ان کے لیے ایک

ان کا دشمن ظاہر ہوا اسے جلشا ثا کہا جاتا تھا اور یہ لوگ قوم جالوت تھے جو مصر وفلسطین کے درمیان بحر روم کے کنارے آباد تھے اور یہ عمالقہ تھے۔ پس یہ لوگ بنی اسرائیل پر مسلط ہو گئے اور بنو اسرائیل کی بہت سی زمین پر غالب آ گئے اور ان کی بہت سی اولاد کو قید کر لیا اور ان کے بادشاہوں کی اولاد میں سے چار سو چالیس لڑکوں کو قید کر لیا اور بنی اسرائیل پر ٹیکس لگا دیا۔ ان کی کتاب تورات کو ضبط کر دیا اور ان کی طرف سے بنی اسرائیل نے بڑی مشقتیں اور تکلیفیں جھیلیں اور بنو اسرائیل کے لیے کوئی ایک بھی تو ایسا نہ تھا جو ان کے معاملات کو سلجھاتا۔ بنی اسرائیل کا خاندان نبوت تباہ ہو چکا تھا اس خاندان نبوت میں سوائے ایک حاملہ عورت کے کوئی باقی نہ بچا۔ اس حاملہ عورت کو انہوں نے ایک کمرہ میں اس خوف سے بند کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ عورت بچی جنے اور ہم اس بچی کو بچے کے ساتھ تبدیل کر دیں کیونکہ قوم بنو اسرائیل کو اس عورت کے بچے میں بڑی دلچسپی تھی اور وہ عورت بھی اللہ تعالیٰ سے لڑکے کی دُعا مانگتی تھی۔ پس اس عورت نے لڑکا جنا۔ اس عورت نے اس بچے کا نام اشمویل رکھا وہ کہتی تھی اللہ تعالیٰ نے میری دُعا سن لی (قبول کر لی) پس وہ لڑکا بڑا ہوا، اس نے اس کو تورات کی تعلیم کے لیے بیت المقدس میں (علماء کے) سپرد کر دیا۔ علماء بنی اسرائیل میں سے ایک شیخ اس لڑکے کا کفیل بن گیا اور اسے منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ جب بچہ بالغ ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اس لڑکے کے پاس تشریف لائے۔ جب وہ بچہ شیخ کے پہلو میں سویا ہوا تھا اور شیخ بچے کے بارے میں کسی پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔

پس اس بچے کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے شیخ کے لہجہ میں پکارا یا اشمویل پس لڑکا گھبرا کر شیخ کی طرف کھڑا ہو گیا۔ پس کہا ابا جان! آپ نے مجھے بلایا ہے؟ پس شیخ نے اس بات کو ناگوار سمجھا کہ کہیں نہ کہیں بچہ گھبرا نہ جائے اور کہا اے بیٹے لوٹ جا اور سو جا۔ پس لڑکا لوٹ کر سو گیا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس لڑکے کو دوبارہ بلایا۔ پس لڑکے نے کہا ابا جان! آپ نے مجھے بلایا ہے پس شیخ نے کہا لوٹ کر سو جا۔ اب کے اگر تیسری بار تجھے بلاؤں تو مجھے جواب نہ دینا۔ پھر جب تیسری بار ہوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام لڑکے کے لیے ظاہر ہو گئے۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے لڑکے کو فرمایا، اپنی قوم کے پاس جا اور انہیں اپنی قوم کا پیغام پہنچا۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے ان کے اندر نبی بنا کر بھیجا ہے۔

پس جب حضرت اشمویل علیہ السلام قوم کے پاس آئے تو انہوں نے اس کو جھٹلایا اور کہا کہ تو نے اعلان نبوت میں جلدی سے کام لیا حالانکہ نبوت تجھے حاصل نہیں اور قوم نے اس کو کہا اگر تو سچا ہے تو ہمارے لیے بادشاہ کو بھیج تا کہ اللہ کی راہ میں ہم لڑیں جو تیری نبوت کی نشانی ثابت ہو اور بنی اسرائیل کے معاملہ کا سلجھاؤ بادشاہوں کے ساتھ جمع ہونے پر تھا اور بادشاہوں کا اپنے وقت کے نبیوں کی اطاعت میں تھا۔ پس بادشاہ ہی وہ تھا جو جماعتوں کو لے کر چلتا اور (وقت کا) نبی اس کے معاملہ کو درست کرتا اور اس کی رہنمائی کرتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بادشاہ کے پاس خبر لاتا۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت شمویل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا۔ چنانچہ وہ لوگ چالیس سال تک بہت اچھے حال میں رہے۔ پھر جالوت اور قوم عمالقہ کا معاملہ جو ہوا سو ہوا۔ پس انہوں نے حضرت اشمویل علیہ السلام کو کہا "ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللّٰہ" کہ ہمارے لیے کوئی بادشاہ بھیجے جس کی قیادت میں "ھم فی سبیل اللّٰہ" جہاد

کریں۔ نقاتل کے لفظ پر جزم جواب امر کی بنیاد پر ہے۔ پس جب انہوں نے حضرت شمویل علیہ السلام سے یہ کہا تو حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا "قال ھل عسیتم" یہ استفہام شک ہے بمعنی "لعلکم" کے ہے۔ نافع نے "عسِیتم" کو پورے قرآن میں سین کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی حضرات نے زبر کے ساتھ اور یہ (زبر کے ساتھ) فصیح لغت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق "عسٰی ربکم"

"ان کتب" اگر فرض کیا گیا "علیکم القتال" اس بادشاہ کی جانب سے یعنی اس کے ساتھ مل کر لڑنے کے بارے میں "ان لا تقاتلوا" یہ کہ بنا کیا ہوا وعدہ تم پورا نہ کرو اور اس بادشاہ کے ساتھ مل کر تم نہ لڑو "قالوا و مالنا ان لا نقاتل فی سبیل اللّٰہ"

سوال۔ اگر سوال کیا جائے کہ اس جگہ "ان لا نقاتل" میں ان لانے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ اہل عرب یہ محاورہ استعمال نہیں کرتے مثلاً وہ یہ نہیں کہتے "مالک ان لا تفعل" بلکہ کہا جاتا ہے "مالک لا تفعل"؟

جواب۔ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اس قسم کے سوال میں "ان" کو لے آنا اور یا پھر حذف کر دینا دونوں صحیح لغتیں ہیں۔ ان کو ثابت رکھنا بھی صحیح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مالک ان لا تکون مع الساجدین" اور ان کو حذف کرنا بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "مالکم لا تؤمنون باللّٰہ" کسائی کہتے ہیں کہ اس کا معنی یوں ہوگا "وما لنا فی ان نقاتل" اور فی کو حذف کر دیا گیا۔

فراء کہتے ہیں کہ عبارت یوں ہوگی "وما یمنعنا ان لا نقاتل فی سبیل اللّٰہ" اور ہمارے لیے کیا چیز مانع ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال (لڑائی) نہ کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "ما منعک ان لا تسجد" اخفش نے کہا اس جگہ پر "ان" کا لفظ زائدہ ہے اور معنی یوں ہوگا "وما لنا لا نقاتل فی سبیل اللّٰہ" .....

"وقد اخرجنا من دیارنا و ابناءنا" اس نے ان کو ان کے گھروں سے نکالا جو ان پر غالب آیا۔ ظاہر کلام کے لحاظ سے عموم ہے اور باطن میں خصوص ہے۔ اس لیے کہ جن لوگوں نے اپنے نبی کو کہا تھا کہ ہمارے لیے بادشاہ مقرر کیجئے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں یہ لوگ اپنے گھروں میں تھے، گھروں سے وہ نکالے گئے تھے جو ان میں سے قید کیے گئے تھے اور آیت کا معنی یہ ہوگا کہ بے شک انہوں نے اپنے نبی کے اس قول (کہ جہاد فرض ہونے کی صورت میں تم نہیں لڑو گے) کے جواب میں کہا کہ ہم جہاد سے اس وقت بے رغبت تھے جب ہم اپنے علاقوں میں محفوظ تھے ہم پر ہمارا دشمن غالب نہ آیا تھا اب جب دشمن غالب آ گیا تو ہم جہاد کے سلسلہ میں اپنے رب کی اطاعت کریں گے اور اپنی عورتوں، بچوں کی حفاظت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فلما کتب علیھم القتال تولوا" جہاد فرض ہونے پر انہوں نے جہاد سے منہ موڑا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کیا "الا قلیلا منھم" مگر ان میں سے تھوڑے جنہوں نے طالوت کے ساتھ نہر کو عبور کیا اور ایک آدھ چلو پانی پر اکتفا کیا۔ جیسا کہ ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔ "واللّٰہ علیم بالظالمین"

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ط قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ط قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

ترجمہ: اوران لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ کہنے لگے ان کو ہم پر حکمرانی کا کیسا حق حاصل ہوسکتا ہے حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اوران کو تو کچھ مال وسعت بھی نہیں دی گئی ان پیغمبر نے (جواب میں) فرمایا (اول) تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں ان کو منتخب فرمایا ہے اور (دوسرے) علم اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے اور (تیسرے) اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں دیں اور (چوتھے) اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں جاننے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۴۷﴾ "وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا" اور یہ اس طرح کہ حضرت اشمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ان کے لیے بادشاہ بھیجے۔ پس اس کو ایک عصا دیا گیا جس میں مقدس تیل تھا اور اسے کہا گیا کہ تمہارا بادشاہ وہ ہوگا جس کا قد اس عصا کے برابر ہوگا اور اس سینگ کو دیکھنا جس میں تیل ہے۔ پس جب وہ (بادشاہ ہونے والا) آدمی تجھ پر داخل ہوگا تو یہ تیل سینگ والا جوش مارے گا حرکت کرے گا۔ پس وہ بنو اسرائیل کا بادشاہ ہے۔ پس یہ تیل اس کے سر کو لگانا اور اس کو ان پر بادشاہ مقرر کردینا۔

طالوت کا نام اور وجہ تسمیہ

طالوت کا عبرانی نام ساول بن قیس تھا جو کہ بنیامین بن یعقوب کی اولاد سے تھا۔ اس کا نام لمبے قد ہونے کی وجہ سے طالوت رکھا گیا۔ وہ ہر ایک سے سر اور کندھوں کے لحاظ سے لمبا تھا۔ چمڑا رنگنے والا (موچی) تھا اور چمڑے کا کاروبار کرتا تھا۔ یہ بات حضرت وہب نے فرمائی، سدی فرماتے ہیں کہ یہ ساقی تھا، دریائے نیل سے پانی گدھے پر لاد کر پلایا کرتا تھا اس کا گدھا گم ہوگیا۔ پس اس کی طلب میں نکلا۔ حضرت وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلکہ اس کے باپ کا گدھا گم ہوگیا تو طالوت کے باپ کو اور اپنے ایک غلام کو گدھے کی طلب میں بھیجا۔ پس یہ دونوں حضرت شمویل علیہ السلام کے گھر کے پاس سے گزرے تو طالوت کو غلام نے کہا اگر ہم اس نبی کے پاس جائیں اور اس سے گدھے کے معاملہ میں پوچھیں تاکہ وہ ہماری رہنمائی کرے اور ہمارے حق میں دعا کرے (تو بہتر ہوگا) تو وہ دونوں حضرت اشمویل علیہ السلام کے پاس گئے۔ اس دوران کہ وہ دونوں حضرت اشمویل علیہ السلام کو اپنی حاجت ذکر کررہے تھے کہ اچانک سینگ والے تیل نے جوش مارا۔ پس حضرت اشمویل علیہ السلام کھڑے ہوئے اور طالوت کو عصا کے ساتھ ناپا تو وہ اس کے برابر تھے۔ حضرت اشمویل علیہ السلام نے طالوت کو کہا اپنا سر قریب کیجئے، انہوں نے سر کو

قریب کیا تو حضرت اشمویل علیہ السلام نے ان کو وہ مقدس تیل ملا۔ پھر فرمایا تم بنی اسرائیل کے وہ بادشاہ ہو جس کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں اس کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کردوں تو طالوت نے کہا حضور آپ جانتے نہیں کہ میرا خاندان بنواسرائیل میں سے کم درجہ کا خاندان ہے اور میرا بیت (سبط سے مخصوص شدہ قبیلہ کو بیت کہتے تھے) بنواسرائیل میں سے کم درجہ کا گھر ہے۔ حضرت اشمویل علیہ السلام نے فرمایا بالکل ایسے ہے تو طالوت نے کہا کس نشانی کے ساتھ آپ مجھے بادشاہ بنارہے ہیں۔ حضرت اشمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ نشانی یہ ہے کہ جب تم واپس گھر لوٹو گے تو آپ کے والد کو گدھے مل چکے ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر حضرت اشمویل علیہ السلام نے بنواسرائیل کو فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ ”قالوا انی یکون له الملک علینا“ یعنی اس کا اقتدار ہم پر کیونکر ہو سکتا ہے۔

”ونحن احق“ ہم زیادہ حق دار ہیں ”بالملک منه“ یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ بنواسرائیل میں دو بڑے خاندان تھے۔ ایک خاندان نبوت تھا دوسرا شاہی خاندان تھا۔ نبوی خاندان لاوی بن یعقوب کا خاندان تھا۔ حضرت موسیٰ، حضرت ہارون علیہما السلام اسی خاندان سے تھے اور شاہی خاندان ”یھودا بن یعقوب“ کا خاندان تھا اور اس خاندان سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام تھے اور طالوت کا تعلق ان دو خاندانوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں تھا۔ طالوت تو بنیامین بن یعقوب کے خاندان سے تھا اور انہوں نے بڑا گناہ کیا تھا کہ یہ لوگ دن دہاڑے راستے پر عورتوں سے جماع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب کیا (ناراض ہوا) اور ان سے ملک اور نبوت کی نعمت کو چھین لیا۔ چنانچہ اس خاندان کا نام ”سبط الاثم“ پڑ گیا یعنی گناہ والا خاندان۔

جب بنواسرائیل کے نبی نے طالوت کے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا تو بنی اسرائیل نے اس کا انکار کیا کیونکہ طالوت کا تعلق شاہی خاندان سے نہ تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ فقیر ہے۔ ”ولم یؤت سعة من المال قال ان الله اصطفاه“ اس کو چن لیا۔ ”علیکم وزاده بسطة“ فضیلت اور وسعت (فراخی) کے لحاظ سے ”فی العلم والجسم“ اور یہ اس طرح کہ طالوت بنواسرائیل میں اپنے وقت کا بڑا عالم تھا بعض نے کہا کہ جب طالوت کو ملک عطا ہوا تو اسے وحی بھی آئی۔ کلبی کہتے ہیں ”وزاده بسطة“ یعنی فضیلت اور وسعت علم جنگ کے لحاظ سے اور جسم میں قد آور ہونے کے اعتبار سے اور کہا گیا ہے کہ جسم میں وسعت حسن و جمال کے لحاظ سے طالوت بنواسرائیل میں حسین و جمیل اور بہت بڑا عالم انسان تھا۔ ”والله یؤتی ملکه من یشاء والله واسع علیم“ بعض نے کہا کہ واسع کا معنی ”ذو السعة“ یعنی وسعت والا ہے اور وہ، وہ ہے جو مالدار ہونے پر مال دیتا ہو (یعنی جتنا کچھ دیتا ہے اس کے غنا میں کمی نہ آئے) اور علیم کا معنی عالم بعض کا قول ہے ”عالم بما کان“ یعنی عالم وہ جو زمانہ ماضی کا علم رکھتا ہو اور ”علیم بما یکون“ جو مستقبل کا عالم ہو۔ ”فقالوا له“ پس انہوں نے اس نبی کو کہا کہ اس کے بادشاہ ہونے کی کیا نشانی ہے؟ تو ان کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت (صندوق) آئے گا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

ترجمہ: اور ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے (منجانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جاوے گا جس میں تسکین اور (برکت کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

تابوت کا واقعہ

تفسیر: ﴿۲۴۸﴾ "وقال لهم نبيهم ان آية ملكه ان يأتيكم التابوت" اور تابوت (صندوق) کا قصہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تابوت نازل کیا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی صورتیں تھیں اور یہ شمشاد (درخت) کی لکڑی کا تھا۔ تین گز اور دو گز (ذراع سے مراد عربی گز ہے جو تقریباً ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس رہا)

یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام فوت ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت شیث علیہ السلام کے پاس تھا پھر اولاد آدم کو ورثہ منتقل ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس تھا۔ اس لیے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس تھا۔ پھر بنی اسرائیل میں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں کتاب تورات اور اپنا سامان رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے پھر انبیاء علیہم السلام بنو اسرائیل کے بعد دیگرے لیتے آئے۔ یہاں تک کہ اشمویل علیہ السلام کو پہنچا اور اس میں وہ کچھ تھا جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا "فيه سكينة من ربكم"

سکینہ کے متعلق علماء کی آراء

سکینہ میں علمائے کرام نے اختلاف کیا کہ وہ کیا چیز تھی؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سخت اور تیز چلنے والی خوشبودار ہوا تھی اس کے دو سر تھے اس کا انسان کی طرح چہرہ تھا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سکینہ بلی کے مشابہ ایک چیز تھی اس کا بلی کی طرح سر تھا اور اس کی دُم بھی بلی کی دُم کی طرح تھی اور اس کے دو پر تھے۔ بعض نے کہا اس کی دو آنکھیں تھیں جن میں شعاع تھی اور دو پر تھے جو کہ زمرد اور زبرجد کے تھے۔ لوگ جب اس سے آواز سنتے تو نصرت الٰہیہ کا یقین کر لیتے اور بنی اسرائیل جب نکلتے تو اس صندوق کو اپنے آگے رکھتے۔ جب تابوت (صندوق) چلتا تو بنی اسرائیل بھی چل پڑتے جب صندوق ٹھہر جاتا یہ بھی ٹھہر جاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سکینہ جنت سے لایا ہوا تھال تھا۔ اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے دل دھوئے جاتے تھے۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سکینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح تھا جب لوگوں کا کسی شئی میں اختلاف ہوتا تو یہ بولتا اور ان کی مراد بیان کرتا۔ عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ یہ وہ آیات تھیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نشانیاں) جن کو وہ پہچانتے اور ان سے سکون پاتے۔

حضرت قتادہ اور کلبی فرماتے ہیں کہ سکینہ "بروزن فعیلہ" سکون سے ہے۔ یعنی تمہارے رب کی طرف سے اطمینان و سکون پس جس جگہ بھی صندوق ہوتا وہاں بنو اسرائیل کو اطمینان و سکون ہوتا" وبقیۃ مما ترک آل موسیٰ و آل ھارون" حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام جو کچھ خود چھوڑ گئے۔

تابوت میں اشیاء تھیں

اس میں دو تختیاں تورات کی تھیں اور ان تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں۔ اس میں عصائے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نعلین شریف تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ تھا اور ان کا عصا مبارک اور "منّ" کا ایک قفیز (یہ ایک پیمانہ تھا جو بنو اسرائیل پر اُترتا تھا) یہ تابوت بنو اسرائیل کے پاس تھا۔ بنی اسرائیل جب کسی معاملہ میں اختلاف کرتے یہ صندوق ان کے درمیان فیصلہ کرتا تھا اور بنی اسرائیل جب کسی قتال پر جاتے تو اس صندوق کو آگے رکھتے اور اس کی برکت سے اپنے دشمن پر فتح کی طلب کرتے۔

قوم عمالقہ کا تابوت پر قبضہ

جب بنی اسرائیل نے نافرمانی کی اور فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قوم عمالقہ کو مسلط کر دیا اور وہ تابوت پر غالب آ گئے۔ اس کا سبب یوں ہوا کہ عیلی نام کا ایک عالم جس نے حضرت اشمویل علیہ السلام کی تربیت کی تھی کے دو جوان بیٹے تھے۔ عیلی بنو اسرائیل کا بڑا عالم اور صاحب قربان تھا۔ اس کے بیٹوں نے قربانیوں میں کچھ ایسی چیز پیدا کر دی جو پہلے نہ تھی اور یہ اس طرح کہ عیلی کی طرف سے قربانی لٹکانے کے لیے دو کنڈیاں تھیں جس کے ساتھ لوگ قربانیاں ٹانگتے۔ ان دو کنڈیوں سے جو آمدنی ہوتی وہ اس کاہن کے لیے ہوتی جو وہ لٹکاتا تھا۔ عیلی کے بیٹوں نے کئی کنڈیاں لگا دیں۔ عورتیں بیت المقدس میں نماز پڑھنے آتیں تو عیلی کے بیٹے ان سے چھیڑتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ عیلی کے پاس جا کر کہو کہ تجھے تیری اولاد کی محبت اس بات سے رکاوٹ کہ تو بیٹوں کو ان برے کاموں سے روکے جو انہوں نے قربانیوں کے سلسلہ میں اور میرے حریم قدس میں شروع کر رکھے ہیں اور یہ کہ دونوں میری نافرمانی کرتے ہیں۔ لہٰذا میں ضرور بالضرور تجھ سے تیرا عہدۂ کہانت چھین لوں گا اور تیری اولاد سے بھی اور میں تجھے اور تیری اولاد کو ہلاک کر دوں گا۔ اشمویل علیہ السلام نے عیلی کو خبر دی۔ پس عیلی سخت گھبرا گیا اور

ان کے آس پاس کے دشمنوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ پس عیلی نے بیٹوں کو حکم دیا کہ لوگوں کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلیں اور اس دشمن سے لڑیں۔ پس عیلی کے دونوں بیٹے نکلے اور اپنے ساتھ صندوق بھی لے گئے۔ پس جب لڑائی کے لیے تیار ہوئے عیلی ادھر (فتح کی) خبر سننے کی اُمید لیے بیٹھا تھا کہ لشکر نے کیا کیا۔ اتنے میں آدمی آیا اور عیلی کرسی پر بیٹھا تھا اس آدمی نے خبر دی کہ لوگ شکست کھا گئے اور تیرے بیٹے قتل ہو گئے۔ عیلی نے پوچھا تابوت کا کیا بنا؟ (خبر دینے والے) آدمی نے کہا اسے دشمن لے گیا۔ عیلی نے چیخ ماری، کرسی سے پیچھے کی طرف گرا اور مر گیا۔ بنی اسرائیل کا معاملہ ختم ہو گیا اور وہ تتر بتر ہو گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا۔ بنی اسرائیل نے طالوت کے بادشاہ ہونے پر دلیل مانگی ان کے نبی علیہ السلام نے فرمایا طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا۔

تابوت کا قصہ

اور تابوت (صندوق) کا قصہ یوں ہوا کہ جو لوگ اس صندوق کو لے گئے تھے وہ اسے فلسطین کی کسی بستی میں لے گئے بستی کا نام ازدود تھا۔ تابوت کو انہوں نے بت کے کمرہ میں بڑے بت کے نیچے رکھا۔ دوسرے دن دیکھا کہ بت تابوت کے نیچے پڑا ہے۔ پس انہوں نے بت کو لیا اور تابوت کے اوپر رکھا اور بت کے قدموں کو تابوت کے اوپر میخوں سے جڑ دیا۔ صبح کو دیکھا کہ بت کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور تابوت کے نیچے پڑا ہوا ہے اور باقی بت بھی اوندھے منہ گرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس تابوت کو بت کدہ سے نکالا اور شہر کی ایک جانب رکھا۔ اس طرف کے لوگوں کو گردن کی بیماری نے آ دبوچا۔ اس طرف کے لوگوں کی اکثریت موت کا لقمہ بن گئی۔ پس بعض کو بعض نے کہا:

کیا تم اس بات کو جانتے نہیں ہو کہ بے شک بنی اسرائیل کے معبود کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس تابوت کو فلاں بستی کی طرف لے جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ان بستی والوں کی طرف چوہے بھیج دیئے۔ پس چوہے رات کے وقت آدمی کے پاس آتے صبح کو وہ آدمی مرا ہوا ہوتا اور چوہے اس کی انتڑیاں وغیرہ کھا چکے ہوتے تو انہوں نے اس تابوت کو جنگل کی طرف نکالا اور وہاں گندگی کی جگہ پر دفن کر دیا۔ پھر ہوا یہ کہ جو وہاں قضا حاجت کے لیے جاتا اسے بواسیر اور قولنج کی بیماری لگ جاتی پس وہ حیران ہو گئے تو ان کو ایک عورت جوان کے پاس بنی اسرائیل کے قیدیوں میں تھی اور انبیاء علیہم السلام کی اولاد سے تھی اس نے کہا جب تک یہ تابوت تمہارے پاس رہا تم مصیبتوں میں گرفتار رہو گے لہٰذا اسے اپنے سے باہر نکال دو۔ چنانچہ اس عورت کے مشورہ کے مطابق وہ گاڑی لائے اور تابوت کو اس پر رکھا اور دو بیلوں کے اوپر اس گاڑی کو جکڑ دیا اور ان بیلوں کے پہلوؤں کو خوب مضبوط کیا۔ بیل چلنا شروع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو بیلوں پر چار فرشتے مقرر کیے جو ان کو ہانکتے۔ وہ دونوں بیل متوجہ ہوئے اور بنی اسرائیل کی زمین پر آ کھڑے ہوئے۔ ان بیلوں نے گلے پڑے جوئے کو توڑ رسیوں کو کاٹا تابوت بنو اسرائیل کی زمین پر جہاں بنی اسرائیل کی کھیتی کٹی پڑی تھی (یعنی کھلیان) میں رکھا اور واپس ہو گئے۔ بنی اسرائیل نے جب اچانک تابوت کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی اور حمد و ثنا کی۔

"تحملہ الملائکۃ" فرشتے اس کو ہانکتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فرشتے تابوت کو آسمان اور زمین کے درمیان اُٹھا کر لائے اور بنی اسرائیل اس کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ فرشتوں نے طالوت کے پاس تابوت لا کر رکھ دیا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تابوت فرشتوں کے پاس آسمان پر تھا۔ جب طالوت بادشاہ بنا تو فرشتے تابوت اُٹھا کر لائے اور ان کے درمیان لا کر رکھ دیا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بلکہ تابوت مقام تیہ میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تابوت یوشع بن نون علیہ السلام کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ تابوت وہاں رہا۔ پس تابوت کو فرشتوں نے اُٹھایا اور طالوت کے گھر لا کر رکھ دیا۔ پس بنی اسرائیل نے طالوت کی شاہی کا اقرار کر لیا۔ "ان فی ذالک لآیۃ" البتہ عبرت ہے "لکم ان کنتم مؤمنین" ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک تابوت اور عصائے موسیٰ علیہ السلام بحیرۂ طبریہ میں ہے اور قیامت سے پہلے یہ دونوں نکلیں گے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

ترجمہ: پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر (بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف) چلے تو انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے جو شخص (افراط کے ساتھ) اس سے پانی پیوے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے وہ میرے ساتھیوں میں ہے لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرے سو پھر سب نے اس سے (بے تحاشا) پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے آدمیوں نے ان میں سے سو جب طالوت اور جو مؤمنین ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی (یہ سن کر) ایسے لوگ جن کو یہ خیال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آ گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۴۹﴾ "فلما فصل طالوت بالجنود" (طالوت) ان کو لے کر نکلا۔ فصل کا اصل معنی قطع ہے یعنی اپنے ٹھکانہ کو قطع کیا (یعنی چھوڑا) اس حال میں کہ وہ اور جگہ کی طرف کوچ کرنے والا تھا۔ پس طالوت بیت المقدس سے لشکر لے کر نکلا اور وہ ستر ہزار لڑاکا جوان تھے اور بعض نے کہا ہے کہ اسی ہزار جوان تھے ان میں سے پیچھے کوئی نہ رہا مگر بوڑھا بڑھاپے کی وجہ سے اور مریض مرض کی وجہ سے یا پھر معذور اپنے عذر کی وجہ سے اور یہ اس لیے کہ انہوں نے جب تابوت کو دیکھا تو نصرت خداوندی کا انہیں یقین ہو گیا۔ پس انہوں نے جہاد کی طرف جلدی کی۔

پس طالوت نے کہا کہ میں جو کچھ یہ (بھیڑ) دیکھ رہا ہوں ان سب کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا میرے ساتھ وہ شخص نہ نکلے جو مکان کی تعمیر کر رہا ہے اور اس سے فارغ نہیں ہوا اور نہ وہ جو تجارت میں مشغول ہے اور نہ وہ نکلے جو مقروض ہے اور نہ وہ جس کا نکاح ہوا ہے مگر ابھی شادی نہیں ہوئی۔ میرے ساتھ صرف فارغ البال چست و چالاک جوان چلیں۔ اس شرط پر اس کے ساتھ اسی ہزار جمع ہوگئے۔ سخت گرمی کے دن تھے، انہوں نے پانی کی قلت کی شکایت کی جو کہ ان کے اور ان کے دشمن کے درمیان (رکاوٹ) تھی۔ پس انہوں نے کہا بے شک پانی تھوڑا ہے جو ہمیں کافی نہیں لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے نہر جاری کرے۔ (قال)

طالوت نے کہا "ان اللہ مبتلیکم بنھر" تمہیں آزمانے والا ہے تاکہ تمہاری اطاعت دیکھے اور وہ خوب جاننے والا ہے۔ "بنھر" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی کہتے ہیں یہ نہر فلسطین تھی۔ قتادہ کہتے ہیں اردن اور فلسطین کے درمیان میٹھے پانی کی نہر ہے۔ "فمن شرب منہ فلیس منی" وہ میرے دین والوں سے نہیں اور میرا فرمانبردار نہیں ہے۔ "ومن لم یطعمہ" اس کو نہ پیا "فانہ منّی الا من اغترف غرفۃ بیدہ" اہل حجاز اور ابو عمر نے "غرفۃ" غین کی زبر کے ساتھ پڑھا اور باقیوں نے پیش کے ساتھ اور غرفۃ میں یہ دونوں لغتیں ہیں۔ کسائی کہتے ہیں کہ "غرفۃ" غین کی پیش کے ساتھ چلو بھرنے سے حاصل ہونے والا پانی ہے اور "غرفۃ" غین کی زبر کے ساتھ "اغتراف" کو کہتے ہیں یعنی چلو بھرنا۔ لہٰذا غرفۃ غین کی پیش کے ساتھ نام ہے "چلو" اور غرفۃ غین کی زبر کے ساتھ مصدر ہے "فشربوا منہ الا قلیلاً منھم قلیلاً" کی زبر استثناء کے اعتبار سے ہے۔

اصحاب طالوت کی تعداد

اس قلیل مقدار میں جنہوں نے پانی نہ پیا اختلاف ہے۔ علامہ سدی کہتے ہیں یہ چار ہزار تھے اوروں نے کہا تین سو سے کچھ زائد تھے اور یہ قول صحیح ہے۔ حضرت براء (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر تھی جنہوں نے طالوت کے ساتھ نہر پار کی تھی اور طالوت کے ساتھ سوائے مؤمن کے کوئی نہر نہ پار کرسکا اور ان کی تعداد تین سو دس (۳۱۰) سے کچھ زیادہ تھی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جب وہ نہر (دریا) تک پہنچے اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پیاس ڈال دی تھی۔ اس عدد قلیل کے سوا باقی سب نے نہر کا پانی پیا۔ پس جس نے ایک آدھ چلو بھرا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اس کا دل قوی ہوگیا اور ایمان صحیح ہوا اور نہر کو سلامتی کے ساتھ عبور کیا اور اسے بھی ایک چلو اپنے پینے کے لیے اور اس کے جانور کے لیے اور جنہوں نے (سیر ہوکر) پیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی ان کے ہونٹ کالے ہوگئے اور ان پر پیاس غالب ہوگئی۔ پس نہ وہ سیراب ہوئے اور نہر کے کنارے رہ گئے اور دشمن کے مقابلے میں ملاقات کے سلسلہ میں بزدل ہوگئے۔ پس نہ تو انہوں نے نہر (دریا) پار کیا اور نہ فتح کو حاضر ہوئے اور کہا گیا ہے کہ نہر (دریا) کو سب نے پار کیا مگر قتال کو صرف وہی حاضر ہوئے

جنہوں نے سیر ہو کر نہیں پیا تھا۔ "فلما جاوزہ" یعنی نہر (دریا) کو پار کیا۔ "ھو" طالوت نے "والذین آمنوا معہ" ان قلیل نے "قالوا" ان لوگوں نے کہا جنہوں نے (سیر ہو کر) پیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت کی تھی اور شک و نفاق والے تھے۔ "لا طاقۃ لنا الیوم بجالوت وجنودہ" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی فرماتے ہیں پس وہ سو گئے اور اسے پار نہ کر سکے۔ "قال الذین یظنون" جو یقین رکھتے تھے "انھم ملاقوا اللّٰہ" اور یہ وہ تھے جو طالوت کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے "کم من فئۃ" جماعت اور یہ لفظ "فئۃ" وہ جمع ہے جس کا اپنے لفظ سے کوئی واحد نہیں ہے اور اس لفظ "فئۃ" کی جمع "فئات" اور "فئون" ہے حالت رفع (پیش) میں اور زبر اور زیر کی حالت میں "فئین" ہے۔ "قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللّٰہ" اس کے فیصلہ اور تقدیر و ارادہ کے ساتھ۔ "واللّٰہ مع الصابرین" نصرت اور امداد کے ساتھ۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

ترجمہ اور جب جالوت اور ان کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم پر استقلال (غیب سے) نازل فرمایئے اور ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے۔

تفسیر ﴿۲۵۰﴾ "ولما برزوا" طالوت اور اس کا لشکر یعنی ایمان والے۔ "لجالوت وجنودہ" مشرکین کے لیے اور "برزوا" کا معنی ہے زمین کی کھلی جگہ پر ظاہر ہوئے۔ براز زمین کا وہ حصہ جو نمایاں ہو اور برابر ہو۔ "قالوا ربنا افرغ علینا" اُتار دے ہم پر "صبرا وثبت اقدامنا" ہمارے دلوں کو قوی فرما۔ "وانصرنا علی القوم الکافرین"

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

ترجمہ پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور ان کو (یعنی داؤد کو) اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور بھی جو جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے رہا کرتے ہیں تو سرزمین (تمام تر) فساد سے پر ہو جاتی ولیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر

تفسیر ﴿۲۵۱﴾ "فھزموھم باذن اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ "وقتل داؤد جالوت" جالوت کے قتل کا بیان اس طرح ہے۔ اہل تفسیر فرماتے ہیں طالوت کے ساتھ جن لوگوں نے نہر (دریا) کو عبور کیا تھا حضرت داؤد کے والد ایشا بھی تھے جو اپنے تیرہ بیٹوں سمیت شریک تھے۔ حضرت داؤد ان تیرہ میں سے چھوٹے بیٹے تھے اور پتھر پھینکنے کا کام کیا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے باپ کو کہا ابا جان! میں جس کسی کو پتھر مارتا ہوں اسے گرا دیتا ہوں تو حضرت داؤد کے والد نے کہا بیٹے خوش ہو جاؤ، اللہ

تعالیٰ نے تمہارا رزق اسی میں کیا ہے۔ پھر ایک اور دفعہ اپنے والد کے پاس آئے اور کہا ابا جان میں پہاڑوں میں داخل ہوا، وہاں میں نے شیر کو گھٹنے کے بل بیٹھے دیکھا، میں اس پر سوار ہو گیا اس کے دونوں کانوں کو میں نے پکڑا، پس اس نے مجھے مضطرب نہ کیا، والد نے کہا میرے بیٹے خوش ہو جا یہ خیر ہے جو اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ارادہ فرما رہے ہیں۔ پھر ایک دن حضرت داؤد والد کے پاس آئے پس کہا ابا جان اس حال میں کہ میں پہاڑوں میں چل کر تسبیح کر رہا تھا تو ہر پہاڑ میرے ساتھ تسبیح کر رہا تھا۔ باپ نے کہا خوش ہو جا میرے بیٹے یہ خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا کی ہے۔ پس جالوت نے طالوت کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے سامنے اسے لاؤ جو مجھ سے لڑے۔ پس اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو میرا ملک تمہارے لیے اور اگر میں نے اسے قتل کر دیا تو تمہارا ملک میرے لیے۔ تو یہ شرط طالوت پر گراں گزری تو طالوت نے لشکر میں منادی کرا دی کہ جو جالوت کو قتل کرے گا میں اس کے نکاح میں اپنی بیٹی دوں گا اور اپنا آدھا ملک بھی۔ پس لوگ جالوت سے ڈر گئے اور کسی نے اس آواز پر لبیک نہ کہا۔

پس طالوت نے بنی اسرائیل کے نبی سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ چنانچہ اللہ کے نبی نے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ پس اس نبی علیہ السلام کے پاس ایک سینگ لایا گیا جس میں تیل تھا اور ایک لوہے کا تنور اور کہا گیا کہ تمہارا وہ ساتھی جو جالوت کو قتل کرے گا وہ ہوگا جس کے سر پر یہ تیل والا سینگ رکھا جائے گا تو وہ تیل جوش مارے گا حتیٰ کہ اس کا سر تیل والا ہو جائے گا اور اس کے چہرے پر وہ تیل نہیں بہے گا بلکہ اس کے سر پر تاج کی مانند رہے گا اور وہ شخص اس تنور میں داخل ہوگا تو اس تنور کو پورا فٹ ہو کر پُر کر دے گا، کھلا ہونے کی وجہ سے اس میں ہلے گا نہیں۔ تو طالوت نے بنو اسرائیل کے لوگوں کو بلا کر تجربہ کیا تو کوئی بھی اس معیار پر پورا نہ اترا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کی طرف وحی فرمائی کہ ایشا کی اولاد میں ایک ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ جالوت کو قتل فرمائیں گے تو طالوت نے ایشا کو بلایا۔ پس کہا کہ میرے اوپر اپنی اولاد کو پیش کرو تو ایشا نے بارہ آدمی پیش کیے جو ستونوں کی طرح لمبے تڑنگے تھے۔ طالوت ان میں سے ایک ایک کو سینگ پر پیش کرتا رہا تو ان میں سے کسی کے اندر مذکورہ علامت نہ دیکھی۔

پس طالوت نے ایشا کو کہا کہ ان کے علاوہ بھی کوئی تیرا بیٹا باقی ہے؟ اس نے کہا نہیں پس اللہ کے نبی نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ یا رب! ایشا کا دعویٰ ہے کہ ان بارہ کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایشا نے جھوٹ بولا۔ پس نبی نے فرمایا، بے شک میرے رب نے تجھے جھٹلایا ہے۔ پس ایشا نے کہا یا نبی اللہ، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا میرا ایک چھوٹا بیٹا ہے جسے داؤد کہا جاتا ہے۔ میں نے اس بات سے شرم کی کہ لوگ اس کو دیکھیں کیونکہ وہ پست قد اور حقیر سا ہے۔ پس اس کو بکریوں میں چھوڑ آیا ہوں جنہیں وہ چرا رہا ہے اور وہ فلاں فلاں گھاٹی میں ہے اور داؤد پست قد، بہت بیمار، زرد رنگ، نیلی آنکھ والا فقیر آدمی تھا۔

اہم ملاحظہ: (حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق یہ عبارت قرآن و حدیث سے ماخوذ نہیں بلکہ اسرائیلی روایات پر مبنی ہے اور یہود (جو کہ مغضوب علیہم ہیں) نے انبیاء و مرسلین سے متعلق گستاخانہ اور غیر محقق باتیں درج کر کے ان کی شخصیت و کردار کو مجروح کیا۔ لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام کی شکل ایسی نہ تھی جیسا کہ یہاں درج ہے بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام انتہائی خوبصورت اور روشن چہرہ تھے اور اس کا ذکر حدیث شریف میں یوں اس طرح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ان کی اولاد پیش کی گئی تو حضرت داؤد علیہ

السلام کے بارے میں ہے "فاذا فیھم رجل اضوأھم" پس ان میں ایک آدمی تھا جو کہ ان میں زیادہ روشن تھا۔ (جناب مترجم)

طالوت نے حضرت داؤد کو بلایا، کہا جاتا ہے بلکہ طالوت اس کی طرف نکلا، داؤد نے اس وادی کو پانی سے بھتے پایا جو اس کے اور اس کے باڑے کے درمیان حائل تھی جہاں شام کو بکریاں لے جاتا تھا۔ طالوت نے حضرت داؤد کو اس حال میں پایا کہ وہ دو بکریاں اُٹھائے وادی کے سیلابی ریلے کو عبور کر رہا ہے اور اس میں ڈوب نہیں رہا جب طالوت نے حضرت داؤد کو دیکھا تو (دل میں) کہا کہ یقیناً یہ وہی ہے جب یہ جانوروں پر مہربان ہے تو انسانوں پر زیادہ مہربان ہوگا۔ طالوت نے حضرت داؤد کو بلایا، سینگ اس کے سر پر رکھا، پس وہ بہہ پڑا۔ پس طالوت نے کہا کہ کیا تجھے جالوت کے قتل کرنے میں دلچسپی ہے اس شرط پر کہ میں اپنی بیٹی تیرے نکاح میں دوں اور اپنے ملک میں تیری مہر جاری کردوں (یعنی تیرا حکم چلے) حضرت داؤد نے فرمایا، ہاں۔ طالوت نے کہا کہ کیا تو اپنے اندر کوئی ایسی شئی محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے جالوت کے قتل کرنے میں تجھے جرأت ہو؟ حضرت داؤد نے فرمایا ہاں وہ یہ کہ میں بکریاں چراتا ہوں پس شیر آتا ہے یا چیتا یا بھیڑیا وہ بکری لے جاتا ہے پس میں کھڑا ہوتا ہوں اور اس درندے کے جبڑے پھاڑ کر بکری نکال لیتا ہوں چھڑا لیتا ہوں تو طالوت داؤد کو لے کر اپنے لشکر میں گیا۔ پس داؤد راستے میں ایک پتھر کے پاس سے گزرا تو اسے ایک پتھر نے آواز دی داؤد مجھے اُٹھا لے میں ہارون علیہ السلام کا وہ پتھر ہوں جس سے ہارون علیہ السلام نے فلاں فلاں بادشاہ کو قتل کیا تھا تو داؤد نے اس پتھر کو اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ پھر ایک پتھر کے پاس سے گزرے تو اس نے آواز دی مجھے اُٹھا لے، میں وہ پتھر ہوں جس سے موسیٰ علیہ السلام نے فلاں فلاں بادشاہ کو قتل کیا۔ پس داؤد نے اسے اُٹھا کر تھیلے میں رکھ لیا۔ پھر ایک اور پتھر کے پاس سے گزرے تو اس نے آواز دی مجھے اُٹھا لے، میرے ذریعہ تو جالوت کو قتل کردے گا تو داؤد نے وہ پتھر اُٹھا لیا اور اسے اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ جب قتال کے لیے صف بندی ہوئی اور جالوت نمودار ہوا۔

اور مقابلے کی دعوت دی۔ حضرت داؤد نے اس کے چیلنج کو قبول کیا۔ طالوت نے حضرت داؤد کو گھوڑا، زرہ اور ہتھیار دیے۔ حضرت داؤد ہتھیار بند ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئے تھوڑا کچھ چلے پھر بادشاہ کی طرف لوٹے۔ بادشاہ نے حضرت داؤد کو آتے دیکھا تو اپنے اردگرد کے لوگوں کو کہا لڑکا بزدل ہوگیا۔ حضرت داؤد آئے اور بادشاہ کے پاس آکر ٹھہر گئے، طالوت نے پوچھا کیا؟ حضرت داؤد بولے اگر اللہ تعالیٰ نے میری نصرت نہ کی تو یہ ہتھیار مجھے کچھ فائدہ نہیں دے سکتے، آپ مجھے چھوڑ دیں میں جالوت سے جس طرح چاہوں گا لڑوں گا، طالوت نے کہا جو تمہارے جی میں آئے کیجئے۔ حضرت داؤد نے فرمایا ٹھیک ہے۔ پس داؤد نے اپنے تھیلے کو لیا، اسے اپنے گلے میں ڈالا اور گوپیا (پتھر پھینکنے کا ایک قدیم آلہ) ہاتھ میں لیا اور جالوت کی طرف چل پڑے اور جالوت سخت ترین اور قوی ترین انسان تھا اور اکیلے لشکروں کو شکست دیتا تھا اس کے خود میں تین سو رطل لوہا لگا ہوا تھا۔ (قریباً ۳۰۰ پونڈ) جب جالوت نے حضرت داؤد کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے جالوت کے دل میں رعب ڈال دیا اور جالوت نے کہا کہ آپ میرے مقابلہ میں آئے ہیں۔ حضرت داؤد نے فرمایا ہاں جالوت ابلق (دورنگا) گھوڑے پر تھا اور اس پر مکمل ہتھیار تھے۔ جالوت بولا تو میرے مقابلہ میں گوپیا اور پتھر لایا ہے جیسا کہ تو کتے کو (مارنے) آیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بولے ہاں تو کتے سے بھی

بدتر ہے۔ جالوت نے کہا آؤ میں تیرا گوشت زمین کے درندوں اور آسمانوں کے پرندوں میں تقسیم کروں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ تیرا گوشت تقسیم کرے گا۔ پس حضرت داؤد نے فرمایا "باسم الله ابراهیم" ابراہیم کے معبود (برحق) کے نام کے ساتھ میں پتھر مارتا ہوں اور پتھر نکالا۔ پھر دوسرا پتھر نکالا اور کہا "باسم الله اسحاق" حضرت اسحاق علیہ السلام کے معبود کے نام کے ساتھ اور اسے اپنے گوپیا میں رکھا۔ پھر تیسرا پتھر نکالا اور کہا "باسم الله یعقوب" اور اس کو اپنے گوپیا "فلاخن" میں رکھا۔ پھر یہ سب ایک پتھر بن گئے اور داؤد علیہ السلام نے اس "فلاخن" کو گھمایا اور اس پتھر کو مارا اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیا حتیٰ کہ وہ پتھر خود کے ناک والے حصہ پر لگا اور دماغ کو پار کرتا ہوا گدی کی طرف سے نکل گیا اور جالوت کے پیچھے تیس (۳۰) آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جالوت کے لشکر کو شکست دی۔ جالوت مقتول ہو کر گرا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو گھسیٹ کر طالوت کے سامنے لا پھینکا۔ اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے اور اپنے شہر کی طرف سلامتی کے ساتھ مال غنیمت لے کر واپس لوٹ گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی لوگوں میں شہرت ہو گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام طالوت کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اپنا وعدہ پورا کر، طالوت بولا تو بادشاہ کی بیٹی بغیر مہر کے لینا چاہتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا تو نے مجھ پر مہر کی شرط تو نہیں لگائی تھی اور میرے پاس کچھ ہے بھی نہیں۔ طالوت نے کہا میں تجھے حسب طاقت تکلیف دوں گا تو دلیر آدمی ہے اور ہمارے بالمقابل ہمارے غیر مختون (جن کا ختنہ نہ ہوا ہو) دشمن ہیں جب تو نے ان میں سے دو سو آدمی قتل کر دیئے اور ان کا قلفہ (ختنہ کرنے سے کٹا ہوا چمڑا) میرے پاس لے آیا میں تجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا۔ پس حضرت داؤد ان کے پاس آئے جب بھی ان میں سے کسی ایک کو قتل کرتے اس کے قلفہ کو تاگے میں پرو دیتے حتیٰ کہ دو سو قلفہ پرو کر طالوت کے پاس لا کر پھینک دیئے اور فرمایا مجھے میری بیوی دو تو طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور اپنے ملک میں حضرت داؤد کی مہر جاری کر دی۔ لوگوں کا میلان داؤد علیہ السلام کی طرف ہو گیا اور ان سے محبت کرنے لگے اور حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر زیادہ کرنے لگے۔

طالوت کا حسد اور اس کی توبہ کا واقعہ

طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام پر حسد کیا اور قتل کا ارادہ کر لیا۔ اس کی خبر طالوت کی بیٹی کو ایک آدمی نے دی جس کا نام ذوالعینین تھا تو طالوت کی بیٹی نے حضرت داؤد علیہ السلام کو کہا تو آج رات قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بولے مجھے کون قتل کرے گا؟ بیوی بولی میرا باپ۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے؟ طالوت کی بیٹی بولی مجھے ایسے شخص نے خبر دی ہے جو جھوٹ نہیں بولتا اور اس میں تو کچھ حرج نہیں ہے کہ آج رات تو چھپ جائے تاکہ اس کا مصداق دیکھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بولے اگر طالوت یہ ارادہ کر چکا ہے تو میں نکلنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن میرے پاس شراب کا مشکیزہ لے آ۔ ان کی بیوی لے آئی۔ حضرت داؤد نے وہ مشکیزہ اپنی چارپائی سونے کی جگہ پر رکھا اور خود چارپائی کے نیچے سو گئے۔ طالوت آدھی رات کو داخل ہوا، بیٹی سے کہا تیرا خاوند کہاں ہے؟ بیٹی بولی وہ چارپائی پر سو رہا ہے تو طالوت نے تلوار کا ایک ہی وار کیا جس سے شراب بہہ پڑی۔ جب

شراب کی بو سونگھی تو طالوت کہنے لگا اللہ تعالیٰ داؤد پر رحم فرمائے وہ کس قدر شراب پیتا تھا اور نکل گیا۔ جب صبح ہوئی تو واضح معلوم ہوا کہ اس نے کچھ نہیں کیا پس کہا کہ آدمی (داؤد) سے میں نے طلب کیا (یعنی اس کو قتل کرنا) جو کچھ طلب کیا اب وہ اس بات کا حق دار ہے کہ مجھے اپنا بدلہ لیے بغیر نہ چھوڑے۔ چنانچہ طالوت نے اپنے حفاظتی انتظام سخت کر دیئے، دروازے بند کر دیئے۔ پھر بے شک داؤد طالوت کے پاس اس حال میں آیا کہ آنکھیں سکون پذیر ہو چکی تھیں (سو چکی تھیں) پس اللہ تعالیٰ نے دربانوں کو اندھا کر دیا۔ داؤد علیہ السلام نے دروازے کھولے اور طالوت پر داخل ہوئے وہ اپنے بستر پر سویا ہوا تھا۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک تیر اس کے سر کے پاس رکھا اور ایک تیر پاؤں کی طرف اور ایک تیر بائیں طرف رکھا پھر نکل گئے۔ جب طالوت جاگا تیروں کو دیکھا، پہچان گیا۔ پس کہا اللہ تعالیٰ داؤد پر رحم فرمائے وہ مجھ سے بہتر ہے۔ میں اس پر کامیاب ہوا تو میں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا، وہ مجھ پر کامیاب ہوا تو مجھ سے رک گیا (مجھے کچھ نہ کہا) اگر وہ چاہتا تو یہ تیر میرے حلق میں چبھو سکتا تھا۔ اب میں اس سے حالت امن میں نہیں۔ جب آئندہ رات آئی حضرت داؤد علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے دربانوں کو اندھا کر دیا۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام داخل ہوئے، طالوت سویا ہوا تھا، حضرت داؤد علیہ السلام نے طالوت کا وہ لوٹا لیا جس سے وہ وضو کرتا تھا اور وہ ڈنڈی دار پیالہ لیا جس میں وہ پیتا تھا اور اس کی داڑھی کے چند بال کترے اور کچھ حصہ اس کے کپڑوں کا کاٹا پھر نکل گئے۔

اور بھاگ گئے اور چھپ گئے۔ جب طالوت نے صبح یہ صورت حال دیکھی تو حضرت داؤد علیہ السلام پر جاسوس مقرر کیے اور تلاش وطلب کو سخت تر کر دیا مگر اس پر وہ قادر نہ ہو سکا۔ پھر بے شک ایک دن طالوت سوار ہوا داؤد کو پایا کہ وہ جنگل میں چل رہے ہیں پس (دل میں) کہا آج کے دن میں اس کو ضرور قتل کروں گا۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی دوڑے، حضرت داؤد جب خوف زدہ ہوتے (تو اس قدر دوڑتے کہ) ان کو پکڑا نہ جا سکتا تھا۔ پس غار میں داخل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مکڑے کو حکم دیا اس نے غار پر جالا تن دیا جب طالوت اس غار تک پہنچا مکڑے کا جالا دیکھا۔ کہا اگر داؤد یہاں داخل ہوتا تو مکڑے کی یہ بنا ٹوٹ جاتی۔ پس اسے چھوڑا اور چلا گیا۔ حضرت داؤد چلے اور عبادت گزاروں کے ہمراہ پہاڑ کو آئے۔ وہاں مصروف عبادت ہو گئے۔ علماء اور عابدوں نے طالوت پر حضرت داؤد علیہ السلام کے معاملے میں طعن کیا۔ پس طالوت کا یہ حال ہو گیا کہ جو کوئی اسے داؤد کے قتل سے منع کرتا وہ اس منع کرنے والے کو قتل کر دیتا اور علماء کے قتل پر لوگوں کو ابھارا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے جس عالم پر اس کا بس چلتا اسے قتل کر دیتا۔

حتی کہ اس کے پاس ایک عورت لائی گئی جو اسم اعظم جانتی تھی۔ طالوت نے اپنے روٹی پکانے والے کو حکم دیا کہ اس عورت کو قتل کر دے۔ روٹی پکانے والے کو اس پر رحم آ گیا اور کہا شاید ہمیں کبھی کسی وقت عالم کی ضرورت پڑے۔ چنانچہ اس عورت کو قتل نہ کیا۔ طالوت کے دل میں توبہ کے جذبات ابھرے، اپنے کیے پر نادم ہوا اور رونا شروع کر دیا حتی کہ لوگوں کو اس پر ترس آ گیا۔ ہر رات قبرستان نکل جاتا روتا اور آوازیں دیتا میں اس شخص کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جو میری توبہ کے بارے میں جانتا ہو کہ وہ مجھے ضرور توبہ کے بارے میں خبر دے۔ جب مرنے والوں پر اس نے چیخ و پکار زیادہ کی تو قبر والوں سے ایک آواز دینے والے نے آواز دی کیا تو ہمیں قتل کرنے پر راضی

تھیں ہوا کہ مرنے کے بعد ہمیں ایذاء دینے آگیا۔ اس پر طالوت کا رونا اور حزن و ملال اور زیادہ ہوگیا۔ روٹی پکانے والے (جس کو طالوت نے عالم عورت کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور اس نے قتل نہیں کیا تھا) کو طالوت پر رحم آگیا اس نے کہا بادشاہ سلامت آپ کو کیا ہوا؟ طالوت نے کہا روئے زمین پر تو کوئی ایسا بادشاہ جانتا ہے جو مجھے یہ بتائے کہ کیا میری توبہ قبول ہونے کی کوئی صورت ہے؟ پس روٹی پکانے والے نے کہا کہ اے بادشاہ! تیری مثال تو اس بادشاہ کی سی ہے جو بوقت عشاء ایک قصبہ میں اُترا تو ایک مرغے نے آواز کی، بادشاہ نے اس سے بری فال لی اور حکم دیا کہ اس قصبہ میں جتنے مرغے ہیں سب کو ذبح کر دیا جائے۔ پھر جب سونے کا ارادہ کیا تو کہنے لگا کہ جب صبح سویرے مرغا اذان دے تو مجھے جگا دینا تا کہ ہم سویرے سویرے نکل چلیں تو لوگوں نے کہا تو نے کوئی مرغا چھوڑا ہے جس کی آواز (اذان) ہم سنیں؟ اسی طرح تو نے بھی کوئی عالم زمین پر چھوڑا ہے؟ (جس سے ہم توبہ کے بارے میں پوچھیں) اس پر طالوت کا غم اور رونا اور بڑھ گیا۔ جب روٹی پکانے والے نے طالوت کی یہ حالت دیکھی تو کہا مجھے خبر دے اگر میں تجھے کسی عالم پر دلالت کروں شاید تو اس کو قتل کر ڈالے، طالوت نے کہا نہیں تو خباز نے اس پر اعتماد کیا اور اسے خبر دی کہ عالم عورت اس کے پاس ہے۔

طالوت نے کہا مجھے اس کے پاس لے چل۔ میں اس سے پوچھوں کہ میرے لیے کوئی توبہ کی صورت ہے اور وہ عورت اس خاندان سے تھی جس کے مرد اسم اعظم جانتے تھے جب اس خاندان کے مرد مر گئے تو عورتوں نے اسم اعظم سیکھ لیا جب طالوت دروازہ پر پہنچا۔ خباز (روٹی پکانے والے) نے کہا بے شک اگر اس عورت نے تجھے دیکھ لیا تو گھبرا جائے گی بلکہ تو میرے پیچھے پیچھے آ۔ پھر وہ دونوں عورت کے پاس آئے۔ پس خباز (روٹی پکانے والے) نے کہا کہ کیا میں تمام لوگوں سے بڑھ کر تجھ پر احسان کرنے والا نہیں۔ میں نے تجھے قتل سے بچایا اور تجھے پناہ دی؟ عورت نے کہا بے شک ایسے ہی ہے۔ خباز نے کہا میرے لیے تیری طرف ایک حاجت ہے یہ طالوت حاضر ہے، پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ کی کوئی صورت ہے؟ اس عورت پر خوف کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی۔ خباز نے کہا طالوت تیرے قتل کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ صرف یہ پوچھتا ہے کہ اس کی توبہ کی کوئی صورت ہے؟ عورت نے کہا نہیں۔ اللہ کی قسم! میں طالوت کے لیے توبہ قبول ہونے کی کوئی صورت نہیں جانتی۔ البتہ میں نبی کی قبر کی جگہ جانتی ہوں تو وہ عورت ان دونوں کو لے کر حضرت اشمویل علیہ السلام کی قبر پر لے گئی۔

پس وہاں نماز پڑھی اور دعا کی۔ پھر آواز دی یا صاحب القبر اے قبر والے! پس حضرت شمویل علیہ السلام مٹی سے اپنے سر کو جھاڑتے ہوئے قبر سے نکلے۔ پس ان تینوں کو دیکھتے ہی بولے تمہیں کیا ہوا؟ کیا قیامت قائم ہوگئی؟ عورت نے کہا نہیں بلکہ طالوت پوچھتا ہے کیا اس کی توبہ کی کوئی صورت ہے؟ شمویل علیہ السلام نے کہا طالوت تو نے میرے بعد کیا کیا؟ طالوت بولا میں نے کوئی بری چیز نہیں چھوڑی جس کو میں نے نہ کیا ہو۔ اب میں توبہ کا طلبگار ہو کر آیا ہوں۔ شمویل علیہ السلام نے کہا تیرے عیال کتنے ہیں یعنی تیری اولاد کتنی ہے؟ اس نے کہا دس مرد ہیں۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا تیری توبہ کی صرف ایک صورت ہے کہ تو ملک یعنی سلطنت چھوڑ دے اور تو خود مع اولاد کے نکل جا اور فی سبیل اللہ قتال کر۔ پھر تو اولاد کو اپنے آگے بھیجے وہ تیرے سامنے شہید ہو جاویں، پھر تو اکیلا لڑے حتیٰ کہ آخر میں تو قتل ہو جائے۔ پھر حضرت شمویل علیہ السلام قبر کی طرف واپس لوٹے اور

فوت ہوگئے۔ طالوت پہلے سے زیادہ غمناک ہوکر واپس ہوا، اس ڈر کی وجہ سے کہ اس کی اولاد شاید اس کی پیروی نہ کرے۔ رودیا حتیٰ کہ پلکیں گر گئیں، جسم کمزور ہوگیا، اولاد اس کے پاس آئی، پوچھا تو طالوت نے اولاد سے کہا مجھے یہ بتاؤ! اگر میں آگ میں دھکیلا جاؤں تو کیا تم میری جگہ قربانی دوگے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ ہم حتی المقدور قربانی دیں گے۔ طالوت بولا پس تحقیق وہ صورت حال آگ ہی ہے اگر تم وہ کچھ نہیں کروگے جو کچھ میں تمہیں کہوں، اولاد نے کہا ارشاد فرمائیں تو طالوت نے پورا واقعہ کہہ سنایا۔ اولاد بولی تو کیا واقعی آپ قتل ہونے والے ہیں؟ طالوت بولا ہاں۔ اولاد نے کہا پھر آپ کے بعد ہماری زندگی میں بھی کوئی خیر نہیں ہے، بے شک آپ جو کچھ ہم سے مطالبہ فرماتے اسے خوش دلی سے ہم قبول کرتے ہیں۔ پس طالوت نے مال اولاد سمیت تیاری کی۔ چنانچہ اس کے دس بیٹے اس راہ میں ختم ہوگئے اس کے سامنے لڑے حتیٰ کہ قتل ہوگئے ان کے بعد طالوت نے

قتال کے لیے حملہ کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ پس طالوت کا قاتل حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آیا تاکہ داؤد کو خوشخبری دے اور کہا اے داؤد میں نے تیرے دشمن کو قتل کردیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا تو بھی پھر زندہ رہنے کے لائق نہیں۔ حضرت داؤد نے اس کی گردن ماری۔ طالوت کا ملک اس کے قتل ہونے تک چالیس سال تک رہا۔ بنی اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے اور انہیں طالوت کے خزانے دیئے اور اپنا بادشاہ مقرر کیا۔ کلبی اور ضحاک رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ طالوت کے قتل ہونے کے بعد حضرت داؤد سات سال بادشاہ رہے اور سوائے داؤد علیہ السلام کے بنی اسرائیل کبھی بھی ایک بادشاہ پر جمع نہیں ہوئے۔ پس یہ ہے "و آتاہ اللہ الملک والحکمۃ" یعنی نبوت۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بادشاہت اور نبوت جمع فرمادی حالانکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ بادشاہت ایک خاندان میں ہوتی تھی اور نبوت ایک خاندان میں بعض حضرات نے کہا کہ ملک اور حکمت سے مراد علم مع العمل ہے۔ "وعلمہ مما یشاء" کلبی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس علم سے مراد زرہ سازی کی صنعت ہے، زرہیں بناتے اور بیچتے اور صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے اور کہا گیا ہے کہ اس علم سے مراد پرندوں کی بولی، بڑی اور چھوٹی چیونٹی کی کلام کا علم دیا تھا اور اسی طرح ہر وہ جانور جس کی آواز بھی نہیں۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد زبور ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد اچھی آواز اور خوش الحانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کے بعد کسی کو ایسی خوش الحانی عطا نہیں کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت فرماتے تو پرندے قریب ہو جاتے حتیٰ کہ ان کی گردنوں کو پکڑا جاتا، پرندے سایہ کرتے، بہتا پانی رک جاتا، ہوا ٹھہر جاتی۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ "علمہ مما یشاء" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک زنجیر دی تھی جو ثریا سے ملی ہوئی تھی اور اس کا سرا آپ کے صومعہ (عبادت خانہ) کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ اس میں لوہے کی سی طاقت، آگ کی رنگت تھی، گول کڑیاں جواہر جڑی اور تازہ لولو کی لڑیوں سے مینخ زدہ تھیں۔ ہوا میں جو کوئی حادثہ رونما ہوا وہ زنجیر بجتی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو علم ہو جاتا جو کوئی آفت زدہ انسان اس کو چھوتا تو صحت مند ہو جاتا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل والے اپنا فیصلہ اس زنجیر کے پاس لے جاتے۔ یہاں تک کہ وہ زنجیر اٹھالی گئی۔

پس جو کوئی کسی پر زیادتی کرتا یا کسی کے حق دینے کا انکار کرتا تو اس زنجیر کے پاس آتا۔ اگر سچا ہوتا تو اس کا ہاتھ زنجیر کو لگ جاتا اور جو کوئی جھوٹا ہوتا اس کو نہ چھو سکتا۔ یہ صورت حال اسی طرح رہی یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں مکر اور دھوکہ بازی شروع ہوگئی۔ پس ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی آدمی کے پاس قیمتی موتی امانت رکھا، جب واپس کا مطالبہ کیا تو وہ شخص مکر گیا تو وہ دونوں اپنا جھگڑا زنجیر کے پاس لے گئے۔ پس جس شخص کے پاس موتی امانت تھا اس نے لاٹھی میں سوراخ کر کے وہ موتی اس لاٹھی میں ڈال دیا اور اس لاٹھی پر سہارا لگا کر زنجیر کو حاضر ہو گئے۔ پس موتی والے نے کہا میرا موتی واپس کر جو تیرے پاس امانت تھا۔ دوسرے نے کہا میں تو نہیں جانتا کہ تیری کوئی امانت میرے پاس ہے اور کہا اگر تو دعویٰ میں سچا ہے تو اس زنجیر کو ہاتھ لگا تو موتی کی امانت کا مطالبہ کرنے والے نے ہاتھ لگایا تو اس کا ہاتھ زنجیر کو لگ گیا پھر منکر کو کہا گیا کہ تو زنجیر کو ہاتھ لگا تو منکر امانت نے صاحب جوہرہ (موتی) کو کہا کہ میری یہ لاٹھی پکڑتا کہ میں زنجیر کو ہاتھ لگاؤں تو لاٹھی مالک جوہرہ نے لے لی۔ پھر منکر کھڑا ہوا اور زنجیر کو پکڑ لیا اور کہا یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ مدعی جس امانت کا دعویٰ کرتا ہے وہ امانت اس کے پاس پہنچ چکی ہے تو یہ زنجیر میرے قریب کر دے، پس ہاتھ لمبا کیا اور زنجیر کو لے لیا۔ پس قوم نے تعجب کیا اور اس زنجیر کے معاملہ میں شک کرنے لگے۔ پس انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ اللہ تعالیٰ نے زنجیر کو اٹھا لیا تھا۔

"ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض" اہل مدینہ اور یعقوب نے (دفاع اللہ) الف کے ساتھ پڑھا یہاں بھی اور سورۂ حج میں بھی اور باقیوں نے بغیر الف کے پڑھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی فعل میں مغالبہ و مقابلہ نہیں کر سکتا (کہ مدافعت میں کوئی مقابلہ کرے اور باب مفاعلہ سے اس کا ذکر کیا جائے) بلکہ اللہ تعالیٰ اکیلا دافع ہے اور جس نے الف کے ساتھ پڑھا اس کا جواب یہ ہے کہ دفاع کا عمل کبھی یکطرفہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ اہل عرب کا قول ہے "احسن اللہ عنک الدفاع" (اب اس جملہ میں دفاع بمعنی دفع ہے) ابن مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ عساکر مسلمین کے ذریعے مشرکوں کو دفع نہ فرماتے تو مشرک لوگ زمین پر غالب آ جاتے اور مساجد اور شہروں کو ویران کر ڈالتے اور ایمان والوں کو قتل کر دیتے اور باقی مفسرین نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور نیکوں کے ذریعے کفار و فجار کو دفع نہ فرماتے تو زمین اپنے باسیوں سمیت تباہ ہو جاتی لیکن

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں۔ جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (اس سے ثابت ہے کہ) آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

تفسیر: ۲۵۲ اللہ تعالیٰ مؤمن کے ذریعے کافر کو دفع کرتا ہے اور نیک کے ذریعے بُرے کو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بے شک اللہ تعالیٰ نیک مسلم کی برکت سے اس کے سو پڑوسیوں سے مصیبت ٹال دیتے ہیں۔) پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العالمین"

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ ۢ بَعْدِهِمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

ترجمہ یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں سے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں بہت سے درجوں میں سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (یعنی جبرائیل) سے فرمائی اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو (امت کے) جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں باہم قتل و قتال نہ کرتے بعد اس کے کہ ان کے پاس (امر حق کے) دلائل پہنچ چکے تھے و لیکن وہ لوگ باہم (دین میں) مختلف ہوئے سو ان میں سے کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا اور نوبت قتل و قتال کی پہنچی) اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل و قتال نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں

تفسیر ﴿۲۵۳﴾ منهم من كلم الله اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔

(بعضهم درجات) اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کو ان جیسے تمام معجزات دیے گئے تھے جو دوسرے انبیاء کرام کو دیے گئے تھے ان معجزات کے علاوہ بھی آپ کو اور معجزات بھی دیے گئے تھے جیسے انگلی کے اشارے سے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا اور ستون حنانہ کا آپ کی جدائی سے رونا، پتھروں اور درختوں کا آپ علیہ السلام کو سلام کرنا، جانوروں کا کلام کرنا اور آپ علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دینا اور آپ علیہ السلام کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا، ان معجزات کے علاوہ اور بہت سارے معجزات ہیں جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان معجزات میں سے سب سے نمایاں قرآن مجید ہے جس کی مثال پیش کرنے سے آسمان و زمین کے باشندے عاجز رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کو کوئی ایسا معجزہ دیا گیا جو دوسرے انسانوں کی قدرت سے خارج تھا اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا وہ اللہ کا کلام ہے جو میرے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجا گیا۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین کی تعداد زیادہ ہوگی۔

حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی اور زمین کو میرے لیے مسجد

اور پاک قرار دیا۔ پس میری امت میں سے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز پڑھ لے اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا جبکہ مجھ سے پہلے لوگوں پر غنیمت کا مال حلال نہیں تھا اور مجھے شفاعت کا حق دیا گیا اور ہر نبی کو صرف اسی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا مگر مجھے سب لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں فضیلت عطا کی گئی۔ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے، دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی اور میرے لیے مال غنیمت حلال کی گئی۔ میرے لیے زمین کو مسجد قرار دیا گیا اور مجھے تمام مخلوق کے لیے بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا گیا۔

واتینا عیسی بن مریم .... الذین من بعدھم

رسولوں کے بعد (من بعدہ ......من امن) اللہ کے فضل سے اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے (ومنھم من کفر) (اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے جنہوں نے کفر کیا) ان کی رسوائی کی وجہ سے (ولو شاء اللہ مااقتتلو) اس جملہ کو دوبارہ ذکر کرنا پہلے جملہ کی تاکید کے لیے ہے۔ (ولکن اللہ یفعل مایرید) اللہ توفیق دیتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے اور رسوا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے عدل سے۔ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اے امیر المومنین مجھے تقدیر کے متعلق خبر دیجئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تاریک راستہ ہے اس پر نہ چل، سائل نے دوبارہ سوال کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا گہرا سمندر ہے اس میں نہ داخل ہو، پھر سائل نے سوال کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا زمین میں اللہ کا پوشیدہ راز ہے اس کی کوشش نہ کر۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِـنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! خرچ کرو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دن (قیامت کا) آجائے جس میں نہ تو خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ (بلا اذن الٰہی کوئی سفارش ہوگی اور کافر ہی لوگ ظلم کرتے ہیں تو تم ایسے مت بنو) اللہ تعالیٰ (ایسا ہے) کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں زندہ ہے سنبھالنے والا ہے (تمام عالم کا) نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے بدوں اس کی اجازت کے۔ وہ جانتا ہے ان موجودات کے تمام حاضر وغائب حالات کو اور وہ موجودات اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں

نہیں لاسکتے مگر جس قدر (علم) وہ دینا (ہی) چاہے اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور سب زمین کو اپنے اندر لے
رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہ عالیشان عظیم الشان ہے

تفسیر ⊕ (یا یھا الذین ...... رزقنا کم) امام سدی فرماتے ہیں کہ انفاق سے مراد زکوٰۃ ادا کرنا ہے ان کے علاوہ بعض حضرات نے کہا کہ انفاق سے مراد نفل صدقہ اور نیک کاموں میں خرچ کرنا ہے۔ (من قبل ...... بیع فیہ) یعنی نہ کوئی فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا سکتا ہے اس کو یہاں بیع کا نام دیا گیا کیونکہ فدیہ بھی اپنی جان کے بدلے میں ہی ہوتا ہے (ولا خلۃ) خلت سے مراد دوستی ہے کہ نہ وہاں کسی کی دوستی کام آئے گی (ولا شفاعۃ) مگر اس کی اجازت کے بغیر۔ ابن کثیر اور اہل بصرہ کے قراء نے یہاں نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح سورۃ ابراہیم میں "لابیعٌ ولا خلالٌ" اور سورۃ طور میں "لغوٌ ولا تاثیمٌ" جگہوں پر نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے (والکافرون ھم الظالمون) کیونکہ یہ عبادت کو غیر محل میں ادا کرتے ہیں۔

⊕ (اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم) ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوالمنذر کتاب اللہ میں بڑی آیت کون سی ہے؟ (ابومنذر کہتے ہیں) کہ میں نے کہا "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے میرے سینے پر ہاتھ مارا۔ پھر فرمایا تجھ کو علم مبارک ہو اے ابوالمنذر۔ پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ اس آیت کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں۔ پایہ عرش کے قریب فرشتہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت پر مامور فرمایا، کوئی آکر چلو بھر بھر کر غلہ اٹھانے لگا تو میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو کہا کہ میں تجھے ضرور بالضرور آپ علیہ السلام کی خدمت میں لے جاؤں گا، وہ کہنے لگا میں محتاج ہوں، عیال دار ہوں اور بڑا ضرورت مند ہوں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابوہریرہ! رات والے تیرے قیدی کا کیا بنا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے اپنی سخت محتاجی اور عیال داری کا دکھ ظاہر کیا۔ مجھے اس پر رحم آگیا تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، آگاہ رہو، بے شک اس نے تمہارے ساتھ جھوٹ بولا ہے، آئندہ پھر وہ لوٹ کر آئے گا۔ پس میں جان گیا کہ وہ لوٹ کر آئے گا آپ علیہ السلام کے ارشاد فرمانے کی وجہ سے۔ پس پھر میں اس کی تاک میں رہا۔ بالآخر وہ آیا اور پھر غلہ سے اپنے چلو بھرنے لگا، میں نے فوراً اس کو پکڑ لیا اور اس کو کہا کہ اب کی بار تو میں تجھے آپ علیہ السلام کے پاس ضرور لے کر جاؤں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں محتاج ہوں اور عیال دار ہوں، اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گا، پس مجھے اس پر ترس آگیا، میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ پس صبح آپ علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا اے ابوہریرہ! رات والے قیدی کے ساتھ کیا بنا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے سخت محتاجگی کی شکایت کی اور عیال داری کی۔ مجھے اس پر ترس آیا، میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سنو! بے شک اس نے تمہارے ساتھ

جھوٹ بولا ہے، پھر وہ لوٹ کر آئے گا۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) کہ میں تیسری بار اس کی تاک میں بیٹھ گیا۔ پس وہ آیا تو اس نے غلہ سے چلو بھرنا شروع کیے، میں نے اس کو پکڑ لیا، پس میں نے اس کو کہا پس میں تجھے ضرور بالضرور آپ علیہ السلام کے پاس لے جاؤں گا کیونکہ یہ تین مرتبہ میں سے آخری بار ہے تو نے ہر دفعہ یہی کہا کہ میں اب دوبارہ نہیں آؤں گا، پھر آتا رہا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دیجئے میں (اس کے بدلے) تم کو چند الفاظ ایسے بتلاؤں گا جس سے اللہ تجھ کو نفع دے گا، میں نے کہا وہ کون سے الفاظ ہیں، اس نے کہا کہ جب تم رات اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی "اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیوم" آخر تک پڑھ لیا کرو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کے لیے ایک نگران مقرر کرے گا پھر صبح تک کوئی شیطان تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ پس میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب صبح کی تو آپ علیہ السلام نے پوچھا رات تیرے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے مجھے کہا کہ میں تمہیں ایسے کلمات سکھلاؤں گا جو تمہیں نفع دیں گے تو میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون سے الفاظ ہیں؟ میں نے کہا کہ اس نے یہ الفاظ کہے ہیں کہ جب تو رات اپنے بستر پر آئے تو آیت الکرسی اول تا آخر پڑھ لے "اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیوم" اور اس نے کہا کہ اس وجہ سے تمہاری حفاظت کے لیے ایک نگران مقرر کر دیا جائے گا صبح تک تمہارے پاس کوئی شیطان نہیں آئے گا اور وہ لوگوں پر حرص کر رہا تھا تنگی کی وجہ سے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، سنو! بے شک اس نے تمہارے ساتھ سچ بولا ہے لیکن ہے وہ جھوٹا۔ اے ابو ہریرہ تو جانتا ہے تین دن تک تیرے ساتھ کون مخاطب تھا؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا نہیں، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ شیطان ہے۔

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے صبح کے وقت آیت الکرسی اور "حم تنزیل الکتاب من اللّٰہ العزیز الحمید" کی پہلی دو آیت تلاوت کی تو اس دن شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور جس نے یہ آیات شام کے وقت پڑھیں تو اس رات اس کی حفاظت کی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ صبح کرلے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اللّٰہ" یہ مرفوع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر "لا الٰہ الا ھو الحیّ" ہے حیّ سے مراد ابدالآباد تک ہمیشہ باقی رہنے والا اور یہ صفت اس کے لیے ہے جس کے لیے حیات ہو اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ (القیوم) عمرو بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "القیام" ہے اور علقمہ کی قرأت میں "القیم" ہے ان تمام لغات کا معنی ایک ہی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ قیوم کہتے ہیں ہر چیز کے نگران کو اور کلبی کہتے ہیں کہ قیوم ہر نفس کے اعمال کا نگران کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ قیوم امور کے منتظم کو بھی کہتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ قیوم کا معنی ہے غیر فانی ہمیشہ باقی رہنے والا لا تاخذہ سنۃ و لا نوم "السنۃ" نعاس کو کہتے ہیں جو نیند سے پہلے آتی ہو اور اس کو ہلکی نیند سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وسنان بھی اسی سے ہے وہ حالت جو نیند اور بیداری کے درمیان میں ہو اور کہا جاتا ہے "وسن یسن وَسَنًا وَسِنَۃً" باب سمع سے۔ "والنوم" اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان کا جسم بھاری پڑ جائے اور اعضاء کی قوت ڈھیل ہو جائے۔ مفضل الضبی کہتے ہیں کہ "السِّنَۃ کا تعلق سر سے ہے اور نوم کا تعلق دل سے ہے۔ پس "سنۃ نوم" کا اول درجہ ہے جسے اونگھ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ "سِنَۃ کا تعلق سر سے ہے اور نعاس (اونگھ) کا تعلق آنکھ

سے ہے اور نیند کا تعلق قلب سے ہے۔ وہ بیہوشی جو دل پر واقع ہوتی اور وہ اشیاء کی معرفت کو جاننے میں رُکاوٹ بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے آپ سے اس "نوم" کی بھی نفی فرمادی کیونکہ نیند کا آنا آفت ہے اور اللہ رب العزت آفات سے پاک ہے اور نیند کا آنا تغیر ہے اور اللہ تعالیٰ ان تغیرات سے بھی پاک ہے۔ ہمیں احمد بن ابراہیم شریکی نے خبر دی (وہ کہتے ہیں) کہ ہمیں ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی نے خبر دی (وہ کہتے ہیں) ہمیں عبداللہ بن حامد نے خبر دی (وہ کہتے ہیں) ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہ) سے روایت بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس کھڑے ہوکر پانچ باتیں ارشاد فرمائیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ ہی سونا اس کے مناسب ہے وہ میزان کو نیچے بھی کرتا ہے اور اوپر بھی اُٹھاتا ہے اس کے سامنے رات کے اعمال پہنچائے جاتے ہیں دن کے اعمال سے پہلے اور دن کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں رات کے اعمال کے پیش کیے جانے سے، اس کا حجاب نور ہے اگر وہ نور ظاہر ہو جائے تو اس کے نور کے جمال سے حدنگاہ تک تمام مخلوق جل کر خاکستر ہو جائے۔

مسعودی نے عمرو بن مرۃ سے روایت کیا، فرمایا کہ اس کا حجاب آگ ہے۔ (له ما فی السموت والارض) یعنی اس کی ملکیت ہے اور جو کچھ اس میں پیدا کیا۔ (من ذا الذی یشفع عنده الا باذن) یعنی اس کے حکم سے۔

مابین ایدیهم وما خلفهم کی مختلف تفاسیر

(یعلم مابین ایدیهم وما خلفهم) امام مجاہد، عطاء، سدی نے کہا ہے کہ "مابین ایدیهم" سے مراد دُنیاوی اُمور ہیں اور "وما خلفهم" سے مراد اخروی امور ہیں۔

کلبی رحمہ اللہ نے کہا کہ "مابین ایدیهم" سے مراد آخرت ہے کیونکہ یہ انہوں نے آگے بھیجی ہے اور "وما خلفهم" سے مراد دُنیا ہے کیونکہ یہ انہوں نے پیچھے چھوڑی ہے۔

ابن جریج فرماتے ہیں "مابین ایدیهم" سے مراد جو ان کے سامنے سے گزر گیا اور "وما خلفهم" سے مراد جو بعد میں آنے والا ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ "مابین ایدیهم" سے مراد فرشتوں کی تخلیق سے پہلے اور "وما خلفهم" سے مراد فرشتوں کی تخلیق کے بعد جو کچھ پیدا کیا گیا وہ ہے۔

بعض نے کہا کہ "مابین ایدیهم" سے مراد وہ اعمال جو آگے بھیج چکے ہیں خواہ وہ نیک اعمال ہوں یا شر اور "وما خلفهم" سے مراد وہ اعمال جو ابھی کر رہے ہو۔ (ولا یحیطون بشیء من علمه) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سے (الا بما شاء) کہ وہ اس علم پر مطلع ہو جائے۔

"لا یحیطون بشیء" سے مراد علم غیب کی باتوں پر کوئی مطلع نہیں ہو سکتا مگر جسے اللہ چاہے رسولوں میں سے کسی کو اس کی خبر دے دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فلا یظهر علیٰ غیبه احدا الامن ارتضیٰ من رسول"

(وسع کرسیه السموت والارض) زمین و آسمان کو محیط ہے اور بھرا ہوا ہے۔

کرسی کی مختلف تفاسیر

کرسی کی تفسیر میں مفسرین کی مختلف رائے ہیں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کرسی عرش ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کرسی عرش کے سامنے قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "**وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض**" کا مطلب یہ ہے کہ کرسی کی وسعت زمین و آسمان کی وسعت کے برابر ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ آسمان و زمین کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے جنگل میں ایک چھلا پڑا ہوا اور کرسی سے عرش اتنا بڑا ہے جیسے چھلے سے جنگل کی بڑائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کرسی کے اندر ساتوں آسمان و زمینیں ایسی ہیں جیسے کسی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کرسی کے ہر پایہ کی لمبائی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے اور کرسی عرش کے سامنے ہے اور کرسی کو چار فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں اور ہر فرشتے کے چار منہ ہیں اور ان فرشتوں کے قدم ساتوں زمینوں کے نیچے پتھر پر ہیں اور یہ مسافت پانچ سو برس کے راستے کے برابر ہے۔ ایک فرشتے کی صورت سید البشر حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے جو آدمیوں کے لیے رزق اور بارش کی دُعا کرتا رہتا ہے۔ ایک سال سے لے کر دوسرے سال تک اور ایک فرشتے کی صورت سید الانعام بیل کی طرح ہے جو چوپایوں کے لیے سال بھر رزق مانگتا رہتا ہے اور اس کے چہرے پر خراشیں پڑ چکی ہیں۔ جب سے گوسالہ کی پوجا کی گئی تھی اور ایک فرشتے کی صورت سید السباع (چوپایوں کے سردار) شیر کی طرح ہے جو سال بھر درندوں کے رزق کے لیے سوال کرتا رہتا ہے اور ایک فرشتے کی صورت پرندوں کے سردار یعنی گدھ کی طرح ہے جو پرندوں کے لیے ایک سال سے دوسرے سال تک رزق مانگتا رہتا ہے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ عرش کو اُٹھانے والے فرشتے اور کرسی کے اُٹھانے والے فرشتوں کے درمیان ستر حجابات اندھیرے کے اور ستر حجاب روشنی کے اور ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو برس کے برابر ہے۔ اگر یہ حجابات نہ ہوں تو کرسی کے اُٹھانے والے فرشتے عرش کو اُٹھانے والے فرشتوں کے نور سے جل جائیں۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ کرسی سے مراد علم ہے۔

اور یہی قول مجاہد کا ہے اور بعض نے کہا کہ صحیفہ علمی کو کراسۃ کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ "**کرسیہ**" سے مراد حکومت اور بادشاہت ہے اور عرب کے ہاں پرانی حکومت (موروثی) کو کرسی کہتے ہیں۔ (**ولا یؤدہ**) یعنی نہ اس پر بھاری ہے اور نہ ہی اس پر مشکل ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے "ادنی الشی ای اثقلنی" (**حفظھما**) یعنی آسمان و زمین کی حفاظت میں (**وھو العلی**) وہ بلند ہے اپنی مخلوق پر اور تمام اشیاء سے اور جن کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے سب سے بلند ہے اور بعض نے کہا کہ العلی کہا جاتا ہے حکومت اور سلطنت میں بلند ہونے کو (**العظیم**) بمعنی بڑا یعنی وہ ذات جس سے کوئی بڑا نہ ہو۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

ترجمہ: دین میں زبردستی (کا فی نفسہ کوئی موقع) نہیں (کیونکہ) ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے سو جو شخص شیطان سے بد اعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو (یعنی اسلام قبول کر لے) تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ جس کو کسی طرح شکستگی نہیں (ہو سکتی) اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں اور خوب جاننے والے ہیں

شان نزول

تفسیر: ﴿۲۵۶﴾ لا اکراہ فی الدین سعید بن جبیر نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ انصار میں ایک عورت تھی جو مقلاۃ تھی۔ مقلاۃ وہ عورت ہوتی ہے جس کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں اور وہ عورت یہ نذر مانتی تھی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو اس کو یہودی بنا دوں گی جب اس کا بچہ زندہ رہتا تو وہ اس کو یہودی بنا لیتی۔ پس جب اسلام آیا تو انصار کے وہ بچے بھی موجود تھے جو یہودی بن چکے تھے لیکن جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا گیا تو ان کے اندر کچھ انصار کے بچے بھی تھے تو انصار نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے بچوں کو واپس اسلام کی طرف لائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ کہنے لگے کہ یہ ہمارے بیٹے اور ہمارے بھائی ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لا اکراہ فی الدین" آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے ساتھیوں کو اختیار دو اگر وہ تمہیں اختیار کریں تو وہ تم میں سے ہوں گے اور اگر وہ ان یہودیوں کو اختیار کریں تو تم ان کے ساتھ ان کو بھی جلا وطن کرو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ اوس کے کچھ لوگ یہودی قبائل سے اپنے بچوں کو دودھ پلوایا کرتے تھے۔ جب آپ علیہ السلام نے بنو نضیر کے جلا وطن کرنے کا حکم دیا تو جن لڑکوں نے ان یہودنوں کا دودھ پیا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم ان کے ساتھ ساتھ جائیں گے یا ان کا دین اختیار کریں گے تو ان کے بڑوں نے ان کو روکا تو یہ آیت "لا اکراہ فی الدین" نازل ہوئی۔

مسروق فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی سالم بن عوف کے انصار میں سے ایک شخص کے دو بیٹے نصرانی تھے آپ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے۔ پھر نصاریٰ کی ایک جماعت غلہ کی تجارت کی غرض سے مدینہ گئی اس میں اس شخص کے دو بیٹے بھی تھے ان دونوں کو ان کے والد نے پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ میں تم دونوں کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم دونوں اسلام نہیں لے آتے بالآخر یہ معاملہ آپ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا اور اس شخص نے عرض کیا، اے اللہ! کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میرے بعض بیٹوں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور میں دیکھ رہا ہوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لا اکراہ فی الدین" تو پھر اس شخص نے ان دونوں بیٹوں کے راستے کو چھوڑ دیا۔

حضرت قتادہ اور حضرت عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے جزیہ قبول کیا۔ اس سے قبل عرب اُمی تھے ان پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی تھی جب کتاب نازل ہوئی تو ان سے اسلام ہی پیش کیا جاتا

(نہ کہ جزیہ) پھر جب یہ خوشی سے یا تنگی سے اسلام لے آئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لا اکراہ فی الدین" پھر اہل کتاب سے قتال کا حکم دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ قبول کرلیں۔ پس ان میں بعض نے جزیہ ادا کیا تو ان کو اسلام پر مجبور نہیں کیا گیا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم (ابتداء میں تھا) قتال کے حکم سے پہلے تھا۔ لہٰذا یہ حکم آیت سیف کی وجہ سے منسوخ ہوگیا۔ اور یہی قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے (قد تبین الرشد من الغی) یعنی ایمان کفر سے حق باطل سے ظاہر ہو چکا۔ (فمن یکفر بالطاغوت) طاغوت سے مراد شیطان ہے اور کہا گیا کہ اللہ کے سوا جس چیز کی عبادت کی جائے اسے طاغوت کہتے ہیں اور کہا گیا کہ جو انسان کو سرکشی پر ابھارے، طاغوت فاعول کے وزن پر ہے یہ طغیان سے ہے، لام کو تاء سے بدل دیا جیسا کہ حانوت اور تابوت ہے یہ تاء عاتا نیہ سے بدل کر آئی ہے۔

(ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی) یعنی پکڑا اور دین میں مضبوط رسی کو تھاما۔ "وثقی" یہ تانیث ہے اوثق کی اور بعض نے کہا کہ عروہ وثقی سے مراد وہ سبب جو اللہ کی رضا تک پہنچانے والا ہو۔ (لاانفصام لھا) وہ رسی جو ٹوٹ نہ سکے (واللہ سمیع) جو تم ان لوگوں کو دعوت اسلام دیتے ہو ان کو سننے والا ہے (علیم) کہ ان کی ایمان لانے کی کتنی حرص ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۥ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۥ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۥ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۥ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (یا بچا کر) نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں (انسی یا جنی) وہ ان کو نور (اسلام) سے نکال کر یا بچا کر (کفر کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں (اور) یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے (اے مخاطب) تجھ کو اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا (یعنی نمرود کا) جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ کیا تھا اپنے پروردگار کے (وجود کے) بارہ میں اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ کہنے لگا کہ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آفتاب کو (روز کے روز) مشرق سے نکالتا ہے تو (ایک ہی دن) مغرب سے نکال دے۔ اس پر متحیر رہ گیا وہ کافر (اور کچھ جواب نہ بن آیا) اور اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) ایسے بے جا راہ پر چلنے والوں کو ہدایت نہیں فرماتے

تفسیر ⑰ (اللہ ولی الذین امنوا) اللہ ان کی مدد کرتا ہے اور نصرت کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ ان سے محبت کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ انہی کو امور کا متولی بنایا ہے ان کے علاوہ کسی اور کو ان امور کا مکلف نہیں بنایا اور حسن فرماتے ہیں کہ ان کو ہدایت کا ولی بنایا ہے۔ (یخرجھم من الظلمات الی النور نکالتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف) کفر سے ایمان کی طرف۔ علامہ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی ظلمات اور نور کا لفظ آیا ہے اس سے کفر اور ایمان مراد ہے۔ سوائے سورۃ انعام کی آیت "وجعل الظلمات والنور" میں دن اور رات مراد ہے۔ آیت میں ظلمت کو کفر سے کیوں موسوم کیا اس لیے کہ ظلمت سے راستہ ملتبس ہو جاتا ہے اور اسلام کو نور سے تعبیر کیا کیونکہ یہ واضح کرنے والا ہے راستہ کو۔ (والذین کفروا اولیاؤھم الطاغوت) (اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا ان کے دوست شیطان ہیں) مقاتل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب اور گمراہ کرنے والے بڑے بڑے سردار ہیں اور یہ لوگ

(یخرجونھم من النور الی الظلمات) (نکالتے ہیں ان کو ہدایت سے گمراہی کی طرف) ان کو دعوت دیتے ہیں ہدایت سے گمراہی کی طرف۔ طاغوت یہ مذکر اور مؤنث واحد، جمع بھی استعمال ہوتا ہے۔ واحد اور مذکر قرآن میں اس آیت میں استعمال ہوا ہے۔ "یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ" اس میں طاغوت کے لیے واحد مذکر کی ضمیر لائی گئی۔ دوسری آیت جہاں مؤنث استعمال ہوا۔ "والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا" اس میں ضمیر مؤنث کی لائی گئی ہے۔ جمع کی مثال۔ "ویخرجونھم من النور الی الظلمات" سوال کیا جاتا ہے کہ کیسے ان کو نور سے اندھیروں کی طرف نکال دیا جاتا ہے حالانکہ وہ تو کافر ہیں ان کے لیے تو کبھی نور ہدایت ہے ہی نہیں۔ جواب دیا کہ اس سے مراد یہود ہیں کہ آپ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے آپ علیہ السلام پر ایمان لاتے تھے لیکن جب آپ علیہ السلام تشریف لے آئے تو انہوں نے انکار کر دیا۔ بعض نے کہا کہ عموم مراد ہے اس میں تمام کفار شامل ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا گیا۔ "اخراج" کا معنی جیسا کہ کوئی شخص اپنے والد سے کہتا ہے کہ مجھے فلاں ملکیت سے نکال دیا گیا حالانکہ وہ اس ملکیت میں شامل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں خبر دی "انی ترکت ملۃ قوم لا یؤمنون باللہ" حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کی ملت میں تو شامل نہیں تھے۔ (اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون) (یہی لوگ دوزخی ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔)

⑱ (الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ) (کیا تم کو اس شخص کا واقعہ معلوم نہیں جس نے ابراہیم علیہ السلام سے اس کے رب کے متعلق جھگڑا کیا) اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ علیہ السلام کے پاس وہ خبر پہنچی ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا گیا تھا یعنی بحث کی اور جھگڑا کیا اور وہ نمرود بادشاہ تھا یہ پہلا شخص تھا جس کے سر پر بادشاہت کا تاج رکھا گیا اور پھر اس نے خدائی دعویٰ کیا (ان اتاہ اللہ الملک) (کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکومت عطا کی تھی) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت دی تھی اور اس نے اس پر سرکشی کی تھی۔ اس وجہ سے نمرود نے بادشاہی کا سوال کیا یعنی

اس جھگڑے میں تو ایسا بادشاہ لے آ جو میری بادشاہت اور سرکشی کو ختم کرے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمین میں چار بادشاہ گزرے ہیں دو مومن بادشاہ اور دو کافر۔ پس مومن بادشاہ سلیمان اور ذوالقرنین علیہما السلام اور کافر بادشاہ نمرود اور بخت نصر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ

مناظرہ کے وقت میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ مقاتل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا اور نمرود نے ان کو جیل میں ڈالا۔ تو ان کو نکالا تا کہ آگ میں ڈالے تو اس نے پوچھا تمہارا رب کون ہے جس کو تم پکارتے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ مناظرہ آگ میں ڈالنے کے بعد ہوا کہ جب نمرود کے دور میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے۔

اور لوگ اس کے پاس غلہ لینے کے لیے آیا کرتے تھے۔ پس جب کوئی شخص اس کے پاس غلہ لینے آتا تو وہ اس سے پوچھتا کہ تمہارا رب کون ہے اگر وہ سائل کہتا کہ تو میرا رب ہے تو اس کو کھانا (غلہ) بیچ دیتا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے پاس آئے تو نمرود نے ان سے پوچھا "من ربک" تمہارا رب کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ نمرود غصہ سے مشتعل ہوگیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ نہیں دیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ریت کے ٹیلے کے پاس سے گزرے اور ریت سے اپنے تھیلے کو بھر لیا تا کہ اس کے ذریعے گھر والوں کو بہلا سکوں۔ ان کے دلوں کو سکون اطمینان دے سکوں۔ جب ابراہیم علیہ السلام گھر پہنچے اور گھر میں وہ ریت والا تھیلا رکھ کر سو گئے۔ ادھر اُن کے گھر والے اُٹھے اور سامان کھولا دیکھتے ہیں کھانے کے لیے بہت اچھا غلہ موجود ہے۔ انہوں نے اس سے کھانا تیار کیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس کھانا لے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھانا دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے؟ فرمایا کہ وہی تو ہے جو آپ ابھی لائے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا پھر اللہ کی تعریف کی۔

اذ قال ابراھیم ربی الذین یحیی ویمیت (جب کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) یہ سوال مقدر کا جواب ہے جو یہاں مذکور نہیں۔ نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے سوال کیا "من ربک" ابراہیم علیہ السلام نے جواب "ربی الذی یحیی ویمیت" دیا حضرت حمزہ کی قرأت میں یا ساکن کے ساتھ ہے خواہ وصل ہو یا فصل ہو اور اسی طرح دوسری آیات کی قرأت بھی اسی طرح ہے۔ "حرّم ربی الفواحش. وعن ایاتی الذین یتکبرون وقل بعبادی الذین واتانی الکتاب ومسنی الضر وعبادی الصالحون وعبادی الشکور ومسنی الشیطان وان ارادنی اللہ وان اھلکنی اللہ" امام کسائی نے حضرت حمزہ کی اس آیت میں موافقت کی "لعبادی الذین آمنوا" اور ابن عامر نے "ایاتی الذین" میں بھی ساکن پڑھتے ہیں (قال) اس سے نمرود مراد ہے (انا احی وامیت کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں) اہل مدینہ "انا" کے الف کو مد کے ساتھ پڑھتے ہیں جب وصل کی حالت میں ہمزہ متحرک ہو اور باقی قراء اس

الف کو حذف مانتے ہیں لیکن وقف کی حالت میں تمام قاری الف کو ثابت رکھتے ہیں۔ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ نمرود نے دو آدمیوں کو بلایا، ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو زندہ رکھا۔ گویا اس نے قتل کو موت کے قائم مقام سمجھا اور ترک القتل کو زندگی قرار دیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ اس دلیل سے اس کو سمجھ نہیں آتی تو ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دلیل کی طرف رجوع کر لیا تاکہ مدمقابل کو عاجز کر سکیں اگر اس کی حجت لازم ہوتی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک احیاء سے مراد مردے کو زندہ کرنا ہے اگر وہ اس کو سمجھ لیتا تو وہ ابراہیم علیہ السلام سے سوال کر سکتا تھا کہ آپ اس مردے کو زندہ کر دو جس کو میں نے مارا ہے اگر آپ اپنے قول میں سچے ہو اس لیے ابراہیم علیہ السلام ایسی دلیل لائے جو پہلی سے بھی واضح تھی۔

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ترجمہ: یا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے جیسے ایک شخص تھا کہ اس کا ایک بستی پر ایسی حالت میں گزر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی (کے مردوں) کو اس کے مرے پیچھے کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو برس تک مردہ رکھا پھر اس کو زندہ کر اٹھایا (اور پھر) پوچھا کہ تو کتنی مدت اس حالت میں رہا اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو سو برس رہا ہے۔ تو اپنے کھانے (کی چیز) اور پینے (کی چیز) کو دیکھ لے کہ نہیں سڑی گلی۔ اور (دوسرے) اپنے گدھے کی طرف نظر کر اور تاکہ ہم تم کو ایک نظیر لوگوں کے لئے بنا دیں۔ اور (اس گدھے کی) ہڈیوں کی طرف نظر کر کہ ہم ان کو کس طرح ترکیب دے دیتے ہیں۔ پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں پھر جب یہ سب کیفیت اس شخص کو واضح ہو گئی تو کہہ اٹھا کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر: ۲۵۹ (او کالذی مر علی قریۃ یا اس شخص کی مانند جو گزرا ایک بستی پر سے) اس آیت کا تعلق پچھلی آیت کے ساتھ ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "الم تر الی الذی حاج ابراهیم فی ربه" کیا تم نے نہیں دیکھا اس شخص کو جو ایک بستی پر سے گزرے۔ بعض نے کہا کہ اس کی تقدیری عبارت یوں ہوگی "هل رأیت کالذی حاج ابراهیم فی ربه" کہ کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے جھگڑا کیا اس کے رب کے بارے میں۔

مر علی قریۃ کی تفسیر میں مختلف اقوال

یا کیا تم نے نہیں دیکھا اس شخص کو جو گزرا ایسی بستی پر گزرنے والا شخص کون تھا؟ اس کے متعلق حضرت قتادہ، عکرمہ اور ضحاک کا قول ہے کہ یہ عزیر بن شرخیا تھے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ یہ ارمیاء بن حلقیا تھا۔

ابن اسحاق نے کہا کہ ارمیاء ہی خضر تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کافر ہے اس کی بعثت میں شک ہے۔

اس قریہ کے متعلق بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔ وہب، عکرمہ، قتادہ فرماتے ہیں کہ قریۃ سے مراد بیت المقدس ہے۔

اور ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ ارض مقدسہ ہے۔ اور کلبی فرماتے ہیں کہ یہ دیر سابر آباد ہے۔

امام سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلم آباد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد دیر ہرقل ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ زمین ہے جہاں کے بستی والوں کو ہلاک کیا گیا تھا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔

اور بعض نے کہا کہ یہ ایسی بستی تھی جو انگوروں سے بھرپور تھی اور بیت المقدس کے دو فرسخ کے قریب تھی (وھی خاویۃ اور وہ گر پڑی تھی) یعنی وہ گر گئی تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے توی البیت واؤ کے کسرہ کے ساتھ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز گر جائے۔

(علی عروشھا) عروش سے مراد چھتیں ہیں اور اس کا واحد عرش ہے اور کہا گیا ہے کہ ہر بناء پر عرش ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ پہلے اس کی چھتیں گر پڑیں پھر ان پر دیواریں گر پڑیں۔ (قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا کہنے لگے کیسے زندہ کرے گا اللہ اس بستی کو مرے پیچھے) اس کا سبب محمد بن اسحاق نے جو وہب بن منبہ سے روایت کی ہے، واقعہ اس طرح ہے۔

بنی اسرائیل کی تباہی کا منظر

اللہ تعالیٰ نے ارمیاء کو ناشیہ بن اموص کی طرف مدد کے لیے بھیجا جو بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا۔ ناشیہ نیک صالح آدمی تھا ارمیاء ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام لے کر جاتے تھے۔ جب بنی اسرائیل نافرمانیوں میں بہت آگے بڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کو جا کر میری نعمتوں کو یاد دلاؤ اور ان کے گناہوں سے ان کو آگاہ کرو اور ان کو میری طرف دعوت دو۔ حضرت ارمیاء نے کہا کہ میں کمزور ہوں، اگر آپ میری اس میں مدد نہیں فرمائیں گے تو میں تو عاجز ہوں، اگر آپ مجھے وہاں نہیں پہنچائیں گے میں ناکام ہو جاؤں گا، اگر آپ نے میری مدد نہ کی اللہ عزوجل نے وحی کی کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ پھر حضرت ارمیاء بنی اسرائیل کی طرف گئے اور ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہاں جا کر ان کو کیا کہنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے عین خطبہ کے وقت ایسے فصیح و بلیغ الفاظ الہام فرمائے جن میں اعمال صالحہ پر ثواب اور گناہوں کی سزا کا ذکر تھا۔ اس خطبہ کے آخر میں حضرت ارمیاء کے دل میں یہ بات بھی القاء کر دی کہ اگر یہ پھر بھی اپنے گناہوں سے باز نہیں آتے ان کو یہ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میری عزت کی قسم تم پر ایسے فتنے کو مسلط کر دوں گا جس سے حکیم بھی متحیر ہو جائے گا اور تمہارے اوپر ایسے ظالم حکمرانوں کو

مسلط کروں گا جس کی ہیبت تمہارے دلوں میں ڈال دی جائے گی اور اس کے دل سے تمہارے لیے شفقت کو ختم کر دوں گا اور وہ تم پر اندھیری رات کی طرح ظلم ڈھائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارمیاء کی طرف وحی بھیجی کہ میں بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے لگا ہوں اور اس میں یافث اہل بابل میں سے بھی ہیں اور یہ یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ جب حضرت ارمیاء نے یہ خبر سنی تو انہوں نے چیخ ماری اور رونے لگے اور اپنے کپڑے پھاڑ دیے اور اپنے سر پر ریت ڈالنا شروع کر دی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی آہ و زاری اور رونا سنا تو آواز دی اے ارمیاء میں نے تمہاری طرف جو دی کی اس کی وجہ سے تم مشقت میں پڑ گئے۔ فرمایا جی ہاں میرے رب! بنی اسرائیل کو اس وقت تک ہلاک نہ کرنا جب تک اس کے بارے میں مجھے ان کی ہلاکت کا سبب معلوم نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے میری عزت کی قسم کہ میں بنی اسرائیل کو اس وقت تک ہلاک نہیں کروں گا جب تک اس کے متعلق آپ کو بتلا نہ دوں۔ حضرت ارمیاء اس پر خوش ہو گئے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو حق دے کر بھیجا وہ بنی اسرائیل کی ہلاکت پر راضی نہیں۔ پھر فرشتہ آیا اس نے خبر دی، پھر انہوں نے فرمایا اگر اللہ رب العزت عذاب دیتا تو ہمارے بہت سارے گناہوں کے سبب ہوتا لیکن اللہ نے اپنی رحمت سے ہمیں معاف کر دیا۔ پھر وحی کے بعد تین سال تک رہے لیکن اس دوران بنی اسرائیل میں نافرمانیاں بڑھتی گئیں۔ قریب تھا کہ سب بنی اسرائیل ہلاک ہو جاتے۔ بادشاہ نے توبہ و استغفار کا مشورہ دیا مگر لوگوں نے نہیں مانا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو ان پر مسلط کیا اور یہ سات ہزار افراد کی فوج لے کر بیت المقدس کی طرف مارچ کیا تو فرشتہ حضرت ارمیاء کے پاس آیا اور یہ خبر سنائی تو حضرت ارمیاء نے کہا کہ اللہ نے مجھے وحی کی تھی کہ وہ میری اجازت کے بغیر بنی اسرائیل کو تباہ نہیں کرے گا۔ اس پر ارمیاء نے مزید یہ کہا کہ اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور مجھے اس پر پختہ یقین ہے۔ پھر جب بنی اسرائیل کا وقت پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو انسانی شکل میں ارمیاء کے پاس بھیجا۔ ارمیاء نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ وہ کہنے لگا میں بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی ہوں میں اپنے گھر والوں کے متعلق مسئلہ پوچھنے آیا ہوں کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ ہمیشہ صلہ رحمی کرتا ہوں اور ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتا ہوں لیکن وہ ہمیشہ میری بے اکرامی اور ناراضگی پیدا کرنے کی حرکتیں کرتے ہیں۔ مجھے ان کے متعلق بتلائیے۔ حضرت ارمیاء نے کہا کہ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو ان سے جدائی اختیار نہ کرو اور ان کو نیکی کی دعوت دو، پھر وہ فرشتہ کچھ دن ٹھہرا رہا، پھر وہ فرشتہ انسانی شکل میں ارمیاء کے پاس آیا اور پہلے کی طرح سوال کیا کہ میں اپنے گھر والوں کے متعلق آپ سے پوچھتا ہوں۔ ارمیاء نے کہا کہ آپ ان کو اخلاق کی تعلیم دو، اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ان کو کرامت و عزت کا کوئی علم نہیں مگر پھر بھی میں ان کے ساتھ رحمت والا معاملہ کرتا ہوں۔ پھر بھی حضرت ارمیاء نے اس شخص سے کہا کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ احسان والا معاملہ فرما اور اللہ سے ان کی اصلاح کے لیے دعا مانگ کہ وہ نیک صالح بن جائیں۔ وہ فرشتہ واپس چلا گیا اور چند دن دور کے رہے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے بخت نصر اور اس کی فوج کو بیت المقدس کے اردگرد ٹڈیوں کی طرح پھیلا دیا۔ بنی

اسرائیل اس سے خوفزدہ ہو گئے اس وقت فرشتہ ارمیاء (بادشاہ) کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ کا کیا ہوا وعدہ کہاں گیا وہ بادشاہ کہنے لگے مجھے اپنے رب پر پختہ یقین ہے پھر وہ فرشتہ حضرت ارمیاء کے پاس آیا، اس وقت حضرت ارمیاء بیت المقدس کی دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہنس رہے تھے اور لوگوں کو خوشخبری دے رہے تھے کہ اللہ کی مدد شامل حال ہے جو اللہ نے وعدہ کیا تھا، وہ فرشتہ آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ ارمیاء نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو، فرشتہ نے کہا کہ میں وہی سائل ہوں جو پہلے دو مرتبہ آپ سے اپنے گھر والوں کے متعلق پوچھ چکا ہوں۔ ارمیاء نے کہا کہ وہ اس بات سے ابھی تک باز نہیں آئے جس پر وہ تھے۔ فرشتہ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! ابھی تک تو جو دکھ انہوں نے مجھے پہنچایا، میں صبر کرتا رہا لیکن اب وہ خدا کی ناراضگی کے بڑے بڑے کام کرنے لگ گئے تو حضرت ارمیاء نے کہا کہ ان کو کون سا عمل کرتے ہوئے تم نے دیکھا؟ فرشتے نے کہا کہ وہ کام جو اللہ کی بڑی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں اس لیے مجھے ان کے لیے غصہ آیا اس لیے میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں اللہ کا نام لے کر جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہلاکت کی دعا کریں۔ ارمیاء نے کہا اے زمین و آسمان کے بادشاہ اگر وہ حق پر ہیں تو تو ان کو باقی رکھ اور اگر وہ ایسے عمل پر ہیں جو تیری ناراضگی کا سبب ہیں تو ان کو ہلاک فرما۔ جب ارمیاء کی زبان سے الفاظ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بیت المقدس کی طرف ایک بجلی گرائی جس سے قربان گاہ میں آگ بھڑک اٹھی اور سات دروازے زمین میں دھنس گئے جب یہ حالت حضرت ارمیاء نے دیکھی تو چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ دیے اور ریت اپنے سر پر ڈالنے لگے اور عرض کرنے لگے اے آسمانوں اور زمینوں کے مالک کہاں ہے وہ کیا ہوا وعدہ جو میرے ساتھ کیا تھا، آواز آئی کہ ان پر جو عذاب آیا وہ تمہاری بددعا کی وجہ سے آیا اس وقت ارمیاء کو یقین ہو گیا کہ سوال پوچھنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ تھا۔ حضرت ارمیاء اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف نکل گئے۔

اُدھر بخت نصر اپنی فوج کو لے کر بیت المقدس میں داخل ہو گیا اور شام کو بھی اس نے روند ڈالا اور بنی اسرائیلیوں کو اس نے قتل کروا دیا اور بیت المقدس کو فنا کر دیا۔ پھر بخت نصر نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنی کمان مٹی سے بھر کر بیت المقدس پر ڈالے۔ ہر ایک نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ بیت المقدس مٹی سے بھر گیا۔ پھر بخت نصر نے اعلان کیا کہ شہر میں جو بھی چیز ہے اس کو لا کر یہاں جمع کیا جائے، اس کے سامنے چھوٹے بڑے سب بنی اسرائیلیوں کو جمع کیا گیا، ان میں سے اس نے ستر ہزار بچوں کو چنا اور اپنی فوج میں تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصے میں چار بچے آئے اور ان بچوں میں دانیال حانیال کی اولاد بھی تھی اور باقی بنی اسرائیلیوں میں سے تین حصے کیے۔ ایک ثلث کو قتل کروا دیا، ایک ثلث کو قید کر دیا اور ایک ثلث کو شام میں سکونت دی۔ یہ بنی اسرائیلیوں کے واقعات میں سے پہلا واقعہ ہے جو ان کے ظلم کی پاداش میں ان کو عذاب ملا۔ جب ان سے بخت نصر بابل چلا گیا اور اس کے ساتھ بنی اسرائیل کے قیدی بھی تھے تو ارمیاء اپنے گدھے پر سوار ہو کر آئے اور آپ کے ساتھ توشہ دان میں کچھ عرق انگور اور ایک ٹوکری انجیر کی تھی۔ جب بیت المقدس پہنچے تو اس کی تباہی کو دیکھ کر (قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فرمایا اس بستی کو مرے پیچھے کیسے زندہ کرے گا) اور کہنے والے نے کہا کہ بیت المقدس کے پاس سے گزرنے والے حضرت عزیر علیہ

السلام تھے۔ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ کیا اور بنی اسرائیلوں کو قید کر کے بابل لے گیا۔ اس میں حضرت عزیر، دانیال علیہم السلام اور سات ہزار حضرت داؤد علیہ السلام کے اہل بیت شامل تھے۔ پھر جب حضرت عزیر علیہ السلام کو بابل سے رہائی ملی تو یہ گدھے پر سوار ہو کر دیر ہرقل میں پہنچ گئے جو دجلہ سمندر کے کنارے پر ہے۔ جب یہ بستی تک پہنچے تو وہاں ایک درخت کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ اس درخت سے انہوں نے پھل کھایا اور انگور کو نچوڑا اور اس سے پیا اور اس درخت کے پھل کو اپنے تھیلے میں ڈالنے لگے اور عرق انگور سے اپنے مشکیزے کو بھرنے لگے۔ جب انہوں نے بستی کی ہلاکت کو دیکھا فرمایا ”انی یحیی ھذہ اللّٰہ بعد موتھا“ یہ فرمانا تعجب کی وجہ سے تھا نہ کہ شک کی وجہ سے۔ وہب کی حدیث کی مانند حدیث ذکر فرمائی کہ پھر انہوں نے مضبوط رسی کے ساتھ اپنے گدھے کو باندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی اور سو سال تک ان کی روح کو کھینچ لیا اور ان کے گھوڑے یا گدھے کو موت دے دی اور انگور کا عرق اور پھل (انجیر) ان کے پاس جوں کے توں موجود تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند کو مسلط کیا تھا وہ وقت چاشت کا تھا اور اسی پھل کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھا تاکہ کسی دیکھنے والے کو نظر نہ آئے اور درندوں اور پرندوں کو ان کا گوشت کھانے سے روک دیا تھا۔

جب ستر سال گزر گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ نوشک شاہ فارس کے پاس بھیجا۔ فرشتے نے جا کر اس سے کہا اللہ تجھے حکم دیتا ہے کہ بیت المقدس اور ایلیاء کی از سرِ نو تعمیر کرتا کہ یہ پہلے سے زیادہ آباد ہو جائیں تو بادشاہ نے ایک ہزار قہرمان متعین کیے اور ہر ایک قہرمان کے ساتھ تین تین سو ہزار عامل مقرر کیے اور وہ شہر کو تعمیر کرنے لگے۔ اُدھر بخت نصر کو ہلاک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر اس کے دماغ میں ڈال دیا۔ اس طرح بنی اسرائیلوں کو اس سے نجات دلوائی۔ بابل میں کوئی بنی اسرائیل فوت نہیں ہوا وہ سب کے سب واپس آ کر بیت المقدس میں رہنے لگے۔ اس شہر کو تیس سال میں تعمیر کر دیا۔ پھر بنی اسرائیلوں کی کثرت ہوگئی جس طرح وہ پہلے تھے جب سو سال پورے ہو گئے تو حضرت عزیر علیہ السلام کی پہلے آنکھیں پیدا فرمائیں جبکہ پورا جسم میت تھا پھر ان کے جسم کو زندہ کیا اور وہ اپنے جسم کو دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے اپنے گدھے کی طرف دیکھا، اس کی ہڈیاں متفرق تھیں۔ آسمان سے آواز آئی اے بوسیدہ ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں جمع ہونے کا حکم دیتا ہے پس وہ ہڈیاں بعض کے ساتھ بعض مل گئیں پھر آواز دی کہ اللہ تمہیں حکم کرتا ہے کہ تم اپنے اوپر گوشت اور جلد بھی پہن لو، پھر وہ اسی طرح ہو گئیں پھر آواز دی اللہ تمہیں حکم کرتا ہے کہ تم زندہ ہو جاؤ اور کھڑے ہو جاؤ۔ گدھا اللہ کے حکم سے کھڑا ہوا اور آواز نکالنے لگا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے ارمیاء کے لیے شہر کو دوبارہ تعمیر کروا دیا جس طرح ان کے جانے کے وقت شہر موجود تھا۔

(فاماتہ اللّٰہ مائۃ عام ثم بعثہ پس اللہ نے اس کو مار ڈالا اور وہ سو سال تک مردہ رہا پھر اس کو اٹھا دیا) یعنی اس کو سو سال کے بعد زندہ کیا (قال کم لبثت فرمایا آپ کا یہ ٹھہرنا کتنا عرصہ رہا) کتنا عرصہ ٹھہرے۔ بعض حضرات نے کہا کہ جب اللہ نے ان کو سو سال بعد زندہ کیا تو ان کی طرف اللہ نے فرشتہ بھیجا جو ان سے یہ سوال پوچھے کہ کتنا عرصہ یہاں ٹھہرے رہے (قال لبثت یوما) حضرت ارمیاء نے کہا کہ میں ایک دن یہاں ٹھہرا رہا) یہ بات انہوں نے اس لیے فرمائی کہ جب ان کو نیند آئی وہ وقت

چاشت کا تھا اور جب انہیں زندہ کیا گیا تو غروب آفتاب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ آپ کتنا عرصہ ٹھہرے تو انہوں نے سورج کو دیکھ کر کہا کہ وہ غروب ہو رہا ہے تو یہ جواب دیا (او بعض یوم) دن کا کچھ حصہ (قال فرمایا) فرشتے نے کہا (بل لبثت مائة عام فانظر الی طعامک) نہیں بلکہ آپ یہاں سو برس رہے پس دیکھو اپنے کھانے کو) کھانے سے مراد انجیر ہے اور (وشرابک) پینے کو یعنی انگور کے عرق کو (لم یتسنہ کہ اس میں کوئی چیز نہیں بگڑی) کھانے کی اشیاء خراب نہیں ہوئیں۔ انجیر اس طرح تھے گویا کہ ابھی درخت سے اُتارے ہوں اور انگور کا عرق ایسے تھا جیسے کہ ابھی نچوڑا گیا ہو۔ امام کسائی فرماتے ہیں کہ گویا ان پر برس کی مدت نہیں گزری اور اسی طرح حمزہ، کسائی اور یعقوب نے پڑھا ہے۔

"لم یتسن" وصل کی صورت میں ھا کو حذف کرنے کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح "فبھداھم اقتدہ" میں بھی اور دوسرے قراء کے نزدیک ھاء کو پڑھا ہے وصلاً اور وقفاً دونوں صورتوں میں۔ جب ھاء حالت وصل میں ساقط کر دی تو ھاء سکتہ کو حالت وقف میں بڑھا دی تو "لم یعسنی" یاء کو حروف جازمہ کی وجہ سے حذف کر دیا۔ اس کی جگہ ھاء وقف بڑھا دی۔ ابو عمرو فرماتے ہیں کہ "لم یعسنہ" اصل میں "یتسنن" تھا دو نون کے ساتھ من حماء مسنون اس کا مطلب ہے کہ وہ متغیر نہیں ہوا تو ہم نے ایک نون کو ی سے بدل دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ثم ذھب الی اھلہ یتمطیٰ" ہے۔ "یتمطیٰ" اصل میں "یتمطط" تھا اور اسی طرح "وقد خاب من دساھا" دساھا اصل میں "دَسَّسَھا" تھا تو ہم نے دونوں صورتوں میں ھاء کو ثابت رکھا اور اس کو لام کلمے کے مقابلے میں رکھا یہ ان حضرات کے نزدیک ہے جن کے ہاں "یتسنہ" کی اصل "السنۃ السنھۃ" اور اس کی تصغیر "سنیھۃ" اور اس کا فعل "المسانھۃ" آتا ہے۔ "لم یتسنہ" تثنیہ کا لفظ ذکر نہیں کیا حالانکہ ماقبل میں طعام و شراب دو چیزیں تھیں دونوں چیزوں کے تبدیل ہونے کے لیے چونکہ ایک لفظ استعمال ہوتا ہے اس لفظ میں دونوں شریک ہیں یا چونکہ دونوں کا تعلق غذائیت کے ساتھ ہے اس لیے واحد کی ضمیر لائے یا ایک کے ذکر کو دوسرے پر قیاس کیا گیا۔

(وانظر الی حمارک اور اپنے گدھے کی طرف دیکھو) جب انہوں نے گدھے کی طرف دیکھا وہ اس کی چمکتی ہوئی ہڈیاں تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ہڈیوں کو ان کے سامنے جوڑا، پھر اس پر گوشت اور جلد ڈالی پھر اس کو زندہ کر دیا۔ اس حال میں کہ حضرت ارمیاء اس کو دیکھ رہے تھے (اور ولنجعلک آیۃ للناس بنائیں گے تجھے نشانی آنے والے لوگوں کے لیے) بعض حضرات کے نزدیک آیت کے شروع میں واؤ زائدہ ہے۔ فراء فرماتے ہیں واؤ کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے بعد فعل محذوف ہے عبارت اس طرح ہوگی۔ "ولنجعلک آیۃ عبرۃ وذلالۃ علی البعث بعد الموت" یعنی ہم نے ایسے اس لیے کیا تاکہ بعث بعد الموت کو لوگوں کو دکھانے کے لیے دلیل بنائیں۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے اور ضحاک وغیرہ نے کہا کہ جب حضرت ارمیاء کو اس بستی کی طرف لوٹایا تو اس وقت یہ جوان تھے اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کے سر کے بال اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ (وانظر الی العظام کیف ننشزھا) دیکھو ہڈیوں کی طرف کس طرح ہم انہیں جوڑتے ہیں) اہل حجاز کے نزدیک اور اہل بصرہ کے نزدیک "ننشز" زاء کے ساتھ ہے اور ان کے علاوہ قراء

حضرات راء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس کا معنی ہم اس کو کس طرح زندہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میت کو زندہ کیا، انشار زندہ کرنا اور نشر و نشوزا زندہ ہونا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ثم اذا شاء انشرہ“ اور لازم (والیہ النشور) استعمال ہوتا ہے اور دوسرے حضرات اس کو زاء کے ساتھ پڑھتے ہیں تو معنی ہوگا۔ کہ ہم کیسے ان بوسیدہ ہڈیوں کو زمین سے اٹھاتے ہیں اور بعض کو بعض کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ ”انشاء الشیٔ“ کہتے ہیں کسی چیز کو بلند کرنا اور اوپر اُٹھانا۔ اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے گدھے کی ہڈیاں مراد ہیں۔ امام سدی کے نزدیک اس سے حضرت عزیر علیہ السلام کی ہڈیاں مراد ہیں کہ جب ان کو زندہ کیا تو ہم نے کہا کہ دیکھیے اپنے گدھے کی طرف وہ ہلاک اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جو اس گدھے کی ہڈیاں اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھیں، کوئی پہاڑ میں اور بعض ہڈیوں کو پرندے اور چوپائے لے گئے تھے ان سب کو جمع کیا، اس حال میں کہ حضرت عزیر علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ وہ گدھا ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا اور اس پر نہ گوشت تھا اور نہ ہی خون (ثم نکسوھا لحما پھر ہم ان ہڈیوں کو گوشت پہناتے ہیں) پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا تو وہ گدھا بن گیا جو بغیر روح کے تھا پھر ایک فرشتہ چلتا ہوا آیا، اس نے گدھے کے ناک میں پھونک ماری تو گدھا کھڑا ہو گیا اور اللہ کے حکم سے بولنے لگا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام کی ہڈیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گدھے کو زندہ رکھا اور ان کو موت دی تھی۔ جب ان کو زندہ کرنا چاہا تو سب سے پہلے ان کی آنکھیں زندہ کیں، پھر ان کے سر کو زندہ کیا جبکہ بقیہ جسم سارا مردہ تھا۔ پھر فرمایا کہ دیکھا اپنے گدھے کو یہ اسی طرح کھڑا ہے جس طرح تو نے اس کو باندھا تھا۔ سو سال تک اس نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا، ویسے کھڑا ہے اور اس کی رسی کی طرف دیکھا وہ بھی خراب نہیں ہوئی تھی جب سے اس کو باندھا گیا تھا اب تقدیری عبارت یوں ہوگی کہ تو دیکھ اپنے گدھے کی طرف اور دیکھ اپنی ہڈیوں کی طرف کہ ہم کیسے ان کو پیدا کرتے ہیں۔

یہ قول حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا ہے جو انہوں نے کعب و ضحاک رحمہما اللہ سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا تھا۔ امام سدی اور مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت نقل کی ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سو سال کے بعد زندہ کیا تو یہ گدھے پر سوار ہو کر اپنی بستی یا شہر میں پہنچے، یہ نہ لوگوں کو پہچان سکے اور نہ ہی اپنے مکانوں کو اور نہ لوگ ان کو پہچان سکے۔ اندازے سے یہ ایک گھر میں پہنچے تو وہاں ایک بڑھیا جو اپاہج اور اندھی تھی اس کے اوپر ایک سو بیس سال گزر گئے۔ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو جانتی تھی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اس سے کہا اے فلاں! کیا یہ عزیر کا گھر ہے وہ کہنے لگی جی ہاں یہ گھر حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے اور وہ یہ کہہ کر رونے لگی اور کہنے لگی کہ اتنا اتنا عرصہ ہو گیا کسی کے منہ سے میں نے عزیر علیہ السلام کا تذکرہ نہیں سنا۔ حضرت عزیر علیہ السلام بولے کہ میں عزیر ہوں، کہنے لگی سبحان اللہ! ہم نے عزیر علیہ السلام کو ایک سو سال تک گم پایا، اس کا ذکر کہیں سے نہیں سنا، کہنے لگے میں عزیر علیہ السلام ہوں، اللہ نے مجھے ایک سو سال تک موت دے دی تھی پھر مجھے دوبارہ زندہ کیا، وہ بڑھیا کہنے لگی عزیر علیہ السلام تو مستجاب الدعوات شخص تھے وہ مریض یا مصیبت زدہ کے لیے دُعا کرتے تھے تو شفا مل جاتی تھی تو آپ میرے لیے اللہ سے دُعا کریں کہ وہ میری آنکھیں لوٹا دے تا کہ میں آپ کو دیکھ سکوں،

اگر تو عزیر علیہ السلام ہے تو تجھے پہچان لوں گی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے دُعا کی اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کی دونوں آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا تو وہ بالکل تندرست ہو کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف دیکھا اور کہنے لگی "اشہد انک عزیر" میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ عزیر علیہ السلام ہیں پھر یہ بنی اسرائیل کی طرف چلے۔ یہ ان کی مجلسوں میں پہنچے، اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام کا بیٹا ایک سو اٹھارہ سال کا بوڑھا ہو چکا تھا اور اس مجلس میں آپ کے پوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس وقت اس بڑھیا نے اس مجلس میں آواز لگائی کہ یہ عزیر علیہ السلام ہیں جو تمہارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے اس بات کو جھوٹ سمجھا، اس نے کہا کہ میں فلاں وقت ان کی باندی تھی، انہوں نے میرے لیے رب سے دُعا کی کہ میری آنکھیں تندرست ہو گئیں اور میری ٹانگیں ٹھیک ہو گئیں اور میرا گمان ہے کہ اللہ نے ان کو سو سال موت دی پھر دوبارہ زندہ کیا۔ یہ سن کر لوگ اُٹھے ان کے بیٹے نے کہا کہ میرے والد کے کندھے کے درمیان ہلالی شکل کا ایک کالا مسہ تھا۔ اس نے کندھے کو کھول کر دیکھا تو وہ نشانی پائی گئی وہ سمجھ گئے کہ یہ عزیر علیہ السلام ہی ہیں۔

سدی اور کلبی کا بیان ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے تو اس وقت بخت نصر نے تورات کو جلا دیا تھا کیونکہ اب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عہد نہیں تھا۔ اس وجہ سے یہ رو دیئے، ایک فرشتے نے برتن میں پانی لا کر آپ کو پلایا، پانی پیتے ہی پوری تورات آپ کے سینے میں آ گئی۔ آپ بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر آئے تو پوری تورات زبانی یاد تھی۔ آپ علیہ السلام نے قوم سے آ کر فرمایا کہ مجھے اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں عزیر ہوں، قوم نے تصدیق نہیں کی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں عزیر ہوں مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے تا کہ میں تمہارے لیے تورات کو دوبارہ لکھواؤں، وہ کہنے لگے ہمارے لیے تورات لکھواؤ تو انہوں نے پوری تورات لکھوا دی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ نے پوری تورات ڈالی وہ بلا شبہ خدا کا بیٹا ہے اور وہ عزیر ابن اللہ کہتے لگے اس کا مزید قصہ سورۃ برأت میں آئے گا۔ ان شاء اللہ

(فلما تبین لہ پھر جب یہ کیفیت واضح ہو گئی) جب یہ بات ان پر کھل گئی (قال اعلم تو اس نے کہا مجھے یقین ہے) حمزہ اور کسائی نے اس کو مجزوم پڑھا امر کی وجہ سے اور دوسرے حضرات نے اِعلم امر کا صیغہ ہے اور بعض نے ہمزہ کو حذف اور میم کو مرفوع پڑھا ہے خبر ہونے کی وجہ سے مطلب یہ ہوگا کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے یہ سارا ماجرہ دیکھا تو فرمایا "اعلم" (ان اللہ علی کل شیء قدیر بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

(ترجمہ) اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں

کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔ ارشاد فرمایا کیا تم یقین نہیں لائے انہوں نے عرض کیا یقین کیوں نہ لاتا ولیکن اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہو جاوے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو۔ پھر ان کو (پال کر) اپنے لئے ہلالو۔ پھر ہر پہاڑ پر ان میں کا ایک ایک حصہ رکھ دو۔ (اور) پھر ان سب کو بلاؤ (دیکھو) تمہارے پاس سب دوڑے چلے آویں گے اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ حق تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر ⊕ (واذ قال ...... تحی الموتیٰ) اور یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ مُردوں کو تو زندہ کس طرح کرتا ہے) حضرت حسن، قتادہ، عطاء الخراسانی، ضحاک، ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سوال پوچھنے کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مردار جانور کے پاس سے گزرے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گدھے کی لاش سمندر کے کنارے پڑی دیکھی۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ سمندر بحیرہ طبریہ کا تھا وہ کہتے ہیں کہ جب سمندر کا پانی اوپر آتا تو دریائی جانور اس مُردار کو کھاتے اور جب پانی نیچے چلا جاتا تو خشکی کے جانور اس کو کھاتے اور جو حصہ ان دونوں جانوروں سے رہ جاتا وہ مٹی ہو جاتا اور کچھ درندے لے جاتے اور کچھ پرندے لے جاتے جو پرندوں سے چھوٹ جاتا وہ ہوا کی نذر ہو جاتا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تو تعجب کیا اور کہنے لگے اے میرے رب مجھے معلوم ہے کہ تو قیامت کے دن اس مردے کو درندوں کے پیٹوں، پرندوں کے پوٹوں اور سمندری جانوروں کے پیٹوں سے جمع کرے گا، مجھے اس کی کیفیت دکھلا دیجئے تاکہ میرے یقین میں مزید اضافہ ہو۔ اس پر اللہ کی طرف سے خطاب نازل ہوا (قال اولم تؤمن قال بلی فرمایا کیا تجھے یقین نہیں ہے ابراہیم علیہ السلام بولے کیوں نہیں) یعنی اے میرے رب مجھے معلوم ہے اور میں اس پر ایمان بھی لاتا ہوں (ولکن لیطمئن قلبی لیکن میرا یہ سوال دل کے اطمینان کے لیے ہے) تاکہ میں اس کے معائنے اور مشاہدے کے بعد دل کو سکون دے سکوں اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام علم الیقین کے ساتھ ساتھ عین الیقین بھی چاہتے تھے کیونکہ کوئی خبر عین مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتی۔

بعض حضرات نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کرنے کا سبب وہ جھگڑا (مناظرہ) تھا جو نمرود کے ساتھ کیا تھا کہ انہوں نے اس کو کہا تھا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ نمرود نے کہا کہ میں بھی تو زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں تو اس نے دو آدمیوں کو بلایا ان میں سے ایک کو قتل کر دیا، دوسرے کو چھوڑ دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اس مُردے کی طرف ارادہ فرمائے گا تو اس کو بھی زندہ کر دے گا اس پر نمرود نے کہا کہ تم نے خدا کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔ اس پر یہ تم نہ کہہ سکے پھر یہ دوسری حجت کی طرف چلے۔ پھر اس وجہ سے انہوں نے رب سے سوال کیا مجھے دکھا دے کہ مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اولم تؤمن" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا بلی کیوں نہیں۔ "ولکن لیطمئن قلبی" یعنی اپنی دلیل کو مضبوطی کے لیے یہ سوال کیا تاکہ جب مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ مُردوں کو زندہ کرتے وقت تم نے دیکھا ہے تو میں کہہ سکوں ہاں۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو ملک الموت نے رب سے سوال کیا کہ کیا میں یہ خوشخبری حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے سکتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو

اجازت دے دی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا تو ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر میں موجود نہیں تھے تو یہ فرشتہ گھر میں داخل ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں میں حیادار تھے، جب یہ گھر سے باہر جاتے تو دروازہ بند کر دیتے تھے۔ پھر جب واپس آئے تو گھر میں ایک شخص کو دیکھا تو اس کے پیچھے بھاگے تاکہ اس کو پکڑ لیں۔ اس کو کہا کہ تجھے کس نے اجازت دی کہ تو میرے گھر میں داخل ہو جا۔ اس نے کہا کہ میرے رب نے مجھے اس گھر میں آنے کی اجازت دی۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تو کون سا فرشتہ ہے؟ اس نے کہا کہ ملک الموت ہوں۔ میں آپ علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے لیے آیا ہوں کہ اللہ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی حمد و تعریف کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ اس کی علامت کیا ہے کہ آپ اللہ سے دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی دُعا قبول کریں گے اور آپ علیہ السلام کی دُعا سے اللہ مُردوں کو زندہ کریں گے۔ پھر اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "رب ارنی کیف تحی الموتیٰ" اللہ تعالیٰ نے فرمایا؟ "اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی" بے شک آپ نے مجھے اپنا خلیل نہیں بنایا اور مجھے مستجاب الدعوات نہیں بنایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے حق دار ہیں جب کہ انہوں نے اپنے رب سے کہا تھا "اذ قال رب ارنی کیف تحی الموتیٰ"

"قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی" اور حضرت لوط علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو وہ ایک مضبوط سہارے کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اگر میں اتنا طویل زمانہ جیل میں رہتا جتنا حضرت یوسف علیہ السلام رہے تو میں بلانے والے کے بلاوے کو قبول کر لیتا۔ یہی حدیث امام مسلم بن الحجاج نے حرملہ بن یحییٰ بن وہب سے اسی اسناد کے ساتھ نقل کی ہے اور یہ الفاظ ذکر کیے "نحن احق بالشک من ابراھیم" جب انہوں نے کہا تھا "اذ قال رب ارنی کیف تحی الموتیٰ" محمد بن اسحاق بن خزیمہ حضرت ابی ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مُردوں کو زندہ کرنا تو آپ علیہ السلام کے لیے کوئی شک کی چیز تھی اور نہ ہی ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس میں کوئی شک تھا۔ شک صرف اس بات میں تھا کہ اللہ ہماری دُعا قبول فرمائے گا یا نہیں۔ ابوسلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ حدیث میں شک کا اعتراف ہے ہی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنے شک کا اعتراف کیا نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا بلکہ شک کی نفی موجود ہے پھر مطلب یہ ہوگا کہ مجھے شک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام کو بدرجہ اولیٰ شک نہیں ہونا چاہیے۔ آپ علیہ السلام کا ایسا فرمانا تو اضع وانکسار ی کے طور پر اپنے کو چھوٹا اور ابراہیم کو بڑا قرار دیا اور اسی طرح اس آیت میں "لو لبثت فی السجن طول مالبثت یوسف لاجبت الداعی" کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعرض شک کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ کسی چیز کے معائنہ سے علم و یقین میں اضافہ چاہتے ہیں کیونکہ کسی چیز کا دل میں یقین استدلال سے نہیں آتا جتنا آنکھوں سے دیکھنے سے ہوتا ہے اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شک نہیں کیا لیکن آپ

علیہ السلام کا یہ قول بطورتواضع تھا اور ابراہیم علیہ السلام سے اپنے آپ کو ذکر میں تقدیم یہ بھی بطورتواضع کے تھی۔اور "اولم تؤمن" کا معنی بیان کیا ہے۔ تحقیق میں ایمان لایا پھر کس چیز کا سوال کرتے ہو تا کہ ایمان کا مشاہدہ کرسکوں۔جیسا کہ جریر کا قول ہے:

السم خیرٌ من رکب المطایا والندی العالمین بطون راح

مجھے معلوم ہے کہ اے اللہ آپ کی صفت احیاء کرنے والی ہے لیکن میں اپنے دل کو اطمینان سے یقین میں زیادتی کرتا ہوں

(قال فخذ اربعۃ من الطیر فرمایا چار پرندے پکڑے) مجاہد،عطاء،ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے پکڑ لئے۔مور،مرغ،کبوتر،کوا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں کبوتر کی جگہ گدھ آیا ہے۔ عطاء الخراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ سبز بطخ،کالا کوا،سفید کبوتر اور سرخ مرغ لے لے (فصرھن الیک اوران کو پارہ پارہ کرلے) ابوجعفر اور حمزہ نے "فصِرْھن" صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ان کو کاٹ لے اور ٹکڑے ٹکڑے کرلے جیسا کہ کہا جاتا ہے "صار یصیر صیرًا" جب کہ کسی شی کو کاٹا جائے۔"انصار الشئی انصیارًا" بھی کہا جاتا ہے جب وہ منقطع ہو جائے جدا ہو جائے کاٹ دیا جائے۔فراء فرماتے ہیں کہ یہ مقلوب ہے "صریت اصری صریًا" جب کاٹا جائے منقطع ہو جائے اور دوسرے قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ان کو بلا لے اور ان کو سامنے رکھ لے۔جیسا کہ کہا جاتا "صُرت الشئی اصورہ" یہ مادہ ہوگا۔کہا جاتا ہے "ورجل اصور" جب کسی شخص کی گردن ایک طرف مائل ہو۔عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ریزہ ریزہ کرکے جمع کرلے پھر ان کو آپس میں ملالے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے "صار یصور صورًا" جب کسی چیز کو جمع کیا جائے۔اس سے بعض نے کہا کہ صور صاد کے ضمہ کے ساتھ معنی ہوگا شہد کی مکھیوں کی جماعت تو ان کے نزدیک ترجمہ املہ اور ضم کے ساتھ ہوگا۔پھر اس میں اضمار ہے معنی ہوگا "فصرھن الیک" پھر اس کو قطع کیا،کاٹا یہاں حذف کی قبیل سے ہے عبارت یہ ہوگی "ثم اجعل علٰی کل جبل منھن جزءً ا" کہ ایک ایک جز کرکے ہر پہاڑ پر ڈال دو۔ابوعبیدہ فرماتے ہیں "فصرھن" کا معنی ہے "قطعھن ایضًا" اور الصورکا مطلب کاٹنا (پھر ہر پہاڑ پران کا ایک ایک جزء رکھ دے) عاصم بروایت ابوبکر "جزُءً ا" پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے تخفیف اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوجعفر نے "جزًّا" مشدد کے ساتھ پڑھا ہے بغیر ہمزہ کے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان چاروں پرندوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور ان کے پر نوچنے اور ان کو کاٹنے اور ان کے پروں کو خون سے اور گوشت سے خلط ملط کرنے کا حکم دیا۔پھر انہوں نے اس طرح کیا پھر ان کو حکم دیا کہ ان کے اجزاء کو چار مختلف پہاڑوں میں ڈال دیں اور ہر پہاڑ پر ہر پرندے کا چوتھائی حصہ ڈال دے اور کہا گیا کہ ایک پہاڑ مشرق کی جانب ایک مغرب کی جانب اور ایک شمال کی جانب اور ایک پہاڑ جنوب کی جانب۔ابن جریج ابن سدی نے کہا کہ ان پرندوں کے سات اجزاء بنا کر سات پہاڑوں پر ڈال دو اور ان کے سر اپنے پاس روکے رکھو پھر تم ان کو بلاؤ فرمایا کہ وہ اللہ کے حکم سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پکارا تو ہر پرندے کے خون کا قطرہ دوسرے

قطرے سے اور ہر پر دوسرے پر کے ساتھ اور ایک ہڈی دوسری ہڈی کے ساتھ اور ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کے ساتھ ملنے لگا اور ابراہیم علیہ السلام دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ ہوا میں سب ٹکڑے مل مل کر پورا جسم بغیر سر کے بن گیا۔ پھر وہ جسم اپنے اپنے سروں کی طرف جو پرندہ ابراہیم کے پاس آتا تو وہ سر اس پرندے کی طرف مائل ہو جاتا۔ اگر وہ سر اس کے قریب ہوتا تو وہ اس کو لگ جاتا ورنہ وہ جسم پیچھے ہٹ جاتا جس پرندے کا سر آگے ہوتا وہ سر اسی پرندے کو لگتا۔ یہاں تک کہ سب پرندوں کو سر لگ گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان (ثم ادعھن یاتینک سعیا) پھر ان کو پکارو وہ جلد جلد اُڑتے ہوئے آجائیں گے) مراد اس سے چلنا ہے کہ وہ پرندے تیز چل کر آپ کے پاس آئیں گے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد چل کر آنا ہے اُڑ کر آنا نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فاسعوا الی ذکر اللہ" یعنی گزر جاؤ اُڑ کر آنے میں اور پیدل چل کر آنے میں۔ یہ حکمت ہے کہ اگر اُڑ کر آئیں تو کسی کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہ وہی پرندے نہیں بلکہ کوئی اور ہیں۔ اگرچہ وہ صحیح سالم نہ ہوں اور بعض نے کہا کہ سعی سے مراد اُڑ کر آنا ہے۔ (وعلم ان اللہ عزیز حکیم اور جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۞ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت۔ جس سے (فرض کرو) سات بالیاں جمیں (اور) ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں۔ اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے جاننے والے ہیں جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو (اس پر) احسان جتلاتے ہیں اور نہ (برتاؤ سے اس کو) آزار پہنچاتے ہیں ان لوگوں کو ان (کے اعمال) کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

تفسیر: ⑳ (مثل الذین ..... فی سبیل اللہ) ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں) اس عبارت میں مضاف محذوف ہے جو مبتداء کی جانب سے ہے یا خبر کی جانب۔ محذوف عبارت اس طرح ہوگی "مثل صدقات الذین ینفقون اموالھم" (کمثل ان کی مثال ایسی ہے) مراد اس سے کھیتی ہے (حبۃ جیسے ایک دانہ) اس سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا یعنی جہاد میں اور بعض حضرات نے کہا کہ تمام ابواب خیر میں خرچ کرنا مراد ہے۔ (انبتت اُگے) مطلب یہ ہے کہ ایک دانہ زمین سے اُگے (سبع سنابل جس میں سات بالیاں ہوں) سنابل یہ سنبلۃ کی جمع ہے (فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ) (اور ایک دانے کے سات سو دانے ہوں) اگر کہا جائے کہ آج تک کوئی ایسی گندم کی بالی نہیں جس کے سات سو دانے ہوں تو

پھر کیسے مثال بیان کی؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ بات ممکن ہے محال نہیں اور جو چیز محال نہ ہو اس سے ضرب المثل جائز ہے۔ اگر چہ فی نفسہ کسی خوشہ میں سات سو دانے نہیں ہوتے لیکن اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس میں اتنے دانے پیدا کر سکتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ باجرہ کے بھٹے میں اتنے دانے موجود ہوتے ہیں، یہاں باجرہ مراد ہے۔

بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کاشت کار اس دانے کو کاشت کرتا تو اس کو سو دانے نکل آتے۔

ضحاک نے تاویل کی ہے کہ ہر بھٹے میں سو دانے ہوتے ہی ہیں (واللہ یضاعف لمن یشاء اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے دُگنا کر دیتا ہے)

بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کے لیے ڈبل کر دیتا ہے۔

بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ اس پر تو دُگنا دیتا ہے اور اس پر زیادہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے سات سے ستر تک اور ستر سے آگے سات سو تک جس کے لیے اللہ چاہے اس کو دُگنا دے دے اور اس کو صرف اللہ ہی جانتا ہے (واللہ واسع اور اللہ بڑی وسعت والے) غنی ہے عطاء کرتا ہے اپنی وسعت سے (علیم جاننے والے ہیں) کہ کس نیت سے مال کو خرچ کیا۔

۞ (الذین ینفقون ...... فی سبیل اللہ) جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں)

شانِ نزول

کلبی کہتے ہیں یہ آیت عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی کہ عبدالرحمٰن چار ہزار درہم صدقے کے لے کر آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے، چار ہزار تو میں نے اپنے اور اپنے بچوں کے لیے رکھ لیے ہیں اور چار ہزار میں اپنے رب کو قرض دینے کے لیے لایا ہوں ان کو آپ علیہ السلام نے فرمایا جو درہم آپ نے اپنے پاس روک لیے اور جو اللہ کے راستے میں دیے ہیں اس میں برکت عطا فرمائے۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر مسلمانوں کو ایک ہزار اونٹ ان کے کجاوؤں اور عرق گیر دیے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جنگ تبوک کے موقع پر ایک ہزار دینار لا کر آپ علیہ السلام کی گود میں ڈال دیئے اور میں نے دیکھا کہ آپ علیہ السلام ان دیناروں کو دونوں ہاتھوں پر اُلٹ پلٹ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ آج کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہ) جو بھی عمل کرے گا اس کو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ" یعنی اللہ کی فرمانبرداری میں (ثم لا یتبعون ما انفقوا منا پھر جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد وہ نہ احسان جتلاتے ہیں) من کا معنی کسی کو کوئی چیز دے کر اس پر احسان جتلانا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے تمہیں فلاں چیز عطا کی ہے پھر اس کی نعمت کو شمار کر کے اس پر تنگی کی جاتی ہے (ولا اذی اور نہ دکھ کی بات کرتے ہیں) "اذی" سے مراد وہ اس پر عیب لگاتا ہے اور وہ اس کو پوچھتا ہے کہ تو مجھ سے کتنا مانگتا ہے اور کب تک مانگ کر ستائے گا یا اس پر خرچ کرنے کا تذکرہ ایسے لوگوں کے ساتھ کرے جن کا مطلع ہونا لینے والے کو ناگوار

ہو۔ سفیان فرماتے ہیں کہ "منا ولا اذی" کا معنی ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کوئی چیز دے کر اس سے کہے کہ تو نے شکر ادا نہیں کیا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ میرے والد کہا کرتے تھے کہ جب تو کسی شخص کو کچھ دے اور تجھے یہ بات محسوس ہو کہ تیرا اس کو سلام کرنا بھی گراں گزرتا ہے تو تم اس کو سلام بھی نہ کرو یعنی اس فعل سے تیرے دل میں اگر یہ خیال گزرتا ہے کہ کہیں یہ شخص یہ نہ سمجھے کہ احسان جتلانے کے لیے سلام کرتا ہے۔ یہ بات اس شخص کے نفس کے لیے ہے ورنہ من جانب اللہ اس خرچ کرنے والے شخص کے لیے تو فضیلت و باعث ثواب ہے۔ (لهم اجرهم عند ربهم ان کا اجر خصوصیت کے ساتھ ان کے رب کے پاس ہے) یعنی اس کا ثواب (ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون اور نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غم زدہ ہوں گے)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًی ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾

ترجمہ: مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کرنا (ہزار درجہ) بہتر ہے ایسی خیرات (دینے) سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں حلیم ہیں۔ اے ایمان والو تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو۔ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے (محض) لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی (آ گئی) ہو پھر اس پر زور کی بارش پڑ جاوے سو اس کو بالکل صاف کر دے ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو (جنت کا) راستہ نہ بتلاویں گے۔

تفسیر: ﴿۲۶۳﴾ (قول معروف بھلی بات اور نرمی کرنا) اس سے مراد اچھا کلام کرنا اور سائل کو نرمی کے ساتھ لوٹا دینا۔ بعض نے کہا کہ وہ نیکیوں کو شمار کرے۔ امام کلبی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ نیک دعا ہے جو کوئی اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے لیے کرتا ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول باہمی نزاع کو دور کرنے کے متعلق ہوا (و مغفرة اور درگزر کرنا) یعنی پیٹھ پیچھے اس کا پردہ فاش نہ کرنا اور اس کی احتیاجگی پر پردہ ڈالنا مراد ہے۔ کلبی اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی اس کے ساتھ ظلم کرے اس کو معاف کرے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ فقیر جب مانگنے میں شدت اختیار کرے تو یہ اس کو درگزر کرے (خیر من صدقة بہتر ہے ایسی خیرات سے) وہ چیز جو سائل کو عطا کی ہے (یتبعها اذی جس کے بعد دکھ پہنچایا جائے) اسی کے ساتھ احسان کا جتلانا یا اس کو عار دلانا یا ایسی بات کرنا جس سے اس کو اذیت پہنچے (واللہ غنی اور اللہ بے نیاز ہے) بندوں کے صدقے سے (حلیم احسان رکھنے والا ہے) دکھ دینے والے کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا جس نے احسان جتلا کر اور صدقہ دے کر ایذاء پہنچائی۔

﴿۲۶۴﴾ (یا یھا الذین ...... صدقاتکم اے ایمان والو! تم اپنے اعمال کو برباد نہ کرو یعنی اپنے صدقات کا ثواب احسان جتلا کر ضائع نہ کرو (بالمن احسان جتلا کر) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ اللہ پر احسان رکھنا اور عام مفسرین نے لینے والے پر احسان رکھنا مراد لیا ہے (والاذی اور ایذاء پہنچا کر) اس سائل کو جس پر احسان کیا۔ پھر اس کی مثال بیان کی۔ (کالذی ینفق مالہ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے) یعنی اپنے خرچ کیے ہوئے مال کو ضائع کر دیتے ہیں (رئاء الناس لوگوں کو دکھانے کے لیے) دکھاوے اور شہرت کے لیے خرچ کرے تاکہ دیکھنے والا یہ کہے کہ دیکھو فلاں شخص کتنا سخی ہے (ولا یؤمن باللہ والیوم الاخر اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر) مطلب یہ ہے کہ دکھاوا خیرات کو باطل کر دیتا ہے اور دکھاوے کے لیے خرچ کرنا مؤمنین کا فعل نہیں بلکہ منافقین کا فعل ہے کیونکہ کافر کفر کی وجہ سے ملعون ہے نہ کہ دکھاوے کی وجہ سے۔

(فمثلہ سو اس شخص کی مثال ایسی ہے) دکھاوے کے لیے خرچ کرنے والے کی مثال (کمثل صفوان جیسے ایک چکنا پتھر) وہ پتھر جس پر چکناہٹ ہو۔ یہ جمع اور واحد دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔ جن حضرات کے نزدیک یہ لفظ جمع ہے، ان کے ہاں اس کا مفرد "صفوانۃ" آتی ہے اور جو کہتے ہیں کہ صفوان مفرد ہے تو ان کے نزدیک اس کی جمع "صُفِیّ" آتی ہے (علیہ اس پر) چٹان پر (تراب فاصابہ وابل مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کی بارش پڑ جائے) وابل سے مراد ہوئے قطروں والی تیز بارش ہے (فترکہ صلدا تو اس کو چھوڑ دے صاف چکنا کر کے) صلدا اس پتھر کو کہتے ہیں جس پر چکناہٹ ہو اور اس پر اور کوئی چیز نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافق، ریا کار اور مؤمن جو خرچ کر کے احسان جتلاتا ہے یا ایذاء دیتا ہے۔ ان کے صدقہ کرنے کی مثال دی ہے کہ ان لوگوں کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک چٹان پر مٹی پڑی ہو جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے اعمال باطل ہو جائے اور مٹ جائیں گے کیونکہ اس نے یہ اعمال اللہ کی رضا کے لیے نہیں کیے بلکہ دکھاوے کے لیے کیے ہیں۔ جیسا کہ زور کی بارش جب اس چٹان پر پڑی جس پر مٹی کا گرد و غبار تھا تو وہ صاف ہو گئی ایسے ہی ان کے اعمال قیامت کے دن صاف ہو جائیں گے اور یہ بغیر اعمال صالحہ کے رہ جائیں گے (لایقدرون علی شیء مما کسبوا) (ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی) انہوں نے دنیا میں جو کام کیے آخرت میں اس کا کچھ حصہ بھی نہیں ملے گا یعنی کوئی ثواب نہیں ملے گا (واللہ لا یھدی القوم الکافرین اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا)۔

محمود بن لبید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے متعلق زیادہ اندیشہ شرک اصغر کا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ریا کاری۔ اللہ تعالیٰ جس دن اپنے بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو اس دن ان لوگوں کو کہے گا کہ تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو تم دنیا میں اپنے اعمال دکھایا کرتے تھے، دیکھو ان کے پاس تم کو جزاء یا بھلائی مل سکتی ہے۔

عقبہ بن مسلم نے بیان کیا کہ ابو سفیان الاصبحی نے بیان کیا کہ وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہا تھا۔ پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ کہا گیا کہ یہ وعظ کرنے والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں ان

کے قریب ہوا یہاں تک کہ میں ان کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے وہ حدیث بیان کریں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ علیہ السلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے اس وقت تمام اُمتیں جمع ہوں گی تو سب سے پہلے جس شخص کو بلایا جائے گا جس نے قرآن جمع کیا ہوگا اور دوسرا شخص جس کو بلایا جائے گا وہ شہید ہوگا جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور تیسرا وہ شخص جس کو اللہ نے خوب مال عطا فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ قاری القرآن سے فرمائیں گے کہ کیا تو نے قرآن کا علم سیکھا، وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے اس پر کیا عمل کیا؟ تو اس نے کہا میں رات کو بھی قیام کرتا اور دن کو بھی قیام کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جھوٹ کہا اور فرشتے بھی اس کو کہیں گے کہ تو نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے بلکہ اس سے تمہاری نیت یہ تھی کہ تمہیں قاری کہا جائے اور وہ کہا جا چکا۔ پھر صاحب مال کو بلایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تجھے مال کی وسعت عطا کی گئی یہاں تک کہ تو نے ہر ایک محتاج پر خرچ کر دیا (اس کو بھی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی۔ اس نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تو نے یہ عمل کیوں کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے یہ مال صلہ رحمی اور صدقہ کرنے کی وجہ سے خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا۔ فرشتے بھی کہیں گے تو نے جھوٹ بولا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تیرا اس طرح خرچ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تجھے سخی کہا جائے اور تجھے وہ کہا جا چکا۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کے راستے میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تو کس لیے قتل کیا گیا؟ وہ کہے گا کہ مجھے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو میں نے قتال کیا یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا اور فرشتے بھی اس کو جھوٹا کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے اور وہ کہا جا چکا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک میرے کندھے پر رکھا اور کہا اے ابوہریرہ! یہ تین لوگ مخلوق میں ایسے ہیں جن کو قیامت کے دن پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کے خرچ کئے ہوئے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے اور اس غرض سے اپنے نفسوں کو (اس عمل شاق کا خوگر بنا کر ان) میں پختگی پیدا کریں مثل حالت ایک باغ

کے ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو کہ اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ دوگنا (چوگنا) پھل لایا ہو اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار بھی اس کو کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔ بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو۔ کھجوروں کا اور انگوروں کا اس کے (درختوں کے) نیچے نہریں چلتی ہوں۔ اس شخص کے یہاں اس باغ میں اور بھی ہر قسم کے (مناسب) میوے ہوں اور اس شخص کا بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے اہل و عیال بھی ہوں جن میں (کمانے کی) قوت نہیں سو اس باغ پر ایک بگولہ آوے جس میں آگ (کا مادہ) ہو پھر وہ باغ جل جاوے اللہ تعالیٰ اسی طرح نظائر بیان فرماتے ہیں تمہارے لئے تا کہ تم سوچا کرو۔

تفسیر ⑯ (ومثل الذین ...... مرضات اللہ) (اور ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی رضا کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے وہ خرچ کرتے ہیں۔ (وتثبیتا من انفسھم) امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد احتساب ہے۔ امام شعبی، کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ خرچ کرنا اپنے نفسوں کی طرف سے ہوتا تھا کسی کے دباؤ کی وجہ سے نہیں ہوتا اور یہ صدقہ اور زکوٰۃ پاکیزہ مال سے نکالتے ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے اور اللہ کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جو کچھ ہم نے خرچ کر لیا وہ ہمارے لیے بہتر ہے اس سے جو باقی رہ گیا ہے۔

بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو معلوم تھا کہ اللہ ان کے بدلے میں مزید عطا فرمائے گا۔

عطاء، مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثابت قدم رہیں گے یعنی اپنے مال کو خرچ کرتے رہیں گے۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان خرچ کرنے کا ارادہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ثابت قدمی عطا فرماتے اور اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے میں دریغ نہ کرتا۔ ہاں اگر اس مال میں اس کو کوئی شک گزرے تو وہ خرچ کرنے سے رُک جاتا۔ اس لحاظ سے یہاں تثبیت سے تثبت ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وتبتل الیہ تبتیلا" تبتیلا سے مراد تبتلا ہے (کمثل جنۃ جیسے مثال اس باغ کی) جنت سے مراد باغ ہے مبرد اور فراء فرماتے ہیں کہ اگر باغ کھجوروں کا ہو تو اس کو جنت اور اگر انگوروں کا باغ ہو تو اس کو فردوس کہتے ہیں (بربوۃ جو اونچا ہموار میدان ہو) عاصم اور عامر نے راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قاریوں نے راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۃ مؤمنون میں فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ وہ بلند ہموار میدان جہاں نہریں بہہ رہی ہوں اور نہروں کے کنارے طرفین کی زمین سے نہ اونچے ہوں اور نہ نیچے اس لیے نہ پانی اوپر آ سکتا ہے اور نہ نیچے۔ ایسے باغ کے درخت انتہائی خوبصورت اور صاف ستھرے ہوتے ہیں (اصابھا وابل) (جس پر اگر موٹے قطروں کی خوب بارش برس جائے) وہ بارش جو تیز بھی ہو اور زیادہ بھی ہو (فاتت اکلھا تو اس کے درخت دگنے پھل دیں) اکل سے مراد پھل ہیں۔ نافع، ابن کثیر، ابو عمرو نے کاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع، ابن کثیر نے بھی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ "اکلہ" اور "الاکل" کی طرح ہے اور ابو عمرو نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ "رسلنا، رسلکم، ورسلھم، رسلنا" ہے۔ (ضعفین دوگنا) اس کے پھل درخت پر دوگنے ہو جائیں۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ باغ ایک سال میں اتنا پھل دے جتنا کہ دو سال میں دیا جاتا ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ضعفین سے مراد ہے کہ سال میں دو مرتبہ پھل دینا (فان لم یصبھا وابل فطل) پس اگر اس پر بارش نہ پڑے تو بارش کا ایک چھینٹا بھی کافی ہے) طل سے مراد طش ہے وہ بارش جو بہت تھوڑی ہو اور لگاتار برستی رہے۔

امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ نمی ہے اللہ تعالیٰ نے یہ مثال مؤمن شخص کی بیان کی ہے پھر کہا جائے گا کہ جس طرح یہ باغ ہر حال میں پھل دیتا ہے خواہ بارش کم ہو یا زیادہ اسی طرح اللہ تعالیٰ شخص مؤمن کے صدقہ کو چند گنا کر دیتے ہیں وہ صدقہ جس میں نہ دکھاوا ہو اور نہ ہی ایذا دی گئی ہو برابر ہے کہ اس نے تھوڑا خرچ کیا ہو یا زیادہ اور یہ ایسے ہے جیسا کہ بارش لگاتار برستی رہے (واللہ بما تعملون بصیر اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہے)۔

۞ (ایود احدکم ......الانھار) (کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجور و انگور کا باغ ہو اور اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں) اس آیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "یا ایھا الذین آمنوا لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی ایود" کے ساتھ ہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کوئی باغ ہو کھجور و انگور کا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں (فیھا من کل ..... ضعفاء اس شخص کے ہاں اس باغ میں ہر قسم کے میوے ہوں اور اس کو بڑھاپا آ پہنچے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں) چھوٹی اولاد چونکہ وہ کمانے میں کمزور ہوتے ہیں (فاصابھا اعصار پھر اس اس باغ پر ایک آندھی آئے) اعصار سے مراد وہ تیز طوفانی ہوا جو زمین سے بشکل عمودی اوپر کو جاتی ہے۔

(فیہ نار فاحترقت جس میں آگ ہو اور اس سے باغ جل جائے) اس آیت مبارکہ سے منافق اور دکھاوے کے لیے عمل کی مثال دی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے نیک عمل کی مثال اچھے باغ جیسی ہے کہ وہ اس نیکی سے اس طرح فائدہ اٹھاتا ہے جیسے کہ ایسے باغ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے تو جب صاحب باغ بوڑھا ہو جائے اور اس کی اولاد چھوٹی چھوٹی ہو اور اس کے باغ کو آگ کا شعلہ پہنچے اور سب کو جلا کر راکھ کر دے یہ سب اس کی طرف محتاج ہو جائیں نہ تو وہ شخص اب اس جلے ہوئے باغ کی اصلاح کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے بچے۔ اب وہ ایسا شخص بھی نہیں پاتا جو اس کے بچوں کی مدد کرے اور نہ ہی اس کے بچے اس کی مدد کر سکتے ہیں۔ اب یہ دونوں بچے اور بوڑھا اس کے حیلے سے عاجز آ گئے۔ اسی طرح منافق اور دکھاوے والے شخص کے عمل کی مثال ہے کہ جب وہ سارے اعمال اکارت کر دے گا تو کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس وقت اس کی توبہ قبول ہوگی اور نہ ہی کوئی چیز اس کے بدلے میں دے سکے گا۔

عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ آپ حضرات کی اس آیت "ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ" کے متعلق کیا رائے ہے کہ کس کے متعلق نازل ہوئی؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہنے لگے اللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما غصہ میں آ گئے اور فرمایا کہ تم کہو ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ مجھے اس آیت کے متعلق کچھ علم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھتیجے

جاؤ اپنے آپ کو کم سن ہونے کی وجہ سے حقیر نہ سمجھو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس آیت میں عمل کی مثال بیان کی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کس عمل کی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ منافق اور ریاء کار کے عمل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کس شخص کے لیے فرمایا؟ وہ شخص جو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری والا عمل کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس شخص پر شیطان کو مسلط کردیتا ہے کہ وہ گناہ کے کام کرنے لگ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے اعمال جل کر راکھ ہوجاتے ہیں۔

(کذالک ...... تتفکرون اسی طرح اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لیے نشانیاں ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کروں۔)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

ترجمہ اے ایمان والو (نیک کام میں) خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے۔ اور ردی (ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کر دو۔ حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں۔ ہاں مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ (تو اور بات ہے) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں تعریف کے لائق ہیں

تفسیر ۞ (یا یھا ...... طیبات اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ چیزیں اللہ کے راستے میں خرچ کرو) اپنے اختیار سے خرچ کرو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے حلال اشیاء مراد ہیں (ما کسبتم جو تم کماتے ہو) تجارت کے ذریعے سے ہو یا صناعت کے ذریعے سے ہو اور یہ بات دلالت کرتی ہے کہ کمائی کرنا مباح ہے۔ کمائی کی دو اقسام ہیں حلال اور حرام۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک پاکیزہ مال وہ ہے جو بندہ اپنی کمائی کر کے کھاتا ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی سے کھاتی ہے۔ خالد بن معدان نے مقدام بن معدی کرب سے روایت کی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کا بہترین کھانا اس کے ہاتھ کی کمائی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو بندہ حرام مال کما کر اس میں سے صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اس صدقہ کرنے سے اس کے مال میں برکت آتی ہے اور جو کچھ وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ اس کے دوزخ میں جانے کا مزید ذریعہ بنتا ہے۔ بے شک اللہ بری کمائی سے عذاب کو نہیں ٹالتا لیکن برائی کو نیکی سے مٹاتا ہے کیونکہ برائی، برائی کو نہیں مٹاتی۔

زکوٰۃ کے مسائل

اکثر اہل علم کے نزدیک مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔ ایک سال گزرنے کے بعد اور اس کے سامان کی قیمت بھی لگائی جائے گی۔ پھر اس کی قیمت کا ربع العشر نکالا جائے گا۔ جب اس کی قیمت بیس دینار یا دوسو درہم ہو۔ سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامان تجارت کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم کیا کرتے تھے اور ابی عمرو بن حماس سے روایت ہے کہ ان کے والد کہا کرتے تھے کہ میں حضرت عمر بن الخطاب و علی رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا اور عرض کیا کہ میری گردن پر بوجھ لدا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے حماس! کیا تم اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہو، فرمایا میرے پاس تو اس مال کے علاوہ اور کوئی مال نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو مال ہے نیچے اُتارو، میں نے اُتار کر آپ کے سامنے رکھ دیا، آپ نے ان کی گنتی کی اور اس کو زکوٰۃ کے قابل پایا تو اس سے زکوٰۃ نکالی (ومما اخرجنا لکم من الارض اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں)

بعض علماء نے کہا کہ یہ حکم عشر کے بارے میں ہے جو پھلوں اور گندم وغیرہ سے نکالتے ہیں۔ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کھجوروں اور انگوروں پر عشر (دسواں حصہ) واجب ہے اور یہ جب ہے کہ اس کو آسمان کے پانی سے سیراب کیا جائے یا کسی نہر کے ساتھ سیراب کیا جائے جو بغیر مشقت کے ہو، اگر اس کی سیرابی راہٹ وغیرہ سے کی گئی ہو تو پھر اس کا نصف عشر ہوگا۔

سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس کھیتی کو آسمان کے پانی سے چشمے کے پانی سے یا وہ عشری ہو تو اس میں عشر لازم ہے اور جس کھیتی کو سینچائی کے ساتھ سیراب کیا گیا ہو اس میں نصف عشر ہے۔ (دوسری روایت امام بغویؒ سند سے لائے ہیں)۔

عتاب بن السید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے ہمیں انگور کی زکوٰۃ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تم اس کی بٹائی کھجور کی بٹائی کی طرح کرتے ہو پھر تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتے ہو کشمش سے۔ جیسا کہ تم کھجور کی ادا کرتے ہو اس کے پھل سے۔

سبزیاں وغیرہ میں عشر ہے کہ نہیں

کھجور اور انگور کے علاوہ زکوٰۃ کے بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس میں کوئی عشر نہیں اور یہی قول ابن ابی لیلیٰ والشافعی رحمہما اللہ کا ہے اور امام زہری، امام اوزاعی اور امام مالک کے نزدیک زیتون میں زکوٰۃ واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر قسم کے غلہ، سبزیوں، پھلوں پر زکوٰۃ واجب حشیش (ایک گھاس کا نام ہے) اور لکڑیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور ہر وہ پھل جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو اس پھل کے ظاہر ہونے پر اور اس کو صاف کرنے پر اور سوکھنے پر اور ہر گندم کے دانے اور کھجور پر عشر ہے زکوٰۃ کے واجب ہونے کا وقت پھل کے پکنے کا ہے اور عشر نکالنے کا وقت اس کو ٹنے سے باہر نکالنے اور

صاف کرنے کے بعد ہے۔ اور یہ حضرات کہتے ہیں ان چیزوں میں اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ وہ پانچ وسق تک نہ پہنچ جائیں اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قلیل وکثیر سب پر صدقہ وعشر واجب ہے۔ جن حضرات کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں انہوں نے یہ دلائل دیئے ہیں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کے پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں، چاندی کے پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ نہیں اور پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دانے اور کھجور میں زکوٰۃ نہیں۔ یہاں تک پانچ وسق تک پہنچ جائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت صدقات نفلی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی مؤمن درخت لگاتا ہے یا کھیتی لگاتا ہے پھر اس سے انسان، پرندے اور جانور کھاتے ہیں تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتے ہیں۔

ولا تیمموا (اور قصد نہ کرو) ابن عامر نے بزی کی روایت سے تاء کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ لفظ قرآن میں اکتیس بار آیا ہے۔ اصل میں یہاں دو تائیں تھیں ان میں سے ایک کو ساقط کر دیا یا ادغام کر دیا اور دوسرے لوگوں نے اس کو تخفیف سے پڑھا ہے اس کا معنی قصد نہ کرو (الخبیث منہ تنفقون ردی مال، خراب) روایت کیا عدی بن ثابت نے براء بن عازب سے، فرماتے ہیں کہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ یہ لوگ کھجوروں کے باغات والے تھے اور یہ کھجوروں کے خوشے مسجد نبوی کے صحن میں لٹکا لیا کرتے تھے۔ اس سے فقراء مہاجرین کھایا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ مسجد میں کمزور گٹھلی والے خراب چھوہارے بھی موجود ہیں تو اس سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھاتے تھے۔ "**ولا تیمموا الخبیث**" کا مطلب خشک چھوہارے اور ردی کھجوریں مراد ہیں۔

حسن، مجاہد اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پھلوں سے صدقہ کرتے تھے اور گھٹیا مال دیتے ہیں اور جید کھجوروں میں وہ کام کرتے تھے اپنے لیے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (**ولستم باخذیہ** حالانکہ تم ویسا مال نہیں لیتے) خبیث ردی مال تم نہیں لیتے۔ (**الا ان تغمضوا فیہ** مگر بغیر چشم پوشی کیے) اغماض غض البصر کو کہتے ہیں یعنی آنکھ بند کرنا یہاں مجاز آ درگزر کرنا مراد ہے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص پر کوئی حق ہو اور وہ اس کے پاس لے آئے تو وہ اس سے نہ لے مگر یہ کہ دینے والا دیکھتا ہے کہ شاید لینے والا اس سے چشم پوشی کر لے یا اس کے حق کو چھوڑ دے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم ایسا ردی مال بازار میں بکتا دیکھتے ہو تو تم جید مال کے بدلے میں اس کو نہ خریدو اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا اگر تم کو ایسا مال ہدیہ میں دیا جائے تو تم اس کو نہیں لیتے مگر صرف اس لیے کہ بھیجنے والے کی ناراضگی یا شرمندگی کی وجہ سے لے لیتے ہو۔

پس جو مال تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ مال اللہ کے راستے میں کس طرح دیتے ہو؟ ردی مال اللہ کے راستے میں دینے کی ممانعت تب ہے جب سارا مال جید ہو اس لیے کہ اونٹ والے (جن کے اونٹوں میں کوئی بیماری ہو) اس میں شریک ہوتے ہیں جو ان کے پاس ہوتی ہے۔ اگر سارا مال ردی ہو تو پھر ردی مال دینے میں کوئی حرج نہیں (واعلموا ان اللہ غنی اور جان لو بے شک اللہ بے پروا ہے۔ تمہارے صدقات سے (حمید اور خوبیوں والا ہے) اپنے افعال میں محمود ہے۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ یُّؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا ؕ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ: شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور تم کو بری بات (یعنی بخل) کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی طرف سے گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں (یعنی جو عقل صحیح رکھتے ہیں)

تفسیر: ۝ (الشیطان یعدکم الفقر شیطان تم کو مفلس ہو جانے سے ڈراتا ہے) تمہیں وہ فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے کہا جاتا ہے "وعدہ خیرا و وعدہ شرا" یعنی کبھی تو وہ خیر سے ڈراتا ہے اور کبھی شر سے۔ اللہ تعالیٰ خیر کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ" کہ اللہ تم سے کثیر مال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے اور شر کے متعلق ارشاد فرمایا "النار وعدھا اللہ الذین کفروا" (کہ ان لوگوں کے لیے آگ کا وعدہ ہے جو کفر کرتے ہیں) لیکن جب نہ خیر کا قرینہ مراد ہو اور نہ شر کا تو پھر خیر ہی مراد ہوتا ہے اور شر کا استعمال باب افعال سے ہی ہوتا ہے۔

فقر کہتے ہیں بری حالت اور مال کی کمی کو۔ یہ اصل میں الفقار فاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ بے شک شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور آدمی سے کہتا ہے کہ مال اپنے پاس روکے رکھ اگر تو نے اس کو خرچ کیا تو فقیر ہو جائے گا (ویامرکم بالفحشاء اور تمہیں حکم کرتا ہے بے حیائی کا) فحشاء سے مراد بخل ہے زکوٰۃ کا روکنا ہے اور کلبی فرماتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی فحشاء کا لفظ آیا ہے وہاں زنا مراد ہے صرف یہاں زنا مراد نہیں۔ (واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا اور اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے بخشش اور فضل کا) بخشش سے مراد تمہارے گناہوں کی معافی ہے۔ (واللہ واسع اور اللہ وسعت والا ہے) واسع سے مراد غنی ہے (علیم جاننے والا ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ بھرپور ہے، دن

رات خرچ کرنے سے اس کے خزانے میں کمی نہیں آتی کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب سے زمین و آسمان پیدا کیے اس وقت سے وہ اپنے خزانوں سے خرچ کررہا ہے تو اس کے خزانوں سے ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی اور فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور دوسرا ہاتھ میزان پر ہے وہ اس کو بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے۔ حضرت فاطمہ بنت منذر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ آپ علیہ السلام نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ خرچ کیا کرو اس کو شمار نہ کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی شمار کرکر کے دے گا اور اس کو جمع کرکے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی جمع کرے گا۔

⊕ (یؤتی الحکمۃ من یشاء اللہ تعالیٰ حکمت عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے) امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد نبوت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن کا علم ہے اس کے ناسخ منسوخ محکم متشابہ، مقدم و مؤخر اس کے حلال و حرام اور اس کی امثال کا علم ہے۔ امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن اور اس کا فہم ہے اور فرمایا کہ قرآن میں ایک سو نو (۱۰۹) آیات ناسخ منسوخ ہیں اور ایک ہزار آیات حلال و حرام کے متعلق ہیں۔ مؤمنین میں سے کوئی بھی شخص ان آیات کو ضرور سیکھتا ہے اور کوئی بھی اہل نہروان کی طرح نہیں کہ انہوں نے قرآن کی ان آیات میں تاویلات کیں جو اہل قبلہ اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ان آیات کے علم سے جاہل رہے اور انہوں نے خون بہایا اور ان کے مال لوٹے اور وہ گمراہی پر ڈٹے رہے۔ پس تمہارے اوپر ان کے لیے قرآن کی تعلیم لازم ہے جو چیز تم پر نازل کی گئی تا کہ یہ آپس میں اختلاف نہ کریں۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن، علم اور فقہ ہے۔ ابن ابی نجیح سے روایت ہے کہ حکمت سے مراد قول و فعل میں درستگی ہے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد اشیاء کے معانی اور ان کا سمجھنا ہے (ومن یؤت الحکمۃ اور جس کو حکمت دی گئی) "من یؤت" میں من محل رفع میں واقع ہے "مالم یسم" فاعلہ ہونے کی وجہ سے اور "والحکمۃ" خبر ہے اور امام یعقوب نے "یؤتی الحکمۃ" تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی "من یؤتہ اللہ الحکمۃ" اور اعمش نے "ومن یؤتہ اللہ" اور حسن نے "ومن یؤت الحکمۃ" پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ حکمت سے مراد اللہ کے دین میں ورع ہے (فقد اوتی خیراً کثیراً اور جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو بڑی خیر کثیر عطا کی گئی) حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کو قرآن دیا گیا گویا اس کو نبوت کے درجات میں سے ایک کنارہ عطا کیا گیا مگر یہ کہ اس پر وحی نہیں کی جاتی اور انبیاء علیہم السلام پر وحی کی جاتی ہے (وما یذکر اور نہیں نصیحت قبول کرتا) "یذکر" سے مراد نصیحت ہے (الا اولوا الباب مگر عقل والے) اس سے مراد ذوی العقول ہیں۔

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ۞ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۞

ترجمہ: اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو اللہ تعالیٰ کو سب کی یقیناً اطلاع ہے اور

بے جا کام کرنے والوں کا کوئی ہمراہی (اور حمایتی) نہ ہوگا اگر تم ظاہر کرکے دو صدقوں کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفا کرو اور فقیروں کو دے دو تو یہ اخفا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (اس کی برکت سے) تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں

تفسیر ⊕ وما انفقتم من نفقة (اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو کسی طرح کا خرچ ہو) جو تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے (او نذرتم من نذر یا تم کسی طرح نذر مانتے ہو) جو تم اپنے اوپر واجب کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کو پورا کرو (فان الله یعلمه بے شک اللہ اس کو جانتا ہے) اللہ کے ہاں وہ محفوظ ہے یہاں تک کہ تم اس کو ادا کرو اور کہا گیا "یعلمه" "یعلمها" نہیں کہا کیونکہ نذر والا مال ایک انسان دوسرے کی طرف لوٹاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ومن یکسب خطیئة او اثما ثم یرم به بریئا" اگر تو چاہے تو اس کا بوجھ اپنے اوپر لے لے۔ اس کا قول "وما انزل علیکم من الکتاب والحکمة یعظکم به" یہاں اس آیت میں "بهما" نہیں فرمایا (وما للظالمین اور نہیں ہے ظالموں کے لیے) صدقہ کو صحیح راہ میں خرچ کرنے کے بجائے دوسرے راستے میں خرچ کرنے والے حرام جگہوں میں صدقہ کرنے والے (من انصار کوئی مددگار) جو ان سے اللہ کے عذاب کو دور کرے، انصار جمع ہے نصیر کی جیسے شریف کی جمع ہے اشراف۔

⊕ (ان تبدوا الصدقات اگر تم ظاہر کرکے صدقہ دو) یعنی تم ان صدقات کو ظاہر کرو (فنعما ھی تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) تو یہ بہت خصلت ہے۔ ما محل رفع میں اور "ھی" محل نصب میں واقع ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "نعم الرجل رجلاً. فاذا عرفت رفعت" اس کے جواب میں کہا جائے "نعم الرجل زید" یہ اصل میں اس طرح تھا "نعم ما وصلت" اہل مدینہ وغیرہ نے "نعم" کو غیر پڑھا ہے۔ "فنعما" نون کے کسرہ اور عین ساکن کے ساتھ۔ ابن عامر، حمزہ، کسائی نے نون کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن کثیر و نافع کی روایت کے ساتھ۔ یعقوب و حفص نے ان دونوں کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ساری لغات صحیح ہیں اور اسی طرح سورۃ نساء میں ہے (وان تخفوها اگر تم اس کو چھپا کے دو گے) "تخفوها" کے معنی "تسروها" یعنی تم چھپا کر صدقہ کرو (وتؤتوها الفقراء اور پہنچا دو تم تنگدست کو یعنی تم فقراء کو چپکے سے دو (فهو خیر لکم) تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور افضل ہے۔ یہ سب کچھ مقبول ہے جب اس کی نیت درست ہو لیکن صدقہ چھپا کر دینا افضل ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ چھپا کر صدقہ کرنا رب کے غضب کو مٹاتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات اشخاص قیامت کے دن اللہ کے سایہ میں ہوں گے جس دن کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ ① امام عادل ② جوان جس نے اللہ کی عبادت میں اپنی زندگی بسر کی۔ ③ وہ شخص جس کا دل مسجد کی طرف لٹکا رہتا ہے۔ جب وہ مسجد سے نکلتا ہے یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آئے۔ ④ وہ دو شخص جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں جب جمع ہوتے ہیں اور جب جدا ہوتے ہیں تو اللہ کی رضا کے لیے ⑤ وہ شخص جس کی آنکھیں اللہ کے ذکر سے تر ہوگئیں اور آنسو جاری ہوگئے۔ ⑥ وہ شخص

جس کو عالی منصب و جاہ والی عورت اپنی حاجت کے لیے بلائے تو وہ کہے کہ مجھے اللہ کا خوف ہے۔ ⑦ وہ شخص جو اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہے اور اس کو اتنا چھپکے سے دیتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو اس کا علم ہی نہیں ہوتا۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت نفلی صدقہ کے بارے میں ہے کیونکہ زکوٰۃ کا اظہار ضروری ہے تا کہ اور لوگوں کو بھی زکوٰۃ دینے کی تعلیم حاصل ہو جس طرح فرض نماز جماعت کے ساتھ افضل ہے اور نفل گھر میں افضل ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت فرض زکوٰۃ کے بارے میں ہے کہ آپ علیہ السلام کے زمانے میں زکوٰۃ چھپکے سے دینا افضل تھا، فی زمانا اس کا اظہار ضروری ہے تا کہ کسی کو بدگمانی نہ ہو (کہ فلاں شخص کتنا صاحب مال ہے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا)۔

(ویکفر عنکم سیاٰتکم اور اس سے دور کر دیں گے تمہارے کچھ گناہ) یہ قرأت حضرت حفص اور ابن عامر کی ہے۔ ابن کثیر، اہل بصرہ اور ابوبکر نے نون اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عبارت اس طرح بنے گی "ونحن نکفر" ابن عامر اور حفص نے یاء اور راء کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے، یہ عبارت بنے گی "ویکفر اللّٰہ" اہل مدینہ وحمزہ وکسائی نون اور جزم ہے اس کا عطف مدخول فاء پر ہے اور یہ جزم کی جزا میں واقع ہے "ای فھو خیر لکم" اور "من سیاٰتکم" میں من صلہ ہے تقدیری عبارت "نکفر منکم سیاٰتکم" بعض نے کہا کہ یہ تحقیق اور تبعیض کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے (واللہ بما تعملون خبیر اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں)

لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

ترجمہ: ان (کافروں) کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ (فرض وواجب) نہیں ولیکن خدا تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت پر لے آویں۔ اور (اے مسلمانو) جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدے کی غرض سے کرتے ہو۔ اور تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے بجز رضا جوئی ذات پاک حق تعالیٰ کے اور (نیز) جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب (یعنی اس کا ثواب) پورا پورا تم کو مل جاوے گا اور تمہارے لئے اس میں ذرا بھی کمی نہ کی جاوے گی۔

تفسیر: ﴿۲۷۲﴾ (لیس علیک ھداھم ان کو ہدایت پر لے آنا آپ پر لازم نہیں) امام کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ کچھ مسلمانوں کو یہودیوں کے ساتھ سسرالی رشتہ داری تھی۔ اسلام لانے سے پہلے یہ ان پر خرچ کرتے تھے لیکن مسلمان ہونے کے بعد ان پر خرچ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے اور ان کا یہ ارادہ تھا کہ وہ اسلام لے آئیں تو ہم ان پر خرچ کریں گے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ اہل ذمہ والوں پر خرچ کرتے تھے۔ جب مسلمان فقراء کی تعداد بڑھ گئی تو آپ علیہ السلام نے مشرکین پر خرچ کرنے سے منع کر دیا تا کہ یہ محتاج ہو کر اسلام میں خود بخود داخل ہو جائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل فرمائی "لیس علیک ھداھم" (ولکن اللہ یھدی من یشاء لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) اللہ

اس کو ہدایت کی توفیق عطا فرماتے ہیں یا اس سے واضح ہدایت ہے اور آپ علیہ السلام کے زمانے میں دعوت دی جاتی تو اللہ کی طرف سے ہدایت مل جاتی تھی۔اس آیت کے نزول کے بعد (وما تنفقوا من خیر فلانفسکم اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدے کے لیے) اس سے مراد مال ہے جو مال تم اپنے نفسوں پر خرچ کرتے ہو (اور تم کسی اور غرض سے خرچ نہیں کرتے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے) اس طرح ایک لفظ "جحد" بھی آتا ہے اس کا معنی "نہی" ہے یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں (ورنہ وہ خرچ نہیں کرتے) (اور جو مال تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے) یہ پہلے جملے کی شرط ہے اس وجہ سے ان دونوں میں نون کو حذف کیا گیا۔(یوف الیکم وہ پورا پورا تمہیں ادا کیا جائے گا) تمہیں اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی، اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔مطلب یہ ہے کہ روز قیامت کے دن واپس تمہیں لوٹا دیا جائے گا (نیکیوں کی صورت میں)

(وانتم لاتظلمون اور تمہاری حق تلفی نہیں کی جائے گی) تمہارے اعمال کے ثواب میں کسی چیز کی کمی نہیں کی جائے گی۔ یہ نفلی صدقہ کے متعلق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اور غیر مسلم کے لیے مباح کیا ہے کہ غیر مسلم کو بھی دینا جائز ہے اور زکوٰۃ صرف مسلمانوں کو دینا واجب ہے اور یہی وہ فریق جن کو سورۃ توبہ میں ذکر کیا گیا۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۞

ترجمہ: (صدقات) اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں (اور اس وجہ سے) وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادتاً) امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو (کہ فقر و فاقہ سے چہرہ پر اثر ضرور آجاتا ہے) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے اور جو مال خرچ کرو گے و بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے

تفسیر: ۞ (للفقراء ...... سبیل اللہ) (اصل حق ان فقیروں کا ہے جو قید ہیں اللہ کی راہ میں) "للفقراء" میں لام کے متعلق آئمہ کا اختلاف ہے۔بعض حضرات کے نزدیک یہ "فلانفسکم" کے لام کی جگہ استعمال کیا گیا۔گویا کہ اس نے یوں کہا "وما تنفقوا من خیر فللفقراء" کہ وہ خرچ نہیں کرتے خیر میں صرف فقراء کے لیے بے شک وہ اپنے لیے خرچ کرتے ہیں۔

فقراء سے کون سے لوگ مراد ہیں اصحاب صفہ کی تعداد

بعض نے کہا کہ ان سے مراد وہ صدقات ہیں جو ما قبل میں ذکر کیے جا چکے ہیں۔

بعض نے کہا کہ اس کی ضمیر محذوف ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی "للفقراء الذین صفتھم کذا حق واجب وھم للفقراء

المهاجرین " یعنی وہ فقراء جو اس صفت کے ساتھ متصف ہوں ان پر اب حق واجب ہے اور وہ فقراء مہاجرین ہیں اور ان فقراء مہاجرین کی تعداد چار سو تک تھی یہ فقراء ایسے تھے جن کے رہنے کے لیے مدینہ میں نہ مکانات تھے اور نہ کھانے پینے کے لیے کوئی سامان، یہ مسجد میں قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور دن کو کھجوروں کی گٹھلیوں پر گزارہ کرتے اور انہی سے آپ علیہ السلام جہاد کے لیے لشکر بھیجا کرتے تھے۔ یہ اصحاب صفہ والے کہلاتے تھے۔ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اور لوگوں کو ان پر خرچ کرنے پر ابھارا۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدد کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اسی لیے شام کے وقت جس کے پاس کوئی چیز ہوتی تو وہ ان کو دے دیتا۔ "الذین احصروا" سے مراد قتادہ کے ہاں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے راستے میں روکے رکھا۔

لا یستطیعون ...... الارض (وہ اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے کہیں آ جا نہیں سکتے اور نہ روزی کما سکتے ہیں) وہ تجارت اور طلب معاش کے لیے فارغ نہیں ہوتے اور یہ اہل صفہ والے تھے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور

بعض نے کہا کہ مراد اس سے وہ جو اپنے نفسوں کو اللہ کی اطاعت میں روکے رکھا ہو۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ ہیں جن کو فقر نے روکے رکھا ہوا اور وہ جہاد کے لیے نہ جا سکتے ہوں۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد وہ مجاہدین ہیں جن کو آپ علیہ السلام کے ساتھ جہاد میں کوئی زخم پہنچے وہ اس زخم کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید ہو کر رہ گئے کہ وہ زمین پر چل پھر نہیں سکتے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے جہاد میں اتنا حصہ لیا کہ دنیا میں ان کے مخالفین بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ اس وجہ سے یہ اپنے گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے (یحسبھم اور وہ گمان کرتے ہیں) ابو جعفر، ابن عامر، عاصم، حمزہ رحمہم اللہ وغیرہ نے پڑھا ہے اور باقیوں نے "یحسب" سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ (الجاھل ان کے حال سے ناواقف ہے) جاہل سے مراد ان کے حال سے ناواقفیت ہے (اغنیاء من التعفف ان کو غنی سمجھتے ہیں سوال سے بچنے کے سبب) سوال سے بچنے کی غرض سے اور تھوڑے پر قناعت کرتے ہوئے تو تم لوگ ان کے ان احوال کو دیکھ کر ان کو غنی نہ سمجھو۔ تعفف باب تفعل سے بمعنی ترک کرنا۔ جیسے کہا جاتا ہے "عف عن الشئ" جب کسی چیز سے بچا جائے اور تعفف بولتے ہیں جب کسی چیز کے رکنے سے تکلف اٹھایا جائے (تعرفھم بسیماھم آپ ان کو ان کی نشانی سے پہچان لو گے) "السیماء والسیمۃ" وہ علامت جس کے ذریعے سے کسی چیز کو پہچانا جاتا ہے۔ اس مقام پر اس کے معنی کے تعین میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

تعرفھم بسیماھم کی تفسیر میں مختلف اقوال

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خشوع اور تواضع مراد ہے۔

امام سدی فرماتے ہیں کہ ان کے چہروں پر بھوک اور فقر کے نشانات ہوں گے۔

امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان کے چہرے کی زردگی ان کی بھوک کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔

بعض نے کہا "سیماھم" سے مراد کپڑوں کا بوسیدہ ہونا ہے۔ (لا یسئلون الناس الحافاً نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر) عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ان کے پاس صبح کا کھانا ہوتا تو وہ شام کے لیے سوال نہیں کرتے تھے اور جب شام کے لیے کھانا موجود ہوتا تو صبح کے لیے سوال نہ کرتے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد اصلاً (کبھی بھی) کسی سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اسی لیے ان کے لیے تعفف کا استعمال کیا گیا اور تعفف ترک سوال کو ہی کہتے ہیں۔ "ولانہ قال تعرفھم بسیماھم" اگر یہ لوگ سوال کرتے ہوتے تو ان کو اس علامت کے ساتھ نہ ذکر کرتے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ان لوگوں میں سوال کرنا نہیں ہوتا تو الحاف بھی کبھی واقع نہیں ہوا۔ الحاف کہا جاتا آہ وزاری اور چمٹ لپٹ کر کسی سے مانگنا۔ (سند کے ساتھ ذکر کیا) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص رسی لے کر جنگل کی طرف چلا جائے اور وہاں لکڑیاں کاٹ کر گٹھا باندھ کر اپنی پشت پر لاد کر لا دے اور اس کو بیچ کر پیسے کمائے اور اس سے اپنی عزت وعفت کو بچائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے کہ وہ اس کے سوال پر دیں یا نہ دیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں کہ جو لوگوں سے سوال کرتا پھرے اور لوگ اس کو ایک لقمہ یا دو لقمے عطا کریں یا ایک کھجور یا دو کھجور عطا کردیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ پھر مسکین کون ہے؟ فرمایا کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ کسی کو غنی کردے اور نہ ہی اس کے پاس پیٹ بھرنے کے بطور کھانا وغیرہ ہو کہ وہ اس کو صدقہ کرے اور نہ ہی کسی کے پاس سوالی بن کر کھڑا ہو۔

قبیصہ بن مخارق سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے لیے بوجھ لادا کرتا تھا۔ میں آپ علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی قوم کے لیے بوجھ لادا کرتا تھا اور میں آپ علیہ السلام کے پاس مدد کے لیے آیا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے بوجھ لادوں گا، پہلے تم جا کر ان کے صدقات ان کے حوالے کرو۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا اے قبیصہ! سوال کرنا حرام ہے مگر تین وجوہ سے جائز ہے۔ ایک کسی شخص کو سخت حاجت پیش آئے حتیٰ کہ اس کا مال ختم ہو جائے تو وہ سوال کرے۔ یہاں تک کہ وہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے تو اس کو سوال کرنا ترک کردینا چاہیے اور دوسرا شخص وہ ہے جس کو تین سال تک تنگدستی آئے تو اس شخص کے لیے سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ اس کے پاس کھانے پینے کی سہولت نہ ہو جائے اور تیسرا وہ شخص جو کسی کا بوجھ لادتا ہو تو وہ سوال کرسکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غنی ہو جائے پھر وہ سوال سے رک جائے۔ اس کے علاوہ جو سوال کرے گا اس کا کھانا حرام ہوگا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگوں سے کسی چیز کا سوال کرے حالانکہ سوال کرنے سے غنی بنا دینے والی اس کے پاس موجود ہو تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی۔ خموش، خدوش کا ایک ہی معنی ہے کہ لکڑی کے ساتھ خراشیں لگانا اور کدوح وہ خراشیں جو دانت کے کاٹنے سے حاصل ہوں۔ عرض کیا گیا کہ غنی کردینے والی چیز کیا ہے؟ فرمایا پچاس درہم یا

اس کے بقدر ہوتا (اور جو مال تم خرچ کرو گے) خیر سے مراد مال ہے فان اللہ بہ علیم (اللہ اس سے بخوبی واقف ہے)۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ترجمہ: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں (یعنی بلا تخصیص اوقات) پوشیدہ اور آشکارا (یعنی بلا تخصیص حالات) سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا ان کے رب کے پاس اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

تفسیر: ۲۷۴ (الذین ...... وعلانیۃ جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں دن و رات کو پوشیدہ و یا علانیہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کے پاس چار دراہم تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک درہم رات کو اور ایک درہم دن کو اور ایک درہم پوشیدہ اور ایک علانیہ صدقہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ" تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بہت سارے دراہم کثیرہ اصحاب صفہ کو بھیجے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک وسق تمر آدھی رات کو بھیجی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار" اس سے مراد دن کے وقت اعلانیہ صدقہ کرنا عبدالرحمن بن عوف کا اور رات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صدقہ کرنا خفیہ طور پر۔ ابو امامہ، ابوالدرداء، مکحول، اوزاعی فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو اپنے گھوڑوں کو جہاد کے لیے تیار رکھتے اور ان کو دن رات چراتے سراً بھی اور علانیہ بھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے گھوڑے باندھے اور وہ اللہ پر ایمان بھی رکھتا ہے اور اس کے وعدہ کو سچا سمجھتا ہے تو گھوڑے کا کھانا پینا، لید، پیشاب، قیامت کے دن اس کے میزان میں رکھا جائے گا۔ (فلھم اجرھم عند ربھم تو ان کا اجر اللہ کے پاس مخصوص ہے) اخفش کا قول ہے یہاں خبر کے جواب پر فاء داخل کی ہے۔ اس لیے "الذین" بمعنی "من" کے ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اتنا خرچ کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس اتنا ہی ہے (ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون نہ اس کو کسی کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ۞ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞

ترجمہ (اور) جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہونگے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش) یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے (لیا) ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا اور (باطنی) معاملہ اس کا خدا کے حوالہ رہا اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جاویں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو (اور) کسی گناہ کے کام کرنے والے کو ۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور (بالخصوص) نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی۔ ان کے لئے انکا ثواب ہوگا ان کے پروردگار کے نزدیک اور (آخرت میں) ان پر کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

تفسیر ۞ (الذین یاکلون الربا جو لوگ سود کھاتے ہیں) جو اس میں معاملہ کرتے ہیں یہاں کھانے کے ساتھ خصوص قرار دیا کیونکہ مال کی کمائی کا مقصود کھانا ہی ہوتا ہے (لایقومون نہیں اُٹھیں گے الا کما یقوم الذی یتخبطہ قیامت کے دن قبروں سے نہیں اُٹھیں گے) مگر اس طرح جیسے جن کا چھوا ہوا شخص اُٹھتا ہے) "یتخبطہ" سے مراد جلد چھونے والا ہے خبط کا معنی ہے سخت ضرب جس کے ساتھ بگاڑ بھی ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے "ناقۃ خبوط" وہ اونٹنی جو اپنے پاؤں سے لوگوں کو روندے (من المس چھونے سے) مس سے مراد جنون ہے یا چھوا جانا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آپ علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے قصہ میں فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے بہت سارے لوگوں کے پاس لے گئے، ان لوگوں میں سے ہر ایک کا پیٹ بڑے کمرے کی طرح تھا، یہ لوگ فرعونیوں کی گزرگاہ کے سامنے تھے۔ فرعونی لوگ بھڑکائے ہوئے ان اونٹوں کی طرح جو اندھا دھند پتھروں اور درختوں کو روندتے چلے جاتے کچھ نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے سے گزرتے تو ان کو آہٹ محسوس ہوتی تو وہ کھڑے ہونے لگے لیکن ان کے پیٹ ان کو لے جھکے اور وہ گر پڑے۔ وہ آگے سے ہٹ نہ سکے یہاں تک کہ فرعونی ان پر سے گزرتے اور روندتے چلے جاتے۔ آتے وقت بھی روندتے اور جاتے وقت بھی گویا یہ ان کو عذاب برزخ دیا جاتا ہے، دنیا میں اور آخرت کے درمیان میں دیا جاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرعونی کہہ رہے تھے کہ اے الٰہی کبھی قیامت بپا نہ کرنا کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرعونیوں کو سخت عذاب میں مبتلا کر دو، میں نے کہا اے جبرائیل علیہ السلام یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا

کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے یہ نہیں اٹھیں گے مگر اس طرح جیسا کہ جن زدہ آدمی جن کے چمٹنے کی وجہ سے اٹھتا ہے۔

(ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے) یہ آیت اس وجہ سے کہ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ سود بیع کی طرح ہے اور بیع جس طرح حلال ہے اس طرح سود بھی حلال ہے۔ اس وجہ سے سود کی حرمت نازل ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں جو کوئی دوسرے مال کو اپنے لیے حلال سمجھتا تھا تو وہ اس سے مال کا مطالبہ کرتا تھا۔ غریم کو کہا جاتا کہ یہ فلاں کا حق ہے۔ اس کی ادائیگی میں جلدی کرو تا کہ تمہارے مال میں اور زیادتی کی جائے۔ وہ دونوں اس طرح کرتے اور ان دونوں کو کہا جاتا کہ برابر ہے کہ یہ زیادتی اول ربح میں حاصل ہو یا تاخیر سے حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی تکذیب کی اور فرمایا (واحل اللہ البیع وحرم الربوا اللہ نے تمہارے لیے بیع کو حلال قرار دیا اور ربا کو حرام قرار دیا) ربوا لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن میں آتا ہے "وما اٰتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس" اس سے کثرت مراد ہے۔ اگر مطلق زیادتی ہو تو پھر تجارت کے ذریعے سے جو زیادتی حاصل ہوتی ہے وہ حرام نہیں ہوتی۔ حرام وہ زیادتی ہوتی ہے جو خاص صفت کے ساتھ مال مخصوص میں ہو جس کو آپ علیہ السلام نے بیان فرمایا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہ بیچو سونے کو سونے کے بدلے میں، اور نہ چاندی کو چاندی کے بدلے میں اور نہ گندم کو گندم کے بدلے اور نہ جَو کو جَو کے بدلے اور نہ کھجور کو کھجور کے بدلے میں اور نہ نمک کو نمک کے بدلے میں مگر برابر سرابر آمنے سامنے ہاتھ در ہاتھ لیکن سونے کو چاندی کے بدلے میں اور چاندی کو سونے کے بدلے میں اور گندم کو جَو کے بدلے میں اور جَو کو گندم کے بدلے میں یا کھجور کے بدلے میں ہاتھ در ہاتھ جیسا کہ تم چاہو۔ خواہ ان دونوں اشیاء میں ایک کم ہو۔ نمک، تمر وغیرہ یا زیادہ ہو اور اگر دونوں کی جنس ایک ہو اور اس میں کمی زیادتی ہو تو ربا ہے۔ یہ روایت مطرف عن محمد بن سیرین مسلم بن یسار سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبداللہ بن عتیک سے اور وہ عبادہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد چھ اشیاء میں نص ہے۔ بعض اہل علم کا اس میں یہ قول ہے کہ ربا کا حکم انہی اشیاء میں ثابت ہوتا ہے جب یہ اوصاف دوسری چیزوں میں پایا گیا تو وہاں بھی ربوا متحقق ہوگا۔ پھر آئمہ کرام کا اس کے اوصاف میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا کہ ربوا کا معنی نفع ہے۔ لہٰذا ربوا تمام مالوں میں ثابت ہے۔

اور اکثر لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ربوا صرف دراہم اور دنانیر کے وصف کے ساتھ پایا جائے گا اور وہ ثمنیت ہے اور دوسری اشیاء میں ربوا کی علت طعم ہوتا ہے۔ اب اس وصف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ دراہم و دنانیر میں علت نقدی (ثمنیت) ہوتا ہے۔ یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے اور بعض حضرات کے نزدیک ربوا کی علت قدر ہے اور یہی اصحاب الرائی کا قول ہے اور اس صورت میں ربوا تمام موزونات میں مثلاً لوہا، روئی وغیرہ میں پایا جائے گا اور باقی چار اشیاء میں علت ربوا کیل ہے اور یہی اصحاب الرائی کا قول ہے۔ ربوا تمام مکیلات میں ہوتا ہے خواہ ان میں طعم پایا جائے یا نہ پایا جائے جیسے چونا، کوئلہ وغیرہ اور بعض حضرات کے نزدیک طعم کے ساتھ کیل مع الوزن بھی علت ہے۔ یعنی جو چیز مطعوم ہو اور کیلی اور وزنی

ہو تو اس میں ربوا ہوتا ہے کسی زیادتی کے ساتھ۔ ان کے ہاں صرف مکیلی یا موزونی ہونا ربوا کی علت نہیں ہے اور یہ قول سعید بن المسیب کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول ہے اور جدید قول یہ ہے کہ ربوا کی علت طعم کے ساتھ ہے لہٰذا تمام مطعومات والی اشیاء میں خواہ وہ پھل ہوں یا سبزیاں ہوں یا کوئی ادویہ ہوں مکیلی ہوں یا موزونی ان میں اگر طعم پایا گیا تو ربوا ہوگا۔ جیسا کہ معمر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کھانے کو کھانے کے بدلے بیچنا ہاتھ در ہاتھ مثل در مثل۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ربوا کی علت طعم ہے۔

ربوا کی دو قسمیں ہیں "ربوا للفضل، ربوا النساء" جب کسی نے مال ربوا اس کی جنس کے ساتھ فروخت کیا برابر سرابر اسی طور پر کہ اس نے ایک نقد کے ساتھ اور ایک ادھار کے ساتھ یا کھانے والی اشیاء اسی جنس کے ساتھ جیسے گندم کو گندم کے بدلے میں اور اسی طرح یہ ربوا کی قسم میں سے ہے یہ جائز نہیں مگر تساوی کے ساتھ اگر وہ موزونی ہو جیسے دراہم و دنانیر مساوات وزن میں شرط ہے اور اگر مکیلی چیزیں ہوں جیسے گندم جَو اس کی جنس کے ساتھ بیچے تو اس کے کیلی میں مساوات شرط ہے اور مجلس کے اندر قبضہ کرنا بھی شرط ہے۔ اگر جنس مختلف ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ ربوا والا وصف اس کے موافق ہے کہ نہیں۔ مثلاً کسی نے کھانے کی کوئی چیز نقدی چیزوں کے بدلے میں فروخت کی تو اس میں ربوا نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی نے کوئی چیز بغیر مال کے بیچا۔ اور اگر ایسی چیز بیچی جس کا وصف ایک ہو مثلاً دراہم کو دنانیر کے بدلے میں یا گندم کو جَو کے بدلے میں یا طعم والی چیز کو طعم کے ساتھ بغیر جنس کے تو اس میں زیادتی ربوا نہیں۔ لہٰذا اس کو تفاضل کے ساتھ اور اندازے کے ساتھ جائز نہیں۔ "ربوا النساء" میں اور اسی کو مجلس میں قبضہ شرط ہے۔ آپ علیہ السلام کا قول کرنہ بیچو سونے کو سونے کے بدلے سے۔ آخر حدیث "الا سواء بسواء" تک اس حدیث میں مماثلت برابری سرابری واجب ہے اور تفاضل (زیادتی) حرام ہے جب جنس ایک ہو۔ اس حدیث میں عین بعین اس میں اُدھار کو حرام قرار دیا اور "یداً بید" سے مطلق تفاضل جب جنس مختلف ہو تو مجلس میں قبضہ واجب ہے۔ یہ "ربوا مبایعہ" ہے اور جو شخص کسی سے اس شرط پر قرض لے کہ وہ اس سے زیادہ لوٹائے گا تو یہ قرض منفعت کہلائے گا اور ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل ہو وہ ربوا ہے۔ (فمن جاءہ موعظۃ من ربہ پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی) نصیحت کا پہنچنا خواہ تخویف کے ساتھ ہو یا تذکیر کے ساتھ یہاں پر فعل کو وعظ کی طرف لوٹایا گیا (فانتھی پس وہ رُک گیا) سود کھانے سے (فلہ ما سلف تو اس کے لیے جو کچھ ہو چکا وہ اسی کا رہا) گناہوں میں سے جو وہ پہلے کر چکا اس نہی سے پہلے وہ مغفور ہیں (وامرہ الی اللہ اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے رہا) سود کی ممانعت کے بعد چاہے تو جو اس سے بچے گا اس کا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا وہ چاہے تو اس کو ثابت قدم رکھے اور چاہے تو اس کو پھسلا دے اور بعض نے کہا کہ اس کا یہ کام اللہ کے سپرد ہے اس چیز کے بارے میں وہ اس کو حکم کرتا ہے یا لوگوں کو روکتا ہے اور جو لوگوں کے لیے اس کو حرام کرتا ہے اور حلال کرتا ہے اور نہیں ہے اس کی طرف کوئی چیز (ومن عاد اور جو شخص لوٹ آئے) سود کے حرام ہونے کے بعد اس کو حلال سمجھتا ہے تو (فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون یہ آگ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)......

عوف بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے منع فرمایا خون کے ثمن سے، کتے کی بیع کے ثمن سے، زانی کے ثمن اور لعنت فرمائی سود کھانے والے، کھلانے والے اور گودنے والی، گدوانے والی اور تصویر بنوانے والے پر۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر کھلانے والے پر لکھنے والے پر اور حاضر کرنے والے پر اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سود کے ستر (مفاسد) دروازے ہیں ان میں ادنیٰ اپنی ماں سے زنا کرنا ہے۔ (نعوذ باللہ)

● ویمحق اللہ الربوا ..... کفار اثیم (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں) اس کو کم کرتے اور اس کے ذریعے مال کی ہلاکت اور اس کے ذریعے سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ "یمحق اللہ الربوا" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے نہ صدقہ قبول کرتے ہیں نہ جہاد، نہ حج اور نہ ہی کوئی صلہ رحمی (ویربی الصدقات اور صدقات کو بڑھاتے ہیں)۔

اس کے ثمرات اور ان کے لیے دُنیا میں برکت اور اس کے لیے دگنا اجر اور آخرت میں ثواب دیا جائے گا (واللہ ..... کفار اور اللہ تعالیٰ کسی کفر کرنے والے اور گناہگار کو پسند نہیں کرتے) اس سے مراد سود ہے۔ اثیم اس کے کھانے کے سبب۔

● .....(ان الذین ..... یحزنون بے شک وہ لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی، ان کے لیے اُن کا ثواب ہوگا، ان کے رب کے نزدیک اور ان پر کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے)۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ●

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان والے ہو۔

تفسیر: ● (یا یھا ..... من الربوا اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور بقیہ سود چھوڑ دو) عطاء و عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عباس بن عبدالمطلب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے کچھ خشک کھجوریں بیع سلم کے طور پر خریدی تھیں جب فصل ٹوٹنے کا وقت آیا تو خشک کھجوروں والے نے کہا کہ اگر آپ لوگ اپنا پورا حق لے لیں گے تو میرے بچوں کی ضرورت کے لیے کچھ نہیں بچے گا اس لیے مناسب ہے کہ آپ آدھا واجب الادا حق اس وقت لے لیجئے اور باقی کے لیے مدت مقرر کیجئے، میں آپ کو دوگنا کر کے دیدوں گا۔ دونوں حضرات اس تجویز پر رضامند ہو گئے۔ جب مدت مقررہ پوری ہو گئی اور وقت مقررہ آ گیا تو زیادتی کا مطالبہ کیا اس کی اطلاع آپ علیہ السلام کو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی ممانعت فرما دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات عباس اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئیں کہ یہ دونوں حضرات زمانہ جاہلیت میں قبیلہ بنو ثقیف کے بنی عمرو بن عمیر کو سودی قرض دیا کرتے تھا اور یہ دونوں اس کاروبار میں شریک تھے۔ جب اسلام آیا تو ان کا اس وقت بڑا سودی روپیہ لوگوں پر تھا انہی کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ حجۃ الوداع میں عرفہ کے

دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا خوب سن لو جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں کے نیچے ہے۔ جاہلیت کے خون ساقط کر دیے گئے، اپنے خونوں میں سے سب سے پہلا خون ربیعہ بن حارث کا ساقط کرتا ہوں۔ یہ ربیعہ بن حارث کے قبیلے کے شیر خوار تھے۔ بنو حذیل نے ان کو قتل کر دیا، جاہلیت کا سود ساقط کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سود ساقط کرتا ہوں، عباس کا سب سود چھوڑ دیا گیا۔

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول قبیلہ ثقیف کے چار آدمیوں کے متعلق ہوا۔ مسعود عبد یالیل حبیب اور ربیعہ یہ چاروں عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے بیٹے تھے کہ یہ لوگ بنو مغیرہ بن عبداللہ بن عمیر بن مخزوم سے قرض لیا کرتے تھے اور یہ اس پر سود لیتے تھے۔ جب یہ لوگ طائف میں اسلام لے آئے تو انہوں نے بنو مغیرہ سے سود طلب کیا۔ اس پر بنو مغیرہ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم لوگ اسلام میں سود نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے سود کو مٹا دیا ہے پس یہ جھگڑا عتاب بن اسید کے پاس چلا گیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ میں عامل تھے۔ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا اور ان کے پاس بہت کثیر مال تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

ترجمہ: پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا) اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جاویں گے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی تم پر ظلم کرنے پائے گا۔ اور اگر تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے۔ آسودگی تک۔ اور یہ (بات) کہ معاف ہی کر دو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو۔

تفسیر: ﴿۲۷۹﴾ فان لم تفعلوا پھر اگر تم نہ کرو گے یعنی اگر تم سود سے نہیں بچو گے فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ تو آگاہ ہو جاؤ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ)

"فاذنوا" حضرت حمزہ، عاصم نے بروایت ابی بکر مد کے پڑھا ہے۔ "آمنوا" کی طرح مطلب یہ ہے کہ پس تم جان لو کہ تمہارے لیے جنگ کا اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ "فاذنوا" یہ اصل میں اذن سے ہے اور بعض دوسرے قراء نے بغیر مد اور ذال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ جان لو تم اور یقین کر لو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے اعلان کا سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سود کھانے والے کو کہا جائے گا لڑائی کے لیے اپنے ہتھیار تیار کرنے۔ اہل معانی نے فرمایا کہ حرب اللہ سے مراد النار ہے یعنی اللہ کی طرف سے جنگ کا

اعلان کا مطلب ہے کہ دوزخ تیار کی ہوئی ہے اور حرب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد تلوار ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس کے لیے تلوار تیار کی ہوئی ہے۔

(وان تبتم اور اگر تم توبہ کرلو گے) تم سود کو حلال سمجھنا چھوڑ دو گے اور اس سے رجوع کرلو گے (فلکم رؤس اموالکم لاتظلمون تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے) کسی سے زیادہ مال طلب کر کے اس پر ظلم نہ کرو (اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا) یعنی اس کے بدلے میں تمہیں نقصان نہیں دیا جائے گا۔ بنو عمرو ثقفی سود کا کاروبار کرتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ چنانچہ سب لوگ اپنا اصل مال لینے پر راضی ہو گئے۔ اس پر بنو مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور فصل توڑنے تک مہلت کے خواہش مند ہوئے لیکن قرض خواہوں نے مہلت دینے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

۞ (وان کان ذوعسرۃ اگر کوئی تنگ دست ہو) اگر کوئی تنگدست قرض ہو "کان" کی خبر یہاں ذکر نہیں کی گئی کیونکہ اگر اسم نکرہ ہو تو خبر کو ذکر نہ کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "ان کان رجلاً صالحًا فاکرمہ" اور بعض نے کہا کہ "کان" بمعنی "وقع" کے ہے اس صورت میں کان خبر کا محتاج ہوگا۔ ابو جعفر عسرۃ سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے (فنظرۃ پس مہلت دے) یہ مبتداء مؤخر ہے اور عبارت محذوف ہے۔ "فعلیہ نظرۃ" (الی میسرۃ کشادگی تک) نافع نے سین کے ضمہ کے ساتھ "میسُرۃ" اور دوسرے قراء نے سین کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سین کے ضمہ کے ساتھ "میسُرۃ" اضافت کی وجہ سے اس کا معنی "یسار وسعۃ" ہے یعنی قرض خواہ پر وسعت اور کشادگی کرے (وان تصدقوا اور اگر تم معاف کر دو گے) تم قرض خواہ پر اصل مال معاف کر دو گے۔ اس کی تنگی کی بناء پر (خیر لکم ان کنتم تعلمون تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کو خبر ہو) عاصم نے "تصدقوا" میں بغیر تشدید کے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے صاد کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

تنگ دست کو ادائے قرض میں مہلت دینے کی فضیلت

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ کسی شخص سے قرض کا مطالبہ کر رہے تھے، وہ شخص چھپ گیا۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس شخص نے کہا تنگ دستی کی وجہ سے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے تنگدستی ہونے کی قسم لی تو اس نے قسم کھالی، آپ نے چیک منگوا کر اس کو دے دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص تنگدست کو مہلت دے یا اس کے قرض کو معاف کر دے اللہ قیامت کے دن اس کو سختیوں سے محفوظ رکھے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتوں نے پہلی امتوں میں سے کسی شخص کی روح قبض کی اور اس سے پوچھا کہ کبھی تو نے کوئی نیک کام کیا ہے اس نے جواب دیا نہیں۔ ملائکہ نے کہا کہ یاد کر، اس نے کہا کہ میں نے کوئی نیکی نہیں کی، ہاں اتنی بات ہے کہ جن لوگوں کو میں قرض دیا کرتا تھا اور

میں نے اپنے کارندوں سے کہہ دیا تھا کہ تنگدست کو معاف کر دیا کرو اور فراخدست کو مہلت دیا کرو، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم بھی اس شخص سے درگزر کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ علیہ السلام سے جھگڑا کیا حتیٰ کہ اس نے جھگڑے میں مزید شدت اختیار کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو گھورنا پکڑنا چاہا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اس بھائی کا حق مجھ پر ہے اس کے لیے ایک اونٹ خرید و اور اس کو عطا کر دو تو وہ کہنے لگا کہ میں اس سے افضل اونٹ لوں گا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ایسا ہی خرید کر دو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی خرید کر دیا اور فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جو ادائیگی میں اچھا ہو۔

قرض ادا کرنے' ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مومن کا دل قرض کے ساتھ لٹکا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کو ادا نہ کرے۔ حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ انصاری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) جو شخص اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے (ثابت قدمی پر) صبر کرتے ہوئے اور جہاد کے میدان میں پیٹھ بھی نہ پھیرے تو کیا اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرما دیں گے؟ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جی ہاں جب وہ شخص چلا گیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو دوبارہ بلوایا یا بلوانے کا حکم دیا پھر اس کو آواز دی گئی جب وہ شخص آ گیا تو آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ میں نے کیسے کہا اس بات کو دوبارہ لوٹاؤ، پھر اس کی بات مکمل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا جی ہاں! سب کچھ معاف ہو جائے گا مگر دین (قرض) معاف نہیں ہوگا۔ اسی طرح جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے تھے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

ترجمہ: اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا (یعنی اس کا بدلہ) پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔

تفسیر: ﴿۲۸۱﴾ (واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن تمہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا) اہل بصرہ نے "تَرْجِعُوْنَ" پڑھا ہے یعنی تم لوٹو گے اور بعض حضرات نے "تُرْجَعُوْنَ" تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور جیم کے فتحہ کے ساتھ مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (ثم توفی ..... یظلمون پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کا بدلہ دیا جائے گا) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کو سورۃ بقرہ کی دو سو اسی آیت کے بعد رکھ لو اس کے نزول کے بعد آپ علیہ السلام اکیس دن زندہ رہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ نو راتیں زندہ رہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سات راتیں زندہ رہے اور آپ علیہ السلام کی وفات پیر کے دن تین ربیع

الاوّل کو زوال کے بعد گیارہ ہجری میں ہوئی۔ امام شعبی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آخری آیت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ سود کے متعلق تھی۔ بعض نے کہا کہ آیت پر وحی کو ختم کردیا۔ "یا یھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمّی" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب سود کو حرام کیا تو سلم کو حلال قرار دیا اور فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ بیع جس کی ادائیگی ثمن کی ایک مدت مقرر کی جاتی ہے اللہ نے اس کو حلال کیا اور اس کی اجازت دی ہے پھر یہ پڑھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک (کے لئے) تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ ضرور ہے کہ تمہارے آپس میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہو وہ) انصاف کے ساتھ لکھے۔ اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو (لکھنا) سکھلا دیا اس کو چاہئے کہ لکھ دیا کرے اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ حق واجب ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس میں سے ذرہ برابر (بتلانے میں) کمی نہ کرے۔ پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر خفیف العقل ہو یا ضعیف البدن ہو یا خود لکھوانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے۔ اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ (بھی) کرلیا کرو پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ ہوں۔ تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنالئے جاویں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جاوے تو ان میں ایک دوسری کو یاد دلا دے۔ اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب (گواہ بننے کے لئے) بلائے جایا کریں اور تم اس دین کے بار بار لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ (معاملہ) چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور

زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ کے متعلق کسی شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو۔ تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام نہیں۔ اور (اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ) خرید وفروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا (تم پر احسان ہے) کہ تم کو تعلیم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں

تفسیر ۲۸۲ (یا یھا الذین ...... مسمی اے ایمان والوں جب تم ادھار، لین دین والا معاملہ کرو ایک میعاد معین تک) اس کو لکھ لیا کرو۔ "اذا تداینتم" سے مراد ہے کہ جب تم اُدھار کا معاملہ کرو جیسے کہا جاتا ہے "داینتہ اذا عاملتہ بالدین" بدین کا ذکر "تداینتم" کے بعد کیا کیونکہ مداینۃ میں مجازاۃ اور کبھی معاطاۃ بھی ہوتا ہے پھر اس کو دین کے ساتھ مقید کیا تاکہ لفظ کی مراد واضح ہو جائے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ تاکید کے طور پر دوبارہ ذکر کیا۔ "اجل" سے مراد مدت معلوم ہو ابتدائی مدت ہو یا انتہائی ہو اور اجل ثمن میں اور بیع سلم میں مقرر کرنا لازم ہے تاکہ صاحب حق وقت سے پہلے مطالبہ نہ کرے اور قرض میں اجل لازم نہیں۔ یہی اکثر اہل علم کا مسلک ہے۔

لین دین لکھنے کا حکم

"فاکتبوہ" سے مراد کہ اس معاملہ کو لکھ لیا کرو خواہ وہ معاملہ بیع شراء کا ہو یا بیع سلم کا ہو یا قرض کا ہو، اس لکھنے کے حکم کے متعلق آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ لکھنا واجب ہے اور اکثر حضرات کے نزدیک لکھنا مستحب ہے۔ اگر لکھنے کو چھوڑ دیا گیا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں "فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض" نماز کے بعد زمین پر پھیل جانا اس میں کوئی حرج نہیں مستحب ہے اور بعض نے کہا کہ قرض کے متعلق لکھنا اور گواہی کے متعلق یا رھن کے متعلق لکھنا پہلے فرض تھا پھر یہ سب منسوخ ہو گیا۔ اس آیت سے "فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤتمن امانتہ" اور یہ قول امام شعبی رحمہ اللہ کا ہے پھر اس کے بعد اللہ عزوجل نے اس کی کیفیت بیان فرمائی (ولیکتب بینکم کاتب بالعدل اور چاہیے تو لکھ دے تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ) قرض لکھنے والا مدیون اور دائن دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے نہ تو وہ لکھنے میں کسی کا حق کم لکھے اور نہ ہی زیادہ اور نہ مقررہ مدت کو کم کر کے لکھے اور نہ ہی بڑھا کر لکھے (ولا یاب اور نہ انکار کرے) نہ روکے (کاتب أن یکتب لکھنے والا لکھنے سے)۔ اس بات میں آئمہ کا اختلاف ہے کہ کیا لکھنے والے پر تحریر کرنے اور گواہ پر گواہی دینا واجب ہے؟ بعض حضرات نے کہا کہ ان دونوں پر واجب ہے کہ جب ان کو طلب کیا جائے۔

یہ قول مجاہد رحمہ اللہ کا ہے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر لکھنا واجب ہے جب اس کے علاوہ اور کوئی لکھنے والا نہ ہو اور بعض نے کہا کہ کاتب اور شاہد پر مستحب ہے کہ وہ لکھیں یا گواہی دے اور ضحاک فرماتے ہیں کہ کاتب پر لکھنا اور شاہد کے لیے گواہی دینا واجب ہے۔ یہ اس آیت "ولا یضار کاتب ولا شھید" سے منسوخ ہے (کما علمہ اللہ جیسے سکھایا اس کو اللہ نے) جیسا کہ

اللہ نے اس کو شروع فرمایا اور حکم دیا۔ (پس چاہیے کہ وہ لکھدے اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ حق واجب ہو) مطلوب اس کے سامنے اس بات کا اقرار کرے تاکہ دوسرے کو معلوم ہو جائے کہ اس پر کیا واجب ہے۔ املال اور املاء یہ دو فصیح لغات ہیں لیکن ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ املال کا ذکر تو یہاں ذکر کیا گیا اور املاء کا ذکر دوسری جگہ "فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلاً" (ولیتق اللہ ربہ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا پالنے والا ہے) لکھتے وقت اللہ سے ڈرتا رہے (ولا یبخس منہ شیئا اور اس سے ذرہ برابر بھی کمی نہ کرے) اس سے کمی نہ کیا کرو جو حق اس پر واجب ہے اس میں کسی چیز کی کمی نہ کرے (فان کان الذی ...... سفیھا) پس اگر وہ جس پر حق ہو وہ ناقص العقل ہو) یعنی لکھنے سے جاہل ہو۔ امام مجاہد اور ضحاک، سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد چھوٹا بچہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "سفیھا" سے مراد فضول خرچ ہے جس پر قرض ہو (او ضعیفا یا وہ بوڑھا ہو) بوڑھا شیخ مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے ضعیف العقل یا چھوٹا بچہ یا مجنون ہو (او لا یستطیع ان یمل یا وہ خود لکھانے کی قدرت نہیں رکھتا) گونگا ہونے کی وجہ سے یا اندھا ہونے کی وجہ سے یا عجمی ہونے کی وجہ سے یا قید میں ہونے کی وجہ سے یا غیر حاضری کی وجہ سے ہو یا اس تک کتابت کا پہنچانا ناممکن ہو یا اس کی جگہ کا علم نہ ہو (فلیملل ولیہ تو چاہیے کہ لکھوائے اس کا ولی) ولی جو اس کا سرپرست ہے (بالعدل انصاف سے) مراد صدق اور حق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل کے نزدیک اس سے مراد قرض دینے والا ہے۔ اگر یہ لکھوانے سے عاجز ہے تو ولی اس کا حق لکھوائے اور صاحب دین انصاف سے لکھوائے کیونکہ اس کو اس کے قرض کا علم ہے (واستشھدوا اور گواہ بنالو) اس پر گواہ مقرر کرلو (شھیدین دو گواہ) گواہی دینے والے دو اشخاص (من رجالکم تم اپنے مردوں میں سے) رجال سے مراد آزاد مسلمان ہو غلام اور بچہ نہ ہو اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔ شریح ابن سیرین نے غلاموں کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے (فان لم یکونا رجلین پھر اگر وہ مرد نہ ہوں) وہ گواہ مرد نہ ہوں (فرجل وامرأتن تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں) پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔

بچوں اور عورتوں کی گواہی کا حکم

ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی اموال میں جائز ہے اور غیر اموال میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک عقوبات کے علاوہ میں مرد کے ساتھ عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ یہ قول سفیان ثوری اصحاب الرائے کا ہے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک غیر مال میں دو عادل مردوں کی گواہی معتبر ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کاموں میں عورتوں کی گواہی قابل قبول ہوگی جن کا تعلق عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہ ولادت اور رضاعت ثیبہ بکارۃ کے مسائل میں (عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی) اور اگر مرد نہ ہو تو چار عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی۔

اور اس بات کا اس میں اتفاق ہے کہ عقوبات (سزائیں، حدود، قصاص) میں عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں (ممن ترضون من الشھداء جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں سے) جن سے تم راضی ہو۔

شرائط شہادت

ان کی دیانت اور امانت سے شہادت کی قبولیت کی سات شرائط ہیں۔ مسلمان ہوں، آزاد ہوں، عاقل ہوں، بالغ ہوں، عادل ہوں، صاحب مروت ہوں، متہم نہ ہوں۔

کن کی شہادت مقبول ہے اور کن کی شہادت مردود ہے

کافر کی شہادت مردود ہے کیونکہ لوگوں کے نزدیک ان کا کذب مشہور ہے اس لیے ان کی گواہی جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ پر کذب کرے۔ اولیٰ یہ ہے کہ اس کی گواہی مردود ہو اور بعض حضرات نے اہل ذمہ کی شہادت ذمی کے لیے جائز ہے۔ غلام کی شہادت مقبول نہیں لیکن شریح اور ابن سیرین کے نزدیک غلام کی شہادت جائز ہے اور یہی قول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہے اور نہ ہی مجنون کا قول یہاں تک کہ اس کی شہادت دی جائے اور نہ ہی بچے کی گواہی معتبر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے جائز نہیں "ممن ترضون من الشہداء" عدالت شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ گواہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور صغائر پر اصرار کرنے والا نہ ہو اور مروۃ کی شرط ہے ان آداب کا خیال رکھا جائے جن کے ترک کرنے سے حیاء میں کمی محسوس ہو جاتی ہے۔ حسن الہیئت ہو، حسن سیرت، حسن معاشرت اور حسن صناعت ہو۔ انسان سے ایسی چیز ظاہر ہو جائے جس کے ظاہر ہونے سے انسان کو حیا آتی ہو تو ایسے امور سے شہادت مقبول نہیں ہوتی۔ تہمت سے بچنا یہ بھی شرط ہے کیونکہ دشمن کی دشمن کے مقابلے میں شہادت مقبول نہیں ہوتی۔ اگرچہ غیر کے معاملے میں اس کی شہادت مقبول ہوتی ہے اور اپنے دشمن کے حق میں "متہم" ہے اور شہادت قبول نہیں باپ کی بیٹے کے لیے اور نہ ہی اس کے برعکس اگرچہ یہ دونوں مقبول الشہادت بھی ہوں۔ اور ایسے شخص کی شہادت بھی مقبول نہیں جس کی شہادت میں نفع ہو جیسے وارث کی گواہی جو اس کے مورث کے مقتول کے متعلق دے یا کسی ضرر کی بناء پر وہ اپنے آپ کو گواہی دینے سے بچائے جیسا کہ اگر کوئی شخص اس بات پر گواہی اس وجہ سے نہ دے کہ اگر میں نے فریق مخالف کے بارے میں گواہی دی تو وہ مجھے نقصان پہنچائے گا۔

حضرت عروہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ خائن اور خائنہ کی گواہی معتبر نہیں اور نا تجربہ کار کی گواہی اپنے بھائی کے لیے اور نہ آقا کی اپنے غلام کے لیے اور نہ ہی قریبی رشتہ دار کی اور نہ قانع کی اپنے گھر والوں کے لیے (أن تضل احدهما ان دونوں میں سے کوئی ایک بھول جائے) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے "إن تضل" ان شرطیہ اور مکسور ہے اور "فتذکر" مرفوع ہے اور یہ پورا جملہ جزاء ہے۔ اس صورت میں "تضل" مجزوم ہوگا شرط کی وجہ سے مگر تشدید کی بناء پر اس پر جزم نہیں آتی اور دوسرے حضرات نے "أن تضل" میں ہمزہ مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں ان ناصبہ ہے "تضل" مفتوح اور "فتذکر" بھی منصوب ہوگا اور "فتذکر" کا عطف "تضل" پر ہے اس لیے یہ منصوب ہوگا۔ آیت کا معنی یہ

ہوگا کہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی (احداھما الاخری تو ان میں سے ایک دوسرے کو یاد دلا دے) "تضل" کا معنی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھول جائے گواہی دینے میں تو دوسری یاد دلا دے گی وہ اس طرح کہے کہ ہم فلاں مجلس میں حاضر نہیں تھے اور کہا ہم نے ان سے سنا نہیں۔ ابن کثیر اور اہل بصرہ نے "فتذکر" تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے "ذکر" اور "اذکر" کا معنی ایک ہی ہے یہ دونوں ذکر سے متعدی ہیں یہ نسیان کی ضد ہے۔ سفیان بن عیینہ سے حکایت کی گئی کہ فرماتے ہیں کہ ذکر سے مراد کہ ایک دوسری عورت کو بات کر کے یاد دلا دے یعنی ایک کی یاد دہانی سے دوسری بھی اس پر گواہی دے۔ پہلی صورت اولیٰ ہے دوسری سے۔ (ولا یاب الشھداء اذا مادعوا اور گواہ (گواہی دینے سے) انکار نہ کریں جب بلایا جائے) بعض حضرات نے کہا کہ جب ان کو شہادت کے لیے بلایا جائے تو ان کو حاضر ہونا چاہیے۔ شہداء کے نام کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی شہداء (گواہی دینے کے اہل) ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ امر وجوب کے طور پر ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ جب ان کے علاوہ اور کوئی گواہی دینے والا موجود نہ ہو تو ان کو گواہی دے دینی چاہیے۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اور بھی ہوں تو ان کو اختیار ہے اور یہی قول حسن کا ہے اور بعض قوم نے کہا کہ یہ حکم مندوب ہے تمام احوال میں خواہ ان کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہو یا نہ ہو۔ آیت کا معنی یہ ہوگا اور گواہ انکار نہ کریں جب ان کو گواہی کے لیے بلایا جائے جب وہ شہادت کے اہل ہوں۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گواہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ گواہی نہ دے اور حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام کاموں میں تحمل شہادت کا ہونا ضروری ہے جب کہ وہ فارغ ہو (ولا تسامو ا اور نہ سستی کرے) "تملوا" سے ہے اپنے نفسوں پر گواہی دینے سے ملال نہ کرو (ان تکتبوہ کہ تم اس کو لکھو) ہ ضمیر حق کی طرف راجع ہے۔ (صغیرا چھوٹا ہو) وہ حق (او کبیرا یا بڑا ہو) وہ حق تھوڑا ہو یا زیادہ (الی اجلہ ایک میعاد مقررہ تک) اس حق کی ادائیگی کی جگہ (ذلکم یہ) مراد کتاب ہے (اقسط زیادہ انصاف) عدل مراد ہے (عند اللہ اللہ کے نزدیک) کیونکہ یہ حکم اللہ ہی نے دیا ہے۔ اس حکم کی اتباع کرنا زیادہ اولیٰ ہے اس کے ترک کر دینے سے (واقوم للشھادۃ اور ادائے شہادت کو بہت قائم رکھنے والا) کیونکہ کتابت شہادت کو یاد دلاتی ہے (وادنی اور زیادہ قریب) یہ زیادہ آسان اور اس کے زیادہ قریب ہے (الا ترتابوا کہ نہ شبہ میں پڑو) گواہی دینے میں شک میں نہ پڑو (الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ مگر یہ کہ تجارت ہو دست بدست) عاصم نے اس کو منصوب پڑھا کان کی خبر ہونے کی وجہ سے اور اس کا اسم ضمیر ہے۔ عبارت یہ ہوگی "الا ان تکون التجارۃ تجارۃ او المبایعۃ تجارۃ" اور دوسرے حضرات نے "تجارۃٌ حاضرۃٌ" مرفوع پڑھا ہے اس کی دو وجہیں ہیں۔ ① تکون تامہ ہو تو اس صورت میں "تدیرونھا، تجارۃ" کی صفت ہوگی۔ ② اور اگر تکون کو ناقصہ کہا جائے تو اس صورت میں "تدیرونھا" خبر ہوگی (تدیرونھا بینکم جسے تم لیتے رہتے ہو آپس میں) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مگر یہ کہ لین دین دست بدست جس کو تم آپس میں لیتے رہتے ہو اور جس کی میعاد متعین نہ ہو (اس کو نہ لکھنے کا تم پر کوئی گناہ نہیں) مراد اس سے تجارت ہے۔

(واشھدوا اذا تبایعتم اور خرید و فروخت کے وقت گواہ بنا لیا کرو) ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پختہ عزم کرتا ہے گواہی دینا واجب ہے چھوٹے کے حق میں بڑے کے حق میں نقدی ہو معاملہ یا اُدھار ہو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ حکم بطور امانت کے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فان امن بعضکم بعضا" بعض نے کہا کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے (ولا یضار کاتب ولا شھید اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جائے اور نہ کسی گواہ کو) یہ نہی غائب کے لیے ہے۔ "یضار" اصل میں "یضارِرْ" تھا۔ ایک راء کو دوسری راء میں مدغم کیا گیا اور نصب دیا گیا۔ اس کے اصل صیغہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ "یضارِرْ" انہوں نے اس نہی کو کاتب اور شاہد کے ساتھ قرار دیا ہے۔ آیت کا معنی یہ بنے گا کہ کاتب کسی کو تکلیف نہ دے کہ وہ لکھنے سے انکار کر دے اور نہ کوئی گواہ تکلیف دے بایں طور پر کہ وہ گواہی دینے سے انکار کر لے، یہ طاؤس، حسن اور قتادہ کا قول ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اصل میں "یضار" تھا۔ فعل مجہول اس صورت میں کاتب اور شاہد دونوں مفعول ہوں گے۔ معنی یہ ہوگا کہ جب کوئی شخص کاتب یا شاہد کو بلائے۔ اس حال میں کہ وہ دونوں کسی اہم کام میں مشغول ہوں تو جب ان سے کہا جائے تو یہ دونوں جواب میں کہیں کہ ہم اہم کام میں مشغول ہیں، ہمارے علاوہ کسی اور کو تلاش کرو (وان تفعلوا اور اگر تم کرو گے) (جس ضرر رسانی سے ہم نے تم کو منع کر دیا ہے اگر وہ فعل تم کرو گے) (فانہ فسوق بکم تو اس میں تمہارے لیے گناہ ہوگا) فسوق سے مراد معصیت اور اس حکم سے خروج ہے۔ (واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ واللہ بکل شیء علیم اللہ کے حکم کی مخالفت سے ڈرتے رہو اور اللہ تم کو تعلیم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جاننے والے ہیں)

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

ترجمہ: اور اگر تم کہیں سفر میں ہو اور (وہاں) کوئی کاتب نہ پاؤ سو رہن رکھنے کی چیزیں (ہیں) جو قبضہ میں دے دی جاویں اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو تو جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے (یعنی مدیون) اس کو چاہیے کہ دوسرے کا حق (پورا پورا) ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے اور شہادت کا اخفاء مت کرو اور جو شخص اس کا اخفاء کرے گا اس کا قلب گنہگار رہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ۲۸۳ (وان کنتم علی سفر ولم تجدوا ...... مقبوضۃ اور اگر تم کسی سفر میں ہو اور نہ پاؤ تم کاتب سو رہن رکھنے کی چیزیں ہیں جو قبضہ میں دی جائیں) ابن کثیر اور ابو عمرو نے "فَرُھُنٌ" پڑھا ہے راء اور ھاء کے ضمہ کے ساتھ اور باقی قراء نے "فَرِھٰنٌ" یہ جمع ہے رھن کی جیسے بغل جمع ہے بغال کی اور جبل جمع ہے جبال کی، رھن جمع ہے رھان کی جمع الجمع ہے۔ یہ فراء اور کسائی نے کہا اور ابو عبیدہ وغیرہ نے کہا "رُھُنٌ" بھی "رَھْنٌ" کی جمع ہے جیسے "سُقُفٌ" جمع ہے "سَقْفٌ" کی اور ابو عمرو نے

"فرھنٌ" پڑھا ہے اور اس کے درمیان اور رھان الخیل کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ "رُھنٌ" راء کے ضمہ اور سکون الھاء کے ساتھ ہے۔ رھن تخفیف یا تشدید دونوں لغتیں ہیں جیسے "کُتُبٌ، کُتْبٌ" اور "رُسُلٌ، رُسْلٌ" آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تم حالت سفر میں ہو اور کوئی کاتب لکھنے والا نہ پاؤ تو اس کے بدلے میں رھن رکھ لو جس سے قرض وغیرہ سے لدے ہو تاکہ یہ تمہارے مالوں کو پختہ رکھے اور اس بات میں اتفاق ہے کہ رھن اس وقت تک تام نہیں ہوتا مگر قبضہ کے ساتھ۔ "فرھنٌ مقبوضۃ" کا معنی ہوگا کہ رھن رکھو اور اس پر قبضہ کرو یہاں تک کہ اگر کسی نے رھن رکھ لیا اور اس پر قبضہ نہیں کیا تو راھن پر تسلیم کرنے سے مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر اس نے راھن پر قبضہ کر لیا تو راھن پر واپس کرنا لازم ہوگا اور اسی طرح اس راھن پاس اس وقت تک مرھونہ چیز واپس کرنا ضروری نہیں جب تک کہ وہ اس پر قبضہ نہ کرے اور اسی طرح رھن رکھنا اقامت کی حالت میں بھی جائز جب کوئی کاتب موجود ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رھن رکھنا صرف سفر میں جائز ہے حضر میں جائز نہیں اور سفر میں جب کوئی کاتب نہ ہو۔ دلیل اس پر وہ روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی زرہ ابی شحم یہودی کے پاس رھن رکھی اور نہ تو وہ سفر میں تھے اور نہ ہی ان کے پاس کاتب تھا (فان امن بعضکم بعضاً اگر تم میں سے بعض، بعض کا اعتبار ہو) حضرت اُبی بن کعب نے "فان ائتمن" پڑھا ہے یعنی قرض دینے والا قرض لینے والے کی طرف سے مطمئن ہو اور اس سے حسن ظن ہو تو پھر رھن رکھنے کی ضرورت نہیں۔

(فلیود الذی ائتمن امانتہ پس اس کو چاہیے کہ امانت دار کی امانت ادا کرے) یعنی اس کی امانت قرض واپس ادا کرے (ولیتق اللہ ...... ربہ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے) حق کے ادا کرنے میں یہاں خطاب سے شہود کی طرف اشارہ ہے (ولا تکتموا الشہادۃ اور شہادت کو مت چھپاؤ) یعنی جب تم کو گواہی کے لیے طلب کیا جائے تو تم گواہی کو نہ چھپاؤ اس پر وعید فرمائی ہے اور (ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا) اس کا دل فاجر ہوگا۔ بعض نے کہا کہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا گویا کہ کتمان شہادت پر وعید فرمائی ہے۔ اٰثم قلبہ سے مراد دل کا مسخ ہو جاتا ہے "نعوذ باللہ من ذالک" (واللہ بما تعملون علیم اور جانتا ہے جس کو تم کرتے ہو) شہادت کو چھپانے کے متعلق اللہ جانتا ہے۔

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔ اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں۔ ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا کہ پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔ پھر (بجز کفر و شرک کے) جس کے لیے منظور ہوگا بخش دیں گے اور جس کو منظور ہوگا سزا دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر ⑪ (للہ ...... الارض اور اللہ کے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) یعنی اسی کی ملک ہے

اور اس میں رہنے والے اس کے بندے ہیں اور جس چیز کے تم مالک ہو (اس کا بھی وہی مالک ہے)۔..... (وان تبدوا ...... قدیر اور اگر تم ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو چھپاؤ قیامت کے دن اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پس بخش دے گا جس کو چاہے گا اور سزا دے گا جس کو چاہے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس آیت کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت ماقبل کے ساتھ متعلق ہے یا علیحدہ ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت خاص ہے اس کی خصوصیت کی وجہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ آیت پہلی آیت کے ساتھ متصل ہے یہ کتمان الشہادۃ کے متعلق نازل ہوئی۔ معنی یہ ہوگا کہ اگر تم اپنے نفسوں میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کرو یعنی جو تم نے گواہی میں کمی بیشی کی یا اس کی بیشی کو ظاہر کرنے سے پرہیز کیا تو اللہ اس کا تم سے حساب لے گا۔ یہ قول امام شعبی اور حضرت عکرمہ کا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ کافروں سے دوستی کا جو خیال تمہارے دلوں میں ہے یا تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تم سے اس کا محاسبہ ضرور کرے گا اور یہی قول مقاتل کا ہے جس طرح سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ "لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین" سے لے کر "قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوہ یعلمہ اللّٰہ" بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت سے مراد عام ہے پھر بعض حضرات کا آپس میں اختلاف ہے کہ یہ منسوخ ہے اس آیت سے جو اس کے بعد آرہی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی "للّٰہ ما فی السموات وما فی الارض وان تبدوا......الآیۃ" جب یہ آپ علیہ السلام پر نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ آیت بہت شاق گزری۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دو زانو بیٹھ کر انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز، روزہ، جہاد اور خیرات کا ہم کو جو حکم دیا گیا اس کو ادا کرنے کی ہم میں طاقت تھی لیکن اب یہ آیت آپ پر نازل ہوئی اس پر عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا کیا تم وہ بات کہنا چاہتے ہو جو تم سے پہلے یہود و نصاریٰ (اہل کتاب) نے کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا "سمعنا وعصینا" بلکہ تم یوں کہو "سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر" جب لوگ یہ آیت پڑھنے لگے اور زبان پر یہ الفاظ خوب رواں ہوگئے تو یہ آیات نازل ہوگئیں "امن الرسول" سے لے کر "والیہ المصیر" تک پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا۔ اس آیت سے "لایکلف اللّٰہ نفسًا الا وسعھا او اخطانا" تک پڑھا۔ فرمایا جی ہاں پھر پڑھا "ربنا ولا تحمل علینا...... من قبلنا" تک تو فرمایا جی ہاں "ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا" فرمایا جی ہاں۔ پھر "واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم الکافرین" فرمایا جی ہاں

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی اُمت سے وسوسہ کو

معاف فرماتے ہیں جب تک اس پر کلام نہ کریں یا اس پر عمل نہ کریں۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں اس لیے کہ منسوخ آیت سے خبر نہیں دی جاتی بلکہ نسخ وارد ہوتا ہے امر اور نہی کی صورت میں۔ "یحاسبکم به الله" خبر ہے اور اس میں نسخ وارد نہیں ہوتا۔ پھر اس کی تاویل میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ دل کو ثابت قدمی عطا فرماتے ہیں کسب کے اعتبار سے۔ جیسا کہ فرمایا "بما کسبت قلوبکم" آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو چھپکے سے کوئی چیز خرچ کرے یا اعلانیہ طور پر خرچ کرے یا اس کے اعضاء و جوارح سے کوئی حرکت یا اس کے دل میں کوئی بات آئی ہو تو اللہ ان تمام چیزوں سے باخبر ہو جاتا ہے اور اس پر وہ محاسبہ بھی کرتا ہے۔ پھر جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور یہی حسن کا قول ہے۔ اس پر قرآن کی آیت دلالت کرتی ہے کہ "ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنه مسئولا"۔ بعض حضرات نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے اس کے اعمال کے متعلق ان سے پوچھے گا اور اس کی سزا و جزا دے گا جس کو وہ پوشیدہ طور پر بجا لائیں یا ظاہری طور پر۔ علاوہ ان امور کے جو امور ان کے دلوں میں آئے لیکن اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا دُنیا میں مصائب یا کسی اور وجہ سے اور وہ امور جن کی وجہ سے وہ غمگین اور نادم ہوتے ہیں۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے بندے کے اوپر سزا ہے جو اس کو پہنچتی ہے بخار کے متعلق ہو یا کوئی اور پریشانی حتیٰ کہ کانٹا چبھنے کے برابر یا جیب میں ہاتھ ڈالتے وقت جیب کو خالی پانے کی صورت میں بھی جب وہ اس پر غمزدہ ہوتا ہے اور "انا لله وانا الیه راجعون" پڑھتا ہے اس سے مؤمن کے گناہ اس طرح معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے خیر (بھلائی) کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دُنیا میں گناہ کی سزا دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے برائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے گناہ کا بدلہ دُنیا میں نہیں دیتے بلکہ آخرت میں دیتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ "وان تبدوا ما فی انفسکم" کی تفسیر یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور جن کا تم قصد کر چکے ہو یا ان کو تم نے ابھی تک اپنے دلوں میں چھپائے رکھا ہے اس پر بھی اللہ محاسبہ کرے گا اور وہ چیزیں جن کو تم نے ابھی تک ظاہر نہیں کیا اور تم اس پر پختہ ہو (ارادہ رکھتے ہو) اس کا بھی اللہ تمہارا محاسبہ کرے گا۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ میں نے سفیان سے پوچھا کہ کیا ارادہ پر بھی مواخذہ ہوگا۔ سفیان نے کہا ہاں اور بعض نے کہا کہ اس محاسبہ کا معنی ہے اخبار اور تعریف۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا اگر تم ظاہر کر دو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اس پر عمل بھی کر لو یا تم ان چیزوں کو اپنے دلوں میں چھپائے رکھو اور ان کی نیت بھی ان کاموں کے کرنے کی ہو، اللہ اس کا مواخذہ بھی کرے گا اور اس کی خبر بھی تمہیں بتلائے گا اور اس کو تم چھپاؤ گے بھی۔ پھر مؤمنین کی مغفرت کی جائے گی ان کے ایمان کی فضیلت کی وجہ سے اور کافروں

کو عذاب دیا جائے گا عدل کے اظہار کرنے کی وجہ سے یہ قول امام ضحاک کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ "یحاسبکم بہ اللہ" فرمایا۔ "یواخذکم بہ" نہیں فرمایا اور محاسبہ اور مواخذہ دونوں الگ ہیں۔ اس پر دلیل وہ حدیث مبارک ہے کہ صفوان بن محرز فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑا تھا کہ جب یہ اپنی سواری کے پاس پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ کیا آپ نے نجوی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا، فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے کو اپنے قریب کردے گا یہاں تک کہ اس کو عرش کے سائے کے نیچے بلائے گا اور وہ لوگوں سے چھپ جائے گا پھر اللہ رب العزت اس سے پوچھیں گے اے میرے بندے اکیا تو فلاں، فلاں گناہ کو جانتا ہے تو وہ کہے گا جی ہاں اے میرے رب! پھر اس بندے سے اللہ فرمائے گا اے بندے تو فلاں فلاں گناہ جانتا ہے؟ وہ کہے گا جی ہاں اے میرے رب! یہاں تک کہ وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلے گا اور وہ اب سوچے گا کہ اب تو میں ہلاک اور برباد ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے دُنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ ڈالا اور آج کے دن میں نے تمہارے گناہوں کو معاف کردیا۔ پھر ہر گناہ کے بدلے میں اس کو نیکیاں عطا کی گئیں۔ پس منافق اور کافر کو جب حاضر کیا جائے گا تو وہ جھوٹ کہیں گے اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر۔ پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان (اللہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے) "یغفر" اور "یعذب" رفع کے ساتھ ابوجعفر، ابن عامر، عاصم اور یعقوب نے پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے جنہوں نے مرفوع پڑھا انہوں نے ابتداء کی وجہ سے پڑھا اور جنہوں نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے ان کے ہاں یہ شرط کی وجہ سے ہے۔

طاؤس نے روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ جسے چاہتے ہیں اس کے گناہ کبیرہ معاف کردیں اور جسے چاہیں صغیرہ گناہ کی وجہ سے سزا دیں، نہیں کوئی اس سے پوچھ گچھ کرسکتا ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اور وہ سب مخلوق سے پوچھ گچھ کرسکتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝

ترجمہ اعتقاد رکھتے ہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مومنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور خوشی سے مانا ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف (ہم سب کو) لوٹنا ہے۔

تفسیر ۞ (امن الرسول اعتقاد رکھتے ہیں رسول) "امن" بمعنی "صدق" "تصدیق" کے معنی میں ہے (بما انزل الیہ

من ربه والمؤمنون کل امن باللہ اس چیز پر جو ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی اور مؤمنین بھی سب کے سب ایمان لائے) یعنی ان مؤمنین میں سے ہر ایک ان چیزوں پر ایمان لائے ۔ اسی وجہ سے فعل کو واحد لائے (وملائکته وکتبه ورسوله اور فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر) حمزہ اور کسائی کے نزدیک "کتابه" ہے ۔ ان کے نزدیک واحد کا صیغہ ہے مراد اس سے قرآن مجید لیا ہے ۔ بعض نے کہا کہ یہاں جمع ہی مراد ہوگا ۔ اگرچہ واحد ہی ذکر کیا جائے ۔ جیسا کہ اس آیت میں "فبعث اللہ النبین مبشرین و منذرین وانزل معهم الکتاب" اور دوسرے قراء نے "کتبه" جمع کے صیغہ کے ساتھ نقل کیا ہے ۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "وملائکته وکتبه ورسله" (لانفرق بین احد من رسله ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے) کہ بعض انبیاء پر تو ایمان لے آئیں اور بعض انبیاء کا انکار کریں ۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا ۔ کہتے ہیں کہ اس میں اضمار ہے اور "لانفرق" پڑھا ہے اور یعقوب نے کہا کہ "یفرق" ہے اور ضمیر غائب لفظ کل کی طرف راجع ہے معنی ہوگا "لایفرق الکل" اسی وجہ سے "بیان احد فرمایا" "بین احاد" نہیں فرمایا کیونکہ احد واحد اور جمع دونوں کو شامل ہوتا ہے جیسا کہ فرمان باری ہے "فما منکم من احد عنه حاجزین" (وقالوا سمعنا واطعنا اور انہوں نے کہا ہم نے آپ کا فرمان سنا) یعنی آپ کا حکم اور آپ کی بات (فرمان) حضرت حکیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اللہ نے آپ کی اور آپ کی اُمت کی ثناء کی ہے ۔ آپ اللہ سے کچھ سوال کیجئے پورا کیا جائے گا ۔ پس اللہ کی تلقین سے آپ نے سوال کیا (غفرانک الٰہی مغفرت عطا فرما) منصوب ہے مصدر ہونے کی وجہ سے ۔ عبارت یوں ہوگی "اغفر غفرانک" یا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا "ای نسالک غفرانک" (ربنا والیک المصیر اے میرے رب مرنے کے بعد تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے) ۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے ۔ اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے ۔ اے ہمارے رب ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے ۔ اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار (دنیا یا آخرت کا) نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور درگزر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو ۔ اور رحمت کیجئے ہم پر ۔ آپ ہمارے کارساز ہیں (اور کارساز طرفدار ہوتا ہے) سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے ۔

تفسیر ⑯ (لا یکلف..... وسعھا اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر جو اس کی طاقت میں ہو) آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ان کی ضروریات ہیں کہ اللہ ان کی طاقت اور حاجت کے مطابق مکلف بناتے ہیں۔ گویا یہاں ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے مگر وسعت کے مطابق تو جواب میں کہا گیا کہ "لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا" اس سے مراد طاقت ہے۔

لایکلف اللہ نفساً کی مختلف تفاسیر

وسع کہا جاتا ہے جو انسان کے لیے آسانی ہو تنگی نہ ہو۔ اس کی تاویل میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما عطاء اور اکثر مفسرین کے نزدیک "لا یکلف اللہ" سے مراد حدیث النفس ہے جو ماقبل آیت "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ" میں گزر چکا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد خاص مؤمنین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے امور دین میں وسعت عطا فرمائی اور ان کا مکلف نہیں بنایا مگر یہ کہ وہ اس کی طاقت رکھیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" سفیان بن عیینہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسانی ہی کرتا ہے کسی انسان کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا اور یہ قول حسن رحمہ اللہ کا بھی ہے کیونکہ آسانی انسان کی طاقت میں ہی ہوتی ہے (لھا ما کسبت اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا) اسی کے لیے جو اس نے اپنے لئے نیکی یا ثواب کمایا (وعلیھا ما اکتسبت اور اسی پر ہے جو اس نے کمایا) اس سے مراد برائی ہے اور اس کا بوجھ اسی پر ہوگا (ربنا لاتؤاخذنا اے ہمارے رب! تو نہ پکڑ ہمیں اگر ہم بھول جائیں) تو "اخذنا" کا معنی ہے کہ تو ہمیں سزا دینا جو غلطی سے گناہ سرزد ہو جائے۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لوگ جب کسی کام کو بھول جاتے جس کا ان کو حکم دیا گیا یا غلطی کر لیتے تو اسی وقت ان کو سزا ملتی، فوراً کھانے پینے کی کوئی چیز (ان نسینا اس گناہ کی وجہ سے) حرام کر دی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا کہ وہ اللہ سے دنیا میں ترک مواخذہ کا سوال کریں اور بعض نے کہا کہ یہ وہ بھولنا مراد ہے جس کا حکم چھوڑ دینے کا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "نسوا اللہ" "اللہ نے ان کو بھلا دیا (او اخطانا یا ہم سے کوئی بے پروائی ہو جائے) اس کا معنی ہے وہ غلطی جو ارادہ کے ساتھ یا جان کر ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "اخطا فلان اذا تعمد" اگر کوئی جان کر غلطی کرے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے غلطی کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ان قتلھم کان خطأً کبیرًا" عطاء فرماتے ہیں کہ "ان نسینا او اخطانا" کا معنی ہے "جھلنا او تعمدنا" اور بعض حضرات نے کہا کہ خطا وہی ہے جو جہالت اور غلطی سے کی جائے اس لیے کہ جان کر جو بات کی جاتی ہے وہ معاف نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ کی مشیت پر ہے کہ وہ چاہے تو معاف کرے اور خطاء وہ جو قابل معافی ہو۔ جیسا کہ ارشاد پیغمبری ہے کہ میری امت سے خطاء اور نسیان کو معاف کیا گیا اور جس پر

زبردستی کی گئی اس کو بھی معاف کیا گیا۔ (ربنا ۔۔ ۔۔۔ اصرا اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیج) اصراً کہتے ہیں ایسا بوجھ جو بھاری ہو اور ایسا عہد جو مشکل ہو جس بوجھ کی وجہ سے انسان کھڑا نہ ہو سکے اور ایسا عہد جس کو وہ پورا نہ کر سکے۔ اسی کی بناء پر عذاب سے بچا۔ (کما حملتہ ۔۔۔۔۔ قبلنا جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے) اس سے مراد یہود ہے ان پر احکام نازل کیے تو انہوں نے اس کو پورا نہیں کیا جس کی وجہ سے ان کو عذاب دیا گیا۔ یہ قول امام مجاہد، عطاء، قتادہ، سدی، کلبی اور دوسری جماعت نے ذکر کیا جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان دلالت کر رہا ہے۔

"واخذتم علی ذلکم اصری" مراد اس سے عہد ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اے اللہ! آپ ہم پر وہ سختی اور وہ احکام نازل نہ فرما جو ماقبل یہود پر نازل فرمائے تھے اور وہ احکام پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور اپنے مالوں سے چوتھائی کی زکوۃ ادا کرنا اور جس کے کپڑے پر نجاست لگ جاتی اس کے کاٹنے کا حکم اور جو شخص رات کو کوئی گناہ کرتا تو صبح وہ گناہ اس کے دروازے پر لکھا ہوتا اور اس جیسے احکام۔ یہ قول عثمان، عطاء، مالک بن انس، ابی عبیدہ (رضی اللہ عنہم) اور ایک جماعت نے ذکر کیا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد دلیل ہے "ویضع عنہم اصرہم والاغلال التی کانت علیہم" بعض نے کہا کہ اصراً سے مراد گناہ ہے جس کی توبہ نہ کی گئی ہو معنی یہ ہوگا کہ ہمیں ان کے ایسے گناہوں سے معاف فرمانا الاصل اس میں عقل اور احکام ہے (ربنا ولا ۔۔۔۔ لنا بہ اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہ ہو) ایسے اعمال کا ہمیں مکلف نہ بنا جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حدیث النفس اور وسوسہ ہے۔ مکحول سے حکایت ہے کہ فرمایا اس سے مراد غلمۃ ہے۔ غلمۃ سے مراد گواہی میں شدت اختیار کرنا۔ ابراہیم سے مروی ہے کہ اس سے (حب) مراد ہے۔ محمد بن وہاب نے کہا کہ اس سے مراد (عشق) ہے۔ ابن جریج نے کہا کہ اس سے مراد بندر اور خنزیر کی طرف مسخ ہو جانا ہے۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد "شماتۃ الاعداء" (کافروں پر فتح پانا) ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے فرقت اور قطعیت مراد ہے (واعف عنا اور تو ہم سے درگزر فرما) ہم پر مواخذہ نہ کرنا اور ہم سے درگزر کرنا، ہمارے گناہوں کو (واغفرلنا اور ہمیں بخش دے) ہمارے گناہوں پر پردہ ڈال اور ہمیں رسوا نہ کر (وارحمنا اور ہم پر رحم کر) ہم کچھ نہیں کر سکتے جو نیکیاں ہم کرتے ہیں یا جو گناہ ہم چھوڑتے ہیں صرف تیری ہی رحمت سے کرتے ہیں (انت مولانا تو ہمارا آقا ہے) ہمارا مددگار ہے ہماری حفاظت کرنے والا ہے اور تو ہی ہمارا ولی ہے۔

(فانصرنا ہمیں فتح عطا فرما کافر قوم پر) روایت کیا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں "غفرانک ربنا" پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "قد غفرت لکم" میں نے تم کو بخش دیا اور آگے فرمایا "لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا" فرمایا "لا اواخذکم" میں تم سے مواخذہ نہیں کروں گا پھر فرمایا "ربنا ولا

تحمل علینا اصرًا" اس کے جواب میں فرمایا "لا احمل علیکم اصرًا" اور "ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ" کے جواب میں اللہ نے فرمایا "لا احملکم" اور "واعف عنا" سے آخر آیت تک کے جواب میں اللہ رب العزت نے فرمایا میں نے تمہارے گناہ معاف کیے، بخش دیے اور تم پر رحمت فرمائی اور تم کو کافروں پر فتح یاب کیا اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب سورۃ بقرہ ختم فرماتے تو آمین کہتے۔

سورہ بقرہ کی آخری آیات کی فضیلت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج کرائی گئی تو آپ علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور وہ چھٹے آسمان پر ہے اور زمین کے چڑھنے والے اعمال بھی اسی جگہ تک پہنچتے ہیں اور لے جاتے ہیں اور اوپر سے اترنے والے بھی اسی جگہ تک پہنچتے اور لے لیے جاتے ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ پر وہ چیز چھائی ہوئی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے "اذ یغشی السدرۃ ما یغشی" میں آیا ہے اس جگہ تین چیزیں عطاء ہوئیں۔ پانچ نمازیں، سورۃ بقرہ کی آخری آیات اور اُمت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان لوگوں کی معافی جو شرک سے محفوظ رہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ بقرہ کی یہ دو آیتیں ہیں جو رات کے وقت ان کو پڑھے گا وہ اس کے لیے کافی ہو جائیں گی۔ یعنی ان کا ثواب پوری رات عبادت کرنے کے برابر ملے گا۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب لکھوائی جس میں دو آیات سورۃ بقرہ کی خاتمہ والی نازل فرمادیں۔ جس گھر میں یہ دونوں آیات تین رات تک پڑھی جائیں تو شیطان اس گھر کے قریب نہیں آتا۔

❁❁❁

سورۃ آلِ عمران

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٓمّٓ ❶ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ❷

ترجمہ: الم اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابل معبود بنانے کے نہیں وہ زندہ (جاوید) ہیں سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں۔

تفسیر: ❶ الم (حروف مقطعات میں سے ہے)

شانِ نزول

❷ (اللہ) کلبی اور ربیع بن انس نے بیان کیا کہ ان آیات کا نزول نجران کے نمائندوں کے متعلق ہوا جن کی تعداد ساٹھ تک تھی یہ سوار ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یہ کل چودہ افراد تھے اور ان چودہ افراد میں تین اشراف تھے۔ ان میں عاقب سب کا لیڈر اور مشیر تھا۔ اس سے لوگ مشورہ طلب کرتے تھے اور اس کی رائے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ عاقب کا نام عبدالمسیح تھا اور امیر سفر سید تھا جس کا نام ایہم تھا اور ابوحارثہ بن علقمہ پادری اور قافلہ کے مذہبی عالم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے اس وقت یہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ ان کے اوپر یمنی حبری کپڑے کے جُبّے پہنے ہوئے تھے اور خوبصورت مردانہ چادریں اوڑھے ایسے بھلے معلوم ہوتے تھے کہ دیکھنے والے کہہ رہے تھے کہ ان جیسے لوگوں کو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہاں حارث بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے ان جیسا کوئی وفد نہیں دیکھا۔ نماز کا وقت بھی ہوگیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سید اور عاقب سے گفتگو کی۔ آپ علیہ السلام نے ان دونوں کو اسلام لانے کی دعوت دی، دونوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں تو آپ علیہ السلام سے پہلے اسلام لا چکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم دونوں جھوٹ بولتے ہو، تم کو اسلام سے روک دینے والی چیز یہ ہے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہو، صلیب کی پوجا کرتے ہو اور خنزیر کو کھاتے ہو، کہنے لگے اچھا بتاؤ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا باپ خدا نہیں تو ان کا باپ اور کون ہے؟ یہ سب حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جھگڑنے لگے آپ علیہ السلام نے ان سب کو ارشاد فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ ہمارا رب زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت بھی آئے گی۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ ہمارا رب ہر چیز پر قائم ہے وہ حفاظت بھی کرتا ہے اور رزق بھی عطا کرتا ہے۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا ان چیزوں کا مالک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہو سکتے ہیں۔ وہ کہنے لگے نہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اللہ کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ ہی آسمان میں۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟ آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سوائے اپنے مخصوص علم کے اس سے زیادہ کچھ جانتے ہیں؟ اہل وفد نے کہا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے رب نے عیسیٰ علیہ السلام کی صورت رحم میں بنائی جس طرح اس نے چاہا اور ہمارا رب نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں اسی طرح رکھا جس طرح عورت اپنے بچے کو پیٹ میں رکھتی ہے پھر اس کو جنا جس طرح عورت اپنے بچے کو جنتی ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غذا دی گئی جیسا کہ بچے کو غذا دی جاتی ہے پھر وہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور باتیں بھی کرتے ہیں وہ کہنے لگے کیوں نہیں، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ پھر جس طرح تم گمان کرتے ہو اس طرح کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ سب خاموش ہو گئے۔ اس پر اللہ رب العزت نے اس صورت کی ابتدائی آیات اسی (۸۰) سے کچھ اوپر آیات نازل ہوئیں۔

"الم. اللّٰہ" بعض نے کہا کہ میم مفتوح کے ساتھ اور لفظ اللہ اس کے ساتھ ذکر ہے اور بعض حضرات نے میم مفتوح پڑھا ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے اور اخف حرکات میں فتح دیا اور ابو یوسف اور یعقوب بن خلیفہ نے ابی بکر سے روایت کی ہے "الم۔ اللّٰہ" اور بعض حضرات نے یہاں لفظ اللہ میں ہمزہ کو ساقط کر دیا اور میم کے فتح کو لفظ اللہ کے لام کے ساتھ ملا دیا اور بعض نے لفظ میم کو ساکن پڑھا ہے وقف کر کے پھر ابتداء میں ہمزہ کو حذف کر دیا ان لوگوں کے نزدیک جو اس کو حذف کر دیتے ہیں۔

(لا الٰہ الا ھو الحی القیوم اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ رہنے والا قائم رہنے والا ہے) لفظ اللہ مبتداء ہے اور اس کے مابعد خبر ہے اور "الحی القیوم" اس کی صفت ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ⑤ ھُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑥

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس قرآن بھیجا ہے واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان (آسمانی) کتابوں کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں اور (اسی طرح) بھیجا تھا توریت اور انجیل کو اس کے قبل لوگوں کی

ہدایت کے واسطے اور اللہ تعالیٰ نے بھیجے معجزات بے شک جو لوگ منکر ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ان کے لئے سزائے سخت ہے اور اللہ تعالیٰ غلبہ (اور قدرت) والے ہیں بدلہ لینے والے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے (نہ کوئی چیز) زمین میں اور نہ (کوئی چیز) آسمان میں وہ ایسی ذات (پاک) ہے کہ تمہاری صورت (شکل) بناتا ہے جس طرح چاہتا ہے کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے وہ غلبہ والے ہیں۔ حکمت والے ہیں

تفسیر ③ (نزل علیک الکتاب نازل کیا تم پر کتاب کو) کتاب سے مراد قرآن ہے۔ (بالحق حق کے ساتھ) حق بمعنی سچائی کے ہے۔ (مصدقا لما بین یدیہ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے گزری ہیں) اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں توحید کے متعلق، نبوت اور انبیاء اور بعض شرائع کی۔ (وانزل التوراۃ والانجیل اور نازل کیا تورات اور انجیل کو)

④ (من قبل اس سے پہلے) گویا کہ اس طرح یوں کہا "وانزل التوراۃ والانجیل" کیونکہ تورات اور انجیل ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی اور قرآن کے متعلق "نزل" کے الفاظ استعمال کیے۔ "انزال" کے معنی ہیں پورے مجموعہ کا اُتارنا اور "تنزل" کے معنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا اور تنزیل کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا۔ بصریین نے کہا کہ تورات کی اصل "یہ فوعلۃ" کے وزن پر ہے مثل "دوخلۃ وحوقلۃ" پہلی واؤ کو تاء سے اور یاء مفتوحہ کو الف سے بدل دیا تو رات بن گیا پھر اصل کتاب میں یاء کو لکھ دیا گیا۔ کوفیین کے نزدیک تورات کا اصل "تفعلۃ" مثل "توصیۃ" اور "توفیۃ" کی طرح ہے۔ اس کو الف سے بدل دیا لغت طی کی وجہ سے اور یہ لوگ "جاریۃ" کو جاراۃ بولتے ہیں اور "ناصیۃ" کو ناصاۃ کہتے ہیں اور ان کے قول کے مطابق یہ "وری الزند" کا لفظ ہے چقماق سے جب آگ نکلتی ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے "و اوریتہ انا" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "افرایتم النار التی تورون" اس کا نام تورات اس لیے ہے کہ اس میں نور و روشنی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وضیاء و ذکری للمتقین"۔ بعض حضرات نے کہا یہ تورات ہی ہے اس میں اسرار کو چھپاتے تھے۔

اور انجیل افعیل کے وزن پر ہے نجل سے ہے بمعنی خروج اور ولد کو بھی نجل کہتے ہیں اس کے پیدا ہونے کی وجہ سے انجیل کو یہ نام اسی وجہ سے دیا گیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ نجل سے مشتق ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ تورات عبرانی زبان کا لفظ ہے تو ر اور تو ر اس کا معنی یہ ہے کہ شریعت اور انجیل سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی اکلیل ہے جو ایک خاص قسم کی گھاس ہوتی ہے (ھدی للناس اس میں ہدایت ہے لوگوں کے لیے) ان لوگوں کے لیے جو پیروی کرتے ہیں ہدایت ہے لوگوں کے لیے اور یہ مصدر ہے (وانزل الفرقان اور تمہارے لیے فرقان نازل ہوا) جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہوں۔ امام سدی فرماتے ہیں کہ آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی "وانزل التوراۃ والانجیل والفرقان ھدیً للناس"......

"ان الذین کفروا بایات اللہ لھم عذاب شدید واللہ عزیز ذوانتقام" (جن لوگوں نے اللہ کی نازل کردہ آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب انتقام لینے والا ہے)

⑤ (ان اللہ ... فی السماء بے شک زمین و آسمان میں کوئی بھی چیز اس کے نزدیک پوشیدہ نہیں)

❻ (ھو الذی ... یشاء اللہ وہ ذات ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں بناتا ہے جیسی چاہتا ہے) مختلف صورتیں خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث سفید ہوں یا سیاہ خوبصورت ہوں یا بدصورت، مکمل ہوں یا ناقص (لا الٰہ ..... الحکیم اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی غالب حکمت والا ہے)۔ یہ نصاریٰ کے وفد نجران پر رد مقصود ہے جب انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ گویا انہوں نے یہ کہا کہ وہ بیٹا کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ اس نے ماں کے پیٹ میں صورت بنائی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو صادق و مصدوق ہیں تم میں ہر ایک شخص کو ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ رکھا جاتا ہے۔ پھر علقہ بن جاتا ہے۔ پھر وہ گوشت کا ٹکڑا پھر اس کے بعد فرشتے کو چار چیزیں لکھنے کے لیے بھیجتا ہے تو فرشتہ اس کا رزق اس کا عمل اور اس کی اجل (مدت زندگی) اور اس کا نیک بخت ہونا یا بدبخت ہونا لکھ دیا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے پھر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ جنتیوں والے اعمال کرتے رہتے ہیں اور ایک گز کا فاصلہ باقی رہتا ہے تو تقدیر سبقت کرتی ہے تو وہ شخص دوزخیوں کے اعمال کرتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے اور کچھ لوگ دوزخیوں جیسے اعمال کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک گز کا فاصلہ باقی رہتا ہے تو تقدیر سبقت کرتی ہے تو یہ شخص اہل جنت کا کام کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رحم کے اندر نطفہ کے چالیس یا پینتالیس راتیں گزرنے کے بعد ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب! یہ نیک ہے یا بد؟ تو اس کے لیے ایسا ہی لکھا جاتا ہے پھر وہ اپنے رب سے کہتا ہے اے میرے رب! یہ مذکر ہے یا مؤنث؟ پھر اس کے لیے یہ بھی لکھی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس کے اعمال اس کی زندگی اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے پھر وہ مکتوب لپیٹ دیا جاتا ہے نہ اس میں کوئی کمی کی جاتی ہے اور نہ ہی اس میں زیادتی کی جاتی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ❼

(ترجمہ) وہ ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو جس میں کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ اشتباہ مراد سے محفوظ ہیں اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں (اس) کتاب کا اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ مشتبہ المراد ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے۔ (دین میں) شورش ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کے (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے حالانکہ اس کا (صحیح) مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا اور جو لوگ علم (دین) میں پختہ کار (اور فہیم) ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ اس پر (اجمالاً) یقین رکھتے ہیں (یہ) سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں

آیات محکمات کی تشریح

تفسیر ۷ (ھو الذی ..... محکمات وہی ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب جس کی کچھ آیات مضبوط تھیں) محکمات سے مراد مبینات، مفصلات ہیں۔ ان کو محکمات اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں احکام ہیں۔ گویا ان میں ایسے احکام ہیں جس میں مخلوقات کو تصرف کرنے سے روکا گیا ہے۔ ان میں احکام کے ظاہر اور واضح ہونے کی وجہ سے (ھن ام الکتاب آیات محکم اصول و فرائض ہیں) اس کا اصل ہر وہ کام جو احکام کی طرف واپس لوٹے۔ اسی لیے "ھن ام الکتاب" کہا ہے اور اُمہات الکتاب نہیں کہا اس لیے کہ اس میں تمام آیات اس کے احکام مکمل اور مجمع ہیں۔ گویا کہ یہ آیت واحدہ کے حکم میں ہیں اور اللہ کا کلام واحد ہے۔ معنی ہوگا ان میں سے ہر ایک آیت "اُم الکتاب" ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان "وجعلنا ابن مریم وامہ آیۃ" یعنی ان میں سے ہر ایک نشانی ہے (واخر اور دوسری) "اُخَر" جمع ہے آخری کی۔ یہ غیر منصرف ہے کیونکہ یہ دوسرے سے معدول ہو کر آیا ہے۔ جیسے "عُمَرُ اور زُفَرُ" "عامِرٌ اور زافِرٌ" سے معدول ہو کر آیا ہے (متشابہات)

سوال وجواب

بعض نے سوال کیا کہ یہاں محکم اور متشابہ میں کیسے فرق کیا جائے گا حالانکہ پورے قرآن کو محکم قرار دیا ہے جبکہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا "الر کتاب احکمت آیاتہ" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا قرآن متشابہ ہے۔ اس کا جواب دیا کہ پورے قرآن کے محکم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام قرآن فساد معنی اور ضعف عبارت سے محفوظ ہے۔ پورا قرآن حق ہے اس میں کوئی چیز بھی عبث نہیں اور پورے قرآن کے متشابہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعض قرآن بعض کے ساتھ متشابہ ہے حق میں، سچائی میں اور حسن میں اور اس جگہ تفریق وتقسیم سے مراد یہ ہے کہ بعض آیات کے معنی محکم ہیں اور بعض کے متشابہ

محکم اور متشابہ میں فرق

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ محکمات تین آیات جو سورۃ انعام میں ہیں۔ "قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم" اور اس کی مثال سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ "وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ"

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ متشابہات وہ حروف جو سورتوں کے اوائل میں آئے ہیں یعنی حروف مقطعات۔ مجاہد اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ محکم سے مراد حلال وحرام ہے اور اس کے علاوہ جو آیات ہیں وہ متشابہات ہیں۔

اور بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما یضل بہ الا الفاسقین..... ویجعل الرجس علی الذین لا یؤمنون"

امام قتادہ، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ محکم وہ ہے جو ناسخ ہو اور معمول بہا ہو۔ متشابہ جو منسوخ اور معمول بہا نہ ہو۔
ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قرآن میں محکمات یہ ہیں ناسخ، حلال، حرام، حدود، فرائض جن پر ایمان لانا اور عمل کرنا ضروری ہے۔ متشابہات یہ ہیں منسوخ، مقدم و مؤخر ہونا اس کے امثال اور اس کی اقسام نہ ان پر ایمان لایا جاتا ہے اور نہ ہی ان پر عمل کیا جاتا ہے۔
بعض حضرات نے کہا کہ محکمات سے مراد وہ احکام ہیں جن کے معانی پر مطلع ہونے کے لیے مخلوق کو روکا گیا ہے اور متشابہ وہ ہے جس کے جاننے پر مخلوق کو روکا نہ گیا ہو اور ان کے علم پر کوئی چارہ نہ ہو جیسے قیامت کے متعلق نشانیاں، دجال کا خروج، نزول عیسیٰ علیہ السلام، طلوع شمس مغرب سے قیامت کا قائم ہونا، دُنیا کا فناء ہونا (ان چیزوں کا جاننا ضروری ہے)۔
احمد بن جعفر بن زبیر نے فرمایا محکم وہ ہے جس میں کوئی تاویل کی گنجائش نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جس میں مختلف تاویلات کی گنجائش ہو۔ بعض نے کہا کہ محکم وہ ہے جس کا معنی معلوم ہو اور وہ حجت واضح ہو اور اس کے دلائل میں کوئی اشتباہ بھی نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جس کا علم نظر و فکر پر ہو اور عام انسان اس کی تفصیل (حق اور باطل کے درمیان) نہ پہچان سکتا ہو۔
بعض نے کہا کہ محکم وہ ہے جس کا معنی فی نفسہ مستقل ہو اور متشابہ وہ ہے جو فی نفسہ مستقل نہ ہو۔
ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ اس روایت کے بارے میں کہ متشابہ جو سورتوں کے شروع میں نقل کیے گئے ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ یہود کی ایک جماعت جن میں حیی بن اخطب، کعب بن اشرف آپ کے پاس آئے۔ حیی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ آپ پر "الم" نازل ہوئی۔ ہم آپ کو اس کی قسم دے کر دریافت کرتے ہیں کہ کیا اللہ نے آپ پر اس کو نازل فرمایا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جی ہاں! حیی بولا اگر یہ بات صحیح ہے تو میں آپ کی اُمت کی عمر جانتا ہوں اور یہ کل عمر (۷۱) سال ہوگی۔ اس نے کہا کہ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں اس کے علاوہ اور کچھ بھی نازل ہوا ہے اور وہ "المص" ہے اس پر حیی نے کہا کہ اب تو مدت بہت ہوگئی ہے اور وہ ۱۶۱ سال ہے۔ پھر وہ بولا کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جی ہاں۔ "الر" حیی کہنے لگا کہ اس کی مدت تو اور زیادہ ہوگئی؟ اب اس کی تعداد ۲۳۱ ہوگئی۔ وہ بولا کیا اور کچھ بھی اُترا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "المر" ہے کہنے لگا یہ بھی بہت مدت ہے۔ ۲۷۱ سال ہے۔ پھر کہنے لگا کہ آپ نے ہمارے لیے گڑبڑ کردی ہے ہم نہیں سمجھتے کہ زیادہ مدت قائم کریں یا کم مدت، ہم ایسی چیزوں پر ایمان نہیں لاتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "**ھو الذین انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب واُخر متشابھات**" (**فاما الذین ..... زیغ** پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے) زیغ سے مراد حق سے روگردانی ہے۔ بعض نے کہا کہ زیغ سے مراد شک کرنا ہے۔
(**فیتبعون..... منہ** پس وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی اس سے) اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔
امام ربیع فرماتے ہیں کہ یہ وفد نجران جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا

آپ عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ نہیں کہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ اہل وفد نے کہا کہ بس یہی ہمارے لیے کافی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا کہ اس سے مراد یہودی ہے جنھوں نے اس اُمت کی موت اور بقا کا علم حروف ابجد کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہا۔

ابن جریج فرماتے ہیں اس سے مراد منافقین ہیں۔ حسن فرماتے ہیں کہ خوارج مراد ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت پڑھی "فاما الذین فی قلوبھم زیغ" تو فرمایا کہ یہ لوگ حروریہ اور سبائیہ نہیں، میں نہیں جانتا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تمام بدعتی لوگ ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی "ھو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات ھن اُم الکتاب واخر متشبھات" سے لے کر "اولوا الالباب" تک۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایسے لوگ دیکھو جو قرآن کے متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تو سمجھ لینا کہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا ان سے احتیاط رکھنا۔ (ابتغاء الفتنة گمراہی چاہنے کی غرض سے) اس سے مراد شرک کو طلب کرنا۔ ربیع، سدی اور مجاہد رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد شبہات کو تلاش کرنا اور لوگوں میں اس کی غلط تفاسیر کر کے التباس ڈالنا تا کہ اس کے ذریعے سے جہلاء کو گمراہ کیا جائے۔ (وابتغاء تاویله اور ڈھونڈنا اس کی تاویل (مطلب)) اس کی تفسیر اور اس کا علم مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "سانبئک بتاویل مالم تستطع علیه صبرا" بعض نے کہا کہ ابتغاء سے مراد اس کے انجام کو تلاش کرنا یا اس اُمت کی مدت کو حروف ابجد کے ذریعے سے معلوم ہونا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "ذالک خیر و احسن تاویلا" اس سے مراد عاقبت ہے۔

(وما یعلم ...... فی العلم اور نہیں جانتے اس کی تاویل مگر اللہ تعالیٰ) ...... (اور جو لوگ علم میں پکے ہیں) "والراسخون" کی واؤ میں علماء کا اختلاف ہے کہ واؤ کون سی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ واؤ عاطفہ ہے تو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ متشابہات کی تاویل کا علم اللہ کو ہے اور "راسخون فی العلم" کو بھی ہے۔ یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے۔ اس صورت میں آنے والی آیت "یقولون امنا به" (یقولون امنا به وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے) جملہ حالیہ ہوگا اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کا علم "راسخون فی العلم" جانتے ہیں ساتھ ان لوگوں کے علم کے جو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے "ما افاء اللہ علی رسوله من اهل القریٰ فللّٰه وللرسول ولذی القربیٰ" ثم فرمایا "للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم" سے لے کر "والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلھم" پھر فرمایا "والذین جاء وامن بعدھم" ان سب کا عطف ماقبل پر ہے۔ پھر فرمایا "یقولون ربنا اغفرلنا" (اس آیت میں بھی یقولون جملہ حالیہ ہے) مطلب یہ ہوگا کہ ہم بھی ان کے ساتھ مالِ فئی کا حق رکھتے ہیں اور پھر وہ کہتے ہیں "ربنا اغفرلنا" اس حال میں کہ وہ یہ (دعا) کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں "راسخین فی العلم" میں

سے ہوں۔ مجاہد نے فرمایا کہ میں بھی متشابہات کی تاویل جاننے والوں میں سے ہوں۔

دوسرے مفسرین کے نزدیک واؤ استیناف کے لیے ہے اس صورت میں "وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ" میں کلام مکمل ہو جاتا ہے۔ یہی قول ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ہے اور طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی قول روایت کیا ہے۔ حسن اور اکثر تابعین نے بھی یہی کہا ہے اور کسائی، فراء، اخفش (رحمہم اللہ) نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ متشابہات کی تاویل صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور قرآن میں متشابہات کی تاویل وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مخصوص کیا ہے (یعنی ان کو کچھ علم خاص عطا فرمایا) اور اس علم پر کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ قیامت کا علم طلوع شمس من مغربہا کا علم خروج دجال نزول عیسیٰ علیہ السلام کا علم اور مخلوق کو متشابہات پر ایمان لانا ضروری ہے اور محکمات پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ان کی تائید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دوسری قرأت سے بھی ہوتی ہے کہ "وما تاویلہ" کی جگہ "ان تاویلہ الا عند اللّٰہ، والراسخون فی العلم یقولون امنا" اس قرأت میں "والرّاسخون" کا عطف لفظ اللہ پر ہونا ممکن ہی نہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ "ویقول الراسخون فی العلم امنا" اس قرأت میں بھی الراسخون کا عطف (اللہ) پر نہیں ہو سکتا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ تفسیر قرآن کے علم میں رسوخ رکھنے والوں کے علم کی یہ آخری حد آگئی کہ انہوں نے کہا کہ "امنا بہ" کہ ہم ایمان لائے جو بھی رب کی طرف سے ہے۔ یہ قول زیادہ قیاس کے قریب ہے اور ظاہری آیت کے مشابہ ہے۔

راسخون فی العلم کا مصداق کون ہیں؟

"والراسخون فی العلم" سے مراد وہ لوگ جو علم میں ایسے پختہ اور جمے ہوئے ہیں جن کے علم پر ایسا یقین کیا جا سکتا ہے جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہ ہو۔ "راسخون" کا اصل یہ ہے کہ کسی چیز میں خوب مہارت اور رسوخ ہونا اور اس کا ثبوت ہونا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کے دل میں ایمان راسخ ہو گیا، یہ مادہ ہے۔ "یرسخ، رسخا، ورسوخا" بعض نے کہا کہ "والراسخون فی العلم" سے مراد وہ اہل کتاب جو ایمان لائے۔ مثلاً عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "لکن الراسخون فی العلم منھم" جو تورات اور انجیل کا درس دیا کرتے تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے "راسخون فی العلم" کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ عالم باعمل جو دیے ہوئے علم کی پیروی کرنے والا ہو۔

بعض نے کہا کہ "راسخ فی العلم" وہ ہوتا ہے جس کے علم میں چار چیزیں موجود ہوں۔ ❶ التقویٰ بینہ وبین اللہ، پرہیزگاری اس کے اور اس کے رب کے درمیان۔ ❷ تواضع اس کی اور مخلوق کے درمیان ❸ "والزھد" دُنیا سے بے پروائی ❹ مجاہدہ اس کے نفس کے درمیان۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما امام مجاہد اور سدی کا قول ہے کہ جب راسخین نے کہا کہ ہم ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام راسخ فی العلم رکھ دیا اور یہ اپنے علم میں خوب مہارت رکھنے لگے۔ صرف اس قول کی وجہ سے کہ "اٰمنا بہ محکم اور متشابہ ہے۔ (کل من عند ربنا یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے)

کل سے مراد محکم، متشابہ، ناسخ منسوخ اور جس کی مراد سے ہم واقف ہیں اور جس کی مراد سے ہم واقف نہیں ہیں وہ سب کچھ اللہ رب العزت کی طرف سے ہے (وما یذکر اور نہیں نصیحت حاصل کرتے) جو کچھ قرآن میں ہے (الا اولوا الالباب مگر عقل والے) "اولوا الالباب" سے مراد ذوی العقول ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ⑨ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ⑩ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑪

ترجمہ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (خاصہ) عطا فرمایئے۔ بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو (میدان حشر میں) جمع کرنے والے ہیں اس دن میں جس میں ذرا شک نہیں (اور) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف کرتے نہیں وعدہ کو۔ بالیقین جو لوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آ سکتے ان کے مال (دولت) اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ذرہ برابر بھی۔ اور ایسے لوگ جہنم کا سوختہ ہوں گے۔ جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے والے (کافر) لوگوں کا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر دارو گیر فرمائی ان کے گناہوں کے سبب۔ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

تفسیر ⑧ (ربنا لاتزغ قلوبنا اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو نہ پھیر) یہ جملہ راسخین فی العلم کا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو نہ پھیر حق سے باطل کی طرف، ہدایت سے گمراہی کی طرف جس طرح کہ تو نے ان لوگوں کے دلوں کو حق سے پھیر دیا ہے جن کے دل میں کجی ہے۔ (بعد اذ ھدیتنا ہدایت دینے کے بعد) اپنے دین کی توفیق دی اور کتاب بھیج کر تو نے ہم کو ہدایت دی اور محکم و متشابہ پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی (وھب لنا من لدنک رحمۃ اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمایا) اپنی طرف سے ثبات قدمی اور ثبات ایمانی عطا فرما۔ امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ اور مغفرت ہے۔ (انک انت الوھاب بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں)

انسان کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی قلب ایسا نہیں جو رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان میں نہ ہو۔ جب وہ ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے تو وہ ٹیڑھا کر دیتا ہے اور جب سیدھا کرنا چاہتا ہے تو اس کو سیدھا کر دیتا ہے۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرمایا کرتے تھے (اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ) اور ترازو رحمٰن کے ہاتھ میں ہے۔ روز قیامت تک وہ کسی قوم کو اونچا اور کسی قوم کو نیچا کرتا رہے گا۔

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دل کی مثال ایسے پَر کی مانند ہے جو چٹیل میدان میں پڑا ہوا اور ہوائیں اس کو اُلٹ پلٹ کر رہی ہوں۔

❾ (ربنا ...... لیوم اے ہمارے رب! بے شک تو لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرنے والا ہے) فیصلے کے دن۔ بعض نے کہا کہ لیوم میں لام بمعنی (فی) کے ہے (لاریب فیہ جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں) اس دن کے واقع ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں اور وہ قیامت کا دن ہے۔ (ان اللہ لایخلف المیعاد بے شک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا) میعاد مفعال کے وزن پر ہے وعدے سے ہے۔

❿ (ان الذین ...... تغنی بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز کام نہیں آسکتے) نہیں نفع دے سکتے اور نہ ہی وہ دور کر سکتے ہیں۔ (عنھم ...... من اللہ نہ ان کا مال اور نہ ان کی اولاد اللہ سے) کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ کا عذاب اور ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ من بمعنی عند کے ہے یعنی اللہ کے نزدیک (شیئا ...... وقود النار کسی چیز کا اور یہ لوگ ایسے ہیں جو جہنم کی آگ کا ایندھن ہوں گے) .....

⓫ (کدأب آل فرعون جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا)

کَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ کی تفسیر میں مختلف اقوال

ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ و مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا فعل کفر و تکذیب میں فرعون کی طرح تھا۔

عطاء، کسائی، ابوعبیدہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ "دأب" سے مراد اہل فرعون کا قحط ہے۔

اخفش کے نزدیک اس سے آل فرعون کا امر اور ان کی شان مراد ہے۔

نضر بن شمیل نے کہا اس سے عادت مراد ہے یعنی ان لوگوں کی عادت یہ تھی کہ یہ رسولوں کو جھٹلاتے اور فرعون کی طرح انکار کرتے (والذین من قبلھم اور ان لوگوں کا حال جو اس سے پہلے تھا) ما قبل ملت کفریہ مثلاً قوم عاد و ثمود اور اس کے علاوہ (کانوا ...... اللہ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، اللہ نے ان کو پکڑا) اللہ نے ان کو سزا دی (بذنوبھم ان

کے گناہوں کے سبب) بعض حضرات نے کہا کہ آیت کا مطلب اس طرح ہوگا "ان الذین کفروا ...... الایۃ" بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کو نہیں فائدہ پہنچائے گا ان کا مال اور نہ ان کی اولاد جب ان سے انتقام اور سزا دی جائے گی۔ جیسا کہ فرعون کی آل کو اور ماقبل اُمتوں کو سزا دی گئی۔ جب ان کو سخت پکڑا گیا تو ان کو مال و اولاد نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ (واللہ شدید العقاب اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے)۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: آپ ان کفر کرنے والوں سے فرمادیجئے کہ عنقریب تم (مسلمانوں کے ہاتھ سے) مغلوب کئے جاؤ گے اور (آخرت میں) جہنم کی طرف جمع کرکے لے جائے جاؤ گے اور وہ (جہنم) ہے برا ٹھکانا۔ بیشک تمہارے لئے بڑا نمونہ ہے دو گروہوں (کے واقعہ) میں جو کہ باہم ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتے تھے (یعنی مسلمان) اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے یہ کافر اپنے کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصے (زیادہ) ہیں کھلی آنکھوں دیکھنا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دے دیتے ہیں۔ (سو) بلاشک اس میں بڑی عبرت ہے (دانش) بینش والے لوگوں کو۔

تفسیر: ۱۲ (قل ..... جهنم کہہ دیں ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کرکے لے جائے جاؤ گے) حمزہ اور کسائی نے "سیغلبون" اور "یحشرون" کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "یغلبون و یحشرون" اور دوسرے حضرات نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے خطاب کے صیغہ کے ساتھ۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم ان کو کہہ دو کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے اور جمع کیے جاؤ گے۔

آیات کا شانِ نزول

مقاتل کے نزدیک یہ کفار مشرکین کے بارے میں ہے۔ آیت کا معنی ہوگا کہ آپ مکہ کے کفار سے کہہ دیں کہ عنقریب تم بدر کے میدان میں مغلوب کیے جاؤ گے اور تمہیں جمع کیا جائے گا قیامت کے دن جہنم میں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ان سے فرمایا کہ اللہ تم پر غالب آ گیا اور تم کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے گیا۔

اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہود ہیں۔

کلبی نے بروایت ابو صالح، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کے یہودیوں نے کہا

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن مشرکین کو شکست دی کہ یہ تو وہی نبی ہیں جن کی بشارت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی جن کی طرف ان کا رُخ ہو جائے واپس نہیں لوٹایا جاتا۔ چنانچہ یہودیوں نے آپ کے اتباع کا ارادہ کیا تو بعض یہودیوں نے بعض سے کہا کہ ابھی جلدی نہ کرو یہاں تک کہ تم ایک اور واقعہ دیکھ لو اس کے بعد جب احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو فی الوقت شکست ہوئی تو یہودی شک میں پڑ گئے اور ان پر بدبختی غالب آ گئی اور مسلمان نہ ہو سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان ایک معاہدہ تھا، یہودیوں نے مقررہ مدت کے درمیان اس معاہدہ کو توڑ دیا اور کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کو لے کر مکہ پہنچا، پھر اس نے اہل مکہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کرنے کی دعوت دی اس پر سب نے اتفاق کر لیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

سعید بن جبیر وعکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر سے کامیاب ہو کر مدینہ کی طرف لوٹے تو آپ نے بنی قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کر کے خطاب کیا اور فرمایا اے یہودیوں کے گروہ قبل اس کے کہ قریشیوں کی طرح تم پر مصیبت آئے، مسلمان ہو جاؤ اور تحقیق تم جان چکے ہو کہ میں نبی مرسل ہوں اور تم اس کو اپنی کتاب میں بھی پاتے ہو۔ وہ یہودی کہنے لگے محمد اس کا غرور نہ کرنا کہ چند قریشیوں کو تم نے قتل کر دیا ہے وہ تو ناتجربہ کار تھے جنگ سے واقف نہیں تھے ہم سے لڑو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم آدمی ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ”کفروا“ سے مراد یہود ہیں ”ستغلبون“ تمہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں دُنیا میں شکست ہوگی۔ ”وتحشرون“ جمع کیا جائے گا تم کو آخرت میں جہنم کی طرف۔ ”بئس المهاد“ برا بچھونا ہے یعنی برا ہے وہ جو ان کے لیے بچھایا گیا ہے وہ آگ ہے۔

⑬ (قد کان لکم آیۃ تحقیق اس میں نشانیاں ہیں تمہارے لیے) کان کے لفظ کے بجائے کانت کا ذکر نہیں کیا۔ یہ آیت مؤنث ہے اس لیے کہ ان کے بیان کی طرف اس کو لوٹا دیا گیا ہے ”قد کان“ بیان ہے۔ فراء کہتے ہیں ”کان“ کا لفظ اس وجہ سے ذکر کیا کہ صفت کی حالت اسم اور فعل کے درمیان حائل ہے۔ اس وجہ سے فعل کو ذکر کیا۔ نحو میں جہاں بھی اس طرح آیا ہے اس کی یہی وجہ مراد لی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اس میں عبرت اور سچائی کی واضح دلالت ہے کہ جو تم کہتے ہو کہ عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے (فی فئتین ان دو گروہوں میں) ”فئتین“ سے مراد دو جماعتیں ہیں۔ ”فئتین“ اصل میں ”فاء الحرب“ ہے بمعنی لوٹنا کیونکہ بعض جماعت بعض کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں مارتے ہیں اور واپس لوٹ آتے ہیں (التقتا جن کا آپس میں مقابلہ ہوا) بدر کے دن۔

بدر کے مجاہدین کی تعداد

(فئة ...... سبیل الله ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑتا ہے) اللہ کی فرمانبرداری میں لڑنے والی جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی۔ اس میں ۷۷ مہاجرین اور ۲۳۶ انصاری تھے۔ مہاجرین کی سرپرستی کرنے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور انصار کی سرپرستی اور جھنڈا اٹھانے والے سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس لشکر میں ستر اونٹ دو گھوڑے تھے ایک گھوڑا حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا مرثد بن ابی مرثد کا۔ ان میں اکثر صحابہ رضی

اللہ عنہم پیدل تھے ان کے پاس اسلحہ میں چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ (واخریٰ کافرۃ اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا) دوسرا فرقہ کافروں کا تھا اور وہ مشرکین مکہ تھے ان کی تعداد ۹۵۰ تھی اور ان کی کمان عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس کے پاس تھی۔ ان کے پاس سو گھوڑے تھے۔ یہ بدر کی لڑائی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود شریک تھے اول ترین جنگ تھی جو ہجرت سے اٹھارہ مہینوں کے بعد ماہ رمضان ۲ ہجری میں ہوئی تھی (یرونھم مثلیھم تم کافروں کو مسلمانوں سے دُگنا دیکھ رہے تھے)

اہل مدینہ اور یعقوب وغیرہ نے "ترونھم" پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم یہود کو مسلمانوں سے دُگنا دیکھ رہے تھے۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ بعض یہودی میدان بدر میں اس وجہ سے حاضر ہوئے تھے کہ دیکھیں کس کا پلا بھاری ہوتا ہے۔ مشرکین کا یا مسلمانوں کا تو انہوں نے مشرکین کو دیکھا کہ وہ مسلمان سے دُگنے ہیں لیکن پھر بھی مسلمانوں کے ساتھ مدد نازل ہوئی تو یہ معجزہ اور نشانی ہے۔

یرونھم اور مثلیھم کی ضمائر میں مختلف توجہات

اور دوسرے قراء نے "یرونھم" پڑھا ہے اور ھم ضمیر مسلمانوں کی طرف راجع ہو اس صورت میں اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

بعض حضرات نے روایت مسلمین مراد لی ہے اس صورت میں اس کی دو تاویلیں ہوں گی۔ مسلمانوں نے مشرکین کو اپنے سے دُگنا دیکھا۔ سوال ہوتا ہے کہ مشرکین مسلمانوں سے دُگنا تو نہیں تھے بلکہ وہ تو دو تہائی تھے۔ جواب یہ دیا گیا کہ یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص یوں کہے جس کے پاس ایک درہم ہو وہ کہے کہ میں اس کے مثل کا محتاج ہوں۔ مثل سے مراد خواہ اس کے برابر ہو یا اس کا ڈبل دو اور تو یہ تین پر اطلاق ہوا۔

(۲) دوسری تاویل جو صحیح اور راجح ہے کہ جب مسلمانوں نے مشرکین کو اپنے سے دُگنا دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نظروں میں کم کر کے دکھایا حتیٰ کہ وہ نو سو چھبیس (۹۲۶) دکھائی دیئے جانے لگے۔ پھر دوسری مرتبہ اس سے بھی کم دکھائی دیئے یہاں تک کہ مشرکین مسلمانوں کے برابر لگنے لگے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے تو ہمیں مشرکین ہم سے دُگنے نظر آتے تھے پھر ہم نے دوسری مرتبہ دیکھا تو ان کی تعداد ہمارے برابر نظر آنے لگی۔ ایک آدمی بھی زیادہ نہ دکھائی دیا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تعداد ہماری نظر میں اتنی گھٹا دی کہ ہم ان کو اپنے سے کم دیکھنے لگے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں تک کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا کہ ہم کو تو یہ ستر آدمی دکھائی دیتے ہیں، دوسرے نے کہا کہ مجھے تو سو معلوم ہوتے ہیں۔

اور بعض نے کہا کہ یرونھم کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہو کر رویت سے مراد مشرکین ہیں کہ مشرکین نے مسلمانوں کو اپنے سے دُگنا دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ سے پہلے مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم کر کے دکھائی دی تاکہ مشرک مسلمان پر جری ہو جائیں لڑنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ جب لڑائی شروع ہو گئی تو پھر مشرکین کو دکھائی دیا کہ مسلمانوں کی تعداد ہم سے دُگنی کر دی گئی ہے تاکہ ان کے اندر بزدلی آجائے اور مومنین کو مشرکین کی تعداد کم کر کے دکھلائی گئی تاکہ مومنین کو لڑائی میں قوت حاصل ہو۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا فرمان "واذ یریکموھم اذا التقیتم فی اعینکم قلیلاً ویقللکم فی اعینھم"

ہے۔(رای العین آنکھوں دیکھتے) فی رای العین سے حرف جارہ محذوف ہے (واللہ ...... ذلک اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے قوی کردیتا ہے، بے شک اس میں) اس واقعہ میں جو ہم نے ذکر کیا (لعبرۃ لاولی الابصار عبرت ہے بصیرت والوں کے لیے) اس سے ذوی العقول مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ جس نے ان دونوں گروہوں کو دیکھا وہ مراد ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭

ترجمہ: خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے نمبر (یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگی کی۔ اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

تفسیر: ⑭ (زین ...... الشھوات مزین کی جاتی ہے لوگوں کے لیے مرغوب چیزوں کی محبت) "شھوات شھوۃ" کی جمع ہے کسی چیز کی طرف نفس کی رغبت کا ہونا (من النساء عورتوں میں سے) اولاً اس لیے ذکر کیا چونکہ یہ شیطان کا جال ہیں۔ (والبنین والقناطیر اور بیٹے اور ڈھیر) قناطیر جمع قنطار کی ہے اس میں اختلاف ہے۔

قنطار کی وضاحت میں مفسرین کے اقوال

ربیع بن انس نے فرمایا قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں جس میں مختلف قسم کے اموال ہوں۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "قنطار" ایک ہزار دو سو اوقیہ ہیں۔ ہر ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک فرماتے ہیں کہ بارہ سو مثقال مراد ہیں اور دوسری روایت میں بارہ ہزار درہم یا ہزار دینار۔ جیسا کہ تم میں کسی ایک کی دیت کے بقدر ہو۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "قنطار تم میں سے کسی ایک کی دیت کے بقدر کا نام ہے۔

سعید بن جبیر اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ سو ہزار اور سو سیر اور سو رطل اور سو مثقال اور سو درہم۔ جب اسلام آیا تو مکہ میں سو آدمیوں نے اقامت اختیار کی۔ سعید بن مسیب اور قتادہ نے کہا کہ اس سے مراد اسی (۸۰) ہزار ہے۔

مجاہد نے ستر ہزار فرمایا۔ سدی نے فرمایا چار ہزار مثقال۔ حکم نے کہا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں قنطار ہیں۔

ابو نضرۃ نے کہا کہ بیل کی کھال کے بھرنے کے بقدر سونا و چاندی کا ہونا، انہی احکام کی وجہ سے ان کو قنطار کہا گیا کہ اس میں مضبوطی ہوتی ہے۔ جیسا کہ محاورۃً کہا جاتا ہے "قنطرت الشئی اذا احکمته" کہ میں نے اس چیز کو مضبوط کردیا جب کسی چیز کو پختہ کردیا جاتا ہے (والمقنطرۃ جمع کیے ہوئے) ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا ترجمہ مضبوط محکم سے ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کثیر مال جو تہ بہ تہ رکھا گیا ہو۔ یمان نے کہا کہ وہ مدفون کردہ ہے۔

امام سدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ سکہ جس کو منقش کر دیا گیا ہو۔ یہاں تک کہ وہ دراھم و دنانیر بن جاتا ہے۔ فراء نے چند گنے چنے ترجمہ کیا ہے۔

قناطیر تین تک بولے جاتے ہیں اور مقنطرۃ نو تک بولے جاتے ہیں۔ (من الذھب والفضۃ سونے اور چاندی سے) سونا کو سونا اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے جانا اور سونا بھی آنے جانے والی چیز ہے اور چاندی کو چاندی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا معنی منتشر ہونا اور چاندی بھی منتشر ہونے والی ہے (والخیل المسومۃ اور گھوڑے نشان زدہ) خیل جمع ہے اس کا مفرد لفظوں میں موجود نہیں اس کا واحد فرس ہے جیسا کہ قوم جمع ہے اور نساء بھی جمع ہے اس کا مفرد من لفظہ موجود نہیں۔

مسومۃ کی تفسیر

"مسومۃ" مجاہد فرماتے ہیں مکمل ساخت والے کامل الاعضاء۔ عکرمہ کا قول ہے کہ "تسویمھا" کا معنی ہے خوبصورت ہونا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد جنگل میں آزادی سے چرنے والے ہیں۔

حسن اور ابوعبیدہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نشان زدہ ہے یہ لفظ سیماء مشتق ہے اور سیماء کا معنی علامت ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ "سیماء" سے مراد جلد کا دھبہ اور رنگ ہے اور یہی قول امام قتادہ کا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد داغنا ہے (والانعام اور مویشی) جمع "نَعَم" آتی ہے اس میں اونٹ، گائے، بھیڑ شامل ہیں۔ یہ جمع ہے اس کی واحد لفظوں میں موجود نہیں (والحرث اور کھیتی) حرث سے مراد کھیتی ہے (ذلک یہ) جو ہم نے ذکر کر دیا (متاع الحیوۃ الدنیا سب استعمال کی چیزیں ہیں دُنیا کی زندگی میں) یہ اس بات کی طرف اشارہ کہ یہ سب فانی اشیاء ہیں (واللہ عندہ حسن المآب اور انجام کی خوبی اللہ ہی کے پاس ہے) "مآب" بمعنی مرجع۔ اس میں اشارہ ہے کہ زاہد فی الدنیا اور رغبت فی الآخرۃ ہونا چاہیے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان چیزوں سے (سو سنو) ایسے لوگوں کے لئے جو (اللہ) سے ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جن کے پائیں میں نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور (ان کے لئے) ایسی بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور (ان کے لئے) خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے (بھالتے) ہیں بندوں کو۔

تفسیر: ۱۵ (قل اؤنبئکم کیا میں تمہیں خبر دوں) "انبئکم" سے مراد خبر دینا ہے (بخیر ...... من اللہ جو کہ بہتر ہو ان چیزوں سے ایسے لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں ان کے مالک کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں

گے اور ان میں بیویاں ہیں پاکیزہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشنودی) عام قراء نے اس کو راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے "رِضوان" ابوبکر اور عاصم کی قرأت میں راء کے ضمہ کے ساتھ ہے "رُضوان" یہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے جیسے کہ "عُدوان" اور "عِدوان" ہے۔

جنتیوں کیلئے عظیم خوشخبری

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں سے فرمائیں گے۔ اے اہل جنت! وہ کہیں گے لبیک اے ہمارے رب وسعدیک اور خیر ہے تمہارے ہاتھوں میں۔ اب رب العزت فرمائیں گے کہ کیا تم مجھ سے راضی ہو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم آپ سے کیونکر راضی نہ ہوں گے کہ تم نے ہمیں وہ چیزیں عطا کی ہیں جو اس سے کسی کو نہیں عطا کیں۔

پھر اللہ رب العزت فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز نہ عطا کروں وہ کہیں گے کہ ہمارے رب اس سے افضل اور کون سی چیز ہے۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے میں تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راضی ہوں اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا (اللہ تمام بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے)۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔ (اور وہ لوگ) صبر کرنے والے ہیں اور راست باز ہیں اور (اللہ کے سامنے) فروتنی کرنے والے ہیں اور (مال) خرچ کرنے والے ہیں اور اخیر شب میں (اٹھ اٹھ کر) گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔ گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں۔ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں وہ زبردست حکمت والے ہیں

تفسیر: ⑯ (الذین یقولون ایسے لوگ جو یہ کہتے ہیں) اگر تو چاہے بنا دے ہمارے لیے جگہ "الذین" سے مراد خضوع وخشوع رکھنے والے مراد ہیں (للذین اتقوا ان لوگوں سے جو ڈرتے ہیں) اگر چاہیں تو بنالیں یہ مرفوع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے یا منصوب ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے فعل محذوف اعنی ہے۔

(ربنا ..... امنا اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے) تصدیق کی (فاغفرلنا ذنوبنا بخش دے ہمارے

گناہوں کو) ہم پر پردہ ڈال اور ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا نہ دے (وقنا عذاب النار اور ہمیں بچا آگ کے عذاب سے)

۱۷ (الصابرین والصادقین صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے) یہ دونوں منصوب ہیں علی المدح یا تو صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ عبارت یوں بنے گی "الصابرین فی اداء الاوامر" اللہ کے حکم کردہ امور پر عمل کرنے میں جو مشقت پہنچتی ہے اس پر صبر کرنا اور نہی (منع کردہ امور) کے ارتکاب سے بچنا اور تنگی و تکلیف کے وقت صبر کرنا اور اپنی قسموں میں سچے۔ قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد کہ وہ اپنی نیت میں سچے اور ان کے دل استقامت والے اور اس پر ان کی زبان تصدیق کرتی ہے پوشیدہ اور ظاہراً بھی (والقانتین اور حکم بجالانے والے) اطاعت کرنے والے اور نماز پڑھنے والے (والمنفقین اور خرچ کرنے والے) اور اپنے اموال کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنے والے (والمستغفرین بالاسحار اور بخشش مانگنے والے رات کے پچھلے حصہ میں)

مجاہد، قتادہ اور کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں سحری کے وقت نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔

مستغفرین بالاسحار کی تفصیل

زید بن اسلم نے کہا کہ صبح کی نماز جماعت سے پڑھنے والے مراد ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ تہجد کی نماز پڑھنے والے کیونکہ یہ بھی صبح کے قریب ہوتی ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت تک عبادت کرنا پھر استغفار کرنا۔ نافع فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ رات کو زندہ کرتے تھے، پھر فرمایا اے نافع کیا سحری ہوگئی، میں نے کہا کہ نہیں پھر وہ دوبارہ نماز پڑھنے لگ گئے، جب نافع نے کہا کہ سحری ہوگئی تو آپ رضی اللہ عنہ بیٹھ جاتے اور کثرت سے استغفار کرتے اور دُعا مانگتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ ہر روز سحری کے وقت آسمان دنیا پر اجلال فرماتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دُنیا پر تشریف لاتے ہیں رات کے تیسرے حصے میں اور کہتے ہیں کہ میں بادشاہ ہوں کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کی دُعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگنے میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی مانگنے میں اس کو معاف کروں۔ حسن رحمہ اللہ سے حکایت ہے کہ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ اے میرے بیٹے تو اس مرغ سے زیادہ عاجز نہ ہو جو سحری کے وقت آواز دیتا ہے اور تو سوتا رہے۔

۱۸ (شھد ......الا ھو گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اس کی کہ اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں)

شانِ نزول

یہ آیت نجران کے نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شام کے احبار میں سے حبران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب اس نے

مدینہ منورہ کے شہر کو دیکھا تو ایک ساتھی نے دوسرے سے کہا کہ یہ شہر اس شہر کے بہت ہی مشابہ ہے جس میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے جب وہ دونوں شخص اس شہر میں داخل ہوگئے تو وہ اس شہر کی صفات کو جان گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگے کہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جی ہاں۔ پھر ان دونوں نے پوچھا کہ آپ احمد ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں محمد ہوں احمد ہوں، ان دونوں میں سے ایک نے پوچھا کہ ہم آپ سے ایک چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں، اگر آپ اس کے متعلق ہمیں بتلا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پوچھو۔ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کتاب اللہ میں سب سے بڑی شہادت کے متعلق بتلائیے، اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل فرمائی، پھر یہ دونوں اسلام لے آئے۔

شہد اللہ کی تشریح

"شھد اللّٰہ" سے مراد اللہ بیان کرے گا کیونکہ شہادت کسی چیز کو واضح کرنے اور بیان کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

مجاہد نے کہا کہ اس سے اللہ کا حکم (فیصلہ) ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد "علم اللّٰہ انہ لا الٰہ الا ھو" ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو پیدا کیا جسموں کو پیدا کرنے سے چار ہزار سال پہلے اور ارزاق (رزق) کو پیدا کیا روح کو پیدا کرنے سے چار ہزار سال پہلے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شہادت دی مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے جب نہ آسمان تھا اور نہ زمین اور نہ بر اور بحر۔ اس وقت اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا "شھد اللّٰہ انہ لا الٰہ الا ھو" (والملائکۃ اور فرشتے) اور فرشتوں نے بھی گواہی دی۔ بعض حضرات نے کہا کہ شہادت کا معنی ہے اخبار و اعلام مومنین اور ملائکہ کی شہادت کا معنی ہوگا اقرار کرنا۔

اولو العلم کون لوگ ہیں؟

(واولوا العلم اور اصحاب علم) اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ابن کیسان نے کہا کہ مہاجرین و انصار مراد ہیں۔

مقاتل نے کہا کہ اہل کتاب کے علماء ہیں۔ عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔

سدی اور کلبی نے کہا کہ اس سے تمام مومنین مراد ہیں۔ (قائما بالقسط قائم کرنے والے ہیں انصاف کے ساتھ) اس سے عدل مراد ہے۔ "شھد اللّٰہ قائما بالقسط" منصوب ہوگا حال ہونے کی وجہ سے اور بعض نے کہا منصوب "بنزع الخافض" ہوگا اور "قائما بالقسط" کا معنی ہوگا۔ "ای قائما بتدبیر الخلق" مخلوق کی تدبیر۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کھڑا ہے فلاں کے حکم سے۔ "ای مدبر لہ ومتعھد لاسبابہ و فلان قائم بحق فلان ای مجاز لہ" (لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم)

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا ۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲

ترجمہ: بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا (کہ اسلام کو باطل کہا) تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو دلیل پہنچ چکی تھی۔ محض ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب سے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کا حساب لینے والے ہیں۔

تفسیر: ⑲ (ان الدین ...... عند اللہ بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے) وہ دین جس سے اللہ راضی ہو جائے۔ جیسا کہ فرمایا "ورضیت لکم الاسلام دینا" اور دوسری جگہ فرمایا "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا" کسائی "ان الدین" میں ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے اور کہا ہے کہ یہ رد ہے پہلے کلام پر تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "شهد الله انه لا اله الا هو وشهد ان الدين عند الله الاسلام او شهد الله ان الدين عند الله الاسلام بانه لا اله الا هو"

اور باقی (قراء) نے "ان الدین" میں ہمزہ پر کسرہ پڑھا۔

الاسلام کی تعریف

الاسلام کی تعریف سلامتی میں داخل ہو جانا اور وہ پیروی اور طاعت کرنا جیسا کہ کہا جاتا ہے "اسلم" یعنی داخل ہو جا سلامتی میں اور سلامتی والا ہو جا۔ قتادہ نے اللہ کے اس فرمان کے متعلق کہا "ان الدین عند اللہ الاسلام" فرمایا کہ اس سے مراد "شهادة ان لا اله الا الله" اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ احکام کا اقرار کرنا ہے اور وہ اللہ کا دین جو اس نے رسولوں کو دے کر بھیجا اور اس پر اولیاء کو سیدھا راستہ دکھایا۔ ان کے علاوہ اور کسی دین کو قبول نہیں کیا اور نہیں بدلہ (ثواب) دیا جائے گا۔

عمرو بن عثار غالب بن قطان سے روایت نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں تجارت کی غرض سے آیا تو میں حضرت اعمش کے قریب رُکا اور ہم لوگ اس آیت میں اختلاف کرتے تھے جب ایک دن میں نے کوفہ سے بصرہ کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کیا تو دیکھا حضرت اعمش رات کے تہائی حصہ میں نماز تہجد پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ "شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة و اولوا العلم قائما بالقسط لا اله الا هو العزيز الحكيم" پھر حضرت اعمش نے فرمایا کہ میں بھی وہی شہادت دیتا ہوں جو اللہ نے دی ہے اور اس شہادت کو اللہ کے پاس امانت رکھتا ہوں۔ "ان الدین عند اللہ الاسلام" کی شہادت اللہ کے پاس میری ودیعت ہے۔ اس طرح کئی مرتبہ فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ آج میں نے اس طرح، اس طرح آپ سے سنا ہے کہ میں نے صبح کے وقت آپ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اسی طرح ودیعت رکھی۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ میں نے آپ سے سنا کہ آپ اس آیت کو بار بار پڑھ رہے تھے۔ یہ بات آپ تک کس نے پہنچائی؟ یا یہ کہا کہ یہ بات آپ تک کب پہنچی کہ آپ اس طرح عمل کر رہے ہیں۔ اعمش نے جواب دیا کہ مجھ

سے ابووائل نے جب یہ روایت بیان کی تو انہوں نے مجھے دو سال تک انتظار کروایا۔ پھر اعمش نے فرمایا کہ میں بھی آگے آپ کو ایک سال تک بیان نہیں کروں گا۔ غالب قطان فرماتے ہیں کہ یہ بات میں نے اپنے گھر کے دروازے کے باہر لکھ دی تا کہ مجھے یاد رہے جب سال مکمل ہوا تو میں دوبارہ اعمش کے پاس گیا تو میں نے کہا کہ

ابا محمد سال گزر چکا ہے پھر انہوں نے مجھے حدیث سنائی۔ حدثنی ابووائل عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال...... الخ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شہادت والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ اللہ فرمائے گا میرے اس بندے کا میرے پاس ایک عہد ہے اور میں سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے کے لائق ہوں، میرے اس بندے کو جنت میں داخل کردو۔

(وما اختلف ...... الکتاب اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا جن کو کتاب دی گئی)

شان نزول

کلبی نے کہا کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کی حقانیت میں یہود و نصاریٰ نے اختلاف نہیں کیا (الا من بعد ما جاءھم العلم مگر ان کو علم ہو جانے کے بعد) جو صفات ان کی کتابوں میں موجود ہے ان کے جاننے کے بعد بھی اختلاف کیا۔

ربیع بن انس نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قرب الموت کے وقت بنی اسرائیل کے ستر علماء کو طلب کیا اور تورات ان کو امانت دی اور یوشع بن نون کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ جب پہلی، دوسری اور تیسری صدی گزر گئی تو اس کے بعد یہودیوں میں اختلاف واقع ہو گیا۔ "اوتو الکتاب" سے مراد انہی ستر علماء کی اولاد مراد ہے جن کو تورات دی گئی تھی یہاں تک کہ ان میں خوب خون ریزی ہوئی اور بدی پھیل گئی اور "الا من بعد ما جاءھم" سے مراد اس چیز کا بیان ہے جو تورات میں تھی (محض ایک دوسرے سے بڑھنے کی وجہ سے) بادشاہت اور سیاست کی طلب کی وجہ سے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر جابرۃ کو مسلط کیا۔

محمد بن جعفر بن زبیر نے کہا کہ اس آیت کا نزول نجران کے عیسائیوں کے متعلق ہوا تھا۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جن کو انجیل کی کتاب دی گئی۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں یہودیوں سے اختلاف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ اس علم کے بعد کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ "بغیا بینھم" صرف دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے (ومن یکفر بآیات اللہ فان اللہ سریع الحساب اور جو شخص اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں تو یقینا اللہ اس سے جلد حساب لے گا)۔

فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے حجتیں نکالیں تو آپ فرما دیجئے کہ (تم مانو یا نہ مانو) میں تو اپنا رخ خاص اللہ تعالیٰ کی طرف کر چکا اور جو جو میرے پیرو تھے وہ بھی۔ اور کہیے اہل کتاب سے اور (مشرکین) عرب سے کہ کیا تم بھی

اسلام لاتے ہو۔ سو اگر وہ لوگ اسلام لے آویں تو وہ لوگ بھی راہ پر آجاویں گے اور اگر وہ لوگ روگردانی رکھیں سو آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ (اور سمجھ) لیں گے بندوں کو۔

تفسیر ۲۰ (فان حاجوک پھر اگر (اے محمد) محمد آپ سے مناظرہ کریں) اے محمد! اگر وہ آپ سے دین کے معاملے میں جھگڑا کریں یہ جھگڑا کرنے والے یہود و نصاریٰ ہیں۔

اگر یہ لوگ آپ سے کہیں کہ یہودیت اور نصرانیت تو نسب ہے مذہب نہیں ہے دین تو ہمارا اسلام ہے اور ہم اسی پر ہیں (فقل ..... لہ تو آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تو اللہ کا فرماں بردار ہو گیا) میں نے اسی کی پیروی کی اپنے دل سے اپنی زبان سے اور تمام اعضاء و جوارح سے یہاں آیت میں چہرے کو خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ اشرف الاعضاء ہے کہ جب چہرے سے خشوع وخضوع آئے گا تو تمام اعضاء سے خشوع و خضوع صادر ہوگا۔ فراء نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ میں نے تمام اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیئے (ومن اتبعن اور وہ جس نے میری پیروی کی) جس نے میری پیروی کر کے اسلام قبول کیا جیسا کہ میں نے اسلام قبول کیا۔ نافع ابو عمرو نے "اتبعن" میں یاء کو ساتھ ذکر کر کے "اتبعنی" نقل کیا ہے۔ بعض نے یاء کو حذف کیا "خطاء" کیونکہ اصل نسخہ میں یاء موجود نہیں تھی (وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین اور کہئے اہل کتاب سے اور مشرکین عرب سے) امیین سے مراد عرب ہیں (ءاسلمتم کیا تم بھی اسلام لاتے ہو) یہ صیغہ استفہام کا ہے امر کے معنی میں ہے یعنی "اسلموا" جیسا کہ کہا گیا "فھل انتم منتھون" اصل میں "انتھوا" تھا۔ (فان اسلموا فقد اھتدوا اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو وہ لوگ بھی راہ پر آجائیں گے) جب یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔ اہل کتاب سے کہا کہ اسلام لے آؤ اور یہود سے کہا کہ تم پہلے یہ گواہی دو کہ عزیر علیہ السلام اس کے بندے اور رسول ہیں تو یہودی کہنے لگے معاذ اللہ عزیر اس کے بندے ہیں اور نصاریٰ سے کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کے بندے ہیں اور رسول ہیں وہ کہنے لگے معاذ اللہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں؟ پھر اللہ عزوجل نے فرمایا (وان تولوا فانما علیک البلاغ اگر وہ لوگ روگردانی کریں سو آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے) آپ کے ذمہ پہنچا دینا ہے تبلیغ کے ذریعے اور آپ کے ذمہ ہدایت دینا نہیں (واللہ بصیر بالعباد اور اللہ تمام بندوں کو خوب دیکھتا ہے) جاننے والا ہے ان لوگوں کو بھی جو ایمان لائے اور ان لوگوں کو بھی جو ایمان نہیں لائے۔

اہل کتاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: بیشک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ایسے شخصوں کو جو (افعال واخلاق کے) اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیجئے ایک سزائے دردناک کی (اور) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سب اعمال (صالحہ) غارت ہو گئے۔ دنیا میں اور آخرت میں اور (سزا کے وقت) ان کا کوئی حامی مددگار نہ ہوگا۔ (اے محمدؐ) کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب (تورات) کا ایک (کافی) حصہ دیا گیا اور اسی کتاب اللہ کی طرف اس غرض سے ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے پھر (بھی) ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے۔

اہل کتاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ

تفسیر ۲۱ (ان ..... اللہ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں) اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں آیات سے مراد قرآن ہے۔ "الذین یکفرون" سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں (ویقتلون ..... من الناس اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور جو لوگ انصاف کرنے کا حکم کرتے ہیں) حمزہ نے "یقتلون" کی جگہ "یقاتلون الذین یامرون" ذکر کیا ہے۔

ابن جریج نے کہا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء پر وحی اترتی تھی ان کے پاس کتاب نہیں آئی تھی اس وحی کے مطابق وہ اپنی قوم کو نصیحت کرتے تھے تو انبیاء کو شہید کر دیا جاتا۔ پھر انبیاء کے پیروکار نصیحت کرنے والے کھڑے ہو جاتے اور ان کو نصیحت کرتے تو ان کو بھی انبیاء کی طرح شہید کر دیا جاتا، یہ وہی لوگ تھے جو لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتے تھے۔

اشد الناس عذابا یوم القیامة

ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کے دن سب سے سخت عذاب کس کو دیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا منکر کا حکم دیا اور معروف سے روکا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت "**ویقتلون النبیین بغیر حق ویقتلون الذین**" سے "**ومالھم من ناصرین**" تک تلاوت فرمائی۔ پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا اے ابو عبیدہ بنو اسرائیل نے دن کے اوّل حصہ میں ایک ہی وقت میں (۴۳) انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کیا۔ ان کی شہادت کے بعد پھر بنی اسرائیل میں سے ایک سو بیس عابد کھڑے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کے لیے تو ان عابدوں کو بھی دن کے دوسرے حصہ میں شہید کر دیا، یہ وہی لوگ ہیں جن کا تذکرہ اللہ پاک نے اپنی کتاب میں کیا اور ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

(**فبشرھم بعذاب الیم** سو انہیں خوشخبری سنا دیں) خبر دے دیں (دردناک عذاب کی) ایسا سخت عذاب جو بہت ہی تکلیف دہ

ہو۔ "فبشرھم" میں فاء کو داخل کیا خبر ہونے کی وجہ سے۔ اس صورت میں "ان الذین" شرط و جزاء کے معنی کو متضمن ہوگا تقدیری عبارت یوں ہوگی "الذین یکفرون ویقتلون فبشرھم" جن لوگوں نے کفر کیا اور انبیاء کو قتل کیا تو آپ ان کو خوشخبری سنا دو۔ یہ شرط جزاء درست نہیں کیونکہ کوئی بھی اس طرح نہیں کہتا۔ "انّ زیدًا فقائم"

۲۲ (اولئک ..... ناصرین یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال غارت ہوگئے دُنیا میں اور آخرت میں ان کا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا) دُنیا میں اعمال کے باطل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبول نہیں کیے جائیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی بدلہ نہیں دیا جائے گا۔

۲۳ (الم تر ..... الکتاب کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا) اس سے مراد یہود ہیں (یدعون ..... اللہ ان کو بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف) اس کتاب کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

کتاب اللہ کی تفسیر میں مختلف اقوال

قتادہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو کتاب اللہ کی طرف یعنی قرآن کے فیصلہ کی طرف بلایا گیا وہ اس سے اعراض کرنے لگے۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے یہود و نصاریٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قرآن کو فیصلہ کن قرار دیا تو قرآن نے یہود و نصاریٰ کے درمیان یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ حق پر نہیں ہیں اور وہ اس فیصلے سے روگرداں ہوگئے اور دوسرے حضرات نے کہا کہ اس سے مراد تورات ہے۔

سعید بن جبیر و عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی جماعت کنیسہ میں داخل ہوئے اور ان کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اس پر نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس دین پر ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم کے دین پر۔ ان دونوں نے کہا کہ ابراہیم تو یہودی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورات لاؤ، وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ انہوں نے تورات لانے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہودیوں کے بڑے عالم ابن صوریا کا ذکر

کلبی نے ابو صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اہل خیبر کے باشندوں میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا اور زناء کی سزا ان کی کتاب میں رجم مقرر تھی۔ انہوں نے رجم کو ناپسندیدہ سمجھا کیونکہ زانی عالی مرتبہ والا تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے رجم کرنا مناسب نہیں سمجھا اور یہ فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور انہیں یہ اُمید تھی کہ اس میں کوئی رخصت ہوگی یا کوئی تخفیف مل جائے گی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رجم کرنے کا حکم دے دیا تو نعمان بن اوفی اور بحری بن عمرو اس سزا کو سن کر بولے کہ آپ نے ان دونوں پر رجم کی سزا جاری کرنے کا حکم کیا حالانکہ ان پر رجم کی سزا نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب تورات موجود ہے تو وہ کہنے لگے کہ آپ نے انصاف کی بات کی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے تورات کا زیادہ جاننے والا کون ہے؟ تو انہوں نے کہا ایک اندھا آدمی جو فدک میں رہتا ہے اس کا نام ابن صوریا ہے چنانچہ اس کو بلوایا گیا اور وہ مدینہ آیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن صوریا کے متعلق بتلا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ تم ہو ابن صوریا؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم یہودیوں کے بڑے عالم ہو۔ ابن صوریا نے کہا کہ لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کا وہ حصہ منگوایا اور اس کو کہا کہ پڑھ جب وہ رجم کی آیت پر پہنچا تو اپنی ہتھیلی اس پر رکھ دی اور آگے پڑھنے لگا۔ عبداللہ بن سلام کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آیت رجم کو چھوڑ گیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن سلام نے خود اٹھ کر اس کا ہاتھ آیت رجم سے ہٹایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور یہودیوں کو پڑھ کر سنایا ہے کہ محصن اور محصنہ جب زنا کریں اور شہادت سے ثبوت ہو جائے تو ان کو سنگسار کر دیا جائے اور اگر عورت حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے تک سزا موقوف رکھی جائے۔ اس فیصلہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو سنگسار کرا دیا اور یہودی ناراض ہو کر چلے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "**الم تر الی الذین اوتوا نصیباً من الکتاب**" کتاب سے مراد تورات ہے (**لیحکم بینہم ثم یتولی فریق منہم وھم معرضون** تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے بعض لوگ کترا کر منہ موڑ لیتے ہیں)

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَکَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِکَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: (اور) یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک دوزخ کی آگ لگے گی۔ اور ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کی تراشی ہوئی باتوں نے سو ان کا کیا (برا) حال ہوگا جبکہ ہم ان کو اس تاریخ میں جمع کر لیں گے جس (کے آنے) میں ذرا شبہ نہیں اور اس تاریخ میں) پورا پورا بدلہ مل جاوے گا۔ ہر شخص کو جو کچھ اس نے (دنیا میں) کیا تھا اور ان شخصوں پر ظلم نہ کیا جاوے گا۔ (اے محمدؐ) آپ (اللہ تعالیٰ سے) یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی۔ بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۴﴾ (**ذلک ..... فی دینہم** یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ یوں کہتے تھے کہ ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر گنے چنے

دن اور انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے) غرور کہتے ہیں ایسی طمع کرنا جس سے کوئی شی حاصل نہ ہو (ما کانوا یفترون جس کو وہ تراشتے ہیں) افتراء کہا جاتا ہے جھوٹ میں ملاوٹ، جھوٹ گھڑنا۔

㉕ (فکیف اذا جمعناھم لیوم لاریب فیہ پس ان کا کیا حال ہوگا اس وقت جب ہم ان کو ایک دن جمع کریں گے جس (دن) کے آنے میں کوئی شک نہیں) اس وقت ان کا کیا حال ہوگا یا اس وقت وہ کیا کریں گے جب ان کو جمع کیا جائے گا۔ "لیوم" سے مراد قیامت کا دن ہے (ووفیت اور وہ پورا پائے گا) "ووفیت" کا معنی ہے پورا پورا بدلہ (کل نفس ما کسبت ہر نفس کو جو اس نے کمایا) اس کو بدلہ دیا جائے گا نیکی کا اور برائی کا (وھم لایظلمون اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا) یعنی ان کی نیکیوں کو کم کر کے اور ان کی برائیوں کو زیادہ کر کے ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

㉖ (قل ...... الملک اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں کہ اے اللہ! جو مالک الملک ہے)

قتادہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بتلایا گیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے روم وفارس کی فتح اپنی اُمت کے لیے مانگی تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا اور آپ نے اپنی اُمت کے لیے فارس اور روم کی حکومت کا وعدہ فرمایا تو منافق اور یہودی کہنے لگے۔ ارے ارے کہاں محمد اور کہاں فارس اور روم کی حکومتیں۔ وہ ان سے بہت زیادہ طاقت ور اور مضبوط ہیں۔ کیا محمد کے لیے مکہ اور مدینہ کافی نہیں کہ فارس اور روم کی حکومت کے لیے طمع کرنے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی۔

قل اللھم کی تحقیق

"قل اللّٰھُمَّ" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے "یا اللّٰہ" حرف ندا (یا) کو حذف کر کے آخر میں میم لگا دیا۔ بعض نے کہا کہ یہاں معنی میم ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ "اللّٰھُمَّ" اصل میں "یا اللّٰہ امنا بخیر" اے اللہ ہماری خیر کا ارادہ کر۔ حرف نداء کو حذف کیا گیا۔ یہ اس طرح ہو گیا "علّمَ الینا" گویا کہ اس کا اصل "ھل ام الینا" کلام میں ہمزہ کو تخفیفاً حذف کیا جاتا ہے اور میم مشدد کو لفظ اللہ سے ملا دیا۔ "مالک الملک" اصل میں یا "مالک الملک" تھا مطلب یہ ہے کہ بندوں کا مالک اور جس چیز کے بندے مالک ہیں ان کا بھی مالک۔ بعض نے کہا کہ اے زمین و آسمان کے مالک! اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ بعض کتب میں اسی طرح ارشاد فرمایا "انا اللّٰہ ملک الملوک و مالک الملوک قلوب الملوک ونواصیھم بیدی" میں اللہ بادشاہوں کا بادشاہ۔ بادشاہوں کے دلوں کا مالک اور ان کی پیشانیوں کا مالک اگر بندے میری فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان پر رحمت بھیجتا ہوں اور اگر میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کو سزا دیتا ہوں لہٰذا تم بادشاہوں کو برا بھلا نہ کہو بلکہ میری طرف رجوع کرو میں ان بادشاہوں کو تمہاری طرف پھیر

دوں گا (تؤتی الملک من تشاء تو دیتا ہے بادشاہت جس کو چاہتا ہے) مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا کہ ملک سے مراد نبوت ہے۔ کلبی نے کہا کہ "تؤتی الملک من تشاء" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں (وتنزع الملک ممن تشاء اور چھین لیتا ہے بادشاہت جس سے چاہتا ہے) اس سے مراد ابوجہل اور قریش کے بڑے بڑے سردار۔

بعض نے کہا کہ "تؤتی الملک من تشاء" سے مراد عرب ہے اور "تنزع الملک ممن تشاء" سے مراد روم و فارس ہیں۔

امام سدی نے کہا کہ "تؤتی الملک من تشاء" سے مراد انبیاء علیہم السلام کی ملک اور بندوں کا ان کی اطاعت کرنا ہے۔

اور "وتنزع الملک من تشاء" سے مراد جبارین ہیں اور بندوں کو ان کی اطاعت سے روکا گیا۔ بعض نے کہا کہ "تؤتی الملک من تشاء" سے مراد آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے اور "وتنزع الملک ممن تشاء" سے مراد ابلیس اور اس کا لشکر ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے)

وتعز من تشاء وتذل من تشاء کی تفسیر

عطاء فرماتے ہیں کہ "تعز من تشاء" سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں۔ "وتذل من تشاء" سے مراد فارس اور روم ہیں اور بعض نے کہا کہ "وتعز من تشاء" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں کہ یہ مکہ میں دس ہزار کی تعداد میں داخل ہوئے۔ "وتذل من تشاء" سے مراد ابوجہل اور اس کے کارندے ہیں جن کو بدر کے مقام پر گھسیٹ کر گڑھے میں ڈالا گیا تھا۔

بعض حضرات نے کہا کہ "وتعز من تشاء" سے مراد ایمان و ہدایت ہے اور "وتذل من تشاء" سے مراد کفر اور گمراہی ہے بعض نے کہا تعز من تشاء سے مراد نیکی اور تذل من تشاء سے مراد برائی ہے۔

بعض نے کہا کہ "تعز من تشاء" سے مراد نصرت ہے اور "تذل من تشاء" سے مراد عذاب ہے۔

بعض نے کہا کہ "تعز من تشاء" سے مراد مراد مال دار ہونا اور "وتذل من تشاء" سے مراد فقر و فاقہ ہے۔ بعض نے کہا کہ "تعز من تشاء" سے مراد قناعت اور رضا ہے اور تذل من تشاء سے مراد حرص اور طمع ہے (بیدک الخیر تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے) اصل عبارت اس طرح تھی "بیدک الخیر والشر" کیونکہ خیر اور شر دونوں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ یہاں صرف "خیر" کو ذکر کر کے اسی پر اکتفاء کیا، یہ ایسے ہی ہے جیسے "وسرابیل تقیکم الحر" اصل میں "الحر والبرد" تھا یہاں صرف "حر" کو ذکر کیا اور برد کو اسی پر اکتفاء کیا (انک علی کل شیء قدیر بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے)

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

(تفسیر) آپ رات (کے اجزاء) کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور (بعض فصلوں میں) دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور آپ جاندار چیزوں کو بے جان سے نکال لیتے ہیں (جیسے بیضہ سے بچہ) اور بے جان چیز کو

جاندار سے نکال لیتے ہیں) جیسے پرندے بیضہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بیشمار رزق عطا فرماتے ہیں

تفسیر ㉗ (تولج اللیل فی النهار یعنی تو رات کو دن میں) رات کو دن میں داخل کرنے والا کبھی دن تو پندرہ ساعات کا ہوتا ہے اور رات نو ساعات کی (وتولج النهار فی اللیل اور تو داخل کرتا ہے دن کو رات میں) اور رات پندرہ ساعات کی اور دن نو ساعات کا تو اس صورت میں دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔

(وتخرج ......الحی اور تو نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے) قراء اہل مدینہ، حمزہ، کسائی، حفص بن عاصم رحمہم اللہ نے "المیّت" میں یاء کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

سورۃ انعام، سورۃ یونس، سورۃ روم میں بھی اسی طرح ہے۔ اعراف میں "لبلد میّت" اور فاطر میں "الی بلد میّت" نافع نے "اَوَ مَنْ کان میْتًا فاحییناہ" اور "لحم اخیه میتًا، والارض المیتة احییناھا" میں بھی مشدد پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ امام یعقوب نے "یخرج الحی من المیّت" اور "ولحم اخیه میتا" میں مشدد پڑھا ہے۔

تخرج الحی من المیت......الآیۃ کی مختلف تفاسیر

اس آیت کی تفسیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ نے کہا کہ اللہ جانور کو نطفہ سے اور نطفہ میت ہے اور نطفہ کو خود ان سے نکالتے ہیں۔ عکرمہ اور کلبی فرماتے ہیں کہ "تخرج الحی من المیّت" سے مراد بچے کو انڈے سے اور انڈے کو پرندے سے نکالنا۔ حسن اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد مؤمن کو کافر سے اور کافر کو مؤمن سے پیدا کرتا ہے۔ مؤمن زندہ اور کافر مردہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "او من کان میتًا فاحییناہ" زجاج فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تروتازہ نباتات کو خشک بیج سے پیدا کرتا اور خشک بیج کو تر گٹھلی سے پیدا کرتا ہے (وترزق ......حساب اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے) بغیر تنگی اور کمی کے۔

مقبول الشفاعت آیات

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "فاتحة الکتاب" اور آیت الکرسی اور سورۃ آل عمران کی دو آیات یعنی "شهد الله" سے لے کر "ان الدین عند الله الاسلام" تک اور دوسری آیت "وقل اللّٰهم مالک الملک" سے لے کر "بغیر حساب" تک شفاعت کو قبول کرنے والی ہیں عرش کے ساتھ معلق ہیں ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ انہوں نے کہا تھا اے رب! تو ہم کو زمین پر اتار کر ایسے لوگوں کے پاس بھیج رہا ہے جو تیری نافرمانی کریں گے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میرے بندوں میں جو کوئی ہر نماز کے بعد تمہاری تلاوت کرے گا وہ کیسا ہی ہو میں جنت کو اس کا ٹھکانہ ضرور بناؤں گا۔ میں "حظیرة القدس" میں اس کو ضرور

ٹھہراؤں گا، میں اس کی طرف ضرور نظر رحمت کروں گا اور روزانہ اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا ان میں ادنیٰ درجہ گناہوں کی بخشش کا ہوگا اور میں ہر دشمن و حاسد سے اس کو پناہ دوں گا اور اس کو غالب کروں گا۔

امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہ روایت حارث بن عمر سے مروی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو (ظاہراً یا باطناً) دوست نہ بناویں مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے۔ اور جو شخص ایسا (کام) کرے گا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تفسیر: ۲۸ (لا یتخذ ...... المؤمنون نہ بنائیں مؤمنین کافروں کو دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر)

شان نزول

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حجاج بن عمرو ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید ان تینوں نے انصار کے چند آدمیوں سے اندرونی دوستی لگائی تا کہ دین سے ان کو دور کر یں اور بہکا دیں۔

رفاعہ بن منذر اور عبداللہ بن جبیر اور سعید بن خثمہ نے انصار سے کہا کہ آپ لوگ ان یہودیوں سے بچتے رہیں کہیں دین کی طرف سے آپ کو بہکا نہ دیں۔ انصار نے اندرونی دوستی ترک کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا کہ اس آیت کا نزول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ وغیرہ کے متعلق نازل ہوا جو کفار مکہ سے دوستی کا اظہار کرتے تھے۔ کلبی نے ابو صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کے بارے میں ہوا جو مشرکوں اور یہودیوں سے دوستی رکھتے تھے اور مسلمانوں کی خبریں ان کو اس امید پر پہنچاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مؤمنین کو ان کے فعل سے منع فرما دیا (ومن یفعل ذلک اور جو ایسا کرے گا) یعنی کفار کے ساتھ دوستی اور مسلمانوں کی خبریں ان تک پہنچانا تا کہ وہ مسلمانوں کے عیوب پر مطلع ہو جائیں (فلیس من اللہ فی شیئ تو اللہ سے اس کا کچھ بھی دوستی کا تعلق نہیں) اللہ کے دین میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔ پھر اس کو مستثنیٰ ذکر کیا اور فرمایا (الا ...... تقاۃ مگر یہ کہ کافروں کی طرف سے تم کو کچھ شر کا اندیشہ ہو)

یعنی کافروں سے ظاہر تعلقات ان کے شر کا اندیشہ ہونے کی وجہ سے درست ہے اور کسی وقت جائز نہیں۔

أن تتقوا منهم تقاة کی تفسیر میں ائمہ مفسرین کی توجہات

مجاہد اور یعقوب نے اس کو "تقیۃ" وزن "بقیۃ" پر پڑھا ہے اور یاء کو برقرار رکھا ہے الف کو نہیں پڑھا جیسے "حصاۃ" اور نواۃ ہے۔ "تقاۃ" کا مصدر "بقال" کی طرح ہے جیسے "تقیت، تقاہ و تقی تقیۃ و تقوی" یہ سب اس کے مصادر ہیں اور جب "اتقیت" کہا جائے تو اس کا مصدر "الاتقاء" آئے گا اگر ان کا باب ثلاثی مجرد سے ہو تو پھر "تقاۃ" بولا جاتا ہے اور اتقاء نہیں کہا جاتا۔ اگر یہ دونوں لفظ ایک ہی ہوں تو مصدر بھی ایک ہی آئے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وتبتل الیه تبتیلا" اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو کفار کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع فرمایا ہے یا اس وقت جائز ہے جب کفار مغلوب ہوں اور ان کی طرف سے شر کا کوئی اندیشہ ہو یا کوئی مؤمن کفار کے علاقے میں رہتا ہو تو ان کی زبانی مداہنت کر سکتا ہے جب کہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو صرف اپنے آپ سے شر کو دور کرنے کے لیے ایسا کرے لیکن ان کے ساتھ دوستی میں کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا یا حرام چیز کو حلال قرار دینا یا مسلمانوں کے عیوب کو کفار کے سامنے بیان کرنا یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ان کو طرح طرح کی تدبیریں بتلانا اور مسلمانوں کے رازوں کو بتلانا جائز نہیں اور وہ کسی کلام میں تقیہ نہ کرے مگر اس کو جان کا خوف ہو تو اس صورت میں اگر اس کی نیت درست ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اس کے بارے میں فرمان ہے اور جس کو زبردستی کی گئی اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے تو اس کے لیے رخصت ہے اگر اس نے صبر کیا اور کلمہ کفر نہ کہا پھر وہ مارا گیا تو اجر عظیم ہوگا۔ بعض حضرات نے تقاۃ کو نا جائز قرار دیا، اسلام کے ظہور کے بعد کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ابتداءِ اسلام میں جب تک دین کا استحکام نہ ہوا تھا اور اسلام میں قوت نہیں آئی تھی تو اس وقت تقاۃ جائز تھا لیکن اب اللہ نے اسلام کو عزت بخشی ہے تو اہل اسلام میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دشمن سے تقیہ کرے۔

یحییٰ البکاء نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے حجاج بن یوسف کی حکومت کے دنوں میں پوچھا کہ حسن آپ سے کہا کرتے تھے "تقیه باللسان والقلب مطمئن بالایمان" کہ تقیہ صرف زبان سے ہو جبکہ دل مطمئن ہو۔

سعید نے کہا کہ اسلام میں تقیہ جائز نہیں۔ تقیہ تو جنگ کی حالت میں ہوتا ہے (ویحذرکم الله نفسه اور اللہ تم کو اپنی ناراضگی اور عذاب سے ڈرا رہا ہے) اللہ تعالیٰ تم کو کفار کے ساتھ دوستی کرنے کی سزا کے بارے میں ڈراتا ہے اور "منهی عنه" امور کے ارتکاب اور غیر شرعی امور کے ارتکاب سے تمہیں سزا کے متعلق ڈراتا ہے (والله رؤف بالعباد اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے)۔

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾

(ترجمہ) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم پوشیدہ رکھو گے اپنا مافی الضمیر یا اس کو ظاہر کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو (ہر حال میں) جانتے

ہیں اور وہ تو سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں۔ جس روز (ایسا ہوگا) کہ ہر شخص اپنے اچھے کیے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا۔ اور اپنے برے کیے ہوئے کاموں کو بھی (اور) اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا جو اس شخص کے اور اس کے درمیان دور دراز مسافت (حائل ہوتی) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات (عظیم الشان) سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں بندوں پر۔

تفسیر ㉙ (قل ..... صدور کم اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو کہ اگر تم چھپائے رکھو اپنے دلوں میں) تمہارے دلوں میں کفار کی دوستی جو چھپائے رکھے ہو (او تبدوہ یا اس کا اظہار کرو) ان کی دوستی کا اظہار کرو قول و عمل سے (یعلمہ اللہ اللہ اس کو خوب جانتا ہے) کلبی فرماتے ہیں کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اس کو چھپاؤ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بول کر اس کا اظہار نہ کرو یا کفار کے سامنے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کے متعلق گفتگو اور قتال کے متعلق ان کو بتلائیں۔ اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے اور ان کو محفوظ کر کے رکھتا ہے اور تمہیں اس کا بدلہ بھی دیا جائے گا (و یعلم ..... والارض اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب کو جانتا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب زمین و آسمان میں کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں تو تمہاری دوستی کیسے پوشیدہ ہو سکتی ہے اور تمہارے دلوں کا میلان کیسے مخفی رہ سکتا ہے (واللہ ..... قدیر اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

㉚ (یوم تجد کل نفس جس دن پائے گا ہر نفس) "یوم منصوب بنزع الخافض" ہے۔ یعنی حرف جار و فی محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ "فی یوم تھا یا فعل محذوف "اذکروا، اتقوا" فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (ما ..... محضرا اپنی کی ہوئی نیکی اپنے سامنے) اس سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ووجدوا ما عملوا حاضرا" انہوں نے جو عمل کیا وہ انہوں نے اپنے سامنے حاضر پایا (وما عملت من سوء اور جو اس نے برائی کی ہوگی) بعض حضرات نے "تجد" کو منصوب پڑھا ہے جو اعمال اس نے کیے خواہ وہ خیر ہوں یا شر۔ بعض نے کہا کہ وہ اپنے نیک اعمال کو چھپائے گا۔

بعض حضرات نے تجد کو جملہ مستانفہ بنایا ہے اس کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔ "وما عملت من سوء ودت لو أن بینھا وبینہ امدا بعیدا" (تود ان بینھا تو وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان) اس کے درمیان سے مراد اس کے نفس کے درمیان ہے (وبینہ اور اس کے) برے عمل کے درمیان (امدا بعیدا دور کی مسافت پائے گا) سدی نے فرمایا کہ "امدا بعیدا" سے "مکانا بعیدا" مراد ہے۔

مقاتل نے فرمایا مراد اس سے مشرق و مغرب کے درمیان اور امد سے مراد زندگی ہے اور غایت اس کی جہاں تک اس کی انتہاء ہے۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر آدمی کو یہ تمنا ہوگی کہ اس کی بدی اس کے سامنے کبھی نہ آئے۔

بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اس بات کی تمنا کرے گا کہ کاش! اس نے یہ برے اعمال کیے ہی نہ ہوتے (و یحذر کم ..... نفسہ ..... بالعباد اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اللہ مومن بندوں پر بڑا مہربان)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو۔ تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔ آپ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں سو (سن رکھیں) کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے

شانِ نزول

تفسیر ۳۱ اس آیت کا نزول یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہوا تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا "نحن ابناء الله و احباؤه" کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ (نعوذ باللہ)

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے پاس آئے جب وہ مسجد حرام میں موجود تھے انہوں نے کعبہ کے اندر بت نصب کیے تھے اور ان پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے ہوئے تھے اور ان کے کانوں میں بالیاں پہنائی ہوئی تھیں اور ان بتوں کو سجدے کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ! اے قریش کی جماعت تم نے اپنے باپ ابراہیم و اسماعیل کے طریقے کی مخالفت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش نے جواب دیا کہ ہم تو اللہ کی محبت میں ان کی پوجا کرتے ہیں تا کہ یہ ہم کو خدا کے مقرب بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور بتوں کی پوجا اس لیے کرتے ہو تا کہ وہ تمہیں خدا کے قریب کر دیں تو تم میری پیروی کرو تو تم سے اللہ محبت کرے گا، میں اس کی طرف سے تمہاری طرف بھیجا ہوا رسول اور تم پر حجت ہوں، تم میری شریعت و سنت کی پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ پس مؤمنین کی اللہ سے محبت یہ ہے کہ وہ اس حکم کی پیروی کریں اور اس کی اطاعت میں خرچ کریں اور اس کی رضا چاہیں اور اللہ تعالیٰ کی مؤمنین سے محبت یہ ہے کہ ان کی تعریف کرتا ہے اور ان کو اجر عطا کرتا ہے اور ان سے خطاؤں کو معاف کرتا ہے۔ (ویغفر ...... رحیم اور وہ بخش دے گا تمہارے گناہوں کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جب یہ آیت نازل ہوئی تو عبد اللہ بن ابی منافق نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دے رہے ہیں اور ہم کو حکم دے رہے ہیں کہ ہم ان سے ویسی ہی محبت کریں جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۲ قل ان کنتم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہر امتی جنت میں جائے گا سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ کون انکار کرے گا۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

من اطاعنی فقد اطاع اللہ

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے آئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ بعض فرشتوں نے بعض سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔ فرشتے کہنے لگے کہ ان کی مثال بیان کرو تو انہوں نے مثال بیان کی وہ کہنے لگے ان کی مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے کہ جس نے گھر بنایا اور اس میں اس نے دعوت کا کھانا تیار کیا اور ایک شخص کو بلانے کے لیے بھیجا۔ پس جس شخص نے اس بلانے والے کو قبول کیا وہ اس گھر میں داخل ہوگا اور اس نے دعوت سے کھانا کھایا اور جس نے اس بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کیا وہ اس گھر میں بھی داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی اس نے اس گھر سے دعوت کھائی تو انہوں نے کہا ان میں پہلا وہ شخص جس کو اللہ نے دین کی سمجھ عطا فرمائی۔ بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سوتی ہے اور دل جاگتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ دار سے مراد جنت ہے۔ داعی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان فرق کر دیا۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے (نبوت کے لئے) منتخب فرمایا ہے (حضرت) آدم کو اور (حضرت) نوح کو اور (حضرت) ابراہیم کی اولاد (میں سے بعضوں کو) اور عمران کی اولاد) میں سے بعضوں) کو تمام جہان پر۔ بعضے ان میں سے بعضوں کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں۔ جبکہ عمران (پدر مریم) کی بی بی نے (حالت حمل میں) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جاوے گا سو آپ مجھ سے (بعد ولادت) قبول کر لیجئے۔ بیشک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

شانِ نزول

تفسیر: ﴿٣٣﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں یہود کہتے ہیں کہ ہم ابراہیم، اسحٰق، یعقوب علیہم السلام کے بیٹے ہیں اور ہم انہی کے دین پر ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کے لیے چن لیا اور تم دین اسلام پر نہیں ہو۔ اصطفیٰ، اختار کی طرح ہے باب افتعال سے صفوۃ سے مصدر ہے اس کا معنی ہے خالص۔ آدم علیہ السلام تمام مخلوقات کے باپ ہیں اور نوح علیہ السلام بھی۔ (وآل ابراھیم ...... عمران اور ابراہیم و عمران کی اولاد)

آل ابراہیم اور آل عمران کی وضاحت

"آل ابراھیم و عمران" سے مراد حضرت ابراہیم اور عمران علیہما السلام ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وبقیة مما ترک آل موسیٰ و آل ھرون" یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام۔ بعض نے کہا کہ آل ابراہیم سے مراد اسماعیل، اسحاق، یعقوب والاسباط ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

باقی رہے آل عمران ان کے بارے میں مقاتل نے کہا کہ یہ عمران بن یصھر بن قاہت بن لاوی بن یعقوب علیہم السلام ہیں اور آل موسیٰ و ہارون علیہم السلام ہیں۔ حسن اور وہب رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ عمران بن اشھم بن امون جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے بیٹے ہیں اور ان کی آل مریم و عیسیٰ علیہما السلام ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اس سے عمران بن ماثان ہیں ان دونوں کو اس لیے خاص کیا کیونکہ تمام انبیاء اور رسول انہی کی نسل سے ہیں۔ (علی العالمین تمام جہانوں پر)

㉞ (ذریة اولاد) ذریۃ یہ ذرا سے مشتق ہے اس کا معنی ہے پیدا کرنا اور بعض نے کہا کہ یہ "ذر" سے مشتق ہے چیونٹی کو کہتے ہیں کیونکہ اس کو آدم کی پیٹھ سے نکالا گیا۔ اس وقت آدم علیہ السلام کی ذریت چیونٹیوں کی مانند تھیں۔ ذریۃ کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے اور باپ دادا پر بھی۔ اباء کو ذریۃ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور اولاد ذریت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ ان کو باپ سے پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وآیة لھم ان حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون" ذریۃ منصوب ہے معنا اور ہم نے چن لیا ذریت کو بعض کو بعض سے (بعضھا من بعض بعض کو پیدا کیا ہے بعض سے)

بعض نے کہا کہ بعض کو بعض کے ساتھ مدد دی نصرت دی۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ان میں سے کچھ لوگ دوسرے لوگوں کے دین پر ہیں۔ (واللہ سمیع علیم اور اللہ تعالیٰ سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں)

㉟ (اذ...... عمران یاد کرو جبکہ عمران کی بیوی نے کہا تھا)

ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ

عمران علیہ السلام کی بیوی کا نام حنہ بنت فاقوذا جو حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ محترمہ تھیں اور عمران سے عمران بن ماثان ہیں۔ عمران بن ابی موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔

اور بعض نے کہا کہ ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے اور ماثان کی اولاد بنی اسرائیل کی سردار اور بادشاہ تھی اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد عمران بن اشھم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (رب ...... بطنی محررا اے میرے رب میں نے نذر مانی ہے آپ کے لیے اس بچے کی جو میرے بطن میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا)

گرجا کی خدمت کیلئے بچوں کو وقف کرنے کی نذر ماننا

یعنی جو کچھ میرے بطن میں ہے میں اس کو تیرے لیے آزاد کرتی ہوں اور تیرے لیے نذر مانتی ہوں (فتقبل ...... العلیم پس تو اس کو میرے لیے قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے) نذر کہتے ہیں انسان جو اپنے اوپر لازم کرلے محرراً اس کو خالص اللہ کی رضا کے لیے، محض اللہ کی عبادت کے لیے اور گرجا کی خدمت کے لیے آزاد کرتی ہوں تا کہ دنیا کے وہ کسی کام میں مشغول نہ ہو اور جس کو اللہ کے لیے خالص کیا جائے تو اس کو محرر کہا جاتا تھا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "حررت العبد اذا اعتقته" جب غلام کو آزاد کیا جائے اور اس کو رقیت سے نجات دلا دی جائے۔ کلبی نے محمد بن اسحاق وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب گرجا گھر کے لیے کسی کو آزاد کر دیا جاتا تو وہ جوان ہونے تک۔ اس کی خدمت کرتا جوان ہونے کے بعد اس کو اختیار ہوتا کہ چاہے تو وہیں رہ کر گرجا کی خدمت کرتا رہے اور چاہے تو کہیں چلا جائے۔ پھر اس سے زبردستی خدمت نہ لی جاتی۔ کوئی پیغمبر اور مذہبی عالم ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی نسل کا کوئی فرد بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف نہ کیا گیا ہو، یہ وقف کرنے کا دستور لڑکوں کے لیے تھا نہ کہ لڑکیوں کے لیے کیونکہ ان کے ساتھ وہ عوارض لاحق ہوتے ہیں جو لڑکوں کے ساتھ نہیں ہوتے۔

ام مریم علیہا السلام کی دعا اور قصہ

اُم مریم علیہا السلام نے اپنے بطن میں جو کچھ تھا اس کو آزاد کر دیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت زکریا اور حضرت عمران علیہما السلام نے دونوں بہنوں کے ساتھ شادی کی۔ ایشاع بنت فاقوذا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی تھیں اور حنہ بنت فاقوذا حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ یہ عمران علیہ السلام کی بیوی تھیں۔ حضرت حنہ کی کوئی اولاد نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ بوڑھی ہو گئیں۔ ایک روز کسی درخت کے نیچے سے انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے بچے کو چونچ سے کھلا رہا ہے یہ دیکھ کر ان کے دل میں بچے کے لیے خواہش اٹھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے بھی بچہ عطا فرما اور فرمانے لگیں اے اللہ! اگر تو نے مجھے بچہ عطا فرمایا تو میں اس کو بیت المقدس کی طرف صدقہ کروں گی تا کہ وہ بیت المقدس کی خدمت کر سکے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ نے ان کو مریم علیہا السلام سے حاملہ کر دیا اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ حمل مذکر ہے یا مؤنث، پھر ان کے شوہر نے کہا کہ ہلاکت ہو یہ تو نے کیا کیا۔ کیا تو دیکھتی اگر وہ لڑکی ہوئی تو وہ اس کی صلاحیت نہیں رکھے گی، دونوں اس وجہ سے غمگین ہو گئے۔ اسی اثناء میں حضرت عمران علیہ السلام انتقال کر گئے اور حضرت حنہ مریم سے حاملہ تھیں۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: پھر جب لڑکی جنی (حسرت سے) کہنے لگیں کہ اے پروردگار میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ

زیادہ جانتے ہیں اس کو جو انہوں نے جنی۔ اور وہ لڑکا (جو انہوں نے چاہا تھا) اس لڑکی کے برابر نہیں۔ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو (اگر کبھی اولاد ہو) آپ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔

تفسیر ۳۶ (فلما وضعتها پھر جب لڑکی جنی) جب اس لڑکی کو جنا۔ "وضعتها" میں ھا ضمیر ما قبل کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ ما کی طرف۔ اسی وجہ سے اس کو مؤنث ذکر کیا (قالت تو کہنے لگی) حضرت حنہ کہنے لگیں اور وہ لڑکے کی اُمید رکھتی تھیں (رب...... انثی اے میرے رب! میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی) اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا عذر پیش کرنے لگیں (واللہ اعلم بما وضعت اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں اس کو جو انہوں نے جنی) ابن عامر، ابوبکر، یعقوب نے "وَضَعْتُ" پڑھا ہے اور اس کلام کو حضرت مریم علیہا السلام کا قرار دیا اور دوسرے قراء نے "وَضَعَتْ" تاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے (ولیس ...... کالانثی اور وہ لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں) گرجا کی خدمت کے لیے چونکہ لڑکا مضبوط اور قوی ہوتا ہے لڑکی کمزور ہوتی ہے پھر اس کو عوارض نسوانی بھی لاحق ہوتے ہیں اس لیے لڑکی لڑکے کی طرح نہیں ہو سکتی (وانی ...... مریم اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے) مریم کا معنی عابدہ ہے اور یہ نام اس لیے رکھا کہ اُمید ہے اللہ اس کو عابدہ بنا دے۔ حضرت مریم علیہا السلام اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے خوبصورت اور سب سے افضل تھیں (و ذریتها اور میں پناہ دیتی ہوں اس کو) اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اس سے روکا ہے اور اس کو تیرے حوالے کیا ہے (اور اس کی اولاد کو) ذریت سے مراد مریم علیہا السلام کی اولاد ہے (من الشیطان الرجیم شیطان مردود سے) رجیم رجم سے ہے چونکہ اس کو شہاب ثاقب مارا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شیطان کے چونکہ مارنے سے محفوظ رہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بنی آدم میں سے جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو مس کرتا ہے جس کی وجہ سے بچہ چیختا ہے۔ شیطان کے چونکا مارنے کی وجہ سے۔ علاوہ حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "وانی اعیذها بک وذریتها من الشیطن الرجیم" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام بنی آدم کے دونوں پہلوؤں میں شیطان انگلی سے ٹھونک مارتا ہے۔ علاوہ عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کے۔ شیطان ان کو چونکا مارنے گیا تھا لیکن اس نے پردہ میں چونکا مارا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۳۷

ترجمہ پس ان (مریم علیہا السلام) کو ان کے رب نے بوجہ احسن قبول فرما لیا۔ اور عمدہ طور پر ان کو نشوونما دیا۔ اور

(حضرت) زکریا کو ان کا سرپرست بنایا۔ (سو) جب کبھی زکریا (علیہ السلام) ان کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے (اور) یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں۔ وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں۔

تفسیر ⑳ (فتقبلھا ...... حسن پس ان کو ان کے رب نے بوجہ احسن قبول فرمالیا) اللہ تعالیٰ نے حضرت حنہ سے مریم علیہا السلام کو قبول کرلیا۔ تقبل بمعنی قبول اور رضامندی کے ہے۔ قبول مصدر ہے "قَبِلَ یَقْبَلُ" سَمِعَ وَیَسْمَعُ سے مثل ولوع اور وزوع کے۔ ان تین مصادر کے علاوہ نہیں آتا۔ بعض نے کہا کہ قبول تقبل کے معنی میں ہے ان کی تربیت میں کفالت کرنا (وانبتھا نباتا حسنا اور عمدہ طور پر ان کو نشوونما دیا) یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی "وانبتھا فنبتت نباتا حسنا" بعض نے کہا کہ یہ مصدر ایسا ہے کہ اس کا کوئی مصدر نہیں جیسا کہ اللہ کا فرمان "فتقبلھا ربھا بقبول حسن" اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی کہے "تکلمت کلاما" جریر نے ضحاک کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی۔ فرماتے ہیں کہ "فتقبلھا ربھا بقبول حسن" کا مطلب یہ ہے کہ ان کو نیک لوگوں کے راستے پر چلائے گا اور "انبتھا نباتا حسنا" کا معنی ہے کہ اللہ نے ان کو برابر پیدا کیا۔ ان میں کوئی کمی بیشی نہیں رکھی اور یہ ایک دن میں بڑھاوا اتنا ہوتا تھا جتنا دوسرے بچوں کا سال بھر میں ہوتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کا واقعہ

"وکفلھا زکریا" اہل اخبار نے کہا کہ جب حضرت مریم علیہا السلام پیدا ہوگئیں تو حضرت حنہ نے ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان کو مسجد میں لے جاکر مشائخ مسجد کے سامنے رکھ دیا۔ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہ لوگ بیت المقدس کے متولی تھے جیسے دربان کعبہ کے متولی ہوتے ہیں اور ان کو جاکر کہا یہ لونڈ یہ ہے مریم علیہا السلام چونکہ ان کے امام اور متولی قربانی کی بیٹی تھیں اس لیے سب نے ان کو لے لینے کی بڑھ چڑھ کر خواہش کی۔ ان کو حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا کہ میں تم سے زیادہ حق دار ہوں کیونکہ اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ احبار نے ان سے کہا کہ آپ اس طرح نہ کریں۔

کفالت کی تعیین میں قرعہ اندازی کا معاملہ

لیکن ہم ان کے بارے میں قرعہ اندازی کریں گے جن کے حصے میں آئیں گی تو وہی ان کی پرورش کرے گا۔ پھر وہ اس کام کے لیے چل نکلے۔ ان لوگوں کی تعداد انتیس تھی یہ نہر پر گئے۔

سدی فرماتے ہیں کہ یہ اردن کی نہر تھی سب نے اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال دیئے اور یہ شرط لگائی کہ جس کا قلم پانی میں رک جائے گا اور سیدھا رہے گا وہی مریم علیہا السلام کی کفالت کرے گا۔ اور بعض نے کہا کہ ہر قلم پر ہر ایک کا نام لکھا ہوا تھا۔ بعض نے کہا کہ وہ تورات لکھ رہے تھے اور انہوں نے اپنے قلموں کو پانی میں ڈال دیا جو ان کے ہاتھ میں تھے۔ حضرت

زکریا علیہ السلام کا قلم رُک گیا اور بقیہ کے قلم بہنے لگے۔ یہی قول محمد بن اسحاق اور ایک جماعت کا ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم مخالف سمت چلنے لگا اور دوسروں کے قلم پانی کے بہنے کے ساتھ بہہ گئے۔

امام سدی اور ایک جماعت کے نزدیک فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی میں اس طرح رُک گیا جیسا کہ مٹی میں ہو۔ اب قرعہ اور حصہ حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق نکلا۔ یہ ان متولیوں کے سردار اور نبی تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان "وکفلھا زکریا" حمزہ، عاصم، کسائی نے "کفّلھا" فاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں لفظ زکریا محل نصب میں واقع ہے۔ عبارت یوں ہوگی "ضمنھا اللہ وضمھا الیہ بالقرعۃ" یعنی اللہ نے قرعہ اندازی کے ذریعے حضرت زکریا علیہ السلام کو مریم علیہا السلام کا ذمہ دار بنا دیا اور بعض قراء نے فاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں زکریا محل رفع میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے کفیل بنے اور اس کے حکم پر کھڑے ہوئے۔ زکریا بن اذن بن مسلم بن صدوق حضرت سلیمان بن داؤد کی نسل سے تھے۔ حمزہ کسائی، حفص، بن عاصم رحمہم اللہ نے زکریا کو مقصور پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت سنبھالی تو سب سے پہلے ان کے لیے گھر بنایا اور ان کے لیے دودھ پلانے والی کا انتظام کیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا مریم علیہا السلام کی کفالت کرنا

محمد بن اسحاق کی رائے کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی خالہ کے حوالے کر دیا اور یہی ان کی دیکھ بھال کرتی رہیں۔ جب حضرت مریم علیہا السلام بڑی ہو گئیں اور عورتوں کی عمر تک پہنچ گئیں تو مسجد میں ان کے لیے ایک بالا خانہ تعمیر کروایا اور اس کا دروازہ اس کے درمیان میں رکھا۔ اس دروازہ تک بغیر زینے کے کوئی نہیں چڑھ سکتا تھا۔ جیسا کہ آج کل کعبہ کا دروازہ ہے کہ اس میں بغیر زینے کے کوئی نہیں چڑھ سکتا۔ حضرت زکریا علیہ السلام ہر روز ان کے پاس کھانے پینے، تیل کی اشیاء پہنچاتے۔ ان کے علاوہ کوئی بالا خانے میں نہ آتا۔

"کلما دخل علیھا زکریا المحراب" محراب غرفہ کو کہا جاتا ہے۔ محراب سب سے اونچی اور اعلیٰ نشست گاہ کو کہتے ہیں اس طرح مسجد کو بھی محراب کہتے ہیں۔ مبرد فرماتے ہیں کہ محراب اس بالا خانے کو کہا جاتا ہے جس پر بغیر زینے کے نہ چڑھا جاتا ہو۔ ربیع بن انس نے فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کو سات دروازوں کے اندر رکھا تھا۔ جب بھی وہ اندر داخل ہوتے تو ان دروازوں کو کھول دیتے۔ "وجد عندھا رزقا" ایسے پھل ان کے پاس موجود ہوتے تھے جن کا موسم نہیں ہوتا تھا۔ گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں "قال یا مریم انی لک ھذا" ابوعبیدہ نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ یہ پھل تیرے پاس کہاں سے آئے ہیں۔

بعض نے اس معنی کا انکار کیا اور کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کس جہت کی طرف سے تمہارے پاس آئے ہیں۔ "انی" سے جہت کے متعلق پوچھا گیا "این" سے مکان کے متعلق سوال کیا گیا "قالت ھو من عند اللہ" اللہ کی طرف سے جنت سے آئے

ہیں۔ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پیدا ہونے کے بعد انہوں نے کسی دودھ پلانے والی کے پستان کو منہ میں نہیں لیا بلکہ ان کا رزق جنت سے آتا تھا۔ پھر اس بناء پر حضرت زکریا علیہ السلام کہتے کہ یہ پھل کہاں سے آئے؟ تو وہ فرماتیں کہ اللہ کی طرف سے آئے اور انہوں نے بچپن میں کلام بھی کیا۔ "ان اللّٰہ یرزق من یشاء بغیر حساب"

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ بنی اسرائیلیوں کو ایک مرتبہ آزمائش نے گھیر لیا۔ اسی اثناء میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی ضعیف ہو گئے اور حضرت مریم علیہا السلام کو اُٹھانے کی قوت نہیں رہی۔ ایک مرتبہ بنی اسرائیلیوں کی طرف گئے اور کہا کہ اے بنی اسرائیلیوں کی جماعت میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت نہیں سنبھال سکتا تم میں سے کون ان کی کفالت لے گا تو وہ کہنے لگے اللہ کی قسم! تحقیق ہمیں مشقت پہنچی اور ہمیں قحط بھی پہنچا ہم میں سے کوئی نہیں جو ہمارے درمیان مدافعت کرے (یعنی ہم میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کر سکے) اس معاملہ میں آپ ہم میں قرعہ ڈالیں۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ بنی اسرائیل کے ایک شخص بنی نجار کے حصے میں نکلا جس کا نام یوسف بن یعقوب تھا۔ یہ حضرت مریم علیہا السلام کے چچا کا بیٹا تھا جب اس شخص نے حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت سنبھالی تو حضرت مریم علیہا السلام نے اس کے چہرے پر شدت بوجھ کو محسوس کیا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے اس سے کہا اے یوسف اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھو، بے شک اللہ ہمیں رزق عطا فرمائے گا۔ یوسف حضرت مریم علیہا السلام کے پاس روزانہ کمائی کر کے رزق لاتا۔ اپنی طاقت اور ہمت سے جو حاصل ہوتا وہ پیش خدمت کرتا۔ جب وہ کما کر کھانا کنیسہ میں لاتا تو کھانا بڑھ جاتا پھر حضرت زکریا علیہ السلام جب مریم علیہا السلام کے پاس آتے تو ایسا رزق ان کے پاس موجود پاتے جو یوسف کے لانے کی قدرت سے باہر تھے۔ پھر زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام سے پوچھتے "یا مریم انی لک هذا قالت هو من عند اللّٰہ ان اللّٰہ یرزق من یشاء بغیر حساب" اہل اخبار کا قول ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام یہ ماجرا دیکھتے تو فرماتے جب اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بغیر سبب کے بے موسمی پھل لانے پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ وہ مجھے اولاد دے بڑھاپے میں بغیر جوانی کے۔ یہ بچوں کی خواہش کرنے لگے اور گھر والے بھی اولاد جننے کی میعاد کاٹ چکے تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام بھی بوڑھے ہو گئے تھے اور اولاد سے مایوس ہو چکے تھے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: اس موقع پر دعا کی۔ (حضرت) زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد بیشک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے۔

تفسیر: ﴿۳۸﴾ "هنالك" اسی وقت (جب انہوں نے مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمی پھل اور رحمت خدا کی وسعت دیکھی) "دعا زكريا ربه" حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں داخل ہوئے اور دروازے بند کر دیئے اور اپنے رب سے مناجات کی "قال رب" رب اصل میں "یا رب" تھا۔ "هب لی" مجھے عطا کر "من لدنك" اپنی طرف سے "ذرية طيبة" ایسا مبارک بیٹا جو متقی نیک گناہوں سے پاک۔ "ذرية" کا اطلاق واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب پر ہوتا ہے یہاں پر واحد استعمال

ہوا ہے۔ دلیل اللہ پاک کا ارشاد "فھب لی من لدنک ولیا ..... طیبۃ" مؤنث ذکر کیا۔ "ذریۃ" کی تانیث کی وجہ سے "انک سمیع الدعاء" تو دُعا کو سننے والا ہے۔ بعض نے ترجمہ کیا کہ تو دُعا کو قبول کرنے والا جیسا کہ اللہ کا فرمان "انی امنت بربکم فاسمعون" اس سے مراد قبول فرمانا ہے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: پس پکار کے کہا ان سے فرشتوں نے اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ اور مقتدا ہوں گے اور اپنے نفس کو (لذات سے) بہت روکنے والے ہوں گے۔ اور نبی بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے۔

تفسیر: ۳۹ "فنادتہ الملائکۃ" حمزہ، کسائی وغیرہ نے "فناداہ" تاء کی جگہ یاء پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ لفظ ملائکہ جمع ذکر کیا اور اس کے آخر میں تاء تانیث ذکر کی کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب اس سے پہلے فعل آ جائے تو تاء کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ یہ جماعت کا نام ہے اور ان کو تانیث کے ساتھ ذکر کرنا احسن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "قالت الاعراب" ابراہیم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن میں ملائکہ جمع کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ اس وجہ سے اس کو اختیار کرتے تھے مشرکین کی مخالفت کی وجہ سے کیونکہ مشرکین یہ کہتے "الملائکۃ بنات اللہ تعالیٰ" کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تاء اور یاء میں اختلاف واقع ہو جائے تو یاء کو ترجیح دی جائے گی اور اسی کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن میں ذکر کرتے ہیں۔

حضرت جبرائیل کو الملائکۃ جمع کے ساتھ ذکر کرنے کی وجوہات

ملائکہ سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "الذین قال لھم الناس" یہاں پر ناس جمع کا صیغہ مذکور ہے لیکن اس سے صرف نعیم بن مسعود مراد ہیں اور آگے "ان الناس" یہاں ناس سے مراد ابوسفیان بن حرب ہیں۔ مفضل بن سلمہ کہتے ہیں کہ جب قائل کسی قوم کا سردار ہو تو اسی کو جمع کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی قوم کو بھی شامل ہوتا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے سردار ہیں اس لیے ان کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا اور بہت ہی کم ویش یہ واقعہ ہوا کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کہیں بھیجا گیا ہو تو ان کے ساتھ فرشتے جمع نہ ہوئے ہوں۔

اسی وجہ سے ملائکہ جمع کا صیغہ ذکر کرتے ہیں "وھو قائم یصلی فی المحراب" محراب سے مراد مسجد ہے اور حضرت زکریا علیہ السلام شیخ اعظم تھے۔ قربانی کا پیش کرنا اور قربان گاہ کا دروازہ کھولنا آپ ہی کے سپرد تھا۔ آپ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایک روز حضرت زکریا علیہ السلام مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (قربان گاہ کے قریب مسجد

تھی) اور لوگ اندر داخل ہونے کے لیے اجازت کے منتظر تھے کہ اچانک ایک نوجوان سفید پوشاک میں ملبوس نمودار ہوا، لوگ اس کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے آواز دی اور وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ "یا زکریا" اے زکریا "ان اللّٰہ یبشرک بیحیی" ابن عامر اور حمزہ نے "انّ" کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ان کو آواز دی فرشتوں نے اور کہا بے شک اللہ اور دوسرے قراء نے "انّ" کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب ہوگا کہ فرشتوں نے ان کو آواز دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوشخبری دیتا ہے۔ حمزہ نے "یبشرک" شین کو بغیر شد کے پڑھا ہے اور قرآن میں تمام مقامات پر اسی طرح پڑھا ہے صرف ایک جگہ "فبم تبشرون" میں تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس جگہ پر تمام قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور ان دونوں مقامات میں کسائی نے ان کی موافقت کی ہے اور "سبحان الذی، کہف اور حمعسق" میں ابن کثیر نے ان کی موافقت کی اور ابوعمرو نے صرف "حمعسق" میں ان کی موافقت کی اور باقی قراء نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور جن حضرات نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے وہ "بَشَّرَ، یبشّرُ، تبشیرًا" اور یہ افصح اللغات ہے۔ تشدید کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "فبشر عبادی" اور "فبشرناہ باسحاق" اور "بشرناک بالحق" اور ان کے علاوہ آیات میں تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور جو حضرات تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ لغت تہامہ کے تحت ہے اور یہی قراۃ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔ "بیحیی" یہ معرفہ ہے اس وجہ سے اس پر کسرہ تنوین نہیں آئے گا۔ یعمر اور یزید کی طرح اس کی مثال ہے۔ اس کی جمع "یحیون مثل موسون اور عیسون" کے ہے۔

یحییٰ نام رکھنے کی مختلف وجوہات

یحییٰ ان کا نام کیوں رکھا گیا۔ اسی بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ان کی وجہ سے اللہ نے ان کے بانجھ پن کو دور کیا۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو ایمان سے مزین فرمایا۔ بعض نے کہا کہ ان کو یحییٰ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ شہید ہوئے اور شہداء زندہ ہوتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ یحییٰ کا معنی ہے یموت اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اطاعت پر زندہ رکھا، کبھی نافرمانی کی اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا۔ "مصدقاً" منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے "بکلمۃ من اللّٰہ" کلمۃ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

کلمہ کہنے کی وجہ تسمیہ

عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ بغیر باپ کے لفظ کن سے پیدا ہوئے تھے۔

اس وجہ سے ان کو کلمہ سے تعبیر کیا گیا۔ بعض حضرات نے کلمہ نام رکھنے کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ جس طرح اللہ کے کلام سے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات سے لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت مریم علیہا السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی اپنے کلام سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سے اس وجہ سے کلمہ کہا گیا۔
بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تمام انبیاء کو مطلع کیا کہ میں ایک نبی کو بغیر باپ کے پیدا کروں گا۔ اس وعدہ کے پورا ہونے کی وجہ سے ان کو کلمۃ کہا گیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی نبوت کی تصدیق کی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام چھ ماہ بڑے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔
پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کیے گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء سے پہلے۔ ابوعبیدہ نے "بکلمة من اللّٰه" کی تفسیر بکتاب اللہ کی کتاب اور اس کی نشانی سے کی ہے۔ جیسا کہ اہل عرب بولتے ہیں "انشد لی کلمة فلان" اس سے مراد قصیدہ ہے۔ "وسیدا" یہ فیعل کے وزن پر ساد یسود سے ہے وہ سردار جس کی تابعداری کی جاتی ہے اور اس کی بات حتمی ہوتی ہے۔

سیداً کی مختلف تفاسیر

مفضل نے کہا کہ دین میں سردار ہوں گے۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ سید سے مراد حسن خلق ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ سید وہ ہوتا ہے جو اللہ رب العزت کی اطاعت کرے۔ سعید بن المسیب نے کہا کہ سید فقیہ عالم کو کہتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ علم، عبادت، پرہیزگاری کے سردار ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ ایسا حلیم جو کسی چیز کی وجہ سے غضب ناک نہ ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز۔ بعض نے کہا سید پرہیزگار یہ ضحاک کا قول ہے۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جو حسد نہ کرے۔ بعض نے کہا کہ سید وہ ہے جو تمام اُمور خیر میں سب سے بڑھ کر ہو۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تھوڑی سی چیز پر راضی ہونے والا۔ بعض نے کہا کہ سید سخی کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من سیدکم یا بنی سلمة" اے بنی سلمہ تم میں سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ جد بن قیس بخیل شخص ہے۔ فرمایا اس کا علاج کیا ہے لیکن تم میں سید عمرو بن جموح ہے۔
"وحصورا ونبیا من الصالحین" حصور کا اصل میں حصر سے مشتق ہے۔

حصوراً کی تفسیر

اس کا معنی ہے بندش روک۔ حصور ابن مسعود ابن عباس، سعید بن جبیر اور قتادہ (رضی اللہ عنہم) عطاء، حسن کے نزدیک جو نہ عورتوں کے پاس آئے اور نہ ہی ان کا قرب حاصل کرے۔ (یعنی نہ ہی عورتوں کے قریب جانے والا ہو) اس بناء پر یہ حصور فعول بمعنی فاعل کے ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ جو اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے والا ہو۔
سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ وہ عنین ہے جس میں کوئی قوت نہ ہو اس صورت میں حصور محصور کے معنی میں ہوگا عورتوں سے روکا ہوا۔
سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ یہ مثل کپڑے کی طرح تھے۔ اس کے باوجود اگر شادی کرتے تو نظر کی حفاظت کے لیے۔
ایک قول یہ ہے کہ حصور کہا جاتا ہے اپنے آپ کو وطی کرنے سے روکنا اس کی قدرت رکھتے ہوئے۔ اس قول کو بعض حضرات

نے دو وجوہ کی بناء پر مجاز قرار دیا۔ ❶ کلام میں تعریف کا زیادہ شائبہ نہیں ہوگا اور یہ مقام مدح کے زیادہ مناسب ہے۔ ❷ یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام ان جیسے عیوب سے پاک تھے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

ترجمہ زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا آپہنچا اور میری بی بی بھی بچہ جننے کے قابل نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی حالت میں لڑکا ہو جاوے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں۔

تفسیر ﴿۴۰﴾ "قال رب" اصل میں یاسیدی تھا۔ اے میرے سردار! حضرت زکریا علیہ السلام نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا۔ یہی قول کلبی اور ایک جماعت کا ہے۔ "انی یکون" ... "این یکون" کے معنی میں ہے "لی غلام" کہ میرا غلام کہاں سے آئیگا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری کے وقت حضرت زکریا کی عمر

"وقد بلغنی الکبر" یہ مقلوب کی قسم ہے مطلب یہ ہے کہ میں بوڑھاپے میں پہنچ چکا ہوں جیسا کہ کہا جاتا ہے "بلغنی الجهد ای انا من الجهد" کہ مجھے مشقت پہنچی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے کبر پہنچ چکا اور بوڑھاپے نے مجھے کمزور کر دیا۔ کلبی فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو جب بچے کی خوشخبری دی گئی تو اس وقت ان کی عمر بانوے سال تھی اور بعض نے کہا کہ ننانوے سال تھی۔

ضحاک نے ابن عباس کے حوالے سے لکھا کہ اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور آپ کی بیوی کی عمر اٹھانوے سال تھی۔ "وامراتی عاقر" بیمار ہے (بانجھ) بچے نہیں جن سکتی "عاقر" مذکر و مؤنث دونوں میں مشترک بولا جاتا ہے۔ کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ "قال کذلک اللّٰہ یفعل مایشاء" اگر سوال کیا جائے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ سوال کیونکر کیا حالانکہ اللہ نے تو وعدہ فرمایا تھا۔ "انی یکون لی غلام" کیا آپ اللہ کے وعدہ میں شک کرتے ہیں اور اس کی قدرت میں۔

بعض نے کہا کہ جب فرشتے نے حضرت زکریا علیہ السلام کو آواز دی تو فوراً شیطان نمودار ہوا اور کہنے لگا اے زکریا یہ آواز جو آپ سن رہے ہیں یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ شیطان کی طرف سے ہے۔

اگر یہ اللہ کی طرف سے وحی ہوتی تو دوسرے احوال کی طرح یہاں بھی وحی ہی آتی۔ اس وسوسہ کو دور کرنے کے لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے "انی یکون لی غلام" کے الفاظ کہے۔ عکرمہ اور سدی فرماتے ہیں کہ اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ کے وعدہ میں شک نہیں تھا بلکہ پیدائش کی کیفیت کے متعلق تھا کہ پیدائش کا طریقہ کیا ہوگا کہ کیا ہم دونوں میاں بیوی کو جوان کیا جائے گا یا ہمیں بوڑھاپے میں ہی دیا جائے گا یا مجھے کسی اور بیوی سے لڑکا ہوگا۔ اپنے سمجھنے کے لیے یہ سوال کیا نہ کہ شک کرنے کی وجہ سے یہ حسن کا قول ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: انہوں نے عرض کیا اے پروردگار میرے واسطے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے۔ بجز اشارے کے۔ اور اپنے رب کو (دل سے) بکثرت یاد کیجئے اور (زبان سے بھی) تسبیح (وتقدیس) کیجئے دن ڈھلے کو بھی اور صبح کو بھی۔ کہ اس کی قدرت رہے گی اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جبکہ فرشتوں نے کہا اے مریم بلاشک اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب (یعنی مقبول فرمایا ہے اور پاک بنایا ہے اور تمام جہان بھر کی بیبیوں کے مقابلہ میں تم کو منتخب فرمایا ہے

تفسیر: ۴۱ "قال رب اجعل لی آیۃ" یعنی ایک علامت مقرر کیجئے۔ میری بیوی کے حمل کے وقت تاکہ مزید عبادت کے ذریعے شکر ادا کیا جائے۔ "قال ایتک ان لا تکلم الناس" تو بات کرنے سے رُک جائے گا "ثلاثۃ ایام" تو قبول کر میری تمام عبادات کو اور میری زبان کو بات کرنے سے نہ روکیں۔

کلام نہ کرنے کی مختلف تفاسیر

کلام سے مراد دُنیاوی کلام ہے نہ کہ ذکر خداوندی کہ آپ اللہ کی عبادت کر سکو گے۔ جیسا کہ سورۃ مریم میں ہے۔ "الا تکلم الناس ثلاث لیال سویا" یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر دلیل ہے "وسبح بالعشی والابکار" ذکر اللہ کا حکم دیا گیا اور لوگوں سے کلام کرنے سے روک دیا گیا "زبان کو تین دن تک لوگوں سے کلام کرنے سے روک دیا گیا" اکثر مفسرین کا یہی قول ہے"۔

قتادہ کا قول ہے کہ تین دن تک زبان کو کلام کرنے سے روکنے کی وجہ وہ سوال ہے جو آپ نے فرشتے سے کیا تھا۔ اس سوال پر عتاب ہے۔ "الا رمزا" کا معنی ہے اشارہ کرنا اور اشارہ تو کبھی زبان سے آنکھ سے ہاتھ سے اور کبھی شہادت والی انگلی سے۔ فراء کا قول ہے رمز کبھی کبھار زبان سے ہوگا اور وہ ہے ہلکی سی آواز جسے ھمس کہا جاتا ہے۔ عطاء نے کہا کہ کلام نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ تین روز روزہ رکھنا کیونکہ وہ لوگ روزہ کی حالت میں سوائے اشارے کے زبان سے بات نہیں کرتے تھے۔ "واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار" بعض نے کہا کہ اس سے مراد تسبیح اور نماز ہے۔ عشی زوال شمس سے لے کر غروب شمس تک اسی وجہ سے ظہر و عصر کی نماز کو کہتے ہیں اور ابکار سے صلوٰۃ فجر سے چاشت کی نماز کے درمیان کو کہتے ہیں۔

۴۲ "واذ قالت الملائکۃ" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب کہا "یا مریم ان اللہ اصطفاک" تو اختیار کر "وطھرک" پاک وہ مردوں کے چھونے سے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی باقی عورتوں پر فضیلت

بعض کے ہاں حیض و نفاس سے پاک رہ۔ سدی فرماتے ہیں حضرت مریم علیہا السلام کو حیض نہیں آتا تھا۔ بعض نے گناہوں سے پاک ہونا مراد لیا ہے۔ "واصطفاک علی نساء العالمین" اپنے زمانے کی عورتوں سے تجھے چن لیا۔ بعض نے کہا کہ تمام عالمین کی عورتوں سے چن لیا کہ صرف یہی ہیں جنہوں نے بغیر باپ کے بچے کو جنا اور کوئی عورت ایسی نہیں۔ بعض نے کہا کہ بیت المقدس کی طرف آزاد کرنے والی یہی عورت ہیں اور کوئی نہیں۔

عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی اللہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ عورتوں میں افضل حضرت مریم بنت عمران ہیں اور اس زمانے کی عورتوں میں افضل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ وکیع اور ابو معاویہ ہشام اور عروہ سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ وکیع نے یہ بات کرتے وقت زمین اور آسمان کی طرف اشارہ کیا (کہ اس زمین و آسمان میں ان سے افضل کوئی نہیں) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مردوں میں کامل بہت ہیں لیکن عورتوں میں کامل صرف مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دوسرے کھانوں پر۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تیرے لیے جہاں کی عورتوں سے مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور آسیہ زوجہ فرعون کافی ہیں۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔ یہ قصے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں۔ ہم ان کی وحی بھیجتے ہیں آپ کے پاس اور آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے جبکہ وہ (قرعہ کے طور پر) اپنے قلموں کو (پانی میں) ڈالتے تھے کہ ان سب میں سے کون شخص حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کرے اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جبکہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔ (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ فرشتوں نے (یہ بھی) کہا کہ اے مریم علیہا السلام بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا۔ اس کا نام (و لقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ باآبرو ہوں گے دنیا میں اور آخرت میں اور منجملہ مقربین ہوں گے۔

تفسیر: ﴿۴۳﴾ "یا مریم اقنتی لربک" فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا کہ آپ اپنے رب کی فرمانبرداری کریں۔

قنوت کی مختلف تفاسیر

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ نماز میں قیام کو طویل کریں اپنے رب کے لیے اور قنوت طاعت اور فرمانبرداری کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ قنوت طویل قیام کو کہتے ہیں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں جب ملائکہ نے حضرت مریم علیہا السلام کو یہ کہا تو یہ نماز میں اتنا طویل قیام کیا کہ ان کے پاؤں کھڑے کھڑے سوجھ گئے خون اور قئی آنے لگی۔ "واسجدی وارکعی" سجدہ کو مقدم ذکر کیا کیونکہ ان کی شریعت میں رکوع سے سجدہ مقدم تھا۔ بعض نے کہا کہ تمام شریعتوں میں رکوع سجدہ سے مقدم ہے۔ واؤ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ جمع کے لیے ہے۔ جیسا کہ اس طرح کہنا جائز ہے کہ "رأیت زیدًا و عمرًا" جب زید پہلے آیا یا عمرو کو پہلے دیکھا پھر زید کو۔ "مع الراکعین" راکعات نہیں فرمایا کیونکہ نماز میں عورتیں مردوں کی تابع ہیں اور یہ اعم ہے اور یہ سب کو شامل ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ۔

﴿۴۴﴾ "ذلک من انباء الغیب نوحیه الیک" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا کہ جو باتیں ہم آپ کو بتلاتے ہیں۔ حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت مریم، حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ "وما کنت" اے محمد "لدیهم اذ یلقون اقلامهم" سمندر میں قلموں کے ذریعے قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ "ایهم یکفل مریم" کون اس کی دیکھ بھال اور تربیت کرے گا "وما کنت لدیهم اذ یختصمون" مریم علیہا السلام کی کفالت کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔

﴿۴۵﴾ "اذ قالت الملائکة یا مریم ان اللّٰه یبشرک بکلمة منه اسمه المسیح عیسی ابن مریم" اسمہ ذکر کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کنیت ذکر کی ان کو مسیح کیوں کہا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی وجوہات

اس بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا مسیح فعیل بمعنی مفعول مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات سے تمام گندگیاں صاف کر دی گئیں اور آپ کو گناہوں سے پاک رکھا۔ بعض نے کہا کہ مسیح کو مسیح برکت کی وجہ سے کہا گیا۔ "عند البعض" یہ مریم علیہا السلام کے پیٹ کے ملنے سے پیدا ہوئے۔

بعض نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پَر سے عیسیٰ علیہ السلام کو مسح کیا تاکہ شیطان کے شر سے محفوظ رہیں اس لیے ان کو مسیح کہا گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے قدم کو مسح کیا گیا کہ ان کے پاؤں میں کبھی ورم نہیں آتا۔ دجال کو بھی مسیح کہتے ہیں کیونکہ وہ ایک آنکھ سے ممسوح ہوگا اور بعض نے کہا کہ فعیل بمعنی فاعل کے ہے۔ جیسے علیم اور عالم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ بیماری والے شخص کو ہاتھ لگاتے تو وہ ٹھیک ہو جاتا۔

بعض نے کہا کہ آپ ہمیشہ سیاحت کرتے رہتے تھے کہیں مقیم نہیں ہوتے تھے اس لیے مسیح کہا گیا۔ اس صورت میں میم زائد ہوگا۔ ساح یسیح سے ہوگا جس کا مادہ سیح ہے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ مسیح صدیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور مسیح کذاب دجال ہے اس صورت میں یہ لفظ اضداد میں سے ہوگا۔ "وجیھا" شریف، عالی مرتبہ والا، وجاہت والا ہے۔ "فی الدنیا والآخرۃ ومن المقربین" اللہ کے نزدیک۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اور آدمیوں سے کلام کریں گے گہوارہ میں اور بڑی عمر میں اور شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے۔ حضرت مریم علیہا السلام بولیں اے میرے پروردگار کس طرح ہوگا میرے بچہ حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویسے ہی (بلا مرد کے) ہوگا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں۔ جب کسی چیز کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا بس وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو تعلیم فرماویں گے (آسمانی) کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور (بالخصوص) توریت اور انجیل۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

تفسیر: ﴿۴۶﴾ "ویکلم الناس فی المھد" بچپن میں بولنے سے پہلے، شیر خوارگی میں کلام کرے گا۔ جیسا کہ سورۃ مریم میں ہے "قال انی عبداللہ آتانی الکتاب" مجاہد سے بیان کیا گیا کہ حضرت مریم علیہا السلام فرماتی ہیں کہ جب میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکیلے ہوتے تو ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے رہتے اور جب کوئی انسان ہمارے پاس آجاتا تو وہ میرے پیٹ میں تسبیح بیان کرتے اور میں اس کو سنتی تھی۔ "وکھلا" رفع الی السماء سے پہلے تمام قوتوں کا جمع ہونا۔

حسین بن فضل فرماتے ہیں کہ آسمان سے اُترنے کے بعد وہ کلام کرے گا اور بعض نے کہا کہ ہمیں اس بات کی خبر دی گئی کہ وہ زندہ ہیں اور کہولت سے پہلے وفات نہیں پائیں گے کہولت کے بعد کلام کرنا معجزات میں سے ہے۔ بعض نے کہا کہ حالت کہولت میں ان کو نبی ہونے کی خوشخبری سنا دی گئی اور شیر خوارگی میں کلام کرنا معجزہ ہے اور کہولت میں کلام کرنا دعوت ہوگا۔

مجاہد فرماتے ہیں "کھلا" سے مراد حلیم ہونا اور اہل عرب سن کہولت کی مدح کرتے ہیں اس لیے کہ درمیانی حالت عقل کی پختگی، رائے میں جودت اور تجربہ ہوتا ہے۔ "ومن الصالحین" کہ وہ نیک بندوں میں سے ہوگا انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی شان ہوتی ہے۔

﴿۴۷﴾ "قالت رب" اے میرے سردار یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا بعض نے کہا کہ یہ کلام عزوجل کو فرمایا "انی یکون

لی ولد ولم یمسسنی بشر" یعنی مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے یہ بات بطور تعجب کے کہی کیونکہ عام طور پر تو بچہ پیدا ہوتا ہے والد کے ساتھ جبکہ میں نے تو نکاح ہی نہیں کیا۔ "قال کذلک اللہ یخلق ما یشاء اذا قضی امرا" جب کسی چیز کا ارادہ کرلیتا ہے "فانما یقول لہ کن فیکون" جس چیز کا تو ارادہ کرتا ہے وہ ہوجاتا ہے "کذلک اللہ یخلق ما یشاء" بعض نے کہا کہ یہ قول عطف ہے اس فرمان "ان اللہ یبشرک" پر۔

⓸ "ویعلمہ" قراء اہل مدینہ، عاصم، یعقوب نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ن کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان "ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک" (الکتاب) کتاب سے مراد تحریر اور خط ہے "والحکمۃ" سے مراد علم اور سمجھ ہے۔ "والتوراۃ والانجیل" سکھلایا اللہ نے تورات اور انجیل کو۔

وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْــَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ⓸

ترجمہ: اور ان کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے (پیغمبر بنا کر) کہ میں تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لے کر آیا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر اس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ (جاندار) پرندہ بن جاتا ہے۔ خدا کے حکم سے اور میں اچھا کردیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص (جذام) کے بیمار کو اور زندہ کردیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھایا کرتے ہو اور جو رکھ آتے ہو۔ بلاشبہ ان میں (میری نبوت کی) کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہو۔

تفسیر: ⓸ "ورسولا" اور آپ کو رسول بنائیں گے "الی بنی اسرائیل" بعض نے کہا کہ رسول بلوغت کے بعد تھے۔ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے پہلے نبی یوسف علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جب ان کو بھیجا فرمایا "انی" امام کسائی فتحہ پڑھتے ہیں کیونکہ رسالت اس پر واقع ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی "انی" ہے۔ "قد جئتکم بآیۃ" یعنی نشانی علامت ہے۔ "من ربکم" اپنے قول کی تصدیق ہے کہ جو اللہ کا دیا ہوا ہوگا۔ یہاں تو ایک علامت کا ذکر کیا حالانکہ آپ کے پاس بہت سارے معجزات تھے۔ یہ سب ایک چیز پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی جس نے رسالت کی تصدیق کی گویا اس نے سب معجزات کی تصدیق کی۔ جب یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کہا انہوں نے جواب میں کہا وہ کیا ہے اور کہاں سے آئے گا۔ فرمایا "انی" نافع نے الف کے کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ پڑھا ہے اور باقیوں نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "اخلق" خلق کا معنی صورت بنانا اندازہ کرنا "لکم من الطین کھیئۃ الطیر" ابوجعفر نے "کھیئۃ الطائر" پڑھا ہے

اس مقام پر اور سورۃ مائدہ میں ہے۔ ہیئت کا معنی صورت ہے اس کا مصدر "الھیاء" آتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ لے آؤ کوئی چیز جب اس پر قدرت اور صلاحیت ہو۔ "فانفخ فیہ" پرندے میں پھونک مارو۔

"فیکون طیرًا باذن اللّٰہ" اکثر قراء نے جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ انہوں نے بہت سارے پرندوں کو بنایا۔ اہل مدینہ اور یعقوب نے "طائرًا" پڑھا ہے۔ یہاں پر واحد ذکر کیا یہ پرندے کی ایک نوع کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے چمگادڑ کے علاوہ کوئی پرندہ نہیں بنایا۔ چمگادڑ کو خاص ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تخلیق کے لحاظ سے یہ سب پرندوں سے زیادہ کامل ہے اس کے پستان اور دانت بھی ہوتے ہیں اور اس کو حیض بھی آتا ہے۔ وھب کا قول ہے کہ یہ پرندہ جو لوگوں کی نظروں کے سامنے ہو تو اُڑتا رہتا ہے جب لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے تو گر کر مر جاتا ہے۔ یہ ایسا صرف اس لیے ہوتا ہے تاکہ خدائی تخلیق اور بندے کی تخلیق میں فرق واضح ہو جائے تاکہ جان لے کہ تخلیق میں کمال صرف اللہ عزوجل کا ہے۔ "وابرئ الاکمہ والابرص" ان دونوں کو شفا دے اور ان دونوں کو تندرست کر لیں۔

الاکمہ والابرص کی تفسیر

الاکمہ کی تفسیر میں آئمہ کی مختلف آراء ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ فرماتے ہیں وہ جو بچپن سے اندھا ہو۔

حسن اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نابینا۔ عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اعمٰی جس کی نظر کمزور ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو دن کو دیکھ سکتا ہو اور رات کو اس کو کچھ نظر نہ آتا ہو۔

ابرص وہ ہے جس میں سفید داغ ہوں، ان دونوں بیماریوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ یہ لاعلاج بیماریاں ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا زور تھا اس لیے لوگوں کو طبی معجزہ دکھلایا۔ وہب کہتے ہیں کہ بسا اوقات ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریض جمع ہو جاتے جو خود آنے کی طاقت رکھتا تھا وہ خود آجاتا اور جو آنے کی طاقت نہیں رکھتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے پاس تشریف لے جاتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے تندرست ہونے کی دُعا کرتے، ساتھ ایمان کی شرط لگاتے۔

"واحیی الموتٰی باذن اللّٰہ"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرنا

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار آدمیوں کو زندہ کیا۔ عاذر، ابن العجوز، عاشر کا بیٹا، سام بن نوح۔

❶ عاذر آپ کا دوست تھا مرنے لگا تو اس کی بہن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کا دوست مر رہا ہے آپ تک پہنچنے کے لیے تین دن کی مسافت تھی۔ آپ اپنے ساتھیوں سمیت پہنچے تو عاذر کو مرے تین دن ہو گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی بہن سے فرمایا کہ مجھے اس کی قبر پر لے چلو۔ عاذر کی بہن ان کو قبر پر لے گئی۔ آپ نے اللہ سے دعا کی

جاؤ، اُٹھ کھڑا ہوا اور اس کے بدن سے روغن ٹپک رہا تھا۔ پھر قبر سے نکل آیا اور کافی عرصہ زندہ رہا۔ اس کی اولاد بھی ہوئی۔

۲ بڑھیا کے بچے کا جنازہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے گزرا۔ آپ علیہ السلام نے دُعا کی وہ فوراً چارپائی پر اُٹھ بیٹھا، لوگوں کے کندھوں سے نیچے اُتر آیا اور کپڑے پہن کر چارپائی کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر واپس گھر لوٹ گیا۔ وہ بھی بعد میں زندہ رہا اور اس کے بھی بچے ہوئے۔

۳ "ابنة العاشر" محصول ٹیکس کی بیٹی۔ اس کی بیٹی ایک روز قبل مرگئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے دوسرے دن دُعا فرمائی تو اللہ نے اس کو زندہ کر دیا، وہ بعد میں بھی زندہ رہی اور اس کے بچے بھی ہوئے۔

۴ سام بن نوح۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی قبر پر گئے اور اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم لے کر پکارا، سام قبر سے نکل آیا، قیامت برپا ہونے کے اندیشے سے اس کا آدھا سر سفید ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے۔ سام نے کہا کیا قیامت قائم ہو چکی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں، میں نے تمہیں اللہ کا اسم اعظم لے کر پکارا تھا۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا اب مرجاؤ، سام نے کہا اس شرط پر مرنے کو تیار ہوں کہ اللہ موت کی مشقت سے محفوظ رکھے۔ آپ علیہ السلام نے اللہ سے دُعا کی اور دُعا قبول ہوئی۔ "وانبئکم" اور میں تمہیں خبر دوں گا۔ "بما تاکلون" وہ اشیاء جن کو میں دیکھتا نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تیسرا معجزہ

"وما تدخرون" اور جو تم ذخیرہ کر کے رکھتے ہو "فی بیوتکم" یہاں تک کہ تم اس کو کھالو۔ بعض نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے جو کچھ صبح کھا کر آتا تو آپ بتلا دیتے اور جو دن کو کھاتے وہ بھی بتلا دیتے اور رات کے لیے جو اشیاء ذخیرہ اندوزی کر کے رکھتے تھے وہ بھی بتلا دیتے۔

سدی فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جائے درس میں جا کر بچوں کو بتا دیتے کہ تمہارے باپوں نے یہ یہ بنایا ہے اور کسی بچے سے یہ فرماتے کہ جاؤ تمہارے گھر والوں نے فلاں فلاں چیز کھائی ہے اور فلاں چیز اُٹھا کر رکھ دی ہے۔ بچے گھر جا کر روتا، آخر گھر والے وہ چیز اس کو دے دیتے اور اس بچے سے پوچھتے تمہیں یہ کس نے بتایا ہے تو وہ بچہ کہتا عیسیٰ علیہ السلام نے۔ پھر گھر والوں نے اپنے بچوں کو عیسیٰ علیہ السلام سے ملنے کی ممانعت کر دی اور کہہ دیا کہ اس جادوگر سے مت ملنا۔

ایک دفعہ ان سب بچوں کو گھر میں جمع کر لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو تلاش کرتے ہوئے تشریف لائے تو لوگوں نے کہا کہ یہاں بچے نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ پھر اس گھر میں کون ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ اس میں خنزیر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ سب ایسے ہی ہو جائیں گے۔ جب انہوں نے گھر کا دروازہ کھولا تو وہ سب خنزیر تھے اور یہ خبر پورے مصر میں پھیل گئی۔ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درپے ہو گئے۔ جب ان کی والدہ کو ان کی جان کا خطرہ محسوس ہوا تو گدھے پر سوار کر کے مصر روانہ کر دیا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مائدہ کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ بنی اسرائیل جہاں بھی ہوتے ان پر من وسلویٰ کا دسترخوان

اُترتا لیکن ان کو اس بات کا حکم تھا کہ وہ اس میں خیانت نہ کریں اگلے دن کیلئے ذخیرہ نہ کریں۔ لیکن بنی اسرائیل نے خیانت کی اور اس کا ذخیرہ کرنا شروع کیا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو بتادیتے کہ تم نے دسترخوان سے کیا چیز کھائی ہے اور کیا چیز چھپا کر رکھی ہے۔ پھر اللہ نے ان کی صورتیں خنزیر کی شکل میں مسخ کردیں۔ "ان فی ذلک" اس قصہ میں "لآیة لکم ان کنتم مؤمنین"

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۞ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۞

ترجمہ: اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی یعنی توراۃ کی اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے لئے بعضی ایسی چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس دلیل (نبوت) لے کر آیا ہوں۔ حاصل یہ کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ بیشک اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی رب ہیں۔ سو تم لوگ اس کی عبادت کرو بس یہی ہے راہ راست۔

تفسیر ۵۰ "ومصدقا" اس کا عطف "رسولاً" پر ہے۔ "لما بین یدی من التوراة ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم" یعنی گوشت اور چربیاں۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ بعض سے کل مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سب اشیاء جو تمہارے لیے حرام کردی گئی ہیں۔ یہاں بعض کو ذکر کرکے کل مراد لیا جیسا کہ لبید کا شعر ہے:

"تراک امکنة اذا لم ارضها او یرتبط بعض النفوس حمامها"

یہاں بعض نفوس سے کل نفوس ہے۔ "وجئتکم بآیة من ربکم" جو نشانیاں ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ آیت کو واحد ذکر کیا کیونکہ سب جنس واحد سے ہیں جو رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔ "فاتقوا اللہ واطیعون"

۵۱ "ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم"

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۞

ترجمہ: سو جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے انکار دیکھا تو آپ نے فرمایا کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو میرے مددگار ہو جاویں اللہ کے واسطے۔ حواریین بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ (کے دین) کے ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ اس کے گواہ رہئے کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

تفسیر ۵۲ "فلما احس عیسیٰ" امام فراء نے "احس" کا ترجمہ "وجد" سے کیا اور ابوعبیدہ نے "عرف" (پہچانا) سے کیا ہے۔ مقاتل نے کہا کہ احس کا معنی "رای" دیکھا ہے۔ "منھم الکفر" جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو انہوں نے مدد طلب کی۔

ایک واقعہ

"قال من انصاری الی اللہ" امام سدی فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہوا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا اور ان کو دعوت دینے کا حکم دیا۔ بنی اسرائیلیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے شہر سے نکال دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ شہر سے نکل گئیں یہ دونوں زمین میں چلتے رہے حتیٰ کہ ایک بستی میں پہنچے وہاں ایک شخص نے ان کو بطور مہمان ٹھہرایا اور ان دونوں کے ساتھ احسان کیا۔ اس شہر میں ظالم وجابر بادشاہ رہتا تھا۔ ایک دن یہ شخص غمگین پریشان زدہ اپنے گھر میں داخل ہوا اور حضرت مریم علیہا السلام اس شخص کی بیوی کے پاس موجود تھیں۔ اس عورت سے حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ آپ کے شوہر کی کیا شان ہے؟ میں اس کو آج غمگین دیکھ رہی ہوں۔ اس کی بیوی نے کہا کہ آپ اس بارے میں نہ پوچھئے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ بتلاؤ شاید کہ اللہ تم پر فراخی کرے۔ اس شخص کی بیوی کہنے لگی کہ ہمارا بادشاہ ہر ایک شخص کو ایک دن کا کھانا اور اس کے لشکر کو دیتا اور ان کو شراب پلاتا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کو سزا دی جاتی تھی اور آج یہ دن آپہنچا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے اس عورت سے کہا کہ آپ یہ بات کسی کو نہ بتلائیں گے میں اپنے بیٹے کو کہوں گی وہ دُعا کرے گا جو آپ کے لیے کفایت کر جائے گی۔ اس کے متعلق حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایسا کروں تو ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہماری طرف سے ان پر احسان واکرام انعام ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے قریب ہو جائیں تو وہ اپنی ہانڈیوں اور رکابیوں کو پانی سے بھر دیں۔ پھر وہ مجھے اطلاع کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر اللہ تعالیٰ سے انہوں نے دُعا کی۔ ہانڈیوں میں پانی شوربے اور گوشت سے تبدیل ہو گیا اور رکابیوں کا پانی شراب میں تبدیل ہو گیا۔ اس طرح کی شراب اور کھانا کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ جب بادشاہ آیا اس نے کھایا اور پیا تو کہنے لگا کہ یہ شراب کہاں سے لائے ہو؟ جواب دیا کہ اسی زمین سے لائے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ میری شراب بھی اسی ملک سے لائے ہیں لیکن وہ تو ایسی نہیں۔ پھر کہا گیا کہ فلاں زمین کی شراب ہے لیکن جب بادشاہ پر یہ بات خلط ملط ہوئی تو اس نے اس بات میں شدت اختیار کر لی۔ پھر اس شخص نے کہا کہ میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ میرے پاس ایک لڑکا ہے وہ جو چیز بھی اللہ رب العزت سے مانگتا ہے اسے دے دیا جاتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ایسا شوربا اور گوشت اور شراب عطا کی۔

بادشاہ کا ایک بیٹا تھا جو کچھ دن پہلے فوت ہو گیا تھا، بادشاہ کا ارادہ تھا کہ وہ اس کو اپنا خلیفہ بنائے گا اور وہ بچہ اس کو بہت محبوب تھا۔ اس شخص نے کہا کہ اس کی دُعا کی وجہ سے اللہ نے پانی کو اعلیٰ شراب بنا دیا تو یہ میرے بیٹے کو بھی دُعا کے ساتھ زندہ کرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کے بارے میں من جانب اللہ کلام کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ایسا نہ کریں اگر ایسا کرو گے وہ زندہ ہو جائے گا اور شر میں مبتلا ہو جائے گا۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے اس کی

کوئی پروا نہیں، میں اس کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر وہ زندہ ہو جائے تو آپ ہمیں چھوڑ دیں گے اور ہمیں کہیں بھی جانے سے روکیں گے نہیں۔ بادشاہ نے حامی بھرلی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ جب بادشاہ کی رعایا نے اس کے زندہ ہونے کو دیکھا تو وہ اسلحہ لے کر آئے اور کہنے لگے تو بھی ہمیں فنا کرے گا جب اس کو موت قریب آئی تو اس نے اپنے بیٹے کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا اب تو بھی ہمیں اسی طرح کھائے گا جیسا کہ تیرے باپ نے کھایا۔ وہ سب اس کو قتل کرنے کے درپے ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حواریین کے پاس آئے اور وہ مچھلیوں کا شکار کر رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم مچھلیوں کا شکار کر رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ نہیں چلتے تاکہ لوگوں کا شکار کریں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کون ہیں؟ وہ کہنے لگے میں عیسیٰ بن مریم اللہ کا بندہ اور اس کا بھیجا ہوا ہوں۔ "من انصاری الی اللّٰہ" کہ تم ایمان لاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ "من انصاری الی اللّٰہ" سدی، ابن جریج فرماتے ہیں کہ الی اللہ بمعنی مع اللہ کے ہے کہ کون میری مدد کرے گا اللہ کی مدد کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم" یہاں "الی اموالکم" بمعنی مع "اموالکم" ہے۔ حسن اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں "الی" بمعنی "فی" کے ہے۔ عبارت اس طرح ہے کہ "من انصاری فی اللّٰہ. ای فی ذات اللّٰہ، وسبیلہ" اللہ کی ذات میں اور اس کے راستے میں۔ بعض نے کہا کہ "الی فی" کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ کون ہے جو اللہ کی مدد کے ساتھ میری نصرت کرے گا۔

حواریین کون تھے ان کا پیشہ کیا تھا؟

حواریین کے متعلق اس میں اختلاف ہے۔ مجاہد اور سدی فرماتے ہیں کہ یہ مچھلیوں کا شکار کرنے والے ماہی گیر تھے، ان کو حواریین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کے کپڑے سفید تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ ملاح تھے اور حسن فرماتے ہیں کہ وہ دھوبی تھے چونکہ یہ کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے اس لیے ان کو حواری کہا جاتا تھا۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کے ذمے کچھ کام لگائے تھے۔ ان کاموں میں سے آخری کام حواریوں کے سردار نے لگایا تھا اور وہ لوگ دھوبی اور (صباغ کپڑوں کو رنگنے والے تھے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس انہوں نے کپڑے جمع کر دیئے اور عیسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ میں سفر میں جا رہا ہوں اور میں نے یہ صنعت سکھلا دی ہے، میں دس دن تک واپس نہیں آسکوں گا اور یہ کپڑے مختلف رنگوں کے ہیں۔ ان میں سے جو کپڑا جس رنگ کا ہے اسی رنگ میں صباغ کر دیں۔ اُمید ہے میرے آنے کے وقت تک آپ فارغ نہیں رہیں گے جب ان کا سردار سفر کے لیے چلا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بڑے ٹب میں ایک رنگ کو پکایا اور اس میں تمام کپڑے ڈال دیئے اور پھر ان کپڑوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "کونی باذن اللّٰہ علی ما ارید منک" کہ اللہ کے حکم میں اس طرح ہو جاؤ جس طرح میں ارادہ کرتا ہوں۔ جب حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور سارے کپڑے اس بڑے گھڑے (ٹب) میں موجود تھے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے کیا کیا، فرمایا

میں تو فارغ ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ سب کپڑے کہاں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ اس گھڑے میں ہیں۔ انہوں نے کہا وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ جی ہاں انہوں نے کہا کہ وہ سب کپڑے تو خراب ہو گئے ہوں گے۔ فرمایا ٹھہرو اور دیکھتے رہنا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس گھڑے سے سرخ، زرد، سبز، الغرض جس کپڑے کو جو رنگ لگانا تھا اس کو اسی طرح لگا ہوا تھا۔ اس پر حواریین تعجب کرنے لگے اور وہ جان گئے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ لوگوں نے کہا جلدی کرو اور دیکھو اس پر وہ اور اس کے ساتھی سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ اس واقعہ سے حواریین سارا ماجرہ سمجھ گئے۔

حواری کہنے کی وجہ

ضحاک فرماتے ہیں ان کے دل صاف تھے اس لیے ان کو حواری کہا گیا۔ ابن المبارک نے کہا کہ ان کے چہروں پر عبادت کا اثر اور نور نمایاں تھا۔ عرب میں حور کسی چیز کی سفیدی کو بیان کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "رجل احور و امراۃ حوراء" یعنی ان کی آنکھ کی سفیدی۔ کلبی اور عکرمہ نے کہا کہ ان کے چہروں پر عبادت کا اثر اور نور نمایاں تھا اس لیے حواری کہا گیا چونکہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت کے برگزیدہ افراد تھے اور یہ بارہ افراد تھے۔ روح بن قاسم نے بیان کیا کہ میں نے قتادہ سے حواریوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا حواری وہ لوگ تھے جو خلافت کے اہل تھے اور دوسرا قول حواریوں کی تعبیر وزراء سے کی ہے۔ حسن نے فرمایا کہ حواریین سے مراد مددگار ہیں۔ عرب میں حواری اس پر بولا جاتا ہے جس کو مدد کے لیے پکارا جائے۔

محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ فرما رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں پکارا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی پکار کا جواب دیا۔ پھر دوبارہ پکارا، پھر بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لیے کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔

سفیان فرماتے ہیں کہ حواری مددگار کو کہتے ہیں۔ معمر اور قتادہ رحمہما اللہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریین قریش میں سے تھے اور وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حمزہ، جعفر، ابوعبیدہ بن الجراح وعثمان بن مظعون، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن العوام (رضی اللہ عنہم اجمعین) ہیں۔ "قال الحواریون نحن انصار اللہ" جو اللہ کے دین اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔ "امنا باللہ واشھد" عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ "بانا مسلمون"

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ان چیزوں (یعنی احکام) پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے (ان) رسول کی سو ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے خفیہ

تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

تفسیر ﴿۵۳﴾ "ربنا امنا بما انزلت" اس سے مراد کتاب ہے۔ "واتبعنا الرسول" رسول سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ "فاکتبنا مع الشاھدین" جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی شہادت دی۔

عطاء فرماتے ہیں کہ "مع الشاھدین" سے مراد "مع النبیین" ہیں کہ انبیاء اپنی اپنی اُمت کی گواہی دیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شاہدین سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت ہے چونکہ یہ اُمت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت اور تبلیغ کی شہادت دے گی۔

ومکروا ومکر اللہ کی تفسیر

﴿۵۴﴾ "ومکروا" جن لوگوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کفر کو محسوس کیا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری واپس اپنی قوم کی طرف لوٹ کر آئے اور ان کو دعوت کی طرف آمادہ کیا۔ انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" الخلوق کا مکر خبث ہے اور دھوکہ، حیلہ کرنا ہے۔ جب مکر کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ نے تدبیر کی اور اس کی سرکشی کو پکڑا۔ اس طور پر کہ اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "سنستدرجھم من حیث لا یعلمون"

زجاج فرماتے ہیں کہ مکر من اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مکر کی سزا و جزاء کو مکر مقابلہ کی وجہ سے فرمایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اللہ یستھزیٔ بھم"...... "وھو خادعھم" مکر اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق جو خفیہ تدبیر کی وہ یہ تھی کہ جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شبیہ دوسرے شخص پر ڈال دی اور وہ قتل کیا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا

کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئی۔ آپ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ جادوگر جادوگرنی کا بیٹا آگیا (نعوذ باللہ) آپ پر تہمت لگائی اور آپ کی والدہ پر بھی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی بیہودہ باتیں سنی تو آپ نے ان کے لیے بددعا کی اور ان پر لعنت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خنزیر کی شکل میں مسخ کردیا۔ یہودیوں کے سردار یہودا نے جب یہ دیکھا تو وہ گھبرا گیا اور آپ کی بددعا سے ڈر گیا۔ پھر اس نے تمام یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر جمع کردیا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لیے آگے بڑھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اللہ نے بھیج دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام چھت کے ذریعے کمرے میں داخل ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کرلے گئے۔ یہود کے سردار نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا جس کا نام

ططیانوس تھا کہ وہ آپ کے کمرے میں داخل ہو کر آپ کو قتل کر دے۔ جب ان کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کو عیسیٰ علیہ السلام کہیں نظر نہیں آئے، وہ گھبرا گیا، اس نے گمان کیا کہ وہ قتل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس شخص پر ڈال دی۔ جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو لوگوں نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے حواریوں کو وصیت کرنا

وہب کا بیان ہے کہ رات کے کچھ حصے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلے۔ یہودیوں نے ان کے لیے ایک لکڑی اور بانس گاڑھ کے رکھا تھا تا کہ ان کو سولی پر لٹکائیں۔ زمین میں بہت اندھیرا چھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا جو ان کے درمیان حائل ہو گئے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان حواریوں کو اس رات جمع کیا اور وصیت فرمائی اور کہا کہ تم میں سے کوئی ایک شخص کافر ہو جائے گا مرغ کے صبح آواز لگانے سے پہلے اور مجھے تھوڑے سے دراہم میں فروخت کر دے گا۔ پس حواریین وہاں سے چلے گئے اور جدا جدا ہو گئے۔ یہود نے آپ کو تلاش کرنے میں بہت مشقت اُٹھائی۔ بالآخر وہ حواریین میں سے ایک کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اگر تم مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت کرو گے تو تمہیں درہم دوں گا۔ اس حواری نے تمیں درہم لے لیے اور ان کا ٹھکانا بتلا دیا۔ جب وہ دلالت کرنے والا شخص اس گھر میں داخل ہوا تو اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُٹھا لیا اور جس شخص نے بتلایا تھا اس کو پکڑا تو وہ کہنے لگا کہ میں تو وہ شخص ہوں جس نے آپ کو بتلایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟ انہوں نے اس کی بات کی طرف توجہ ہی نہ دی اور اس کو قتل کر ڈالا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا اور وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ یہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر دوبارہ اترنا

جب اس کو سولی پر چڑھا دیا گیا تو حضرت مریم علیہا السلام اور دوسری وہ عورت جس کے جنون کو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے ٹھیک کر دیا تھا روتی ہوئی صلیب پر لٹکی ہوئی نعش کے پاس پہنچیں۔ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نمودار ہو کر ان سے کہا کہ تم کیوں روتی ہو، اللہ نے مجھے اُٹھا لیا اور سوائے بھلائی کے مجھے کوئی دکھ نہیں پہنچا۔ باقی یہ صلیب کشادہ شخص تو میرا ہم شکل ہے۔ اللہ نے ان کی نظروں میں اس کو میرا ہم شکل بنا دیا۔ پھر سات روز کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ مریم علیہا السلام کے پاس پہاڑ پر جا کر اُترو وہ غمگین ہے۔ مریم علیہا السلام کی طرح نہ کوئی رویا اور نہ اس کے برابر کسی کو غم ملا۔ وہاں جا کر حواریوں کو جمع کرنا اور اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے شہر میں پھیلا دینا۔ حسب الحکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر اُترے جس کا نام بھلا دیا ہے۔ آپ کے نزول کے وقت پہاڑ جھومنور بن گیا۔ حواری آ کر آپ کے پاس جمع ہوئے، آپ نے دین کی دعوت دینے کے لیے ان کو ملک میں پھیلا دیا، اس کے بعد اللہ نے ان کو اُٹھا دیا، صبح ہوئی جس جس حواری کو جس جس

کی ہدایت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مقرر کیا تھا اس حواری نے اس کی زبان میں گفتگو کی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان "ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" سدی فرماتے ہیں کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے دس ساتھیوں کو قید کرلیا۔ ان میں ایک شخص داخل ہوا تا کہ ان کو قتل کرے۔ اللہ نے اس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا گیا کہ اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم میں سے کون ہے جس پر میری شکل ڈال دی جائے گی اور وہ مقتول ہوگا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا میں اے اللہ کے نبی، اس شخص کو مارنے لگے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو روک دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اُٹھالیا اور آپ کو پَر پہنادیے گئے اور آپ پر نور ڈال دیا گیا اور کھانے پینے کی اشیاء کی حاجت ختم کردی گئی اور وہ فرشتوں کے ساتھ عرش کے اردگرد اُڑتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشکل انسانی صفت ملکہ سمائیہ ارضیہ ہوئے۔

اہل مؤرخین نے لکھا ہے کہ تیرہ سال کی عمر میں شکم مریم علیہا السلام میں استقرار عیسیٰ ہوا اور سرزمین (اوری شلم) بابل پر سکندر کے حملہ کو ۶۵ سال گزرے تھے کہ آپ کی پیدائش ہوئی اور آغاز وحی کے وقت آپ کی عمر ۳۰ سال تھی اور جب آپ ۳۳ سال کے ہوئے۔ شب قدر ماہ رمضان میں بیت المقدس سے اللہ نے آپ کو اُٹھالیا۔ گویا اُٹھنے کے وقت آپ کی نبوت کو تین سال گزرے تھے۔ آپ کے بعد حضرت مریم علیہا السلام چھے سال زندہ رہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی عمر اس وقت ۵۲ سال تھی۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

(ترجمہ) جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ (کچھ غم نہ کرو) بیشک میں تم کو وفات دینے والا ہوں۔ اور (فی الحال) میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں۔ اور تم کو ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں ان کو غالب رکھنے والا ہوں ان لوگوں پر جو کہ (تمہارے) منکر ہیں روز قیامت تک۔ پھر میری طرف ہوگی سب کی واپسی۔ سو میں تمہارے درمیان (عملی) فیصلہ کردوں گا ان امور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے۔

متوفیک ورافعک کی مختلف تفاسیر

(تفسیر) ۵۵ "اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی" متوفی کے متعلق آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ حسن کلبی اور ابن جریج نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھے پکڑلوں گا اور بغیر موت کے دُنیا سے اُٹھا کر اپنے پاس لے جاؤں گا جس پر اللہ کا فرمان "فلما توفیتنی" دلالت کررہا ہے۔ میں نے تمہیں آسمان کی طرف اُٹھالیا اور میں زندہ ہوں اس لیے کہ لوگ

کسی کے اُٹھائے جانے سے اس کی مدد کرتے ہیں نہ کہ اس کے مرنے کے بعد۔ لہٰذا یہاں پر توفی کی دو تاویلیں کی جائیں گی۔

① میں تجھے اپنی طرف پورا پورا اُٹھاؤں گا اور تجھے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔ جیسا کہ عام طور پر محاورات میں بولا جاتا ہے۔ "توفیت من کذا و کذا واستوفیہ" جب اس کو پورا پورا لیا جائے۔

② میں تجھے اپنی سپردگی میں لے لوں گا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "توفیت من کذا ای تسلمتہ" میں نے تو اس کو لے لیا اپنی سپردگی میں لے لیا وصول کرلیا۔ ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ یہاں توفی سے مراد نیند ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو گئے تھے۔ پھر سونے کی حالت میں ان کو آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔ آیت کا معنی یہ ہوگا "انی منیمک ورافعک الیّ" کہ میں آپ کو نیند دے کر پھر اپنی طرف اُٹھاؤں گا۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان "وھو الذی یتوفاکم باللیل" اللہ وہی ہے جو تم کو رات کو سلاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ "توفی" سے مراد موت ہے۔ علی بن طلحہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ اس کا معنی "انی ممیتک" ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان "قل یتوفاکم ملک الموت" اس صورت میں بھی اس کی دو تاویلیں کی جائیں گی۔

① وھب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن کی تین ساعات کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کو موت عطا کی۔ پھر ان کو زندہ کیا۔ پھر اپنی طرف اُٹھا لیا۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ نصاریٰ کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن کی سات گھڑیوں کے لیے موت عطا کی پھر زندہ کر کے آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔

② ضحاک کا قول یہ ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ عبارت یوں ہوگی "انی رافعک الیّ ومطھرک من الذین کفروا ومتوفیک بعد انزالک من السماء" کہ میں تمہیں پہلے اپنی طرف اُٹھاؤں گا اور تجھے یہودیوں کے شر سے محفوظ رکھوں گا پھر آسمان سے نزول کے بعد موت دوں گا۔ سعید بن مسیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے کہ عنقریب تم میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام حاکم عادل اُتریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ساقط کر دیں گے اور مال کو بہائیں گے کہ کوئی قبول بھی نہیں کرے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس زمانے میں تمام ادیان باطلہ ختم ہو جائیں گے صرف اسلام باقی رہے گا اور دجال بھی ہلاک ہو جائے گا۔ آپ علیہ السلام زمین پر چالیس سال رہیں گے پھر آپ کی وفات ہو جائے گی۔ مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔

حسین بن فضل سے کہا گیا کہ کیا تم نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن میں کچھ پاتے ہو؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں! اور اللہ کا یہ فرمان پڑھا "وکھلاً" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہولت کے زمانے تک دُنیا کی زندگی میں نہیں پہنچے تو لامحالہ یہی مطلب ہوگا کہ دُنیا میں اُتر کر اس عمر تک پہنچیں گے۔ "ومطھرک من الذین کفروا" ان کے درمیان سے آپ کو نکالوں گا اور ان سے نجات دوں گا۔ "وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ"

اتبعوک سے کون لوگ مراد ہیں

امام قتادہ، ربیع، شعبی، مقاتل، کلبی کہتے ہیں کہ وہ اہل السلام ہوں گے جو ان کی رسالت کی تصدیق کریں گے اور ان کی تابعداری کریں گے اُمت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سے۔ یہ ان لوگوں سے بہتر ہوں گے جو ظاہراً کفر پر ہوں گے۔

ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حوارئین ہیں کہ ان لوگوں سے افضل ہیں جنہوں نے کفر کیا۔ بعض نے کہا کہ وہ اہل روم ہیں۔ بعض نے کہا کہ نصاریٰ مراد ہیں یعنی یہود کی مملکت ختم ہو جائے گی اور نصاریٰ کی مملکت قیامت تک دائم رہے گی۔ اس صورت میں اتباع بمعنی دُعا اور محبت کے ہوگی کہ یہ لوگ دین کی اتباع نہیں کریں گے۔ "ثم الیّ مرجعکم" آخرت کی طرف لوٹ کر جانا ہے "فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون" دین کے معاملے میں اور عیسیٰ علیہ السلام کے اس معاملے میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: تفصیل (فیصلہ کی) یہ ہے کہ جو لوگ (ان اختلاف کرنے والوں) میں کافر تھے سو ان کو سخت سزا دوں گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور ان لوگوں کا کوئی حامی (طرفدار) نہ ہوگا اور جو لوگ مومن تھے اور انہوں نے نیک کام کیے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے (ایمان اور نیک کاموں کے) ثواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے ظلم کرنے والوں سے یہ ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جو کہ (آپ کے) منجملہ دلائل (نبوت) کے ہے اور منجملہ حکمت آمیز مضامین کے ہے۔ بیشک حالت عجیبہ (حضرت) عیسیٰ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشابہ حالت عجیبہ (حضرت) آدم کے ہے کہ ان (کے قالب) کو مٹی سے بنایا پھر ان کو حکم دیا کہ (جاندار) ہو جاؤ پس وہ (جاندار) ہو گئے۔

تفسیر: ﴿۵۶﴾ "فاما الذین کفروا فاعذبھم عذابا شدیدا فی الدنیا" دُنیا میں سزا قتل کے ذریعے، قید کے ذریعے، جزیہ کی صورت میں یا ذلت کی صورت میں۔ "وفی الآخرۃ" آخرت میں دوزخ کے عذاب سے "ومالھم من نصرین"

﴿۵۷﴾ "فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فیوفیھم اجورھم" ورش، حسن، حفص نے "فیوفیھم" کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نون کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اللہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ "واللہ لا یحب الظالمین" نہ کافروں پر رحم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی تعریف کی جائے گی۔

﴿۵۸﴾ "ذلک" حضرت عیسیٰ و مریم اور حوارئین کے متعلق جو قصہ ہم نے بیان کیا ہے "نتلوہ علیک" آپ کو جبرئیل علیہ السلام

کی وحی کے ذریعے بتلا دیا جائے گا۔ "من الایات والذکر الحکیم" آیات سے مراد قرآن اور ذکر سے مراد حکمت ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ ذکر سے مراد حکمت ہے یا ذکر سے مراد محکم جو باطل سے محفوظ ہے۔ بعض کے نزدیک "الذکر الحکیم" سے مراد لوح محفوظ ہے۔ لوح محفوظ سفید موتی (کی اتنی لمبی تختی ہے جیسے زمین سے آسمان تک درمیانی خلاء اور یہ) عرش سے معلق ہے۔

بعض نے کہا کہ آیات سے مراد وہ علامات ہیں جو نبوت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ ایسی خبریں ہیں جو کتاب اللہ کو پڑھنے والا ہی جان سکتا ہے یا جس کی طرف وحی آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو امی ہیں وہ پڑھ بھی نہیں سکتے۔

ان مثل عیسیٰ کا شان نزول

۝ "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم" اس آیت کا نزول نجران کے وفد کے بارے میں ہوا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ آپ ہمارے آقا کو کیوں گالی دیتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا میں کیا کہتا ہوں وہ کہنے لگے کہ آپ ان کو اللہ کے بندے کہتے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بے شک وہ اللہ کے بندے اللہ کے رسول اور اللہ کا کلمہ تھے جو عذراء بتول کے شکم میں اللہ نے ڈال دیا تھا یہ سن کر ان کو غصہ آیا اور کہنے لگے کہ آپ نے کوئی آدمی ایسا دیکھا ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ان مثل عیسیٰ عند اللہ" ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا۔

"خلقہ من تراب ثم قال لہ" پھر عیسیٰ علیہ السلام سے کہا "کن فیکون" یعنی ہو جا پس وہ ایسے ہو گئے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اگر سوال کیا جائے کہ پھر اس آیت "خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" کا کیا مطلب ہوگا کیونکہ تکوین تخلیق کے بعد تو نہیں ہوتی۔ جواب دیا کہ اس کو پہلے بنایا پھر ہم نے خبر دی کہ ہم نے لفظ "کن" کہا ان کی پیدائش بغیر ترتیب کے تھی جس طرح کہ پیدائش میں تمام اعضاء برابر ہوتے ہیں اس طرح نہیں تھے۔ جب ہم نے "کن" کہا تو وہ تمام اعضاء ترتیب کے ساتھ ہو گئے۔ یہ اس قول کی طرح ہے جیسے کوئی کہے "اعطیتک الیوم درھما ثم اعطیتک امس درھما" کہ آج تمہیں ایک درہم دوں گا اور پھر ایک درہم کل دوں گا۔ اس طرح عبارت تھی "ثم اخبرک انی اعطیتک امس درھما" کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ کل بھی ایک درہم دوں گا اور جو مثال ماقبل میں گزر چکی ہے وہ قیاس کے جواز کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ قیاس اصل کو فرع کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو ایک تشبیہ کی طرف لوٹا دیا یعنی آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اور حضرت عیسیٰ کو آدم علیہ السلام کے ساتھ باپ نہ ہونے میں مشابہت ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ یامر واقعی آپ کے پروردگار کی طرف سے (بتلایا گیا ہے) سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جایئے۔ پس جو شخص آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں (اب بھی) حجت کرے آپ کے پاس علم (قطعی) آئے پیچھے تو آپ فرما دیجئے آجاؤ ہم (اور تم) بلا لیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے تنوں کو اور تمہارے تنوں کو پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دعا کریں اس طور پر کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر (اس بحث میں) ناحق پر ہوں۔

تفسیر ﴿۶۰﴾ "الحق من ربک" یہی حق ہے جو تمہارے رب کی طرف سے یا تمہارے رب کے پاس سے آچکا ہے۔ "فلا تکن من الممترین" عیسائی آپ کے عیسیٰ ہونے میں شک میں پڑ گئے۔ یہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔

﴿۶۱﴾ "فمن حاجک فیہ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہ جھگڑتے ہیں یا اس حق بات میں کون ہے جو آپ سے مناظرہ کرے۔ "من بعد ماجاء ک من العلم" علم سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کا بندہ اور رسول ہونا ہے۔ یعنی اس علم کے آجانے کے بعد کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ "فقل تعالوا" اصل میں تعالیوا تھا باب تفاعل سے علو سے ضمہ یاء پر ثقیل تھا یاء کو حذف کر دیا۔ فراء کہتے ہیں یہ معنی تعال کے ہے اوپر آ جاؤ (ندع) یہ مجزوم ہے جواب امر ہونے کی وجہ سے جزم کی علامت واؤ کے ساقط ہونے کی وجہ سے ہے۔ "ابناء نا وابناء کم ونساء نا ونساء کم وانفسنا وانفسکم" بعض نے کہا کہ "ابناء نا" سے مراد حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) ہیں اور "نساء نا" سے مراد فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ "انفسنا" سے مراد خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ عرب کے لوگ ابن عم کو نفس سے پکارتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ولا تلمزوا انفسکم" یہاں "انفسکم" سے مراد تمہارے بھائی ہیں۔ بعض نے کہا کہ نفس سے عموم مراد ہے۔ اہل دین کی جماعت پر "ثم نبتہل" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے یعنی دعا میں خشوع اختیار کرنا۔ کلبی نے کہا کہ دعا میں خوب مبالغہ اور کوشش کرو۔ کسائی اور ابو عبیدہ نے کہا "نبتھل، ابتھال، التعان" باب افتعال سے ہے اسی سے "بھلة" ہے۔ اس کا معنی لعنت ہے۔ "فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین" ہم میں سے یا تم میں سے عیسیٰ کے معاملے میں۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اللہ کے بیٹے نہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی ہم نے جواب دیا کہ ہم ذرا لوٹ کر اس معاملہ میں غور کر لیں ہم کل آئیں گے تو وہ بعض بعض سے جدا ہو گئے۔ ان سب نے عاقب سے کہا وہ ذی رائے اور ذی عقل والا تھا۔ اہل وفد نے تخلیہ میں اس سے پوچھا عبدالمسیح آپ کی کیا رائے ہے؟ عاقب نے جواب دیا تم سب نصاریٰ عیسائیت کو خوب جان چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں خدا کی قسم

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ کیا ہو اور پھر ان کا کوئی بڑا زندہ رہا ہو یا چھوٹے کو بڑھنے کا موقع ملا ہو۔

اب اگر تم نے ایسا کیا تو سب تباہ ہو جاؤ گے۔ لہٰذا اگر تم اپنے انکار پر ہی قائم رہنا چاہتے ہو تو اس شخص سے صلح کر لو اور اپنے ملک کو لوٹ جاؤ۔ اس مشورہ کے مطابق سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت ان کے پاس آئے اس حال میں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اٹھائے ہوئے تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ مبارک پکڑا ہوا تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پیچھے چل رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ یہ دیکھ کر نجران کا پادری کہنے لگا، اے گروہ نصاریٰ! مجھے ایسے چہرے نظر آرہے ہیں کہ اگر یہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دے گا۔ لہٰذا تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ سب مر جاؤ گے اور روز قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں رہے گا۔ آخر اہل وفد نے کہا ابوالقاسم ہماری رائے یہ ہوئی ہے کہ ہم آپ سے مناظرہ نہیں کریں گے، آپ اپنے مذہب پر رہیں اور ہم اپنے مذہب پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم مباہلہ سے انکار کرتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ۔ لہٰذا مسلمانوں کے جو حقوق ہیں وہی حقوق تمہارے بھی ہو جائیں گے۔ جب اہل وفد نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اب ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ وہ کہنے لگے ہمیں عرب کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں، ہم آپ سے اس شرط پر صلح کر سکتے ہیں کہ آپ ہم پر نہ لشکر کشی کریں نہ ہم کو خوف زدہ کریں اور نہ اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور کریں۔ ہم سالانہ دو ہزار جوڑے کپڑوں کے آپ کو ادا کرتے رہیں گے، ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر صلح کر لی اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اہل نجران کے سروں پر عذاب آہی گیا تھا اگر وہ مباہلہ کرتے تو ان کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں اور سوروں جیسی ہو جاتیں۔ ساری وادی آگ سے بھڑک اٹھتی اور نجران کے رہنے والے یہاں تک کہ درختوں پر پرندے بھی ہلاک ہو جاتے اور سال پلٹنے نہ پاتا کہ سارے عیسائی ہلاک ہو جاتے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ بیشک یہ (جو کچھ مذکور ہوا) وہی ہے سچی بات۔ اور کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے حکمت والے ہیں۔ پھر (بھی) اگر سرتابی کریں تو بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فساد والوں کو آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان

(مسلم ہونے میں) برابر ہے یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ پھر اگر وہ لوگ (حق سے) اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم (ہمارے) اس (اقرار) کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔

تفسیر ⑥۲ "ان ھذا لھو القصص الحق" یہ خبر حق ہے "وما من الہ الا اللہ" من صلہ ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی "وما الہ الا اللہ" کہ کوئی بھی شئی الہ نہیں سوائے اللہ کے۔ "وان اللہ لھو العزیز الحکیم"......

⑥۳ "فان تولوا" اگر ایمان سے روگردانی کرو گے "فان اللہ علیم بالمفسدین" اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔

شانِ نزول

⑥۴ "قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم" مفسرین کا قول ہے کہ نجران کا وفد مدینہ منورہ میں آیا تو اس کی ملاقات یہودیوں سے ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق دونوں فریق کا مناظرہ ہوگیا۔ عیسائیوں نے کہا کہ ابراہیم نصرانی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں اور اسی وجہ سے لوگوں سے اولیٰ ہیں اور یہود نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں۔ ان کا ہم سے قریب ترین تعلق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں جماعتوں کا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے دین سے کوئی سروکار نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام دین حنیف پر ہیں اور میں ان کے دین پر ہوں۔ لہٰذا تم سب ابراہیم علیہ السلام کے دین یعنی اسلام کی اتباع کرو۔ یہودی بولے آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنالیا اسی طرح ہم بھی آپ کو رب بنالیں۔ عیسائی کہنے لگے آپ کی یہ تو مرضی ہے کہ یہودیوں نے جو بات عزیر علیہ السلام کے بارے میں کہی ہے وہی ہم آپ کے بارے میں کہنے لگیں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ" جس قصہ کی کچھ تفصیل ہو عرب اس کو کلمۃ کہہ دیتے ہیں۔ اسی لیے قصیدہ کو کلمہ کہا جاتا ہے۔ "سواء" اسم فاعل مستویۃ کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "یقال دعا فلان الی السواء" فلاں شخص کو سیدھے راستے کی طرف دعوت دی اور ہر چیز کا سیدھا ہونا اس کے وسط سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان "فراٰہ فی سواء الجحیم" یہاں سواء بمعنی "للنصفۃ" ہے۔ تمام امور کے اندر عدل اسی کا درمیان میں ہونا ہوتا ہے۔ "سواءٍ" صفت ہے "کلمۃ" کی مگر یہ مصدر ہے اور مصدر نہ تثنیہ ہوتا ہے اور نہ جمع اور نہ مؤنث (اس لیے اس کو مؤنث ذکر نہیں کیا) جب سواء کی سین کو فتحہ دیا جائے تو مد کے ساتھ پڑھیں گے اور جب کسرہ یا ضمہ دیا جائے تو پھر مد نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے "مکاناً سُوی" پھر کلمہ کی تفسیر کی اور فرمایا "الا نعبد الا اللہ" ان لا نعبد محل رفع میں واقع ہے۔

زجاج فرماتے ہیں کہ مرفوع ہے ابتداء کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ نصب ہے حرف صلۃ کے محذوف ہونے کی وجہ سے۔

معنی یہ ہوگا کہ ہم عبادت نہیں کرتے مگر اللہ کی۔ بعض نے کہا کہ محل جر میں واقع ہے اس صورت میں یہ "کلمۃ" سے بدل ہوگا۔

عبارت یوں ہوگی "ای تعالوا الی کلمۃ أن لا نعبد الا اللّٰہ"...... "ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللّٰہ" جس طرح یہود و نصاریٰ نے کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللّٰہ" ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ وہ بعض بعض کو سجدہ کرتے تھے۔ یعنی بعض آدمی بعض کو سجدہ نہ کریں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں ہم کسی کی اطاعت نہیں کرتے۔ "فان تولوا فقولوا اشھدوا" اے پیغمبر! تم اور سب مسلمان کہہ دیں کہ اہل کتاب تم گواہ رہو "بانا مسلمون" کہ ہم خالص توحید پرست ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ہرقل کے نام

عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب نے مجھ سے بیان کیا کہ ہرقل (بادشاہ) نے مجھے اور قریش کی جماعت کو طلب کیا۔ ان دنوں ہم شام میں تجارت کی غرض سے گئے ہوئے تھے اور ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صلح تھی۔ ایلیاء میں ہم ہرقل کے پاس پہنچے۔ ہرقل نے ہم سب کو مجلس میں طلب کیا۔ اس وقت ہمارے اردگرد روم کے بڑے بڑے سردار تھے۔ اس کے بعد اس نے وہ خط منگوایا جو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم بصریٰ کو بھیجا تھا۔ اس حاکم نے وہ خط ہرقل کے پاس پہنچا دیا تھا اس نے پڑھا اس کی ابتداء کچھ یوں تھی۔

"بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. من محمد بن عبداللّٰہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ. اما بعد:"

یہ خط اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہرقل کی جانب جو روم کا بڑا شخص ہے سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ "اما بعد" میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں اس کلمہ کی جو اسلام کی طرف لانے والا ہے یعنی کلمہ طیبہ کی۔ مسلمان ہو جاؤ محفوظ رہو گے اللہ تم کو دوہرا ثواب دے گا، اگر تم نے روگردانی کی تو رعایا کا گناہ بھی تم پر پڑے گا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی جماعت کی طرف آجاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں۔ اس کا کسی چیز کو شریک نہ قرار دیں اور ہم میں سے کوئی کسی کی اطاعت اللہ کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ اس کے بعد بھی اگر انہوں نے روگردانی کی تو مسلمانو! تم کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں یعنی اللہ کے حکم کے تابع ہو چکے ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞

(ترجمہ) اے اہل کتاب! کیوں حجت کرتے ہو (حضرت) ابراہیم کے بارہ میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور

انجیل تو ان کے (زمانے کے بہت) بعد کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔ ہاں تم ایسے ہو کہ اس بات میں تو حجت کر ہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی۔ سو ایسی بات میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو اصلاً واقفیت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر ۶۵ "یا اھل الکتاب لم تحاجون فی ابراھیم" تم گمان کرتے ہو کہ ابراہیم تمہارے دین پر تھے حالانکہ تمہارا دین یہودیت اور نصرانیت کا ہے۔ یہود و نصاریٰ کا دین تو بعد میں آیا۔ یہود کا دین تورات کے نزول کے بعد پیدا ہوا اور نصاریٰ کا دین انجیل کے نزول کے بعد ہوا۔ تورات و انجیل دونوں کتابیں ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئیں۔ "وما انزلت التوراۃ والانجیل الا من بعدہ" ابراہیم علیہ السلام کے طویل زمانے بعد نازل ہوئیں۔ موسیٰ علیہ السلام ایک ہزار سال بعد آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو ہزار برس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے۔ "افلا تعقلون" ان کے قول کا باطل ہونا واضح ہے۔

۶۶ "ھا انتم" دو ہمزے آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ ابو عمرو کے نزدیک اسی طرح ہے اور باقی قراء ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس کی صرفی تحقیق میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کی اصل "انتم" ہے اور ھاء تنبیہ ہے۔ اخفش فرماتے ہیں اس کا اصل "أانتم" پہلے ہمزہ کو ھاء سے بدل دیا۔ جیسے "ھرقت" اصل میں "أرقت" تھا ہمزہ استفہامیہ کو ہ سے بدل دیا۔ "ھؤلاء" یا اصل میں اولاء تھا اس میں ھاء تنبیہ کو داخل کیا جو ندا کی جگہ میں تھا۔ عبارت یوں ہوگی: "یا ھؤلاء انتم"...... "حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم" تم ان امور کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جن کا تم کو کچھ علم نہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہ تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم ان دونوں کے دین پر ہو۔ حالانکہ تمہاری طرف تورات و انجیل بھی نازل کی گئی۔ پھر تم کس چیز کے بارے میں جھگڑتے ہو جس کا تمہارے پاس کچھ علم نہیں اور نہ ہی تمہارے پاس کوئی مضبوط دلیل ہے کہ تم ان کو یہودی یا نصرانی کہو۔ بعض نے کہا کہ "حاججتم" سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تم اپنی کتابوں میں ان کے آنے کا ذکر ہے لیکن تم اس بات کو نہیں مانتے۔ تم اس کے متعلق باطل طور پر جھگڑا کرتے ہو تو پھر ابراہیم علیہ السلام کے دین و ملت پر ہونے کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو نہ تو ایسا تمہاری کتابوں میں موجود ہے اور نہ ہی تمہارے پاس اس کا علم ہے۔ "واللہ یعلم و انتم لاتعلمون" اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بری کر دیا جو یہود و نصاریٰ کہتے تھے۔

مَا كَانَ إِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔ لیکن (البتہ) طریق مستقیم والے (یعنی) صاحب اسلام تھے۔ اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے۔ بلاشبہ سب آدمیوں میں سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اور یہ ایمان والے۔ اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے

تفسیر ⑥⑦ "وما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما وما کان من المشرکین" حنیف جو ادیان باطلہ سے ادیان حقہ کی طرف مائل ہو۔ بعض نے کہا کہ حنیف جو موحد ہو حج کرے، قربانی کرے اور ختنہ کرے اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔ یہ تمام ادیان میں سب سے آسان اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔

⑥⑧ "ان اولی النّاس بابراھیم للذین اتبعوہ" ان کے زمانے میں جو ان کی پیروی کرے اور اس کے بعد بھی۔ "وھذا النبی" نبی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "والذین امنوا" اور جو لوگ ایمان لائے اس اُمت سے "واللہ ولی المؤمنین"۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی حبشہ کی طرف ہجرت اور کفار سے مناظرہ

کلبی نے ابی صالح سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے اور محمد بن اسحاق ابن شہاب کے حوالے سے حدیث ہجرت الحبشہ ذکر کی ہے کہ جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ساتھ لے کر مکہ چھوڑ کر حبشہ کو چلے گئے اور انہوں نے ایک گھر میں قیام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ کو ہجرت کر کے چلے گئے اور پھر بدر کی جنگ بھی ہو چکی۔ قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے اور کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ساتھی نجاشی کے پاس چلے گئے ہیں ان کے ذمہ ہمارے مقتولین بدر کا قصاص ہے۔ لہٰذا کچھ مال جمع کر کے نجاشی کے پاس بطور ہدیہ کے لے جاؤ ممکن ہے تمہاری قوم کے جو لوگ اس کے پاس پہنچ گئے ہیں ان کو وہ تمہارے حوالے کر دے اور تم انتقام لے سکو۔ پس تم دو سمجھدار آدمیوں کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجو۔ چنانچہ عمرو بن العاص اور عمارۃ بن ولید یا عمارہ بن ابی معیط کو کچھ چمڑے وغیرہ بطور ہدیہ دے کر نجاشی کے پاس سب نے باتفاق رائے بھیجا۔ یہ دونوں سمندر کے راستے حبشہ جا پہنچے اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر انہوں نے سجدہ کیا اور سلامتی کی دُعا دی اور عرض کیا ہماری قوم آپ کی خیر خواہ اور شکر گزار ہے اور آپ کی عافیت کی طلب گار ہے۔ انہوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ ہم آپ کو اطلاع کریں کہ مکہ سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیں یہ ایسی قوم کے لوگ ہیں جن کا جھوٹا دعویٰ ہے کہ ہم میں اللہ کا نبی مبعوث ہوا ہے اور اس کی پیروی چند بے وقوفوں نے کی (نعوذ باللہ) اور اب ان کو ہم نے اتنا تنگ کیا ہے کہ انہوں نے ہمارے ملک کی ایک گھاٹی میں پناہ لی ہے اور وہاں لوگوں کی آمد و رفت بند ہو گئی نہ وہاں سے کوئی باہر نکلتا ہے اور نہ کوئی باہر سے اندر جاتا ہے، بھوک اور پیاس کی شدت ان کی جانوں کو ہلاک کرنے والی ہے۔ بالآخر اتنی سختی سے تنگ آ کر اس نے اپنے چچا کے بیٹے کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ وہ آپ کا مذہب خراب کر دے اور آپ کی حکومت و رعیت کو بھی خراب کر دے۔ آپ ان لوگوں سے احتیاط اختیار کریں اور ان کو اپنے سے دور کر کے ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کو آپ سے روک دیں اور ان دونوں نے کہا کہ ان کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں گے تو وہ آپ کو سجدہ تحیہ نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ کو تحیہ کریں گے۔ ہم آپ کا ادب سے جھکنا بجا لاتے ہیں، آپ کے دین اور طریقے کی رغبت اختیار کرتے ہوئے فرمایا نجاشی نے ان کو بلوایا، جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے چلا کر دروازے سے اندر داخل ہونے کی اجازت ان الفاظ میں

طلب کی۔"یستاذن علیک حزب اللّٰہ" اللہ کا گروہ باریاب ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ نجاشی نے یہ آواز سن کر کہا کہ اس چیخنے والے کو حکم دو کہ دوبارہ یہی الفاظ کہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ویسے الفاظ کہے۔ پھر نجاشی نے کہا ہاں اللہ کے اذن اور ذمہ داری کے تحت داخل ہو جاؤ۔ عمرو بن العاص نے اپنے ساتھی سے کہا تم سن رہے ہو کیسے انہوں نے کس طرح لفظ حزب اللہ کہا اور نجاشی نے ان کو کیا جواب دیا۔ عمرو بن العاص اور عمارۃ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے کلام سے اور نجاشی کے اس طرح جواب دینے سے بہت دکھ ہوا۔ جب وہ حضرات اندر آئے تو انہوں نے نجاشی کو سجدہ نہیں کیا۔ عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، یہ آپ کو سجدہ کرنے سے بھی غرور کرتے ہیں، نجاشی نے ان حضرات سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم نے مجھ کو سجدہ نہیں کیا اور وہ آداب شاہی بجا نہ لائے جو اور لوگ لاتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو جواب دیا کہ ہم اس ذات کو سجدہ کرتے ہیں جس نے تجھے پیدا کیا اور تجھے بادشاہت دی۔ سلام کا یہ طریقہ اس وقت تھا جب ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہم میں سچا نبی بھیجا، اس نے ہمیں اس طرح سلام کرنے کا حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھا۔

اور وہ لفظ سلام ہے اور یہی اہل جنت کا سلام ہے۔ اسی گفتگو سے نجاشی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے اور تورات وانجیل میں بھی یہی ہے۔ اس نے کہا کہ تم میں سے کون ہے جس نے حزب اللہ کہہ کر باریاب ہونے کی چیخ کر اجازت طلب کی تھی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ہوں اس کے بعد آپ نے فرمایا کوئی شبہ نہیں کہ آپ زمین کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہیں اور اہل کتاب میں سے ہیں۔ آپ کے سامنے زیادہ باتیں کرنا مناسب ہے نہ کسی پر ظلم میں چاہتا ہوں، اپنے ساتھیوں کی طرف سے تنہا جواب دوں، آپ ان دونوں آدمیوں کو حکم دیجئے کہ ان میں سے ایک بات کرے اور دوسرا خاموش رہ کر ہماری گفتگو سنتا رہے۔ یہ سن کر عمرو نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا بولو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے کہا ان دونوں سے دریافت کیجئے کہ ہم کیا آزاد ہیں یا غلام عمرو نے کہا نہیں تم آزاد ہو اور معزز ہو۔ نجاشی نے کہا کہ غلام ہونے (کے الزام) سے تو بچ گئے۔ جعفر نے کہا کہ ان سے دریافت کیجئے کیا ہم نے ناحق کوئی خون کیا ہے جس کا قصاص ہم سے لیا جائے۔ عمرو نے کہا نہیں ایک قطرہ بھی خون تم نے نہیں بہایا۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا ہم نے ناحق لوگوں کا مال لیا ہے جس کی ادائیگی ہمارے ذمے ہے۔ نجاشی نے کہا کہ اگر ایک قنطار کے برابر بھی تمہارے اوپر ہوگا تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے۔ عمرو نے کہا کوئی مال نہیں ایک قیراط بھی نہیں۔ نجاشی نے کہا تو پھر تم ان سے کیا مطالبہ کرتے ہو۔ عمرو نے کہا ہم اور یہ ایک مذہب اور ایک طریقہ پر تھے۔ باپ دادا کے دین پر تھے انہوں نے اس دین کو چھوڑ دیا اور دوسرے دین کو اختیار کر لیا۔ اس لیے ہماری قوم نے ہم کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دو۔ نجاشی نے پوچھا مجھے سچ سچ بتاؤ وہ مذہب جس پر تم تھے وہ کیا تھا اور اب جس دین کے پیرو ہیں اب وہ کیا ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا جس مذہب پر ہم تھے وہ شیطان کا مذہب تھا۔ ہم اللہ کا انکار کرتے تھے پتھروں کو پوجتے تھے اور پلٹ کر جس دین کو ہم نے اختیار کیا وہ اللہ کا دین اسلام ہے، اللہ کے پاس سے اس دین اسلام کو لے کر ہمارے پاس ایک نبی آیا اور ایک کتاب بھی ویسی ہی آئی جیسی ابن مریم علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ یہ کتاب بھی اسی کتاب کے موافق ہے۔ نجاشی نے کہا تم نے بڑا بول بولا ہے ذرا رفتار پر رہو۔

اس کے بعد نجاشی کے حکم سے ناقوس بجایا گیا اور تمام عیسائی علماء و مشائخ جمع ہو گئے۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو نجاشی نے ان سے کہا میں تم کو اس خدا کی جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی تھی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم کو (کتاب میں) یہ بات ملتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور قیامت کے درمیان کوئی نبی مرسل آئے گا۔ علماء نے جواب دیا بے شک خدا گواہ ہے ایسا ہے ہم کو عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی بشارت دی ہے اور یہ بھی فرمادیا ہے جو اس پر ایمان لایا، وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے اس کا انکار کیا۔ اس نے میرا انکار کیا، نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ شخص تمہیں کیا کہتا ہے؟ کیا کرنے کا حکم کرتا ہے اور کس چیز سے منع کرتا ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا وہ ہمارے سامنے اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں، برے کاموں سے روکتے ہیں، ہمسایوں سے حسن سلوک کرنے، قرابت داروں سے میل جول رکھنے اور یتیموں کو نوازنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ بھی ہدایت فرماتے ہیں کہ ہم فقط اللہ ہی کی پوجا کریں۔ جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نجاشی نے کہا جو کلام وہ تمہارے سامنے پڑھتے ہیں اس میں سے مجھے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ عنکبوت و روم کی تلاوت کی جس کو سن کر نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

نجاشی کے ساتھی بولے جعفر یہ پاکیزہ کلام ہمیں اور کچھ سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ کہف پڑھ کر سنائی۔ یہ حالت دیکھ کر عمرو بن العاص نے چاہا کہ نجاشی کو جعفر رضی اللہ عنہ پر غصہ دلائے۔ اس لیے کہنے لگا یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو گالی دیتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب میں سورۃ مریم کی تلاوت کی اور مریم و عیسیٰ علیہما السلام کے تذکرے پر پہنچے تو نجاشی نے مسواک کا باریک ریزہ جیسے آنکھ کے اندر تنکا ہوتا ہے اُٹھایا اور کہنے لگا خدا کی قسم! مسیح اس بیان سے اتنے بھی زائد نہ تھے۔ پھر جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا جاؤ میرے ملک میں تم محفوظ ہو یعنی امن کے ساتھ رہو جو تم کو گالی دے گا یا کچھ ستائے گا اس کو سزا بھگتنا پڑے گی۔ پھر کہنے لگا تم خوش رہو اور کوئی خوف نہ رکھو۔ ابراہیم علیہ السلام کے گروہ کا آج بگاڑ نہیں ہوگا۔ عمرو نے پوچھا نجاشی ابراہیم کی جماعت کون سی ہے؟ نجاشی نے جواب دیا یہی گروہ اور ان کا وہ آقا جس کے پاس سے یہ آئے ہیں اور ان کی پیروی کرنے والے۔ مشرکین نے اس بات کو ماننے سے انکار کیا اور خود دین ابراہیمی علیہ السلام ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر نجاشی نے وہ مال واپس کر دیا جو عمرو اور اس کا ساتھی لے کر آئے تھے اور کہا تمہارا یہ ہدیہ محض رشوت ہے اس پر اپنا قبضہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بغیر رشوت کے بادشاہت عطا فرمائی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے پھر ہم لوٹ کر آئے اور بہترین مکان اور بڑی عزت کی عمدہ مہمانی میں رہے اور اُدھر اللہ نے اسی روز مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہونے کے تنازع کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی "ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ و ھذا النبی والذین اٰمنوا واللہ ولی المؤمنین"

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ دل سے چاہتے ہیں بعضے لوگ اہل کتاب میں سے اس امر کو کہ تم کو (دین حق سے) گمراہ کر دیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے۔ مگر خود اپنے آپ کو اور اس کی اطلاع نہیں رکھتے اے اہل کتاب! کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ حالانکہ تم اقرار کرتے ہو اے اہل کتاب! کیوں مخلوط کرتے ہو واقعی (مضمون یعنی نبوت محمدیہ) کو غیر واقعی سے اور چھپاتے ہو واقعی بات کو حالانکہ تم جانتے ہو۔ اور بعضے لوگوں نے اہل کتاب میں سے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو نازل کی گئی ہے مسلمانوں پر (یعنی قرآن پر) شروع دن میں اور پھر انکار کر بیٹھو آخر دن میں (یعنی شام کو) عجب کیا وہ پھر جاویں۔

تفسیر ﴿۶۹﴾ "ودت طائفة من اهل الكتاب" یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔ جب یہودیوں نے ان صحابہ کرام معاذ بن جبل، حذیفہ بن یمان، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو اپنے مذہب کی دعوت دی۔ "ودت طائفة" کا معنی ہے۔ اہل کتاب کی ایک جماعت نے تمنا کی (یہود نے) "لو یضلونکم" وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اور کفر کی طرف لوٹا دیں۔

"وما یضلون الا انفسھم وما یشعرون"

﴿۷۰﴾ "یا اھل الکتاب لم تکفرون بآیات اللّٰہ" آیات اللہ سے مراد قرآن پاک یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو تورات وانجیل میں بیان کی گئی ہیں۔ "وانتم تشھدون"

﴿۷۱﴾ "یا اھل الکتاب لم تلبسون الحق بالباطل" تم اسلام کے ساتھ یہودیت اور نصرانیت کو کیوں ملاتے ہو۔ بعض نے کہا کہ اپنے ایمان کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے ایمان کو کیوں ملاتے ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ایمان لانے کے انکار کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کا دین حق تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار باطل تھا۔

بعض نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ تورات کی آیات کے ساتھ اپنی طرف سے لکھے ہوئے باطل کو ملا دیتے ہو۔ "وتکتمون الحق وانتم تعلمون" کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا دین حق ہے۔

﴿۷۲﴾ "وقالت طائفة من اھل الکتاب آمنوا" حسن، قتادہ اور سدی کا قول ہے کہ یہود خیبر اور مدینہ کے دیہات والے بارہ یہودیوں نے اس بات پر اتفاق کیا اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ دن کے شروع میں ان کے دین پر ایمان لاؤ صرف زبان سے نہ کہ اعتقاد کے ساتھ پھر دن کے دوسرے حصے (شام) انکار کر دو۔ وجہ یہ بیان کرو کہ ہم نے ان کی کتاب میں اور ان کے علماء کے مشوروں میں ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا نہیں پایا جو صفات ہم نے تورات میں پڑھی ہیں پھر ان کا

کذب ظاہر ہو جائے گا۔ جب ایسا کرو گے تو ان کے ساتھ رہنے والے صحابہ کو شک وشبہ پڑ جائے گا تو پھر ان سے کہو کہ ہم اہل کتاب ہیں اور ہم اس کو بہتر جانتے ہیں تو وہ تمہارے دین کی طرف لوٹ کر آجائیں گے۔

مجاہد، مقاتل، کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ قبلہ کے متعلق ہوا تھا کہ جب بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رُخ پھیرا گیا تو یہود کو یہ بہت شاق ہوا۔ کعب بن اشرف نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ قبلہ کے معاملے میں جو محمد پر نازل ہوا۔ اس کو مانو اور دن کے اوّل حصے میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو، پھر دن کے آخری حصے میں تم اس کا انکار کرو اور اپنے قبلہ بیت المقدس کی طرف لوٹ آؤ، شاید کہ وہ کہیں کہ یہ اہل کتاب ہیں، یہ زیادہ جانتے ہیں پس وہ ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ راز بتلا دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ "بالذی انزل علی الذین آمنوا وجہ النہار" دن کے اوّل حصے کو "وجہ" سے تعبیر کیا کیونکہ چہرہ محاسن میں سے ہے اور دیکھنے والے کو سب سے پہلے وہی دکھتا ہے۔ "واکفروا اٰخرہ لعلھم یرجعون" وہ شک کرنے لگیں گے اور اپنے دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْآ اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اور (صدق دل سے) کسی کے روبرو اقرار مت کرنا مگر ایسے شخص کے روبرو جو تمہارے دین کا پیرو ہو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً ہدایت ہدایت اللہ کی ہے ایسی باتیں اس لئے کرتے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی یا وہ لوگ تم پر غالب آجاویں۔ تمہارے رب کے نزدیک (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ بیشک فضل تو خدا کے قبضہ میں ہے وہ اس کو جسے چاہیں عطا فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں۔

تفسیر: ۷۳ "ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم" اس کا عطف ماقبل "امنوا" پر ہے جہاں یہود کا قول بعض کا بعض کے ساتھ ہے۔ "ولا تؤمنوا" مطلب یہ ہے "ولا تصدقوا" کہ تم تصدیق نہ کرو "الا لمن تبع دینکم" مگر انہی لوگوں کو جو تمہارے دین پر چلیں اس کا مطلب "وافق ملتکم" جو تمہاری ملت کے موافق ہے۔ "لمن" میں لام "من" موصولہ پر داخل ہے۔ مطلب یہ ہوگا "لا تصدقوا الا لمن تبع دینکم الیھودیۃ" تم ان کی تصدیق نہ کرنا مگر وہ لوگ جو تمہارے دین یہود کا اتباع کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "قل عسٰی ان یکون ردف لکم" اس کا معنی ہے "ردفکم" یہاں لام زائدہ ہے جیسا کہ "لمن تبع" میں لام زائدہ ہے۔ "قل ان الھدیٰ ھدی اللّٰہ" یہ خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے گویا اس کا بیان آپ کا بیان ہے۔ پھر اس کلام کے متعلق آئمہ کا اختلاف ہے کہ یہ جملہ درمیان کلام میں لانے کی کیا وجہ ہے؟ پھر یہ جملہ معترضہ ہوگا اور اس کے ساتھ جو متصل کلام ہے اس سے یہود کی خبر دینی مقصود ہے۔ اب اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تم ایمان نہ لاؤ مگر ان لوگوں پر

جو تمہاری پیروی کریں اور تم ایمان نہ لاؤ جو تمہارے مثل نشانیاں لائے۔ مثلاً علم، کتاب (زبور) حکمت اور نشانیاں مثلاً من و سلویٰ۔ سمندر میں بارہ راستوں کا بن جانا اور ان جیسی کرامات اور نہ تم ایمان لاؤ جو تمہارے ساتھ تمہارے رب کے بارے میں جھگڑے کیونکہ تمہارا دین سب سے زیادہ صحیح اور درست ہے۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔ بعض نے کہا کہ یہود اپنے ماتحتوں کو کہتے تھے کہ تم ایمان نہ لاؤ مگر ان لوگوں پر جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔

"ان یؤتی احدٌ مثل ما اوتیتم" یوتی سے مراد علم ہے۔ یہاں پر لا محذوف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "یبین اللہ لکم ان تضلوا" اصل میں "لئلا تضلوا اختصار" وہ یہ کہہ رہے تھے کہ تم ان کی تصدیق نہ کرو تا کہ وہ علم نہ جان سکیں جو تم جانتے ہو تا کہ تم ان پر علم میں افضل ہی رہو اور اس لیے بھی ان کی تصدیق نہ کرنا کہ خدا کے سامنے تمہارے مقابلے میں ان کو غلبہ حاصل نہ ہو جائے اور وہ قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگیں کہ تم کو ہمارے دین کا حق ہونا معلوم تھا مگر تم ایمان نہیں لائے یہ توجیہ ابن جریج کے نزدیک ہے۔

حسن اور اعمش نے "اِن یوتی" الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ قول یہود کا ہوگا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ آپ کہیں اے محمد "ان الھدیٰ ھدی اللّٰہ" اس صورت میں "ان یوتی" بمعنی (جحد) کے ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ تمہاری طرح کسی اور کو نہیں عطا کیا گیا جیسا کہ تم اے اُمت محمدیہ کو عطا کیا گیا۔

"او یحاجوکم عند ربکم" مگر یہ کہ یہود تم سے لڑیں اور وہ تمہیں کہیں کہ ہم آپ سے افضل ہیں۔ اللہ کے اس فرمان "عند ربکم" سے مراد "عند فعل ربکم بکم" ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کا فضل قیامت کے دن خدا کے سامنے تم پر کوئی بھی غالب نہیں آ سکے گا۔ یہ معنی حضرت سعید بن جبیر، حسن، کلبی اور مقاتل کا ہے۔ فراء فرماتے ہیں کہ "او" بمعنی "حتیٰ" کے ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "تعلق به او یعطیک حقک" آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے اُمت محمدیہ تمہیں دین اور حجت میں سے جو کچھ عطا کیا گیا وہ کسی اور کو نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے رب کے ہاں اس بارے میں جھگڑا کریں۔ ابن کثیر نے "آن یوتی" مد کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ استفہام ہوگا اور جملہ مختصر ہوگا۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی۔ "ان یوتی احدٌ مثل ما اوتیتم یا معشر المؤمنین حسدو کم" پس آپ فرما دیجئے فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے پھر اگر وہ تم سے جھگڑا کریں تو ان کو کہہ "ان الھدیٰ ھدی اللّٰہ" اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کہ یہود کا کلام یہاں پورا ہوتا ہے۔ "لعلھم یرجعون" "ولا تؤمنوا" اللہ کے کلام سے لوگوں کے دلوں کو ثابت قدم رکھے تا کہ وہ یہود کی باتوں سے تشکیک میں نہ پڑیں اور ان کو کہیں اے مؤمنین کی جماعت تم تصدیق نہ کرو مگر جو تمہارے دین کی تابعداری کرے اور نہ تصدیق کرو کہ تم جیسا علم دین، فضل کسی کو عطا نہیں کیا گیا اور نہ ہی ان لوگوں کو سچ مانو جو تمہارے دین میں جھگڑتے ہیں۔ "قل ان الفضل بید اللّٰہ یؤتیه من یشاء واللّٰہ واسع علیم" یہ تمام آیت اللہ کی طرف سے مؤمنین کو خطاب ہے تا کہ یہود کے شبہ و اشکالات سے بچتے رہیں۔

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت (وفضل) کے ساتھ جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔ اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ (اے مخاطب) اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو تو وہ (مانگنے کے ساتھ ہی) اس کو تمہارے پاس لا رکھے اور ان ہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تم کو ادا نہ کرے مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو یہ (امانت کا ادا نہ کرنا) اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر غیر اہل کتاب کے (مال کے) بارہ میں کسی طرح کا الزام نہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں۔ اور (دل میں) وہ بھی جانتے ہیں کہ (خائن پر) الزام کیوں نہ ہوگا

تفسیر ۷۴ "یختص برحمته" رحمت سے مراد نبوت ہے۔ "من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم"

۷۵ "ومن اهل الکتاب من ان تامنه بقنطار یؤده الیک" یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہود میں امانت وخیانت بہت زیادہ تھی۔ قنطار سے مراد مال کثیر ہے اور دینار سے مراد تھوڑا سا مال ہے۔ کہا جائے گا کہ ان میں سے بعض لوگ تو وہ تھے جو کثیر مال کی امانت بھی واپس کر دیتے تھے اور بعض لوگ تو وہ تھے جو خیانت کرتے تھے تھوڑا سا مال بھی واپس نہیں کرتے تھے۔ مقاتل فرماتے ہیں "ومن اهل الکتاب من ان تامنه بقنطار یؤده الیک" سے مراد اہل کتاب کے مومنین ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔

"ومنهم ان تامنه بدینار لا یؤده الیک" اس سے مراد کفار یہود جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی ہیں۔ جویبر نے ضحاک کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں "ومن اهل الکتاب من ان تامنه بقنطار یؤده الیک" کہ اس آیت سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص نے بارہ سو اوقیہ سونا امانت رکھی۔ انہوں نے وہ امانت پوری کی پوری ادا کر دی اور "ومنهم من ان تامنه بدینار لا یؤده الیک" سے مراد فنحاص بن عازوراء ہے کہ قریش کے ایک آدمی نے اس کے پاس ایک دینار امانت رکھی تو اس نے خیانت کی۔ "یؤده الیک" ابو عمرو وابوبکر وحمزہ نے "یؤده، لا یؤده، ونصله، ونؤتیه، ونوله" ھاء کے سکون کے ساتھ اور ابو جعفر وقالون اور یعقوب نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے اشباع کے ساتھ پڑھا ہے اور جن حضرات کے ہاں ھاء ساکن ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ جزم کے مقام میں ہے اور وہ یاء ہے جو کسرہ پڑھتے ہیں وہ صرف یاء برقرار رکھتے ہوئے اس پر کسرہ ڈالتے ہیں اور جو اشباع کرتے ہیں وہ اس کو اپنی اصل حالت پر رکھتے ہیں کیونکہ اس میں اصل ھاء اشباع ہی ہے۔ "الا مادمت علیه قائما" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "قائما علیه" سے مراد "ملحا" ہے یعنی جب تک کہ تم سخت تقاضا نہ کرو اور تقاضے پر جم نہ جاؤ۔ ضحاک کا قول یہی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد کہ جب تم نے کوئی چیز ودیعت رکھی تم نے اس کو رجوع کیا اور اس کے سر پر قائم رہا اور اس کے پاس سے اس وقت تک جدا نہیں ہوا جب تک اس نے آپ کی امانت لوٹا نہ دی۔ اگر تم اس سے جدا ہو جاتے اور موخر

کر لیتے تو وہ امانت واپس کرنے سے انکار کر جاتا اور امانت ادا نہ کرتے۔ "ذلک" یہ کسی اشیاء کو حلال قرار دینا اور خیانت کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ کہتے "بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل" یہودی کہتے کہ عرب کا مال ہمارے لیے حلال ہے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ "ما علی المحسنین من سبیل" اور یہود یہ بھی کہتے ہیں کہ عرب چونکہ ہمارے دین پر نہیں ہیں اور ہماری کتاب میں ان کے حقوق بھی نہیں بلکہ یہودی اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذہب والوں کی حق تلفی کو حلال جانتے ہیں۔ کلبی نے کہا کہ یہود کہتے ہیں کہ سارے اموال ہمارے ہیں اور جو ان لوگوں کے پاس اموال ہیں وہ بھی ہمارے حق ہیں۔ اگر ہم ان پر ظلم کر کے یا غصب کر کے لیں گے تو ان کے اموال کو ہم سے کوئی چھڑانے والا نہیں ہے۔

حسن ابن جریج اور مقاتل فرماتے ہیں یہود کے چند لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں بیعت کی تھی جب یہ لوگ اسلام لے آئے تو انہوں نے زمانہ جاہلیت کے عہد کے مطابق یہود سے اپنے مال کا مطالبہ کیا تو یہود کہنے لگے کہ ہمارے اوپر تمہارا کوئی حق نہیں اور نہ ہی ہم وہ ادا کریں گے کیونکہ تم نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا اور جو عہد تمہارے اور ہمارے درمیان تھا وہ ختم ہو گیا اور وہ حق ہم اپنی کتابوں میں نہیں پاتے اللہ عزوجل نے ان کی تکذیب فرمائی۔ اس فرمان سے "ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون" پھر فرمایا کہ اس آیت میں ان کی تردید ہے۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞

ترجمہ: جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو بیشک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں (ایسے) متقیوں کو یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے (انہوں نے) کیا ہے اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہ ملے گا اور نہ خدا تعالیٰ ان سے (لطف کا) کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (محبت سے) دیکھیں گے قیامت کے روز اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر: ۞ "بلٰی" یہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو بلکہ اس کے علاوہ تمہارے لیے راستہ ہے پھر اس کلام سے ابتدا کی "من اوفٰی" لیکن کون شخص ہے جو ایفاء وعدہ کرے "بعھدہ" اللہ کے ساتھ وہ وعدہ جو تورات میں موجود ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لائیں گے اور امانت ادا کریں گے۔ بعض نے کہا کہ "بعھدہ" میں ضمیر "اوفٰی" کی طرف راجع ہے۔ "واتقٰی" اور بچو کفر سے خیانت اور نقض عہد سے۔ "فان اللہ یحب المتقین"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں جس میں وہ پائی جائیں وہ خالص منافق ہوگا اور جب تک اس کے اندر ان خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی وہ منافق ہوگا۔

یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ نہ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو دھوکہ دے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔

❼ "ان الذین یشترون بعهد الله وایمانهم ثمناً قلیلاً" عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے سرداروں کے متعلق نازل ہوئی کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ جو عہد کیا تھا وہ انہوں نے چھپایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے متعلق جو کچھ تورات میں لکھا ہوا تھا اس کو بدل دیا اور اس کی جگہ اپنے ہاتھوں سے کچھ اور لکھ دیا اور یہ قسمیں کھاتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ ان کو جو رشوت اور کھانے پینے کی مفت اشیاء ملتی ہیں ان کے تابعداران کو دیتے رہیں۔

اعمش ابی وائل سے اور وہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کے مال کو غصب کیا تو وہ شخص قیامت کے دن اُٹھے گا اس حال میں کہ اللہ اس پر غصہ ہوگا۔ ان کی تصدیق پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ان الذین یشترون بعهد الله وایمانهم ثمناً قلیلاً" آخر آیت تک۔ اس آیت کے نزول کے بعد اشعث بن قیس باہر سے اندر داخل ہوئے اور پوچھا کہ ابو عبدالرحمٰن نے تم سے کیا حدیث بیان کی تھی۔ لوگوں نے بتا دیا کہ یہ بیان کر رہے تھے۔ حضرت اشعث نے کہا کہ یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی۔ اس کا قصہ یہ ہوا کہ میرا ایک کنواں میرے چچا کے بیٹے کی زمین میں تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اپنے گواہ پیش کرو ورنہ اس کی قسم کو مانو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ تو اس پر قسم کھالے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مسلمان کا ناحق مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم کھائی تو قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔

علقمہ بن وائل بن حجر سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، فرمایا کہ ایک شخص حضرموت اور ایک شخص کندہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ حضرمی نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص نے میری زمین پر قبضہ کر رکھا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ یہ میرے باپ کی میراث ہے۔ کندی نے کہا کہ میری زمین ہے اس میں کھیتی کرتا ہوں اس میں اس کا کوئی حق نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے کہا کہ تیرے پاس گواہ ہیں۔ حضرمی نے کہا نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کندی سے پوچھا کہ کیا تم قسم کھاتے ہو؟ حضرمی نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فاجر شخص ہے قسم کھانے سے دریغ نہیں کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے علاوہ اس سے تم کو کوئی حق نہیں۔ وہ اس کے پاس گئے تاکہ اس سے قسم لیں۔ پس جب چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر اس نے قسم اُٹھائی تاکہ دوسرے کے مال کو ظلما کھائے تو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس سے اعراض کرنے والا ہو۔

اور عبدالملک بن عمیر عن علقمہ سے روایت ہے اور فرمایا کہ کندی کا نام امرء القیس بن عابس اور اس کے حریف کا نام ربیعہ بن عبدان تھا اور ایک روایت میں ہے کہ جب کندی نے قسم کھانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس پر امرء القیس نے قسم

کھانے سے انکار کر دیا اور اپنے حریف کے حق کا اقرار کر لیا اور اس کا حصہ اس کو دے دیا۔ حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا حق ضبط کیا اس پر اللہ جنت حرام کر دیتے ہیں اور اس کے لیے جہنم کو واجب کر دیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا اگرچہ وہ تھوڑی سی چیز ہو، اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک ٹہنی بھی ہو۔ یہ ارشاد تین مرتبہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن اوفیٰ سے روایت ہے کہ ایک شخص کچھ تجارتی سامان بازار میں لایا اور کسی مسلمان کو پھنسانے کے لیے اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ مجھے اس کی اتنی قیمت ملتی تھی حالانکہ اس کو اس کی بیان کردہ قیمت نہیں ملتی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "**ان الذین یشترون بعهد الله و أیمانهم ثمنًا قلیلاً**" ..... "**ان الذین یشترون**" مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کے عہد کو تبدیل کرتے ہیں اس سے مراد امانت ہے۔ "**ایمانهم**" سے جھوٹی قسم جو ثمن قلیل کے بدلے میں ہوتی ہے۔ "**اولٰئک لا خلاق لهم**" ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ "**فی الآخرة**" آخرت میں نعمتوں سے "**و لا یکلمهم الله**" اللہ ان سے ایسا کلام نہیں کرے گا جس سے ان کو نفع حاصل ہو اور ان کو خوشی ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد غصہ والا کلام ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا۔ جب وہ اس سے غصہ ہو۔ "**و لا ینظر الیهم یوم القیامة**" اور قیامت کے دن ان کی طرف نہ رحمت کی نظر سے دیکھے گا اور نہ ہی ان سے اچھا سلوک کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو کوئی بھلائی پہنچے گی۔ "**و لا یزکیهم**" ان کی پاکی کی تعریف نہیں کرے گا اور نہ ہی اللہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ "**و لهم عذاب الیم**"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن (نفع والا) کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ فرمایا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ پڑھا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ناکام و نامراد ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (تکبر سے) تہبند نیچے لٹکانے والا اور احسان کر کے اس کو جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر اپنے مال کو فروغ دینے والا اور ایک روایت میں "المسبل ازاره" کے الفاظ ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین اشخاص ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ایک وہ شخص جس نے جھوٹی قسم کھائی تاکہ وہ اس کا مال کھائے اور دوسرا وہ شخص جس نے عصر کے بعد اپنے سامان کو بیچنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتا ہے کہ مجھے اتنے میں ملا ہے حالانکہ اتنے میں اس نے نہیں خریدا ہوتا اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس بیابان میں ضرورت سے زائد پانی ہو اور وہ دینے سے رُک جائے۔ اللہ اس سے فرمائے گا آج میں تجھ سے اپنا فضل روکتا ہوں جس طرح تو نے اپنے صرف سے بچی ہوئی وہ چیز روک رکھی تھی جو تو نے بنائی بھی نہیں تھی۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: اور انہی میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے ہیں جو کتاب (یعنی تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو موڑتے ہیں۔ تاکہ تم (ان کی مروڑ کی بنائی ہوئی) اس عبارت کو کتاب کا حصہ سمجھو۔ حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتی۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (عبارت) اللہ کی طرف سے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اور (اس طرح) وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہ کسی بشر کا کام نہیں۔ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ۔ کیونکہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو۔ اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔

تفسیر ﴿۷۸﴾ "وان منھم لفریقًا" اس سے مراد اہل کتاب ہے۔ فریقًا کا مطلب جماعت ہے اور وہ کعب بن اشرف و مالک بن صیف۔ حیی بن اخطب، ابویاسر و شعبہ بن عمرو الشاعر ہیں۔ "یلوٗن السنتھم بالکتاب" وہ اپنی زبان کو نازل شدہ الفاظ سے اپنے اختراع کردہ الفاظ کی طرف پھیر دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو تورات میں بیان کی گئی اور آیت رجم وغیرہ کو یہ چھپاتے تھے جیسا کہ کہا جاتا ہے "لوی لسانہ عن کذا" تبدیل کیا اس کی زبان نے۔ "لتحسبوہ" تاکہ تم گمان کرو کہ یہ کتاب کا جزو ہے تحریف شدہ نہیں۔ "من الکتاب" کتاب میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ "وما ھو من الکتاب ویقولون ھو من عنداللہ وما ھو من عنداللہ ویقولون علی اللہ الکذب" جان کر وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ "وھم یعلمون" اور وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ سب کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے تورات وانجیل میں تحریف کی اور کتاب میں اس کو ملا لیا تھا جو کتاب میں نہیں تھا۔

﴿۷۹﴾ "ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب" مقاتل اور ضحاک فرماتے ہیں کہ "ما کان لبشر" سے مراد عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ نجران کے نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کو رب بنائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "ان یؤتیہ اللہ الکتاب" کتاب سے انجیل مراد ہے۔ یہی قول ابن عباس اور عطاء کا ہے اور "ما کان لبشر" سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "ان یؤتیہ اللہ الکتاب" سے مراد قرآن ہے۔ یہ قول اس وجہ سے لیا ہے کہ ابو رافع قرظی یہود میں سے اور اہل نجران کے نصاریٰ کے رئیس دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد کیا آپ اس بات کا ارادہ کرتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں اور آپ کو اپنا رب قرار دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی

پناہ میں تمہیں اللہ کے علاوہ کسی اور کو پوجنے کی دعوت دوں۔ اللہ نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اس کے لیے مجھے بھیجا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ "وما کان لبشر" کسی بشر کے مناسب نہیں کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے "ما یکون لنا أن نتکلم بھذا" یعنی ہم میں کسی کے لیے مناسب نہیں۔ بشر تمام بنی آدم پر بولا جاتا ہے اس کا واحد نہیں آتا جیسے قوم اور جیش کا واحد نہیں آتا اور یہاں اس کو واحد اور جمع کی جگہ پر رکھا گیا ہے۔ "والحکم" سے مراد فہم و علم ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد حکومت ہے۔ "والنبوۃ" بلند مقام جس سے خبر دی جاتی ہے۔ "ثم یقول للناس کونوا عبادًا لی من دون اللّٰہ ولکن کونوا" لیکن وہ کہتے کہ تم ربانی ہو جاؤ۔

ربانیین کی تشریح

"ربانیین" علی ابن عباس، حسن رضی اللہ عنہم کے نزدیک فقہاء و علماء ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ حکماء و علماء ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عالم جو اپنے علم پر عمل کرے۔ سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد فقہاء معلمین ہیں۔ بعض نے کہا کہ ربانی وہ ہے جو لوگوں کی تربیت چھوٹی عمر میں کریں، ان کے بڑے ہونے سے پہلے۔ عطاء نے فرمایا کہ باوقار دانش مند علماء جو اللہ کی طرف سے مخلوق کے خیر خواہ ہوں۔

ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عالم سے سنا کہ ربانی وہ شخص ہے جو حلال و حرام اور امر و نہی کو جانتا ہو۔ اُمت کے گزشتہ اور آئندہ احوال سے واقف ہو اور بعض نے کہا کہ ربانی حبر سے درجہ میں بڑا ہوتا ہے اور احبار علماء سے درجہ میں بڑا ہو۔

ربانی وہ ہے جو علم و بصیرت کے ساتھ لوگوں کو جمع کرے۔ مؤرخین فرماتے ہیں کہ ربانی وہ شخص ہے جو رب کی طرف منسوب ہو (جیسے ہم اللہ والا بولتے ہیں) یہ اصل میں لفظ (ربی) تھا پھر اس میں الف بڑھا دیا تفخیم کے طور پر۔ پھر نون داخل کیا الف کو ساکن کر کے جیسا کہ لفظ صنعانی، بحرانی ہے۔ مبرد فرماتے ہیں کہ ہم ارباب علم ہیں یہ نام اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ اپنے اعمال سے علم کی تکمیل کرتے ہیں اور متعلمین کو تربیت دیتے ہیں۔

بڑے بڑے علوم سے چھوٹے چھوٹے علوم کی تدریجی تعلیم دیتے ہیں اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کی درستگی اور اس کی تکمیل کرتا اور "ربہ یربہ" سے ہے۔ اس کا واحد ربان ہے۔ جیسا کہ ریان، عطشان، شبعان، غرثان۔ پھر اس کے ساتھ یاء نسبتی لگا دی گئی جیسے کہا جاتا ہے الحیانی ورقبانی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ "ربیون" وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال سے علم کی تکمیل کرتے ہیں۔ محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں جس دن ابن عباس رضی اللہ عنہما دنیا سے رحلت فرما گئے تو فرمایا کہ اس اُمت کا ربانی فوت ہو گیا۔ "بما کنتم" یہ "بما انتم" کے معنی میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "من کان فی المھد" جیسا کہ کون ہے گہوارہ میں۔ "تعلمون الکتاب" ابن عامر، عاصم اور کسائی رحمہم اللہ نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور قراء نے "تَعْلَمُوْنَ" پڑھا ہے بمعنی علم "وبما کنتم تدرسون" تم پڑھتے ہو۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا قرار دے دو۔ جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اس کے بعد وہ تمہیں کفر اختیار کرنے کا حکم دے گا۔ اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے۔ جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ اللہ نے (ان پیغمبروں سے) کہا تھا کہ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اٹھاتے ہو۔ انہوں نے کہا تھا ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا تو پھر (ایک دوسرے کے اقرار کے) گواہ بن جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں۔

تفسیر ﴿۸۰﴾ "ولا یامرکم" ابن عامر، حمزہ، یعقوب رحمہم اللہ نے راء کے فتحہ کے ساتھ "یأمُرَکُم" پڑھا ہے اور اس کا عطف "ثم یقول" پر کیا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بشر اس طرح حکم نہیں کرتا۔ یا اضمار قبل الذکر ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا اور نہ ہی تم کو کوئی اس طرح حکم کرتا ہے اور باقی قراء نے "یامرُکم" پڑھا ہے۔ معنی ہوگا کہ تم کو اللہ نے ایسا حکم تو نہیں دیا۔ ابن جریج اور ایک جماعت نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم نہیں دیا۔ "ان تتخذوا الملئکۃ والنبیین اربابا" قریش اور صابئین کا قول یہ تھا کہ وہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور یہود ونصاریٰ بھی حضرت مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے۔ (نعوذ باللہ) ...... "ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون" ان کو بطور استفہام تعجب و انکار کے لیے ایسے فرمایا۔

﴿۸۱﴾ "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ" حمزہ رحمہ اللہ نے لما کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے لما فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جو اس پر کسرہ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ لام اضافت ہے جو موصول پر داخل ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا اللہ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب میں نے تم کو دی اور حکمت اور بے شک وہ اصحاب الشرائع ہیں اور جنہوں نے لام پر فتحہ پڑھا ہے تو ان کے نزدیک "للذی اتیتکم" کا معنی خبر کے ہوگا۔ بعض نے کہا کہ جزاء کے معنی میں ہے۔ عبارت یوں ہوگی "لئن اتیتکم ومھما اتیتکم" جواب جزاء "لتؤمنن بہ" ہے اور شرط "لما اتیتکم" ہے۔ نافع اور اہل مدینہ کے نزدیک "آتینا کم" ہے اس صورت میں یہ تعظیم کے لیے ہوگا۔ جیسا کہ "وآتینا داؤد زبورا" ...... "وآتیناہ الحکم صبیا" اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ یہ خط کے موافق ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد و میثاق لیا

اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ وہ کتاب اللہ اور رسالت کی تبلیغ اپنے بندوں تک پہنچائیں اور بعض بعض کی تصدیق کریں اور ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ آنے والے نبی پر ایمان لائیں جو ان کے بعد آئیں گے اور ان کی مدد فرمائیں گے۔ اگر ان کے زمانے کو پایا۔ اگر وہ پیغمبر کو نہ پاسکے تو وہ اپنی اُمت سے عہد لے کہ وہ ان کی مدد کریں گے اگر وہ آنے والے نبی کو پائیں۔ موسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا۔ اب اس بات میں اختلاف ہوا کہ یہ کس نے کہا۔ بعض نے کہا کہ یہ میثاق اہل کتاب سے لیا گیا جن کی طرف انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا گیا۔ یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے۔ "ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب کی طرف مبعوث فرمایا۔ "من النبیین" نہ کہ نبیین کی طرف جیسا کہ عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب کی قراءۃ دلالت کرتی ہے "واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب" معروف قراءۃ "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا تھا کہ تم اپنی اپنی اُمتوں سے یہ عہد لو کہ تم ایمان لانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی تصدیق کرنا اور ان کی مدد کرنا۔ یہاں صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے عہد کو ذکر کیا کیونکہ تابع کے ذکر سے متبوع خود اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

اور یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام اور ان کے بعد جو نبی بھی دُنیا پر آیا اس سے میثاق اور عہد لیا گیا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اور ان انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی اُمتوں سے عہد لیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور بضرور ایمان لائے گا۔ اگر ان کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کی ضرور مدد کریں گے۔ "ثم جاء کم رسول مصدق" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "لتؤمننّ به ولتنصرنه قال" جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے ذریت کو نکالا اس وقت انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا اور انبیاء کرام علیہم السلام اس دن چراغوں کی مانند تھے۔ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا "قال ء اقررتم واخذتم علی ذالکم اصری" "تم اس عہد کو قبول کرو" "والاصر" سے مراد پکا عہد ہے۔ "قالوا اقررنا قال" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فاشهدوا" "تم گواہ رہو اپنے آپ پر اور اپنے اتباع پر۔" "وانا معکم من الشاهدین" "میں تمہارے اوپر اور ان پر شاہد ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "فاشهدوا" کا معنی ہے تم جان لو۔ سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ تم گواہ رہو۔ یہ کنایہ ہے غیر مذکور سے۔

فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس (رسول) پر (دل سے) اعتقاد بھی لانا اور اس کی طرف داری بھی کرنا (پھر یہ عہد بیان کر کے) فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد (اور حکم) قبول کیا۔ وہ بولے ہم نے اقرار کیا ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

تفسیر ﴿۸۲﴾ "**فمن تولی بعد ذلک**" اس اقرار کے بعد جس نے روگردانی کی۔ "**فاولئک هم الفاسقون**" جو نافرمان ایمان سے خارج ہوئے۔

﴿۸۳﴾ "**افغیر دین اللہ یبغون**" اہل کتاب آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہے۔ یہ جھگڑا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں فریقین ابراہیم علیہ السلام کے دین سے بیزار ہیں۔ یہ سن کر وہ غصہ ہونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم تمہارے فیصلے پر راضی نہیں اور نہ ہی ہم نے آپ کے دین کو اختیار کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "**افغیر دین اللہ یبغون**" اہل بصرہ اور حفص بن عاصم نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے حضرات تاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ "**وله اسلم**" اور اسی کے فرمانبردار ہیں۔ "**من فی السموٰت والارض**"

"**طوعا و کرها**" طوع کہتے ہیں تسلیم کرنا اور آسانی کے ساتھ اتباع کرنا۔ "**و کرها**" وہ کام جو مشکل اور نفس پر گراں گزرے۔ "**طوعا و کرها**" میں آئمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ حسن فرماتے ہیں کہ آسمان والے "**طوعا**" اسلام لائے اور زمین والے بعض طوعاً اسلام لائے اور بعض "**کرها**" تلوار اور قید کے ڈر سے اسلام لائے۔ مجاہد نے فرمایا مومن نے خوشی سے اسلام قبول کیا اور "**کرها**" کافروں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**وللہ یسجد من فی السموٰت والارض طوعا و کرها وظلالهم بالغدو والاصال**" بعض نے کہا کہ یہ اس دن میثاق کا تھا جب ان سے کہا گیا "**الست بربکم قالوا بلیٰ**" اس بعض نے خوشی سے "**بلیٰ**" کہا اور بعض نے "**کرها**" کہا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ مومن جو خوشی سے ایمان لائے انہیں ایمان نے نفع پہنچایا اور کافروں نے تنگی سے اسلام قبول کیا تو کمزوری کے وقت انہیں ایمان نے کوئی نفع نہیں پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**فلم یک ینفعهم ایمانهم لما راوا باسنا**" امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی وہ اضطراری حالت میں اللہ سے پناہ طلب کرتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین له الدین**" اور کلبی فرماتے ہیں "**طوعا**" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام پر پیدا ہوئے اور زبردستی ان لوگوں پر جبراً اسلام پیش کر دیا گیا جن کو قید میں ڈالا گیا۔ "**والیه یرجعون**" حفص بن عاصم و یعقوب نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے "یبغون" پڑھا ہے اور بعض نے اس کو تاء کے ساتھ

پڑھا ہے۔ پہلا اس میں خاص ہے اور دوسرا عام ہے کیونکہ سب مخلوقات کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ پر اور اس حکم پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس حکم پر جو حضرات ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور اولاد یعقوب (علیہ السلام) ان کی طرف بھیجا گیا اور اس پر بھی جو موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے اس کیفیت سے کہ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے۔ اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ (دین خدا کے نزدیک) اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا (یعنی نجات نہ پائے گا) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے۔ جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان لانے کے (دل سے) اور بعد اپنے اس اقرار کے (زبان سے) کہ رسول سچے ہیں اور بعد اس کے کہ ان کو (حقانیت اسلام کے) واضح دلائل پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے۔

تفسیر: ﴿۸۴﴾ "قل امنا باللّٰه وما انزل علینا وما انزل علٰی ابراهیم و اسماعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیون من ربهم لا نفرق بین احد منهم ونحن له مسلمون" مختلف حقوق اور ادیان کا ذکر کیا اور اس میں لوگوں کے اضطراب کو بیان کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ یہ فرمائیں۔ "امنا باللّٰه ...... الآیۃ"

﴿۸۵﴾ "ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منه" اس آیت کا نزول بارہ آدمیوں کے بارے میں ہوا۔ یہ لوگ مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ کو چلے گئے تھے انہیں میں حارث بن سوید انصاری بھی تھے (اور یہ مرتد ہو کر چلے گئے تھے لیکن پھر سچے دل سے توبہ کر کے واپس آ گئے تھے) "وهو فی الآخرة من الخاسرین"

﴿۸۶﴾ "کیف یهدی اللّٰه قومًا کفروا بعد ایمانهم" کیف حرف استفہام جحد کے معنی میں ہے۔ عبارت یوں ہوگی "لا یهدی اللّٰه" کہ اللہ ان کو ہدایت نہیں دے گا اور بعض نے کہا کہ اللہ ان کو آخرت میں کیسے ہدایت دے گا جنت اور ثواب کی طرف۔ "وشهدوا ان الرسول حق و جاء هم البینٰت، واللّٰه لا یهدی القوم الظالمین"

اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: ایسے لوگوں کو سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور بہتیرے آدمیوں کی بھی غرض سب کی۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے ان پر سے عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پاوے گا اور نہ ان کو مہلت یہ دی جاوے گی۔ ہاں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اس کفر کے بعد اور اپنے دل کو سنوار لیں سو بیشک خدا تعالیٰ بخش دینے والے (اور) رحمت کرنے والے ہیں۔ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں (یعنی کفر پر دوام رکھا) ان کی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی اور ایسے لوگ پکے گمراہ ہیں۔

تفسیر: ﴿۸۷﴾ اولئک جزاء ھم۔ ﴿۸۸﴾ خالدین فیھا۔

شانِ نزول

حارث بن سوید جب مرتد ہو کر کافروں سے جا ملے تو ندامت ہوئی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کو بھیجا تا کہ ان سے پوچھیں کہ میرے لیے توبہ قبول ہو سکتی ہے، اگر میں ایسا کروں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿۸۹﴾ "الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللّٰہ غفور رحیم" جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا گیا اس نے واپس آ کر یہ آیت پڑھی تو حارث بن سوید نے کہا کہ اللہ کی قسم تم (میرے عمل میں) سچے آدمی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ سچے ہیں اور اللہ ان تینوں سے بڑھ کر سچا ہے۔ حارث مدینے کی طرف لوٹ آئے اور اسلام لائے اور وہ بہترین مسلمانوں میں سے ہو گئے۔ ﴿۹۰﴾ "ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادو کفرا"

حضرت قتادہ، حسن بصری رحمہما اللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول یہودیوں کے حق میں ہوا جنہوں نے تورات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اسلام لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا انکار کر کے کفر میں مزید ترقی کر لی۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا نزول یہود و نصاریٰ دونوں کے متعلق ہوا کہ ان دونوں فریقوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور ان کے انعامات اپنی کتابوں میں پڑھے اور ان کو مانا لیکن بعثت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور اس انکار کی وجہ سے ان کے کفر میں مزید ترقی ہو گئی۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول تمام کفار کے متعلق ہوا جو اللہ کے خالق ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود شرک کرتے ہیں پھر کفر میں بڑھ جاتے ہیں یعنی مرتے دم تک کفر پر قائم رہتے ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفر میں

زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ جو آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری گئی اس کا انکار کرتے گئے۔ بعض نے کہا کہ کفر میں زیادتی ان کے اس قول کی وجہ سے ہے۔ ''نتربص بمحمد ریب المنون'' (ہم محمد کے مرنے کے منتظر ہیں)

شانِ نزول

کلبی فرماتے ہیں کہ آیت کا نزول حارث بن سوید کے ساتھیوں کے متعلق ہوا کہ حارث کے اسلام لانے کے بعد بھی وہ کفر پر قائم رہے اور مکہ میں مقیم رہے اور وہ کہنے لگے کہ ہم کفر پر ڈٹے رہیں گے ہمیں کوئی اس راستہ سے ہٹا نہیں سکتا اور جب واپس لوٹنے کا ارادہ کرتے تو کہتے کہ یہ آیت تو ہمارے لیے نازل ہوئی ہے۔ حارث بن سوید کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ جب مکہ فتح ہوا تو جو شخص تم میں سے اسلام لائے گا اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور جو کافر ہو کر مرے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ''ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار'' سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ جو تم میں سے توبہ کرے گا اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے ''ولیست التوبة للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الاٰن'' اور بعض نے کہا یہ حارث بن سوید کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ جب انہوں نے اسلام سے اعراض کیا اور وہ کہنے لگے ''نتربص بمحمد ریب المنون'' زمانے کے پلٹنے کے ساتھ وہ بھی اپنے دین سے رجوع کرلیں گے۔ ''لن تقبل توبتھم'' ان کی توبہ اسی وجہ سے قبول نہیں ہوتی کہ یہ منتظر ہیں بغیر کسی دلیل وحجت کے اور یہ گمراہ لوگ ہیں۔ (واولٰئک ھم الضالون)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر بھی گئے حالت کفر ہی میں سو ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہ لیا جاوے گا وہ اگرچہ معاوضہ میں اس کا دینا بھی چاہے۔ ان لوگوں کو سزائے دردناک ہوگی۔ اور ان کے کوئی حامی بھی نہ ہوں گے۔

تفسیر: ۹۱ ''ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض'' جس قدر مشرق تا مغرب زمین بھر جائے اتنی بقدر وہ سونا لے آویں تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ''ذھبا'' منصوب تفسیر کی بناء پر ہے۔ جیسا کہ ''عشرون درھما'' منصوب ہے۔ ''ولو افتدی به'' اگر وہ اس کے عوض سونا دے بھی دے واؤ زائدہ ہے۔ ''اولٰئک لھم عذاب الیم وما لھم من ناصرین'' حضرت شعبہ ابی عمران سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے کم تر عذاب والے دوزخی سے اللہ فرمائے گا اگر تیرے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں تو وہ عذاب سے بچنے کے لیے سب چیزیں دے دیگا، دوزخی کہے گا جی ہاں، اللہ فرمائے گا جب تو آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا اس وقت میں نے تجھ سے اس سے بہت زیادہ آسان چیز کی خواہش کی تھی کہ تو کسی کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا تو نے انکار کیا اور شرک کیے بغیر نہ رہ سکا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو بھی خوب جانتے ہیں۔

تفسیر: ۹۲ "لن تنالوا البر" بر کا معنی جنت سے کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور مقاتل نے کہا کہ اس سے مراد تقویٰ ہے۔ بعض نے کہا طاعت، بعض کے نزدیک بھلائی ہے۔ حسن فرماتے ہیں کہ تم (ابرار) خیر کثیر نہیں ہو سکتے۔

حضرت شقیق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سچائی کو لازم پکڑو کیونکہ صدق نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور بر (نیکی) جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی لگاتار سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی نیت کرتا ہے تو اللہ کے ہاں اس کو صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ بدکاری کی طرف لے جاتا ہے اور بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی لگاتار جھوٹ بولتا رہتا ہے اور اس کی نیت کر لیتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب (جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔ "حتٰی تنفقوا مما تحبون" جو تمہارا پسندیدہ محبوب مال ہے۔

اپنے پسندیدہ مال سے صدقہ اور زکوٰۃ ادا کرنا

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے اس سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ مجاہد اور کلبی فرماتے ہیں کہ یہ آیت زکوٰۃ کی آیت سے منسوخ ہے۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مسلمان جو مال خرچ کرے گا وہ اس نیکی تک پہنچ جائے گا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ تم دین میں فضیلت اور تقویٰ اس وقت نہیں پا سکتے جب تک کہ صحت اور ضرورت کی حالت میں اس کو خیرات نہ کرو۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنا باغ صدقہ کر دینا

اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوطلحہ انصاری صحابہ میں سے مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور آپ کا پسندیدہ مال بیرحاء (بستان) تھا جو مسجد کے سامنے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار جا کر وہاں کا عمدہ پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "لن تنالوا البر حتٰی تنفقوا مما تحبون" تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے "لن تنالوا البر حتٰی تنفقوا مما

تحبون" مجھے اپنے مال میں بیرحاء بہت پسند ہے۔ میں اللہ کی خوشنودی کے لیے اس کو دیتا ہوں، میں اُمید کرتا ہوں اللہ اس کا ثواب اور اجر میرے لیے جمع کرے گا۔ آپ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واہ، واہ کیا بات ہے یہ تو نفع بخش مال ہے جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کرلو۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے اقرباء اور چچازادوں کو تقسیم کردیا۔

مجاہد نے روایت نقل کی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ جلولاء کے قیدیوں میں سے کوئی باندی خریدلو، وہ باندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے، ان کو یہ باندی بہت پسند آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتے ہیں "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو آزاد کردیا۔

حضرت حمزہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دل میں جب یہ آیت کھٹکی تو دل میں سوچا کہ خداداد نعمتوں میں سے مرغوب چیز کیا ہے سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ فلاں باندی سے زیادہ دل کو محبوب اور کوئی چیز نہیں میں اس باندی کو آزاد کرتا ہوں، فرمایا کہ اگر بارگاہ الٰہی میں پیش کی ہوئی چیز کو واپس لینے کا خیال نہ ہوتا تو میں اس سے نکاح کرلیتا۔ "وما تنفقوا من شیء فان اللہ بہ علیم" اللہ اس سب کو جانتا ہے اور اسی کا بدلہ دے گا۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾

(ترجمہ) سب کھانے کی چیزیں نزول تورات کے قبل باستثناء اس کے جس کو یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے نفس پر حرام کرلیا تھا بنی اسرائیل پر حلال تھیں فرمادیجئے کہ پھر تورات لاؤ پھر اس کو پڑھو۔ اگر تم سچے ہو

کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل کا شان نزول

(تفسیر) ۹۳ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے لگے آپ کا گمان ہے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہیں حالانکہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو اونٹوں کا گوشت کھاتے تھے نہ دودھ پیتے تھے حالانکہ آپ تو گوشت بھی کھاتے ہو اور ان کا دودھ بھی پیتے ہو، آپ ان کی ملت پر نہیں ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا یہ دونوں اشیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حلال تھیں۔ یہودی کہنے لگے آج کے دن جس کو ہم حرام قرار دیتے ہیں وہ حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کے زمانے میں بھی حرام تھیں۔ حتیٰ کہ یہاں تک اس کی حرمت پہنچی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل" اس سے مراد مردار اور خون کے علاوہ کیونکہ یہ دونوں چیزیں کسی اُمت میں حلال نہیں تھیں مگر یہ کہ بنی اسرائیل نے بعض چیزیں خود اپنے اوپر حرام کردی تھیں، تورات کے نازل ہونے سے پہلے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح

تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ اشیاء سب اُمتوں میں حرام تھیں اور اونٹوں کا گوشت اور دودھ دونوں ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھے بلکہ یہ سب اشیاء ان کے لیے بھی حلال تھیں اور بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں۔ لیکن بنی اسرائیل نے خود اپنے اوپر کچھ اشیاء حرام کر دی تھیں تورات سے پہلے۔ تورات میں ان اشیاء کی حرمت کا ذکر نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کونسی اشیاء اپنے لئے حرام کردی تھی

مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کون سی چیز اپنے اوپر حرام قرار دی اور اس کی وجہ کیا تھی۔

ابو العالیہ، عطاء، مقاتل، کلبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دو گوشت تھے اونٹ اور اس کا دودھ۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک سخت مرض لاحق ہو گیا جو طوالت اختیار کر گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے مجھے عافیت بخشی تو میں اپنے پسندیدہ کھانے اور پینے کی اشیاء کو ترک کر دوں گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا پسندیدہ کھانا گوشت اور اونٹ کا دودھ تھا۔ انہوں نے ان دونوں اشیاء کو اپنے اوپر حرام کر دیا۔

ابن عباس، مجاہد، قتادہ، سدی، ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عروق (عرق النساء، لنگڑی کا درد) کی بیماری تھی اور اس کا درد شدید تھا۔ جویبر ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے نذر مانی کہ اللہ نے اگر ان کو بارہ بیٹے دیئے اور میں بیت المقدس صحیح سلامت لوٹ آؤں تو آخری بیٹے کو ذبح کروں گا تو فرشتے نے ان سے ملاقات کی۔ اس نے کہا اے یعقوب! آپ تو رجل قوی ہو آپ کو آج تک کسی نے شکست دی ہے یا آپ کو پچھاڑا ہو، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے آج تک کسی نے نہیں شکست دی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو فرشتے نے بھینچا اس وجہ سے آپ کو عرق النساء کی بیماری لگ گئی۔ پھر فرشتے نے کہا کہ اگر آپ علیہ السلام چاہتے تو میرے ساتھ زور آزمائی کرتے تو میں کر لیتا لیکن میں نے تو صرف آپ کو بھینچا ہے۔ اگر آپ نے اللہ کے لیے نذر مانی ہوتی کہ آپ بیت المقدس آ کر اپنے آخری بیٹے کو ذبح کریں گے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مرض کی وجہ سے آنے والی مشکلات کو آسان کر دیا ہے۔ جب یعقوب علیہ السلام وہاں پہنچے اور بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو فرشتے کی بات بھول گئے۔ فرشتہ ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو دبانے کا مقصد اس مشکل سے نجات دلانا تھا تحقیق ان کی نذر پوری ہو گئی۔ اب آپ کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے جب حران سے بیت المقدس جانے کا ارادہ کیا جب یہ اپنے بھائی عیصو سے جنگ سے فارغ ہوئے اور یہ مضبوط آدمی تھے ان کی فرشتے سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے سوچا کہ یہ چور ہے یہ اس کے پیچھے بھاگے تاکہ اس کو پکڑیں فرشتے نے پکڑ کر خوب بھینچا۔ پھر وہ آسمان کی طرف اُٹھ گیا۔ یعقوب علیہ السلام اس کو دیکھتے رہے اس وجہ سے ان کو عرق النساء کی بیماری لگ گئی اس وجہ سے ان کو مشکل اور شدت پیش آئی۔ یہ تکلیف کی وجہ سے رات کو سوتے نہیں تھے اور رات گزارتے اس حال میں کہ چیختے رہتے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے

قسم اُٹھائی کہ اگر اللہ نے ان کو شفا دی تو وہ شراب اور کھانا نہیں کھائیں گے۔ انہوں نے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ پھر ان کے بعد ان کے بیٹے بھی عروق اور گوشت نہیں کھاتے تھے۔

جویبر نے ضحاک کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے جب یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری لاحق ہوئی تو اطباء نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ اونٹ کے گوشت سے اجتناب کریں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اس کو حرام کر دیا۔ حسن البصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیلیوں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام قرار دیا تھا اللہ کی عبادت سمجھتے ہوئے۔

پھر اس کی حرمت میں مفسرین کے قول ہیں۔ عند البعض بنی اسرائیلیوں نے تورات کے نازل ہونے کے بعد حرام کیا تھا۔ امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نزول تورات سے قبل یا اپنے اوپر حرام قرار دیتے تھے اس لیے تورات میں بھی اس کی حرمت نازل ہوئی۔

عطیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے اوپر ان چیزوں کو حرام قرار دیا۔ بنی اسرائیلیوں کے حرام قرار دینے کی وجہ سے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا کہ اگر مجھے عافیت مل گئی تو میں اور میری اولاد اس کا گوشت نہیں کھائے گی جبکہ تورات میں اس کی حرمت نہیں آئی تھی۔

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تورات میں ان کے لیے حرام نہیں کی گئی بلکہ بعد میں ان کے ظلم کی وجہ سے حرام قرار دی گئی۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے "فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبات احلت لهم" دوسرے مقام پر فرمایا "وعلی الذین هادوا حرمنا کل ذی ظفر سے لے کر ذلک جزیناهم ببغیهم وانا لصادقون" جب بنی اسرائیل بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے تو اللہ نے ان سے بڑی نعمت کو حرام قرار دیا اور ان پر ذلت ڈال دی گئی۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہ ہی کوئی چیز ان پر حرام تھی اور نہ ہی تورات میں کوئی چیز حرام قرار دی گئی بلکہ انہوں نے ان اشیاء کو اپنے اوپر خود حرام قرار دیا اپنے باپ دادوں کی اتباع کرتے ہوئے۔ پھر اس حرمت کی اضافت کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ کو اس آیت سے ثابت کیا فرمایا "قل" اے محمد! "فأتوا بالتوراۃ فاتلوها" یہاں تک کہ جب وہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ انہوں نے کیا کیا۔ "ان کنتم صادقین" اور تم کوئی دلیل نہیں لا سکتے (اس دلیل کے مقابلے میں)

فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: سو جو شخص اس کے بعد اللہ پر جھوٹ بات کی تہمت لگائے تو ایسے لوگ بڑے بے انصاف ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہہ دیا سو تم ملت ابراہیم (علیہ السلام) کا اتباع کرو جس میں ذرا کجی نہیں اور وہ مشرک نہ تھے یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ مکہ میں ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے۔

تفسیر ۹۴ فمن افتری علی الله الکذب. ۹۵ "قل صدق الله فاتبعوا ملة ابراهیم حنیفا وما کان من المشرکین" ان کو ملت ابراہیمی کی اتباع کی طرف بلاؤ کیونکہ ملت ابراہیمی کا اتباع دراصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔

۹۶ "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا" اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ بیت المقدس ہمارا قبلہ ہے اور وہ کعبہ سے افضل ہے اور وہ قدیم ہے اور انبیاء کرام کا مقام ہجرت بھی قرار دیا۔ مسلمانوں نے ان کے اس سوال کا جواب دیا کہ کعبہ افضل ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وھدیً للعالمین" ...... "فیه آیات بینات مقام ابراهیم ومن دخله کان آمنا ...... فان الله غنی عن العلمین"

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝۹۷

ترجمہ: اس میں کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے۔ اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے۔ یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک پہنچنے کے سبیل کی اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں۔

تفسیر ۹۷ "فیه آیات بینات مقام ابراهیم ومن دخله کان آمنا" یہ فضائل بیت المقدس کے بارے میں نہیں۔

اول بیت وُضِعَ سے کیا مراد ہے

علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ "اول بیت وضع" سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات کے نزدیک آسمان و زمین کی پیدائش کے زمانے میں پانی کی سطح سے سب سے پہلے کعبہ کا مقام نمودار ہوا شروع میں یہ سفید جھاگ تھی جو بعد میں منجمد ہوگئی زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے۔ اس کی تخلیق ہوئی تھی پھر اس کے نیچے سے زمین پھیلائی۔ یہ قول عبداللہ بن عمر، امام مجاہد، قتادہ اور سدی کا ہے۔

بعض نے کہا کہ زمین پر سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بیت اللہ ہے۔

حضرت علی بن حسین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا جس کا نام بیت المعمور ہے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا طواف کریں، پھر زمین پر رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ بیت المعمور کی طرح زمین پر ایک مکان بنائیں۔ اسی کی شکل اور اسی مقدار پر۔ فرشتوں نے اس کو تعمیر کیا اور اس کا نام (صراح) رکھا۔ اللہ نے زمین پر رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم اس گھر کا طواف کرو جیسا کہ آسمان والے فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ بیت اللہ کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بنایا اور اس کا حج کرتے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حج کیا تو فرشتوں نے کہا اے آدم آپ کا حج مبرور ہے۔ ہم نے آپ سے دو ہزار سال پہلے اس کا حج کیا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے اول زمین پر کعبہ کی عمارت بنائی تھی۔

بعض نے کہا کہ اولیت برکت والا گھر ہے جس میں لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور تاکہ لوگ اس کی طرف عبادت کریں اور حج کریں۔ بعض نے کہا کہ لوگوں کے لیے جو قبلہ اوّل بنایا گیا وہ یہی ہے۔

حسن اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں معنی اس کا یہ ہے کہ زمین میں عبادت کرنے کے لیے پہلی مسجد جو تعمیر کی گئی وہ پہلی مسجد بیت اللہ ہے۔ اسی طرح علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا مکان جس میں برکت عطا کی گئی وہ بیت اللہ ہے۔ بعض نے کہا کہ زمین میں سب سے پہلے وہ عمارت بنائی گئی جس میں اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فی بیوت اذن اللہ أن ترفع" بیوت سے مراد مساجد ہیں۔

ابراہیم بن یزید التیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)

سب سے پہلی مسجد' مسجد حرام

زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد قائم کی گئی؟ فرمایا مسجد حرام۔ میں نے کہا پھر کون سی مسجد؟ فرمایا مسجد اقصیٰ۔ فرمایا ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ کا فاصلہ ہے؟ فرمایا چالیس سال۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پس تم میں سے جس کو جہاں نماز کا وقت آجائے وہاں پڑھ لے اس میں فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "للذی ببکۃ" بعض نے کہا کہ اس سے مکہ مراد ہے یہی ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے اور عرب کے نزدیک باء اور میم ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے "سَبَدَ راسه" کو "سَمَدَ راسه" پڑھتے ہیں۔ "ضربۃ لازب" کو "ضربۃ لازم" پڑھتے ہیں۔ دوسرے حضرات کے ہاں مکہ میں بکۃ ایک جگہ کا نام ہے اور مکہ پورے شہر کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ بکۃ بیت اللہ اور مطاف کے درمیان جگہ کا نام ہے اس کو بکۃ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس جگہ لوگ خوب آہ و زاری سے اللہ سے مانگتے ہیں اور اس جگہ لوگوں کا بہت زیادہ رش ہوتا ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس جگہ کو "بکۃ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جابر بادشاہ کی گردن جھک جاتی ہے اور اس جگہ پر وہ کسی برائی کا نہیں سوچتے۔ مکہ کو مکۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں پانی کی کمی ہوتی تھی (مکہ میں پانی بہت نایاب ہوتا تھا) اس وجہ سے اس کو مکہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے کہ کھیتی خشک ہوگئی۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب عورتوں میں دودھ کی کمی واقع ہو جائے اور بچہ کی پرورش کے لیے دائی کو بلایا جاتا ہے وہ اس پر رحم کرتی ہے اور وہ اس کو دودھ بھی پلاتی ہے۔ "مبارکا" منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ عبارت یوں ہوگی "ذا برکۃ وھدی للعالمین" کہ وہ برکت والی اور دو جہانوں کے لیے ہدایت ہے کیونکہ یہ قبلہ مؤمنین کا ہے اس میں واضح نشانیاں موجود ہیں۔

آیات بینات کی مختلف تفاسیر

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "آیۃ بینۃ" واحد پڑھا ہے۔ اس سے مراد مقام ابراہیم علیہ السلام لیا ہے۔

دوسرے حضرات نے جمع کے صیغہ کے ساتھ "آیات بینات" پڑھا ہے۔ اس صورت میں مقام ابراہیم علیہ السلام اور حجر اسود اور وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات پڑ گئے۔ اب لوگوں کے کثرت سے مس کرنے کی وجہ سے وہ نشانات مٹ گئے۔

"آیات بینات" میں حجر اسود، حطیم، زمزم اور مشاعر سب شامل ہیں۔ بعض نے کہا کہ مقام ابراہیم علیہ السلام تمام حرم کا نام ہے۔ بیت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے اوپر کوئی پرندہ نہیں اُڑتا اور اسی طرح جب زخمی شکار حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے شکاری تعرض نہیں کرتا بلکہ اس کا پیچھا کرنے سے رُک جاتا ہے۔ یہ ایسا شہر ہے جس کی طرف انبیاء علیہم السلام اللہ کے بھیجے ہوئے رسول، اولیاء، ابرار آتے ہیں اور اس جگہ نیکی کرنے سے دُگنا اجر ملتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں میں ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ "ومن دخله كان آمنا" جو کوئی کسی سے لڑ کر اس میں پناہ لے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کی برکت کی وجہ سے تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا مانگی تھی۔ "رب اجعل هذا البلد آمنا" زمانہ جاہلیت میں عرب باہم ایک دوسرے کے ساتھ قتل و قتال کرتے تھے اور حرم میں پناہ لیتے تھے تو وہ قتال سے مامون ہو جاتے۔ یہی قول حسن، قتادہ اور اکثر مفسرین کے نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اولم یروا انا جعلنا حرما آمنا ويتخطف الناس من حولهم" بعض نے کہا کہ اس سے مراد جو شخص عمرۃ القضاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله آمنين" یہ خبر بمعنی امر کے ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی "ومن دخله فامنوه" آگے فرمایا "فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج" یہاں بھی امر کے معنی میں ہے کہ بے حیائی اور برائی سے بچو۔ اسی وجہ سے بعض اہل علم کا قول ہے کہ جس شخص پر قصاص یا حد واجب ہوا اور وہ حرم میں پناہ لے لے تو اس سے حرم میں بدلہ نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا اور نہ ہی کوئی چیز اس کو بیچی جائے گی اور نہ ہی اس سے کوئی چیز خریدی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو جائے۔ پھر جب وہ باہر آ جائے گا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ قصاص تو شریعت کی طرف سے واجب ہوا ہے اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ اگر وہ حرم کے اندر جرم کا ارتکاب کرے تو بالاتفاق اس سے حرم کے اندر ہی اس کی سزا دی جائے گی۔ بعض علماء نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص حرم کی تعظیم اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حرم میں داخل ہوگا قیامت کے دن عذاب سے مامون ہوگا۔ "ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا" مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لیے بعض لوگوں پر حج فرض ہے اور بعض پر واجب۔ ابو جعفر اور حمزہ کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے "حج البيت" کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اکثر قراء نے حاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ لغت اہل حجاز کے ہاں ہے اور یہی دونوں لغت فصیح ہیں، دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حج بھی اسلام کے ارکان میں سے ایک رُکن ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں۔ دوسرا نماز ادا کرنا، تیسرا زکوٰۃ ادا کرنا رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا۔ اہل اسلام کے ہاں وجوب حج پانچ شرائط کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسلام، عقل، بلوغ، آزاد ہونا، طاقت زادوراہ کا ہونا، حج کافر اور مجنون پر فرض نہیں۔ اگر ان دونوں نے ادا کردیا تو ان کا حج قبول نہیں ہوگا کیونکہ کافر تو اس کا اہل نہیں اور مجنون کی طرف شریعت کا حکم متوجہ ہی نہیں۔ اسی طرح بچے اور غلام پر فرض نہیں، اگر کسی سمجھدار بچے نے حج کرلیا یا غلام نے حج کیا تو دونوں کا حج صحیح ہوگا لیکن نفل ہوگا لیکن ان دونوں سے فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔ اگر بچہ بالغ ہوگیا اور غلام آزاد ہوگیا تو ان پر مذکورہ شرائط کے پائے جانے کی وجہ سے حج فرض ہوگا اور جو شخص استطاعت نہیں رکھتا اس پر حج فرض نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "من استطاع الیہ سبیلا" اگر کسی شخص نے تکلف کے ساتھ بغیر استطاعت کے حج کرلیا تو اس سے حج کی فرضیت ساقط ہوجائے گی۔

من استطاع کی وضاحت

استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ ① وہ شخص بذات خود استطاعت رکھتا ہو۔ ② وہ استطاعت غیر کی وجہ سے ہو۔ اگر وہ شخص خود قادر ہو اور زادوراحلہ پر قدرت رکھتا ہو۔ یہاں پر پہلی قسم مراد ہے۔

عباد بن جعفر فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا حج مقبول ہے؟ فرمایا "الشعث التفل" بکھرے بال ہوں (یعنی جس میں خوب مشقت اُٹھائی جائے) دوسرا شخص کھڑا ہوا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا حج افضل ہے فرمایا جس میں چلاتا اور خون بہاتا ہو؟ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) سبیل کیا ہے؟ فرمایا زادوراحلہ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ سواری ایسی ہو جو آنے جانے پر قادر ہو اور زاد سے مراد جو آنے اور جانے کے لیے کافی ہو، اپنے اہل وعیال سے زائد ہو اور زادوراحلہ اتنا ہو کہ اس کے آنے تک گھر والوں کے لیے کافی ہوجائے اور جو ان پر قرض ہو اس کی ادائیگی بھی پوری ہو۔ ان اشیاء کا حساب اپنے شہر سے نکلنے کے وقت لگایا جائے گا۔ اگر وہ پہلے نکلے یا بعد میں حج کے لیے نکلے یا ان کو خبر ہوگئی کہ ایک نماز کا وقت نہیں گزرا یا ان سے ایک دن قافلہ نکل گیا تو اس وقت ان کا حج کے لیے نکلنا لازم نہیں۔ بایں معنی اس عذر کی وجہ سے وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

حج کی شرائط اور فضیلت

حج کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ راستہ امن وسلامتی والا ہو، ہاں اگر راستے میں کسی دشمن کا خوف ہو تو اس پر حج فرض نہیں اور اس کے لیے زادوراحلہ کے لیے جگہ کا ہونا جہاں پر پانی اور دوسری ضروریات سامان مل جائے اگر راستہ ایسا ہے جس سے

اپنے اہل وعیال کا فکر ہے جدا ہونا معلوم ہو رہا ہو تو پھر بھی حج فرض نہیں۔ اگر وہ سواری پر قدرت نہیں رکھتا لیکن پیدل چلنے پر قدرت رکھتا ہے یا زاد پر قدرت نہیں رکھتا لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ راستے میں کمائی کرے گا تو پھر بھی اس پر حج فرض نہیں۔

دوسری قسم جو استطاعت بالغیر کے متعلق ہے۔ سو اس میں انسان بنفسہ عاجز ہوتا ہے اور غیر کا محتاج ہوتا ہے یا اس کو ایسا مرض لاحق ہے جو زائل ہونے والا نہیں ہے یا اس کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ اجرت پر لگائے تو حج پر جا سکتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ تجارت کرے یا خود تو اس کے پاس مال نہیں بلکہ اس کے بیٹے کے پاس مال ہے یا کسی اجنبی کے پاس ہے اور اس کو یقین ہے کہ یہ اشخاص اس کو حج کروا دیں گے تو اس پر واجب ہے کہ یہ حج کرنے کا ارادہ کر لے جب اسے ان پر مکمل یقین ہو کیونکہ حج کا وجوب استطاعت کے ساتھ اور وہ یقین کے ساتھ حاصل ہو گئی اور حج واجب ہوتا ہے جب استطاعت ہو۔ جیسا کہ عرف میں کہا جاتا ہے فلاں صاحب استطاع ہے کیونکہ اس نے گھر بنایا اگرچہ اس نے بنفسہ خود گھر نہ بنایا ہو اگرچہ اس کے مال سے یا اس کے مددگاروں نے بنایا ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے شخص پر واجب نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مقصود بدنی مال پر حج واجب نہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فضل بن عباس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیچھے سوار تھے۔ ایک خثعم قبیلے سے تعلق رکھنے والی عورت نے مسئلہ پوچھا، فضل ان کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت بھی ان کو دیکھنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا چہرہ مبارک پھیر کر فضل کو دیکھا، وہ عورت کہنے لگی اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے، میرے والد بڑھاپے میں ہیں وہ سواری کی طاقت نہیں رکھتے، کیا میں ان کے لیے حج ادا کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جی ہاں۔ "ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین" ابن عباس، حسن، عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے حج کی فرضیت کا انکار کیا، مجاہد فرماتے ہیں جس نے اللہ اور آخرت کے دن کا انکار کیا، سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو فرمایا مکہ کی طرف حج کرنا واجب نہیں۔ سدی فرماتے ہیں جس شخص پر حج فرض ہو اور اس نے حج نہ کیا اس حالت میں مر گیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کسی حاجت اور ضرورت نے نہ روکا ہو، نہ کسی مرض نے یا سلطان جابر (ظالم بادشاہ) نے تو پھر بھی اس نے حج نہیں کیا تو چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝

(ترجمہ) آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے احکام کا حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے اے اہل کتاب کیوں ہٹاتے (نے کی کوشش کر) تے ہو اللہ تعالیٰ کی

راہ سے ایسے شخص کو جو ایمان لا چکا اس طور پر کہ کجی ڈھونڈتے ہو اس راہ کے لئے حالانکہ تم خود بھی اطلاع رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں (وقت معین پر اس کی سزا دیں گے) اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کسی فرقہ کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ لوگ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے کافر بنا دیں گے۔

تفسیر ۹۸ "قل یا ھل الکتاب ...... واللہ شھید علی ما تعملون"

۹۹ "قل یا ھل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ" کیوں پھیرتے ہو اللہ کے راستے سے "من امن تبغونھا" جو تم طلب کرتے ہو "عوجا" کجی اور مائل ہونے کو مطلب یہ ہے کہ تم کیوں اللہ کے راستے سے ہٹاتے ہو ان کے ساتھ بغاوت اور کجی کرتے ہوئے۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں عوج کسرہ کے ساتھ دین، قول، عمل میں کجی کو کہتے ہیں اور عوج عین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو دیوار کے معنی میں ہوگا یا ہر وہ شخص جو کھڑا ہو "وانتم شھداء وما اللہ بغافل عما تعملون" تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مذکور تھے اور اسلام کا دین خدا ہونا جو تورات میں مذکور ہے تم خود اس کے گواہ ہو۔

۱۰۰ "یا یھا الذین آمنوا ان تطیعوا فریقا من الذین اوتوا الکتاب"

انصار میں پھوٹ پیدا کرنے کی یہودی سازش

زید بن اسلم نے کہا کہ مرشاش بن قیس (بعض نے شماس بن قیس لکھا ہے) یہودی بڑا سخت کافر تھا۔ یہ مسلمانوں پر بہت طعن وتشنیع کرتا تھا۔ اوس اور خزرج کے کچھ لوگوں کی مجلس کے پاس سے گزرا۔ یہ دونوں قبیلے والے آپس میں محو گفتگو تھے۔ اس یہودی نے ان کو دیکھتے ہی (کہ ان کے درمیان کتنی گہری محبت ہے) جل گیا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں کے درمیان عداوت تھی، اسلام لانے کے بعد ان کے درمیان محبت ہوگئی اور کہنے لگا کہ بنی قیلہ کی جماعتیں تو اس ملک میں کبھی جمع نہیں ہوتیں اگر یہ جمع ہوگئے تو ہمیں ان کے ساتھ اس جگہ استقرار حاصل نہیں ہوگا، یہ کہنے کے بعد اپنے ساتھی کو کہا جو جوان تھا کہ تم جا کر ان کی مجلسوں میں بیٹھو، ان کے سامنے جنگ بعاث اور اس سے پہلے عداوتوں کا تذکرہ کرو اور جنگ بعاث کے متعلق فریقین نے جو اشعار کہے ہیں وہ بھی ان کے سامنے پڑھو۔ بعاث قبائل اوس خزرج کی باہمی ایک جنگ کا نام ہے جس میں خزرج پر اوس کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ یہودی نے ان کے سامنے جا کر گفتگو کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی زانو کے بل کھڑا ہوگیا، آپس میں سب جھگڑنے اور مقابل کے خلاف اپنے فخر کا اظہار کرنے لگے۔ ایک شخص اوس بن قیظی قبیلہ اوس بنی حارثہ اور دوسرا جبار بن صخر جو بنی سلمہ کا خزرجی تھا، دونوں کے درمیان خوب شور برپا کیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا اگر تم چاہتے ہو تو ہم بھی از سر نو اس (واقعہ) کو زندہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ دونوں فریق غضبناک ہوگئے اور کہنے لگے ہم لڑائی کے لیے تیار ہیں۔ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے سامنے اسلحہ سے للکارا اور کہا کہ مقام حرہ میں اس کا مقابلہ ہوگا۔ اوس اور خزرج دونوں ایک دوسرے کے خلاف آوازیں بلند کرنے لگے جیسے زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے۔ یہ اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی جماعت لے کران کی طرف نکلے اور فرمایا اے گروہ اسلام! ابھی میں تمہارے اندر موجود ہوں باوجود یہ کہ اللہ نے تم کو اسلام کی عزت عطا فرمادی اور جاہلیت کی باتیں ختم کردیں اور تمہارے آپس میں اُلفت ومحبت پیدا کردی تو پھر کیا تم دوبارہ جاہلیت کی پکار کر کے واپس لوٹ رہے ہو۔ اللہ سے ڈرو۔

اللہ سے ڈرو اس وقت لوگوں کو احساس ہوا کہ یہ سب کچھ شیطان کا دھوکہ اور مکر تھا۔ انہوں نے فوراً ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے اور گلے ملنے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کے ساتھ لوٹ آئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

"یا یھا الذین آمنوا ...... اوتو الکتاب" اس سے مراد مرشاش اور اس کے ساتھی ہیں۔ "یردو کم بعد ایمانکم کافرین" وہ تمہارے مؤمن ہونے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس روز سے زیادہ کوئی دن برا نہیں دیکھا جس دن ہم دوبارہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوئے اور اس دن سے اچھا کوئی دن نہیں دیکھا جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان دوبارہ صلح کروائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بطور تعجب کے یہ ارشاد فرمایا۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: اور (بھلا) تم کفر کیسے کرسکتے ہو حالانکہ تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور (پھر) تم میں اللہ کے رسولؐ موجود ہیں اور (یاد رکھو) جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے تو ضرور ایسا شخص راہ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو (جیسا) ڈرنے کا حق (ہے) اور بجز اسلام (کامل) کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔

تفسیر: ⑩۱ "وکیف تکفرون" کیوں تم کفر کی طرف جاتے ہو۔ "وانتم تتلیٰ علیکم آیات اللہ" اس سے مراد قرآن ہے۔ "وفیکم رسولہ" اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں دو واضح نشانیاں مذکور ہیں۔ اللہ کی کتاب اور اللہ کا نبی۔ اللہ کے نبی تو چلے گئے۔ البتہ اللہ کی کتاب موجود ہے جو اللہ کی رحمت اور نعمت ہے۔

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان خطبہ دیا۔ پہلے اللہ کی حمد بیان کی، پھر ثناء بیان فرمائی، پھر فرمایا اما بعد! اے لوگو! میں ایک آدمی ہوں، عنقریب میرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا میرے پاس آئے گا اور میں اس کی دعوت قبول کروں گا۔ میں تمہارے اندر دو بڑی عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ پہلی کتاب اللہ جس کے اندر نور وہدایت ہے۔ تم اللہ کی کتاب کو پکڑو اور مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو اور میں تمہیں برانگیختہ کرتا ہوں کتاب اللہ کی طرف اور اس کی طرف رغبت دلاتا ہوں۔ پھر فرمایا یہ میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے متعلق تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں، دو مرتبہ ارشاد فرمایا "ومن یعتصم باللہ" کون ہے جو اللہ کے دین سے روکنے والا ہو۔ تم مضبوطی سے اس کے دین کو اور اس کی فرمانبرداری کو

لازم پکڑو۔ "فقد ھدی الی صراط مستقیم" سیدھی راہ کی ہدایت ضرور مل جائے گی۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ "یعتصم باللہ" کا معنی ہے۔ "یؤمن باللہ" لغت میں عظمت کا معنی ہے حفاظت اور کسی چیز کی حفاظت کرنے سے اس کا بچاؤ ہو جاتا ہے۔

⑩ "یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ"

شانِ نزول

مقاتل بن حبان کی روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں اوس اور خزرج کے درمیان لڑائی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کر چکے اور وہاں پہنچے تو ان دونوں فریقوں میں صلح کروا دی۔ پھر اس کے بعد دو آدمیوں میں ایک دوسرے نے فخر کیا۔ ان میں سے ایک ثعلبہ بن غنم اوس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور اسعد بن زرارہ خزرج قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اوسی نے کہا یہ ہم ہی میں سے تھا وہ خزیمہ بن ثابت جس کی تنہا شہادت کو دو گواہوں کے برابر مانا گیا تھا اور حنظلہ "غسیل الملائکۃ" اور عاصم بن ثابت بن افلح اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم جن کی وجہ سے رحمٰن کا عرش ہل گیا تھا (یہ سب ہم میں سے تھے) اور بنو قریظہ کے متعلق اس کے فیصلہ کو اللہ نے پسند کیا تھا۔ خزرجی نے کہا ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جنہوں نے قرآن کو محکم کر لیا ہے ان میں ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، ابوزید اور ان میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم جو انصار کے سردار تھے۔ اس طرح گفتگو جاری رہی اور دونوں غصے میں آگئے، دونوں فخریہ اشعار پڑھنے لگے۔ اوس اور خزرج اسلحہ لے کر آگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حق ادا کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہیں نہ روکے اور اللہ کے انصاف کو قائم کرو اگر تمہیں اپنا نقصان یا اپنے والدین میں سے کسی کا نقصان ہو رہا ہو یا اولاد کا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک تقویٰ کے حق تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اپنی زبان کو کنٹرول میں نہ کرے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شاق گزرا۔ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس حکم کی پوری تعمیل کرنے کی کس میں جرأت ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "فاتقوا اللہ ما استطعتم" یہ آیت منسوخ ہے اور مقاتل فرماتے ہیں کہ آل عمران میں اس آیت کے سوا اور کوئی آیت منسوخ نہیں۔ "ولا تموتن الا وانتم مسلمون" کا معنی مؤمنین کے ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے وہ مخلصین مراد ہیں جنہوں نے اپنے امور کو اللہ کے سپرد کیا ہے۔ فضیل فرماتے ہیں کہ مسلمون محسنون کے معنی میں ہے جو اللہ پر حسن ظن رکھنے والے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسے ڈرنے کا حق ہے۔ اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکا دیا جاتا تو زمین والوں کے لیے زندگی تنگ ہو جاتی۔ پس اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا سوائے زقوم کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام (ہوا) ہے اس کو یاد کرو جبکہ تم (باہم) دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے (اس) انعام سے (اب) آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی (یعنی اسلام نصیب کیا) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کرکے بتلاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ راست پر قائم رہو۔

تفسیر ۱۰۳ "واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً" حبل اس سبب کو کہتے ہیں جو مطلوب و مقصود تک پہنچانے میں ذریعہ بنے اور ایمان کو بھی حبل کہتے ہیں کیونکہ یہ سبب جو جہنم کے خوف سے بچاتا ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ کی تفسیر

اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑنا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جماعت ہے اور فرماتے ہیں کہ تم جماعت کو لازم پکڑو اس لیے کہ یہ اللہ کی رسی ہے جس کے پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور جماعت میں جو تمہیں طاعت ناپسند لگتے ہو وہ بہتر ہے۔ اس فرقت سے جو تم پسند کرتے ہو۔

مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد عہد اللہ ہے۔ قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ ابن مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے (اس کو پکڑے رکھو) اور وہ واضح نور ہے اور شفاء نافع ہے اور اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے جو اس کو پکڑے اور نجات ہے جو اس کی پیروی کرے۔

مقاتل بن حبان کا قول ہے کہ "بحبل اللّٰہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی طاعت ہے۔ "ولا تفرقوا" اور تم تفرقہ اختیار نہ کرو جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں پر راضی ہوتا ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کا کسی کو شریک نہ کرو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور اللہ جس کو تمہارا حاکم بنادے اس کی خیرخواہی کرو، یہ باتیں اللہ کو پسند ہیں اور تین باتوں سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ فضول باتوں کی بحث سے، مال کو برباد کرنے سے اور کثرت سوال کرنے سے۔ "واذکروا نعمۃ .... فالف بین قلوبکم"

انصار کی جماعت پر اللہ تعالیٰ کا احسان

محمد بن اسحاق بن یسار اہل اخبار سے منقول ہے کہ اوس اور خزرج دونوں بھائی تھے۔ ان دونوں کے درمیان دشمنی ہوگئی۔ وجہ دشمنی ایک قتیل کی وجہ سے ہوئی۔ اس میں اتنا اضافہ ہوا کہ وہ ایک سو بیس سال تک باہم جنگ ہوتی رہی لیکن اسلام نے ان کے اندر دشمنی والی آگ بجھادی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کی بدولت ان میں اتفاق ہوگیا۔ ان کے درمیان محبت کا سبب یہ ہوا کہ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں ایک شخص تھا جس کا نام سوید بن صامت تھا۔ قوم والے اس کو طاقت ور اور اصیل ہونے کی وجہ سے کامل کہتے تھے۔ یہ حج یا عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوچکی تھی اور آپ کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم مل چکا تھا۔ آپ علیہ السلام نے سوید کی آمد کی خبر سنی اور اس کے پیچھے گئے۔ اس کو اسلام اور اللہ عزوجل کی دعوت دی۔ سوید نے کہا شاید تمہارے پاس ویسی ہی کوئی چیز ہے جیسی میرے پاس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے پاس کیا ہے؟ سوید نے کہا کہ لقمان کا رسالہ یعنی حکمت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو میرے سامنے پیش کرو۔ سوید نے اس کو پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ اچھا ہے مگر میرے پاس جو چیز ہے وہ اس سے افضل ہے، میرے پاس قرآن ہے جس کو اللہ رب العزت نے نور و ہدایت بنا کر اتارا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قرآن سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ سوید نے نفرت نہیں کی اور کہنے لگا یہ اچھی چیز ہے پھر واپس مدینہ چلا گیا اور کچھ ہی مدت کے بعد جنگ بعاث میں قبیلہ خزرج نے اس کو قتل کردیا۔ اس کی قوم والوں کا کہنا ہے کہ مسلمان ہونے کی حالت میں اس کو قتل کیا گیا۔

پھر اس کے بعد ابوالحیسر، انس بن رافع اور ان کے ساتھ بنی اشہل کا گروہ جس میں ایاس بن معاذ بھی شامل تھا قریش سے معاہدہ و تعاون کرنے کے لیے آیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات سنائی گئی تو آپ تشریف لے گئے اور ان کے پاس بیٹھ کر فرمایا جس کام کے لیے تم آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز کی تمہیں خواہش ہے، لوگوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا میں اللہ کا پیغمبر ہوں، اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے، میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ کسی چیز کو اللہ کا ساجھی قرار نہ دوں، اللہ نے مجھ پر کتاب بھی نازل کی ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کا تذکرہ کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ نوجوان لڑکا تھا، کہنے لگا قوم والو جس کام کے لیے تم آئے ہو خدا کی قسم یہ اس سے بہتر ہے۔ ابوالحیسر نے ایک لپ بھر کر کنکریاں ایاس کے چہرے پر ماریں اور بولا یہ اپنی بات رہنے دے کہ ہم دوسری غرض سے آئے ہیں۔ ایاس خاموش ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور وہ لوگ بھی مدینہ کو لوٹ گئے، مدینہ پہنچنے کے بعد اوس و خزرج کے درمیان جنگ بعاث ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد ایاس کا انتقال ہوگیا۔ پھر جب اللہ نے چاہا کہ اس کا دین ظاہر اور رسول غالب ہوجائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (انصاری صحابہ) کی جماعت سے ملے اور اپنے آپ کو قبائل عرب کے حوالے کردیا۔ جیسا کہ ہر سال موسم حج میں ہوتا ہے۔ عقبہ گھاٹی کے پاس ایک خزرجی گروہ سے ملاقات ہوئی۔ اس جماعت میں چھ شخص تھے۔

اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث ابن عفراء ہیں۔ رافع بن مالک عجلانی، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی، جابر بن عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم کون ہو، وہ کہنے لگے کہ ہم خزرجی ہیں، فرمایا کیا تم یہودیوں کے ساتھیوں میں سے ہو۔ وہ کہنے لگے جی ہاں! فرمایا کیا تم بیٹھ کر میری بات نہیں سنو گے۔ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں، بیٹھیں گے اس کے بعد سب بیٹھ گئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ کی دعوت دی، اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا (وہ سب اسلام لے آئے) ان کے اسلام کی (خدا کی طرف) سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مدینہ میں وہ یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ یہودی اہل کتاب اور اہل علم تھے اور یہ لوگ بت پرست اور مشرک یہودیوں سے ان کا کچھ جھگڑا ہو جاتا تھا تو یہودی کہتے تھے اب ایک نبی آنے والا ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب ہے، ہم اس کا اتباع کریں گے اور اس کے ساتھ ہو کر تم کو قوم عادی طرح قتل کریں گے، بس اس گروہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اور اسلام کی دعوت سنی تو آپس میں کہنے لگے لوگو! تم جانتے ہو کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کا نام لے کر یہودی تم کو دھمکی دیتے تھے۔ اب یہودی تم سے اس کی مدد حاصل کرنے میں سبقت نہ کرنے پائیں۔ چنانچہ سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گئے اور وہ کہنے لگے ہم ایسی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں جن میں آپس کی جنگ اور دشمنی اتنی ہے کہ کسی قوم میں نہیں ہے۔ اب اُمید ہے کہ اللہ آپ کے ذریعے سے اس میں اتفاق کرادے گا۔ عنقریب ہم ان کے پاس جائیں گے اور ان کو اس بات کی دعوت دیں گے۔ اگر اللہ نے ان سب کو آپ کے معاملے میں متفق کر دیا، آپ سے بڑھ کر پھر کوئی عزت یافتہ نہیں ہوگا۔ پھر یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اپنے شہر کو لوٹ گئے اور مدینے پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا اور مدینہ والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ مدینہ میں اتنا پھیل گیا کہ انصار کے ہر گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا چرچا ہونے لگا۔

عقبہ اولی اور انصار کی جماعت کا بیعت کرنا

پھر آئندہ سال موسم حج میں انصار کے بارہ افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ ان میں اسعد بن زرارہ، عوف بن عفراء، معاذ بن عفراء، رافع بن مالک العجلانی، ذکوان بن عبدالقیس، عبادۃ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ، عقبہ بن عامر، قطبہ بن عامر یہ سب خزرجی تھے اور ابوالہیثم بن تیہان اور عویم بن ساعدہ یہ دونوں اوس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عقبہ اولی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ویسی ہی بیعت فرمائی جیسی عورتوں کو فرمائی تھی کہ تم شرک نہیں کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے...... الخ۔ اگر تم ان کو پورا کرو گے تو تمہارے لیے جنت ہے۔ اگر تم ان میں کسی کا ارتکاب کرو گے تو تمہیں اگر دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ تمہارے گناہ کی تلافی ہو جائے گی لیکن اگر تمہارے جرم پر پردہ پڑا رہا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو وہ اس کا بدلہ لے اور چاہے تو وہ معاف کر دے۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ جنگ سے پہلے کا ہے جب یہ لوگ واپس آرہے تھے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن مناف کو ان کے ساتھ کر دیا اور حکم دے دیا کہ ان کو قرآن پڑھانا اسلام کی تعلیم دینا اور دین کا سکھانا، مدینہ میں

حضرت مصعب بن عمیر کا نام مقری ہو گیا اور اسعد بن زرارہ کے گھر پر آپ کا قیام ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد اسعد بن زرارہ حضرت مصعب کو لے کر بنی ظفر کے ایک باغ پر گئے اور اندر جا کر بیٹھ گئے وہاں دوسرے مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ دوسری طرف سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا یہ دونوں شخص ہمارے گھر آ کر ہمیں کمزور سمجھ کر آدمیوں کو بہکانا چاہتے ہیں تم جا کر ان دونوں کو جھڑک کر نکال دو۔ اسعد میرے ماموں کا بیٹا ہے اگر یہ رشتہ نہ ہوتا تو میں خود ہی یہ کام کر لیتا تمہاری ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

سعد اور اسید بنی اشہل کے بڑے مشرکوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مشورہ کے مطابق اسید اپنا نیزہ لے کر مصعب اور اسعد کے پاس گیا، دونوں باغ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے، اسید کو دیکھ کر اسعد نے مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا یہ آنے والا اپنی قوم کا سردار ہے اس کو مسلمان بناؤ۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اگر یہ بیٹھ جائے گا تو میں اس سے بات کروں گا۔ اسید پہنچ کر دونوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور گالیاں دینے لگا اور کہنے لگا تم ہمارے ہاں کیوں آئے ہو، کیا ہمارے کمزور سمجھ والوں کو بے وقوف بنا رہے ہو، اگر تم کو اپنی جان سے کچھ محبت ہے تو یہاں سے ہٹ کر چلے جاؤ۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا آپ بیٹھ کر ہماری بات تو سن لیجئے، اگر آپ کو ہماری بات سمجھ میں آ جائے تو مان لینا اگر ناپسند لگے تو آپ کے گراں لگنے کی وجہ سے بات نہیں کی جائے گی۔ اسید نے کہا یہ بات تم نے ٹھیک کہی، یہ کہہ کر نیزہ زمین میں گاڑھ کر دونوں کی طرف رُخ کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کے متعلق بات کہی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ مصعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ابھی وہ کچھ بولا بھی نہ تھا مگر ہم کو اس کے چہرے کی چمک اور بشاشت سے اسلام کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ قرآن سننے کے بعد کہنے لگا یہ تو بڑی اچھی اور خوبصورت چیز ہے۔ اچھا بتاؤ کہ اس مذہب میں داخل ہونے کے وقت تم کیا کرتے ہو؟ مصعب رضی اللہ عنہ اور اسعد نے جواب دیا غسل کر لو، کپڑے پاک کرو، پھر شہادت حق دو، پھر دو رکعت نماز پڑھو۔ اسید نے فوراً اٹھ کر جا کے غسل کیا، کپڑے پاکیزہ پہنے اور کلمہ شہادت پڑھ کر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور کہنے لگے میرے پیچھے ایک اور آدمی ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو اس کی قوم کا کوئی شخص تامل نہیں کرے گا۔ وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہے میں ابھی اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔

پھر وہ اپنا نیزہ لے کر چوپال میں پہنچ گیا۔ سعد نے پوچھا پیچھے کیا چھوڑ آئے، اسید نے کہا خدا کی قسم میں نے تو ان میں کوئی جرأت نہیں پائی۔ میں نے ان کو روک دیا۔ انہوں نے کہا جیسا آپ کو پسند ہے ہم ویسے ہی کریں گے لیکن مجھے ایک خبر ملی ہے کہ بنی حارثہ اسعد کو قتل کرنے نکلے ہیں کیونکہ اسعد تمہارے ماموں کا بیٹا ہے وہ اس کو قتل کر کے تم سے عہد شکنی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر سعد غضبناک ہو کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا، نیزہ ہاتھ میں لیا اور بولا خدا کی قسم! میرے خیال میں تم نے کچھ کام نہیں کیا، باغ میں پہنچ کر دیکھا تو مصعب اور اسعد دونوں کو مطمئن پا کر سمجھ گیا کہ اسید نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں خود پہنچ کر ان کی بات سنوں، جب سامنے جا کر کھڑا ہوا تو گالیاں دینے لگا، پھر اسعد بن زرارہ سے بولا اگر مجھ سے تمہاری رشتہ داری نہ ہوتی تو پھر میرے متعلق تجھے یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تو ہمارے گھر ایسی باتیں لے کر آتا ہے جن کو ہم ناپسند سمجھتے ہیں۔ سعد کو دیکھتے ہی اسعد نے مصعب کو کہہ دیا تھا کہ یہ آنے والا اپنی قوم کا سردار ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر اس کی قوم میں کوئی تمہاری مخالفت نہیں کرے گا۔

مصعب نے سعد سے کہا ذرا بیٹھ کر ہماری بات سن لیجئے اگر آپ کو اچھی لگے تو سن لینا اور اگر ناپسند لگے تو ہم آپ کے سامنے نہیں بیان کریں گے۔ سعد نے کہا کہ بات ٹھیک ہے پھر اپنا نیزہ زمین میں گاڑھ کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے اس پر اسلام پیش کیا اور قرآن کی کچھ آیات تلاوت کیں اور ان دونوں نے کہا کہ ہم نے اس کے چہرے کی چمک اور خوشی دیکھ کر پہچان گئے کہ اس پر اسلام غالب آگیا۔ (یہ بات ہمیں اس کے ساتھ کلام کرنے سے پہلے معلوم ہوئی)۔

پھر سعد نے کہا جب تم مسلمان ہوتے ہو اور اس دین میں داخل ہونے کے لیے کیا کرتے ہو؟ دونوں نے کہا کہ تم غسل کرلو اور اپنے کپڑے پاک کرلو، پھر شہادت ادا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے اور دو رکعت نماز (بطور شکرانہ) پڑھو۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ اپنی قوم کے پاس گئے ساتھ اسید بن حضیر بھی تھے۔ قوم والوں نے آتا دیکھ کر کہا خدا کی قسم اب سعد کا وہ چہرہ نہیں جو جاتے وقت تھا۔ سعد نے قوم سے کہا اے بنی عبدالاشہل تم مجھے اپنے اندر کیسا جانتے ہو؟ قوم والوں نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں سب سے زیادہ آپ کی رائے فضیلت رکھتی ہے، آپ کا قول وفعل نہایت مبارک ہے۔ سعد نے کہا تو تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا حرام ہے۔ جب تک تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آؤ۔ سعد کے اس قول کے بعد بنی عبدالاشہل کے احاطہ میں کوئی مرد وعورت بغیر اسلام لائے نہیں رہے اور اسعد بن زرارہ اور مصعب رضی اللہ عنہما دونوں لوٹ کر اسعد کے گھر آگئے۔ مصعب رضی اللہ عنہ یہیں مقیم رہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہتے۔ یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہیں رہا جس میں کچھ مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں مگر بنو امیہ بن زید کے گھر اور خطمہ وائل اور واقف کے گھروں میں لوگ مسلمان نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں ابوقیس بن اسلت شاعر موجود تھا اور یہ خاندان والے اس کی بات سنتے اور مانتے تھے۔ اس نے سب کو اسلام قبول کرنے سے روکا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لے گئے اور جنگ بدر، احد، خندق بھی گزر چکی تھیں۔

عقبہ ثانیہ میں انصار کی بیعت

راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف لوٹے اور انصار کی ایک جماعت جو ستر افراد پر مشتمل تھی ان میں کچھ لوگ حاجی تھے اور بعض مشرک بھی تھے مکہ پہنچنے کے بعد وسط ایام تشریق میں عقبہ ثانیہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہونے کا وعدہ ہوا۔ یہی بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس وقت موجود تھا اور ہم حج سے فارغ ہوئے اور وعدہ ملاقات والی رات آئی ہمارے ساتھ عبداللہ بن عمرو بن حرام ابوجابر کو ہم نے بتایا اور ہم اپنے ساتھ والے مشرکین سے کچھ باتیں پوشیدہ رکھتے تھے مگر اس شخص کو بتلا دیا تھا اور اس سے گفتگو کرلی تھی اور کہہ دیا تھا کہ آپ ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہیں اور ہمارے بزرگ ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ کل آپ آگ کا ایندھن بنیں، اس لیے جس حالت میں آپ ہیں اس حالت میں آپ کو چھوڑ دینا ہم کو پسند نہیں۔ غرض ہم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوگیا اور ہم نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ ملاقات کی، اس کو اطلاع دیدی اور عقبہ میں ہمارے ساتھ آ گیا اور نقیب ہو گیا۔

جس رات کا وعدہ تھا اس رات کی تہائی تک تو اپنی اپنی جگہوں پر گزارا جب ایک تہائی گزر گئی تو ہم اپنے آپ کو چھپتے چھپاتے قطار کی چال میں نکلے اور عقبہ کے پاس گھاٹی میں پہنچ کر جمع ہو گئے۔ اس وقت ہم ستر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ ایک بنی نجار کی اُم عمارہ نسیبہ بنت کعب اور دوسری بنی سلمہ کی اُم منیع اسماء بنت عمرو بن عدی گھاٹی کے اندر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ تشریف لے آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے خزرج کی جماعت تم واقف ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہیں جو لوگ ہماری قوم میں ہمارے خیالات کے ہیں ان سے ہم نے ان کی حفاظت کی ہے، اپنی قوم میں باعزت اور اپنے شہر میں حفاظت سے ہیں لیکن یہ سب سے کٹ کر تم سے جڑنا چاہتے ہیں اور تم سے کٹنے پر راضی نہیں ہیں۔ پس سوچ لو اگر اس بات کو تم پورا کر سکو جس کے لیے ان کو بلا رہے ہو اور مخالفوں سے ان کی حفاظت کر سکو تو تمہاری ذمہ داری تم پر ہے اور اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ جب یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے تو تم ان کو بے یار و مددگار اور بے سہارا چھوڑ دو گے تو ابھی سے ان کو چھوڑ دو، یہ عزت و حفاظت کے ساتھ ہیں۔ کعب کا بیان ہے ہم نے جواب دیا جو کچھ ہم سے آپ نے فرمایا ہم نے اس کو سن لیا لیکن اے رسول خدا! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ خود کچھ فرمائیے اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے ہم سے جو عہد لینا چاہیں لے لیجیے۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور کلام اللہ کی تلاوت فرمائی اور اللہ کی طرف بلایا اور اسلام کی طرف راغب کیا۔ پھر فرمایا میں تم سے ان شرطوں پر بیعت لیتا ہوں کہ تم جس طرح اپنے بال بچوں کی حفاظت کرو گے اسی طرح میری بھی حفاظت کرنا، یہ سن لو۔ براء بن معرور نے دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ علیہ السلام کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم جس چیز سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اس سے آپ کی حفاظت بھی کریں گے۔ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری بیعت قبول فرمائیے ہم بھی جنگجو ہیں اور دوسرے لوگوں سے ہمارا معاہدہ ہے جو بزرگوں سے چلا آ رہا ہے۔

براء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثم بن تیہان بیچ میں بول اُٹھے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ لوگوں سے ہمارے معاہدے ہیں اب ان کو ختم کرنا پڑے گا کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم سب معاہدے ختم کر دیں اور اللہ آپ کو غلبہ عنایت فرما دے تو ہم آپ کو چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف آ جائیں۔ یہ کلام سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا نہیں تمہارا خون میرا خون ہے تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔ جس سے تم لڑو گے میں بھی لڑوں گا جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنی قوم سے بارہ نمائندے مقرر کرو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار ہوں۔ حسب الحکم بارہ نمائندے چھانٹے گئے نو خزرجی اور تین اوسی۔ عاصم بن عمرو بن قتادہ کا بیان ہے کہ جب بیعت کے لیے سب لوگ جمع ہو گئے تو عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے کہا کہ اے گروہ خزرج کیا تم جانتے ہو کہ کس شرط پر تم اس شخص کی بیعت کر رہے ہو جو ہر سرخ اور کالے سے لڑنے کی بیعت کر رہے ہو اگر تمہارا خیال ہو کہ جب تمہارے مالوں پر کوئی

مصیبت پڑے گی اور تمہارے سردار مارے جائیں گے تو تم اس کو بے یارو مددگار چھوڑ جاؤ گے تو ابھی بیعت نہ کرو ورنہ اس وقت خدا کی قسم دُنیا و آخرت کی رسوائی نصیب ہوگی اور اگر مالوں کی تباہی اور سرداروں کی ہلاکت کے باوجود تم اپنے اس وعدے کو پورا کر سکتے ہو جس پر تم اس شخص کو دعوت دے رہے ہو تو اس کو لے لو۔ خدا کی قسم! یہ دُنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

انصار نے جواب دیا ہم مالوں کی تباہی اور سرداروں کے قتل ہو جانے کے بعد بھی ان کو نہیں چھوڑیں گے اور اسی شرط پر ان کو قبول کر رہے ہیں لیکن اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ہم نے یہ شرط پوری کر دی تو ہم کو اس کے عوض کیا ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت۔ انصار نے عرض کیا تو دست مبارک پھیلائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک پھیلایا، سب نے بیعت کر لی۔ پہلے براء بن معرور نے ہاتھ میں ہاتھ دیا، پھر دوسرے لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔

بیعت کے بعد شیطان کا چیخنا

جب ہم بیعت کر چکے تو عقبہ کی چوٹی سے بلند آواز سے شیطان نے پکار کر کہا اے اہل حباحب کیا تم کو مذمم (محمد) ...... (نعوذ باللہ) اور صباۃ (بے دین) کے ساتھ مل کر تم جنگ کے لیے متفق ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ اللہ کا دشمن ہے عقبہ کا "ازب" ہے۔ (ازب اس وقت شیطان کا نام تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے دشمن خدا سن لے خدا کی قسم! میں تیرے مقابلے کے لیے بالکل فارغ ہو جاؤں گا۔ پھر فرمایا اب تم اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ہم کل صبح ہی اہل منا پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں، فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ تم اپنی رہائش کی جگہ چلے جاؤ۔ حسب الحکم ہم اپنی جگہ چلے گئے اور سو گئے۔ صبح ہوئی تو قریش کے بڑے بڑے لوگ ہمارے پڑاؤ پر آئے اور کہنے لگے اے گروہ خزرج ہم کو اطلاع ملی ہے کہ تم ہمارے اس ساتھی کے پاس آئے ہو اس کو ہمارے پاس سے نکال کر لے جانا چاہتے ہو اور ہمارے خلاف جنگ کرنے کے لیے اس سے بیعت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم! عرب کے کسی قبیلے سے جنگ چھڑ جانا ہمارے نزدیک اتنی قابل نفرت نہیں جتنی تم سے ہے۔ یہ سن کر ہمارے مشرک (خزرجی اور اوسی) کھڑے ہو گئے اور اللہ کی قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہمیں اس کا علم ہے۔

حقیقت میں انہوں نے سچ کہا تھا ان کو بیعت کا علم ہی نہ تھا ان کی باتوں کے وقت ہم آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ غرض سب لوگ اُٹھ کر کھڑے ہوئے۔ ان میں ایک شخص حارث بن مغیرہ مخزومی نئی جوتیاں پہنے ہوئے تھا۔ میں نے ابو جابر سے ایک بات کہی، گویا میں مشرکین انصار کے کلام کی تائید کر رہا ہوں اور بات یہ تھی کہ میں نے ان سے کہا ابو جابر تم ہمارے سرداروں میں سے ہو لیکن اتنی بھی تم میں استطاعت نہیں کہ اس قریشی جوان کی جوتیوں کی طرح جوتیاں ہی بنوا لو۔ حارث نے یہ بات سنی تو فوراً پاؤں سے جوتیاں نکال کر میری طرف پھینک دیں اور بولا خدا کی قسم! اب تو ان کو پہنے گا۔ ابو جابر نے کہا ہائے تو نے جوان کو غصہ دلا دیا، جوتیاں واپس کر دے، میں نے کہا میں تو واپس نہیں کروں گا یہ شگون اچھا ہے۔ اگر فال سچی ہوئی تو

خدا کی قسم! میں اس کے کپڑے اُتارلوں گا۔ غرض مضبوط معاہدہ کے بعد انصار مدینہ کولوٹ گئے اور مدینہ میں اسلام کا ظہور ہوگیا۔ قریش کو اس کی اطلاع ملی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دُکھ دینے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا اللہ نے تمہارے کچھ بھائی بنادیے ہیں اور امن کی ایک جگہ بھی دیدی ہے تم ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ اور اپنے انصاری بھائیوں میں مل کر رہو۔ اس حکم پر سب سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی تھے۔ پھر عامر بن ربیعہ نے پھر عبداللہ بن جحش نے پھر پے در پے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جانے لگے۔

اسی طرح اسلام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مدینہ والے اوس اور خزرج کے قبیلوں کو متفق بنادیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان میں باہم صلح کرادی۔

"واذکروا نعمة اللّٰه علیکم" یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر کی اے انصار کی جماعت۔ "اذ کنتم اعداءً" اسلام سے پہلے تم آپس میں باہم دشمن تھے۔ "فالف بین قلوبکم" تمہارے دلوں میں اسلام کی وجہ سے محبت ڈال دی۔ "فاصبحتم" بس تم ہوگئے "بنعمته" اس کی رحمت اور اس کے دین اسلام کی وجہ سے "اخوانا" بھائی بھائی اور آپس میں ہمدردی پیدا کردی۔ "وکنتم" اور تھے تم یعنی اوس وخزرج کے جماعتو! "علی شفا حفرة من النار" آگ کے کنویں کے کنارے پر تھے قریب تھا کہ تم اس میں گر پڑتے۔ سوائے کفر پر موت کے کوئی چیز اس میں گرنے سے مانع نہیں رہی تھی۔ "فانقذکم" پس تمہیں بچالیا اللہ نے "منھا" اس آگ سے ایمان کی وجہ سے۔ "کذلک یبین اللّٰه لکم آیٰتہ لعلکم تھتدون"

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑩٤

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ (دوسروں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کا کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ (آخرت میں) پورے کامیاب ہوں گے۔

تفسیر: ⑩٤ "ولتکن منکم امة" تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے۔ "من" یہ صلہ ہے تبعیضیہ نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فاجتنبوا الرجس من الاوثان" یہاں بعض اوثان سے بچنا مراد نہیں بلکہ تمام اوثان سے اجتناب مراد ہے۔ "ولتکن" میں لام برائے امر کے لیے ہے۔ "یدعون الی الخیر" خیر سے مراد اسلام ہے۔

"ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون" طارق بن شہاب سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے جس کو بری بات دکھائی دے وہ اپنے ہاتھ سے اس کو بدل دے، اگر ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان سے روک دے اور اگر زبان سے نہ روک سکے تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

عبدالرحمن اشہلی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور بالمعروف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا پھر تم اس کے دور ہونے کی دعا کرو گے مگر تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔ قیس بن ابی حازم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! تم یہ آیت نہیں پڑھتے ہو "یا ایھا اللذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ اگر لوگ بدکاریاں دیکھ کران کو بدلنے کی کوشش نہیں کریں گے تو ممکن ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا عمومی عذاب بھیج دے۔

امام شعبی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سستی کرنے والا اور حدود میں پڑنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے قرعہ اندازی کے بعد کوئی کشتی کے بالائی حصے میں اور کچھ نچلے درجہ میں سوار ہو گئے۔ نچلے درجہ والے پانی لے کر بالائی درجہ والوں کے پاس سے گزرتا ہے تو ان کو تکلیف پہنچتی ہے اس لیے نچلے درجہ والوں نے کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کرنا شروع کیا۔ بالائی درجہ والوں نے آکر کہا کہ یہ تم کیا کررہے ہو، اس نے جواب دیا کہ آپ لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوئی ہے اور مجھے پانی کی ضرورت ہے۔ اب اگر وہ لوگ اس کے ہاتھ پکڑلیں گے تو اس کو بھی ڈوبنے سے بچالیں گے اور خود بھی بچ جائیں گے اور اگر وہ سوراخ کرتے ہوئے چھوڑ دیں گے تو اس کو بھی ہلاک کریں گے اور خود بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾

ترجمہ اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے (دین میں) باہم تفریق کرلی اور (نفسانیت سے) باہم اختلاف کرلیا ان کے پاس احکام واضح پہنچنے کے بعد اور ان لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہوگی اس روز (یعنی قیامت کے روز) کہ (جس میں) بعضے چہرے سفید (اور روشن) ہو جاویں گے اور بعضے چہرے سیاہ ہوتے سو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جاوے گا کیا تم (ہی) لوگ کافر ہوئے تھے اپنے ایمان لانے کے بعد تو اب سزا چکھو بسبب اپنے کفر کے۔

ولاتکونوا کالذین تفرقوا کی مراد میں مفسرین کے مختلف اقوال

تفسیر ﴿١٠٥﴾ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کہ تم یہودیوں و نصرانیوں کی طرح نہ ہو جانا (کہ جس طرح وہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اسی طرح تم ہو جاؤ) بعض نے کہا کہ اس سے مراد مبتدعین کی جماعت ہے۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے شام کے حروری مراد ہیں۔ عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ میں بھی تھا جب ابوامامہ ان کے سامنے کھڑے تھے اور ارشاد فرما رہے تھے کہ یہ جہنم کے کتے ہیں، یہ پہلے مؤمن تھے اور اب یہ مرتد ہو گئے ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینات" سے لے کر "اکفرتم بعد ایمانکم" تک۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ جنت کے درمیان میں ہو تو وہ جماعت کو لازم پکڑے، اس لیے کہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور دو شخصوں سے دور بھاگتا ہے۔ "واولئک لھم عذاب عظیم"

تبیض وجوہ وتسود وجوہ کی مختلف تفاسیر

(۱۰۶) یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ یوم منصوب ظرف ہونے کی وجہ سے۔ عبارت یوں ہوگی لھم یوم مفعول بہ محذوف ہے۔ "تبیض وجوہ المؤمنین وتسود وجوہ الکافرین" مؤمنین کے چہرے سفید اور کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ مؤمن مخلصین کے چہرے سفید اور منافقین کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے۔ "تبیض وجوہ اھل السنۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ" اہل سنت کے چہرے سفید اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

کلبی ابی صالح سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر قوم کے معبود کو اٹھایا جائے گا جس کی وہ عبادت کرتے تھے ہر قوم اپنے اپنے معبود کو دیکھ کر اس کی طرف بھاگیں گے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے "نولہ ماتولی" کہ ہم اس کو اسی راستے پر چلائیں گے جس پر وہ چلا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچ جائیں گے تو غمگین ہو جائیں گے، اس غم کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ باقی اہل قبلہ یہود ونصاریٰ رہ جائیں گے ان کے پاس اٹھانے والا کوئی معبود نہیں ہوگا۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئیں گے اور سجدہ کریں گے جو شخص دُنیا میں اطاعت فرمانبرداری، ایمان خالص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ باقی اہل کتاب، منافقین رہ جائیں گے جو سجدہ کی طاقت نہیں رکھ سکیں گے۔ مؤمنین کو سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی جب وہ سر اٹھائیں گے تو ان کے چہرے اولوں کی طرح سفید ہوں گے اور جب منافقین اور اہل کتاب نے مؤمنین کے سفید چہروں کو دیکھا تو ان کو بہت شدید غم لاحق ہوا جس کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے چہرہ سیاہ ہو گئے ہم تو مشرکین میں سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے دیکھو ان کو کیسا اپنے اوپر جھوٹ باندھتے ہیں۔

اہل معانی نے لکھا ہے کہ چہروں کی سفیدی اور چمک، ان کو خوشخبری اور ان کا سرور ان کے عمل کی وجہ سے ہے کہ اللہ ان کو قیامت کے دن ثواب عطا فرمائیں گے اور ان کے چہروں کی سیاہی، ان کے غم، شکستہ دل ہونے کی وجہ سے، اعمال کے برے ہونے اور اللہ

کے عذاب کی وجہ سے ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان دلالت کرتا ہے۔ "للذین احسنوا الحسنٰی و زیادۃ ولا یرھق وجوھھم قتر ولا ذلۃ" جنہوں نے بھلائی کی ان کے لیے ہے اور بھلائی وزیادتی اور نہیں آئے گی ان کے منہ پر سیاہی اور نہ رسوائی اور دوسری آیت "والذین کسبوا السیئات جزاء سیئۃ بمثلھا وترھقھم ذلۃ" اور جنہوں نے برے اعمال کیے تو ان کو برا بدلہ ملے گا اسی کے برابر اور رسوائی ان کو ڈھانپ لے گی اور فرمایا "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ ووجوہ یومئذ باسرۃ" کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے اور کتنے ہی چہرے اس دن اُداس ہوں گے اور فرمایا "وجوہ یومئذ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ ووجوہ یومئذ علیھا غبرۃ" کتنے چہرے اس دن روشن ہوں گے ہنستے اور خوشیاں کرتے ہوں گے اور کتنے ہی چہرے ایسے ہوں گے کہ ان پر گردوغبار پڑی ہوگی۔ ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔ "فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم" ان کو کہا جائے گا کہ کیا ایمان لانے کے بعد تم نے کفر کیا۔

سوال وجواب

"فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون" سوال یہ کیسے فرمایا کہ تم ایمان لانے کے بعد کیوں کافر ہوگئے؟ حالانکہ وہ تو ایمان لائے ہی نہیں۔ اس کا جواب دیا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس کی یوں حکایت کی کہ یہاں ایمان سے مراد عہد الست والا وعدہ ہے۔ جب اللہ رب العزت نے پوچھا تھا "الست بربکم"...... "قالوا بلیٰ" ابی کہتے ہیں کہ عبارت اس طرح ہوگی "اکفرتم بعد ایمانکم یوم المیثاق" اس عہد الست کے دن ایمان لانے کے بعد تم کافر ہو گئے ہو منکر ہوگئے ہو۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں کہ وہ زبان سے ایمان کا اقرار کرتے تھے اور دل سے انکار کرتے تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں کہ وہ اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر ہو کر کافر ہوگئے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کو اہل ایمان اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے، یعنی اہل قبلہ میں سے تھے۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خوارج ہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل بدعت ہیں۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں حوض پر ہوں گا اور دیکھتا رہوں گا کہ کون کون میرے پاس آتا ہے، کچھ لوگ میرے سے پرے ہی پکڑ لیے جائیں گے میں کہوں گا اے رب! یہ تو میرے ہیں میری اُمت میں سے ہیں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا۔ خدا کی قسم! یہ برابر اپنی ایڑیوں کے بل لوٹتے رہے۔

حارث اعور فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی کو اپنے اہل وعیال سے جدا کیا جاتا ہے وہ اپنے اہل وعیال کی طرف اس وقت تک نہیں لوٹتا جب تک کہ وہ ایسا عمل نہ کرے جو جنت کو واجب کرنے والا ہو اور کسی شخص کو اپنے اہل وعیال سے جدا کیا جاتا ہے وہ اپنے اہل کی طرف اس وقت تک نہیں لوٹتا جب تک کہ وہ ایسا عمل نہ

کرلے جو جہنم کا موجب ہو۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ" پھر آواز دی کہ یہ وہ لوگ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا اور کعبہ سے پھر گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان فتنوں سے پہلے عمل کرلو جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح چھا جائیں گے، صبح کو آدمی مؤمن ہوگا اور شام کو کافر۔ شام کو کافر ہوگا اور صبح کو مؤمن۔ دین کو دنیا کے چند حقیر سامان کے عوض بیچ ڈالے گا۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت (یعنی جنت میں (داخل) ہوں گے۔ (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مخلوقات پر ظلم کرنا نہیں چاہتے۔

تفسیر: ﴿۱۰۷﴾ "وما الذین ابیضت وجوھھم" جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اہل طاعات والے ہیں۔ "ففی رحمة الله" اللہ کی رحمت سے جنت مراد ہے۔ "ھم فیھا خالدون"

﴿۱۰۸﴾ "تلک آیات اللہ ...... وما اللہ یرید ظلمًا للعلمین"

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب مقدمات رجوع کیے جاویں گے۔ (اے امت محمدیہ) تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت (عام) لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو۔ اور بری باتوں سے روکتے ہو اور (خود بھی) اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب (بھی تمہاری طرح) ایمان لے آتے تو ان کے لئے زیادہ اچھا ہوتا ان میں سے بعضے تو مسلمان ہیں اور زیادہ حصہ ان میں سے کافر ہیں۔

تفسیر: ﴿۱۰۹﴾ "وللہ ما فی .... ترجع الامور"......

شانِ نزول

﴿۱۱۰﴾ "کنتم خیر أمة اخرجت للناس"

عکرمہ اور مقاتل کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور سالم مولی ابی

حذیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ مالک بن صیف اور وہب بن یہوذا دو یہودی تھے، ان دونوں نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا دین افضل ہے جس کی تم تبلیغ کرتے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

کنتم خیر امۃ سے کون لوگ مراد ہیں؟

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ "کنتم خیر اُمۃ اخرجت للناس" سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

جویبر نے ضحاک کے حوالے سے روایت نقل کی کہ اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو حدیث کے نقل کرنے اور تبلیغ کرنے اور آنے والے مسلمانوں کو ان کی اتباع کرنے کا حکم دیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "کنتم خیر اُمۃ" ہمارے اولین کے لیے ہے پچھلوں کے لیے نہیں ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میری اُمت کا بہترین زمانہ جو میرے ساتھ ملا ہوا ہے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ) پھر وہ زمانہ جو اس سے ملا ہوا ہے (تابعین کا زمانہ) پھر وہ زمانہ جو ان کے ساتھ ملا ہوا ہو (تبع تابعین کا زمانہ)۔ عمران فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے بعد دو قرن کا ذکر فرمایا یا تین کا۔ پھر اس کے بعد ایسی قوم آئے گی جو خیانت کرنے والی ہوگی امانت دار نہیں ہوگی، وہ گواہی دیں گے لیکن وہ گواہی معتبر نہیں ہوگی اور وہ قسمیں اٹھائیں گے لیکن ان کو پورا نہیں کریں گے ان میں موٹاپا ظاہر ہو جائے گا۔

ابی سعید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جیسا سونا خرچ کر دے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مد صدقہ کرنے کے برابر بلکہ اس سے آدھا خرچ کرنے کے برابر نہیں پہنچے گا اور بعض نے کہا کہ تم سب مؤمن مل کر خرچ کرو تو صحابہ کی اس مقدار کے ثواب تک نہیں پہنچ سکتے۔ "کنتم" سے مراد "انتم" ہے یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "واذکروا اذ کنتم قلیلا" یاد کرو اس وقت کو جب تم بہت تھوڑے تھے اور دوسری جگہ فرمایا "واذکروا اذ انتم قلیل" اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ کے ہاں لوح محفوظ میں بہتر اُمت ہو۔

بعض نے کہا کہ "للناس" اصل ہے "خیر اُمۃ" کا۔ عبارت یوں ہوگی "انتم خیر امۃ للناس" لوگوں میں سے تم بہترین اُمت ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کا معنی کرتے ہیں کہ لوگوں کے لیے سب لوگوں سے بہتر ہو کہ وہ زنجیروں میں بندھے ہوئے آتے ہیں اور تم ان کو اسلام میں داخل کر لیتے ہو۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم اُمت محمد یہ مراد ہیں کہ جن کو اس کے بعد کوئی نبی قتال کا حکم نہیں کرے گا اور وہ ان سے قتال کریں گے اور ان کو اپنے دین میں داخل کر دیں گے وہ لوگوں میں بہترین اُمتی ہوں گے۔

بعض نے کہا کہ "للنّاس" صلہ ہے "اخرجت" کا۔ اس کا معنی یہ ہوگا اس اُمت محمدیہ سے بہتر کوئی اُمت اللہ نے نہیں نکالی۔ بہز بن حکیم اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس" فرمایا کہ تم ستر اُمتوں کا تتمہ ہو اور تم سب سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والے ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اُمت ستر اُمتوں کے آخر میں آئی جو اللہ کے نزدیک بہترین اور عزت والی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش، معلوم نہیں اس کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

حضرت سعید بن المسیب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں داخلہ تمام انبیاء علیہم السلام پر حرام قرار دیا گیا یہاں تک کہ میں اس میں داخل نہ ہو جاؤں اور تمام اُمتوں پر جنت کا داخلہ حرام قرار دیا گیا ہے جب تک کہ میری اُمت جنت میں نہ داخل ہو جائے۔ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی اور اسی (۸۰) میری اُمت کی ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا۔ "تامرون بالمعروف …… منھم المؤمنون واکثرھم الفاسقون" فاسقون سے مراد کافر ہیں۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

(ترجمہ) وہ تم کو ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا خفیف سی اذیت اور اگر وہ تم سے مقاتلہ کریں تو تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر (اس سے بڑھ کر یہ کہ) کسی کی طرف سے ان کی حمایت بھی نہ کی جاوے گی۔ جمادی گئی ان پر (خاص) بے قدری جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہے اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہے اور مستحق ہوگئے (یہ لوگ) غضب الٰہی کے اور جمادی گئی ان پر پستی یہ (ذلت وغضب) اس وجہ سے ہوا کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو (اور وہ خود ان کے نزدیک بھی ناحق) اور (نیز) یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ (اطاعت سے) نکل نکل جاتے تھے۔

تفسیر ⑪ "لن یضروکم الا اذی" مقاتل فرماتے ہیں کہ جب سرداران یہود نے مسلمان اہل کتاب جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہا اے ایمان والو! یہ یہود آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے سوائے زبان سے اور سرکشی سے۔ بعض نے کہا کہ ان کے سامنے وہ کلمہ کفر کہہ کر ان کو اذیت دیتے۔ "وان یقاتلوکم یولوکم الادبار" وہ شکست کھا کر بھاگیں گے "ثم لا ینصرون" پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی بلکہ تمہاری مدد کی جائے گی۔

⑫ "ضربت علیهم الذلة اینما ثقفوا" جہاں پر تم ان کو پاؤ۔ "الا بحبل من اللّٰہ" جہاں بھی تم ان کو پاؤ ان کو کمزور کرو اور قتل کرو یا ان کو قید کرلو یہ ایمان نہیں لائیں گے مگر اللہ کے عہد سے کہ وہ اسلام لے آئیں۔ "وحبل من الناس" مسلمانوں کے عہد سے یا قبول جزیہ سے یا ان سے امان طلب کرنے سے یعنی وہ اس عہد سے ان کی جان و مال، عزت و آبرو محفوظ ہو جائے گی۔ "وباؤ و بغضب من اللّٰہ" یعنی مرنے کے بعد پھر لوٹ کر آئیں گے۔ "وضربت علیهم المسکنة ...... ذلک بما عصوا کانوا یعتدون"

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: یہ (لوگ) سب برابر نہیں (بلکہ) ان (ہی) اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو دین حق پر قائم ہیں اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام بتلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں سے ہیں۔

شان نزول

تفسیر ⑬ "لیسوا سواءً من اهل الکتاب اُمّةٌ قائمةٌ"

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اسلام لے آئے، یہود کے سرداروں نے کہا کہ محمد پر ایمان لانے والے وہی لوگ ہیں جو ہم سے برے ہیں، اگر اچھے ہوتے تو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر دوسرے کی طرف نہ جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امة قائمة کا مصداق

اس کی وجہ میں آئمہ مفسرین کا آپس میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہاں اختصار ہے تقدیری عبارت یوں ہے۔ "لیسوا سواء من اهل الکتاب اُمّة قائمة واخریٰ غیر قائمة" اہل کتاب میں سے تمام لوگ برابر نہیں ہو سکتے

ان میں بعض "امۃ قائمۃٌ" کا مصداق ہیں اور دوسری غیر قائمہ کا مصداق۔ یہاں دونوں گروہوں میں سے ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ بعض نے کہا کہ "لیسوا سواء" میں کلام تمام ہو رہا ہے کیونکہ آگے دونوں فریقوں کا ذکر اس آیت میں بیان کیا گیا۔ "منہم المؤمنون واکثرہم الفاسقون" پھر فرمایا "لیسوا سواءً" یعنی مؤمنین اور فاسقین برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر آگے فاسقین کے وصف کو ذکر کر کے ارشاد فرمایا "لن یضروکم الا اذیٰ" پھر آگے مؤمنین کا وصف ذکر کیا "اُمّۃٌ قائمۃٌ"

بعض نے کہا کہ من اہل الکتاب یہ کلام کا پہلا حصہ ہے پھر دونوں فریقین کا تذکرہ کیا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر فرمایا "من اھل الکتاب"۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود اور اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو اللہ کے حکم سے صراط مستقیم پر قائم ہے) برابر نہیں ہو سکتے۔ "اُمّۃٌ قائمۃٌ" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہدایت یافتہ اللہ کے حکم پر قائم رہنے والا نہ ہی اس کو ضائع کرنے والا اور نہ ہی اس کو چھوڑنے والا۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اُمت عادلہ ہے۔ امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرمانبردار اللہ کی کتاب اور ضوابط کا پابند رہنے والا ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد نماز میں کھڑے رہنے والا۔ بعض نے کہا اس سے مراد اُمت طریقہ ہے۔ اس آیت کا معنی "ای ذوو امۃ" ذو طریقت کے معنی میں ہے۔

"یتلون آیات اللّٰہ" قرآن کی آیات پڑھتے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تابعداری کرتے ہیں۔ "آناء اللیل" رات کی چند گھڑیوں میں "اناءً" کا واحد "انی" ہے جیسے "نحی وانحاہ" سے اسی طرح "انّی" اور اناء ہے۔ مثل "معی وامعاہ" اور "انی ... منًا" اور "امناء" کی طرح ہے۔ "وھم یسجدون" سجدہ سے مراد نماز پڑھنا ہے کیونکہ قرآن کی تلاوت سجدہ میں نہیں کی جاتی بلکہ نماز کے قیام میں کی جاتی ہے۔ اس کے معنی میں مفسرین کے مختلف معانی ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے قیام اللیل مراد ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے عشاء کی نماز مراد ہے کیونکہ اہل کتاب عشاء کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ عطاء فرماتے ہیں "لیسوا سواء من اھل الکتاب اُمّۃ قائمۃٌ" اس آیت سے مراد نجران کے چالیس اور حبشہ کے بتیس (۳۲) اور روم کے آٹھ آدمی تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کے پیروکار تھے۔ انہوں نے بعثت سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انصار کی ان سے دوستی تھی۔ انصار میں سے اسعد بن زرارہ، براء بن معرور، محمد بن سلمہ، ابوقیس بن صرمۃ بن انس یہ توحید پرست تھے۔ جنابت کا غسل کرتے تھے اور شریعت حنفیہ (ابراہیمی مذہب) سے واقف تھے اور یہ راتوں کو قیام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور ان کی مدد کی۔

⓮ "یؤمنون باللّٰہ والیوم الآخر ...... واولٰئک من الصالحین"

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ⑮ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۗ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑯

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ جو نیک کام کریں گے اس سے محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو خوب جانتے ہیں۔ جو لوگ کافر رہے ہرگز ان کے کام نہ آویں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ذرا بھی۔ اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگانی میں۔ اس کی حالت اس حالت کے مثل ہے کہ ایک ہوا ہے جس میں تیز سردی ہو وہ لگ جاوے ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنا نقصان کر رکھا ہے پس وہ اس کو برباد کر ڈالے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے آپ کو ضرر پہنچاتے ہیں۔ اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو صاحب خصوصیت مت بناؤ۔ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں۔ واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے۔ ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو

تفسیر: ﴿۱۱۵﴾ "وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ" حمزہ، کسائی اور امام حفص رحمہم اللہ کے نزدیک "یفعلوا" ہے۔ اس صورت میں یہ امۃ قائمۃ کی خبر دینا مقصود ہے اور دوسرے قراء نے "تفعلوا" تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں "کنتم خیر امۃ" پر عطف ہوگا۔ ابو عمرو نے دونوں قراءتیں تلاوت فرمائیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو نیکی تم کرو گے ہم اس کے ثواب کو گھٹائیں گے نہیں بلکہ تم اس پر شکر اختیار کرو اور اس پر تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔ "واللہ علیم بالمتقین" متقین سے مراد مؤمنین ہیں۔

﴿۱۱۶﴾ "ان الذین کفروا لن تغنی عنہم ...... من اللہ شیئا" ان کا مال فدیہ میں ان کو نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی اولاد ان کی مدد و نصرت کے لیے دی جائے گی کہ ان کے ذریعے سے اللہ کے عذاب سے بچاؤ کا سامان کرو۔ ان دونوں کو خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا کیونکہ انسان اپنے آپ سے مصیبت کبھی مال دے کر دور کرتا ہے اور کبھی اولاد کی مدد سے اس کو دور کرتا ہے۔ "و اولٰئک اصحاب النار ھم فیہا خالدون" آگ کے ساتھی اس وجہ سے کہا یہ اس کے اہل ہیں، نہ یہ آگ سے نکل سکیں گے اور نہ ہی وہ اس سے جدا ہوں گے جیسے کہا جاتا ہے "کصاحب الرجل یفارقہ" فلاں کا ساتھی اس سے جدا ہو گیا۔

مثل ماینفقون کی مختلف تعریفیں

﴿۱۱۷﴾ "مثل ما ینفقون فی ھذہ الحیوۃ الدنیا" نفقات سے مراد ابو سفیان اور ان کے ساتھیوں کا جنگ بدر اور اُحد میں نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں مال کا خرچ کرنا ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ یہود کا اپنے علماء پر خرچ کرنے والا مال مراد ہے۔
مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار کے تمام نفقات وصدقات کا دُنیا کی غرض کے لیے خرچ کرنا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ دکھاوے کا خرچ مراد ہے جس میں اللہ کی رضا مقصود نہ ہو۔
"کمثل ریح فیھا صر" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ سخت گرم اور ہلاک کردینے والی لُو کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا صر کے معنی آواز کے ہیں۔
اکثر مفسرین کا قول ہے کہ ایسی ہوا جس میں سخت سردی ہو۔ "اصابت حرث قوم" حرث کا معنی کھیتی ہے۔ "ظلموا انفسھم" اپنے نفسوں پر کفر اور نافرمانی کرکے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ کے حق سے روکا۔ "فاھلکتہ" اس آیت کا معنی ہے کفار کے مال خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے جس طرح سرد ہوا یا جلا ڈالنے والی لُو ظالموں کی کھیتی کو تباہ و برباد کردیتا ہے۔ اسی طرح کافروں کا مال خرچ کرنا تباہی اور بربادی کا موجب بنتا ہے نہ دُنیا میں اس کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ آخرت کے لیے ذخیرہ ہوتا ہے۔ "وما ظلمھم اللہ" اس وجہ سے اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ "ولکن انفسھم یظلمون" کفر اختیار کرکے اور نافرمانی کرکے اپنے نفسوں پر خود ظلم کیا۔

کافروں کے ساتھ میل جول رکھنے کا بیان اور آیات کا شانِ نزول

⑪ "یا یھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ کچھ مسلمانوں کا یہود کے ساتھ میل جول اور باہمی دوستی تھی کیونکہ دونوں ہمسائے خرچ کرنے میں معاون، عہد وحلف میں ایک دوسرے کے مددگار اور رضاعت کے معاملے میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس میل جول سے فتنہ کے اندیشے کے باعث مسلمانوں کو منع فرمایا۔
مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان مؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی جو منافقین کی طرف میل جول میں مائل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منع کردیا۔ "یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا" سے مراد اولیاء و اصفیاء جو تمہاری ملت کے علاوہ تھے۔ بطانۃ رازدار کو کہتے ہیں۔ اس کپڑے کو بھی کہتے ہیں جو پیٹ سے ملا ہوا ہو چونکہ یہ خفیہ امور پر مطلع ہوتا ہے جس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بھی بیان فرمائی کہ کافروں کی طرح ان کو رازدان مت بناؤ۔ "لا یالونکم خبالا" یہ لوگ تمہارے اندر شر اور فساد پیدا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے بلکہ شر اور فساد کرنے کے لیے پوری پوری کوشش کریں گے۔ "خبال" شر اور فساد کو کہتے ہیں۔ "خبالا" منصوب ہے مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے۔ "یالو" یہ فعل متعدی ہے جو دو مفعولوں کا تقاضا کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی "ای بالخبال"
"ودوا ما عنتم" وہ پسند کرتے ہیں جو تم پر مشقت، تکلف میں پڑنا شر، ہلاکت کا ہونا آتا ہے۔ "قد بدت البغضاء" اس سے مراد بغض ہے وہ اپنی دشمنی ظاہر کردیتے ہیں۔ "من افواھھم" اپنے منہ سے گالی دینے کی صورت میں یا ایسی باتیں

کرنے کی صورت میں جو تمہیں تکلیف پہنچی ہے۔ بعض نے کہا کہ مشرکین کا مسلمانوں کے عذاب پر مطلع ہونا "وما تخفی صدورهم" اور وہ بغض جو ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے۔ آپ سے دشمنی اور غصے کی وجہ سے "اکبر" وہ ظاہری بغض سے بڑا ہے۔ "قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون"

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ: ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اور یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں مارے غیظ کے آپ کہہ دیجئے کہ تم مر رہو اپنے غصہ میں بیشک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کے لئے موجب رنج ہوتی ہے اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں

تفسیر: ⑲ "هاانتم" ها تنبیہ انتم مذکر مخاطب سے کنایہ ہے "اولاء" اسم اشارہ ہے اس سے مراد مؤمنین کی جماعت۔ "تحبونهم" تم ان یہود سے محبت کرتے ہو جن سے تمہیں روکا گیا تھا ان اسباب کی وجہ سے جو زمانہ جاہلیت میں (ان کی آپس میں) قرابت، رضاعت اور مصاہرت تھی۔ "ولا یحبونکم" اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اختلاف دین کی وجہ سے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں جو مسلمانوں سے باہم دوستی کا دعویٰ کرتے تھے۔ ظاہراً ایمان لاکر اور مسلمانوں کو ان کے دلوں کا علم نہیں تھا۔ "وتؤمنون بالکتاب کله" ان کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ "واذا لقوکم قالوا آمنا واذا خلوا" جب وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ "عضوا علیکم الانامل من الغیظ" انگلیوں کے پوروں کو کاٹتے ہیں۔ انامل کی جمع "انملة" آتی ہے میم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔ وہ غصہ کی وجہ سے جب وہ مؤمنین کو جمع دیکھتے ہیں۔ "عض الانامل" کنایہ ہے شدت غضب سے یہ ضرب المثل ہے۔ "قل موتوا بغیظکم" تم اپنے غصہ میں مرنے پر برقرار رہو۔ "ان اللہ علیم بذات الصدور" تمہارے دلوں کو جانتا ہے کہ خیر ہے یا شر۔

⑳ "ان تمسسکم" مؤمنو اگر تمہیں پہنچتی ہے "حسنة" کوئی نیکی۔ دشمن پر غلبہ پانے کے بعد کوئی آسانی مثلاً مال غنیمت تمہیں مل جائے تو وہ لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کو بہت رنج پہنچتا ہے۔ "تسؤهم" تو وہ غمگین

ہو جاتے ہیں۔ "وان تصبکم سیئۃ" اگر تم پر کوئی برائی پڑ جاتی ہے مثلاً دشمن کو کچھ غلبہ حاصل ہو جاتا ہے یا تمہارے درمیان کوئی اختلاف واقع ہو جاتا ہے یا قحط پڑ جاتا ہے یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو "یفرحوا بھا و ان تصبروا" وہ اس اذیت پر خوش ہوتے ہیں۔

"وتتقوا" اور تم اپنے رب سے ڈرتے رہو گے "لایضرکم" وہ تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ "کیدھم شیئاً" ابن عامر، ابن کثیر، نافع، اہل بصرہ کے نزدیک یہ قرأت ہے۔ "لایضرکم" ضاد کے کسرہ کے ساتھ بغیر شد کے اس صورت میں "ضاد یضیر ضیراً" اس صورت میں مجزوم جواب جزاء ہے اور باقی قراء ضاد کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ "ضَرَّ یَضُرُّ ضَرًّا"...... "رَدَّ یَرُدُّ رَدًّا" کی طرح۔ اس کے مرفوع ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

❶ یہ اصل میں "یضررکم" تھا راء کو راء میں ادغام کیا اور پہلی راء کا ضمہ ضاد کو دیا اور راء پر ضمہ ضاد کے ضمہ کی اتباع کی وجہ سے ہے۔

❷ "لایضرکم" میں لا بمعنی لیس کے ہے۔ اس صورت میں تقدیری عبارت اس طرح ہوگی "وان تصبروا وتتقوا فلیس یضرکم کیدھم شیئاً" اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو تو اس کا مکر تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ "ان اللہ بما تعملون محیط" وہ جاننے والا ہے۔ "واذ غدوت .. .. واللہ سمیع علیم" (۱۲۱)

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِکَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ⑫

ترجمہ اور جب کہ آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے مسلمانوں کو مقاتلہ کرنے کے لئے مقامات پر جمارہے تھے اور اللہ تعالیٰ سب سن رہے تھے سب جان رہے تھے۔

تفسیر ⑫ "واذ غدوت .... مقاعد للقتال"

مقاعد للقتال کی مختلف تفاسیر

حسن بصری کے نزدیک اس سے بدر کا دن مراد ہے۔ مقاتل کے ہاں احزاب کا دن مراد ہے۔ باقی تمام مفسرین کے نزدیک احد کا دن ہے۔ مجاہد، کلبی اور واقدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے آئے اور پیدل چل کر احد تک پہنچے اور لڑائی کے لیے اپنے ساتھیوں کی صف بندی کرنے لگے جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ احد کیلئے نکلنا

محمد بن اسحاق سدی نے روایت کیا ہے کہ مشرکین احد کے مقام پر بدھ کے دن اترے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نزول کی اطلاع موصول ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا اور ابی بن عبداللہ سلول منافق کو بھی مشورہ کے لیے بلایا حالانکہ اس سے پہلے کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مشورے کے لیے نہیں بلایا۔ عبداللہ بن ابی اور اکثر انصار نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مدینہ میں ہی رہئے اس سے باہر نہ

نکلیں کیونکہ خدا کی قسم! ہم جب بھی دشمن سے قتال کے لیے باہر نکلتے ہیں تو دشمن ہم پر کامیاب رہا ہے اگر دشمن اندر آ کر ہم پر حملہ آور ہوا ہے تو ہم اس پر کامیاب رہے ہیں اب جبکہ آپ ہم میں موجود ہیں ہم کو کیا ڈر ہے اگر مشرک جہاں ہیں وہیں قیام پذیر رہیں گے وہ ان کے قیام کے لیے بری جگہ ہے اور اگر وہ شہر کے اندر گھس جائیں گے تو ہمارے مردان کے سامنے لڑیں گے، بچے اور عورتیں اوپر سے ان پر پتھر برسائیں گے اور اگر لوٹ کر چلے جائیں گے تو ناکام لوٹیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کتوں کی طرف نکل کر چلنا چاہیے تاکہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم بزدل اور کمزور ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں ذبح گائے دیکھی ہے جس کی تاویل بھلائی کے ساتھ ہے اور میں نے تلوار کی دھار ٹوٹی ہوئی دیکھی ہے میرے نزدیک اس کی تعبیر شکست ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں داخل کیا اس کی تعبیر میں نے وہی مدینہ میں داخلہ یا قیام پس اگر مدینہ میں ہی قیام رکھنے کی تمہاری رائے ہو آپ کو یہی پسند تھی کہ دشمن مدینہ کے اندر آ جائیں گے اور گلیوں میں ان سے لڑائی ہو۔ مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو بدر سے رہ گئے تھے اللہ نے احد کے دن ان کو شہادت سے بھی سرفراز کر دیا۔

انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پسند کرتے ہیں کہ ان کی طرف جہاد کرنے کے لیے نکلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور جنگی لباس پہن کر نکلے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی لباس پہن لیا تو نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیتے بلکہ وحی کا انتظار کرتے، کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رائے ہے اس پر گزر ریئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اسلحہ پہن کر بغیر لڑائی کے اُتار دے۔ مشرکین نے احد کے میدان میں بدھ اور جمعرات کو قیام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز کے بعد ایک انصاری صحابی کی نماز جنازہ پڑھ کر روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں صبح کی نصف شوال ۳ ہجری میں احد میں قیام کیا اور اسی دن جنگ ہوئی۔ اسی پر اللہ تعالیٰ کا فرمان "واذ غدوت من اھلک تبوی" سے مراد مومنین کا احد میں اُترنا ہے۔ مقاعد للقتال قتال کی جگہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "بوات القوم اذا وطنتھم" جب قوم کسی جگہ پڑاؤ کرے اور تبوؤا ہم کہتے ہیں جب وہ کسی مکان کو روندیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولقد بوانا بنی اسرائیل مبوا صدق" اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو پسندیدہ جگہ اور دوسری جگہ فرمایا۔ "ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا" اس سے مراد جنگی مشق کی جگہ ہے۔ "واللہ سمیع علیم"

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ

مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ جب تم میں سے دو جماعتوں (بنی سلمہ و بنی حارثہ) نے دل میں خیال کیا کہ ہمت ہار دیں اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا۔ اور پس مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو (غزوہ) بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سروسامان تھے۔ سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم شکر گزار رہو (یہ نصرت اس وقت ہوئی) جبکہ آپ مسلمانوں سے یوں فرمارہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو (آسمان سے) اتارے جاویں گے۔ ہاں کیوں نہیں (کافی ہوگا) اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے (بھی) آ پہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرماوے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہوں گے۔

تفسیر ۱۲۲ "اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا" وہ بزدل کمزور اور پیچھے رہنے والے تھے۔ طائفتان سے مراد خزرج میں سے بنوسلمہ اور اوس میں سے بنو حارثہ ہیں۔ یہ جنگ کے دو بازو تھے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف ایک ہزار افراد کا لشکر لے کر نکلے۔ بعض نے کہا کہ نو سو پچاس افراد کا لشکر لے کر نکلے۔ جب وہ مقام شوط پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی ایک تہائی لوگوں کو لے کر واپس لوٹا جس کی تعداد تین سو تھی۔ یہ کہتے ہوئے لوٹا کہ ہم کیوں اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو قتل کریں۔ ابو جابر سلمی اس کے پیچھے گیا اور کہا میں تم کو تمہارے نبی اور تمہاری جانوں کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ لوٹ کر نہ جاؤ۔ عبداللہ بن ابی بولا اگر ہم جانتے ہوئے کہ یہ قتال ہے تو ہم آپ کی پیروی کرتے۔ بنوسلمہ اور بنو حارثہ نے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے ان کو محفوظ کر لیا اور وہ نہیں لوٹے۔ اللہ نے اپنی یہی نعمت عظمیٰ ان کو یاد دلائی اور فرمایا "اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا" ...... "والله وليهما" اس کا مددگار اور ان کا محافظ "وعلى الله فليتوكل المؤمنون" حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت "اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا والله وليهما" بنوسلمہ اور بنو حارثہ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے "والله وليهما" فرمایا تو ہم کو گزشتہ ارادہ فرار سے اتنی خوشی ہے کہ ہم بھاگنے کا ارادہ نہ کرتے تو اتنی مسرت نہ ہوتی۔

بدر کی تفسیر اور مختلف اقوال

۱۲۳ "ولقد نصركم الله ببدر" بدر یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان جگہ کا نام ہے۔ یہی اکثر مفسرین کے نزدیک ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ایک کنویں کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ بدر نام کے ایک شخص کا کنواں ہے۔ اس آیت کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ نے ان پر نصرت کر کے احسان کیا جبکہ "وانتم اذلة" جمع ہے ذلیل کی۔ قلت عدد کو ذکر کیا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس جنگ میں تین سو تیرہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قلت تعداد کے باوجود بھی ان کی مدد فرمائی۔ "فاتقوا الله لعلكم تشكرون"

۱۲۴ "اذ تقول للمؤمنين الن يكفيكم ان يمدكم ربكم" اس آیت کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

قتادہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی۔ "فاستجاب ربکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ" پھر اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتوں کے بعد پھر پانچ ہزار کر دیئے۔ "بثلاثۃ آلاف من الملائکۃ منزلین"

غزوہ بدر میں نصرت خداوندی

۱۲۵ "بلی ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ... مسومین" انہوں نے بدر میں صبر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کی جیسا کہ وعدہ کیا تھا۔ حسن فرماتے ہیں بس یہی پانچ ہزار قیامت کے دن تک مسلمانوں کے لیے پشت پناہ رہیں گے۔ ابن عباس و مجاہد فرماتے ہیں کہ بدر کے علاوہ فرشتوں نے کسی معرکے میں جنگ نہیں کی اور جنگوں میں انہوں نے شمولیت اختیار کی لیکن قتال نہیں کیا۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب احد کے دن لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے تو آپ کے پاس سعد بن مالک باقی رہے جو تیر پھینک رہے تھے اور ایک جوان میرے پاس موجود تھا۔ جب میں تیر پھینکتا تو وہ مجھے تیر پکڑا دیتا یا میری کمان میں تیر ڈال دیتا اور وہ کہتا ارم دو مرتبہ کہا جب معرکہ ٹھنڈا ہو گیا تو اس شخص کے متعلق پوچھا تو کوئی بھی اس کو نہیں جانتا تھا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد میں دیکھا کہ دو سفید پوش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بہت شدت سے لڑ رہے تھے۔ اس طرح لڑتے ہوئے میں نے نہ کبھی پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ انہی کی دوسری روایت یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں جانب دو اشخاص کو دیکھا جو سفید پوش تھے نہ اس سے پہلے اتنا زیادہ کوئی لڑتا ہوا دیکھا نہ اس کے بعد وہ دونوں جبرئیل و میکائیل علیہما السلام تھے۔

شعبی کا بیان ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکوں کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "الن یکفیکم ان یمدکم" الی قولہ "مسومین" کرز کو شکست ملی اور وہ واپس لوٹ آیا۔ اس کی کسی نے مدد نہیں کی۔ بعض حضرات نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے بدر کے دن وعدہ کیا کہ اگر تم طاعت پر صبر کرو گے اور حرام کردہ اشیاء سے بچو گے تو اسی طرح تمام جنگوں میں تمہاری مدد کی جائے گی۔ انہوں نے صبر نہیں کیا مگر جنگ احزاب کے موقع پر جب بنو قریظہ اور بنو نضیر نے ان کا محاصرہ کیا تھا۔ عبداللہ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں کہ ہم بنی قریظہ اور بنو نضیر کا محاصرہ کیے رہے لیکن فتح حاصل نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی منگوا کر اپنا سر مبارک دھو رہے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آ کر عرض کیا کہ تم لوگوں نے ہتھیار کھول دیئے اور ملائکہ نے ابھی تک اپنا اسلحہ نہیں اتارا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ایک کپڑا منگوا کر سر سے لپیٹا سر نہیں دھویا، پھر ہم کو جمع کرنے کے لیے منادی کرائی، ہم فوراً تیار ہو گئے اور قریظہ و نضیر کی بستیوں پر جا پہنچے۔ اس روز تین ہزار ملائکہ نے ہماری مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آسانی سے فتح نصیب فرمائی۔

ضحاک اور عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ احد ہی کا دن تھا جس دن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ کیا تھا کہ ہم صبر کریں

گے اگر تم صبر نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد بھی نہ فرماتے۔ "أن یمدکم ربکم" امداد لشکر کی مدد کرنے کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو کسی کی طرف سے قوت اور امداد کے لیے آئے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "أمده امدادًا" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "والبحر یمده" بعض نے کہا کہ مُد خیر اور شر دونوں معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اس پر دلالت کرتا ہے "ویمدهم فی طغیانهم" ... "ونمد له من العذاب مدًا" یہاں دونوں جگہوں پر شر کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خیر کے لیے یہاں استعمال ہوا "انی ممدکم بالف من الملائکة منزلین" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وأمددناکم باموال وبنین" تیسری جگہ ارشاد فرمایا "بثلاثة الاف من الملائکة منزلین" ابن عامر نے زاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جو تکثیر پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے اس فرمان میں "ولو اننا نزّلنا الیهم الملائکة" اور دوسرے حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "لولا انزل علینا الملائکة" اور دوسری جگہ "وانزل جنودًا لم تروها" ہے۔ پھر فرمایا "بلٰی" بلکہ ہم تمہاری مدد کریں گے "ان تصبروا" اگر تم اس پر صبر کرو گے دشمن کی طرف سے پہنچنے والی ایذاء سے "وتتقوا" اپنے نبی کی مخالفت سے بچو "ویاتوکم" اس سے مراد مشرکین ہیں۔ "من فورهم هذا" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت قتادہ، حسن اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے وہ تم سے لڑنے آئیں گے۔ مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے غضب کی وجہ سے وہ آپ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے ضرور آئیں گے کہ ان مشرکین کو بدر کا غصہ ہے۔ "یمددکم ربکم بخمسة الاف من الملائکة" پانچ ہزار فرشتے آئے ہیں البتہ تین ہزار فرشتے آئے اور ان کے ساتھ پانچ ہزار کا وعدہ کیا۔

"مسومین" اس سے مراد نشان زدہ ہوتا ہے۔

مسومین کی مختلف قرأتیں اور تفاسیر

ابن کثیر ابو عمرو اور عاصم نے واؤ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے حضرات نے واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جو حضرات کسرہ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو نشان زدہ کر دیا اور جو حضرات فتحہ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں انہوں نے اپنے آپ کو نشان زدہ کر دیا۔ تسویم کا معنی ہے نشاندار ہونا اور سومۃ علامت کو کہتے ہیں۔ اس علامت میں آئمہ کے مختلف قول ہیں۔ عروہ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ "ملائکہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے عمامے زرد تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ان کے عمامے سفید تھے جن کی دُمیں دونوں شانوں کے درمیان انہوں نے چھوڑ رکھی تھیں۔

ہشام بن عروہ اور کلبی نے کہا کہ ان کے عمامے زرد تھے جو شانوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ نے کہا فرشتوں نے (اپنے) گھوڑوں کی پیشانیوں اور دُموں میں اون کا نشان لگا دیا تھا۔ روایت کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم اپنا نشان لگالو کیونکہ ملائکہ نے سفید اون کے نشان اپنی ٹوپیوں اور خودوں میں لگالیے ہیں۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝ لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْ یَكْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآىٕبِیْنَ ۝ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی کہ تمہارے لئے (اس کی) بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو (اضطراب سے) قرار ہو جائے اور نصرت (واقع میں) صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں حکیم بھی ہیں تاکہ کفار میں سے ایک گروہ کو (جان سے) ہلاک کر دے یا ان کو ذلیل وخوار کر دے پھر وہ ناکام لوٹ جاویں آپ کو (خود) کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان پر یا تو (رحمت سے) متوجہ ہو جاویں۔ اور یا ان کو (دنیا ہی میں) کوئی سزا دیں کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں۔

تفسیر: ۞ "وما جعله اللّٰه" یہ وعدہ اور مدد اس لیے کی "الا بشریٰ لکم" تاکہ تمہارے لیے خوشخبری ہو "ولتطمئن" اور تم مطمئن ہو سکون قلب حاصل ہو۔ "قلوبکم به" تمہارے دلوں میں خوف نہ ہو دشمنوں کی تعداد کی زیادتی اور اپنی تعداد کی کمی کی وجہ سے۔

"وما النصر الا من عند اللّٰه العزیز الحکیم" فتح تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ ملائکہ کی کثرت اور کثیر لشکر وساز و سامان سے۔ لہٰذا تم اسی سے مدد طلب کرو اور اسی پر توکل اختیار کرو اس لیے کہ عزت اور حکومت اسی کی طرف سے ہے۔

۞ "لیقطع طرفا من الذین کفروا" اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی تاکہ کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کر دے۔ سدی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدد اس لیے کی تاکہ شرک کے ستونوں میں سے ایک رُکن کو مٹا دیں ان کے قتل اور قید کرنے کے ذریعے۔ چنانچہ بدر میں کافروں کے ستر کمانڈر اور سردار مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور جنہوں نے اس آیت کو احد کے ساتھ متعلق کیا ہے۔ اس نے کہا کہ احد میں کافروں کے سولہ سردار مارے گئے تھے اور شروع میں فتح مسلمانوں کو ہوئی تھی لیکن جب انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی تو فتح شکست کی صورت میں بدل گئی۔ "او یکبتھم" کلبی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے پچھاڑ دینا۔ یمان فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ ان کے چہرے کو پھیر دیا۔ سدی فرماتے ہیں کہ ان پر لعنت فرمائی ہے۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ معنی ہے ہلاک کیا۔ بعض نے کہا رسوا کرنا سکوت بھی اسی سے ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کو غم لاحق کیا اور ان کو غصہ کے ساتھ لوٹا دیا۔ بعض نے کہا کہ ذلیل کر کے لوٹا دیا۔ "فینقلبوا خائبین" جس اُمید پر وہ آئے تھے اس اُمید کے بغیر وہ واپس لوٹ گئے (یعنی ناکامی اور نامرادی کو لے کر)

۞ "لیس لک من الامر شیءٌ"

لیس لک من الامر شیء کا شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت کا نزول "بئر معونہ" کے صحابہ پر ہوا اور وہ ستر قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد سے چار ماہ بعد ۴ ہجری صفر کے ماہ میں ستر قراء کو ان کی طرف بھیجا تا کہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے امیر منذر بن عمرو تھے مگر عامر بن طفیل نے ان سب قراء کو شہید کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت رنج اور دُکھ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک ان قبائل والوں کے لیے بددُعا کرتے رہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لیس لک من الامر شیء"

سالم اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب آپ علیہ السلام فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اُٹھاتے تھے تو یہ فرماتے "اللّٰھم العن فلانا، فلانا، فلانا" کہ اے اللہ فلاں، فلاں، فلاں پر لعنت فرما۔ یہ "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہنے کے بعد ارشاد فرماتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون" اور ایک قوم نے کہا کہ یہ احد کے دن کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رباعیہ دانت شہید ہوئے اور سر مبارک میں زخم پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہہ رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے کہ وہ قوم کیسے فلاح و کامیاب ہوگی جو اپنے نبی کو زخمی کریں اور دانت کو زخمی کر دے اور اللہ تعالیٰ سے بددُعا فرما رہے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی "لیس لک من الامر شیء"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن ارشاد فرمایا اے اللہ! لعنت فرما حارث بن ہشام پر، اے اللہ! لعنت فرما صفوان بن اُمیہ پر، اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ اسلام لے آئے اور ان کا اسلام بہت ہی اچھا تھا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے دیکھا کہ کافروں نے مسلمانوں کے ناک، کان اور آلات تناسل کاٹ کر سب کو مثلہ بنا دیا تو کہنے لگے اگر اللہ نے ہم کو ان پر غلبہ عنایت کیا تو جیسا انہوں نے کیا ہے ہم بھی ایسا ہی کریں گے اور اسی طرح مثلہ بنائیں گے کہ کسی عرب نے کسی کے ساتھ ایسا نہ کیا ہوگا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مکمل استیصال (جڑ سے اکھاڑ دینے) کا ارادہ کر لیا تھا اور ان کے تباہ ہو جانے کی بددعا دینے کا ارادہ کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ رب تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔
"لیس لک من الامر" کا معنی ہے "لیس الیک" آپ کی طرف اس کا کوئی اختیار نہیں۔ جیسے اس آیت میں "ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان" اس سے مراد الی الایمان ہے۔ "او یتوب علیھم" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے جب تک وہ

توبہ نہ کریں او یا تو حتیٰ کے معنی میں ہے یا الا کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہوگا ان لوگوں کو عذاب دینا یا نہ دینا کوئی بات آپ کے اختیار میں نہیں یہاں تک کہ اللہ مسلمان ہونے کی وجہ سے یا ان پر رحم فرمائے گا اور تم کو اس پر خوشی ہوگی یا ان کو عذاب دے گا اور اس سے تم کو تسکین حاصل ہوگی۔ "لیقطع طرفاً" اور "ولیس لک من الامر شیٔ" یہ دونوں جملوں کے درمیان کلمہ معترضہ ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور سب کو چاہیں بخش دیں (یعنی اسلام نصیب کر دیں جس سے مغفرت ہوتی ہے) اور جس کو چاہیں عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے (اور) بڑی رحمت کرنے والے ہیں اے ایمان والو! سود مت کھاؤ (یعنی نہ لو اصل سے) کئی حصے زائد (کر کے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ

تفسیر: ﴿۱۲۹﴾ "وللہ مافی السمٰوات ..... واللہ غفور رحیم"

﴿۱۳۰﴾ ..... "یا یہا الذین اٰمنوا ..... مضاعفۃ" یہ اس وجہ سے ایسا کرتے تھے کہ ہماری زندگی طویل ہے اور قرض کے مال کی زیادتی ہو اور اس کی ادائیگی میں خوب تاخیر ہو۔ "واتقوا اللہ" سود کھانے سے ڈرو۔ "لعلکم تفلحون"

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: اور اس آگ سے ڈرو جو (اصل) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ کا اور رسول کا امید ہے کہ تم رحم کیے جاؤ گے (قیامت میں) اور دوڑو طرف مغفرت کے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے (نصیب) ہو اور طرف جنت کی جس کی وسعت ایسی (تو) ہے (ہی) جیسے سب آسمان اور زمین وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے (نہیں اعلیٰ درجہ کے مسلمان) ایسے لوگ (ہیں) جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں (بھی) اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں (کی تقصیرات) سے درگزر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

تفسیر: ﴿۱۳۱﴾ "واتقوا النار التی اعدت للکافرین" پھر اللہ تعالیٰ ان کو خوف دلاتا ہے اور فرماتا ہے۔

﴿۱۳۲﴾ "واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون" تاکہ تم رحم کرو۔

﴿۱۳۳﴾ "وسارعوا" قراء اہل شام و مدینہ والوں نے "سارع" بغیر واؤ کے پڑھا ہے "الیٰ مغفرۃ من ربکم" اپنے اعمال میں سبقت کرو اور آگے بڑھو جو مغفرت کو واجب کرنے والا اعمال ہوں۔

سابقوا الی مغفرة کی مختلف تفاسیر

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اسلام لانے میں سبقت کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ توبہ کی طرف سبقت کرو۔ یہی عکرمہ کا قول ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فرائض کے ادا کرنے میں سبقت کرو۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں ہجرت کی طرف سبقت کرو۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ جہاد کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرو۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرو۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تکبیر اولیٰ کی طرف سبقت کرو۔ "وجنة" اور باغ کی طرف۔ "عرضها السماوات والارض" اس کی چوڑائی آسمان و زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ جیسا کہ سورۃ حدید میں مذکور ہے۔ "وجنة عرضها کعرض السماء والارض" ایسی جنت جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے۔ یعنی اس میں وہ سما سکتی ہے۔ یہاں پر طول کو ذکر نہیں کیا بلکہ چوڑائی کو ذکر کیا مبالغہ کے طور پر کیونکہ ہر چیز کی لمبائی ہوتی ہے یہاں پر عرض کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا کہ جب عرض کا یہ حال ہے تو طول کا کیا حال ہوگا۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ یہاں عرض کو ذکر کیا اس کی لمبائی صرف اللہ ہی جانتا ہے یہ ایک مثال ذکر فرمائی ہے نہ کہ واقعتاً وہ آسمان و زمین کے برابر ہوگا جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

"کعرض السمٰوات والارضین السبع عند ظنکم" (عوام کے خیال میں سب سے زیادہ وسیع آسمان و زمین ہے اس لیے آیت مبارکہ میں آسمان و زمین کی وسعت سے جنت کی وسعت کو تشبیہ دے کر بیان کیا جس طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "خالدین فیها ما دامت السمٰوٰت والارض" میں جنت کے اندر دوام مخلوق کو بقاء ارض و سماء کی مدت سے تشبیہ دی۔ یہ انسانوں کے خیال کے مطابق تشبیہ دی حالانکہ زمین و آسمان دونوں فنا ہونے والے ہیں، ہمیشہ قائم نہیں رہیں گے۔

طارق شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ یہود کے کچھ لوگوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ کیا تم اس آیت کو نہیں دیکھتے "وَجَنَّةٍ عرضها السمٰوٰت والارض" آگ کہاں ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیا تمہارے پاس جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے؟ اور جب دن آتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے؟ وہ کہنے لگے یہ مثال تو تورات میں بھی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ چاہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وفی السماء رزقکم وما توعدون" اور آسمان میں تمہارے لیے رزق ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا۔ اگر جنت آسمان میں ہے تو پھر اس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ جنت میں ایک دروازے کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ جنت آسمان میں ہے یا زمین میں ہے؟ فرمایا کس زمین و آسمان میں جنت کی سمائی ہو سکتی ہے۔ دریافت کیا گیا پھر کہاں ہے؟ فرمایا ساتوں آسمانوں کے اوپر اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ قتادہ

فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ خیال کرتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ ''اعدت للمتقین''

⊛ ''الذین ینفقون فی السراء والضراء'' آسانی اور تنگی میں۔ مؤمنین کے پہلے اوصاف جو جنت کو واجب کردیتے ہیں وہ سخاوت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سخی اللہ کے قریب ہے جنت کے قریب ہے لوگوں کے قریب ہے اور آگ سے بعید ہے اور بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور، آگ کے قریب ہے اور جاہل سخی اللہ کے ہاں محبوب ہے عابد بخیل سے۔ ''والکاظمین الغیظ'' بھر بھر کر غصہ آنے کے باوجود اپنے نفس کو روکنے والا کظم کہا جاتا ہے کسی چیز کو روکنا اس کے بھرپور ہونے کے بعد ''کظم الغیظ'' کہا جاتا ہے غصہ کی وجہ سے انسان کو بھرپور ہو جانا پھر اس کو روک لینا اور اس کو ظاہر نہ کرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''اذ القلوب لدی الحناجر کاظمین'' اس آنے والے دن سے جس وقت کلیجے دل کو پہنچیں گے۔

معاذ بن انس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے غصہ کو قابو میں رکھے گا حالانکہ وہ غصہ نکالنے پر اس کو قدرت حاصل تھی کہ وہ اپنے غصہ کو نافذ کردے (لیکن اس نے نافذ نہیں کیا) اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سب مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے لے لے۔ ''والعافین عن الناس'' کلبی فرماتے ہیں کہ اپنے غلاموں سے بے ادبی کرنے کی وجہ سے درگزر فرمانا۔ زید بن اسلم اور مقاتل فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے درگزر کرے جس نے ان کے ساتھ ظلم کیا اور ان کے ساتھ برا کیا۔ ''واللہ یحب المحسنین'' سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرنا جبکہ احسان کے بدلے میں احسان کرنا تجارت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ⊛

ترجمہ: اور (بعضے) ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں (دوسروں پر) زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو (معاً) اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔ اور (واقعی) اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور (وہ لوگ) اپنے فعل (بد) پر اصرار (اور ہٹ) نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں۔

والذین اذا فعلوا فاحشة کا شان نزول

تفسیر ⊛ ''والذین اذا فعلوا فاحشة'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مؤمنین مسلمین نے کہا کہ اے اللہ کے رسول

ہم سے بنی اسرائیل ہی اللہ کی نظر میں زیادہ عزت والے تھے۔ ان میں سے اگر کوئی رات کو گناہ کر لیتا تو وہ گناہ صبح کو اس کے دروازے کی چوکھٹ پر اس کا کفارہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ اپنا ناک یا کان کاٹ ڈال یا ایسا کرلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہوگئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہ آیت تیہان تمار کے متعلق نازل ہوئی جس کی کنیت ابو معبد تھی۔ اس کے پاس ایک خوبصورت عورت آئی، یہ شخص کھجوروں کا کاروبار کرتا تھا۔ اس عورت کو صحابی نے کہا کہ اندر کمرے میں جید کھجوریں پڑی ہیں۔ چنانچہ اس عورت کو لے کر وہ اپنے گھر گئے اور ان کو اپنے ساتھ چمٹالیا اور بوسا دیا۔ عورت نے کہا اللہ سے ڈر، تیہان نے فوراً اس کو چھوڑ دیا اور اس حرکت پر پشیمان ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کر دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ ان میں سے ایک انصاری تھا اور دوسرا ثقیف کا تھا۔ ثقفی ایک مرتبہ جہاد پر گیا اور انصاری کو اپنے گھر کا نگران بنالیا۔ ایک روز انصاری نے ثقفی کے گھر والوں کے لیے گوشت خریدا اور ثقفی کی بیوی نے جب انصاری سے گوشت لینا چاہا تو وہ عورت کے پیچھے پیچھے گھر آ گیا اور اس کے ہاتھ کو چوم لیا، پھر اس کو پشیمانی ہوئی اور واپس لوٹ آیا مگر خاک سر پر اڑاتا ہوا سرگرداں ہوکر جنگل کی طرف نکل گیا۔ ثقفی جب لوٹ کر آیا اور انصاری استقبال کے لیے نہیں آیا تو اس نے اپنی بیوی سے انصاری کا حال پوچھا۔ عورت نے کہا ایسے بھائیوں کی تعداد خدا زیادہ نہ کرے اور پوری حالت بیان کر دی۔ اُدھر انصاری پہاڑوں اور جنگل میں گھومتا تو بہ واستغفار کرتا پھر رہا تھا۔ ثقفی نے ان کی تلاش کی اور جب مل گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا تاکہ کوئی سکون اور کشائش کا راستہ آپ کے پاس مل جائے۔ انصاری نے قصہ عرض کر دیا اور کہا کہ میں تباہ ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرا برا ہو، کیا تجھے معلوم نہیں کہ غازی کے سلسلے میں اللہ اتنی حمیت رکھتا ہے اتنی مقیم کے لیے نہیں رکھتا۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے مگر آپ نے بھی شیخین جیسا جواب دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "والذین اذا فعلوا فاحشۃ" ایسی برائی جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والی ہو۔ فحش کا اصل قبح ہے اور حدود سے نکلنا جابر نے فرمایا کہ فاحشہ سے مراد زنا ہے۔

"او ظلموا انفسهم" ظلم سے مراد زنا سے کم والا گناہ۔ بوسہ معانقہ، دیکھنا اور چھونا ہے۔ مقاتل اور کلبی کہتے ہیں کہ فاحشہ زنا سے کم درجہ کا گناہ ہے۔ بوسہ دینا یا چھونا یا اس کو دیکھنا یا ایسا فعل جو اس کے لیے حلال نہیں یا انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا نافرمانی کر کے۔

بعض نے کہا کہ کبائر کا ارتکاب کیا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا چھوٹے گناہ کر کے۔ بعض نے کہا کہ انہوں نے فاحشہ کا ارتکاب کیا قولاً اور اپنی جانوں پر ظلم کیا عملاً۔ "ذکروا اللہ" یاد کرو اللہ کی وعید کو کہ اللہ ان سے ضرور پوچھے گا۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ گناہ کے وقت اللہ کا ذکر زبان سے کرو۔ "فاستغفروا لذنوبهم ومن يغفر الذنوب الا الله" یا اللہ کے علاوہ کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ "ولم يصروا على ما فعلوا" اپنے گناہوں پر قائم نہ رہو اور نہ ہی ان پر ڈٹے رہو بلکہ توبہ،

اللہ کی طرف رجوع اور استغفار کرو۔ اصرار کا معنی ہے کسی چیز کا ثابت قدم رہنا۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ بندہ جان کر گناہ کرلے اور اس پر اصرار بھی کرے تو وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوگا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصرار خاموشی اور استغفار کو ترک کرنا ہے۔

واقد عمری ابی نصیرہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں مولی ابی بکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ نے اس بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے استغفار کیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ دن میں لوٹ لوٹ کر ستر بار گناہ کیا ہو۔

"وھم یعلمون" ابن عباس، حسن، مقاتل، کلبی فرماتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ گناہ کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ جانتے ہیں کہ گناہوں پر اصرار نقصان دہ ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ گناہوں کو بخشنے کا مالک ہے۔ حسن بن فضل فرماتے ہیں وہ اس امر کو جانتے ہیں کہ ان کا ایک رب ہے جو گناہ معاف فرماتا ہے۔

بعض نے کہا کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے عفو سے بڑے نہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ جانتے ہیں کہ اگر وہ استغفار طلب کریں تو ان کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۞ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۞ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۞

ترجمہ: ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور (بہشت کے) ایسے باغ ہیں کہ ان کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی یہ ہمیشہ (ہمیشہ) ان ہی میں رہیں گے اور (یہ) اچھا حق الخدمت ہے ان کام کرنے والوں کا۔ بالتحقیق تم سے قبل مختلف طرق کے (لوگ) گزر چکے ہیں۔ تو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھ لو کہ اخیر انجام تکذیب کرنے والوں کا کیا ہوا۔ یہ بیان کافی ہے تمام لوگوں کے لئے اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔

تفسیر: ۞ "اولئک جزاؤھم ...... ونعم اجر العاملین" سے مراد اطاعت گزار بندے ہیں۔ اسماء بن حکم فزاری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں جب کسی انسان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے متعلق سنتا جس سے اللہ چاہتا مجھ کو نفع دیتا تو وہ مجھ کو نفع دیتا اور جب صحابہ میں سے کوئی میرے سامنے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم اٹھواتا۔ جب وہ قسم اٹھالیتا تو میں اس کی تصدیق کرلیتا۔ مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی بندہ مومن گناہ کرتا ہے پھر وہ اچھی طرح طہارت حاصل کرتا ہے۔ پھر نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، پھر وہ اللہ سے استغفار طلب

کرتا ہے تو اللہ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابو عیسیٰ نے قتیبہ سے اور انہوں نے ابو عوانہ سے اور زیادہ کیا پھر پڑھا "والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا أنفسهم"

عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی بندے نے گناہ کیا اور کہا اے میرے رب! مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے تو اسے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور پکڑ بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، کچھ دنوں کے بعد اس شخص نے پھر ایک گناہ کیا اور عرض کیا پروردگار مجھ سے ایک اور گناہ ہو گیا تو معاف کر دے۔ اللہ نے فرمایا میرا بندہ واقف ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور گرفت بھی کر لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخش دیا، کچھ وقت کے بعد بندہ نے ایک اور گناہ کیا اور عرض کیا پروردگار تو معاف فرما دے اللہ نے فرمایا میرا بندہ سمجھتا ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گرفت بھی کر لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخشا اب وہ جو کچھ چاہے کرے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ابن آدم! بے شک میں نے تجھے بخش دیا جو تو نے مجھ سے مانگا اور جو تو نے مجھ سے اُمید کی۔ اے ابن آدم! اگر تو مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ تیرے گناہ زمین بھرنے کے برابر ہوں تو میں تجھ سے اس حال میں ملوں گا کہ تیرے سارے گناہ معاف کر دوں گا اس شرط پر کہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔ اے ابن آدم اگر تو گناہ کرے یہاں تک کہ تمہارے گناہ آسمان کے کناروں کے برابر بھی ہوں تو تم مجھ سے گناہ کی بخشش مانگو تو میں تمہارے گناہ معاف کر دوں گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے مغفرت معاصی پر قادر جانتا ہے۔ میں اس کو بخش دیتا ہوں اور اس کے گناہوں کی کثرت کی پرواہ نہیں کرتا جب کہ اس نے کسی کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا ہو۔ ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابلیس رونے لگا۔ "والذین اذا فعلوا فاحشۃ" آخر آیت تک۔

⑰ **قد خلت من قبلکم سنن** "عطاء سے مراد شرائع اسلام ہیں۔ کلبی فرماتے ہیں کہ ہر قوم کے لیے اللہ کی طرف سے ایک طریقہ اور راستہ رہا ہے جن لوگوں نے اس کو مانا اور اس پر چلے اللہ ان سے راضی ہوا۔ مجاہد نے کہا کہ تم سے پہلے بھی قومیں ہلاک ہوئیں جنہوں نے تم سے پہلے انبیاء کی تکذیب کی۔ بعض نے کہا کہ سنن سے مراد اُمتیں ہیں اور سنت سے مراد اُمت ہے۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے

ماعاین الناس من فضل کفضلکم ولا رأو امثلکم فی سالف السنن

لوگوں نے ان کے فضل جیسا کوئی فضل اور ان کی طرح کوئی قوم گزشتہ اقوام میں نہیں دیکھی۔ بعض نے کہا کہ سنن سے مراد اہل سنن ہیں۔ سنت اس طریقہ کو کہا جاتا ہے جو خیر یا شر کی پیروی کرے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اور برا طریقہ ایجاد کیا۔ جب کوئی شخص ایسا عمل کرے گا جس سے اس کی اقتداء یعنی پیروی کی جائے خیر ہو یا شر۔ آیت کا معنی یہ ہو گا

کہ تم سے پہلے خیر و شر کے بہت طریقے یا بہت طریقوں والے گزر گئے تم ملک میں چل پھر کر دیکھ لو کہ تکذیب خیر کا نتیجہ کیسے ہوا اور جھٹلانے والوں کا انجام کیسے ہوا۔ "فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین" ان جھٹلانے والوں کو عنقریب بلند دیں گے اور یہ جلد جنگ اُحد میں ہوا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ہم ان کو مہلت دیتے ہیں تاکہ یہ اپنے انجام کار تک پہنچ جائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ہو اور ان کے مددگاروں کی اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرنے کی صورت میں۔

● "ھذا" یہ قرآن "بیان للناس" تمام لوگوں کے لیے "وھدی" گمراہی سے ہدایت ہے "وموعظة للمتقین" خاص طور پر پرہیزگاروں کے لیے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ● إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ●

ترجمہ اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور (آخر) کو غالب تم ہی رہو گے۔ اگر تم پورے مومن رہے۔ اگر تم کو زخم (صدمہ) پہنچ جاوے (جیسا احد میں ہوا) تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔ اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں اور (دوسری حکمت یہ ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں۔ اور تیسری حکمت یہ ہے کہ) تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔

تفسیر ● "ولا تھنوا ولا تحزنوا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد پر ابھارنا مقصود ہے اور صبر کی تعلیم دینا ہے کہ اُحد کے دن جو آپ کو مصائب اور تکالیف پہنچیں ان پر صبر کریں۔ "ولا تھنوا" کا مطلب یہ ہے کہ تم کمزور مت ہو اپنے دشمنوں سے جہاد کرنے میں بزدل مت ہو جو مصیبت تم کو پہنچی ہے اس کے بدلے میں اُحد کی لڑائی میں پانچ مہاجر حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر اور ستر انصاری (رضی اللہ عنہم) شہید ہوئے۔ "ولا تحزنوا" اور جو تم سے چھن گیا اس پر غمگین نہ ہوں۔ "وانتم الاعلون" تمہیں بلندی عطا کی جائے گی مدد و نصرت کے ساتھ اور اپنے دشمنوں پر کامیابی کے ساتھ۔ "ان کنتم مؤمنین" اس لیے کہ تم ایمان والے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ گھاٹی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شکست ہوگئی۔ خالد بن ولید مشرکوں کا سوار دستہ ساتھ لے کر یہاں سے چڑھ کر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی، اے اللہ! یہ ہمارے اوپر نہ آئیں ہم کو تیرے سوا کسی اور کو قوت حاصل نہیں۔ مسلمان تیر اندازوں کی ایک جماعت پہاڑ پر چڑھ گئی تھی اور انہوں نے رات وہیں گزاری تھی۔ اس گروہ نے مشرکوں کی فوج کو تیروں کا نشانہ بنایا اور ان کو شکست دی۔ "وانتم الاعلون" کا مصداق یہی ہے۔

کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کو زخمی ہونے کی تکلیف ہوئی لیکن باجود زخمی ہو جانے کے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کو دشمن کے پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم مسلمانوں پر گراں گزرا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس پر اللہ کا یہ فرمان دلیل ہے "ولا تهنوا فی ابتغاء القوم"

⓭ "ان یمسسکم قرح" حمزہ اور کسائی اور ابوبکر نے قاف کے ضمہ کے ساتھ "قُرح" پڑھا ہے یعنی "حیث جاء" کے ہے۔ یعنی جہاں سے بھی آئے اور دوسرے قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے دونوں کا معنی ایک ہی ہے جیسا کہ "الجُهد" اور "الجَهد" ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ایک ہی معنی ہے۔ فراء فرماتے ہیں کہ اگر قاف کے فتحہ کے ساتھ ہو تو یہ زخم کا نام ہے اور اگر ضمہ کے ساتھ زخم کے درد کو کہتے ہیں۔ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے جب وہ غزوہ اُحد سے شکستہ دل اور غمگین ہو کر لوٹے۔ اللہ تعالیٰ اس پر فرماتے ہیں "ان یمسسکم قرح" اس سے مراد اُحد کا دن ہے۔ "فقد مس القوم قرح مثله" اس سے پہلے تمہیں بدر میں وہ زخم پہنچ چکے تھے "وتلک الایام نداولها بین الناس" کبھی یہ جیت کے دن ان کے ہوتے ہیں اور کبھی یہ جیت کے دن تمہارے ہوتے ہیں۔ بدر کے دن مسلمانوں نے مشرکوں کے ستر قید کیے اور ستر قتل کیے۔ جنگ اُحد میں مشرکین نے مسلمانوں کے پچھتر شہید اور ستر کے قریب کو زخمی کر کے بدلہ لیا۔

جنگ احد میں مسلمانوں کا امتحان

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ ہمیں بیان کر رہے تھے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس پیادوں کا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو سردار بنا کر حکم دے دیا تھا اور فرمایا تھا اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو جھپٹ کر لے جا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا جب تک میرا پیغام تمہارے پاس نہ پہنچ جائے اور اگر دیکھو کہ ہم نے دشمن کو بھگا دیا اور روند دیا تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا تاوقتیکہ میں تمہارے پاس پیغام نہ بھیج دوں۔ راوی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں نے تو دیکھا کہ عورتیں ٹانگوں سے کپڑے اُٹھائے تیزی سے بھاگ رہی تھیں اور ان کی پازیبیں اور پنڈلیاں کھل گئی ہیں یہ دیکھ کر عبداللہ بن جبیر کے ساتھی بولے لوگو! تمہارے ساتھی غالب آ گئے تم کس کا انتظار کر رہے ہو، چلو مال غنیمت حاصل کریں۔ عبداللہ بن جبیر نے کہا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھول گئے۔ کہنے لگے خدا کی قسم! ہم تو ضرور ان کے پاس پہنچ کر مال غنیمت حاصل کریں گے۔ چنانچہ جونہی یہ لوگ کافروں پر پہنچے تو ان کے رُخ پھر گئے اور یہ شکست کھا کر بھاگے۔

(اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی صف میں کھڑے تم کو پلٹ کر آنے کے لیے پکار رہے تھے) یہی فرمان باری ہے "والرسول یدعوکم فی اخراکم" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ مشرکین نے ستر مسلمانوں کو شہید کر دیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بدر کے دن ستر مشرکوں کو قتل کیا اور ستر کو قید کر لیا تھا۔ ابوسفیان نے کہا کہ تمہاری قوم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں تین مرتبہ پکار کر کہا کیا تمہارے ساتھ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ موجود ہیں تین مرتبہ کہا پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور کہنے لگا سب مارے گئے۔ یہ سن کر حضرت

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا اور پکار کر کہنے لگے اے دشمن خدا، خدا کی قسم تو جھوٹا ہے جن کے تو نے نام لیے ہیں وہ سب زندہ ہیں اور تمہیں رسوا کرنے والا کا نا موجود ہے۔ پھر وہ کہنے لگا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہوگیا۔ لڑائی ڈول کی مانند ہے مقتولین میں تم کو کچھ لوگ مثلہ ملیں گے (جن کے ناک، کان اور دوسرے اعضاء ستر کاٹے گئے) لیکن میں نے اس کا حکم نہیں دیا تاہم مجھے یہ برا بھی معلوم نہیں ہوا پھر اس کے بعد وہ جنگی گانے بولنے لگا۔ ھبل کی جے، ھبل کی جے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟ وہ فرمانے لگے اے اللہ کے رسول میں کیا کہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو "اللہ اعلیٰ واجل" وہ کہنے لگا "ان لنا العزی ولا عزی لکم" کہ ہمارا عزی ہے اور تمہارا کوئی عزی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟ وہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو "اللہ مولانا ولا مولی لکم" کہ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ابوسفیان نے کہا کہ یہ دن اس دن کے مقابلے میں ہوگیا اور ایسے ایام ڈھول کی مانند ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ہمارے برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمارے مقتولین جنت میں اور تمہارے مقتولین جہنم میں جائیں گے۔ زجاج فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا غلبہ تو ہوتا ہی ہے کیونکہ اللہ نے فرمادیا ہے "وان جندنا لھم الغالبون" کہ ہمارے گروہ ان پر ہمیشہ غالب ہی رہیں گے باقی جنگ احد کے دن جو عارضی شکست ہوئی وہ مسلمانوں نے فرمان نبوی کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ہوئی۔ "ولیعلم اللہ الذین آمنوا ویتخذ منکم شھداء" یہ آزمائش اس وجہ سے ہوئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ مخلص مومن کون ہیں اور منافق کون ہیں۔ شہداء یہ قوم کی عزت کی وجہ سے ہے۔ "واللہ لا یحب الظالمین"

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: اور تاکہ (گناہوں کے) میل کچیل سے صاف کردے ایمان والوں کو اور مٹادے کافروں کو ہاں (اور سنو) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہوگے۔ حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (خوب) جہاد کیا ہو اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہوں اور تم تو (شہید ہوکر) مرنے کی (بڑی تمنا کررہے تھے موت کے سامنے آنے کے پہلے سے سو (تمنا کے بعد) اس (کے سامان) کو کھلی آنکھوں دیکھ لیا تھا (پھر کیوں بھاگنے لگے)

تفسیر: ﴿۱۴۱﴾ "ولیمحص اللہ الذین امنوا" تاکہ وہ تمہیں گناہوں سے پاک صاف کردے۔ "ویمحق الکافرین" تاکہ

کافروں کو فناء کردے ہلاک کردے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافر تمہیں قتل کرتے ہیں تو اس میں تمہارا اعزاز ہے کہ تمہیں شہادت کا رتبہ دے کر گناہوں سے تلافی ہوگی اور اگر تم کافروں پر غلبہ پاؤ گے تو کافروں کو مٹانے اور ان کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

⓬ "ام حسبتم" استفہام انکاری ہے ام منقطعہ ہے کہ کیا تم گمان کرتے ہو۔ "ان تدخلوا الجنة ولما یعلم اللّٰہ" "ولمّا" بمعنی "لَمْ" کے ہے۔ یعنی اللہ نے تمہارے مجاہدوں کا امتیاز ابھی تک نہیں کیا۔ "الذین جاهدوا منکم ویعلم الصابرین"

⓭ "ولقد کنتم تمنّون الموت من قبل أن تلقوه" مسلمانوں میں سے بعض لوگ اس کی تمنا کرتے تھے کہ بدر کے دنوں کی طرح کوئی دن آئے تاکہ ہم قتال کریں اور ہم شہادت کا رُتبہ حاصل کریں۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اُحد کا دن دیا۔ "تمنّون الموت" موت کے سبب کی تمنا کر رہے تھے اور وہ ہے جہاد کرنا موت سے پہلے۔ "فقد رأیتموہ" یعنی تم اس کے اسباب دیکھ لو "وانتم تنظرون" اگر یہ کہا جائے کہ اس فرمان کا کیا معنی ہے کہ پہلے "فقد رأیتموہ" فرمایا پھر اس کے بعد "وانتم تنظرون" فرمایا حالانکہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے، دونوں کا ذکر تاکید کے طور پر ہے۔ پہلے "رأیتموہ" سے مراد جاننا جبکہ "تنظرون" کا مطلب یہ ہے کہ تم آنکھوں سے دیکھ کر جان لوگے جسے "عین الیقین" کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ "وانتم تنظرون" کا مطلب ہے کہ جب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لوگے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ⓮

ترجمہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جاویں تو کیا تم لوگ (جہاد یا اسلام سے) الٹے پھر جاؤ گے۔ اور جو شخص الٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا (بلکہ اپنا ہی کچھ کردے گا) اور خدا تعالیٰ جلدی ہی (نیک) عوض دے گا حق شناس لوگوں کو۔

جنگِ اُحد کا واقعہ

تفسیر اہل مغازی نے بیان کیا ہے کہ اُحد کی گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی جمعیت کے ساتھ اُترے اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو (پچاس) پیادوں کا سردار بنا کر گھاٹی پر مقرر فرما دیا۔ جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی سابق روایت میں گزر چکا ہے۔ اب قریش آئے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کمانڈر تھے۔ عورتیں ان کے ساتھ تھیں جو دف بجا بجا کر شعر گا رہی تھیں۔ گھمسان کا رن پڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا یہ تلوار لے کر کون اس کا حق ادا کرے گا کہ دشمن کو مارے اور خوب خون بہائے۔ ابو دجانہ سماک بن خرشہ انصاری نے وہ تلوار لے لی اور لے کر سرخ عمامہ باندھ کر اِٹھلا کر چلنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چال اللہ کو ناپسند ضرور ہے

مگر اس موقع پر درست ہے مشرکوں کے سرداروں کو ابو دجانہ نے اس تلوار سے قتل کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے مشرکوں پر حملہ کیا اور ان کو مار بھگایا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عنایت کی اور اپنا وعدہ پورا کیا۔ مسلمانوں نے کافروں کو تلوار سے کاٹ کر رکھ دیا یا میدان جنگ سے ان کو بھگا دیا اور خوب قتل کیا۔

مشرکوں کے سواروں نے مسلمانوں پر تین بار حملہ کیا لیکن ہر بار ان پر تیروں کی بوچھاڑ کی گئی اور ان کو پسپا ہونا پڑا۔ تیرانداز مسلمانوں کی پشت کی حفاظت کر رہے تھے اور مشرکوں کے سواروں کو تیروں کا نشانہ بنا رہے تھے ہر تیر یا گھوڑے کے لگتا تھا یا آدمی کے۔ آخر کار سب پشت دے کر بھاگے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مشرکوں کے علمبردار طلحہ بن طلحہ کو قتل کر دیا اور مسلمان تکبیر کہہ کر کافروں کو خوب ہی مارنے لگے۔ نتیجہ میں کافروں کی صفیں پراگندہ ہو گئیں۔ حضرت زبیر بن عوام نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ہندہ اور اس کے ساتھ والیاں بھاگتی ہوئی تیزی کے ساتھ پہاڑ پر جا رہی تھیں۔ ان کی پازیبیں (یعنی پنڈلیاں) کھلی ہوئی تھیں ان کی گرفتاری سے کوئی مانع نہ تھا جب حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ والے تیراندازوں نے دیکھا کہ دشمن پر سے چھٹ گئے تو لوٹنے کے لیے یہ بھی میدان جنگ کی طرف چل دیئے جیسا کہ حضرت براء کی سابق حدیث سے واضح ہو چکا ہے۔

تیراندازوں کے کمانڈر یعنی حضرت عبداللہ کے ساتھ دس سے کم آدمی رہ گئے۔ خالد بن ولید نے جب پہاڑ کی طرف نگاہ کی اور پہاڑ کے محافظ کم نظر آئے اور مسلمانوں کو لوٹ میں مشغول پایا اور ان کی پشت خالی دکھائی دی تو کافروں کے سواروں کو چیخ کر آواز دی اور مسلمانوں کے پیچھے آ کر حملہ کیا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی خالد کے پیچھے سے آگئے آخر مسلمانوں کو کافروں نے بھگا دیا اور قتل کیا۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ ڈٹے رہے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ کافروں نے آپ کے کپڑے اتار لیے اور بہت بری طرح سے مثلہ کیا۔ جب مسلمان لوٹ کھسوٹ میں مشغول تھے اسی وقت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر پشت کی طرف سے حملہ کیا، مار بھگایا اور بے تامل قتل کیا۔ مسلمان ہر طرف سے پراگندہ ہو گئے جو مال لوٹا تھا اس کو بھی چھوڑ گئے جن لوگوں کو قید کیا تھا وہ بھی چھوڑنا پڑے، شروع دن میں ہوا پر واقعی پھر (پچھلے دن میں) پچھمی ہو گئی، بھاگتے لوگوں کے تین حصے ہو گئے، ایک حصہ زخمی ہوا، ایک حصہ قتل ہوا اور ایک حصہ بھاگ گیا۔

بیہقی نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا۔ آپ اپنی جگہ سے بالشت بھر نہیں ہٹے، دشمن کے سامنے مقابلہ پر رہے، آپ کی طرف صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت (حفاظت کے لیے) لوٹتی رہی اور کبھی اس میں شگاف پڑتے رہے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کھڑے کمان سے تیر پھینک رہے تھے اور پتھر مار رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (اس روز) پندرہ آدمی بھی ڈٹے رہے۔ آٹھ مہاجر، ابو بکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اور سات انصار حباب بن منذر، ابو دجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہل بن حنیف، محمد بن مسلمہ اور

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم۔ بعض روایات میں سعد بن معاذ کی جگہ سعد بن عبادہ کا ذکر ہے۔

عبدالرزاق نے مرسلاً زہری کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر تلوار کے ستر وار ہوئے اور کوئی ضرب کارگر نہ ہوئی، اللہ نے محفوظ رکھا۔ عتبہ بن وقاص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چار پتھر مارے جن سے آپ کا اگلا دایاں نچلا دانت ٹوٹ گیا اور زیریں لب زخمی ہوگیا۔ حافظ نے کہا اس سے مراد وہ دانت ہے جو کاٹنے والے اور چبھنے والے دانتوں کے درمیان تھا، حاطب بن ابی بلتعہ کا بیان ہے میں نے عتبہ کو قتل کر دیا اور اس کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر حاضر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے خوشی ہوئی اور میرے لیے دُعا فرمائی۔

عبداللہ بن شہاب زہری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو زخمی کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد یہ شخص مسلمان ہوگیا تھا۔ چہرۂ مبارک پر خون بہنے لگا یہاں تک کہ ریش اقدس خون سے تر ہوگئی۔ عبداللہ بن قمیہ کے پتھر سے رُخسار مبارک زخمی ہوگیا اور خود کی دو کڑیاں رُخسار میں گھس گئیں۔ عبداللہ بن قمیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادہ سے آگے آیا لیکن مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدافعت کی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار تھے۔ ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا اور یہ سمجھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا، لوٹ کر گیا تو اپنے لوگوں سے کہا میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا، اس پر ایک چیخنے والے نے ندا کی محمد مارے گئے، کہا جاتا ہے کہ یہ پکارنے والا ابلیس تھا۔ طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن قمیہ سے فرمایا تھا۔ اقماک اللہ، اللہ تجھے بیخ بن سے ہلاک کر دے۔

اس بددعا ہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ کسی پہاڑی بکرے کو اللہ نے اس پر مسلط کر دیا اور بکرے نے سینگ مارتے مارتے اس کو پارہ پارہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے لیکن تہ بر تہ دو زرہیں پہنے تھے اس لیے خود چڑھ نہ سکے۔ حضرت طلحہ نے نیچے بیٹھ کر اپنے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُٹھالیا اور اس طرح آپ چٹان پر پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ رضی اللہ عنہ نے واجب کر دیا (یعنی اپنے لیے جنت کو) ہندہ اور اس کے ساتھ دوسری عورتیں شہیدوں کے ناک کان کاٹنے لگیں یہاں تک کہ ہندہ نے ان کے ہار بنا کر وحشی کو دیئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر چبایا مگر نگل نہ سکی تھوک دیا۔

اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پکار رہے تھے اللہ کے بندو (اوپر آؤ) آواز سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیس آدمی جمع ہوگئے جن میں سے ہر ایک کہہ رہا تھا میرا چہرہ (زخمی ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ نہ ہو، میری جان (کام آئے) آپ کی جان ایسی نہ ہو (یعنی آپ محفوظ رہیں، میں قربان ہو جاؤں) آپ سالم رہیں۔ غرض سب آپ کے محافظ ہوگئے اور مشرکوں کو آپ کی طرف سے ہٹا دیا۔ سعد بن ابی وقاص نے اتنے تیر مارے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ کمانیں ٹوٹ گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اپنی ترکش سے تیر بکھیر دیئے اور فرمایا تیر مار تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی بڑے تیرانداز تھے اور کمان کھینچنے میں بڑے طاقتور تھے۔ آپ نے بھی اس روز دو یا تین کمانیں توڑی تھیں جو شخص بھی ان کی طرف سے تیر دان لے کر گزرتا آپ فرماتے تھے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے تیر بکھیر دو، جب

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تیر پھینکتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گردن اُٹھا کر تیر گرنے کی جگہ کو دیکھتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اتنا چھلنی ہوا کہ آخر خشک ہو گیا۔ ابوداؤد طیالسی اور ابن حبان رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دن سارا کا سارا طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے ہوا (یعنی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی حفاظت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہے) محمد بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس روز حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے سر میں ایسی چوٹ لگی کہ خون نچڑ گیا اور آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرہ پر پانی چھڑکا جس سے آپ کو ہوش آ گیا، ہوش آتے ہی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خیریت سے ہیں، انہوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کا شکر ہے اس کے بعد ہر مصیبت حقیر ہے، اس روز حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے آنکھ رخسار پر آ پڑی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ جگہ پر لوٹا دی اور آنکھ اچھی بھی ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُحد سے واپس آ رہے تھے کہ (راستہ میں) ابی بن خلف جمحی نے آ لیا اور کہنے لگا اگر اب (میرے ہاتھ سے) تم بچ نکلے تو مجھے خدا نہ بچائے (یعنی اس وقت میں ضرور قتل کر دوں گا) لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم میں سے کوئی آدمی اس پر نہ جھک پڑے (یعنی قتل نہ کر دے) فرمایا رہنے دو، جب وہ قریب آ گیا، اس سے پہلے ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے وقت کہا کرتا تھا میرے پاس خاکستری رنگ کی ایک گھوڑی ہے جس کو روزانہ ایک فرق جوار دے کر میں پالتا ہوں اسی پر سوار ہو کر تم کو قتل کروں گا۔ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہیں ہوگا بلکہ میں تجھے قتل کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ سے چھوٹا نیزہ لے کر ابی کے سامنے اس کی گردن پر مارا جس کی وجہ سے کچھ خراش پڑ گئی۔ ابی گھوڑے سے لڑھک کر نیچے گرا اور بیل کی طرح دھاڑنے لگا اور کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مار ڈالا، لوگوں نے کہا کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے، بولا کیوں نہیں ہے اگر یہ نیزہ کا زخم (تمام قبائل) ربیعہ و مضر کے لگتا تو ان کو بھی ہلاک کر دیتا کیا انہوں نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ اس قول کے بعد تو اگر یہ مجھ پر تھوک دیتے تب بھی قتل کر دیتے۔ غرض زیادہ مدت نہیں گزری کہ مقام سرف میں پہنچ کر وہ مر گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس کو نبی نے قتل کیا اس پر اللہ کا سخت غضب ہوا اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو خون آلود کر دیا اس پر بھی اللہ کا غضب سخت ہوا۔ (بخاری)

اہل مغازی نے لکھا ہے کہ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ محمد قتل کر دیئے گئے یہ سن کر بعض مسلمان کہنے لگے کاش کوئی قاصد عبداللہ بن ابی کے پاس چلا جاتا تاکہ ابن ابی ابوسفیان سے ہمارے لیے امان لے لیتا کچھ صحابی پست ہمت ہو کر بیٹھ رہے۔ بعض اہل نفاق کہنے لگے اگر محمد مارے گئے تو تم اپنے پہلے مذہب میں شامل ہو جاؤ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر بولے قوم والو! اگر محمد مارے بھی گئے ہوں تو محمد کا رب تو قتل نہیں ہو گیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے جس کام

کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑے تم بھی اسی کے لیے لڑو اور جس غرض کے لیے وہ مرے تم بھی اسی کے لیے مر جاؤ۔ پھر بولے اے اللہ! یہ لوگ یعنی مسلمان جو کچھ کہہ رہے ہیں میں تیرے سامنے اس کی معذرت کرتا ہوں اور یہ لوگ یعنی منافق جو بات پیش کر رہے ہیں، میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں یہ کہہ کر تلوار لے کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر کی چٹان کے پاس جا کر لوگوں کو پکارنے لگے، سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ کو پہچانا، خود کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں چمکتی دیکھ کر شناخت کی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر اونچی آواز سے پکار کر کہا اے گروہ اہل اسلام تم کو بشارت ہو۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اشارہ کیا کہ خاموش رہو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر جمع ہو گئی۔ آپ نے بھاگنے پر ان کو ملامت کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، ہم کو اطلاع ملی کہ آپ شہید کر دیے گئے اس لیے ہمارے دل خوف زدہ ہو گئے اور ہم پشت پھیر کر بھاگ نکلے (یعنی آپ کو چھوڑ کر نہیں بھاگے تھے بلکہ جب آپ کی شہادت کی خبر سن لی تو لڑائی کو بیکار سمجھ کر بھاگ نکلے تھے۔)

اس پر اللہ نے نازل فرمایا "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ"

محمد وہ شخص ہیں جو تمام صفات کے جامع ہیں کیونکہ اس کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو کامل الصفات ہو اور تحمید حمد سے زیادہ ہے۔ پس مستحق تحمید وہی شخص ہوگا جو تمام کمالات کو محیط ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی اور صفی کو دو ناموں سے مشتق مانا ہے۔ (محمد، احمد سے) حسان بن ثابت کا قول ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے اپنے بندے کو اپنی دلیل (قرآن) دے کر بھیجا اور اللہ سب سے بزرگ و برتر ہے اور اس کے نام کو اپنے نام سے مشتق کر کے (رکھا) پس مالک عرش محمود ہے اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم" کیا تم اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ جاؤ گے "ومن ینقلب علی عقبیہ" جو اپنے دین سے مرتد ہو گیا۔ "فلن یضر اللہ شیئا" مرتد ہو کر وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ "وسیجزی اللہ الشاکرین"

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝

ترجمہ: اور کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں بدوں حکم خدا کے اس طور سے کہ اس کی میعاد معین لکھی ہوئی رہتی ہے اور جو شخص دنیوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کا حصہ دے دیتے ہیں اور جو شخص اخروی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو آخرت کا حصہ (یقیناً) دیں گے اور ہم بہت جلد (نیک عوض دیں گے (ایسے) حق شناسوں کو اور بہت نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے ہیں۔ سو نہ تو ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع

ہوئیں اور نہ ان کا زور گھٹا اور نہ وہ دبے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے۔

تفسیر ⑮ "وما کان لنفس ان تموت" اخفش فرماتے ہیں کہ لنفس میں لام منقول ہے۔ "تموت" سے عبارت اس طرح تھی "وما کان نفس لتموت" کسی جان کے لیے نہیں کہ وہ مرجائے اللہ کی مشیت کے بغیر۔ "الا باذن اللّٰہ" اللہ کے فیصلے اور قدرت سے بعض نے کہا اس کے علم کے بغیر بعض نے کہا اس کے حکم کے بغیر۔ "کتابا مؤجلا" ہر نفس کے لیے اس کا وقت مقررہ لکھا جا چکا ہے اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کرسکتا۔ "کتابا" منصوب مصدر ہونے کی وجہ سے عبارت یہ ہوگی۔ "کتب کتابا"..... "ومن یرد ثواب الدنیا نؤته منها" جو شخص اس نیکی کا بدلہ دُنیا میں لینا چاہتا ہے ہم اس کو اپنی مشیت کے مطابق جو کچھ ہم نے مقدر کرلیا دُنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کان یرید العاجلة عجلنا له فیها ما نشاء لمن نرید" پس جو شخص چاہتا ہے کہ اس کو جلد مل جائے تو ہم اسے جلد دے دیں گے ہم اس کو جتنا چاہیں۔ یہ آیت ان اصحاب کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے مال غنیمت کی وجہ سے اپنے مرکز کو چھوڑ دیا تھا۔ "ومن یرد ثواب الاٰخرة نؤته منها" جو آخرت کے لیے عمل کرتا ہے تو ہم آخرت میں اس کو ثواب دیتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت قدم رہے یہاں تک کہ انہوں نے شہادت پائی (ان کو آخرت میں بدلہ دیں گے) "وسنجزی الشکرین" "شاکرین" سے مراد مؤمنین اطاعت گزار بندے ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی نیت آخرت میں ثواب کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں دُنیا کی بے رغبتی پیدا فرما دیتے ہیں اور اس کی پریشانی کو جمع کردیتے ہیں اور دُنیا اس کے پاس ذلیل ہوکر آتی ہے اور جس کی نیت دُنیا کا حصول ہو تو اللہ محتاجگی اس کی آنکھوں کے سامنے کردیتا ہے اور اس کے دل کو پراگندہ کردیتا ہے، دُنیا میں اس کو اتنا ہی ملتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دیا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ پس ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملتا ہے۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت مال حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہوگی اس کی ہجرت اسی غرض کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہوگی۔

⑯ "وکاین من نبی قٰتل معه ربیون کثیر" ابن کثیر نے مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ کاعن کے وزن پر دونوں ہمزاں کے ساتھ۔ دوسرے قراء نے کہا "کاین" ہمزہ کی تشدید کی وجہ سے "عین" کے وزن پر اس کا معنی ہے "کم" کاف تشبیہ کے لیے ہے اس کے ساتھ "ای" حرف استفہام داخل کیا گیا۔ اس پر تنوین صورۃً داخل نہیں ہوگی۔ بعض قراء نے اس پر وقف قرار دیا "کاین" بغیر نون کے ذکر کیا۔

"قٰتل" ابن کثیر، امام نافع، اہل بصرہ کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ دوسرے قراء نے کاف کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فما وهنوا" یہ وصف ان پر محال ہے حالانکہ قتل ہونے کے بعد وہ کیسے بچ سکتے ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ ہمیں یہ بات نہیں سنائی کہ کسی نبی کو قتل کیا گیا ہو اس لیے "قاتل" اعم ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس صورت میں قاتل عام ہوگا اور جو حضرات "قُتِلَ" پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کی تین وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ قتل راجع ہو نبی کی طرف اس میں کوئی اور شریک نہ ہو (یعنی نبی نے اکیلے قتال کیا) اس صورت میں قاتل پر کلام تمام ہو جاتا ہے اس صورت میں آیت میں اضمار ہوگا۔ اس کا معنی یہ ہوگا ان کے ساتھ بکثرت آدمیوں نے جہاد کیا جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں شخص نے جیش کثیر کے ساتھ مل کر جہاد کیا یعنی وہ شخص ان میں شامل تھا۔ دوسری وجہ یہ بیان کی کہ قتل کا تعلق نبی اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہو تو جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے بعض لوگوں کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور عرب کا یہی قول ہے۔ اس صورت میں "فما وھنوا" باقیوں کی طرف راجع ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ قتال کا تعلق نبی کے علاوہ لوگوں سے ہو اس میں اور کوئی شامل نہ ہو۔

ربیون کثیر کا مصداق

"ربیون کثیر" ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس سے جمع کثیر مراد ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہزاروں کی جماعت۔ کلبی فرماتے ہیں کہ ایک "ربی" کہتے ہیں دس ہزار کو۔ ضحاک فرماتے ہیں ایک ربیہ ایک ہزار کو کہتے ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی فقہاء اور علماء ہے۔

بعض نے کہا کہ اتباع کرنے والے مراد ہیں۔ اس صورت میں ربانیون سے مراد حکام اور ربیون سے مراد رعایا ہوگی۔ بعض نے کہا ربی رب کی طرف منسوب ہے وہ لوگ جو رب کی عبادت کرتے ہیں۔ "فما وھنوا" کا معنی ہے کیوں وہ بزدل ہو رہے ہیں۔ "لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا" جہاد میں زخم پہنچے اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کی وجہ سے وہ کمزور نہیں ہوئے۔ "وما استکانوا" اور نہ ہی وہ دشمن کے مطیع ہوئے اور نہ ہی اپنے آپ کو دشمن کے سامنے ذلیل و رسوا کیا۔ امام سدی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا کہ نہ وہ دشمنوں کے سامنے ذلیل ہوئے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ ان کے سامنے عاجزی کی۔ عالیہ فرماتے ہیں نہ ہی وہ بزدل ہوئے بلکہ اپنے رب کے حکم پر صبر کیا اور اپنے نبی کی اطاعت کی اور دشمنوں کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ ہوئے۔ "واللہ یحب الصابرین"

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٤٧﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾

ترجمہ: اور ان کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے نکل جانے کو بخش دیجئے اور ہم کو ثابت قدم رکھئے اور ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے۔ سو ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بھی بدلہ دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکو

کافروں سے محبت ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو الٹا پھیر دیں گے پھر تم ناکام ہو جاؤ گے

تفسیر ❼ "وما کان قولھم" کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا اسم "ان قالوا" ہے اس صورت میں اس کا معنی ہوگا اور ان کے نبی کے قتل ہونے پر وہ یہی کہتے "الا ان قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا" اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ "واسرافنا فی امرنا" اسراف سے مراد کبیرہ گناہ ہیں۔ "وثبت اقدامنا" ہمارے قدموں کو اللہ کے راستے میں جمائے رکھ پھسلاتا نہیں۔ "وانصرنا علی القوم الکافرین" تو وہ کہتے کہ کاش تم اس طرح کرتے اور تم اس طرح کہتے اے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

❽ "فآتاھم اللہ ثواب الدنیا" دنیاوی ثواب سے مراد نصرت اور مال غنیمت کا حصول ہے۔ "وحسن ثواب الآخرۃ" اجر آخرت اور جنت کا وعدہ۔ "واللہ یحب المحسنین"

❾ "یاایھا الذین آمنوا ان تطیعوا الذین کفروا" اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد منافقین ہیں کیونکہ جب مسلمانوں کو وقتی طور پر شکست ہوئی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کا دین اختیار کرو۔ "یردوکم علی اعقابکم" وہ تمہیں پہلے دین کی طرف لوٹا دیں گے جو شرک و کفر ہے۔ "فتنقلبوا خاسرین"

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۞ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۚ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

ترجمہ: بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔ ہم ابھی ڈالے دیتے ہیں ہول کافروں کے دلوں میں بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ایسی چیز کو ٹھہرایا ہے جس پر کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی۔ اور ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے بے انصافوں کی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا تھا۔ جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جبکہ تم خود ہی کمزور ہو گئے۔ اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دلخواہ بات دکھا دی تھی۔ کہ تم میں سے بعض تو وہ شخص تھے جو دنیا کو چاہتے تھے۔ اور بعض تم میں سے وہ تھے جو آخرت کے طلب گار تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے اپنی نصرت کو بند کر لیا پھر تم کو ان کفار سے ہٹا دیا۔ تاکہ خدا تعالیٰ تمہاری آزمائش فرما دے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر

تفسیر ❿ "بل اللہ مولاکم" اللہ تمہارا مددگار اور دین اسلام پر ہونے کی حالت میں محافظ ہے۔ "وھو خیر الناصرین"

⑮ "سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب" یہ اس وقت جب ابوسفیان اور مشرکین یوم احد کے دن مکہ کی طرف بھاگا تھا جاتے ہوئے راستے میں پشیمانی ہوئی اس کو خیال آیا کہ ہم نے برا کیا۔ اول تو ہم نے ان کو قتل کیا پھر جب چند بھاگے ہوئے لوگوں کے سوا ہمارے مقابلے میں کوئی نہ رہا تو ہم ان کو چھوڑ آئے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ابھی لوٹ چلو اور ان کی جڑ ہی اکھاڑ دو، کافروں نے یہ ارادہ کیا ہی تھا کہ اللہ نے ان کے دلوں کے اندر مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور اپنے ارادے سے باز آ گئے، اللہ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ یہی مطلب اللہ تعالیٰ کے فرمان "سنلقی ای سنقذف فی قلوب الذین کفروا الرعب" ہم ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں رعب یعنی ڈر۔ ابوجعفر، ابن عامر، کسائی، یعقوب رحمہم اللہ "الرُعب" عین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے عین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "بما اشرکوا باللّٰہ مالم ینزل بہ سلطانًا" سلطان کا معنی حجت اور برہان ہے۔ "ومأوٰھم النار وبئس مثوی الظالمین" ظالمین سے مراد کافر ہیں۔

⑯ "ولقد صدقکم اللہ وعدہ" محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوہ اُحد سے مدینہ کی طرف لوٹے تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اللہ نے تو ہم سے فتح یاب ہونے کا وعدہ کیا تھا تو پھر یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ولقد صدقکم اللہ وعدہ" اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ مدد اور تمہاری کامیابی کا وعدہ کیا تھا یہ کامیابی ابتدائی تھی جو کافروں کو پسپا کر دیا تھا۔ "اذ تحسونھم باذنہ" یہ اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی ترتیب اس طرح دی کہ اُحد کی پہاڑی کو پیٹھ پیچھے اور مدینہ چہرے کے سامنے رکھا اور دائیں جانب پہاڑی پر تیر اندازوں کو حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں متعین فرمایا اور ان سب کو یہ ارشاد فرمایا کہ تم وہاں مضبوط جمے رہو اگر تم ہمیں مال غنیمت جمع کرتے ہوئے دیکھ لو تو تم ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا اور اگر تم دیکھو کہ وہ ہمیں قتل کر چکے ہیں تو پھر بھی وہاں سے ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے تیروں اور نیزوں نے مشرکین کے گھوڑوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور مسلمان ان کو تلواروں سے کاٹ رہے تھے یہاں تک کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے۔ "اذ تحسونھم باذنہ" ان کو اللہ کے حکم کے مطابق قتل کر رہے تھے۔

ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ "حسّ" کا معنی ہے قتل کر کے بیخ و بن سے اکھاڑ دینا۔ "حتّٰی اذا فشلتم" جب تم بزدل ہو گئے بعض نے کہا کہ جب تمہاری رائے کمزور پڑ گئی۔ "وتنازعتم فی الامر وعصیتم" واؤ زائدہ ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جب تم بزدل ہو گئے تو باہم نزاع کرنے لگے۔ بعض نے کہا یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "حتّٰی اذا تنازعتم فی الامر وعصیتم فشلتم" جب تم شکست کھا گئے اور قیام اور عدم قیام کے متعلق آپس میں لڑنے لگے اور نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد روک لی اور تم پر مصیبت ڈالی۔

یہاں تنازع سے مراد جھگڑا ہے کہ جب مشرکین کو شکست ہو گئی تو تیر اندازوں میں اختلاف ہو گیا کہ تیر اندازی کریں یا نہ کریں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اب تو کفار شکست کھا گئے ہیں اس جگہ پر ہمارا رکنا کوئی معنی نہیں۔ لہٰذا چلو مال غنیمت جمع کریں

اور بعض لوگوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر تجاوز نہ کرو (اور یہاں سے بھاگو نہیں) اس پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھی جن کی تعداد دس تک پہنچتی ہے وہاں ثابت قدم رہے۔ جب خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے دیکھا تو ان کی طرف رُخ کیا اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا اور وہ مسلمانوں کی طرف رُخ کرنے لگے تو ہوا صبا کے بعد دبور (پچھوائی ہوا) آ گئی۔ مسلمانوں کی صف پلٹ گئی اور مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ خلط ہو گئے۔ ہنگامی حالت میں مسلمان خود ایک دوسرے سے قتال کرنے لگ گئے، خوف اور دہشت کی وجہ سے کسی کو پتہ نہیں چل رہا کہ اس کا مقابل دشمن ہے یا ساتھی۔ اسی دوران ابلیس نے آواز لگائی کہ (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے۔ یہی مسلمانوں کی ہمت ہارنے کا سبب تھا۔ ''وعصیتم'' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی بناء پر ہوا ''من بعد ما اراکم'' تمہیں تمہاری محبوب چیز فتح دکھا دی تھی اللہ نے۔ ''ماتحبون'' مسلمانوں کی کامیابی اور مال غنیمت محبوب چیز ہے۔ ''منکم من یرید الدنیا'' وہ لوگ جنہوں نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا اور لوٹنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ''ومنکم من یرید الآخرۃ'' جو لوگ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھاٹی میں ثابت قدم رہے وہ شہید ہو گئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے کسی کو میں نے دُنیا کا طلب گار نہیں پایا۔ یہاں تک کہ اُحد کا دن آیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ''ثم صرفکم عنھم'' پھر تمہیں پھیر دیا فتح سے شکست کی طرف۔ ''لیبتلیکم'' تا کہ تمہارا اس کے ذریعے امتحان لے۔ بعض نے کہا کہ تمہاری نافرمانی کی وجہ سے اللہ نے تم پر مصیبت ڈالنی چاہی۔ ''ولقد عفا عنکم'' تمہارے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بالکل جڑ سے نہیں اُکھاڑ دیا بلکہ تمہیں معاف کر دیا۔ ''واللّٰہ ذو فضل علی المؤمنین''

إِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞

ترجمہ: وہ وقت یاد کرو جبکہ تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے تا کہ تم مغموم نہ ہوا کرو نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس چیز پر جو تم پر مصیبت پڑے۔ اور اللہ تعالیٰ سب خبر رکھتے ہیں تمہارے سب کاموں کی۔

تفسیر: ۞ ''اذ تصعدون'' تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا۔ جب تم بھاگے جا رہے تھے شکست کھا کر۔ عبدالرحمٰن سلمی، حسن، قتادہ رحمہم اللہ ''تَصعَدون'' تاء کے فتحہ کے ساتھ اور عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معروف قرأت تاء کے ضمہ عین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اصعاد کا معنی ہے ہموار میدان میں جانا، صعود کا معنی ہے پہاڑ پر چڑھنا اور بعض دور نکل گئے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ ''یقال اصعدت'' کہا جاتا ہے جب کوئی چہرے کے سامنے ہموار میدان میں جائے۔ ''وصعدت'' کہا جاتا ہے کہ جب وہ پہاڑ پر چڑھے۔ مبرد فرماتے ہیں کہ ''اصعد'' جب وہ دور چلا گیا۔ یہ دونوں قرأتیں صحیح ہیں۔ کبھی کبھار ''منھزمین'' کے لیے مصعد اور صاعد استعمال ہوتا ہے اور مفضل کہتے ہیں کہ صعد اور اصعد کا معنی بھی ایک ہے۔ ''ولا تلوون

علی احد" شدتِ دہشت کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے کی طرف مڑ کر نہیں دیکھ رہا تھا اور نہ ہی اپنی جگہ پر ثابت قدم رہا۔

"والرسول یدعوکم فی اخراکم" وہ پچھلی صفوں سے آپ کو پکار رہے تھے کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں اور جو میری طرف مڑ کر آئے گا اس کیلئے جنت ہے۔ "فاثابکم" تمہیں بدلہ دیا۔ یہاں "الاثابۃ" بمعنی عقاب کے ہے۔ اثاب بمعنی ثواب کے استعمال ہوتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ تم نے ثواب کی اُمید لگائی ہوئی تھی لیکن تمہارے فعل کی وجہ سے اللہ نے تم کو سزا دی)

اللہ تعالیٰ کا فرمان "فبشرھم بعذاب الیم" یہاں پر بشارت کو عذاب کی جگہ ذکر کیا، ایسا جملہ بطور استہزاء کے ہوتا ہے۔

"غمًّا بغم" باء بمعنی علی کے ہے۔ عبارت یوں ہوگی "غمٌ علی غمٍ" یعنی غم بالائے غم۔

غمًّا بغمٍ کی مختلف تفاسیر

پہلے غم سے مراد کامیابی اور مالِ غنیمت کا ہاتھ سے جانے کا غم، دوسرے غم سے مراد شکست اور مسلمانوں کی شہادت ہے۔ بعض نے کہا کہ پہلے غم سے مراد قتل اور زخمی ہونا ہے۔ دوسرے غم سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر جس کی وجہ سے پہلا والا غم بھول گیا۔

بعض نے کہا کہ پہلے غم سے مراد گھاٹی سے خالد بن ولید کا سواروں کا دستہ لے کر برآمد ہونا اور دوسرے غم سے مراد ابو سفیان کا سامنے سے سوار ہونا۔

اس کا واقعہ یہ ہوا کہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پکارتے پکارتے اس جگہ پہنچ گئے جہاں چٹان والے مسلمان جمع تھے۔ انہوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا (تو نہ پہچاننے کی وجہ سے) ایک شخص نے کمان میں تیر جوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنا چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پا کر بہت خوش ہو گئے اور محافظین کو پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خوشی ہوئی پھر یہ لوگ فتح شدہ مالِ غنیمت کا اور اپنے ساتھیوں کی شہادت کا ذکر کرنے لگے۔ اتنے میں ابو سفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ سامنے سے آ کر گھاٹی کے دہانے پر کھڑا ہو گیا۔ مسلمان اس کو دیکھ کر فکر میں پڑ گئے اور ان کو خیال ہوا کہ یہ لوگ ہم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ہمیں شہید کر دیں گے۔ اس خیال کے آتے ہی پہلے خیال کو بھول گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ ہمارے اوپر نہیں آ سکیں گے (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرمانے لگے) اے اللہ! اگر یہ گروہ مارا گیا تو زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہیں رہے گا پھر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کافروں کو پتھر مار مار کر نیچے اُتار دیا اور کہا گیا کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے غم لاحق ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ غم اور قتل سے دیا جس کو غم سے تعبیر کیا گیا۔ "لکیلا تحزنوا علی مافاتکم" جو فتح شکست سے بدل گئی اور مالِ غنیمت ہاتھوں سے چلی گئی۔ "ولا ما اصابکم" اور جو مصیبت تم پر قتل اور شکست کی بناء پر پڑی ہے۔ "واللہ خبیر بما تعملون"

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑮

ترجمہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین اور رحمت بھیجی یعنی اونگھ کہ تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غلبہ ہو رہا تھا اور ایک جماعت وہ تھی کہ ان کو اپنی جان ہی کی فکر پڑی تھی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلاف واقع خیالات کر رہے تھے جو کہ محض حماقت کا خیال تھا وہ یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کچھ اختیار چلتا تو ہم یہاں مقتول نہ ہوتے۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا وہ لوگ ان مقامات کی طرف نکل پڑتے جہاں وہ گرے ہیں اور یہ جو کچھ ہوا اس لئے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات کی آزمائش کرے اور تا کہ تمہارے دلوں کی بات کو صاف کر دے اور اللہ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ⑮ "ثم انزل علیکم" اے مسلمانوں کی جماعت "من بعد الغم امنة" تمہارے لیے امن اُتارا "الامن الامنة" دونوں کا معنی ایک ہی یعنی قلبی سکون۔ بعض نے کہا کہ امن کہا جاتا ہے خوف کے سبب کو زائل کرنا اور "امنة" کہتے ہیں خوف کے سبب کے باقی ہونے پر اطمینان حاصل ہونا جبکہ یہاں خوف کا سبب موجود تھا۔ "نعاسا" ...... "امنة" سے بدل ہے "یغشی طائفة منکم" حمزہ اور کسائی نے (تغشی) پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ نعاس کی طرف لوٹاتے ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس دن اونگھ کی صورت میں ان کے دل کو اطمینان دیا گیا جو اطمینان والا ہوتا ہے اسی کو اونگھ آسکتی ہے اور خائف کو اونگھ نہیں آتی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احد کے دن جب ہم صف بند میدان میں تھے تو فرمایا کہ ہم پر ایسی اونگھ چھا گئی کہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر تلوار گری جا رہی تھی اور میں اس کو پکڑ رہا تھا۔ وہ گری جا رہی تھی اور میں پکڑ رہا تھا۔ حضرت ثابت، حضرت انس رضی اللہ عنہم کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احد کے دن میں نے سر اٹھایا تو لوگوں میں کوئی شخص ایسا نہیں آیا کہ اونگھ کی وجہ سے ڈھال کے نیچے دو جھکا نہ پڑ رہا ہو۔

عبداللہ بن زبیر اپنے والد زبیر بن العوام سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا جب شدت لڑائی کے وقت میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر نیند مسلط کردی۔ خدا کی قسم مجھ پر اونگھ چھائی ہوئی تھی اور ایک خواب کی طرح میں معتب بن قشیر کا یہ قول سن رہا تھا وہ کہہ رہے تھے "لو کان من الامر شیٔ" اگر اس طرح کا کوئی ماجرا نہ ہوتا تو اس جگہ ہم قتال نہ کر سکتے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "یغشی طائفۃ منکم" طائفہ سے مراد مؤمنین ہیں۔

"وطائفۃ قد اھمتھم انفسھم" اس طائفہ سے مراد منافقین ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہاں لا کر منافقین سے مؤمنین کو ممتاز کرنا مقصود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر اونگھ کو مسلط کر کے ان کو اطمینان قلبی نصیب فرمائی جبکہ منافقین پر اونگھ نہیں آئی اس وجہ سے ان کے دلوں سے خوف ختم نہیں ہوا اور ان کے دلوں پر خوف بالائے خوف نازل ہوا۔

"یظنون باللہ غیر الحق" وہ یہ گمان رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرے گا۔ بعض نے کہا کہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ "ظن الجاھلیۃ" جیسا کہ اہل جاہلیت کے زمانے میں لوگ جس طرح گمان کرتے تھے اسی طرح یہ بھی کرتے لگے۔ "یقولون ھل لنا" یہ "مالنا" ہے۔ لفظ استفہام انکاری ہے۔ "من الامر شیٔ" امر سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہے۔ "قل ان الامر کلہ للہ" اہل بصرہ لام کے رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں ابتداء (مبتداء) کی وجہ سے اور "للہ" اس کی خبر ہے اور دوسرے قراء نے "کلّہ" منصوب بدل ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ موصوف صفت ہونے کی وجہ سے "یخفون فی انفسھم مالا یبدون لک ...... ما قتلنا ھھنا" یہ منافقین کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اگر ہمارے اندر عقل و دانش ہوتا تو مکہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قتال کرنے نہ نکلتے اور نہ ہی ہمارے سردار قتل ہوتے۔ بعض نے کہا کہ اگر ہم حق پر ہوتے تو یہ قتل کیونکر ہوتے۔

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہا ہے کہ "یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ" یعنی تقدیر کی تکذیب کی اور ان کا قول "لو کان لنا من الامر شیٔ ما قتلنا ھھنا" ...... "قل لو کنتم فی بیوتکم ...... الذین کتب" کتب بمعنی قضی کے ہے "علیھم القتل الی مضاجعھم" ان کی خواب گاہوں کی جگہ۔ "ولیبتلی اللہ" اور اللہ ان سے امتحان لے گا۔ "مافی صدورکم ولیمحص" اے مسلمانو! تمہارے دلوں کے اندر پیدا ہونے والے وساوس کو نکال دے یا ان کو ظاہر کردے۔ "مافی قلوبکم واللہ علیم بذات الصدور" جو ان کے دلوں میں خیر اور شر کی جانب سے تھا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

(ترجمہ) یقیناً تم میں جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات

نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے۔ اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمایا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑے حلم والے ہیں۔ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا۔ جو کہ کافر ہیں۔ اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت جبکہ وہ لوگ کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں یا وہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے قلوب میں موجب حسرت کر دیں۔ اور مارنا جلانا تو اللہ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ دیکھ رہے ہیں

تفسیر ⑮۵ "ان الذین تولوا" جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگے "منکم" اے مسلمانوں کی جماعت "یوم التقی الجمعان" جس دن مسلمانوں اور مشرکین کو جمع کیا احد کے دن۔ جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان میں سے چھ مہاجرین موجود تھے۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) تھے۔ "انما استزلھم الشیطان" ان کو پھسلانا چاہا راستے سے ہٹانا چاہا جیسا کہ کہا جاتا ہے "استعجلت فلاناً اذا طلبت عجلتہ" جب اس کو فوراً طلب کیا جائے۔ بعض نے کہا ڈال دی گئی ان پر ذلت یعنی غلطی، گناہ۔ بعض نے کہا کہ "استھزل" اور "أزل" دونوں کے ایک معنی ہیں۔ "ببعض ما کسبوا" یعنی ان کے گناہوں کی نحوست سے۔ بعض نے کہا کہ اپنے مرکز کو چھوڑنے کی وجہ سے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ پیدا کر کے ان کو مزید شکست حال بنا دیا۔ "ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم"

⑮۶ "یا یھا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین کفروا" اس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں۔ "وقالوا لاخوانھم" جو اس کے بھائی منافق اور کافر تھے۔ بعض نے کہا کہ جو اس کے نسبی بھائی تھے وہ مراد ہے۔ "اذا ضربوا فی الارض" جب وہ تجارت وغیرہ کے لیے ملک میں چلیں پھریں۔

"او کانوا غزی" غزاۃ جمع ہے غازی کی مطلب یہ ہے کہ سفر پر ہوں یا جہاد پر مارے جا چکے یا مر جا ئیں۔ "لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا لیجعل اللہ ذلک" یعنی ان کے گمان اور ان کے قول کے مطابق "حسرۃ ...... بصیرا" ابن کثیر، حمزہ، کسائی نے "یعلمون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ۔ یا کہ مر جاؤ تو بالضرور اللہ تعالیٰ کے پاس کی مغفرت اور رحمت ان

چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ اور اگر تم لوگ مر گئے یا مارے گئے تو بالضرور اللہ ہی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔ بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے۔ اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کے لئے استغفار کر دیجئے۔ اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔ پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں سو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

تفسیر ⑮ "ولئن قتلتم فی سبیل اللہ او متم" نافع حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے "مِتُّمْ" میم کے کسرہ کے ساتھ بعض نے میم کے ضمہ کے ساتھ اس صورت میں اس کا مصدر مات یموت سے ہوگا۔ یہ اس طرح ہے جیسے کوئی کہے "قال یقول" اور جو حضرات کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ مصدر "مات یمات" سے ہے۔ "خاف یخاف" کی طرح "لمغفرۃٌ من اللّٰہ" اس کے انجام میں بخشش ہے "ورحمۃ خیر مما یجمعون" ان سے مراد مال غنیمت ہے۔ بعض حضرات نے "تجمعون" پڑھا ہے۔ حفص اور عاصم نے "یجمعون" یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ جو مغفرت مسلمانوں کو حاصل ہوئی وہ بہتر ہے اس چیز سے جو لوگوں نے جمع کی۔

⑮ "ولئن متم او قتلتم لا الی اللہ تحشرون" آخرت ہی کی طرف تمہیں جمع کیا جائے گا۔

⑯ "فبما رحمۃ من اللّٰہ" اللہ کی رحمت سے۔ ما صلہ ہے جیسا کہ "فبما نقضھم" میں ما بمعنی صلہ کے ہے۔ "لنت لھم" یعنی تم نرم دل ہو اچھے اخلاق کی وجہ سے اور تمہاری کثرت نرمی کی وجہ سے اگر تم ان کی طرف غصہ یا درشت لہجہ استعمال کرتے تو وہ بھاگ جاتے۔ "ولو کنت فظا" اگر تم سخت ہوتے برے اخلاق والے ہوتے۔ "غلیظ القلب" کلبی فرماتے ہیں کہ کلام میں سخت رو اور فعل میں سخت دل ہیں۔ "لانفضوا من حولک" وہ آپ کے پاس سے بھاگ جائیں گے اور آپ سے جدا ہو جائیں گے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "فضضتھم فانفضوا" اس کا معنی ہے کہ ہم نے ان کو جدا کیا وہ ہم سے جدا ہو گئے۔ "فاعف عنھم" ان سے درگزر کرو جن سے اُحد کے دن خطاء ہو گئی تھی۔ "واستغفر لھم" ان کی شفاعت کرو۔ "وشاورھم فی الامر" ان سے رائے طلب کریں تا کہ آپ جان لیں کہ ان کے دلوں میں آپ کے بارے میں کیا ہے۔ عرب میں محاورہ بولا جاتا ہے "شرط الدابۃ وشورتھا"۔ جب اس کو لشکر کے لیے نکالا جائے اسی طرح کہا جاتا ہے "شرط العسل واشرتہ" جب اس کو لیا جائے اور اس سے شہد نچوڑا جائے اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کرنے کا حکم دیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کامل العقل اور کامل الرائے تھے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے اور مخلوق پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کو واجب قرار دیا گیا ہے خواہ وہ ان کو پسند آئے یا ناپسند۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی خاص ہے ان سے ان کاموں کے متعلق مشورہ طلب کرو جس میں آپ کا اللہ کے ساتھ عہد نہیں ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دشمنوں سے ملاقات یا جنگ کے مکر و فریب کے متعلق ان سے نظر و فکر کر لیا کرو۔ مقاتل اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم ان کے

اطمینانِ قلب کے لیے ہے (تا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مایوس نہ ہو جائیں) تا کہ وہ دلبرداشتہ بھی نہ ہو جائیں۔ دوسرا یہ کہ عرب میں یہ مشہور بات ہے کہ کسی بات پر جب کوئی مشورہ نہ کیا جائے تو وہ کام ان کے لیے شاق گزرتا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کو معلوم تھا کہ ان کو مشورہ کی ضرورت نہیں لیکن مشورہ کا حکم اس لیے دیا تا کہ آنے والی اُمت میں یہ سنت جاری ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لوگوں کے لیے مشورہ لینے والا کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ "فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ" ان کے مشورہ پر توکل نہ کرو بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق کھڑے ہو جاؤ اور اسی سے مدد طلب کرو۔ "ان اللّٰہ یحب المتوکلین"

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۚ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

ترجمہ: اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے حالانکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا۔ پھر ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا عوض ملے گا اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا۔

تفسیر ۱۶۰ "ان ینصرکم اللّٰہ" جس کی اللہ مدد کرے یا اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے تمہاری مدد کی اور تم سے دشمنوں کو روکا۔ "فلا غالب لکم" بدر کے دن کی طرح تم پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا۔ "وان یخذلکم" اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر تمہاری کون مدد کرے گا جیسا کہ وقتی طور پر اُحد کی جنگ میں ہوا۔ خذلان کہا جاتا ہے مدد سے ناامید ہو کر بیٹھ جانا۔ "فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ" اس کی مدد کے بغیر تمہاری کون مدد کر سکتا ہے۔ "وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون"

متوکلین کی صفات

بعض حضرات نے کہا کہ توکل کہا جاتا ہے کہ رزق حاصل کرنے کے لیے اللہ کی نافرمانی نہ کرنا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اپنی ذات کے لیے غیر اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا مددگار نہ سمجھے اور نہ ہی رزق کا مالک اور اپنے اعمال کی جزا کسی غیر سے رکھے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ ہیں جو داغ نہیں لگواتے، منتر نہیں پڑھتے اور بدشگونی نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

عکاشہ بن محصن سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے دُعا فرمائیے کہ میں ان ہی میں سے ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو ان ہی میں سے ہے۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) دُعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عکاشہ تم پر سبقت کر چکا۔

عبداللہ بن ہبیرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوتمیم جیشانی کو فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تم کو اسی طرح رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔

وما كان لنبي أن يغل کا شانِ نزول

۱۶۱ "وما کان لنبی ان یغل" عکرمہ اور مقسم فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت کا نزول اس سرخ دھاری دار چادر کے متعلق ہوا جو بدر کے دن گم ہو گئی تھی۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول غزوہ اُحد کی مالِ غنیمت کے متعلق ہوا جب مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے تیر اندازوں نے گھاٹی کے مرکز کو چھوڑ دیا تھا اور کہنے لگے کہ ہم کو خوف ہے کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ ارشاد فرما دیں کہ جس نے جو چیز لی ہو وہ اسی کی ہے اور بدر کی لڑائی کی طرح آج بھی مالِ غنیمت کی تقسیم نہ ہو۔ اس اندیشہ کی وجہ سے انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اموالِ غنیمت پر جا پہنچے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا کہ جب تک میرا حکم تم کو نہ پہنچے اپنی جگہ نہ چھوڑنا، کہنے لگے ہم اپنے دوسرے ساتھیوں کو وہیں کھڑا چھوڑ آئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ تم نے یہ سوچا کہ ہم مالِ غنیمت میں خیانت کریں گے بانٹ کر تم کو نہیں دیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قتادہ نے بیان کیا کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مالِ غنیمت میں خیانت کی تھی۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا کہ کچھ طاقتور لوگوں نے اصرار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مالِ غنیمت کی طلب کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "وما کان لنبی ان یغل" یعنی نبی کی شایانِ شان نہیں کہ وہ بعض لوگوں کو دے اور بعض کو نہ دے بلکہ تقسیم میں وہ برابری کرتے ہیں۔

وما كان لنبي أن يغل کی تفسیر

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ وحی کے بارے میں ہے کہ کسی نبی کے شایانِ شان یہ نہیں کہ وہ وحی کے متعلق کچھ چھپائیں۔ رغبت یا رہبت کی وجہ سے (کسی کے ڈر یا خوف کی وجہ سے وہ وحی میں سے کچھ نہیں چھپاتے) "وما کان لنبی ان یغل" ابن کثیر،

اہل بصرہ اور عاصم یاء کے فتحہ اور غین کے ضمہ کے ساتھ "یَغُلَّ" پڑھا ہے اس کا معنی ہے خیانت کرنا مراد اس سے اُمت ہے۔

بعض نے کہا کہ یہاں لام منقول ہے عبارت اس طرح ہوگی "ما کان لنبی لیغل" کہ کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ کوئی شخص اس طرح گمان نہ کرے اور نہ اسی طرح کی کوئی چیز لائے۔ دوسرے قراء نے "یُغَلَّ" یاء کے ضمہ اور غین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس طرح پڑھنے کی دو وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے غلول اسی معنی کے لیے ہو تو پھر آیت کا مطلب ہوگا کسی نبی کے لیے نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ مطلب اس کی اُمت خیانت کرے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ غل بمعنی اغلال کے ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے۔ خیانت کو نبی کی طرف منسوب کرے۔ "**ومن یغلل یات بما غل یوم القیامة**"

مال غنیمت میں چوری کرنے والے کا بُرا انجام

کلبی فرماتے ہیں کہ مال غنیمت سے چرائی ہوئی چیز کی ہم شکل جہنم میں کوئی چیز بنادی جائے گی اور اس خائن سے کہا جائے گا جا اُتر کر اس کو لے لے وہ اُتر کر اس چیز کو پیٹھ پہ اُٹھا کر لے آئے گا جب وہ اپنی جگہ آجائے گا تو وہ چیز چھوٹ کر پھر جہنم میں گر پڑے گی اور اس شخص کو حکم دیا جائے گا کہ اُتر کر جائے اور اس چیز کو لا کر لے آئے، وہ ایسا کرے گا اور یہی معاملہ اس کے ساتھ ہوتا رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے وہاں سونا چاندی کوئی ہاتھ نہیں آیا صرف اونٹ، کپڑے اور سامان ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی قریٰ کی طرف رُخ کیا۔ ایک حبشی غلام جس کو رفاعہ بن زید نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اس کا نام مدعم تھا۔ جب ہم وادی قریٰ میں پہنچے اور مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کا کجاوا اُتارنے لگا اچانک ایک نامعلوم تیر اس کو آ کر لگا، معلوم نہیں کس نے پھینکا تھا اس سے وہ مر گیا۔ لوگوں نے کہا اس کو جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ چھوٹی چادر جو غزوہ خیبر کی جنگ میں مال غنیمت سے لے لی تھی اور اس کے حصے میں نہیں آئی تھی وہ اس کے اوپر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔ یہ بات سن کر ایک شخص ایک یا دو تسمے لے کر آیا اور خدمت گرامی میں پیش کر دیئے۔ فرمایا ایک یا دو تسمے بھی آگ کے ہیں۔

زید بن خالد جہنی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ خیبر کے دن ایک شخص کا انتقال ہو گیا، لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے ساتھی کی نماز پڑھو، یہ سن کر لوگوں کے رنگ فق ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھی نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے ہم نے اس کا سامان کھول کر دیکھا تو اس میں یہودیوں سے لوٹے ہوئے کچھ نقلی موتی ملے جو دو درہم کی قیمت کے ہوں گے۔

ابی حمید الساعدی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قبیلہ ازد کا ایک شخص جس کا نام ابن اللتبیہ تھا، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے صدقہ کا عامل مقرر کر کے بھیجا تھا۔ جب وہ اموال وصول کر کے واپس آیا تو کہنے لگا یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ ان عمال کو کیا ہو گیا جن کو ہم صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجتے ہیں تو واپس آ کر کہتے ہیں کہ یہ تمہارا ہے اور یہ ہمیں ھدیہ میں دیا گیا۔ آخر وہ شخص اپنی والدہ اور اپنے باپ کے گھر کیوں بیٹھا نہیں رہتا کہ اگر وہ سچا ہے تو اس کا ہدیہ اس کو گھر ہی میں مل جاتا۔ خدا کی قسم! جو شخص بھی تم میں سے کوئی چیز ناحق لے گا وہ ضرور جب قیامت کے دن اللہ کے سامنے جائے گا تو وہ چیز اپنے اوپر لادے ہوئے آئے گا۔ اگر وہ اونٹ چوری کیا ہو گا تو اس کی آواز ہو گی یا گائے کی آواز یا بکری کو اپنے اوپر لادے ہوئے لائے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک کو اٹھا کر (بغل کی سفیدی نظر آئی) فرمایا اے اللہ کیا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا ہے؟ اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا؟ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا والی بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لینا کیونکہ وہ مال غنیمت میں چوری ہو گی۔ "ومن یغلل یأت بما غل یوم القیامۃ" یعنی جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس مال کے ساتھ آئے گا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو اس حالت میں پاؤ کہ اس نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے تو تم اس کے سامان کو جلا دو اور اس کو مارو۔ عمرو بن شعیب کے دادا روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کا سامان جلوا دیا اور اس کی پٹائی لگوائی "ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون"

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(ترجمہ) سو ایسا شخص جو کہ رضائے حق کا تابع ہو گیا وہ اس شخص کے مثل ہو جاوے گا جو کہ غضب الٰہی کا مستحق ہو اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو اور وہ جانے کی بری جگہ ہے۔ یہ مذکورین درجات میں مختلف ہوں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں ان کے اعمال کو حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے۔

اور جب تمہاری ایسی ہار ہوئی جس سے دو حصے تم جیت چکے تھے۔ کیا ایسے وقت میں تم یوں کہتے ہو کہ یہ کدھر سے ہوئی۔ آپ فرما دیجئے یہ ہار خاص تمہاری طرف سے ہوئی بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

تفسیر ۱۶۲ "افمن اتبع رضوان" رضوان سے مراد مال غنیمت میں خیانت کو ترک کر کے اللہ کی رضا مندی حاصل کرنا۔ "کمن باء بسخط من اللہ" ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹا۔ "وماواہ جھنم وبئس المصیر"

۱۶۳ "ھم درجات عند اللہ" اللہ کے ہاں ان کے درجات مختلف ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کی رضا مندی کی پیروی کی اور جو اللہ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹا تو ان دونوں کے درجات اللہ کے ہاں مختلف ہیں جس نے اللہ کی رضا مندی کی اتباع کی اسے ثواب عظیم سے نوازا گیا اور جس نے اللہ کی ناراضگی کی اتباع کی اسے دردناک عذاب ملا۔ "واللہ بصیر بما یعملون"

۱۶۴ "لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم" بعض علماء کا خیال ہے کہ المؤمنین سے عرب کے تمام مومن مراد ہیں کیونکہ بنو تغلب کے علاوہ باقی ہر عربی قبیلہ کا قریش سے کچھ نہ کچھ نسبی تعلق ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم" بعض نے کہا کہ اس سے مراد تمام مومنین ہیں۔ اس صورت میں "من انفسھم" سے مراد ایمان اور شفقت کے ہیں نسب کے اعتبار سے معنی مراد نہیں۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "لقد جاء کم رسول من انفسکم" ..... "یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا" یہ "قد کانوا" کے معنی میں ہے۔ "من قبل" بعثت سے قبل مراد ہے۔ "لفی ضلال مبین"

۱۶۵ "اولما" حین کے معنی میں ہے یعنی جب "اصابتکم مصیبۃ" اس سے جنگ اُحد مراد ہے۔ "قد اصبتم مثلیھا" اس سے قبل تمہیں اس جیسی بدر میں پہنچ چکی ہے۔ مشرکین نے اُحد کے دن مسلمانوں کے ستر مجاہدین شہید کئے جبکہ مسلمانوں نے بدر میں ستر کافروں کو مارا اور ستر کو قید کر کے لائے تھے۔

"قلتم انی ھذا" کہ یہ تکلیف اور شکست اور مسلمانوں کا قتل ہونا کہاں سے آئی حالانکہ ہم تو مسلمان ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں۔ "قل ھو من عند انفسکم" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام ناپسند گزرا جو آپ کی قوم نے کیا کہ فدیہ لے کر قیدی چھوڑ دیئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ ان کو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینے کا حکم دیں یا تو وہ آگے بڑھ کر قیدیوں کی گردنیں کاٹ ڈالیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں مگر اس صورت میں ان قیدیوں کی تعداد کے برابر مسلمانوں کا شہید ہونا لازمی ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ لوگوں کے سامنے کیا تو وہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ہمارے قبیلے کے لوگ ہیں، بھائی ہیں، ہم ان سے فدیہ لے لیں گے اور اس مال سے دشمن کے مقابلے کے لیے طاقت فراہم کر لیں گے۔ ہم میں سے ان کی تعداد کے بقدر شہید ہو جائیں گے تو ہو جائیں ہمیں یہ بات منظور

ہے۔ چنانچہ اُحد کے دن بدر کے قیدیوں کی تعداد کے برابر ستر مسلمان شہید ہوئے۔ پس یہی معنی ہے اللہ کے اس فرمان کا "قل هو من عند انفسکم" کہ تم نے فدیہ لے کر قتل کو اپنے لیے اختیار کرلیا۔ "ان اللہ علی کل شیء قدیر"

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

ترجمہ: اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو خدا تعالیٰ کی مشیت سے ہوئی۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیں اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لیں جنہوں نے نفاق کا برتاؤ کیا اور ان سے یوں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑنا یا دشمنوں کا دفعیہ بن جانا وہ بولے کہ اگر ہم کوئی ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہولیتے۔ یہ منافقین اس روز کفر سے نزدیک تر ہوگئے بہ نسبت اس حالت کے کہ وہ ایمان سے نزدیک تھے۔ یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اپنے بھائیوں کی نسبت بیٹھے ہوئے باتیں بناتے ہیں کہ اگر ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو اپنے اوپر سے موت کو ہٹاؤ اگر تم سچے ہو اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔

تفسیر: ❶ "وما اصابکم یوم التقی الجمعان" اُحد کے میدان میں مسلمانوں پر قتل، زخموں اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ "فباذن اللہ" اللہ کی قضاء اور قدرت سے "ولیعلم المؤمنین" تاکہ خالص مومن اور منافقین میں تمیز ہوسکے۔ بعض نے کہا تاکہ دونوں گروہ دیکھے جائیں کون اچھا ہے اور کون اچھا نہیں۔

❷ "ولیعلم الذین ..... فی سبیل اللہ" اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کی اطاعت کی وجہ سے لڑو۔ "او ادفعوا" یعنی تم اپنے اہل وعیال اور بچوں کی طرف سے ہی دفاع کرلو۔ امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چلو لڑو نہیں مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوجاؤ تاکہ ان کی تعداد بڑھ جائے اور تم اپنی جگہ جمے رہو، فرار اختیار نہ کرو۔ "قالوا لو نعلم قتالا لا تبعناکم" عبداللہ بن سلام اور اس کے ساتھی تھے جو اُحد کے دن تین سو کے قریب لے کر واپس چلا گیا تھا۔ اس وقت انہوں نے کہا تھا "هم للکفر یومئذ اقرب" اس دن انہوں نے ایسا فعل کیا جو کفر کے قریب ہے۔ "منهم للایمان" ان میں سے بعض ایمان کے قریب تھے۔ "یقولون بافواههم" وہ کلمہ ایمان صرف زبانی کہتے تھے دل سے نہیں کہتے۔ "مالیس فی قلوبهم واللہ اعلم بما یکتمون"

⑱ "الذین قالوا لاخوانھم" انہوں نے اپنے نسبی بھائیوں سے کہا نہ کہ دینی بھائیوں سے جو اُحد میں شہید کیے گئے تھے "وقعدوا" یعنی ہماری طرح جنگ سے بیٹھے رہتے۔ "لو اطاعونا" اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے جاتے اور گھروں میں بیٹھے رہتے۔ "ماقتلوا قل" اے محمد آپ ان سے کہہ دیجئے "فادرئوا" کہ اب تم اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو۔ "عن انفسکم الموت ان کنتم صادقین" اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو کر کے دکھاؤ حالانکہ تقدیر کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

شانِ نزول

⑲ "ولا تحسبن الذین ..... امواتا" یہ آیت شہداء بدر یعنی کے بارے میں نازل ہوئی... جن میں چودہ افراد ان میں آٹھ انصاری صحابی رضی اللہ عنہم ... اور چھ مہاجرین صحابی رضی اللہ عنہم تھے ... اور بعض نے کہا کہ یہ آیت شہداءِ اُحد کے متعلق نازل ہوئی ... اور وہ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔

شہید زندہ ہوتا ہے

ان مہاجرین میں سے چار حمزہ بن عبدالمطلب، مصعب بن عمیر، عثمان بن شماس، عبداللہ بن جحش اور تمام انصار (رضی اللہ عنہم) تھے۔ عبداللہ بن مرہ مسروق سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون" وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں ہوگی اور ایک روایت میں ہے کہ سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہے جو عرش کی قندیلوں کے ساتھ معلق ہیں وہاں سے جنت کی سیر کرتے ہیں جہاں چاہتے ہیں پھر واپس عرش کی قندیلوں میں واپس آجاتے ہیں، اللہ ان کو دیکھتا ہے اور فرماتا ہے کیا تم کچھ چاہتے ہو ایسا روزانہ تین مرتبہ ہوتا ہے۔ دوسری آیت میں آیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے مجھ سے مانگو جو کچھ چاہو وہ جواب دیتے ہیں اے رب! ہم کیا مانگیں جس جنت میں ہم چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ بغیر مانگے ان کو نہیں چھوڑا جاتا تو عرض کرتے ہیں۔ اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں کے اندر دوبارہ لوٹا دیا جائے تاکہ ہم ایک بار اور تیرے راستے میں جہاد کریں۔ پھر جب اللہ رب العزت دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی ضرورت نہیں تو ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ اُحد کے دن جب تمہارے ساتھی مارے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں داخل کر دیا، وہ جنت کی نہروں میں اترتے ہیں جنت کے پھل کھاتے ہیں اور جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں اور جنت کے پھلوں سے کھاتے ہیں اور واپس لوٹ کر سونے کی ان قندیلوں میں چلے جاتے ہیں جو عرش کے نیچے آویزاں ہیں۔ جب انہوں نے اپنی عمدہ خواب گاہ، کھانا پینا دیکھا

اور اللہ نے ان کے لیے جو عزت فراہم کی ہے تو اس کا معائنہ کیا تو وہ کہتے ہیں کہ کاش! ہماری اس موجودہ راحت اور حسن سلوک جو اللہ نے ہمارے ساتھ کیا اطلاع ہو جاتی تاکہ ان کو بھی جہاد کی ترغیب ہوتی اور وہ جہاد سے روگرداں نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمہاری طرف سے ان کو اطلاع دے دوں گا اور تمہارے بھائیوں کو خبر پہنچا دوں گا۔ شہداء یہ سن کر خوش اور ہشاش بشاش ہو جاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ولا تحسبن الذین" سے لے کر "لا یضیع اجر المؤمنین" تک۔

طلحہ بن خراش فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے اور ارشاد فرمایا اے جابر کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں ناشکستہ دیکھ رہا ہوں، میں نے کہا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے والد شہید ہو گئے اور ان کے بچے رہ گئے اور ان پر قرض بھی ہے۔ فرمایا کیا میں تجھے بشارت نہ دوں کہ اللہ تیرے باپ سے کس طرح ملا، میں نے عرض کیا کیوں نہیں فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس سے کلام کیا پردہ کی اوٹ سے کیا مگر تمہارے باپ کو زندہ کر کے روبرو کلام کیا اور فرمایا میرے بندے اپنی آرزو مجھ پر بیان کر میں تجھے دوں گا۔ تیرے باپ نے کہا میرے رب مجھے پھر زندہ کر دے کہ میں دوبارہ تیرے راستے میں قتل کر دیا جاؤں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فیصلہ ہو چکا کہ مرنے کے بعد پھر وہ نہیں لوٹیں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر ان شہداء کے بارے میں نازل ہوئی۔ "لا تحسبن الذین قتلوا"

بیر معونہ کے شہداء صحابہ کا واقعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ مرتا ہے اور اس کو اللہ کے ہاں اچھا انعام ملے اور وہ دوبارہ دُنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا کرے مگر صرف شہید جو اتنے انعامات کے ہونے کے باوجود وہ دوبارہ شہادت کی تمنا کرے گا۔ بعض حضرات نے کہا کہ ان آیات کا نزول بیر معونہ کے شہداء کے بارے میں نازل ہوئی جس کا سبب وہ ہے جس کو محمد بن اسحاق نے انس بن مالک اور بعض اہل علم نے بیان کیا کہ ابو براء عامر بن مالک بن جعفر جن کا لقب ملاعب الاسنہ تھا۔ یہ بنو عامر بن صعصعہ کا سردار تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدیہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا، اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارا ہدیہ قبول کرلوں تو مسلمان ہو جاؤ، پھر اس پر اسلام کو پیش کیا گیا اور اس کو وہ تمام انعامات بیان کیے جو مؤمنین کو حاصل ہوتے ہیں اور اس کے سامنے قرآن کی آیات تلاوت کی گئی لیکن پھر بھی وہ اسلام نہیں لایا اور وہ کہنے لگا محمد جس کی تم دعوت دیتے ہو وہ خوبصورت ہے۔ پس اگر تم اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو اہل نجد کے لیے بھیج دو تو مجھے اُمید ہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کرلیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے اہل نجد کی طرف سے اپنے آدمیوں کے متعلق خطرہ ہے۔ ابو البراء کہنے لگا میرا ان کے ساتھ تعلق ہے۔

میں ان کی پناہ کا ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر ساعدی کو ستر منتخب انصاری صحابہ

رضی اللہ عنہم کا سردار بنا کر سب کو بھیج دیا۔ ان ستر آدمیوں کو قاری کہا جاتا تھا (یعنی یہ سب قاری اور عالم قرآن تھے) انہی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ یہ روانگی ماہ صفر ۴ ہجری میں ہوئی۔ غرض یہ لوگ چل دیئے اور بیر معونہ پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ بیر معونہ کی زمین بنی عامر کی زمین اور بنی سلیم کے پتھریلے علاقہ کے درمیان واقع تھی یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے حضرت حرام رضی اللہ عنہ بن ملحان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک دے کر بنی عامر کے کچھ آدمیوں کے ساتھ عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے پہنچ کر کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں، تمہارے پاس آیا ہوں، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ کی اس تبلیغ کے بعد ایک شخص نیزہ لے کر گھر کی جھونپڑی سے برآمد ہوا اور آتے ہی حضرت حرام رضی اللہ عنہ کے پہلو پر برچھا مارا جو دوسرے پہلو سے نکل گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ فوراً بول اُٹھے، اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا، اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنی عامر کو ان صحابیوں رضی اللہ عنہم کے خلاف چیخ کر آواز دی۔ بنی عامر نے اس کی بات قبول کرنے سے انکار کردیا اور بولے ابو براء کی ذمہ داری کو نہ توڑو۔ عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان کو پکارا انہوں نے آواز پر لبیک کہی اور نکل کر صحابہ رضی اللہ عنہم پر چھاگئے اور فرودگاہ پر آکر سب کو گھیرلیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب شہید ہوگئے۔ صرف کعب بن زید رضی اللہ عنہ بچ گئے اور وہ بھی اس طرح کہ کافر ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے مگر ان میں کچھ سانس باقی تھی اس لیے زندہ رہے اور آخر خندق کی لڑائی میں مارے گئے۔

عمرو بن اُمیہ ضمیری اور ایک انصاری جو عمرو بن عوف کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جب ان پر مصیبت پہنچی تو انہوں نے دیکھا کہ لشکر کے اوپر پرندے منڈلا رہے ہیں۔ دونوں کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! یہ کسی واقعہ کی علامت ہے یہ دونوں سامنے آئے تاکہ دیکھ سکیں، دیکھا کہ قوم خون میں لت پت ہے اور گھوڑے ان کے سروں پر کھڑے ہیں۔ انصاری نے عمرو بن اُمیہ سے کہا کہ تم کیا دیکھتے ہو اور تمہاری کیا رائے ہے وہ کہنے لگا میں تو کہتا ہوں کہ ہم اس خبر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائیں۔ انصاری نے کہا کہ اللہ اکبر میں تو منذر بن عمرو جہاں قتل ہوئے میں بھی وہاں شہید ہونا چاہتا ہوں، پھر قوم سے قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہوگئے اور عمرو بن اُمیہ کو قید کر کے لے گئے لیکن عمرو نے بتایا کہ میں قبیلہ مضر سے ہوں تو عامر بن طفیل نے ان کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ حرکت ابو براء نے کی ہے اس نے یہ حرکت کی جو اس کے لیے خوف کا سبب بنی۔ جب یہ خبر براء تک پہنچی تو اس کو یہ بات بہت شاق گزری اور اسی وجہ سے بھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب وجوار میں ہوتا تھا اور ان لوگوں میں سے جن کو مصیبت پہنچی، ان میں سے عامر بن فہیرہ بھی تھے۔

عامر بن طفیل کہتا تھا ان میں وہ شخص کون تھا کہ جب وہ مارا گیا تو اس کو آسمان وزمین کے درمیان اُٹھالیا گیا یہاں تک کہ آسمان مجھے اس سے نیچا نظر آنے لگا، لوگوں نے کہا وہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔

اس واقعہ کے بعد ابو براء کے بیٹے ربیعہ نے عامر بن طفیل پر حملہ کر دیا۔ عامر گھوڑے پر سوار تھا، ربیعہ نے اس کے نیزہ مارا اور قتل کر دیا۔ صحیحین میں بوساطت قتادہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رعل اور ذکوان اور عصیہ اور بنی لحیان کے قبائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور دشمنوں کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (فوجی) مدد مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ستر انصاری جن کو ہم قاری کہتے تھے بطور مدد کر دیئے، یہ حضرات دن میں لکڑیاں جمع کرتے (اور فروخت کر کے گزارا کرتے) اور رات کو نمازیں پڑھتے تھے۔ جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو کافروں نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا اور (سب کو) شہید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی جس میں کچھ قبائل عرب یعنی رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے لیے بددعا کی۔

امام احمد، بخاری، مسلم اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بخاری نے عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیج دیجئے جو ہم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ستر انصاری جن کو قاری کہا جاتا تھا بھیج دیے، مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی یہ درخواست کرنے والے ان قاریوں کے درپے ہو گئے اور سب کو شہید کر دیا۔ شہداء نے کہا اے اللہ! ہمارے نبی کو یہ خبر پہنچا دے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ہمارے بھائیوں کو یہ خبر پہنچا دے کہ ہم نے (اے اللہ) تجھے پا لیا ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے۔ اللہ نے وحی بھیجی کہ میں شہداء کی طرف سے (اے مسلمانو!) تم کو یہ پیام پہنچاتا ہوں کہ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے راضی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلے ہم (قرآن میں) ان شہداء کے بارہ میں پڑھتے تھے "**بلغوا عنا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا**" لیکن پھر یہ جملے منسوخ کر دیے گئے (اور قرآن سے خارج کر دیے گئے) اس واقعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قبائل رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے لیے بددعا کی۔ ان قبائل نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم اس کو ایک زمانے تک پڑھتے رہے ہیں پھر اس کو اٹھا لیا گیا اور اللہ نے نازل فرمایا "**ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا**"۔ بعض نے کہا کہ یہ لفظ شہداء کے اولیاء کا ہے کہ جب ان کو دنیا میں کچھ فراوانی حاصل ہوئی تو وہ ان شہداء پر افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم تو نعمت میں ہیں، ہمارے آباء ہماری اولاد اور ہمارے بھائی قبروں میں ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں تاکہ ان شہداء کی حالت ان پر واضح ہو جائے۔ "**ولا تحسبن**" نہ گمان کرو۔ "**الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ**" ابن عامر نے "**قُتِّلُوا**" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے بغیر تشدید کے پڑھا ہے۔

"**بل احیاء عند ربھم**" ہمارے دین (مذہب) میں زندہ ہیں۔ بعض نے کہا لوگوں کی یاد میں زندہ ہیں کہ قیامت تک ان کا تذکرہ ہوتا رہے گا۔ بعض نے کہا کہ ان کو رزق بھی دیا جاتا ہے وہ کھاتے بھی ہیں اور ان چیزوں سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں زندوں کی طرح۔

بعض نے کہا کہ زندہ ہیں اس لیے ہر روز کہ ان کی ارواح رکوع اور سجدہ کرتی ہیں عرش کے نیچے قیامت کے دن تک۔ بعض نے کہا کہ شہید قبر میں بوسیدہ نہیں ہوگا اس لیے احیاء کہا اور زمین اس کو نہیں کھائے گی۔

عبیدہ بن عمیر فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اُحد کے شہداء کے پاس سے گزر رہے تھے جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو ان کے لیے دُعا فرمائی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پھر فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ سب اللہ کے نزدیک شہید ہوں گے سنو! ان کے پاس آیا کرو ان کی زیارت کیا کرو، ان کو سلام کہا کرو، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جو کوئی ان کو سلام کرے گا وہ ضرور اس کے سلام کا جواب دیں گے۔ "یرزقون" جنت کے پھلوں میں سے ان کو ہدیہ ہیں۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

ترجمہ: اور وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔ اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

تفسیر: فضل سے مراد رزق اور اس کا ثواب ہے "ویستبشرون" اور وہ اس میں خوش ہوتے ہیں۔ "بالذین لم یلحقوا بهم من خلفهم لم" اس سے مراد وہ بھائی جن کو وہ دُنیا میں زندہ چھوڑ کر آئے ایمان کی حالت میں اور جہاد کی حالت میں ان کو یہ معلوم ہے کہ جب ہمیں بھی شہادت سے نوازا جائے گا اور ہم ان سے ملیں گے اور وہ انعامات ہمیں بھی ملیں گے جو ان کو ملے۔ اس وجہ سے ان کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔ "أن لا خوف علیهم ولا هم یحزنون"

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾

ترجمہ: وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت و فضل خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔ جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا اور ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں ان کے لیے ثواب عظیم ہے۔

تفسیر: "یستبشرون بنعمة من الله و فضل وان الله" یہ "بان الله" کی طرح ہے۔ امام کسائی نے الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جملہ مستانفہ ہوگا۔ "لا یضیع اجر المؤمنین" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلتا ہے اور کلمہ کی تصدیق کرتا ہے تو جب

تک وہ واپس گھر نہیں لوٹتا اس وقت تک اللہ اس کے گھر والوں کی ذمہ داری خود اپنے ذمہ لے لیتا ہے یا تو واپس لوٹتا ہے ثواب اور مال غنیمت لے کر لوٹتا ہے اگر شہید ہو جائے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو کوئی اللہ کے راستے میں زخمی ہو گا اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخم کھاتا ہے، جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کے زخم سے خون نکل رہا ہو گا جس کا رنگ تو خون کا ہو گا اور خوشبو مشک جیسی ہو گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہید کو بوقت شہادت اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی تکلیف چیونٹی کے کاٹنے کے باعث ہوتی ہے۔

⑫ "الذین استجابوا للہ والرسول" یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر اُحد سے واپس روحاء مقام پر پہنچا وہاں پہنچ کر اس کو بہت ندامت ہوئی اور اپنے آپ کو ملامت کرنے اور کہنے لگا، محمد کو تو ہم نے نہیں مارا اور نہ ان کو واپس لوٹایا کہ ہم ان کے ساتھ خوب قتال کریں، یہاں تک کچھ لوگ بچ جائیں، لوٹو اور ان کو جڑ سے اُکھاڑ دو، یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل میں ہی دُعا کی کہ دشمن مرعوب ہو جائے اور ہمارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں تسلی آ جائے۔ چنانچہ ابوسفیان کے لشکر کے لوگ واپس اُحد کے میدان میں آنے سے کترانے لگے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر تیار رہتے تھے حالانکہ ان کو زخموں اور زخموں نے چُور کیا ہوتا ہے، آواز دینے والے نے آواز دی کہ سنو آج کے دن ہمارے ساتھ وہی نکلے گا جو کل ہمارے ساتھ نکلے تھے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آپ کے منادی نے آواز لگائی ہے کہ صرف وہی لوگ آج میرے ساتھ نکل کر چلیں جو کل جنگ میں شریک تھے۔ میرا قصہ یہ ہے کہ مجھے جنگ میں شریک ہونے کا بہت شوق تھا لیکن میرے والد نے مجھے اپنی جگہ میری سات یا نو بہنوں کا نگران مقرر کیا تھا اور کہا تھا کہ ان عورتوں کو بغیر کسی مرد کے سرپرستی کے چھوڑ جانا نہ تیرے لیے مناسب ہے نہ میرے لیے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد پر جانے کے لیے تجھے اپنے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔

شاید اللہ مجھے شہادت نصیب فرما دے۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں لڑکیوں کا نگران ہو کر شرکت جہاد سے رہ گیا تھا۔ اس واقعہ کے سننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے اوپر رُعب ڈالنے کے لیے نکلے تا کہ ان کو یہ خبر پہنچ جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تعاقب میں نکلے ہیں اور مسلمان قوت والے ہیں اور گزشتہ دن کی شکست دشمن کے مقابلے میں ان کو کمزور نہیں بنا سکتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے، ان میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان، ابوعبیدہ بن جراح (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) ستر اصحاب کو لے کر حمراء الاسد مقام پر پہنچے۔ یہ مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔

غزوہ بدر صغریٰ کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں عبداللہ بن زبیر سے اے میری بہن کے بیٹے! اللہ کی قسم آپ کے باپ ودادا یعنی ابوبکر، زبیر (رضی اللہ عنہ) ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا "والذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابہم القرح" آپ صلی اللہ علیہ وسلم معبد الخزاعی کے پاس سے گزرے۔ خزاعی اس وقت مسلمان تھا اور بنو خزاعہ کے مسلمان اور کافر سب تہامہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میل جول رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا معاہدہ تھا۔ وہ تہامہ کی کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہیں رکھتے تھے۔ معبد خزاعی نے کہا جب وہ مشرک تھا اس نے کہا اے محمد جو مصیبت آپ پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر پڑی اس سے بڑا دکھ ہوا۔

ہماری خواہش تھی کہ اللہ آپ کے ساتھ عافیت والا معاملہ ہی کرے۔ اس کے بعد یہاں سے نکل کر معبد ابوسفیان کے پاس روحاء میں پہنچا، مشرکوں نے لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہا اور انہوں نے کہا تھا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو ہم ختم کر چکے ہیں۔ اب لوٹ کر باقی لوگوں پر حملہ کر کے ان کی طرف بالکل بے خوف ہو کر رہ جائیں گے۔ ابوسفیان نے جب معبد کو دیکھا تو پوچھا اُدھر کی کیا خبر ہے؟ معبد نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اتنی بڑی فوج لے کر تمہاری تلاش میں نکلے ہیں کہ اتنی فوج میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ وہ تمہارے لیے دانت تیز کر رہے تھے جو لوگ اس روز جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ بھی ان کے ساتھ اکٹھے ہو گئے ہیں اور اپنی گزشتہ غلطی پر پشیمان ہیں۔ ان کے اندر تمہارے لیے بہت غصہ ہے کہ میں نے کبھی ایسا غصہ ان میں نہیں دیکھا۔ ابوسفیان نے کہا تیرا برا ہو تو کیا کہہ رہا ہے وہ کہنے لگا واللہ میرے خیال میں تم کوچ کرنے بھی نہ پاؤ گے کہ گھوڑوں کی پیشانیاں تم کو نظر آجائیں گی۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم ہم تو یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ لوٹ کر ان پر حملہ کریں تاکہ ان کے باقی لوگ بھی ختم ہو جائیں۔ معبد نے کہا میں تم کو اس حرکت سے روکتا ہوں، معبد کے اس قول نے ابوسفیان کا رُخ موڑ دیا اور معبد کہنے لگا کہ اللہ کی قسم ان میں ایک سوار کو دیکھا جو یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

کادت تہد من الاصوات راحلتی　　اذ سالت الارض بالجراد الابابیل

یہ شعر پڑھے اور ابوسفیان واپس لوٹ گیا اور اس کے ساتھی بھی لوٹ گئے۔ ان کے پاس سے عبدالقیس کا قافلہ گزرا اور کہا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ کہنے لگا کہ مدینے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ شکست کھا کر بھاگے ہوئے ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ میری طرف سے محمد کو ایک پیغام پہنچا دو گے تو میں تمہارے لیے عکاظ بازار میں کشمش کے اونٹ لا دوں گا۔ سواروں نے کہا جی ہاں۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ جب تم وہاں پہنچو تو ان کو خبر دے دینا کہ ہم نے تمہارے خلاف لشکر جمع کیا ہے تاکہ تمہارے مابقیہ کا بھی خاتمہ کر لیں یہ کہہ کر ابوسفیان مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ قافلہ جب حمراء الاسد کے قریب سے گزرا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا جو پیغام ابوسفیان نے دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا "حسبنا اللہ ونعم

الوکیل" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن کے بعد مدینہ منورہ لوٹ گئے۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اُحد کی واپسی کے وقت ابوسفیان نے کہا محمد اگر تم کو منظور ہو تو آئندہ سال بدر صغریٰ پر ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان شاء اللہ ہمارے تمہارے درمیان یہی ہوگا۔ آنے والے سال ابوسفیان مکہ سے قریش کو لے کر نکلا اور مقام پر پڑاؤ کیا۔ یہاں پہنچ کر اللہ نے اس کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور واپس ہو جانے کا خیال پیدا ہو گیا۔ نعیم بن مسعود اشجعی عمرہ کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ ابوسفیان سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان نے اس سے کہا نعیم میں نے محمد اور اس کے ساتھیوں کو جنگ کرنے کا چیلنج تو کر دیا کہ آئندہ تمہارا اور ہمارا مقابلہ بدر صغریٰ کے میلہ میں ہوگا مگر یہ خشکی کا سال ہے اور ہمارے لیے جنگ اسی سال مناسب ہے جب ہم جانوروں کو سبزہ چرائیں اور خود دودھ پئیں۔ اب میری رائے یہ ہے کہ بدر صغریٰ کو نہ جاؤں لیکن یہ امر بھی مناسب نہیں کہ میں وہاں نہ جاؤں اور محمد وہاں پہنچ جائیں۔

اس سے مسلمانوں میں اور جرأت بڑھ جائے گی، میری طرف سے چیلنج کی خلاف ورزی سے یہ بہتر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خلاف ورزی ہو لہٰذا تم مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو روک دو اور ان سے جا کر یہ کہو کہ ابوسفیان کے پاس بہت بڑا لشکر ہے تم اس کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے، اگر تم اس خدمت کو سرانجام دو گے تو میں تم کو دس اونٹ دوں گا جو سہیل بن عمرو کے پاس بطور ضمانت جمع کر دوں گا۔ چنانچہ سہیل اونٹوں کا ضامن ہے اور نعیم مدینہ پہنچ گیا وہاں لوگ ابوسفیان کے چیلنج کی تیاری کر رہے تھے۔ نعیم نے پوچھا تم لوگوں کا کہاں کا ارادہ ہے، لوگوں نے جواب دیا بدر صغریٰ کے میلے پر ہم نے ابوسفیان کے ساتھ لڑنے کا معاہدہ کیا ہے۔ نعیم نے کہا کہ تمہاری رائے بری ہے وہ تمہارے گھروں میں اور تمہارے مستقر پر آئے تھے۔ تم میں سے سوائے بھاگنے کے اور کوئی نہ بچ سکا، اب خود نکل کر جانا چاہتے ہو وہ بھی تمہارے مقابلے کے لیے بدر صغریٰ کے موقع پر جمع ہو گئے اور خدا کی قسم تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔ یہ باتیں سن کر بعض کمزور صحابہ رضی اللہ عنہم نکلنے کے لیے مناسب نہیں سمجھ رہے تھے (اس وجہ سے منافقوں اور یہودیوں کو بڑی خوشی ہوئی اور کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ سے نہیں بچ سکیں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں ضرور بضرور نکلوں گا، اگرچہ اکیلے ہی نکلنا پڑے۔ بزدل لوگ یہ بات سن کر واپس چلے گئے اور جو بہادر تھے وہ بھی لڑنے کے لیے ساتھ تیار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو لے کر بدر صغریٰ کی طرف روانہ ہوئے وہاں مشرکین مسلمانوں سے ملاقات کرتے اور مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے کہتے تھے کہ قریش نے تمہارے مقابلے میں بہت بڑا لشکر تیار کیا ہوا ہے! اس پر مسلمان ان کو جواب کہتے۔ "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل" یہ لشکر بدر کے مقام پر پہنچ گئے جہاں پر جاہلیت کے زمانے میں بازار لگا کرتا تھا۔ ہر سال اس میں آٹھ دن بازار لگتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے میدان میں آٹھ دن تک اس کا انتظار کیا لیکن

ابوسفیان مقام مجنہ سے واپس مکہ لوٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ انہوں نے بدر صغریٰ کے بازار میں تجارت کر کے نفع کمایا اور ایک درہم کے بدلے دو درہم حاصل کیے اور مدینہ کو صحیح سالم نفع کما کر لوٹے۔ یہی مطلب ہے "الذین استجابوا للّٰہ والرسول" یعنی انہوں نے اس جنگ کو قبول کیا اور وہاں حاضر ہوئے۔ "الذین منصوب ہے مؤمنین" کی صفت ہونے کی وجہ سے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "ان اللّٰہ لا یضیع اجر المؤمنین المستجیبین الذین استجابوا للّٰہ والرسول" اللہ مؤمنین مستجیبین کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کی۔ "من بعد ما اصابھم القرح" یعنی ہے ان کو زخم۔ کلام یہاں پر مکمل ہو رہا ہے اور آگے ارشاد فرماتے ہیں "للذین احسنوا منھم" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور جنگ کے لیے لبیک کہنے کی وجہ سے۔ "واتقوا" اور وہ بچے گناہوں سے "اجر عظیم"

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْھُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیے تو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور کہہ دیا کہ حق تعالیٰ ہم کو کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔ پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو ناگواری ذرا پیش نہ آئی اور وہ لوگ رضائے حق کے تابع رہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔

تفسیر: ⑰ "الذین قال لھم الناس" الذین منصوب ہے یا تو "الذین استجابوا" سے بدل ہوگا یا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے فعل محذوف امدح ہوگا۔ "الناس" سے مراد نعیم بن مسعود ہے اور یہی قول مجاہد اور عکرمہ کا ہے۔ عام سے خاص کو مراد لیا گیا۔ جیسا کہ اس آیت میں "ام یحسدون الناس" اس سے اکیلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ محمد بن اسحاق اور ایک جماعت کے نزدیک الناس سے مراد عبدالقیس کے شاہ سوار ہیں۔ "ان الناس قد جمعوا" یہاں الناس سے مراد ابو سفیان اور اس کے ساتھی ہیں۔ "فاخشوھم" پس تم ان سے ڈرو اور ان سے بچو کیونکہ ان کے مقابلے میں تمہاری کوئی طاقت نہیں۔ "فزادھم ایمانا" ان کی تصدیق اور ایمان میں مزید اضافہ فرما دیا۔ "وقالوا حسبنا اللّٰہ" اللہ ہمیں کافی ہے "ونعم الوکیل" سارے امور تمہاری طرف ہی ہیں۔ فعیل بمعنی مفعول کے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل" اس جملہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا جب ان کو لوگوں نے کہا "لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل"

❸ "فانقلبوا" پس وہ لوٹ آئے۔ "بنعمة من الله" اپنی عافیت کے ساتھ جس کو دشمن کی طرف سے کوئی خوف نہ پہنچا ہو۔ "وفضل" تجارت اور نفع کے ساتھ جو انہوں نے بازار سے حاصل کیا تھا۔ "لم یمسسھم سوء" تو ان کو کوئی مصیبت پہنچی اور نہ ہی تکلیف پہنچی۔ "واتبعوا رضوان الله" اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ یہ جہاد ہوگا اس پر اللہ نے ان کو جہاد کا ثواب عطا فرمایا اور ان سے راضی ہوا۔ "والله ذو فضل عظیم"

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَا
يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ
لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن
يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ
لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

ترجمہ: اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو اور آپ کے لئے وہ لوگ موجب غم نہ ہونے چاہئیں جو جلدی سے کفر میں جا پڑتے ہیں۔ یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ آخرت میں ان کو اصلاً حصہ نہ دے اور ان لوگوں کو سزائے عظیم ہوگی۔ یقیناً جتنے لوگوں نے ایمان کی جگہ کفر کو اختیار کیا ہوا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور ان کو دردناک سزا ہوگی اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ ہمارا ان کو مہلت دینا ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم ان کو صرف اس لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ جرم میں ان کو اور ترقی ہو جائے۔ اور ان کو توہین آمیز سزا ہوگی۔

تفسیر: ❶ "انما ذلکم الشیطان" یعنی یہ جو انہوں نے کہا "ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم" یہ مذکورہ قول شیطان کا فعل ہے۔ شیطان نے ان کی زبانوں سے یہ بات کہلوائی ہے تاکہ وہ تم کو خوفزدہ بنادیں اور تم پست ہمت ہو جاؤ۔ "یخوف اولیاءہ" وہ تمہیں ان کے اولیاء (سرداروں) سے ڈراتا ہے۔ اسی طرح ابی بن کعب کی قرأت میں ہے پھر اس کا معنی ہے کہ مومنین کو ڈراتے ہیں کافروں سے۔ سدی فرماتے ہیں کہ وہ تمہارے دلوں میں اپنے دوستوں کو بڑا کر کے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم ان سے ڈر جاؤ۔ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے "یخوفکم اولیاءہ"...... "فلا تخافوھم وخافون" میرے حکم کے ترک سے "ان کنتم مؤمنین" میرے وعدے کی تصدیق کرنے والے کیونکہ میں نے تمہارے لیے مدد اور نصرت کا کفیل و ضامن ہوں۔

❷ "ولا یحزنک" حضرت نافع نے ی کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور زا کے کسرہ کے ساتھ۔ اسی طرح پورے قرآن میں اسی طرح آیا ہے سوائے سورۃ انبیاء کے "لا یحزنھم الفزع الاکبر" آیا ہے۔ البتہ ابو جعفر کی قرأت میں صرف سورۃ انبیاء میں اس

طرح آیا ہے۔ باقی مقامات پر اس طرح نہیں آیا اور ان کی دو لغات ہیں "حزن یحزن ...... احزن یحزن" غالب لغت حزن یحزن ہے۔ "الذین یسارعون فی الکفر" ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کفار قریش ہیں جبکہ بعض نے کہا کہ اس سے مراد منافق ہیں جو کفر میں داخل ہونے کے لیے تیزی کے ساتھ کفر میں داخل ہو رہے ہیں۔ "انہم لن یضروا اللہ شیئاً" کفر میں ان کا جلدی سے داخل ہونا کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ "یرید اللہ الا یجعل لہم حظا فی الآخرۃ" ان کے لیے آخرت میں ثواب ہے۔ اس ثواب کی وجہ سے ان کے لیے رسوائی ہے۔ یہاں تک کہ وہ کفر میں جلدی داخل ہوتے ہیں۔ "ولہم عذاب عظیم"

● "ان الذین اشتروا" جس نے ایمان کے بدلے میں کفر کو لے لیا۔ "الکفر بالایمان لن یضروا اللہ شیئاً" کفر میں جلدی داخل ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔ "ولہم عذاب الیم"

● "ولا یحسبن الذین کفروا" بعض قراء نے اس کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے ان کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے جو حضرات یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "الذین" محل رفع میں فاعل ہے تقدیری عبارت اس طرح ہوگی۔ "لا یحسبن الکفار املاء نا لہم خیراً" کفار یہ گمان نہ کریں کہ ہم نے ان کے لیے بہتری جمع کی ہے جنہوں نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عبارت یہ ہوگی۔ "ولا تحسبن یا محمد الذین کفروا" اے محمد! ان کے کفر کی وجہ سے آپ پریشان نہ ہوں یہ منصوب ہے بدل ہونے کی وجہ سے "انما نملی لہم خیر لانفسہم" املاء امہال اور تاخیر کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "عشت طویلاً وتملیت حیناً" تم طویل عرصہ تک زندہ رہو اور تمہیں ایک مدت تک مہلت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان "واھجرنی ملیا" اس کا مطلب ہے طویل زمانہ تک پھر فرمایا "انما نملی لہم" ہم ان کو مہلت دے دیں گے۔ "لیزدادوا اثما ولہم عذاب مھین" مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ عطاء فرماتے ہیں اس سے مراد قریظہ اور نضیر ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ عرض کیا گیا سب سے برا کون ہے؟ فرمایا جس کی عمر دراز اور عمل برے ہوں۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ●

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتے جس پر تم اب ہو۔ جب تک کہ ناپاک کو پاک سے متمیز نہ فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے امور غیبیہ پر تم کو مطلع نہیں کرتے۔ و لیکن ہاں جس کو خود چاہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو منتخب فرما لیتے ہیں۔ پس اب اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور پرہیز رکھو تو پھر تم کو اجر عظیم ملے۔

شانِ نزول

تفسیر ﴿١٧٩﴾ "ما كان ...... من الطيب" اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق آئمہ کے اقوال مختلف ہیں۔ کلبی نے کہا کہ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو گمان ہے کہ جو آپ علیہ السلام کی مخالفت کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور جو آپ علیہ السلام کے دین کی پیروی کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور اللہ اس سے راضی ہوگا۔ ہمیں خبر دیجئے کہ جو آپ پر ایمان لائے اور جو آپ پر ایمان نہ لائے اس کا کیا انجام ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

امام سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے میری اُمت اپنی شکلوں میں طین حالت میں لائی گئی جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے لائی گئی تھی اور جو لوگ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور جو لوگ ایمان لانے والے نہیں سب مجھے دکھلا دیئے۔ اس فرمان کی اطلاع منافقین کو پہنچی تو انہوں نے بطور استہزاء کے بولے کہ محمد کا دعویٰ ہے کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ان میں کون مؤمن ہوگا اور کون غیر مؤمن محمد ان سب سے واقف ہیں اور ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں اس کے باوجود وہ ہم کو نہیں پہچانتے۔

جب یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا لوگ کس وجہ سے میرے علم پر طنز کرتے ہیں تم اپنے زمانے سے قیامت کے دن تک جو چیز مجھ سے پوچھو گے میں تمہیں بتادوں گا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پوچھا میرا باپ کون ہے اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حذافہ تمہارے والد ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین حق ہونے پر قرآن کے امام ہونے پر اور آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے پر راضی ہیں۔ آپ ہم کو معاف فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم باز آگئے، پھر منبر سے اُتر آئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس آیت کے نظم وحکم میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک و مقاتل اور کلبی اور اکثر مفسرین کے نزدیک خطاب کفار اور منافقین کو ہے۔

یعنی "ما كان الله ليذر المؤمنين على ما انتم عليه" اے کفار اور منافقین کی جماعت جو کفر اور نفاق سے بھری ہوئی ہے۔ "حتى يميز الخبيث من الطيب" حمزہ، کسائی، یعقوب نے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور تشدید کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ انفال میں اسی طرح ہے اور باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جیسے کہا جاتا ہے "ماز الشئ يميز ميزا" جب کسی چیز سے جدا کر کے اس کو ممتاز کر دیا جائے۔ ابو معاذ فرماتے ہیں کہ جب دو چیزوں میں تفریق کی جائے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "مزت ميزا" جب کسی شئی کے لیے بولا جائے۔ بعض نے کہا کہ یہ تمیز سے ہے۔ تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے جدا ہونا جدا کرنا۔ اسی سے فرقت اشعر آتا ہے۔ آیت کا معنی

یہ ہوگا یہاں تک کہ ہم منافق اور مخلص میں فرق کر دیں کہ ہم نے مؤمنین اور منافقین کو اُحد کی لڑائی میں جدا جدا کر دیا۔
یہاں تک کہ خالص مؤمن اور خالص منافق ظاہر ہو گئے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مؤمن اور کافر میں تمیز اختیار کر دی ہجرت اور جہاد کے ساتھ۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ "ما کان اللّٰہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ" جب وہ اپنے آباء واجداد کی پشت میں تھے اور عورتوں کے رحم میں تھے۔ اے منافقین ومشرکین کی جماعت! تمہارے اور مؤمنین کے درمیان اس وقت تمیز ہو گئی تھی جب تم اپنے باپ دادوں کی پشتوں میں اور اپنی ماؤں کے رحموں میں تھے اور بعض نے کہا "حتی یمیز الخبیث" سے مراد گناہ گار بندہ اور "من الطیب" سے مراد مؤمن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مؤمنین نے اپنے اوزار اور ہتھیار نہیں اُتارے تھے حالانکہ وہ اس وقت زخموں سے چور اور مصیبت زدہ تھے کہ دوسری جنگ کا حکم آ گیا۔ "وما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب" تم میں سے چونکہ کوئی غیب کی باتوں پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ "ولکن اللّٰہ یجتبی من رسلہ من یشاء" یعنی بعض غیب کے علم پر ان کو مطلع کر دیں گے۔ جیسا کہ فرمان ہے "عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول" سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی شایانِ شان نہیں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کے علم پر مطلع کریں۔ "ولکن اللّٰہ یجتبی"...... "فامنوا باللّٰہ ورسلہ وان تؤمنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم"

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(ترجمہ) اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لئے اچھی ہوگی۔ بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بری ہے وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنائے جاویں گے اس کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا اور اخیر میں آسمان اور زمین اللہ ہی کا رہ جاوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

بخل اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کی مذمت

(تفسیر) ۞ "ولا یحسبن ...... تا ...... ھو خیرا لھم" بخل کرنے والے لوگ بخل کو اپنے لیے بہتر نہ سمجھیں۔ "بل ھو" بلکہ وہ بخل "شر لھم سیطوقون" ان کو طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ "ما بخلوا بہ یوم القیامۃ" زکوٰۃ میں سے جو انہوں نے نہیں دی۔ اس کو سانپ کی شکل بنا کر ان کے گلے میں ڈال دی جائے گی جو اس کو قدم کے اوپر سے کاٹے گا۔ یہ قول ابن مسعود ابن عباس رضی اللہ عنہم، ابی وائل، شعبی، امام سدی رحمہم اللہ کا قول ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو اللہ نے مال دیا

اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں دی تو قیامت کے دن اس کے مال کو ایسے سانپ کی شکل پر کر دیا جائے گا جو گنجا ہو گا اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ دھبے ہوں گے، قیامت کے دن وہ سانپ زکوٰۃ نہ دینے والے کی گردن کا طوق بنایا جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کردہ خزانہ ہوں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "ولا یحسبن الذین یبخلون"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی بھی ایسا ہو کہ اس کے پاس اونٹ یا گائے بھینس یا بکریاں ہوں اور وہ ان کا فرض ادا نہ کرے تو قیامت کے دن یہ جانور بہت بڑی جسامت اور موٹے تازے ہو کر سامنے آئیں گے اونٹ اپنے کھروں سے اس کو روندیں گے اور گائے بکریاں اس کو اپنے سینگوں سے ماریں گے۔ جب پچھلی قطار اس کو روندتی ہوئی اور مارتی ہوئی اس پر پہنچے گی تو گھوم کر اول قطار آ پہنچے گی۔ یہ روندنے اور مارنے کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک لوگوں کے درمیان فیصلہ نہ ہو جائے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو قیامت کے دن آگ کا طوق پہنائیں گے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کو قیامت کے دن اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ دنیا میں جن اموال پر تم نے بخل کیا ان کو لے آؤ۔

عطیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس آیت کا نزول یہود کے سرداروں کے متعلق ہوا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور نبوت کو چھپایا۔ یہاں بخل سے مراد کتمان علم مراد لیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ نساء میں ہے۔ جیسا کہ سورۃ نساء میں ارشاد فرمایا "الذین یبخلون و یامرون الناس بالبخل ویکتمون ما اٰتاھم اللّٰہ من فضلہ" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب "سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ" یہ ہے کہ ان کا بوجھ اور ان کے گناہ کا بوجھ اٹھائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "یحملون اوزارھم علی ظھورھم"......"وللّٰہ میراث السمٰوٰت والارض" وہ ہمیشہ باقی اور دائم رہنے والی ہے تمام مخلوق کے فناء ہونے کے بعد اور ان کی املاک کی ہلاکتوں کے بعد وہ سب مر جائیں گے اور ان کے وارث ہوں گے اس کی دلیل "انا نحن نرث الارض ومن علیھا"......"واللّٰہ بما تعملون خبیر" اہل بصرہ اور اہل مکہ نے اس کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۞ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۞

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے ان لوگوں کا قول جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم ان کے کہے ہوئے کو لکھ کر رہیں گے۔ اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی اور ہم کہیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے لئے سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت پر آیات کا نزول

تفسیر حسن اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا" یہود کہنے لگے (نعوذ باللہ) اللہ فقیر ہو گیا وہ ہم سے قرضہ مانگتا ہے اور ہم امیر ہیں۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ کہنے والا حیی بن اخطب تھا۔ عکرمہ، سدی، مقاتل، محمد بن اسحاق رحمہم اللہ کے بیان کے مطابق جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک تحریر دے کر بنی قینقاع کے یہودیوں کے پاس بھیجا اور تحریر میں ان کو اسلام لانے نماز پڑھنے زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ کے لیے قرض حسنہ دینے کی دعوت دی۔ حسب الحکم ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے مدرسہ میں گئے وہ آپ نے دیکھا کہ بہت سے شخص ایک یہودی کے پاس جمع ہیں۔ یہ شخص فنحاص بن عازوراء تھا جو یہود کے بڑے علماء میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ایک اور عالم بھی تھا جس کا نام اشیع تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فنحاص سے فرمایا اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ، خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں جو اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ آئے ہیں ان کا ذکر تمہارے پاس توریت میں لکھا ہوا موجود ہے لہٰذا ان پر ایمان لے آؤ، ان کی تصدیق کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دو، اللہ تم کو جنت میں داخل کر دے گا اور دہرا ثواب دے گا۔ فنحاص نے کہا ابوبکر! تم تو کہتے ہو کہ ہمارا رب ہم سے ہمارا مال قرض مانگتا ہے قرض تو فقیر غنی سے مانگتا ہے۔ پس اگر تمہاری بات صحیح ہے تو اللہ فقیر ہوا اور ہم غنی۔ اللہ تو تم کو سود سے منع کرتا ہے اور خود ہم کو دے گا، اگر وہ غنی بھی ہوتب بھی ہم کو سود نہیں دے گا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور فنحاص کے منہ پر آپ نے ایک زوردار ضرب رسید کی اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہمارا تجھ سے معاہدہ نہ ہوتا تو اللہ کے دشمن میں تیری گردن مار دیتا۔ فنحاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا دیکھو تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیسی حرکت کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے ایسی حرکت کس وجہ سے کی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) دشمن خدا نے بہت بڑی بات کہی تھی اس نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ مجھے یہ سن کر غصہ آیا اور میں نے اس کے منہ پر مارا۔ فنحاص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کا انکار کر دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فنحاص کے قول کی تردید اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کی تصدیق میں مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔ "لقد سمع اللہ قول الذین" تا آخر آیت تک۔

"سنکتب ما قالوا" ہم ان کے قول کو لکھتے ہیں جو اللہ پر جھوٹی بات باندھتے ہیں ہم اس کا بدلہ ضرور دیں گے۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے قول کو محفوظ کر کے رکھیں گے۔ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حکم دیتے ہیں کہ لکھ کر محفوظ رکھیں گے۔ اس کی مثال اللہ کے اس فرمان میں ہے "وانا لہ کاتبون"..... "وقتلہم الانبیاء بغیر حق ونقول ذوقوا عذاب الحریق" حمزہ نے اسے "سیکتب" پڑھا ہے یاء کے ضمہ کے ساتھ "وقتلہم" لام کے ضمہ ساتھ "ویقول" کو یاء کے

ساتھ "ذوقوا عذاب الحریق" حریق سے مراد جہنم کی آگ ہے۔ حریق بمعنی محرق ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "لھم عذاب الیم" الیم بمعنی مولم کے ہے۔

❶ "ذلک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید" اللہ کے شایان شان نہیں کہ وہ بغیر گناہ کے عذاب دے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝

ترجمہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا تھا کہ ہم کسی پیغمبر پر اعتقاد نہ لاویں جب تک کہ ہمارے سامنے معجزہ نذر و نیاز خداوندی کا ظاہر نہ کرے کہ اس کو آگ کھا جاوے۔ آپ فرما دیجئے کہ بالیقین بہت سے پیغمبر مجھ سے پہلے بہت سے دلائل لے کر آئے اور خود یہ معجزہ بھی جس کو تم کہہ رہے ہو سو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا۔ اگر تم سچے ہو۔ سو اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو بہت سے پیغمبروں کی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں تکذیب کی جا چکی ہے جو معجزات لے کر آئے تھے اور صحیفے لے کر اور روشن کتاب لے کر ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو پوری پاداش تمہاری قیامت ہی کے روز ملے گی۔ تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو پورا کامیاب وہ ہوا۔ اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں مگر صرف دھوکے کا سودا ہے۔

الذین قالوا ان اللہ عہد الینا کا شان نزول

تفسیر ❶ "الذین قالوا ان اللہ عہد الینا" کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول کعب بن اشرف مالک بن صیف، وہب بن یہوذا، زید بن تابوت و فنحاص بن عازوراء، حیی بن اخطب کے بارے میں ہوا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی حالانکہ اللہ نے ہم کو توریت میں یہ حکم دے دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی طرف سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرے تو تم اس پر ایمان نہ لانا۔ "ان لا نؤمن لرسول" اور آپ کا گمان ہے کہ آپ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ "حتی یاتینا بقربان تاکلہ النار" اگر آپ ایسی قربانی لے کر آئے تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "الذین قالوا" اللہ نے ان کے قول کو سن لیا جو کچھ انہوں نے کہا۔ "تانی الذین" پہلے الذین پر رد

ہے اور وہ منصوب ہے۔ "ان اللّٰہ عھد الینا" ہمیں اللہ نے حکم دیا اور اپنی کتاب میں وصیت فرمائی کہ تم رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے یعنی تم اس بات کی تصدیق نہ کرو گے کہ وہ اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے اور تم اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اوپر ایمان نہیں لاؤ گے جب تک کہ ان کی قربانی کو آسمان سے آنے والی آگ نہ کھا لے اور اس آگ میں دھواں بھی نہ ہو۔ قربان کہتے ہیں ہر وہ کام جو اللہ کے قریب کرنے والا ہو خواہ وہ قربانی ہو صدقہ جاریہ ہو یا عمل صالح ہو۔ یہ "فعلان" کے وزن پر "قربۃ" کا صیغہ ہے۔ یہ دونوں قربتیں قربانی اور صدقہ اور غنیمت کا مال ان کے لیے حلال نہیں تھا۔ (بنی اسرائیل کے لیے) جب وہ قربان گاہ میں قربانی کرتے یا مال غنیمت کا مال جمع کرتے آسمان سے آگ آتی تو وہ اس کو کھا جاتی جس میں دھواں نہ ہوتا۔ اس میں گونج اور گڑگڑاہٹ کی آواز ہوتی تھی۔ آخر اس قربانی کو کھا جاتی۔ یہ قبول ہونے کی علامت تھی اور اگر آگ نہ آتی تو وہ اپنی حالت پر باقی رہتا۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ تم میں جب کوئی نبی آئے تو تم اس کی اس وقت تک تصدیق نہ کرنا جب تک کہ وہ قربانی لائے اور آسمان سے آگ آ کر اس کو کھا جائے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جب یہ دونوں آ جائیں تو تم ان پر ایمان ضرور لے آنا بغیر اس شرط کے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تام کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔ "قل" "اے محمد! کہہ دیجئے" "قد جاء کم" "اے یہودیوں کی جماعت" "رسل من قبلی بالبینات وبالذی قلتم" جو تم نے اس قربانی کے لیے کہا۔ "فلم قتلتموھم" حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور بہت سارے انبیاء علیہم السلام تم نے کیوں کر قتل کیے۔ اس خطاب سے ان کے اسلاف مراد ہیں کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے قتل پر راضی تھے۔ "ان کنتم صادقین" تمہیں سزا دی جائے گی ان کے علم کی سچائی کی وجہ سے (یعنی تمہیں معلوم تھا کہ یہ انبیاء علیہم السلام سچے ہیں انہوں نے وہ قربان کو پیش کیا اور اس کو آگ بھی کھا گئی تھی لیکن پھر بھی تم نے ان کو قتل کیا) یہ قتل تمہارے آباء و اجداد کے فعل کی بناء پر ہے حالانکہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام معجزات اور نشانیاں بھی لائے ہیں۔

⊕ "فان کذبوک ...... تا ...... بالبینات والزبر" ابن عامر نے "بالزبر" پڑھا ہے۔ اس کا معنی کتاب ہے۔ مزبور کے معنی میں ہے یعنی لکھی ہوئی کتاب۔ یہ رسول و رسل کی طرح ہے۔ "والکتاب المنیر" واضح اور روشن کتاب لائے۔

⊕ "کل نفس" "نفس منفوسہ کے معنی میں ہے۔ "ذائقۃ الموت" حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو زمین نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میری مٹی سے آدم کو کیوں بنایا گیا؟ زمین کے ساتھ وعدہ کیا گیا کہ وہ اس کو زمین میں ہی لوٹائے گا جو اس سے لیا گیا ہے تم میں سے کوئی شخص جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہو اور اس کو مٹی ہی میں دفن نہ کیا گیا ہو۔ "وانما توفون اجورکم" "وہ پورا پورا دے تمہارے اعمال کا بدلہ" "یوم القیامۃ" اگر نیک اعمال کیے ہوں گے تو اس کے بدلے میں نیکیاں ملیں گی اور اگر برے اعمال کیے تو ان کو برے بدلے ملیں گے۔ "فمن زحزح" "پس ہم جس کو زندہ کریں اور اس کو آگ سے دور کر دیں۔ "عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور" متاع سے مراد نفع اور فائدے کی چیز ہے۔ جیسے پلیٹ، رکابی کھانے کے برتن سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ پھر وہ نفع زائل ہو جاتا ہے اور وہ باقی نہیں رہتا۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا

گھاس کے سبزے اور لڑکیوں کی گڑیوں کی طرح ہے جس کا کوئی حاصل نہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متاع (دُنیا) ایک ایسا سامان ہے جو دوسروں کا چھوڑا ہوا ہے لہٰذا تم اس سامان سے اللہ کی فرمانبرداری کے ساتھ لے لو۔ یہاں غرور سے مراد باطل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں شمار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ ہی ایسی نعمتیں کسی بندے کے دل میں آئی ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہ پڑھو۔ "فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون" اور جنت کے اندر ایک درخت ہے جس کے سایہ میں گھڑ سوار سو برس تک چلتا رہے پھر بھی طے نہ کر پائے گا اگر تم چاہتے ہو تو یہ پڑھو۔ "وظلّ ممدود" اور جنت کی ایک کوڑے کی جگہ دُنیا اور دُنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ اگر تم چاہو تو پڑھو "فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور"

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ: البتہ آگے اور آزمائے جاؤ گے۔ اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں اور البتہ آگے کو اور سنو گے بہت سی باتیں دل آزاری کی لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہیں۔ اور ان لوگوں سے جو کہ مشرک ہیں۔ اور اگر صبر کرو گے اور پرہیز رکھو گے تو یہ تاکیدی احکام میں سے ہے۔

شانِ نزول

تفسیر: ۱۸۶ "لتبلون فی اموالکم وانفسکم" عکرمہ، مقاتل، کلبی، ابن جریج رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابی بکر اور فخاص بن عازوراء کے متعلق نازل ہوئی۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فخاص بن عازوراء بنو قینقاع کے سردار کے پاس کچھ مالی تعاون کے لیے بھیجا اور ایک تحریر بھی لکھ دی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے بغیر تیزی میں کچھ حرکت نہ کر بیٹھنا۔ یہاں تک کہ آپ میرے پاس لوٹ آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گردن میں تلوار لٹکائے فخاص کے پاس پہنچے اور اس کو تحریر تھما دیا۔ جب اس نے پڑھا تو کہنے لگا کہ تیرا رب محتاج ہو گیا کہ وہ ہم سے مدد طلب کرتا ہے (نعوذ باللہ) یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تلوار کی ضرب لگانی چاہی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آ گیا کہ واپس آ جانا تیزی سے کوئی کام نہ کر لینا۔ آپ اس بات سے رُک گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کا برا انجام

زہری رحمہ اللہ کا قول ہے اس آیت کا نزول کعب بن اشرف کے بارے میں ہوا کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف

ہجو اور مسلمانوں کو گالیاں دیتا تھا اور مشرکین کو اپنے اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ورغلاتا تھا اور مسلمانوں کی عورتوں کے خلاف اشعار پڑھتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو اس کا بدلہ لے کہ کعب بن اشرف نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہے۔ محمد بن سلمہ انصاری اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ کام سرانجام دوں گا میں اس کو قتل کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اس طرح کر گزر۔ اس کے بعد محمد بن سلمہ واپس لوٹے اور تین دن تک نہ انہوں نے کھانا کھایا اور نہ پانی پیا مگر اتنی مقدار میں جس سے زندگی برقرار رہے۔ اس بات کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ آپ نے کھانا پینا کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ فرمایا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسی بات کہہ چکا ہوں اب معلوم نہیں کہ وہ مجھ سے پورا ہوگا یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اوپر کوشش کرنا ہے۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اجازت دیں کہ اگر میں ذومعنی کچھ نازیبا الفاظ اس کے سامنے کہہ دوں (تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی اجازت دے دی۔

کعب بن اشرف کو قتل کرنے کیلئے ابونائلہ اور محمد بن مسلمہ کا جانا

کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لیے محمد بن سلمہ سلکان بن سلام اور ابونائلہ یہ دونوں کعب کے رضاعی بھائی تھے۔

عباد بن بشر حارث بن اوس اور ابوعیسیٰ بن جبیر بھی ان کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو الوداع کرنے بقیع الغرقد تک گئے۔ پھر ان کو ارشاد فرمایا کہ آپ سب چلو اللہ کے اس بابرکت نام کے ساتھ وہ ہے "اَللّٰھُمَّ اَعِنْھُمْ" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹ آئے۔ یہ چاندنی رات تھی جس میں وہ نکل پڑے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس محل میں پہنچ گئے۔ ابونائلہ کو انہوں نے آگے بھیجا اور وہ اس کے پاس آیا اور اس کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرنے لگا اور اشعار بھی پڑھنے لگا چونکہ ابونائلہ بھی شعر کہا کرتے تھے۔ پھر ابونائلہ بولے ابن اشرف تو ہلاک ہو میں تمہارے پاس ایک کام کی غرض سے آیا ہوں اس کا ذکر میں تم سے کرتا ہوں لیکن اس کا تذکرہ کسی کے ساتھ نہیں کرنا۔ کعب بن اشرف نے کہا کہ جی ہاں ایسا ہی ہوگا۔ ابونائلہ کہنے لگے کہ اس شخص کا ہمارے شہر میں آنا ہمارے لیے نامناسب بن گیا ہے، تمام عرب ہمارا دشمن ہو گیا ہے اور ہمارے مقابلے میں ایک کمان بن گیا ہے، ہمارے سفر کے راستے منقطع ہو گئے۔ یہاں تک کہ بال بچے بھوک سے مرنے لگے ہیں اور ہم سخت دشواریوں میں پڑ گئے۔ کعب کہنے لگا کہ میں اشرف کا بیٹا ہوں، میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ابونائلہ نے کہا کہ میرے ساتھ میرے اور ساتھی بھی ہیں ہم سب چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ہاتھ کچھ غلہ فروخت کر دو، ہم تمہارے پاس کچھ رہن رکھ دیں گے اور تمہارا اعتماد کرا دیں گے تم ہم سے اچھا سلوک کر دو۔

کعب بن اشرف نے کہا کہ تم اپنے بیٹے ہمارے پاس رہن رکھ لو۔ ابونائلہ نے کہا ہم کو شرم آتی ہے کہ اپنی اولاد کو رہن ہونے کی عار میں مبتلا کر دیں۔ آئندہ آنے والے لوگ یہ کہیں کہ یہ وہی ہیں جو ایک وسق یا دو وسق کے عوض رہن رکھے گئے تھے۔

کعب نے کہا کہ تم اپنی عورتیں ہمارے پاس رہن رکھ دو۔ ابونائلہ کہنے لگے کہ ہم اپنی عورتیں آپ کے پاس کس طرح رہن رکھیں تم عرب کے حسین ترین شخص ہو ہم تمہاری طرف سے بے خطر نہیں ہیں تمہاری خوبصورتی کو دیکھ کر کون عورت تم سے بچ سکتی ہے۔ البتہ اسلحہ تمہارے پاس رہن رکھ سکتے ہیں اور تم واقف ہی ہو کہ ہم کو اسلحہ کی کتنی ضرورت ہے۔ اشرف نے کہا جی ہاں۔ ابونائلہ نے چاہا کہ کعب ہتھیاروں کو دیکھ کر کہیں انکار نہ کردے۔ اس لیے اس سے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں کو آ کر اطلاع دے دی۔ سب نے باتفاق رائے یہ طے کرلیا کہ شام کو مقررہ وعدہ کے مطابق کعب کے پاس جائیں گے پھر رات کو آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تدبیر اور گفتگو کی اطلاع دے دی۔ پھر ابونائلہ حسب وعدہ رات کے وقت اس کے پاس آئے۔ گڑھی کے پاس آ کر ابونائلہ نے اس کو آواز دی۔ ابن اشرف کی شادی نئی نئی ہوئی تھی، آواز سن کر وہ چادر لپیٹے ہی اٹھ کھڑا ہوا، بیوی نے چادر کا کونہ پکڑ لیا اور کہنے لگی کہ میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے آپ گڑھی کے اوپر سے ہی ان سے گفتگو کرلیں اور آپ جنگی آدمی ہیں اور جنگی آدمی اس وقت نہیں اترا کرتے۔ وہ کہنے لگا کہ وہ میرا بھانجا محمد بن مسلمہ ہے جو میرا رضاعی بھائی نائلہ ہے اگر یہ لوگ مجھے سوتا پائیں گے تو مجھے جگا دیں گے اور شریف آدمی کو اگر رات میں تیزوں کی طرف بھی بلایا جائے تو وہ قبول کرتا ہے تو وہ ان کی طرف اتر آیا۔ وہ اس کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرتے رہے، پھر کہنے لگے اے ابن اشرف! چلو شعب عجوز تک ٹہلتے ہوئے چلیں، وہاں پہنچ کر باقی رات باتیں کریں گے۔ کعب نے کہا کہ اگر چاہتے ہو تو چلیں۔ ابونائلہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ میں اس کے بال خوشبو سونگھنے کے لیے ہاتھ میں پکڑوں گا جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے بال مضبوطی سے پکڑ لیے تو اپنا کام تمام کرنا اور تلواروں سے اس پر حملہ کرنا۔

پھر وہ چلتے ہوئے نائلہ نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے بالوں سے لگایا اور سونگھا اور کہنے لگے کہ آج تمہاری طرف سے خوشبو کی مہک آرہی ہے۔ کعب نے جواب دیا فلاں عورت جو عرب کی عورتوں میں سب سے زیادہ معطر رہنے والی ہے میری بیوی ہے۔ ابونائلہ نے کہا کہ کیا مجھے سونگھنے کی اجازت ہے۔ کعب نے کہا ہاں ابونائلہ نے اپنا ہاتھ کعب کے سر میں ڈالا۔ پھر اپنے ہاتھ کو سونگھا اور کہا آج کی رات کی طرح میں نے کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی، پھر کچھ دیر مزید چلے، پھر وہی عمل کیا جو پہلے کیا تھا۔ پھر اور چلے اور پہلے کی طرح دوبارہ اس کے بالوں کو سونگھا، پھر اس کے بعد اس کے سر کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا اور کہا دشمن خدا کو مارو، فوراً تلواریں چلیں لیکن تلواروں کے اختلاف سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ وہ مجھے خنجر یاد آ گیا جو تلوار میں، میں نے رکھا تھا۔ فوراً وہ خنجر میں نے ہاتھ میں لے لیا، دشمن خدا نے ایک زوردار چیخ ماری، چیخ کے ساتھ ہی ہمارے آس پاس کی تمام گڑھیاں روشن ہوگئیں، میں نے خنجر اس کی پیٹھ میں گھونپ دیا اور خنجر پر دباؤ ڈال کر پیڑو کی ہڈی تک پہنچا دیا اور اللہ کا دشمن گر پڑا۔ جب اس کو تلواروں سے حملہ کیا گیا تھا تو تلواروں کے مختلف ہونے کی وجہ سے حارث بن اوس کے سر میں چوٹ لگ گئی تھی۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم وہاں سے نکلے، ہم پہرے دار یہودیوں کے ڈر کی وجہ سے وہاں سے نکل کر تیزی سے بھاگے مگر ہمارا ساتھی حارث بن اوس سر کی چوٹ اور خون نکل جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گیا اور اس نے ساتھیوں کو پکار کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام

کہہ دیا، آواز سن کر لوگ اس کی طرف مڑے اور اُٹھا کر لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل دیئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، وہ ہمارے پاس تشریف لے آئے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعب کے قتل کی خوشخبری دی اور اس کا سر کاٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھی کے زخم پر تھتکارا جس کی وجہ سے زخم نے تکلیف نہیں پہنچائی اور لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ جو یہودی تمہارے ہاتھ لگے اس کو قتل کر دو، سفینہ یہودیوں کا تاجر تھا جس کا مسلمانوں سے اختلاط تھا وہ مسلمانوں میں خرید و فروخت کیا کرتا تھا۔ محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔ محیصہ کا ایک بڑا بھائی حویصہ تھا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا حویصہ نے محیصہ کو مارا اور کہا اے اللہ کے دشمن! تو نے اس کو قتل کر دیا حالانکہ خدا کی قسم! تیرے پیٹ کے اندر جتنی چربی ہے اس کا اکثر حصہ اسی کے مال سے پیدا ہوا ہے۔ محیصہ نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیرے قتل کرنے کا حکم دے دیں تو میں تیری گردن بھی اُتار دوں گا، وہ کہنے لگا واقعی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھے میرے قتل کرنے کا حکم دے دیں تو تم مجھے قتل کر دو گے۔ محیصہ نے کہا جی ہاں۔

حویصہ کہنے لگا اچھا جس دین نے تجھے اس حد تک پہنچا دیا، خدا کی قسم! وہ تو عجیب دین ہے اس کے بعد حویصہ بھی مسلمان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کعب کے واقعہ کے متعلق یہ آیات نازل فرمائیں۔ "لتبلون" ہم تمہیں ضرور بضرور خبر دیں گے۔ لام تاکید یہ ہے اور قسم کے معنی میں ہے اور نون تاکید بھی قسم کے لیے ہے۔ "فی اموالکم" سے مراد مالی مصائب، تباہیاں، آفات اور تجارتی گھاٹا "وانفسکم" اور تمہارے نفسوں کو مرض میں مبتلا کر کے۔ بعض نے کہا کہ تمہارے اقارب کے مصائب اور تمہارے گھر والوں کی مشکلات کے باعث تمہیں تکالیف دیں گے۔ عطاء فرماتے ہیں ان سے مراد مہاجرین ہیں جنہوں نے مشرکوں سے اموال وغیرہ قرض لیے تھے، پھر ان کو تکالیف دیتے تھے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ اعمال جو ان کے نفسوں اور مالوں پر فرض کیے گئے تھے۔ جیسا کہ نماز، روزہ، حج، جہاد، زکوٰۃ "ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم" اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ "ومن الذین اشرکوا" سے عرب کے مشرکین ہیں۔ "اذی کثیرا وان تصبروا" اگر اس اذیت پر صبر کریں۔ "وتتقوا" اور اللہ سے ڈریں۔ "فان ذلک من عزم الامور" یعنی ان امور میں سے جن کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ نے عزم الامور کا ترجمہ حقیقت ایمان کیا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ۞ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَآ أَتَوْا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۞

(ترجمہ) اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا اور اس کو

پوشیدہ مت رکھنا سو ان لوگوں نے اس کو اپنے پس پشت پھینک دیا۔ اور اس کے مقابلہ میں کم حقیقت معاوضہ لے لیا سو بری چیز ہے جس کو وہ لوگ لے رہے ہیں۔ جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کردار پر خوش ہوتے ہیں۔ اور جو کام نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو۔ سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کرنا کہ وہ خاص طور کے عذاب سے بچاؤ میں رہیں گے۔ اور ان کو دردناک سزا ہوگی۔

تفسیر ۱۸۷ "واذ اخذ اللہ ...... تا ولا تکتمونہ" ابن کثیر، اہل بصرہ، ابوبکر نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فنبذوہ وراء ظھورھم" دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

"فنبذوھم وراء ظھورھم" اس کو چھوڑ دیا اور اس کو ضائع کر دیا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔

"واشتروا بہ ثمنا قلیلا" حقیر معاوضہ اور رشوتیں لے لیں۔ "فبئس ما یشترون" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ میثاق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے لیا تھا کہ جو تم میں سے کوئی علم سیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ آگے علم سکھائے تو علم چھپانے سے بچو کیونکہ علم کا چھپانا ہلاکت کا باعث ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ نے اہل علم سے یہ عہد لیا تھا کہ میں جو کچھ تم سے بیان کروں اس کو نہ چھپانا، پھر آپ نے یہ آیت "واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب" تلاوت فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کسی شخص سے کوئی ایسی علم کی بات پوچھی جائے جس کو وہ جانتا ہو اور وہ چھپائے رکھے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔

حسن بن عمارۃ نے بیان کیا کہ میں زہری کے پاس اس زمانہ میں گیا جب انہوں نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اس کو دروازے پر پایا اور کہا اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھ سے کوئی حدیث بیان کریں یا پھر میں آپ سے ایک حدیث بیان کروں۔ بولے تم بیان کرو میں نے کہا کہ مجھ سے حکم بن عیینہ نے یحییٰ بن خراز کے حوالے سے بیان کیا۔ خراز نے کہا کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپ فرما رہے تھے کہ اللہ نے جاہلوں سے علم سیکھنے کا عہد اس وقت تک نہیں لیا جب تک علماء سے علم سکھانے کا وعدہ نہ لے لیا۔ پھر زہری نے مجھ سے چالیس حدیثیں بیان کیں۔

۱۸۸ "لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا" حمزہ، عاصم، کسائی رحمہم اللہ نے ان کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی خوشی آپ گمان نہ کریں۔ دوسرے قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ "لا یحسبن الذین" وہ آپ کی خوشی میں خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں بھی نجات مل جائے گی۔

ابن کثیر اور ابوعمرو نے "فلا یحسبنھم" یاء کے ساتھ اور اس پر ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فارحین کی خبر ہے مطلب یہ ہے کہ وہ گمان نہ کریں اپنے نفسوں پر۔ بعض قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باء کے فتحہ سے اس صورت میں خطاب۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا۔ پھر آگے "فلا تحسبنھم تاکید" لائے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے۔

ولاتحسبن الذین کا شانِ نزول

"ولا یحسبن الذین تا من العذاب" تک بغیر تکرار کے ذکر فرمایا اس آیت کے شانِ نزول میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین میں سے کچھ لوگ ایسا کرتے تھے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد کے لیے جاتے تو یہ منافقین پیچھے رہ جاتے جہاد پر نہیں جاتے تھے اور پیچھے بیٹھے رہنے پر خوش ہوتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس آتے تھے تو یہ لوگ قسمیں کھا کر حضرت پیش کرتے تھے اور ناکردہ فعل پر تعریف کے خواستگار ہوتے تھے۔ اس پر یہ آیت "لاتحسبن الذین یفرحون بما اتوا" نازل ہوئی۔

مروان نے ابو رافع سے پوچھا کہ اے رافع جاؤ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس، اس آیت کے متعلق سوال کرو کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی اور ان سے کہو کہ اگر یہ سب لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جب ہم میں سے ہر شخص اپنے کیے پر خوش اور ناکردہ نیکی پر تعریف کیے جانے کو پسند کرتا ہے اور ایسے شخص کو عذاب دیا جانا یقینی ہے تو کیا پھر ہم سب کو عذاب دیا جائے گا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا تعلق، اس کا واقعہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو طلب فرمایا اور کوئی بات پوچھی۔ یہودیوں نے اصل بات چھپالی اور کوئی دوسری بات بتائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ظاہر کیا کہ آپ نے جو کچھ دریافت کیا تھا ہم نے وہی بتایا اس فعل پر انہوں نے مستحق تعریف بننا چاہا لیکن اپنی جگہ پر وہ اس امر سے خوش تھے کہ ہم نے وہ بات چھپالی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کی تھی اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت "و اذ اخذ اللّٰہ میثاق الّذین" آخر تک تلاوت فرمائی۔

"ویحبون ان یحمدوا بمالم یفعلوا" عکرمہ کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول فنحاص واشیع اور یہود کے دوسرے سرداروں کے متعلق ہوا جو لوگوں کو گمراہ کر کے خوش ہوتے تھے کہ وہ علم جاننے والے ہیں حالانکہ ان کے پاس کسی چیز کا علم نہیں اور نہ ہی وہ علماء کہلانے کے مستحق ہیں۔ مجاہد نے کہا یہودی خوش ہوتے تھے کہ اللہ نے آل ابراہیم کو مراتب عطا فرمائے حالانکہ وہ خود اس سے بے بہرہ تھے۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ کا قول ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا ہم آپ کو پہچانتے اور تصدیق کرتے ہیں کہ آپ نبی موعود ہیں اور ہم تمہارے خیال سے متفق ہیں اور تمہارے مددگار ہیں مگر یہ باتیں ان کے دلوں میں نہیں تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے تو مسلمانوں نے ان سے کہا کہ تم نے خوب کہا، ایسا ہی کرو غرض مسلمانوں نے ان کی تعریف کی اور ان کے لیے دُعا کی، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ "و یفرحون بما اتوا" فراء نے کہا کہ وہ اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کیے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "لقد جئت شیئاً فریاً"...... "فلا تحسبنھم بمفازۃ" سے مراد نجات پانا ہے۔ "من العذاب ولھم عذاب الیم"

وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

(ترجمہ) اور اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات کے اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کیلئے۔

(تفسیر) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سویا۔ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور مسواک کیا پھر وضو کیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ''ان فی خلق السمٰوٰت والارض'' آخر سورۃ تک۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اس طور پر کہ اس میں قیام، رکوع، سجود کو خوب طویل کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی پھر سو گئے۔ یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ کیا اور چھ رکعات پڑھی اور ہر دفعہ مسواک کیا، پھر وضو کیا، پھر یہ آیات تلاوت فرمائی، پھر تین وتر پڑھے، پھر مؤذن آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے نکلے اور یہ ارشاد فرما رہے تھے اے اللہ! میری آنکھوں کو نور بنا دے، میرے سننے کو نور، میری زبان کو نور اور میرے پیچھے نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور اور میرے نیچے نور بنا دے۔ اے اللہ! مجھے نور عطا فرما۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس میں زیادہ کیا کہ اے اللہ! میرے دل کو نور سے منور کر دے اور میری آنکھوں کو اور میرے کانوں کو اور میرے دائیں اور بائیں نور سے منور فرما دے۔ ''لاٰیات لاولی الالباب'' نشانیاں ہیں اہل عقل والوں کے لیے۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

(ترجمہ) جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی لیٹے بھی۔ اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا۔ ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔

(تفسیر) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نخعی اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے۔ اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر اور اگر بیٹھ کر طاقت نہیں تو ایک پہلو کے بل نماز پڑھے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مریض کی نماز کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو پھر پہلو کے بل نماز پڑھو۔ دوسرے مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے کسی عمل پر مداومت اختیار کرنا مراد ہے۔ تمام احوال میں کیونکہ انسان کی زندگی میں یہی تین حالات پیش آتے ہیں۔ اس کی مثال ''فاذا قضیتم الصلٰوۃ فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلٰی جنوبکم'' ''ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض'' اور وہ چیزیں جن کو ابتداء سے پیدا کیا تاکہ یہ سب اشیاء اللہ کی قدرت پر

دلالت کریں تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہر چیز کا بنانے والا قادر و تدبیر کرنے والا حکیم ہے۔ ابن عون کا بیان ہے غور و فکر انسان کی غفلت کو دور کر دیتا ہے اور دل میں خوف الٰہی پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ کھیتی کو پانی سیراب کرتی ہے اور دلوں کی مثال خزانوں کی طرح ہے اور یہ خزانے نہیں کھلتے مگر غور و فکر سے۔ "ربنا" اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب "ما خلقت ھذا" یہ اس لیے فرمایا کہ مخلوقات کو اسی طرف لوٹاتا ہے۔ صرف یہ نہیں فرمایا "ھاطلا" بلکہ درمیان میں تخلیق کا ذکر فرما دیا۔ "باطلا" بیکار، کھیل تماشا کے لیے نہیں بنایا بلکہ ایک بڑے کام کے لیے بنایا۔ باطلا منصوب ہے، حرف جار کو حذف کر دیا ہے۔ اصل میں "بالباطل تھا"۔ "سبحانک فقنا عذاب النار"

"ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ" یعنی رسوا کرنا۔ بعض نے کہا کہ ہلاک کرنا۔ بعض نے کہا اللہ نے اس کو رسوا کر دیا، یہ معنی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولا تخزون فی ضیفی"

سوال: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ" اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا حالانکہ مومن دوزخ میں جائیں گے جب اس آیت میں ہے کہ جو شخص دوزخ میں جائے گا وہ رسوا ہوگا، دونوں آیتوں کے تضاد کو دور کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: انس، قتادہ رضی اللہ عنہما اس آیت کا معنی یہ کرتے ہیں کہ جب تک وہ دوزخ میں رہے گا اس وقت تک وہ رسوا ہوتا رہے گا۔ سعید بن مسیب کا قول ہے یہ خاص ہے ان لوگوں کے لیے جو جہنم سے نکلیں گے نہیں۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ ایک جماعت کو دوزخ میں داخل کرے گا پھر اس سے نکالے گا۔ "وما للظلمین من انصار"

رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَہُمْ رَبُّہُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُکُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ ہَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْہُمْ سَیِّاٰتِہِمْ وَلَاُدْخِلَنَّہُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار بےشبہ آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں اس کو واقعی رسوا ہی کر دیا اور ایسے بےانصافوں کا کوئی بھی ساتھ دینے والا نہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ ایمان لانے کے واسطے اعلان کر رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار پھر ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے اور ہماری بدیوں کو بھی ہم سے زائل کر دیجئے۔ اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجئے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو وہ چیز بھی دیجئے جس کا ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور ہم کو قیامت کے روز

رسوانہ کیجئے ۔ بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے ۔ سو منظور کرلیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کام کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا ۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو ۔ سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے ۔ اور تکلیفیں دیے گئے میری راہ میں اور جہاد کیا اور شہید ہو گئے ۔ ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کردوں گا ۔ اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ۔ یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے ۔

تفسیر ⓐ "ربنا اننا سمعنا منادیا" منادی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اس سے مراد اکثر لوگ ہیں ۔ قرظی نے فرمایا اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ ہر شخص کی ملاقات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہو سکتی ۔ "ینادی للایمان" ایمان کے لیے پکار رہا تھا ۔ "ان آمنوا ...... تا ...... مع الابرار" یعنی نیک لوگوں کے ساتھ ۔

ⓐ "ربنا وآتنا ما وعدتنا علی رسلک" تمہارے رسولوں کی زبان پر ۔ "ولا تخزنا" رسوا نہیں کرتا ۔ عذاب دینے کے ساتھ ، ہلاک کرنے کے ساتھ اور رسوائی کرنے کے ساتھ ۔ "یوم القیامۃ انک لا تخلف المیعاد"

سوال : جب معلوم تھا کہ اللہ وعدہ خلافی نہیں فرمائے گا تو پھر ایسا ارشاد کیوں فرمایا ؟

جواب : لفظاً دعا ہے اور معنیٰ خبر ہے ۔

مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے جو اپنے رسولوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے اس کو ضرور پورا کریں گے ۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ۔ "فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا" ...... "ولا تخزنا یوم القیامۃ" ہم ان کو اپنے فضل اور رحمت سے ضرور عطاء کریں گے ۔ بعض نے کہا کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنے ثواب کا مستحق بنادے اور تو نے جو وعدہ کیا ہے وہ ہمیں عطا فرما کیونکہ وہ لوگ انبیاء کی اس کرامت پر یقین نہیں کرتے ۔ پس ہم سوال کرتے ہیں کہ تو ہمیں اس کا مستحق بنادے ۔ بعض نے کہا کہ کفار کے مقابلے میں جو مدد و نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا اس کی جلدی کرنے میں سوال کر رہے تھے اور کہنے لگے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے لیکن ہمیں حلم پر صبر نہیں ہمیں رسوائی پہنچ گئی اس لیے ہم پہ مدد فرما ۔

ⓐ "فاستجاب لهم ربهم انی" یہ اصل "بانی" تھا ۔ "لا اضیع" نہیں اکارت کرتا ۔ "عمل عامل منکم" اے مؤمنین "من ذکر او انثی" مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سن رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب وسنت میں مردوں کا ذکر کرتا ہے عورتوں کا کوئی تذکرہ نہیں ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ "بعضکم من بعض" دین میں باہم مدد کرنے میں اور آپس کی دوستی میں اور بعض نے کہا کہ اس کا تمام انسانیت کے تحت ایک دوسرے کا معاملہ مراد ہے کیونکہ سب آدم وحواء کی اولاد ہیں ۔ ضحاک رحمہ اللہ نے کہا کہ تمہارے مرد عورتوں کی طرح اور عورتیں مردوں کی طرح نیکی میں برابر ہیں ۔ "کما قال والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض"

"فالذین هاجروا واخرجوا من دیارهم واوذوا فی سبیلی" سبیل سے مراد اطاعت اور دین میں فرمانبرداری ہے ۔

اس سے مہاجرین مراد ہیں جن کو مشرکین نے مکہ سے نکالا تھا۔ "وقاتلوا وقتلوا" ابن عامر اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے "قتّلوا" تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ معرکے میں مارے گئے۔ دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اکثر قراء نے "قاتلوا وقتلوا" پڑھا ہے۔ انہوں نے ان مشرکین کے ساتھ قتال کیا۔ پھر انہوں نے ان کو قتل کیا۔ حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے "قتلوا وقاتلوا" پڑھا ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ معنی ہوگا کہ جو باقی بچ گئے تھے ان کے ساتھ قتال کیا اور "قتلوا" کا مطلب یہاں کے ساتھ بعض نے قتال کیا۔ جیسے کہ عرب والے کہتے ہیں کہ بنی فلاں نے قتل وغارت کی تو ان میں سے بعض قتل کیے گئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ "وقتلوا" کا معنی ہے "وقد قاتلوا" اور تحقیق وہ قتل کیے گئے۔ "لاکفرن ...... تا ...... من عند اللہ" منصوب علی القطع ہے۔ مبرد کا قول ہے کہ ہم ضرور بضرور ان کو ثواب عطا کریں گے۔ "واللہ عندہ حسن الثواب"

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ۞ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِھَادُ ۞ لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۞

ترجمہ: تجھ کو ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے۔ چند روزہ بہار ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ برا ہی آرامگاہ ہے لیکن جو لوگ خدا سے ڈریں ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے۔ اور جو چیزیں خدا کے پاس ہیں وہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہیں۔

تفسیر: ۞ "لایغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد" یہ مشرکین کے متعلق نازل ہوئی کہ اے مسلمانو! تم کافروں کی فراغ حالی، عیش پرست، ان کی تجارت اور نعمت سے تم خوردہ نہ ہو! بعض مؤمن لوگوں نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بہتری شمار کر کے رکھی ہے اور ہم کوشش میں لگے ہوئے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لایغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد" کہ ان کا زمین میں گھومتا پھرنا اور شہروں میں تجارت کرنا اور ان کے مختلف قسم کے ذرائع سے تم خوردہ نہ ہو، خطاب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد اس سے اُمت ہے۔

۞ "متاع قلیل" یہ تھوڑا سا حقیر مال ہے۔ فنا ہونے والا اور زائل ہونے والا فائدہ "ثم ماواھم" پھر ان کا ٹھکانہ "جھنم وبئس المھاد" مہاد کا معنی فراش کے ہے۔

۞ "لکن الذین اتقوا ربھم لھم جنّٰت تجری من تحتھا ...... تا ...... نزلاً" بدلہ اور ثواب ہے۔ "من عند اللہ" تفسیر یہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ "وما عند اللہ خیر للابرار" دُنیا کے فائدے سے یہ بہتر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں بالا خانے میں خدمت گرامی

میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھردری چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں، سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کے خوشے بھرے ہوئے تھے، قدموں کے پاس کچھ پکا چمڑا جمع کیا رکھا تھا، سرہانے کچی کھال لٹک رہی تھی اور چٹائی کے نشان پہلو پر پڑ گئے تھے، میں یہ دیکھ کر رونے لگا فرمایا کس وجہ سے روتے ہو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کسریٰ اور قیصر اس حالت میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا کیا تم اس پر رضامند نہیں کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ: اور بالیقین بعضے لوگ اہل کتاب میں سے ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کتاب کے ساتھ بھی جو تمہارے پاس بھیجی گئی اور اس کتاب کے ساتھ بھی جو ان کے پاس بھیجی گئی اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے مقابلہ میں کم حقیقت معاوضہ نہیں لیتے ایسے لوگوں کو ان کا نیک عوض ملے گا ان کے پروردگار کے پاس۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب کر دیں گے اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لیے مستعد رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔

❶ "وان من اهل الكتاب لمن يؤمن بالله"

نجاشی کے غائبانہ نماز جنازہ کا ذکر

تفسیر: ابن عباس، جابر، انس، قتادہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک نجاشی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کا نام اصحمہ تھا اور عربی میں اس کا نام عطیہ تھا جس روز اس کی وفات ہوئی اس روز جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے عرض کیا باہر نکل کر اپنے بھائی نجاشی کی نماز پڑھو، اس کا انتقال دوسرے ملک میں ہوگیا۔ چنانچہ وہ بقیع تشریف لے گئے، آپ کے سامنے سے سرزمین حبشہ تک پردہ ہٹا دیا اور نجاشی کا جنازہ آپ نے دیکھ کر پڑھایا، چار تکبیریں کہیں اور دعا مغفرت کی۔ منافق کہنے لگے ان کو دیکھو ایک حبشی عیسائی کافر کا جنازہ پڑھ رہے ہیں، جو ان کے دین پر نہیں تھا نہ اس کو کبھی انہوں نے دیکھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت چالیس نجرانیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ جن میں بتیس (۳۲) حبشہ کے رہنے والے تھے اور آٹھ رومی تھے۔ یہ سب پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب پر تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ ابن جریج نے کہا کہ اس آیت کا نزول حضرت عبداللہ بن سلام اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں ہوا۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے

کہ ان تمام اہل کتاب کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا جو ایمان لے آئے تھے۔

"وان من اھل الکتاب لمن یؤمن باللّٰہ" ...... "وما انزل الیکم" اس سے مراد قرآن ہے۔ "وما انزل الیھم" اس سے مراد توریت اور انجیل ہے۔ "خاشعین للّٰہ" تواضع اور انکساری کرتے ہوئے۔ "لا یشترون بآیات اللّٰہ ثمنا قلیلا" نہ وہ اپنی کتابوں میں تحریف کرتے ہیں اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات چھپاتے ہیں۔ ریاست اور ماکلہ کی وجہ سے۔ یعنی چند رشوتیں لے کر اللہ کے کلام کو بگاڑنے والے نہیں جس طرح یہود کے بڑے بڑے سردار تھے۔ "اولئک لھم اجرھم عند ربھم ان اللّٰہ سریع الحساب" "یا یھا الذین امنوا اصبروا وصابروا و رابطوا" حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے اپنے دین پر صبر اختیار کرو تنگی اور نرمی میں اس کی اطاعت نہ چھوڑو۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت میں صبر اختیار کرو۔ ضحاک اور مقاتل بن سلیمان رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے اوامر پر عمل کرتے رہو صبر اختیار کر کے۔

مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی میں صبر اختیار کرو۔ زید بن اسلم کا بیان ہے کہ جہاد پر صبر اختیار کرو۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصیبت پر صبر اختیار کرو "وصابروا" کفار کے قتال پر صبر اختیار کرو۔ "ورابطوا" اور مشرکین کے ساتھ مقابلہ میں مستعد رہو۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ دفاع اور ثابت قدم رہو۔ ربط کہتے ہیں باندھنا۔ رباط کا اصل معنی یہ ہے کہ سرحدوں پر گھوڑے باندھے رکھنا بعد میں اس معنی میں مزید توسیع ہوگئی اور معنی ہو گیا سرحد پر ہر مقیم کا دشمن کو دفع کرنے کے لیے مستعد رہنا خواہ اس کے پاس گھوڑا ہو یا نہ ہو۔ سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں سرحد پر ایک دن کی چوکیداری دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت کے اندر ایک کوڑے کے برابر تم میں سے کسی کی جگہ دُنیا اور دُنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے اور جو شخص ایک شام یا ایک صبح کو اللہ کی راہ میں نکلتا ہے وہ اس کے لیے دُنیا اور دُنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔

سلمان خیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن اور ایک رات پہرہ داری کی تو اس کو حالت اقامت میں ایک ماہ کے روزوں کا ثواب ملے گا اور جو پہرہ دیتے ہوئے مر گیا اس کے لیے اس جیسا اجر جاری رکھا جائے گا اور اس کو رزق ملتا رہے گا اور وہ قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کبھی کوئی جہاد ایسا نہیں ہوا کہ اس میں سرحد پر پہرہ نہ کیا گیا ہو۔ لیکن ایک نماز سے دوسری تک کا انتظار ہی پہرہ ہوتا تھا۔ اس تاویل کی دلیل وہ روایت ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں خبر نہ دوں ایسے عمل کی جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں (اور خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں) اور درجات بلند کرتے ہیں، وضو کو پورا پورا کرنا مشکل وقت میں بھی اور مساجد کی طرف اُٹھنے والے زیادہ قدم، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، یہ تمہارا رباط ہے یہی تمہارا رباط ہے۔

"واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون" بعض ارباب لسان فرماتے ہیں کہ نعمتوں پر شکر ادا کرنا اور سختی و تنگی میں صبر کرنا اور مضبوط رہنا دشمنوں کے ملک میں اور اللہ سے ڈرنا جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے تاکہ تم کامیاب ہو باقی رہنے والے گھر میں۔

سورۃ النساء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

ترجمہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔

تفسیر ① "یاایھا النّاس ..... تا ..... نفس واحدۃ" اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ "وخلق منھا زوجھا" اس سے مراد حضرت حوا علیہا السلام "وبث منھما" اور آدم و حوا علیہما السلام سے پھیلایا یا ظاہر کیا۔ "رجالاً کثیراً ونساءً واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ" یہاں دو تائیں تھیں اصل میں تتساء لون تھا۔ سین کی تخفیف کے ساتھ یہاں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت "وتعاونوا" اصل میں "تتعاونوا" تھا۔ "والارحام" بعض حضرات نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ قطع رحمی سے ڈرتے رہو۔ حمزہ نے اس کو مجرور پڑھا ہے اس صورت میں عبارت یوں ہوگی "بالارحام" جیسا کہ کہا جاتا ہے "سالتک باللہ والارحام" کہ میں تجھ سے اللہ کا نام لے کر سوال کرتا ہوں اور ارحام کا۔ پہلی قرأت اصح ہے کیونکہ عرب کا دستور ہے کہ ایک لفظ کو پہلے کنایۃً ذکر کر کے دوبارہ ظاہراً ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ مثال مذکور میں ہے۔ "مررت بہ وبزید" ..... "ان اللہ کان علیکم رقیبا" رقیب کا معنی ہے حفاظت کرنے والا۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③

(ترجمہ) اور جن بچوں کا باپ مر جاوے ان کے مال ان تک پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو۔ اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں (کے رہنے) تک ایسی کارروائی کرنا بڑا گناہ ہے اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو اور دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔

❷ "و آتوا الیتامی اموالهم"

و آتوا الیتامی کا شان نزول

مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غطفان کے ایک شخص کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ اس کے بھائی کے بیٹے کے پاس جو یتیم تھا اس کے پاس مال کثیر تھا جب یتیم مال حاصل کرنے کی عمر تک پہنچا اس نے مال طلب کیا، چچا نے اسے مال دینے سے انکار کر دیا۔ یہ مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب اس کے چچا نے یہ آیت سنی تو کہنے لگا کہ میں نے اللہ کی اطاعت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اور میں پناہ مانگتا ہوں اس بڑے وبال سے۔ اس نے اپنا مال اس یتیم بچے کے حوالے کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو بچایا اور اپنے رب کی اطاعت کی اللہ اس کے لیے گھر کو حلال کر دے گا۔ گھر سے مراد جنت ہے اور جب وہ بچہ وفات پا جائے تو اس کے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے ارشاد فرمایا کہ اس کا اجر ثابت ہے اور اس کا وزر (سامان) باقی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اس کا سامان باقی کیوں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا غلام کا ثواب تو ثابت رہا اور اس کا سامان اس کے باپ کے لیے باقی رہ گیا۔ "و آتوا" یہ خطاب ہے اولیاء اور اوصیاء کے لیے۔ یتامیٰ جمع ہے یتیم کی۔ اس چھوٹے بچے کو کہا جاتا ہے جس کا نہ باپ ہو اور نہ ہی دادا۔ لہٰذا ان کو ان کا مال ان کی بلوغت کے بعد دیا جاتا ہے۔ "و لا تتبدلوا" اور نہ ہی تم تبدیل کرو۔ "الخبیث بالطیب" پاک کو ناپاک کے بدلے میں نہ تبدیل کرو۔ یعنی یتیم کے مال کو جو تمہارے لیے ناپاک اور حرام ہے اور اپنے مال کے عوض جو تمہارے لیے پاک اور حلال ہے نہ لو۔

و لا تتبدلوا الخبیث بالطیب کی تفسیر

اس تبدیلی کے متعلق آئمہ میں اختلاف ہے۔ سعید بن المسیب رحمہ اللہ، امام نخعی، زہری، سدی رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ یتامیٰ کے اولیاء یہ کیا کرتے تھے کہ یتیم کے مال سے جید لے لیتے تھے اور ان کے مال میں ردی ملا دیتے تھے یا موٹی بکری یتیم کے ریوڑ سے لے لیتے تھے اور دبلی بکری اسے دیتے تھے کھرا درہم نکال دیتے اور ردی درہم اس میں رکھ لیتے اور وہ یہ کہتے کہ درہم بدلے درہم ہو گیا۔ ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو وراثت نہیں دیتے

تھے اور بڑے مرد میراث لے لیتے تھے یا ان کے حصوں میں سے جید مال لے لیتے تھے اور اس کی جگہ خبیث مال رکھ دیتے تھے۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ فوری حرام رزق کو نہ لو اور جس حلال رزق کا اللہ نے وعدہ کرلیا ہے اس کے ملنے سے پہلے حرام روزی حاصل کرنے میں عجلت نہ کرو۔

"ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم" یعنی یتیموں کے مال کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ (جیسا کہ من انصاری الی اللہ) کا ترجمہ مع اللہ ہے اسی طرح یہاں بھی الی "مع" کے معنی میں ہے۔ "انہ کان حوبا کبیرا" بڑا گناہ ہے۔

یتامیٰ کے ساتھ نکاح کا حکم اور شان نزول

"وان خفتم ...... تا ...... مثنی و ثلاث ورباع" اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اگر تم کو خوف ہوا ہے یتامیٰ کے اولیاء کہ تم ان میں عدل نہیں کرسکو گے کہ جب تم ان سے نکاح کرلو تو تم ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار ہوں۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا کہ "وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا اس سے مراد وہ یتیمہ ہے جو اپنے ولی کی سرپرستی میں ہوتی تھی اور ولی اس کا محرم نہیں ہوتا تھا جیسے چچا کا بیٹا ولی یتیمہ کے حسن و مال کو دیکھ کر اس کی طرف رغبت کرتا اور اس سے نکاح کرلینا چاہتا تھا مگر مہر مثل سے کم دینے کا ارادہ کرتا تھا۔ آیت میں ایسے سرپرستوں کو اپنی زیر پرورش یتیم لڑکیوں سے بغیر تکمیل مہر کے نکاح کرنے کی ممانعت کردی گئی۔ باقی دوسری عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر لوگوں نے یتامیٰ سے نکاح کا مسئلہ پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی "ویستفتونک فی النساء، الی قولہ، وترغبون ان تنکحوھن" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کھول کر بیان کردیا کہ اگر یتیمہ حسین اور مالدار ہوتی تو لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں مگر اس کے درجہ کے موافق اس کو مہر نہیں دینا چاہتے۔ جب مال و جمال کے لحاظ سے وہ گری ہوئی ہوتی ہے تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور دوسری عورتوں کے نکاح کے طلبگار ہوتے ہیں۔ پس جس طرح مال و حسن کی کمی کے وقت لوگ یتیمہ سے نکاح کرنے کے خواہشمند نہیں ہوتے اسی طرح مال و جمال کی زیادتی کے وقت بھی ان کو نکاح کا طلبگار نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں اگر یتیمہ کا پورا حق اور کامل ترین مہر ادا کردیں تو نکاح کرسکتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں یتامیٰ کے ساتھ سلوک کی کیفیت

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے پاس یتیم لڑکیاں رہتی تھیں ان میں سے جن کے ساتھ نکاح حلال ہوتا وہ مال کی غرض کی وجہ سے ان سے نکاح کرلیتے اور اس کو یہ گوارا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی دوسرا اجنبی آجائے۔ اور اس کے مال

میں شریک ہو جائے، اس کی صحبت کو برا سمجھتا اور وہ شخص اس یتیم کو اپنے پاس ہی رہنے دیتا یہاں تک کہ وہ مرجاتی اور اس کے مال کا وارث بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات اچھی نہیں لگی اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

بیک وقت چار سے زائد نکاح کرنا زمانہ جاہلیت کا شیوا ہے

عکرمہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قریش کے لوگ دس دس یا اس سے زائد عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیتے تھے اور جب ان کے خرچ وغیرہ کا وقت ہوتا تو یہ اپنے زیر پرورش یتیم کے مال کی طرف مائل ہوتے اور پھر ان پر خرچ کرتے، پھر ان کو حکم دے دیا گیا کہ چار سے زائد نکاح نہ کرو کہ یتیموں کا مال لینے کی ضرورت پڑے۔ یہی روایت طاؤس کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور بعض نے کہا کہ یتیموں کے مال میں وقت ہوتی تھی اور عورتوں کے معاملہ زنا میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی جس سے چاہتے شادی کرتے اور عدل و انصاف کرتے اور کبھی کبھار انصاف نہ کرتے پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔ "وآتوا الیتمی اموالھم"..... "وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی" یعنی جس طرح تم یتیموں کے مالوں میں انصاف سے ڈرتے ہو اسی طرح عورتوں کے معاملے میں تم ڈرو کہ تم ان کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے۔ لہٰذا تم بھی اتنی عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے حقوق تم ادا نہیں کر سکتے کیونکہ جس طرح یتیم ضعیف و کمزور ہے اسی طرح عورتیں ضعیف اور کمزور ہیں۔ یہی قول سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، قتادہ، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ کا ہے۔

پھر چار کے ساتھ نکاح کرنے کی رخصت دی ہے جیسا کہ اس آیت "فانکحوا ما طاب لکم الی آخر الآیۃ" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم یتیموں کی ولایت اور ان کے مال میں تم حرج محسوس کرتے ہو اسی طرح تم عورتوں کے ساتھ زنا کے متعلق بھی حرج محسوس کرو۔ لہٰذا تم حلال عورتوں کے ساتھ نکاح کرو جس کے ساتھ نکاح کرنا حلال پاکیزہ ہے۔ پھر ان کی تعداد بھی بتلائی گئی، وہ زمانہ جاہلیت میں جتنی عورتوں سے چاہتے نکاح کر لیتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "فانکحوا ما طاب لکم من النساء" اس کا معنی ہے من طاب۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جن پسندیدہ عورتوں سے چاہو نکاح کر لو۔ یہاں ما بمعنی من کے ہے۔ جیسے "والسماء وما بنٰھا" میں ما بمعنی من کے ہے۔ اللہ کے اس فرمان میں "قال فرعون وما رب العالمین" عرب کے نزدیک ما، من ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فمنھم من یمشی علی بطنہ ومنھم من یمشی علی رجلین" یہاں پر من استعمال ہوا ہے۔ یہاں پر "ما طاب لکم" کا مطلب ہوگا حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے عورتیں دو دو، تین تین اور چار چار۔ یہ معدول ہیں۔ "ثنتین، ثنتین، ثلاث ثلاث، اربع، اربع" سے۔ اسی وجہ سے یہ الفاظ غیر منصرف ہیں کیونکہ یہ معدول ہو کر آئی ہیں اور ان کے معنی میں وصفیت بھی شامل ہے۔ یہاں واو بمعنی تخییر کے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں "ان تقوموا للہ مثنی و فرادی" اور اس فرمان میں "اولی اجنحۃ مثنی و ثلاث و رباع" اس بات میں اُمت کا اجماع ہے کہ کوئی چار سے زائد عورتوں سے بیک وقت

شادی نہیں کرسکتا۔ چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہیں۔ امت میں سے کوئی شخص اس میں شریک نہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ قیس بن حارث رضی اللہ عنہ کی آٹھ بیویاں تھیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار کو طلاق دے دو اور چار کو رکھ لو۔ قیس کا بیان ہے کہ میں نے ان بیویوں سے جن کی اولاد نہیں ہوئی تھی کہہ دیا تم جاؤ اور جن بیویوں کی اولاد ہوئی تھی ان سے کہہ دیا تم آؤ۔

روایت میں آتا ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی دس بیویاں بھی مسلمان ہوگئیں جو زمانہ جاہلیت میں ان کے نکاح میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار کو رہنے دو باقی کو چھوڑ دو۔ آزاد مرد کے ساتھ چار آزاد عورتوں کا جمع ہونا جائز ہے۔ غلام کے لیے جائز نہیں کہ وہ دو عورتوں سے زائد کے ساتھ نکاح کرے۔ یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔ جیسا کہ آگے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ غلام دو عورتوں کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور اس کو دو طلاقوں کا اختیار ہے اور باندی دو حیض عدت گزارے گی۔ اگر باندی کو حیض نہ آتا ہو تو پھر دو مہینے یا ایک ماہ مکمل اور ایک آدھا ماہ عدت گزارے گی۔ ربیعہ فرماتے ہیں کہ غلام بھی آزاد مرد کی طرح چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے۔ "فان خفتم" یعنی تمہیں ڈر یا خوف ہو یا تم جانتے ہو "الا تعدلوا" کہ تم ان چار بیویوں کے ساتھ عدل نہیں کرسکو گے۔ "فواحدۃ" تو ایک عورت کے ساتھ نکاح کرو۔ ابو جعفر نے "فواحدۃٌ" مرفوع پڑھا ہے۔ "او ما ملکت ایمانکم" اس سے مراد لونڈی ہے کیونکہ ان کے متعلق وہ حقوق لازمی نہیں ہیں جو حقوق آزاد عورت کے ہوتے ہیں نہ ان کے درمیان تقسیم ضروری ہے اور نہ ہی تعداد۔ یہاں ایمان جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "او ما ملکتم" بعض اہل معانی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن پر تمہاری قسمیں نافذ ہوسکتی ہیں۔ گویا یہاں یمین کو قسم قرار دیا ہے۔ "ذلک ادنیٰ" یعنی اقرب کے ہے۔ "ان لا تعولوا" ایک طرف بہتے جاؤ اور نہ ہی اس کی طرف مڑ جاؤ۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے میزان عائل۔ یعنی ظالم اور مائل نہ ہو۔ مجاہد نے ترجمہ کیا گمراہ نہ ہو جاؤ۔ فراء نے کہا کہ اللہ کے فرائض کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ عول کا اصل یہ ہے کہ تجاوز نہ کرو۔ اسی سے عول الفرائض ہے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ عرب میں فصیح تھے ان کی لغت ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ لغت حمیر میں سے ہے۔ طلحہ بن مصرف نے اس کو "ان لا تعیلوا" پڑھا ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ پر حجت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا ترجمہ یہ تھا کہ تمہارے بچے زیادہ نہ ہو جائیں۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۴

ترجمہ: اور تم لوگ بیبیوں کو ان کے مہر خوشدلی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ بیبیاں خوشدلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جزو تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر

تفسیر: ۴ "واٰتوا النساء صدقاتهن نحلة" کلبی اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے کہ یہ خطاب عورتوں کے اولیاء کو ہے۔ عورت کا ولی اس کا نکاح کرا کر اس کا مہر خود لے لیتے تھے۔ اگر وہ عورت اسی خاندان میں رہتی تو ولی مہر خود لے لیتا ہے اور اس کو

کچھ بھی نہیں دیتا تھا نہ اس کو تھوڑا دیتا اور نہ ہی زیادہ اور اگر اس کا شوہر غریب ہوتا تو وہ اس عورت کو ایک اونٹ پر سوار کر کے روانہ کر دیتا۔ پس یہ اونٹ اس کو مہر میں ملتا اور کچھ نہ ملتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ ان کا حق ان کے حوالے کرو۔ حضرمی نے کہا کہ عورتوں کے اولیاء یہ کرتے تھے کہ کسی عورت کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیتا اور وہ شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح تبادلے میں اس کے ساتھ کرتا۔ اس طرح عورتوں کا تبادلہ ہو جاتا مہر کسی کا کچھ نہ ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ ہر عورت کا مہر مقرر متعین کیا جائے۔

نکاح شغار کا حکم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کسی شخص سے کر دے کہ وہ شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کر دے اور ان میں سے کسی کا مہر متعین نہ ہو۔

دوسرے حضرات نے کہا کہ عورتوں کے اولیاء کو خطاب ہے کہ ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ عورتوں کے مہر ادا کریں۔ یہی صحیح ہے کیونکہ یہی خطاب اس سے پہلے ناکحین کے لیے تھے۔ "والصدقات" سے مراد مہر ہے اور اس کا واحد "صدقة" ہے۔ "نحلة" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فریضہ ہے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مہر جو ان کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نحلة مسماة معلوم ہوتا ہے۔ کلبی رحمہ اللہ نے کہا کہ نحلہ، عطیہ اور ھبہ کے معنی میں ہے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ نحلہ کہتے ہیں اپنی خوشی سے جو مہر دیدو۔ زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مہر کا قانون اللہ کی طرف سے جاری کردہ ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شروط کا حق یہ ہے کہ ان کو پورا کیا جائے عورتوں کے مہروں میں سے (جن کی وجہ سے تم نے عورتوں کو حلال جانا)

"فان طبن لکم عن شیء منه نفسا" اگر عورتیں اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو وہ ان کی طرف سے تمہیں ھبہ ہے۔ اصل میں عبارت اس طرح تھی "فان طابت نفوسھن بشیء من ذلک فوھبن منکم" یہاں پر فعل نفوس کو نقل کر کے ما قبل کی طرف لوٹایا اور پھر آنے والا نفس اس پر دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے آنے والے نفس کو واحد ذکر کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وضاق بھم ذرعا" بعض حضرات نے اس کو "عینا" پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ لفظ ایک ہی ہے معنی اس میں جمع ہے۔

"فکلوه ھنیئا مریئا" مزے اور خوشگواری کے ساتھ۔ "ھنیئ" پاکیزہ خوشگوار نون کے فتحہ کے ساتھ۔ بعض نے کہا، پاکیزہ خوشگوار جس میں کوئی تکدر نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے خوش انجام کا اہل الطعم غیر معتبر۔ ابوجعفر نے اس کو تشدید کے ساتھ "ھنیا مریا" پڑھا ہے بغیر ہمزہ کے۔ جیسا کہ "بری، بریون، وبریا" ہے۔ جیسا کہ "ھنیة" ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ❺

(ترجمہ) اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے اور ان مالوں میں

ان کو کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو۔

تفسیر ⑤ "ولا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما"

ولا تؤتوا السفھاء سے کون مراد ہیں

سفہاء کے متعلق مفسرین رحمہم اللہ کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ مراد عورتیں ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورتیں ہی بہت زیادہ سفیہ ہیں۔

مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مردوں کو اس بات سے روکا گیا ہے کہ وہ اپنے اموال عورتوں کے ہاتھوں میں نہ دیں کیونکہ یہ کم عقل ہیں خواہ وہ تمہاری بیویاں ہوں یا بیٹیاں ہوں یا مائیں ہوں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد اولاد ہے۔ زہری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کو مال کا مالک نہ بنا کیونکہ وہ بعد میں فساد کا سبب بن جائے گا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ حسن البصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے سفیہ عورت یا سفیہ بچہ مراد ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو مال اللہ نے تم کو عنایت فرمایا ہے اور ذریعہ معاش بنایا ہے اس پر اپنی عورتوں اور بچوں کو تسلط نہ دو ورنہ وہ تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور تم ان کے ہاتھوں کو تکتے رہو گے اس لیے اموال کو اپنے پاس قبضے میں رکھو اور اس میں کاروبار کے ذریعے ترقی دو اور خود اہل و عیال کی پرورش اور تربیت میں صرف کرو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب کسی شخص کو اپنی بیوی کے معاملے میں پتہ چل جائے کہ وہ بے وقوف ہے یا اپنی اولاد کے بارے میں پتہ چل جائے کہ وہ بے وقوف ہے تو ان کو مال نہ دے ورنہ وہ تباہ کر دیں گے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ اور عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ حکم مال یتیم کے بارے میں ہے جو اس کے پاس ہے اس کو اس وقت تک مال حوالے نہ کیا جائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔ یا اضافت اولیاء کے لیے ہے کیونکہ یہی اولیاء ان کے قوام اور سربراہ ہیں۔

سفیہ وہ ہے جس کو ولی اس کا مال اس کے حوالے نہ کرے بلکہ وہ کسی کی پرورش کا مستحق ہے۔ وہ ہے جو مال کو بے جا خرچ کرنے والا ہو یا دین میں فساد کر دینے والا ہو۔

"ولا تؤتوا السفھاء" سے مراد جاہل ہیں ان کو حق کی جگہ ذکر کیا ہے وہ جس کی وجہ سے ان کو سربراہ بنایا ہے۔ بعض قراء نے "قیما" بغیر الف کے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "قیاما" پڑھا ہے جس کا اصل "قواما" ہے۔ یہاں واؤ کو یاء سے بدل دیا گیا ہے وہ جن کو کام کا سربراہ یا کام سپرد کیا جاتا ہے۔

یہاں پر وہ سربراہ مراد ہیں جن کی وجہ سے دُنیا میں زندگی گزارنے کے اصول معلوم ہوتے ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ سربراہ جو حج و جہاد اور نیک اعمال کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور وہ ذرخ سے گردن چھڑاتے ہیں۔ "وارزقوھم فیھا" اور ان سے تم کھاتے ہو۔ "واکسوھم" ان کو تم پہناؤ جن پر تمہارا رزق واجب ہے اور ان کی مدد کرنا واجب ہے "فیھا"

ارشاد فرمایا۔ "منھا" نہیں کہا کیونکہ اصل رزق کا مالک اللہ ہی ہے لیکن کچھ محدود مدت کے لیے ان کو سربراہ بنایا ہے۔ "وقولوا لھم قولاً معروفا" اس مدت جمیلہ میں عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں ان کے اموال سے نفع حاصل ہوتا ہے تو وہ تمہارے حصہ میں غنیمت ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ دُعا ہے۔ ابن زید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر تمہارے اوپر ان کا نفقہ واجب نہ ہوتا تو یوں کہتے "عافانا اللہ وایاک بارک اللہ فیک" بعض نے کہا کہ ان کو ایسا نرم قول کریں کہ بات ان کو پکی معلوم ہو۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ❻

ترجمہ اور تم یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح کو پہنچ جائیں پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہوجاویں گے جلدی جلدی اڑا کر مت کھاڈالو۔ اور جو شخص مستغنی ہو سو وہ اپنے کو بالکل بچائے اور جو شخص حاجت مند ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھالے۔

پھر جب ان کے اموال ان کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کرلیا کرو اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والے کافی ہیں

تفسیر ❻ "وابتلوا الیتمی" یہ آیت ثابت بن رفاعہ اور اس کے چچا کے متعلق نازل ہوئی کہ رفاعہ وفات پاگئے اور ان کا بیٹا ثابت چھوٹا تھا۔ ان کا چچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری گود میں میرے بھائی کا چھوٹا یتیم بچہ ہے اس کا مال میرے لیے کب تک حلال ہے؟ اور اس کو کب مال حوالے کرسکتا ہوں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "وابتلوا الیتمی" ان کی عقلوں کا تم امتحان لو اور ان کے دین کا اور ان کے مال کی حفاظت کا "حتّٰی اذا بلغوا النکاح" یہاں تک کہ وہ نکاح کی حد تک پہنچ جائیں۔ "فان انستم" جب تم ان میں دیکھو "منھم رشدا" مفسرین رحمہم اللہ نے ان کے بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض نے کہا کہ دین میں عقل وصلاحیت رکھتے ہوں اور مال کی حفاظت کرنا جانتے ہوں اور اصلاح کے لیے علم کا حصول بھی ضروری ہے۔

رشداً کی تفاسیر

سعید بن جبیر، مجاہد اور شعبی رحمہم اللہ کے نزدیک اگر کوئی بوڑھا شیخ ہو تو اس کو بھی مال حوالے نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس میں ہوشیاری اور تیزی ہو کیونکہ انسان کی مشکلات کی وجہ سے اس کے احوال بھی مختلف ہوجاتے ہیں۔ اگر وہ شخص پہلے بازار میں خرید وفروخت کرتا تھا تو ولی اس شخص کو بازار بھیجے تاکہ کوئی چیز خرید کرلے آئے اور اس کے تصرف میں غور وفکر کرے اور اگر اس کا تعلق بازار سے نہ ہو بلکہ گھر کے اُمور سے ہو تو پھر اس کو گھر کے اخراجات پر مامور کیا جائے تاکہ وہ گھر کے اہل وعیال و

غلاموں پر خرچ کرے اور اگر وہ عورت ہے تو اس کو گھر کے امور پر امتحان لیا جائے گا۔ یعنی سامان کی حفاظت، دھاگہ کاتنا وغیرہ۔ اگر اس میں وہ حسن تدبیر والی ہوئی اور تمام اُمور پر اس کا تصرف بہتر ہے تو مال اس کو حوالے کر دے اور جان تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صغر کی بچپن دور کر دیا۔ گویا مال کے حوالے کرنا دو اشیاء پر ہے ایک بلوغ اور دوسرا ہوشیاری ہے۔ بلوغ چار اشیاء میں سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے دو تو مشترک ہے مردوں اور عورتوں کے درمیان اور دو علامات عورتوں کے ساتھ مختص ہیں جو مشترک ہیں ❶ عمر ❷ دوسرا بلوغ کے لیے احتلام کا ہونا۔ عمر میں پندرہ سال بلوغت کا حکم ہے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُحد کے دن پیش کیا گیا۔ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ پھر خندق کے سال میری عمر پندرہ سال تھی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معائنہ کے لیے پیش کیا گیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عمر بن عبدالعزیز کے سامنے بیان کی اور کہا کہ یہ فرق قتال کرنے والے اور قتال نہ کرنے والوں کے درمیان جس کی عمر پندرہ سال تک پہنچی اس کے بارے میں قتال کا حکم دیا لیکن اس سے کم عمر میں بچے ہونے کی وجہ سے قتال کا حکم نہیں دیا۔ یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لڑکی کی بلوغت کی عمر سترہ سال ہے اور لڑکے کے بالغ ہونے کی مدت اٹھارہ سال ہے۔ باقی رہی احتلام کی علامت وہ منی کے خروج سے معلوم ہوگا۔ اگر کسی کو احتلام ہو گیا یا کسی لڑکے کے جماع سے کوئی عورت حاملہ ہوگئی تو وہ بالغ شمار ہوگا اور انیس سال کے بعد یہ دونوں بالغ شمار ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستاذنوا**" کہ جب بچے تم میں سے حلم کو پہنچ جائیں تو تم ان کو اجازت دے دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی مقرر کر کے بھیجا تو ارشاد فرمایا کہ ہر "حالم" سے ایک دینار لینا۔ باقی رہی بلوغت کی علامات میں بالوں کا زیر ناف اُگنا۔ یہ مشرکین کی اولاد کے بلوغ و عدم بلوغ کو پہچاننے کے لیے یہ علامت مقرر کر دی گئی تھی۔ جیسا کہ عطیہ قرظی نے فرمایا کہ بنی قریظہ کے دن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معائنہ میں پیش کیا گیا کیونکہ لوگوں کو میرے بالغ اور نابالغ ہونے میں شک تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پوشیدہ بالوں کو دیکھو پیدا ہو گئے ہیں یا نہیں۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی مگر بال نہ پائے گئے اس لیے مجھے قتل سے چھوڑ دیا گیا اور قیدیوں میں چھوڑ دیا گیا جس میں یہ علامت پائی جاتی اس کو قتل کیا جاتا اور جس میں یہ علامت نہ پائی جاتی اس کو چھوڑ دیا جاتا۔ یہ علامت مسلمانوں کے بچوں میں معتبر مانی جائے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ علامات بھی بلوغ کے لیے متعین کی جائیں گی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ علامت صرف کافروں کے بچوں کو پہچاننے کے لیے ہے کیونکہ ان کے والدین تک اس کی رسائی ممکن نہیں کہ ان سے ان کے بلوغ اور عدم بلوغ کے متعلق پوچھا جائے۔ دوسرا یہ کہ اگر رسائی ممکن بھی ہو تو پھر بھی ان کے قول کا اعتبار نہیں ہو سکتا ہے، اپنے بچوں کی جان بچانے کے لیے وہ جھوٹ بولیں اور ان کی عورتوں کی بلوغت کی علامت حیض اور حاملہ ہونا

ہے۔ جب انیس سال کے بعد وہ حاملہ ہو جاتیں تو ان کی بلوغت کا حکم لگایا جائے گا اور اس طرح اگر وہ چھ ماہ سے پہلے وضع حمل کرلے کیونکہ وضع حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ باقی رہی رشد کی بات تو اس کی مصلحت اس کے دین اور اس کے مال میں ہے۔ صلاح فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ وہ فواحش اور معاصی سے بچتا رہے جس کے ذریعے سے انسان کا عادل ہونا ساقط ہو جاتا ہے اور صلاح فی المال یہ ہے کہ وہ فضول خرچ نہ ہو تبذیر کہا جاتا ہے کہ کوئی اپنے مال کو اس طرح خرچ کرے کہ جس میں نہ دنیاوی فائدہ ہو اور نہ ہی اخروی فائدہ ہو اور نہ ہی اس میں اچھا تصرف ہو بلکہ خرید و فروخت غبن فاحش کرتا ہو۔ لہٰذا جب اپنے دین میں صحیح نہ ہو اور نہ ہی مال کے تصرفات میں صحیح ہو تو اس سے مال کو روک رکھو نہ اس کو مال دو اور نہ ہی اس کے تصرف کو نافذ سمجھو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مال وغیرہ میں تصرف کر سکتا ہے اگرچہ دین میں کمزور ہے تو مال اس کے حوالے کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ مال کے تصرفات میں کمزور ہو تو پچیس سال سے پہلے اس کو مال نہیں دیں گے۔ اس کے بعد اس کے تصرف کو نافذ مان لیا جائے گا۔ اس پر قرآن حجت ہے کہ جو شخص تصرفات نہیں کر سکتا اس سے مال روک دو۔ "حتّٰی اذا بلغوا النکاح فان اٰنستم منھم رشدًا فادفعوا الیھم اموالھم" اس آیت میں ان کی طرف مال حوالے کرنے کے بارے میں حکم دیا کہ بلوغ کے بعد جب ان میں "ایناس" اور رشد آجائے تو مال ان کو حوالے کردو، فاسق کبھی رشید نہیں ہوتا۔ بلوغت کے بعد جب اس کی عمر پچیس سال تک ہو جائے، پھر بھی خرید و فروخت کے مصالح سے واقف نہ ہو تو پھر بھی وہ ہوشیار نہیں۔ لہٰذا جس طرح بلوغت سے قبل مال اس کے حوالے نہیں کیا اسی طرح بلوغت کے بعد بھی اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ جب اس سے ایناس (ہوشیاری) اور خرید و فروخت کے معاملات پر عبور حاصل ہو جائے تو پھر ان کو ان کے مال حوالے کردو خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت کو مال حوالے نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کی شادی نہیں ہوتی جب وہ شادی کرلیں تو پھر تم ان کے مال ان کو لوٹا دو۔ لیکن ان کے تصرف ان کے شوہروں کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوں گے جب تک کہ اس کا شوہر ظالم اور نا تجربہ کار نہ ہو اور جب بچہ ہوشیاری کو پہنچ جائے تو اس صورت میں اس کا حجر زائل ہو جائے گا۔ اگر ان کا سفیہ ہونا ظاہر ہو جائے تو پھر ان سے مال کو روک دیا جائے گا لیکن اگر وہ دین میں کمزور ہیں تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ بعض نے کہا جس طرح مال میں ان کا حجر لوٹ آتا ہے۔ اسی طرح دین میں نقص کی وجہ سے ان کا حجر لوٹ آئے گا۔ بعض نے کہا کہ حجر کی طرف نہیں لوٹے گا اس لیے کہ پہلے کا حکم اقوی ہے دوسرے ابتداء سے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آزاد عاقل، بالغ پر حجر قائم نہیں ہو سکتا۔ غلام پر حجر کے ثبوت کے لیے امام صاحب نے ایک حدیث استدلال میں پیش کی ہے۔

عبداللہ بن جعفر نے کچھ زمین ساٹھ ہزار درہم میں خریدی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں عثمان کے پاس جا کر تیری اس خرید کا اختیار ختم کرا دوں گا۔ عبداللہ نے جا کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بات کہہ دی۔ حضرت زبیر نے کہا میں اس بیع میں تمہارا شریک ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا اپنے بھتیجے کو تصرفات سے روک دو۔ (وہ سفیہ ہے) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا (مشورہ میں) اس کا شریک ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب میں

کسی کو کیسے اس تصرف سے روک دوں جس میں زبیر رضی اللہ عنہ شریک ہیں۔ "ولا تاکلوھا" اے اولیاء کی جماعت "اسرافا" یعنی بغیر حق کے "وبدارا" جلد بازی میں "ان یکبروا" "آن" محلہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان کے بڑے ہونے اور ہوشیار ہونے کے ڈر کی وجہ سے تم ان کے مال کھانے میں جلدی نہ کرو کہ وہ بڑے ہوجائیں گے تو ان کو مال حوالے کرنا پڑے گا۔ پھر جو تمہارے لیے حلال ہے اور ان کے لیے جو حلال ہے اس کو بیان کردیا۔ "ومن کان غنیا فلیستعفف" تمہیں مال یتیم سے روک دیا گیا تاکہ تم ان کے قلیل مال سے بھی بچو اور کثیر سے بھی بچو۔ عفت جو حلال نہ ہو اس سے بچنا۔ "ومن کان فقیرا" جو یتیم کے مال کی طرف محتاج ہے تو وہ اس کو یاد رکھے اور شمار کرکے لے۔ "فلیاکل بالمعروف" وہ دستور کے مطابق اس سے لے سکتا ہے۔

فلیاکل بالمعروف کی تفسیر

عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا میں محتاج ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میرے زیر پرورش ایک یتیم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے یتیم کے مال میں سے کچھ کھالو مگر زیادتی نہ کرنا نہ جلدی جلدی ختم کرنا نہ ہی اپنے مال کو بچا کر اس کے مال کو کھانا۔ اگر کوئی یتیم کا مال کھالے تو کیا اس پر اس کی ادائیگی واجب ہے ان میں بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ اس کی قرض کی ادائیگی واجب ہے جب کہ وہ آسان ہو۔ اس آیت کے تحت "فلیاکل بالمعروف" معروف سے مراد قرض ہے یتیم کے مال سے قرض لے سکتا ہے جب اس کی طرف محتاج ہو اور جب اسے آسانی ہو تو وہ اسے پورا کرلے۔ یہی قول مجاہد، سعید بن جبیر کا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے مال (بیت المال) کے معاملے میں اپنی ذات کو یتیم کے سرپرست کی طرح قرار دے رکھا ہے۔ اگر غنی ہوں گا تو بچتا رہوں گا اور محتاج ہوں گا تو معروف کے ساتھ کھالوں گا اور جب فراخ دست ہوجاؤں گا تو ادا کردوں گا۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسی مجبوری کے بغیر جس میں آدمی مردار کھانے پر مجبور ہوجاتا ہے یتیم کا مال نہ کھائے اور بعض نے کہا کہ اس پر ادائیگی نہیں۔ پھر اس کی کیفیت اکل کے متعلق آئمہ کا اختلاف ہے۔

عطاء و عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ انگلیوں کے پوروں سے کھائے زیادتی نہ کرے اور کپڑے نہ پہنے۔ نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال سے کتان اور صوف خرید کر نہ پہنے صرف بھوک دور کرنے کے بقدر کھالے اور ستر پوشی کے بقدر پہن لے اور ان مصارف میں جتنی رقم آئی ہو اس کی واپسی لازم نہیں۔

حسن بصری اور ایک جماعت علماء نے کہا یتیم کے درخت کے پھل کھا سکتا ہے اس کے جانور کا دودھ پی سکتا ہے مگر دستور کے موافق اور اس کا معاوضہ لازم نہیں۔ البتہ چاندی سونے سے اگر لے گا تو اس کا معاوضہ ادا کرنا لازمی ہے۔ کلبی رحمہ اللہ نے کہا معروف سے مراد ہے یتیم کی سواری پر سوار ہونا اور ان کے خادم سے خدمت لینا یتیم کے مال میں سے کچھ کھانا جائز نہیں۔

قاسم بن محمد کی روایت ہے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا، میرے زیر تربیت ایک یتیم ہے اور اس کے اونٹ ہیں، کیا میں ان کا دودھ پی سکتا ہوں؟ فرمایا اگر ایسا ہو کہ تم اس کے گم شدہ اونٹوں کو تلاش کرو، خارشی اونٹوں کی مالش کرو، ان کے حوض کو درست کرو اور پانی پلانے کے دن ان کو پانی پلاؤ تو ان کا دودھ بھی پی سکتے ہو لیکن اس طرح کہ اونٹوں کے بچوں کو ضرر نہ پہنچے اور نہ بالکل تھنوں سے دودھ نچوڑ لیا جائے اور بعض نے کہا کہ معروف کہتے ہیں کہ اس کے کھانے کے بقدر اس کے مال سے لے اور اس کے عمل کے مطابق اس کو بدلہ دے لیکن اس پر اس کا لوٹانا واجب نہیں۔ یہی قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اہل علم کی ایک جماعت کا ہے۔ "فاذا دفعتم الیهم اموالهم فاشهدوا علیهم" یہ حکم اور ارشاد ہے وجوبی حکم نہیں ہے۔ ولی کو یہ حکم ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں یتیم کے مال کو اس کی بلوغت کے بعد حوالے کر دے تاکہ وہ تہمت اور جھگڑے سے محفوظ رہے۔ "وکفٰی باللّٰہ حسیبًا" وہ حساب کرنے والا بدلہ دینے والا اور شہادت دینے والا اللہ ہی کافی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ⑦

ترجمہ: مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو والدین اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں اور عورتوں کیلئے حصہ ہے اس چیز میں جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو حصہ قطعی۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدان کا شان نزول

تفسیر: یہ آیت اوس بن ثابت انصاری کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ شخص جب وفات پا گیا تو اس نے ایک عورت ام کجہ اور اس سے تین بیٹیاں چھوڑیں۔ اس کے دو چچا زاد بھائی خالد (سوید) اور عرفجہ تھے۔ دونوں نے آ کر ساری میراث پر قبضہ کر لیا۔ (اس کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ عرض کر دیا) زمانہ جاہلیت میں عورتوں اور چھوٹے بچوں کو میراث سے حصہ نہیں دیتے تھے۔ اگرچہ وہ بچہ ہو یا بچی اور وہ کہتے کہ ہم وراثت کا حصہ نہیں دیتے مگر جس کا گھر والا جہاد میں شریک ہوا اور شہید ہو جائے۔

وہ عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم اوس بن ثابت تین بیٹیاں چھوڑ کر وفات پا گیا اور میں اس کی بیوی ہوں اور میرے پاس کوئی چیز نہیں جو ان بچیوں پر خرچ کروں اور اس کے باپ نے بہت سارا مال چھوڑا ہے وہ سب سوید اور عرفجہ کے پاس ہے۔ اس نے نہ مجھے کچھ دیا اور نہ ہی میری بیٹیوں کو کوئی چیز عطا فرمائی اور وہ میری پرورش میں ہیں۔ میرے پاس نہ کھلانے کے لیے کچھ ہے اور نہ پلانے کے لیے کچھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اپنے پاس بلا لیا اور وہ دونوں کہنے لگے کہ اس کا کوئی لڑکا نہیں جو سوار ہو سکے گھوڑے پر اور نہ کوئی بوجھ لاد سکتا ہے اور نہ ہی دشمن سے لڑ سکتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "للرجال" میت کی مذکر اولاد اور اس کے قریبی رشتہ دار "نصیب" یعنی حصہ

"مما ترک الوالدان والاقربون" میراث سے جو انہوں نے چھوڑا ہے۔ "وللنساء" ورثاء میں سے جو عورتیں ہیں۔ "نصیب مما ترک الوالدان والاقربون" ...... "مما قل منه" اس سے مراد میراث کا مال ہے۔ "او کثر" اس سے "نصیبا مفروضا" منصوب ہے۔ بعض نے کہا کہ عورتوں کا حصہ مقرر کیا گیا پھر ان کے لیے میراث ثابت ہوگی۔ یہ بیان نہیں کی کہ کتنی میراث ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید اور عرفجہ کی طرف ایک شخص کو بھیجا اور بلوایا اور کہا کہ تم اس کے مال کو تقسیم نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے ترکہ میں اس کی لڑکیوں کو حصہ دار بنایا ہے مگر حصہ متعین نہیں ہوا، میں لڑکیوں کے متعلق حکم کے نزول کا منتظر ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے "یوصیکم اللّٰہ" نازل فرمائی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید اور عرفجہ کو حکم دیا کہ اس کی بیوی کو کل مال سے آٹھواں حصہ اور ان کی بیٹیوں کو دو ثلث دیا جائے اور باقی مال تم دونوں کا ہے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

ترجمہ: اور جب (وارثوں میں ترکہ کے) تقسیم ہونے کے وقت آ موجود ہوں رشتہ دار (دور کے) اور یتیم اور غریب لوگ تو ان کو بھی اس (ترکہ) میں (جس قدر بالغوں کا ہے اس میں سے) اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو

تفسیر: ۸ "واذا حضر القسمة" تقسیم میراث کے وقت "اولوا القربٰی" وہ قرابت دار جن کا حصہ میراث میں مقرر نہیں۔ "والیتامٰی والمساکین فارزقوهم منه" ترکہ یا تقسیم سے ان کو کچھ مال دے دو۔ "وقولوا لهم قولاً معروفاً"

اذا حضر القسمة ...... الآیة کی تفسیر میں ائمہ کے مختلف اقوال

اس آیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میراث کی آیت سے پہلے کی ہے ان سب کو میراث کا اہل بنایا ہے اور اس آیت کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔ دوسرے حضرات کے نزدیک یہ آیت محکم ہے یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی، نخعی اور زہری رحمہم اللہ کا ہے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ اہل میراث میں سے جو خوشی سے دینا چاہیں ان پر یہ حکم واجب ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ تابوت میں، برتن، پرانے کپڑے اور وہ سامان جس کو آپس میں بطور تقسیم کیا جاتا ہے رکھ دیا کرتے ہیں اور اگر میت کے وارث چھوٹے بچے ہوں تو اولیاء کو اس پر معذرت کرنی چاہیے وہ کہہ دیں کہ یہ مال ان بچوں کا ہے اس میں میرا کوئی حق نہیں۔ اگر میرا ہوتا تو میں ضرور کچھ دیتا۔ جب یہ بچے بڑے ہو جائیں گے تو تمہارے حقوق پہنچائیں گے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ حق سب پر واجب ہے خواہ وارث چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اگر وارث بڑے ہوں تو خود ادا کر دیں اور اگر وہ چھوٹے ہوں تو ان کا ولی ان کو عطا کر دے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ اس آیت کی وجہ سے عبیدہ سلیمانی نے یتیموں کے مال میں سے بانٹ کر کچھ حصہ نکال کر ایک بکری خرید کر ذبح کر کے کھانا پکوایا اور اس آیت میں جن کا ذکر ہے ان کو دے دیا ہے اور فرمایا کہ یہ آیت نہ ہوتی تو یہ

میرے مال سے ہوتا۔ قتادہ نے یحییٰ بن معمر سے روایت نقل کی کہ تین آیات محکمات مدنی ہیں جن کو لوگوں نے چھوڑ دیا۔ ایک یہ آیت اور دوسری استیذان والی آیت "یا ایھا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم" تیسری آیت۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی" ہے۔

بعض نے کہا کہ وہی اول الاقاویل ہیں یہ ندب اور استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ⑨ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ⑩

ترجمہ: اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاویں تو (ان کی) ان کو فکر ہو سو ان لوگوں کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ سے ڈریں اور موقع کی بات کہیں بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتتے) ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔

تفسیر: ⑨ "ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا" ضعافا سے مراد چھوٹی اولاد ہے۔ "خافوا علیھم" فقر کے خوف سے۔ جب کسی شخص کو موت کا وقت قریب آ جاتا ہے اس کے پاس جو ورثاء حاضر ہوتے ہیں اور اس کو وصیت کی جاتی ہے کہ میری اولاد اور میرے ورثاء میرے مال سے کوئی مستغنی نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو مقدم کرے کہ فلاں کو آزاد کرو اور فلاں فلاں کو عطا کرو۔ (یعنی عین تقسیم میراث کے وقت بعض ورثاء کو محروم کر دیا جاتا ہے) اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ تہائی وصیت سے زائد قبول نہ کی جائے۔ اسی طرح اگر کوئی وصیت کرنے والا پیچھے سے اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے تاکہ اس کا مال کوئی اور نہ لے۔

کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے حکم مذکور یتیموں کے سرپرستوں اور وصیت والوں کو دیا گیا کہ یتیموں کے معاملے میں اللہ سے ڈریں اور ان سے اچھا سلوک کریں۔ جیسا اپنے ان کمزور بچوں کے ساتھ لوگوں سے سلوک کرانا پسند کرتے ہیں جو ان کے پیچھے رہ جائیں۔ "فلیتقوا اللہ ولیقولوا قولاً سدیدا" اس کا معنی ہے عدل۔ اس کا معنی بعض نے یہ کیا کہ مرنے کے وقت موجود ہونے والے لوگ مرنے والے کو مشورہ دیں کہ وہ تہائی مال سے کم خیرات کرنے اور کسی کو دینے کی وصیت کرے اور باقی ورثاء میں تقسیم کر دے۔

⑩ "ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما" مقاتل بن حیان کا بیان ہے کہ یہ آیت بنی غطفان کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی جس کا نام مرثد بن زید تھا۔ اس نے اپنے یتیم بچے کا مال کھا لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما" ظلم سے مراد حرام مال ہے جو ناحق کسی سے کھایا جائے۔ "انما یاکلون فی بطونھم نارا" ان کے مالوں کو ان کی خبر دی گئی کہ اس کا انجام یہی ہوگا۔ "وسیصلون سعیرا" عام قراء نے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس

کا معنی ہے کہ ان کو داخل کردیا جائے گا دہکتی ہوئی آگ میں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "صلی النار یصلوھا" کہ اس نے آگ کو بھڑکایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "الا من ھو صال الجحیم" اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آگ میں داخل کیا جائے گا اور ان کو جلایا جائے گا۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا فرمان "فسوف نصلیہ نارًا"...... "ساصلیہ سقر" حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شب معراج میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ اونٹوں کے لبوں کی طرح تھے۔ بالائی لب سکڑا ہوا، دونوں نتھنوں پر تھا اور نچلا ہونٹ سینہ پر لٹکا ہوا۔ جہنم کے کارندے ان کے منہ میں دوزخ کے انگارے اور پتھر بھر رہے تھے، میں نے پوچھا جبرئیل علیہ السلام یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال بیجا طور پر کھاتے ہیں۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ ۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے۔ اگر میت کے کچھ اولاد ہو اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو تو اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں۔ تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی باپ کو ملے گا) وصیت نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جائے یا دین کے بعد تمہارے اصول وفروع جو ہیں تم پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے ہو کہ ان میں کا کونسا شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے۔ یہ حکم منجانب اللہ مقرر کردیا گیا بالیقین اللہ تعالیٰ بڑے علم اور حکمت والے ہیں۔

تفسیر: ⑪ "یوصیکم اللّٰہ ...... تا ...... حظ الانثیین" زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مرجاتا تو اس کی وراثت بڑے مردوں میں تقسیم کی جاتی، عورتوں اور چھوٹے بچوں کو محروم کردیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلیت کی رسم بد کو اس آیت میں منسوخ کردیا۔ "للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون" زمانہ جاہلیت کی طرح ابتداء اسلام میں کچھ لوگ اس طرح کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم" پھر وراثت کو ہجرۃ کے ساتھ مقید کردیا اور ارشاد فرمایا "والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیء حتی یھاجروا" پھر یہ آیت

منسوخ ہوگئی۔ پھر وراثت کا حق تین چیزوں کے ساتھ رہ گیا نسب کے ساتھ، نکاح کے ساتھ اور ولاء کے ساتھ۔ نسب کا معنی یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار بعض سے بعض کا وارث ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ" نکاح کا معنی یہ ہے کہ زوجین ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ ولاء کا مطلب یہ ہے کہ آزاد کرنے والا آزاد کیے ہوئے کا وارث ہوگا۔ اس پر اللہ کی مدد ونصرت سے ایک علیحدہ فصل ذکر کریں گے جس میں اقارب کے حصے متعین ہوں گے۔

وراثت کے مسائل

وراثت کے مال کی کیفیت کے متعلق ہم بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کے مال سے سب سے پہلے اس کی تجہیز وتکفین کی جاتی ہے پھر اس کے مال سے قرض ادا کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد بچا ہوا مال میں اس کی تہائی میں وصیت مقبول ہوتی ہے جن ورثاء میں یہ مال تقسیم ہوتا ہے اس کی تین اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض اصحاب الفروض ہیں اور بعض عصبات اور بعض دونوں جو وارث نکاح سے وراثت ہوتے ہیں وہ اصحاب الفرائض میں سے ہیں (خاوند، بیوی) اور جو ولاء کے ذریعے سے حصہ پاتے ہیں انہیں عصبات کہتے ہیں اور ان میں سے بعض وارث قرابت کی وجہ سے حصہ پاتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا حصہ فرض ہے یعنی اصحاب الفروض میں سے ہیں جیسے بیٹیاں، بہنیں، مائیں، دادیاں اور ماں شریک اولاد اور ان میں سے بعض ورثاء وہ ہیں جو عصبہ ہونے کی وجہ سے حصہ پاتے ہیں۔ جیسے بیٹے، بھائی، چچا کے بیٹے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو فرض اور عصبہ دونوں ملتے ہیں جیسے اب۔ یہ عصبہ محض ہوگا جب میت کی کسی قسم کی اولاد نہ ہو اور اگر میت کی اولاد موجود ہو تو پھر باپ کو سدس ملے گا اور اگر میت کی مؤنث اولاد موجود ہو تو پھر باپ کو فرض ہونے کی وجہ سے سدس اور عصبہ ہونے کی وجہ سے مابقیہ ملے گا۔ اسی طرح دادا کا بھی ہے۔

صاحب التعصیب اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو اصحاب الفروض کے حصوں کے بعد باقی مال سمیٹ لے۔ اگر عصبہ اکیلا ہو تو پورا مال اس کو مل جائے گا کل ورثہ سترہ ہیں۔ دس مردوں میں سے اور سات عورتوں میں سے۔ مردوں میں سے مندرجہ ذیل ہیں۔ ابن، بیٹے کا بیٹا، باپ، دادا، پردادا اور اس کے آگے، بھائی خواہ حقیقی ہو یا علاتی (باپ شریک) ہو یا اخیافی (ماں شریک) ہو۔ ماں شریک بھائی کا بیٹا یا باپ شریک کا بیٹا اور اس سے نیچے اور چچا خواہ ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے اور اس کے بیٹے اور اس سے نیچے یا میت کے باپ کے بیٹے اور اس کے نیچے تک زوج اور مولیٰ عتاقہ، عورتوں میں سے بیٹی، پوتی، اس سے نیچے تک۔ دادی، ماں کی ماں، باپ کی ماں، بہن حقیقی ہو یا علاتی ہو یا اخیافی ہو۔ زوجہ اور مولیٰ عتاقہ اور چھ وہ ہیں جو غیر کے ملحق ہونے کی وجہ سے محروم نہیں ہوتے۔ ابوان، ولدان، زوجان، کیوں ان کے درمیان اور میت تک کسی کا واسطہ نہیں، یہ چھے کبھی محروم نہیں ہوتے۔

وراثت سے محروم کردینے والی اشیاء

وہ اسباب جو وراثت سے محروم کردینے والے ہیں وہ چار ہیں۔ اختلاف دین، رقیت (غلامی) قتل، اختلاف دارین، اختلاف دین کا مطلب یہ ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، اسی طرح مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے کافر تو اپنے کفر والوں کا وارث ہے۔ اگرچہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔ (یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں) کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "والذین کفروا اولیاء بعض" بعض حضرات نے کہا کہ کفر کے اندر میں مختلف ملتوں کے ہونے کی وجہ سے وہ آپس میں وارث نہیں ہوں گے حتیٰ کہ یہودی نصرانی کا وارث نہیں ہوسکتا اور اس طرح نصرانی بھی یہودی کا وارث نہیں ہوسکتا اور نہ ہی نصرانی مجوسی کا وارث ہوسکتا ہے۔ یہ قول امام زہری، اوزاعی، احمد، اسحاق کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دو ملتیں کئی ملتوں کا وارث نہیں بن سکتی۔ بعض حضرات نے اس کی یہ تاویل کی کہ اسلام کفر کا وارث نہیں ہوسکتا کیونکہ کفر تو ملت واحدہ ہے لہٰذا یہ بعض کی بعض کے ساتھ وارث ہوں گی۔ غلام بھی کسی کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کوئی اس کا وارث ہوتا ہے کیونکہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی ملکیت ہی نہیں اس لیے اس کا کوئی وارث نہیں۔ قن (مکمل غلام) اور مدبر (جس کو آقا یہ کہہ دے کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے) مکاتب (جس کو آقا کہے کہ اتنا مال مجھے لا کردے میں تمہیں آزاد کروں گا) اور اُم ولد (وہ لونڈی جو اپنے آقا سے بچہ جن دے)

قتل بھی میراث سے مانع ہے۔ قتل خواہ جان بوجھ کر ہو یا خطاء ہو جس طرح کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قاتل وارث نہیں ہوگا اس سے مراد وہ موت ہے جن کے متعلق معلوم نہ ہو کہ کون پہلے مرا ہے۔ مثلاً دو شخص آپس میں لڑنے والے ہوں پانی میں۔ ان میں سے معلوم نہیں کہ پہلے کون مرا ہے لہٰذا ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔ البتہ ان کے زندگان کو ان کی وراثت ملے گی۔

اصحاب الفروض کے حصوں کی تقسیم

محدود حصے جو وراثت میں ہیں وہ چھے ہیں۔ نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث، سدس۔ نصف اصحاب فروض میں سے تین کو ملتے ہیں۔ زوج کو فرض ملے گا نصف جب میت کی کوئی اولاد نہ ہو اور ایک بیٹی کو نصف ملے گا یا پوتی کو نصف ملے گا جب صلبی بیٹے موجود نہ ہوں۔ ایک بہن جب اس کے ساتھ کوئی میت کا لڑکا نہ ہو۔ خواہ وہ بہن حقیقی ہو یا اخیافی یا علاتی ہو۔

اور ربع اصحاب فروض میں سے دو کو ملے گا۔ زوج کو ربع ملے گا جب میت کی اولاد موجود ہو اور اسی طرح زوجہ کو ربع ملے گا جب میت کی اولاد نہ ہو اور ثمن صرف زوجہ کو ملے گا جب میت کی اولاد موجود ہو اور ثلثان دو صلبی بیٹیوں کو یا دو بہنوں کو دیں گے اور ثلث اصحاب فروض میں سے تین کو ملتا ہے۔ فرض الام۔ ماں کو ثلث ملے گا جب میت کے والدین نہ ہوں اور ماں کو ثلث باقی ملے گا۔ زوج اور زوجہ کو دینے کے بعد اس کو ثلث دیا جائے گا اور اثنان اخوۃ و اخوات کو ملے گا مگر صرف دو مسئلوں میں ایک مسئلہ ہے کہ زوج اور اب، ام۔ دوسرا مسئلہ زوجہ، اب، اُم، یہاں مسئلہ میں ماں کو باقی ماندہ مال سے ثلث ملے گا یعنی زوجہ اور زوج کو دینے کے بعد جو باقی بچے گا اس سے تہائی والدہ کو دیں گے، ماں کی اولاد کو بھی اتنا ہی ملے گا خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث اور دادا کو

بھائیوں کے ساتھ بھی اتنا ہی ملے گا جب اس مسئلہ میں کوئی اور اصحاب فرائض میں سے موجود نہ ہو۔

سدس اصحاب فروض میں سے سات کو ملے گا۔ اب کو سدس ملے گا جب میت کی اولاد موجود ہو اور ماں کو سدس ملے گا جب میت کی اولاد موجود ہو اور جب دو بھائی یا دو بہنیں موجود ہوں۔ دادا کو فرض ملے گا جب میت کا لڑکا موجود ہو یا میت کا بھائی یا بہن ہو۔ اسی طرح دادا کو سدس ملے گا جب اس کو بھائیوں کے ساتھ ترکہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ دادی کا حصہ اور ماں کی اولاد میں کوئی ایک ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور پوتیوں کو فرض حصہ ملے گا جب میت کی ایک بیٹی موجود ہو اس صورت "تکملة للثلثین" اور علاتی بہنوں کو جب میت کی ایک حقیقی بہن ہو اس صورت میں بھی سدس ملے گا۔ "تکملة للثلثین"

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وراثت کے حصہ داروں کو حصہ عطا کرو پھر جو باقی بچ جائے تو اس کے ساتھ والا قریبی رشتہ دار اس کا وارث ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ورثہ دوسرے بعض ورثاء سے محجوب (محروم) بھی ہوتے ہیں۔ حجب کی دو قسمیں ہیں: حجب حرمان، حجب نقصان۔ حجب نقصان یہ ہے کہ بیٹا یا بیٹے کا بیٹا موجود ہو تو خاوند کو نصف سے ربع کی طرف اور اسی طرح بیوی کو ربع سے ثمن کی طرف اور ماں کو ثلث سے سدس کی طرف اور اسی طرح دو بھائی ماں کے ثلث کو سدس کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

حجب حرمان کہتے ہیں کہ ماں کی وجہ سے دادی محروم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اخوات و اخوۃ لام یہ چار وجہ سے محروم ہو جائیں گے۔ باپ کی وجہ سے، دادا کی وجہ سے ان سے اوپر، اسی طرح بیٹے سے پوتا اور اس سے نیچے بھی محروم ہو جائیں گے۔ اولاد بالاب والام دونوں ساقط ہو جائیں گے۔ تین چیزوں سے میت کے باپ سے اور بیٹے سے پوتے سے بھائی محروم ہو جائیں گے۔ دادا کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوں گے۔ زید بن ثابت کا یہی قول ہے۔ یہی قول عمر، عثمان، علی، وابن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے اور فقہاء میں امام مالک، شافعی، اوزاعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

باپ شریک بھی انہی صورتوں میں محروم ہوں گے۔ بالاخ لاب وام سے اور بعض حضرات کے نزدیک تمام بھائی ساقط ہو جائیں گے دادا سے جیسا کہ باپ کی موجودگی سے دادا محروم ہو جاتا ہے۔ یہ قول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ابن عباس، حضرت معاذ، ابی درداء، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا بھی ہے اور یہی قول حسن بصری، عطاء، طاؤس، ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا ہے۔ قریبی عصبات دور والے عصبات کو محروم کر دیتے ہیں۔ اسی طرح قریبی بیٹا، دور والے بیٹے کو محروم کر دیتا ہے۔ اسی طرح باپ کی موجودگی میں دادا محروم ہو جائے گا اور دادا کی موجودگی میں پردادا محروم ہو جائے گا۔ اگر دادا کے ساتھ میت کا بھائی، بہن ہو خواہ وہ حقیقی بہن بھائی ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی یہ میراث میں مشترک ہوں گے۔ اگر دادا موجود نہ ہو تو پھر حقیقی بھائی مقدم ہوں گے پھر علاتی بھائی پھر اخیافی بھائی۔ پھر اس کے بعد اخیافی بہنیں یا علاتی۔ پھر اس کے بعد قریبی رشتہ دار اگر سب درجہ میں برابر ہوں تو سب سے پہلے مقدم وہ ہوں گے جو حقیقی بہن بھائی ہوں گے پھر چچا کے بیٹے وغیرہ پھر باپ کے چچا کے بیٹے پھر دادا کے چچا کے بیٹے علی ہذا الترتیب۔

اگر میت کے رشتہ داروں میں سے کوئی عصبات بھی موجود نہ ہوں تو میت کی میراث آزاد کردہ کے لیے ہوگی۔ معتق کے

عصبات چار ہیں مردوں میں سے جو عورتوں کو عصبہ بناتے ہیں۔ بیٹا، پوتا، حقیقی بھائی علاتی بھائی۔ اگر مر جائے اس کا بیٹا یا بیٹی یا بھائی یا بہن حقیقی ہوں یا علاتی ہوں اگر ان کے پاس مال ہو تو للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت یعنی مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے گا۔ اس صورت میں بیٹی یا بہن اسی طرح پوتا ان کے برابر میں جو آئے گا ان کو یہ عصبہ بنا دیں گے اور اگر دو ثلث بیٹیوں کو مل گیا تو اس سے آگے کسی بیٹی کو کچھ نہیں ملے گا۔ مثلاً بیٹے کی بیٹی کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہاں اگر اس پوتی کے مقابلے میں کوئی پوتا موجود ہو تو یا اس سے نیچے پڑپوتا ہو تو اس صورت میں "للذکر مثل حظ الانثیین" کے تحت تقسیم کیا جائے گا۔ حقیقی بہن یا علاتی بہن یہ بیٹی کے ساتھ عصبہ بن جائے گی۔ اگر کوئی شخص ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑ کر مر گیا تو بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ ملے گا۔ اگر کوئی شخص ایک بہن اور دو بیٹیاں چھوڑ کر مرا تو بیٹیوں کو دو ثلث اور بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ مال ملے گا۔

ابو قیس فرماتے ہیں کہ میں نے ہزیل بن شرحبیل کو فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے ابوموسیٰ اشعری سے اپنی بیٹی، پوتی اور بہن کے حصوں کے متعلق پوچھا، انہوں نے کہا کہ بیٹی کے لیے نصف اور بہن کے لیے نصف۔ پھر یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یہ مسئلہ ہے اور اس کے متعلق ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ پھر تو تم گمراہ ہو گئے اور تم ہدایت بھی نہیں پا سکتے۔ انہوں نے تو بالکل سنت رسول کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیٹی کے لیے نصف اور پوتی کے لیے سدس "تکملۃ الثلثین" کے لیے اور باقی مال جو بچے گا وہ بہن کو ملے گا۔ وہ پھر حضرت ابوموسیٰ کے پاس آئے اور انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا۔ وہ کہنے لگے کہ جب تم میں وہ بڑے عالم مجھ سے موجود ہیں اس وقت تک مجھ سے کسی بات کے بارے میں سوال نہ کرنا۔ انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کی طرف رجوع کر لیا۔ اس کے نزول میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

محمد بن منکدر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب وہ میری عیادت کرنے کے لیے آئے اور میں مریض تھا اور مجھے ہوش نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر ڈالا۔ اس سے مجھے ہوش آئی، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری میراث کس کو ملے گی؟ حالانکہ میرا کوئی وارث بیٹا بیٹی نہیں، کلالہ ہوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ یہ آیت اُم کجہ جو اوس بن ثابت کی بیوی ہیں اور ان کی بیٹیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ عطاء رحمہ اللہ کا قول ہے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ احد کے دن شہید ہو گئے۔ پیچھے وہ دو بیٹیاں اور بیوی اور ایک بھائی چھوڑ کر گئے۔ ان کے بھائی نے سب مال لے لیا۔ سعد کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کرنے لگی اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دونوں بیٹیاں سعد کی ہیں اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ اُحد کے دن شہید ہو گئے تھے اور ان کے چچا نے سب مال قبضے میں لے لیا اور میرے پاس اتنا مال بھی نہیں کہ میں ان دونوں کی شادی کروا سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپ چلے جاؤ اُمید ہے اللہ تعالیٰ اس پر فیصلہ فرما دے گا۔

اس پر یہ آیت "یوصیکم اللّٰہ" نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چچا کو بلوایا اور ان سے کہا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو ثلث دیدو اور ان کی ماں کو ثمن دیدو اور جو باقی بچ جائے تم لے لو۔ یہ اسلام میں پہلی میراث تھی جو تقسیم ہوئی۔ اللہ عزوجل کا فرمان "یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم" یعنی تمہارے لیے شمار کر کے رکھا ہے اور تمہاری اولادوں کے بارے میں تمہارے لیے فرض کیا گیا جب تم مر جاؤ تو تمہاری اولاد کے متعلق یہ حکم دیتے ہیں۔ "للذکر مثل حظ الانثیین"...... "فان کنّ" یہ ترکہ جو تمہاری اولاد کے لیے چھوڑا گیا۔ "نساءً فوق اثنتین" دو حصے ہی ملیں گے دو ہوں یا اس سے زائد۔ فوق صلہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے "فاضربوا فوق الاعناق"...... "فلھنّ ثلثا ما ترک وان کانت" اگر بیٹی موجود ہو "واحدۃً" کان کی خبر ہے اور قراء اہل مدینہ نے اس کو مرفوع پڑھا ہے۔ "فلھا النصف ولا بویہ" اس سے مراد میت کے والدین ہیں۔ "لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولدٌ" اس سے مراد باپ اور ماں ان دونوں کو سدس ملے گا جب اولاد یا اولاد کی اولاد نہ ہو اور باپ اصحاب فروض میں سے ہے۔ "فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث" حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے بھی پڑھا ہے۔ "فلامہ" بعض نے اس کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فان کان لہ اخوۃٌ" دو بہنیں ہوں یا اس سے زائد یا ان کے ساتھ مذکر بھی موجود ہوں۔ "فلامہ السدس" ماں کے لیے سدس ہوگا اور باقی ان کے باپ کے لیے ہوگا۔ بہنوں کو باپ کے ساتھ کوئی میراث نہیں ملے گی لیکن ماں محجوب ہو جائے گی ثلث سے سدس کی طرف۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بہنوں کی وجہ سے ماں کو ثلث سے سدس کی طرف نہیں ملے گا مگر یہ کہ بہنیں دو سے زائد ہوں۔ یہاں پر "فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس" یہاں پر یہ نہیں کہا کہ دو بہنیں ہوں اس کا جواب دیا کہ اسم جمع کا اطلاق کبھی تثنیہ پر ہوتا ہے کیونکہ جمع کہا جاتا ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا اور وہ لفظ اثنین میں موجود ہے۔ جیسا کہ "فقد صغت قلوبکما" یہاں پر قلب کو جمع کے ساتھ ذکر کیا لیکن اس کو تثنیہ کی طرف مضاف کیا ہے۔ "من بعد" "وصیۃ یوصی بھا او دین" ابن کثیر، ابن عامر، ابوبکر نے صاد کے فتحہ کے پڑھا اور دوسرے قراء نے صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا کیونکہ وصیت تو میت کی طرف سے ہی جاری ہوتی ہے موت سے پہلے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے "یوصین" حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے "توصون" پڑھا ہے۔ یہ دین "قرض" سے پہلے وصیت کو نافذ مانتے ہیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی ادائیگی کے بعد وصیت کو نافذ مانا ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ دین وصیت پر مقدم ہے۔ اس آیت میں معنی جمع کا ہے نہ کہ ترتیب کا اور میراث دین اور وصیت دونوں سے مؤخر ہے۔ لہٰذا پہلے وصیت کرے اور اگر قرض ہے تو اس کی وصیت کرے اور میراث ان دونوں سے مؤخر ہے۔ "آباء کم وابناء کم" جو میراث تم اپنے باپ کو یا بیٹوں کو دیتے ہو۔

"لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعًا" تم اس بات کو نہیں جانتے کہ دین اور دنیا میں تمہارے لیے سب سے زیادہ نفع مند چیز کیا ہے تم میں سے بعض گمان کرتے ہیں کہ ان کے لیے باپ نفع مند ہے اور بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ بیٹا نفع مند ہے اور تم میں سے بعض کا خیال ہے کہ بیٹا زیادہ نفع مند ہے۔ عالم اس بات کو جانتا ہے کہ تمہارے لیے زیادہ نفع مند کیا چیز ہے اس کام کو

تمہارے لیے پوشیدہ رکھا گیا ہے کسی مصلحت کی بناء پر تاکہ تم اس کی پیروی کرو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتے ہو کہ وہ تمہارے آباء اور ابناء کو قیامت کے دن اعلیٰ درجہ عطاء فرمادے۔ اللہ تعالیٰ بعض مؤمنین کو بعض کے ذریعے شفاعت کا ذریعہ بنائیں گے۔ اگر قیامت کے دن بیٹے کا درجہ بڑا ہوا تو ان کے باپ کو بڑا درجہ دیا جائے گا اس کی شفاعت کی وجہ سے اور اگر باپ کا درجہ بڑا ہوا ہوگا تو باپ کی شفاعت سے بیٹے کو بھی اعلیٰ درجہ ملے گا۔ "فریضۃ من اللّٰہ" جو اللہ تعالیٰ نے میراث میں مقدر کردیا گیا۔ "ان اللّٰہ کان علیمًا" بندوں کے افعال کو جانتا ہے۔ "حکیمًا" میراث کے جو احکام فرض کیے ہیں وہ بہ حکمت ہیں۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ⑫

ترجمہ: اور تم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جاویں اگر ان کے کچھ اولاد نہ ہو۔ اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا۔ وصیت نکالنے کے بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں یا دَین کے بعد اور ان بیبیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ۔ اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔ وصیت نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ یا دَین کے بعد اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ مرد میت ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ لوگ ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے۔ وصیت نکالنے کے بعد جس کی وصیت کر دی جائے یا دَین کے بعد بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچاوے۔ یہ حکم کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں حلیم ہیں۔

ازواج کی میراث

تفسیر: ⑫ "ولکم نصف ...... تا ...... بھا او دین" یہ ازواج (بیویاں) کی میراث کا بیان ہے۔ "ولھن الربع" ان کو ربع ملے گا۔ "مما ترکتم ...... تا ...... او دین" یہ بیویوں کی میراث کا بیان ہے اگر ایک شخص کی ایک بیوی ہو یا اس سے

زائد چار تک تو ان کو ربع یا ثمن ملے گا۔ "وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ" جو شخص اکیلا ہو اس کی صرف بیوی ہو کوئی اولاد وغیرہ نہ ہو تو اس صورت میں یہ شخص کلالہ کہلائے گا۔ "کلالۃ" منصوب ہے مصدر ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ فاعل "مالم یسم" فاعلہ ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "وان کان رجل یورث مالہ کلالۃ"

کلالہ کی تفسیر میں مختلف اقوال

کلالہ کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی تفسیر اپنی رائے سے کر رہا ہوں اگر اس میں کوئی غلطی واقع ہو جائے تو اس کو میری طرف منسوب کر دینا اور اگر صحیح ہو جائے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا باپ اور بیٹا دونوں نہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ میں کسی چیز کا ارادہ کروں اس کے بغیر جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ارشاد فرمائیں۔

طاؤس کے نزدیک کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کا لڑکا نہ ہو۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری اقوال میں سے ایک ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں۔ "قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد" اور عام حضرات کہتے ہیں کہ یہ ماخوذ ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس لیے کہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی۔ اس دن ان کے نہ والد تھے اور نہ ہی اولاد کیونکہ ان کے والد عبداللہ بن حرام اُحد میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ کلالہ والی آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں نازل ہوئی۔ اس صورت میں اس آیت کا شان نزول حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے۔

کلالہ کس کا نام ہے؟

اس بات میں مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ کلالہ کس کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ میت کا نام ہے یہ قول حضرت علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ہے کیونکہ جب انسان مرتا ہے تو جانبین میں رشتہ داروں کو چھوڑ کر مرتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کلالہ نام ہے ورثہ کا۔ یہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ میت ان کے ارد گرد ہوتے ہیں لیکن بیچ میں کوئی نسبی ستون ہوتا ہے جیسے سر پر بندھی ہوئی شاہی پٹی کہ سر کو چاروں طرف سے محیط ہوتی ہے مگر سر کا درمیانی حصہ خالی ہوتا ہے۔ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں کلالہ کا یہی مطلب ہے۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے وارث کلالہ ہیں۔ یعنی نہ میری نرینہ اولاد ہے اور نہ ہی والد۔

نضر بن شمیل فرماتے ہیں کہ کلالہ مال کا نام ہے۔ ابو الخیر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عقبہ سے کلالہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کیا تم لوگ تعجب کرتے ہو کہ یہ مجھ سے کلالہ کے متعلق سوال کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

رضی اللہ عنہم پر مشکل مسئلہ کوئی نہیں پیش آیا مگر یہ کلالہ کا مسئلہ۔ عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تین چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لیے محبوب نہیں تھی زیادہ واضح بیان ہوتا ہے۔ ایک کلالہ، خلافت، ابواب الربوا۔

محمد بن طلحہ کا بیان ہے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ میں تمہارے لیے کوئی اہم (مشکل) امور نہیں چھوڑ کر جارہا کلالہ کے سوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلالہ کے سوا کسی چیز سے رجوع نہیں فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں جتنی سختی فرمائی اتنی اور کسی چیز میں نہیں فرمائی۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے مبارک پر انگلی رکھ کر ارشاد فرمایا، اے عمر! کیا تمہارے لیے سورۃ نساء کی آخری آیت کافی نہیں۔ اگر آپ زندہ رہے تو اس کا فیصلہ میرے فیصلہ کے مطابق کرنا خواہ وہ قرآن پڑھنے والا ہو یا نہ پڑھنے والا۔ اور فرمایا کہ کیا تجھے آیت الصیف کافی نہیں۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ نے کلالہ کی دو آیتیں نازل فرمائی ہیں، ایک سردی میں جو سورۃ نساء کے اول میں واقع ہے اور دوسری وہ آیت جو گرمیوں میں نازل ہوئی وہ سورۃ نساء کی آخری آیت۔ "وله اخ او اخت فلكل واحد منهما السدس" اس سے مراد اخیافی بہن، بھائی سب کا اتفاق ہے۔ یہی سعد بن ابی وقاص نے پڑھا ہے۔ "وله اخ او اخت من ام" یہاں "له" ضمیر ذکر کی ہے "لهما" نہیں کہا حالانکہ ماقبل میں مذکر اور مؤنث دونوں کا ذکر ہے۔ عرب والوں کا طریقہ ہے کہ دو ناموں میں سے ایک کا تذکرہ کرتے ہیں اور دوسرے کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں کیونکہ دونوں حکم میں برابر ہیں، ان دونوں میں سے ایک کی طرف ضمیر لوٹتی ہے اور بسا اوقات دونوں کی طرف اضافت کی جاتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واستعينوا بالصبر والصلاة وانها لكبيرة" یہاں آیت میں ضمیر واحد لائی ہے ماقبل میں صبر اور صلوٰۃ دو چیزوں کا ذکر ہے۔ "فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء فى الثلث" اس بات میں اجماع ہے کہ اگر ماں کے ساتھ اور مشترک ہوں تو سب ماؤں کو ثلث ہی ملے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے خطبہ میں فرماتے ہیں کہ سورۃ نساء کی پہلی آیت جو میراث کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ والد، بیٹے اور ماں کے متعلق نازل ہوئی اور سورۃ نساء کی دوسری آیت بیوی، شوہر، اخیافی بہن بھائی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ آیت جس سے سورۃ کا اختتام ہو رہا ہے اس میں حقیقی بہن بھائیوں کے احوال کا تذکرہ ہے اور وہ آیت جو سورۃ انفال کے آخر میں نازل ہوئی وہ ذوی الارحام کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

"من بعد وصية يوصى بها او دين غير مضار" یعنی وہ تہائی سے زیادہ وصیت کرکے یا کسی وارث کو محروم کرکے دوسرے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔ "وصية من الله والله عليم حليم" قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کے وقت بھی کسی کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

(ترجمہ) یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو تو ایسی بہشتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اس کو آگ میں داخل کریں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمہاری بیبیوں میں سے سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرلو۔ سو اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کو بیاستہ گھروں کے اندر مقید رکھو۔ یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ تجویز فرمائیں۔

تفسیر: ﴿۱۳﴾ "تلک حدود اللّٰہ" یہ میراث کے متعلق جو ذکر کیا گیا ہے یہ اللہ کی حدود ہیں۔

"ومن یطع اللّٰہ ...... تا ...... ذلک الفوز العظیم"

﴿۱۴﴾ "ومن یعص اللّٰہ ...... تا ...... عذاب مھین" قراء اہل مدینہ اور ابن عامر نے "ندخلہ جنات، ندخلہ نارا" پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۃ فتح میں "ندخلہ، نعذبہ" اور سورۃ تغابن میں نکفر، ندخلہ اور سورۃ طلاق میں۔ ندخلہ نون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ان سب مقامات کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

زانی کی سزا کا بیان

﴿۱۵﴾ "والتی یاتین الفاحشۃ" فاحشۃ سے مراد زنا ہے۔ "من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم" اس سے مراد مسلمان ہیں اور خطاب حکام کو ہے یعنی اے حاکمو! تم اس کے متعلق چار گواہوں کو طلب کراؤ کیونکہ زنا کا ثبوت چار گواہوں کے بغیر نہیں ہوتا۔ "فان شھدوا فامسکوھن" اگر وہ گواہ پیش کردیں تو تم ان کو قید کرلو۔ "فی البیوت حتی یتوفاھن الموت او یجعل اللّٰہ لھن سبیلا" یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جب حدود کا حکم نازل نہیں ہوا تھا جو عورت زنا کرتی اس کو گھر میں اس وقت تک قید رکھتے جب تک کہ وہ مر نہ جاتی۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اس آیت سے "البکر بالبکر جلد و تغریب" اور ثیبہ کے حق میں کوڑے اور رجم ہے۔ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو مجھ سے لو مجھ سے عورتوں کے لیے اللہ نے راہ نکال دی ہے۔ باکرہ عورت باکرہ مرد سے زنا کرے تو اس کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ اگر زنا کریں تو سو کوڑے اور سنگساری ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو ثقہ جماعت نے روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ثیبہ کے حق میں کوڑے منسوخ ہوگئے اور رجم کرنا باقی رہ گیا۔ اکثر اہل علم کے

نزدیک اور بعض اہل علم نے کہا کہ ان دونوں کو جمع کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے شراحہ ھمدانیہ کو جمعرات کے دن سو کوڑے لگائے۔ پھر جمعہ کے دن ان کو رجم کیا اور کہا کہ اس کی سزا جلد کتاب اللہ کی وجہ سے اور رجم سنت رسول کی وجہ سے اور عام علماء کے نزدیک ثیبہ کو رجم کے ساتھ کوڑے نہیں لگائیں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا اور غامدیہ کو رجم کیا لیکن ان کو کوڑے نہیں لگائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جلاوطنی بھی ہے لیکن یہ باکرہ کے حق میں منسوخ ہے۔ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ ثابت ہے۔ حضرت نافع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے بھی لگائے اور جلاوطنی بھی کرائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجرم کو کوڑے لگائے اور جلاوطنی بھی کرائی۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا اور بعض نے اختلاف کیا کہ گھر میں روکے رکھنا یہ حد ہے یا منسوخ ہو گیا یا یہ حد کو ظاہر کرتا ہے اس میں دو قول ہیں۔

وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ⑯

ترجمہ اور جو ان سے دو شخص بھی بے حیائی کا کام کریں تم میں سے تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ دونوں توبہ کر لیں۔ اور اصلاح کر لیں تو ان دونوں سے کچھ تعرض نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں۔

تفسیر ⑯ "والذان یأتیانها منکم" اس سے مراد مرد اور عورت دونوں ہیں۔ ھا ضمیر راجع ہے فاحشہ کی طرف ابن کثیر نے "اللذان ، واللذین، وھاتان، وھذان" نون تاکید کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل بصرہ کے قراء نے بھی ان کی موافقت کی۔ دوسرے قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا ابوعمرو نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسم میں حروف کی کمی کی بناء پر "فآذوھما" عطاء اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ ان کو زبان سے عار دلاؤ یعنی یوں کہو کہ تمہیں گناہ کرتے ہوئے اللہ کا خوف نہیں آیا۔ تمہیں اللہ سے حیاء نہیں آئی جب تم زنا کر رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ان دونوں کو قید کر دو اور برا بھلا کہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زبان اور ہاتھ سے عار دلانا مقصود ہے اور ان کو جوتوں سے مارنا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

سوال: پہلی آیت میں قید کا ذکر تھا جب کہ اس آیت میں ایذاء کا ذکر ہے تو دونوں میں کیا تطبیق ہے؟

جواب: پہلی آیت میں عورتوں کا حکم تھا اور اس آیت میں مردوں کا حکم ہے۔ یہی قول مجاہد کا ہے یا پہلی آیت ثیبہ کے حق میں ہے اور دوسری آیت باکرہ کے حق میں ہے۔ "فان تابا" اگر وہ اس برائی سے توبہ کر لیں۔ "واصلحا" اور اس کے بعد وہ اپنی اصلاح کر لیں۔ "فاعرضوا عنهما" تو تم ان دونوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔ "ان اللہ کان توابا رحیما" یہ حدود کے نزول سے پہلے کا ہے یہ جلد اور رجم کی آیت کی وجہ سے منسوخ ہو گیا کوڑوں کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے "الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة" اور سنگسار کرنے کا حکم سنت سے ثابت ہے۔

حضرت ابوہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا

لائے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے اور دوسرے شخص نے کہا جو سمجھدار تھا ضرور اے اللہ کے رسول ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ فرمائیں، آپ مجھے اجازت دیں کہ میں پہلے بات کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بولئے۔ وہ کہنے لگا کہ میرا بیٹا اجیر تھا۔ اس کی بیوی کے ساتھ اس نے زنا کیا تو آپ مجھے بتلائیں کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا ہے تو اس نے مجھ سے سو بکریاں اور ایک لونڈی فدیہ میں لی ہے۔ پھر جب میں نے اہل علم سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے اور اس کی بیوی پر رجم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان ضرور بالضرور کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، رہی تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی وہ اس کو واپس لوٹا دو، باقی آپ کے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے اور حضرت انیس اسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کسی عورت کے ساتھ جا کر اس کی بیوی سے پوچھو اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دو۔ تو وہ اس کے پاس گئے، اس نے زنا کا اعتراف کیا تو اس کو رجم کر دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی اور جب اللہ تعالیٰ نے آیت رجم نازل فرمائی تو ہم نے اس کو پڑھا تو ہم نے اس کو معنوی طور سے پکڑ لیا اور اپنے پاس محفوظ رکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نزول کے بعد رجم فرمایا اور ہمیں اس بات کا ڈر لگنے لگا کہ اگر لوگوں نے اس کے نافذ کرنے میں دیر لگا دی تو کہنے والا کہے گا کہ آیت رجم ہم کتاب اللہ میں نہیں پاتے تو ہم اللہ کے ایک فریضہ کے چھوڑ دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو کتاب اللہ میں ذکر کر دیا۔ رجم کتاب اللہ میں حق ہے جو شخص زنا کرے شادی شدہ مرد ہو یا عورت۔ جب گواہ حاضر ہو جائیں یا حمل ظاہر ہو جائے یا وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرے۔ اگر زانی سے زنا کا صدور ہو اور اس میں چار شرائط پائی جائیں تو وہ محصن کہلائے گا۔ عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو، نکاح صحیح کے بعد انہوں نے زنا کیا ہو، رجم کی حد مسلمان ہو یا ذمی دونوں پر جاری ہوگی۔ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ احصان کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ لہٰذا ذمی کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یہودیوں کو رجم کیا تھا جب انہوں نے زنا کیا تھا اور اگر زانی غیر محصن ہو تو یعنی اس کے اندر اوصاف موجود نہ ہوں یعنی وہ بالغ نہ ہو یا مجنون ہو تو اس پر کوئی حد نہیں اور اگر وہ آزاد عاقل بالغ ہو لیکن اس نے نکاح صحیح نہیں کیا تو اس پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے اور اگر وہ غلام ہے تو اس پر پچاس کوڑے اور جلاوطنی کے متعلق دو قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ نصف سال جلاوطن کیا جائے گا جیسا کہ اس کو پچاس کوڑے آزاد مرد کے نصف کوڑے لگائے جاتے ہیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑰

ترجمہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں حکمت والے ہیں۔

للذین یعملون السوء بجھالہ کی تفسیر

تفسیر ⑰ "انما التوبۃ علی اللّٰہ" حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ توبہ ہے جو قبول ہوتی ہے اس صورت میں علی بمعنی عند کے ہوگا اور بعض نے کہا کہ یہ من اللہ ہے۔

"للذین یعملون السوء بجھالۃ" حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ کی جو نافرمانی کی جائے وہ جہالت ہے خواہ جان کر کی جائے یا بھول کر۔ ہر نافرمانی کرنے والا جاہل کہلاتا ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد جان بوجھ کر گناہ کرنے والا مراد ہے۔ کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گناہ کرنے والا جاہل نہیں۔ البتہ اس گناہ کا انجام جہالت ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی جہالت ہے کیونکہ وہ فانی لذتوں کو حاصل کرکے ابدی لذتوں کو تباہ و ختم کر رہا ہے۔ "ثم یتوبون من قریب" بعض نے کہا کہ وہ گناہ جو اس کی نیکی کو محیط ہو وہ اس کی نیکی کو مٹا دے گا۔

سدی اور کلبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قریب کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی صحت میں توبہ کرے گا مرض موت سے پہلے عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد موت ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ملک الموت سے پہلے وہ توبہ کرلے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتے ہیں جب تک موت کی حالت نہ پہنچ جائے۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے کہا کہ اے رب! تیری عزت کی قسم کہ میں تیرے بندوں کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا۔ جب تک ان کی ارواح ان کے جسموں میں موجود ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا میری عزت وجلال اور بلندی کی قسم کہ میں اس وقت تک ان کے گناہوں کو معاف کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔

"فاولئک یتوب اللّٰہ علیھم وکان اللّٰہ علیما حکیما"

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲

ترجمہ: اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کی جن کو حالت کفر پر موت آجاتی ہے۔ ان لوگوں کے

لئے ہم نے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ۔ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کرلو۔ مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو۔ اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

تفسیر ⑱ "ولیست التوبة للذین یعملون السیئات" اس سے مراد گناہ ہیں۔ "حتی اذا حضر احدھم الموت" اس سے نزع کی حالت مراد ہے۔ "قال انی تبت الان" یعنی یہ روح کی روانگی کی حالت ہے۔ یہاں تک کہ اس کی روح کھینچی نہ جائے۔ لہٰذا کافر کا نہ ایمان قبول ہے اور نہ ہی نافرمان کی توبہ قبول ہے۔ "فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا بأسنا" اسی وجہ سے فرعون کو ایمان کا نفع نہیں پہنچا جب وہ غرق ہو چکا تھا۔ "ولا الذین یموتون وھم کفار اولئک اعتدنا" یعنی ان کے لیے تیار کر کے رکھا ہے۔ "لھم عذابا الیما"

⑲ "یا یھا الذین ... تا ... ان ترثوا النساء کرھا" یہ اہل مدینہ کے متعلق نازل ہوئی۔

زمانہ جاہلیت کی ایک رسم بد کی تردید میں آیات کا نزول

زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا اور اسی طرح ابتداء اسلام میں بھی یہی رواج تھا کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اس عورت کے بیٹے کے سوا کوئی نہ ہوتا تو وہ بیٹا اس کے اوپر اپنا کپڑا ڈال دیتا یا اپنا خیمہ اس پر ڈال دیتا تھا اور اس کا حق دار بن جاتا تھا، اس عورت کو اپنی ذات پر خود کوئی حق نہیں رہتا تھا، اب اگر وہ چاہتا تو بغیر کسی جدید مہر کے صرف مردہ باپ کے مہر سے اس سے نکاح کر لیتا تھا اور اگر خود نکاح نہ کرنا چاہتا تو کسی دوسرے سے نکاح کرا دیتا اور مہر خود لے لیتا اور اگر چاہتا تو بالکل ہی نکاح سے روک دیتا تاکہ عورت مجبور ہو کر وہ مال واپس کر دے جو مُردہ کی وراثت سے اس کو ملا ہے۔ اسی طرح اپنی جان چھڑا لے یا پھر وہ عورت خود اس حالت میں مر جاتی اور اگر وہ عورت اپنے میکے چلی جاتی شوہر پر کسی کے کپڑا ڈالنے سے پہلے تو اس کو اپنے اوپر زیادہ اختیار ہوتا، یہ زمانہ جاہلیت میں تھا۔ جب زمانہ اسلام آیا تو ابو قیس بن سلت انصاری وفات پا گئے اور یہ بیوی کبشہ بنت معن انصاریہ چھوڑی۔ ان کا بیٹا جو دوسرے والدہ سے تھا کھڑا ہوا اس کا نام حصن تھا۔ مقاتل بن حیان نے اس کا نام قیس بن ابی قیس رکھا ہے۔ اس نے اپنا کپڑا کبشہ پر ڈال دیا اور اس کے نکاح کا وارث ہو گیا لیکن اس کو یونہی چھوڑے رکھا نہ قربت کی اور نہ ہی خرچ دیا مقصد یہ ہے کہ تنگ کر کے اس سے فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ کبشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابو قیس مر گیا ہے اور اس کا بیٹا میرے نکاح کا وارث ہو گیا، اب نہ مجھے وہ خرچ دیتا ہے نہ میرے پاس آتا ہے اور نہ میرا راستہ چھوڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو اس وقت تک اپنے گھر میں بیٹھ جا۔ جب تک اللہ کا حکم تیرے متعلق نازل ہو جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "یایھا الذین امنوا" سے لے کر آخر آیت تک۔ حمزہ اور کسائی وغیرہ نے

"کُرھًا" پڑھا ہے۔ قراء نے "کَرْھًا" پڑھا ہے اگر فتحہ کے ساتھ ہو تو معنی یہ ہوگا دوسرے کو مجبور کیا جائے۔ اس صورت میں مشقت عورت ہی کی جانب سے ہے۔ "ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما آتیتموھن" کہ تم اپنی عورتوں کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے مال سے فدیہ دے کر تم سے اپنی جان چھڑوا سکیں۔ بعض نے کہا کہ خطاب اولیاء میت کو ہے صحیح یہ ہے کہ خطاب بیویوں کو ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو خود بیوی کی طرف راغب نہ ہو اس کی صحبت سے نفرت کرتا ہو لیکن عورت کا مہر اس پر واجب ہو اور اس طرح تنگ کر کے چاہتا ہو کہ جو کچھ مہر دیا ہو اس کو تاوان رہائی کے طور پر واپس لے لے۔ اللہ تعالیٰ نے "لاتعضلوھن" فرما کر اس حرکت سے ممانعت کر دی اور ارشاد فرمایا "الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ" اس صورت میں تمہارے لیے حلال ہے کہ تم ان کو تکلیف دو۔

بفاحشۃ مبینۃ کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف

"بفاحشۃ" کی تفسیر میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد نافرمانی ہے۔

بعض نے کہا کہ زنا ہے مطلب یہ ہے کہ جب بیوی نافرمانی کر کے زنا کرے تو خاوند اس سے خلع طلب کر سکتا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کسی مرد کی بیوی زنا کرتی ہے تو اس کو دیا ہوا مال اس سے واپس لے لیتا ہے اور پھر اس کو گھر سے نکال دیتا ہے یہ حکم زنا کی حد کی وجہ سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ "مبینۃ" اور مبینات دونوں طرح ابن کثیر اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے یاء کے فتحہ کے ساتھ اور اہل مدینہ و بصرہ نے مبینات پڑھا ہے۔ "وعاشروھن بالمعروف" حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اول کلام کی طرف راجع ہے اور وہ کلام "وآتوا النساء صدقاتھن نحلۃ" ہے۔ عاشروھن بالمعروف کا مطلب ہے کہ نرم بات کرو رات گزارنے میں اور خرچ کرنے میں نرمی اختیار کرو۔ بعض نے کہا کہ تم اس کے ساتھ وہی سلوک اختیار کرو جو تم اپنے ساتھ کرتے ہو۔ "فان کرھتموھن ...... تا ...... خیرا کثیرا" بعض نے کہا کہ ولد صالح مراد ہے یا اللہ تعالیٰ تمہاری اس ناپسندیدہ چیز کو پسندیدہ بنا دے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْــًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اور اگر تم بجائے ایک بیوی کے دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم اس کو ایک انبار کا انبار مال دے چکے ہو۔ تو تم اس میں سے کچھ بھی مت لو۔ کیا تم اس کو لیتے ہو بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر اور تم اس کو کیسے لیتے ہو

حالانکہ تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہیں اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جس سے تمہارے باپ (دادا نانا) نے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی۔ بیشک یہ (عرفاً اور عقلاً بھی) بڑی بے حیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے اور (شرعاً بھی) برا طریقہ ہے

تفسیر ⑳ "وان اردتم استبدال زوج مکان زوج" اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہتے ہو۔ اگر پہلی بیوی کی طرف سے کوئی نافرمانی یا فاحش کا ارتکاب نہ ہوا ہو تو "واٰتیتم احداھن قنطارا" تو تم نے مال کثیر مہر میں دیا ہو۔ "فلا تاخذوا منہ" تو نہ لو اس مال کثیر سے "شیئا" کچھ بھی چیز۔ "اتاخذونہ" میں ہمزہ استفہام برائے توبیخ کے لیے ہے۔ "بھتانا واثما مبینا" یہ دونوں منصوب ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ منصوب ہے حروف جارہ کے حذف ہونے کی وجہ سے اور دوسرا اظہر عامل کی وجہ سے تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "تصیبون فی اخذہ بھتانا واثما"

㉑ "وکیف تاخذونہ" یہ بھی استفہام بمعنی انکار ہی کے ہے۔ "وقد افضی بعضکم الی بعض" اس سے مراد جماع ہے۔ افضاء کا اصل معنی یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف پہنچنا بغیر کسی واسطے "واخذن منکم میثاقا غلیظا" حسن، ابن سیرین، ضحاک رحمہم اللہ اور قتادہ کے نزدیک پختہ عہد سے مراد عورت کے ولی کا قول ہے کہ میں نے اس عورت کو تیرے نکاح میں ان شرائط و حقوق کے موجب دیا جو اللہ نے عورتوں کے لیے مردوں پر رکھے ہیں۔ یعنی ضابطہ دستور کے مطابق نکاح میں رکھنا خوبی کے ساتھ آزاد کر دینا۔

شعبی اور عکرمہ رحمہما اللہ کا بیان ہے اس عہد سے مراد وہ مضمون ہے جو مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانتیں سمجھ کر لے رکھا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو بحکم خدا اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ اس کلمہ کی بناء پر "ولا تنکحوا مانکح آباؤکم من النساء" زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے باپ کی منکوحہ سے شادی کرتے تھے۔ اشعث بن سوار کا بیان ہے۔ جیسا کہ ابوقیس نیک انصاری شخص تھا۔ قیس کے بیٹے نے ان کی بیوی کو نکاح کا خطبہ دیا۔ اس نے کہا قیس میں تو تمہیں اپنا بیٹا جانتی ہوں اور تو قوم کے نیک لوگوں میں سے بھی ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی اطلاع دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اب تو اپنے گھر چلی جا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

㉒ "ولا تنکحوا ما نکح ...... تا ...... قد سلف" بعض نے کہا کہ پہلے جو کچھ ہو چکا اس میں مؤاخذہ نہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو گناہ تم اس معاملے میں کر چکے ہو وہ معاف ہیں۔

"انہ کان فاحشۃ" یعنی بے حیائی کا کام ہے۔ کان صلہ ہے فاحشہ بدترین گناہ کو کہتے ہیں۔ "ومقتا" یا اللہ کے غضب کا باعث ہے۔ مقت کہا جاتا ہے سخت ترین بغض "وساء سبیلا" یہ راستہ برا ہے عرب کے ہاں باپ کی بیوی سے کسی کا کوئی بیٹا ہوتا تو اس کو مقیت کہتے تھے۔ اشعث بن قیس، ابو معیط، عمرو بن اُمیہ، یہ مقیت ہی تھے۔

عدی بن ثابت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میرا ماموں جھنڈا لئے میری طرف سے گزرا،

میں نے پوچھا کہاں جارہے ہو، اس نے جواب دیا ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے اس کا سر لانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ: تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہوں ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہاری ان بیٹوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نہ رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۲۳﴾ "حرمت علیکم امھاتکم" اس آیت میں تمام اُصولی عورتیں جو حرام ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے۔

محرمات کی تفصیل

محرمات جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے وہ چودہ ہیں۔ سات نسب سے حرام ہونے والی سات حرمت بالسبب ہیں۔ سات جو کسی سبب سے حرام ہیں۔ ان میں دو جن کا تعلق رضاعت سے ہے اور چار صِہریہ سے متعلق ہیں اور ساتویں محصنات ہیں اور وہ شوہر والیاں ہیں۔ اُمہات جمع ہے اُم کی۔ اس میں دادیاں بھی داخل ہیں اگرچہ وہ ماؤں کی جانب سے ہو اور باپ کی جانب سے ہو۔ "وبناتکم" جمع ہے بنت کی اس میں پوتیاں بھی داخل ہیں۔ اگرچہ ان سے نیچے ہو۔ "واخواتکم" اخت کی جمع ہے برابر ہے خواہ وہ حقیقی ماں باپ کی بیٹی ہو یا ماں باپ میں سے کسی ایک کی جانب سے ہو۔ "وعماتکم" جمع "عمۃ" کی ہے۔ اس میں باپ کی اخوات اور دادا کی اخوات اور ان سے اوپر "وخالاتکم" جمع خالۃ کی اور اس میں اُمہات اور جدات کی اخوات ہو۔ "وبنات الاخ و بنات الاخت" اس میں بھائی اور بہن کی اولاد بھی داخل ہے اور اس سے نیچے۔ من جملہ مرد پر اس کے اُصول و فصول (اولاد) پھر ان فصول کے پہلے اُصول اور ہر اصل کے بعد۔ اُصول سے مراد اُمہات اور جدات ہیں۔ فصول سے

مراد بنات ، اولاد کی بنات ہیں اور فصول اوّل اصول سے اخوات اور بھائیوں کی بیٹیاں اور اوّل فصل "من کل اصل بعدہ" سے مراد پھوپھیاں اور خالائیں اور ان سے اوپر اور جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان "و امھاتکم اللاتی ارضعنکم و اخواتکم من الرضاعۃ" ہن جملہ رضاعت سے بھی وہی حرام ہو جاتی جو نسب سے حرام ہوتی ہے۔

حرمت رضاعت کا مسئلہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جیسے نسب (ولادۃ) سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف فرما تھے کہ میں نے ایک مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخلہ کی اجازت مانگ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی شخص آپ کے گھر میں داخلے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کے متعلق فرمایا میرے خیال میں فلاں شخص ہوگا، میں نے اپنے رضاعی چچا کا نام لے کر کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر فلاں شخص زندہ ہوتا تو کیا وہ اندر آ سکتا تھا؟ فرمایا ہاں جو حرمت ولادت سے ہوتی ہے رضاعت سے بھی ہوتی ہے۔ رضاعت کی حرمت دو شرطوں میں سے شرط پائی جائے تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

پہلی شرط یہ ہے کہ دو سالوں سے قبل دودھ پلائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین" اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رضاعت سے اس وقت تک حرام نہیں ہوتی مگر آنتیں بھر جائیں (دودھ پینے سے) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رضاعت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک (دودھ سے) ہڈیاں اور گوشت پیدا نہ ہو جائیں اور یہ سب کچھ حالت صغر میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدت رضاعت تیس ماہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ "وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا" اکثر حضرات کے نزدیک یہ اقل مدت حمل ہے اور اکثر مدت رضاع ہے۔ مدت حمل کی اقل مقدار چھ ماہ ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پانچ مرتبہ پیٹ بھر کر دودھ پیئے۔ یہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ یہی عبداللہ بن زبیر اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اور اکثر اہل علم کے نزدیک رضاع کی قلیل مقدار ہو یا کثیر حرمت کو ثابت کر دیتی ہے۔ یہی قول ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ یہی سعید بن مسیب اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ امام مالک، اوزاعی، عبداللہ بن مبارک اور اصحاب رائے کا یہی مذہب ہے اور بعض نے کہا کہ قلیل حرام نہیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک مرتبہ پستان کو چھونا حرام نہیں کرتا اور دو مرتبہ چھونا۔ اسی طرح بعض اصحاب حدیث نے روایت کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ قرآن میں دس رضعات کا ذکر تھا۔ پھر وہ منسوخ ہو کر خمس

(پانچ) رضاعات رہ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری حیات طیبہ تک یہی قراءۃ تھی۔ محرمات صہریہ اللہ کے اس فرمان سے "وامھات نسائکم" جو بھی کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس کے خاوند پر بیوی کی مائیں اس کی دادیاں اور اس سے اوپر کے رشتہ دار رضاعی ہوں یا نسبی نفس عقد سے حرام ہو جائیں گی۔ "وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بھن" ربائب جمع ہے ربیبہ کی، اپنی بیوی کی بیٹی کو کہا جاتا ہے جو دوسرے خاوند سے ہو اس کو ربیبہ اس لیے کہتے ہیں چونکہ یہ اس کی زیر تربیت ہوتی ہے۔ "فی حجورکم" سے مراد اس (خاوند) کی تربیت میں ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں کسی کی گود میں ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی تربیت میں ہے۔ "دخلتم بھن" تم ان سے جماع کرو۔

جب اس منکوحہ سے جماع کیا تو اس کی بیٹیاں اور اس کی پوتیاں اس پر حرام ہو گئیں اور اس سے نیچے بھی۔ اگرچہ وہ رضاعی ہوں۔ نسبی اولاد منکوحہ کے ساتھ دخول کے بعد حرام ہو جائے گی۔ اگر منکوحہ دخول سے پہلے جدا ہو جائے یا اس کے دخول سے پہلے پہلے مر گئی تو اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے لیکن اس کی ماں کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُمہات کی حرمت کو مطلق ذکر کیا ہے۔ ربائب کی تحریم کے بارے میں یہ ارشاد "فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم" ان کی بیٹیوں کے نکاح میں جب تم ان سے جدا ہو جاؤ یا وہ مر جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیوی کی ماں حرام نہیں ہوتی مگر بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے جیسا کہ ربیبہ کے متعلق ہے۔

"وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم" یعنی تمہارے بیٹوں کی بیویاں، حلائل کی واحد حلیلۃ ہے۔ حلائل کے ساتھ اس لیے موسوم کیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے حلال ہے۔ بعض نے کہا اس کو حلائل اس لیے کہا چونکہ یہ دوسرے کے لیے حلال ہو جاتے ہیں جس طرح ایک چیز دوسرے میں حلول کر جاتی ہے اور وہ نزول ہے۔ بعض نے کہا ان میں سے ہر ایک کی ازار دوسرے کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔ یہ حقل کی ضد ہے من جملہ تاکہ پر حلائل کے بیٹے اور بیٹیاں بھی حرام ہیں اور ان سے نیچے کے رشتہ دار بھی۔ اگرچہ وہ رضاعی ہوں اور نسبی اولاد نفس عقد کے ساتھ حرام ہو جائیں گے۔ "من اصلابکم" فرمایا متبنی (منہ بولے بیٹے کا) حلیلہ اس مرد پر حرام نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کی بیوی سے شادی کی اور زید منہ بولا بیٹا تھا۔

اور چوتھی اقسام میں محرمات صہریہ باپ دادا کی حلیلہ یا اس کے اوپر کے رشتہ دار اس پر حرام ہیں اس کے بیٹے پر یا بیٹے کے بیٹے پر نفس عقد کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے برابر ہے کہ وہ باپ حقیقی ہو یا رضاعی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولا تنکحوا مانکح آباؤکم من النساء" اس کا تذکرہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔ اسی طرح جو عورت صرف نکاح سے حرام ہو جاتی ہے اسی طرح وہ وطی سے بھی حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وطی بالشبہ کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر کسی عورت نے شبہ کے ساتھ یا ملک یمین کی وجہ سے وطی کر لی تو اس وطی کرنے والے پر لونڈی کی والدہ اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی۔

حرمت زنا کا مسئلہ

اور اگر کسی نے عورت کے ساتھ زنا کرلیا تو اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ مزنیہ عورت کی ماں اور بیٹی اس پر حرام نہیں اور بعض نے کہا کہ اس کی ماں اور بیٹی حرام ہوگی۔ یہ قول علی ابن مسعود ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی قول سعید بن المسیب، عروہ، زہری اور اسی کی طرف امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ گئے ہیں اور بعض لوگ اس کی حرمت کی طرف گئے ہیں۔ یہی روایت عمران بن حصین اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما اور یہی روایت جابر بن زید رضی اللہ عنہ اور حسن اور یہی اصحاب الرائی کا قول ہے۔

اگر کسی عورت کو شہوت سے چھولیا تو کیا اس کی حرمت وطی کی حرمت کی طرح ہے ربیبہ کے حق میں؟ اس میں دو قول ہیں۔ اصح قول یہی ہے کہ اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت ثابت نہیں ہوتی جس طرح دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ "وان تجمعوا بین الاختین" کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ دو بہنوں کو جمع کریں ایک نکاح میں خواہ وہ آپس میں حقیقی بہنیں ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں۔ ہاں اگر کسی نے ایک بہن کے ساتھ نکاح کیا پھر اس کو طلاق بائن دے دی تو اس کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اسی طرح اگر اس کی ملک میں دو بہنیں اکٹھی جمع ہوگئیں تو اس کے لیے ان دونوں سے وطی کرنا حلال نہیں۔ اگر ایک کے ساتھ وطی کرلی تو دوسری کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں یہاں تک کہ پہلی کو اپنے اوپر حرام قرار دے دے اور اسی طرح جائز نہیں کہ کوئی شخص عورت اور اس کی پھوپھی کو یا خالہ بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرلے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ۔ "الا ما قد سلف" لیکن جو گزر گیا ہے وہ معاف ہے کیونکہ وہ سب افعال اسلام سے قبل کیا کرتے تھے۔ عطاء وسدی رحمہما اللہ کا بیان ہے اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں کیونکہ انہوں نے اُم یہودا اور راحیل اُم یوسف کو جمع کیا تھا حالانکہ یہ دونوں بہنیں تھیں۔ "ان اللہ کان غفوراً رحیماً"

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہوں مگر جو کہ تمہاری مملوک ہو جاویں اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے چاہو۔ اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو۔ پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے منتفع ہوئے ہو سو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر کر چکے ہو اور مقرر ہونے کے بعد بھی جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں۔

والمحصنات من النساء کی تفسیر اور شان نزول

تفسیر ﴿۲۴﴾ "والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم" اس سے مراد شوہروں والی ہیں۔ ان عورتوں کے ساتھ دوسرے شخص کا نکاح کرنا حرام ہے جب تک کہ یہ ان کو چھوڑ نہ دیں۔ یہ ساتویں قسم ہے جو حرمت بالسبب کی وجہ سے ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہ ان عورتوں کے متعلق نازل ہوئیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں تھیں اور وہ شوہر والی تھیں۔ ان سے بعض مسلمانوں نے نکاح کر لیا۔ پھر ان کے شوہر سابق ہجرت کر کے آئے۔ ان سے مسلمانوں کو نکاح کرنے سے روکا گیا۔ پھر اس سے استثناء کیا لونڈیوں اور باندیوں کو اس آیت سے "الا ما ملکت ایمانکم" وہ عورتیں (باندیاں) جو تمہارے پاس قید ہو کر آئی ہیں اور ان کے شوہر دارالحرب میں ہیں تو ان کے مالکوں کے لیے جائز ہے کہ ان کے استبراء کے بعد ان سے وطی کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ قید کرنے سے ان کا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن اوطاس کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ ان کو مشرکین کی کچھ عورتیں ہاتھ آ گئیں، وہ ان کو قید کر کے لے آئے۔ ان کے شوہر موجود تھے ہم نے ان کے ساتھ قربت کرنا مناسب نہیں سمجھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الا ما ملکت ایمانکم" یہ ان باندیوں کے بارے میں ہے جو غلاموں کے نکاح میں تھیں ان باندیوں کو ان سے لینا جائز ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شادی شدہ باندی کو بیچنا اس کے خاوند کے درمیان فرقت ڈالنا ہے اور یہ فرقت طلاق ہوگی۔ مشتری کے لیے اس سے وطی کرنا جائز ہے۔ بعض نے کہا کہ محصنات سے آزاد عورتیں مراد ہیں معنی یہ ہوگا کہ چار سے زائد

عورتیں حرام ہیں مگر وہ عورتیں جن کے تم مالک ہوئے ہو کیونکہ باندیوں میں کوئی عدد متعین نہیں۔ "کتاب اللّٰہ علیکم" منصوب مصدر ہونے کی وجہ سے اصل عبارت یہ تھی "ای کتب اللّٰہ علیکم" بعض نے کہا منصوب بنا بر اغراء ہے عبارت یوں ہوگی "الزموا ما کتب اللّٰہ علیکم" یعنی تم پر اللہ نے فرض کردیا ہے۔ "واحل لکم ماوراء ذلکم" ابوجعفر، حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ نے ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حاء کے کسرہ کے ساتھ۔ باقی قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے علاوہ جو محرمات میں سے ذکر کیے ہیں۔ "ان تبتغوا" تم تلاش کرو "باموالکم" تم ان سے نکاح کرو مہر کے عوض یا تم ان کو خرید و ثمن کے بدلے میں "محصنین" اس سے مراد شادی شدہ عورتیں یا پاکدامنی "غیر مسافحین" وہ زنا کرنے والی نہ ہوں سفح سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے بہانا چونکہ یہاں بھی منی بہائی جاتی ہے۔

"فما استمتعتم به منهن" اس کے معنی میں اختلاف ہے حسن اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے جب تم ان سے نفع حاصل کرو اور جماع سے لذت حاصل کرو نکاح صحیح کے ساتھ تو تم ان کو مہر ادا کرو۔ "فآتوهن اجورهن" اس سے مراد مہر ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے نکاح متعہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک مدت تک عورت کے ساتھ نکاح کرنا اور جب اتنی مدت گزر جاتی تو وہ طلاق سے بائنہ ہو جاتی۔ استبراء رحم (رحم کی صفائی) اس کے لیے ضروری ہوتا ہے اور ان کے درمیان میراث بھی جاری نہیں ہوتی یہ ابتداء اسلام میں مباح تھا پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ ربیع بن سبرۃ جہنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ارشاد فرمایا اے لوگو! میں تمہیں عورتوں سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دیا کرتا تھا اب بے شک اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن تک تم پر حرام قرار دیا۔ اب اگر اس طرح تم میں سے کسی کے پاس کچھ ہو تو ان کو چھوڑ دو اور ان سے کوئی چیز نہ لو جو تم نے ان کو دیا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور گھریلو گدھے کا گوشت حرام قرار دیا۔ اس پر بعض علماء اہل علم نے متعہ کو حرام قرار دیا ہے اور اس آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور نکاح متعہ میں رخصت دی ہے۔ ابن ابی نضرہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ تم سورۃ نساء کی یہ آیت نہیں پڑھتے "فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی" میں نے کہا کہ میں نے اس کو نہیں پڑھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تین مرتبہ نازل ہوئی۔ بعض حضرات نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس قول سے رجوع کرلیا تھا۔

سالم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور حمد و ثناء کی اور کہا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا کہ وہ نکاح متعہ کرتے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اگر کسی نے متعہ کیا ہوگا اور میرے پاس اس کو لایا جائے گا تو میں ضرور اس کو سنگسار کردوں گا۔ متعہ ختم ہوگیا نکاح طلاق، عدت اور میراث سے منسوخ ہوگیا۔

ربیع بن سلیمان نے کہا کہ میں نے حضرت شافعی رحمہ اللہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نہیں جانتا کہ اسلام میں کسی چیز کو

حلال کیا گیا ہو پھر حرام کیا گیا ہو پھر حلال کیا گیا ہو پھر حرام کیا گیا ہو متعہ کے علاوہ۔ "فآتوھن اجورھن" ادا کرو، ان کے مہروں کو "فریضۃ ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ" نکاح متعہ میں پہلے یہ بات جائز تھی کہ جب فریقین کے ہاں ایک مدت متعین تک طے ہو جاتا اور وہ پوری ہو جاتی تو فریقین میں سے عورت چاہتی تو وہ مدت بڑھا دیتی اور مرد مال میں اضافہ کر دیتا۔ اگر دونوں فریق راضی نہ ہوں تو پھر جدائی ہو جاتی اور جو حضرات آیت کو استمتاع بالنکاح صحیح پر محمول کرتے ہیں تو اللہ کے اس فرمان کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ "ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ" یعنی مہر مقرر ہونے کے بعد اگر عورت مقررہ مہر کا کچھ حصہ خود کم کر دے یا کل معاف کر دے یا مرد مقرر کردہ سے زائد از خود مقرر کر دے تو درست ہے۔ "ان اللہ کان علیما حکیما"

مہر کی مقدار کتنی ہونی چاہئے

مہر کی اکثر مقدار کی کوئی حد متعین نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "و آتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا" مستحب یہ ہے کہ اس میں زیادہ غلو نہ ہو۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کرو۔ اگر یہ زیادتی دنیاوی اکرام کی وجہ سے ہے اور اللہ سے تقویٰ کی وجہ سے تو تمہارے لیے اولیٰ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے مطابق کہ انہوں نے اپنی بیویوں سے نکاح کیا اور امت نے اپنی بیٹیوں کا نکاح کروایا تو بارہ اوقیہ سے زائد مہر نہیں رکھا۔

حضرت ابی سلمہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کا مہر کتنا رکھا تھا؟ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ میں نے کہا کہ آپ جانتے ہو کہ نش کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا نصف اوقیہ ہے۔ یہ پانچ سو دراہم ہوئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر ہے۔

مہر کی مقدار میں آئمہ فقہاء کے مختلف اقوال

اس سے کم مقدار مہر میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کی کم مقدار وہ ثمن ہے جو بیع یا ثمن بننے کی صلاحیت رکھے وہ مہر بن سکتا ہے۔ یہ قول ربیعہ، سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تین مٹھی کھجوریں مہر بن سکتے ہیں۔

سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ ایک کوڑے کو مہر بنانا بھی جائز ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ چوری کے نصاب کے برابر مہر کی مقدار ہے اور یہی قول امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چوری کی سزا کی مقدار تین دراہم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دس دراہم ہیں اس پر دلیل یہ حدیث مبارک ہے۔

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی۔ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنے آپ کو آپ کے حوالے کیا ہے، وہ کافی دیر کھڑی رہی، پھر ایک اور شخص

کھڑا ہوا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میری اس سے شادی کروا دیجئے، اگر آپ کو اس سے حاجت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہارے پاس اس کے مہر کے لیے کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس اس ازار کے سوا کچھ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا، اس ازار کے علاوہ کچھ نہیں، کوئی اور چیز ڈھونڈ لو، وہ کہنے لگے ہم اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں پاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تلاش کرو اگرچہ ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو، میں نے تلاش کیا لیکن کوئی چیز نہیں ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کی کوئی سورۃ یاد ہے، فرمایا جی ہاں! فلاں فلاں سورۃ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں نے آپ کی شادی فلاں سورۃ کے بدلے میں کر دی ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اقل مہر کی مقدار کی کوئی حد نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے علاوہ کوئی اور چیز تلاش کرو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو چیز مال بننے کی صلاحیت رکھتی ہو تو وہ مہر بن سکتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ولو خاتما من حدید" کیونکہ انگوٹھی کی اتنی قیمت نہیں جو زیادہ نافع ہو اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن کو مہر مقرر کرنا جائز ہے۔ یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور بعض اہل علم کا یہی قول ہے کہ اس پر جائز نہیں اور یہی اصحاب الرائے کا مذہب ہے اور ہر وہ عمل جو قابل اجرت ہو بنا وہ ہو یا خیاطہ ہو اور اس کے علاوہ تو وہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کیوں کر آزاد کی منفعت کو مہر قرار دیا اس پر وہ حدیث دلیل ہے جس میں حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی بیٹی کی شادی ایک عمل کی بناء پر کروائی تھی۔ (وہ دس سال تک موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں گے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علی ان تأجرنی ثمانی ......"

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

(ترجمہ) اور جو شخص تم میں پوری مقدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کر لے۔ اور تمہارے ایمان کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو سو ان سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ان کو ان کے مہر قاعدہ کے موافق دے دیا کرو اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی

ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنالی جاویں پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام کریں تو ان پر اس سزا سے نصف سزا ہوگی جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے یہ اس شخص کے لئے ہے جو تم میں زنا کا اندیشہ رکھتا ہو اور تمہارا ضبط کرنا زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں بڑے رحمت والے ہیں۔

تفسیر ⑳ "ومن لم یستطع منکم طولاً" اس کا معنی ہے فضل اور قدرت "ان ینکح المحصنت" اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ "المؤمنات" کسائی رحمہ اللہ نے محصنات صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہر مقام پر لیکن اس جگہ صاد کے زبر سے پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے تمام جگہوں پر فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "فمن ما ملکت ایمانکم من فتیٰتکم" اس سے مراد باندیاں ہیں۔

آزاد عورت کیساتھ نکاح کی قدرت رکھنے والا باندی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں اسکا حکم

"المؤمنات" جو شخص آزاد مومنہ عورت کا حق مہر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کو چاہیے کہ مؤمنہ باندی سے نکاح کرے اس بات کی دلیل ہے کہ آزاد شخص باندی کو دو شرائط کے ساتھ نکاح میں لا سکتا ہے۔ ❶ وہ آزاد عورت کے مہر کی طاقت نہیں رکھتا۔ ❷ یا اس کو اپنے نفس پر گناہ کا خوف ہو تو پھر وہ باندی سے نکاح کرسکتا ہے۔ جیسا کہ آیت کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے "ذلک لمن خشی العنت منکم" یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور یہی قول طاؤس عمرو بن دینار کا ہے اسی طرف امام مالک و شافعی رحمہما اللہ گئے ہیں۔

بعض اصحاب الرای کا قول ہے کہ باندی کے ساتھ نکاح کرنا آزاد کے لیے اس وقت جائز ہے جب کہ اس کے نکاح میں آزاد عورت نہ ہو اور غلام کے لیے باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ اگرچہ اس کے عقد میں پہلے سے آزاد عورت موجود ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کے لیے جائز نہیں کہ اگر اس کے عقد میں پہلے سے آزاد عورت موجود ہو۔ جیسا کہ آزاد شخص کے لیے حکم ہے۔ یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان کے لیے کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فمن ما ملکت ایمانکم من فتیٰتکم المؤمنات" یہاں باندی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا کہ وہ مؤمنہ ہو اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب" اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ اس آیت میں کتابیہ عورت سے نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ آزاد ہو اور اسی وجہ سے بعض اصحاب الرای نے مسلمان کے لیے کتابیہ باندی سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور ملک الیمین والی باندی کے ساتھ بالاتفاق وطی جائز ہے۔ "واللہ اعلم بایمانکم" تم ان کے باطن کا تعارض نہ کرو یعنی ان کے ایمان کے متعلق تعرض نہ کرو بلکہ ظاہری حالت کو دیکھو کیونکہ اللہ ان کے ایمان کو جانتا ہے۔ "بعضکم من بعض" تم ایک دوسرے کے بھائی ہو اور بعض نے کہا کہ تم سب ایک نفس کی اولاد ہو۔ لہٰذا تم باندیوں کے نکاح کو عیب نہ سمجھو۔ "فانکحوھن" باندیوں سے نکاح کرو۔ "باذن اھلھن" اپنے مولیٰ (آقا) کی اجازت کے ساتھ۔ "وآتوھن اجورھن" اس سے مراد مہر ہے۔ بالمعروف دستور کے مطابق نہ اس میں ٹال مٹول کیا جائے اور نہ ہی نقصان پہنچایا جائے۔ "محصنات" جو نکاح میں

پاک دامن ہیں۔ "غیر مسافحات علی الاعلان بدکاریاں نہ کرنے والی ہوں" "ولا متخذات اخدان" یعنی چھپ کر محبوب بنانے والی نہ ہوں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مسفحت" کا معنی ہے ہر جائی ہو جانا اور یار بنانے والی سے مراد ہے کسی کی مخصوص داشتہ بن جانے والی عرب کے نزدیک اول فعل حرام تھا اور دوسرا جائز۔ (عرب والے پہلی عورت کو حرام اور دوسری عورت کے ساتھ شادی کو جائز قرار دیتے تھے) "فاذا احصن" حمزہ، کسائی، ابوبکر رحمہم اللہ کے نزدیک الف اور صاد کے فتحہ "اَحْصَنَّ" اس کا معنی ہے جو اپنی عزت کی حفاظت کرنے والی ہو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اسلام لانے والی ہو اور دوسرے قراء نے ہمزہ کے ضمہ اور صاد کے کسرہ کے ساتھ "اُحْصِنَّ" پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ شادی شدہ ہوں۔

"فان اتین بفاحشۃ" فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ "فعلیھن نصف ما علی المحصنات" آزاد باکرہ عورت اگر زنا کرے تو اس کی سزا کے نصف ان کو سزا ملے گی۔ "من العذاب" اس سے مراد حد زنا ہے۔ اگر غلام زنا کریں تو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔ کیا اس کو جلاوطن کیا جائے گا اس میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ اگر اس کو جلاوطن کیا گیا تو نصف سال جلاوطنی کیا جائے گا غلام پر رجم نہیں ہے۔

جیسا کہ عبداللہ بن عباس بن ابی ربیعہ نے کہا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے اور کچھ قریشی جوانوں کو حکم دیا کہ حکومت کی چند باندیوں کو زنا کی سزا میں پچاس پچاس کوڑے ماریں۔ اور کہتے ہیں کہ غلام کی حد میں کوئی فرق نہیں۔ اگرچہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ یہی اکثر اہل علم کا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ مملوک غلام اگر زنا کریں تو ان پر حد واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فاذا احصن ...... تا ...... من العذاب" یہی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اور یہی قول طاؤس رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ بعض متاخرین نے احصان کا معنی اسلام لیا ہے اور اگر اس سے مراد شادی شدہ ہونا ہو تو پھر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شادی شدہ ہوگا تو حد لگے گی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مملوک شادی شدہ ہونے کی بناء پر زنا کرلے تو اس پر رجم والی سزا نہیں آئے گی بلکہ اس کی سزا کوڑے ہیں۔ برخلاف آزاد کے۔ باندی کی حد بھی اسی آیت سے ثابت ہے۔ غلام کو کوڑوں کی سزا اس حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے اس پر حد جاری کرو لیکن تشہیر بدرتہ کرو۔ پھر اگر دوبارہ زنا کرے تو اس کو حد جاری کرو اور تشہیر بدرتہ کرو۔ پھر اگر وہ تیسری بار زنا کرے تو اس کو فروخت کردو۔ اگرچہ بالوں کی ایک رسی کے بدلے میں ہی کیوں نہ ہو۔ "ذلک" باندی کے ساتھ نکاح کرنا آزاد کی طاقت نہ رکھتے ہوئے "لمن خشی العنت منکم" زنا کے ڈر سے غلبہ شہوت کی وجہ سے اور وہ باندی سے نکاح کرتا ہے وہ اپنے آپ پر مشقت کو محسوس کررہا ہے تو پھر اس کو باندی کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ "وان تصبروا" اگر وہ غلبہ شہوت پر صبر اختیار کرکے باندیوں کے ساتھ نکاح سے بچا رہتا اور اپنی پاک دامنی ہاتھ سے جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ "خیر لکم" یہ زیادہ بہتر ہے تاکہ تمہاری اولاد غلام پیدا نہ ہو۔ "واللہ غفور رحیم"۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بیان کردے اور تم سے پہلے لوگوں کے احوال تم کو بتلا دے۔ اور تم پر توجہ فرماوے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے اور جو لوگ کہ شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں۔

تفسیر ﴿۲۶﴾ "یرید اللہ لیبین لکم" یعنی تمہارے لیے بیان کردے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وامرت لاعدل بینکم" وہ تمہارے لیے انصاف کا حکم کرتا ہے۔ "وامرنا لنسلم لرب العالمین" اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے تابع رہیں اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "وامرت ان اسلم" کہ ہم کو حکم ہوا کہ ہم تابع رہیں۔ آیت کا معنی یہ ہوگا "یرید اللہ ان یبین لکم" یعنی تمہارے دین کے احکام اور مصالح امور کو کھول کر بیان کردیا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ تمہارے لیے بیان کردیا گیا ہے جو تمہیں اس کے قریب کردے۔ کلبی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ تمہارے لیے واضح کردیا کہ باندیوں کے نکاح سے صبر تمہارے لیے بہتر ہے۔ "ویھدیکم" وہ تمہیں راستہ دکھاتے ہیں "سنن" اس سے شرائع مراد ہیں۔ "الذین من قبلکم" یعنی ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کی حرمت کیونکہ یہ ماقبل امتوں کے لیے بھی حرام تھیں۔ بعض نے کہا کہ تمہیں راہ حنیف کی ہدایت عطا فرمائی اور وہ ملت ابراہیمی ہے۔ "ویتوب علیکم" تم سے اس غلطی کو معاف کردے گا جو تم پہلے کر چکے ہو احکام کے بیان کرنے سے پہلے۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم ایسے کام کرلو جن سے تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ بعض نے کہا کہ اللہ تمہیں توبہ کی توفیق عطا فرمادیں گے۔ "واللہ علیم" اور اللہ مصالح احکام سے خواہ وہ دینی امور سے متعلق ہوں یا دُنیاوی امور سے متعلق ان کو جانتا ہے۔ "حکیم" اور ان کے امور کی تدبیر پر حکمت ہے۔

﴿۲۷﴾ "واللہ یرید ان یتوب علیکم" اگر تم سے دینی اُمور میں کوئی کمی واقع ہوگئی۔ "ویرید الذین یتبعون الشھوات ان تمیلوا" حق سے کامل طور پر پھر جاؤ گے۔ "میلا عظیما" تم لے آؤ اس چیز کو جو تم پر حرام کرلی گئی ہے۔ (یعنی تم حرام کو حلال سمجھنے لگو) اتباع شہوات کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مجوسی

مراد ہیں کیونکہ یہی لوگ بہنوں اور بھائیوں کی بیٹیوں اور بیٹیوں کی بیٹی سے نکاح کو حلال سمجھتے تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے زانی لوگ مراد ہیں جو حق سے روگردانی کر کے زنا کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے تمام اہل باطل مراد ہیں۔

㉘ "یرید اللّٰہ ان یخفف عنکم" تمہارے اوپر احکام شرع کو آسان کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے اس آیت میں ذکر کیا ہے۔ "ویضع عنھم اصرھم" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہے جس پر عمل کرنا آسان ہے۔ "وخلق الانسان ضعیفا" طاؤس، کلبی اور دوسرے حضرات کا قول ہے کہ یہ عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ اس پر صبر نہیں کر سکتیں۔ ابن کیسان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ خواہش پرست اور شہوت کی طرف مائل ہونے میں کمزور ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کو کمزور پانی سے پیدا کیا گیا۔ جیسا کہ اللہ کے اس فرمان میں ہے۔ "اللّٰہ الذی خلقکم من ضعف"

㉙ "یایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" باطل سے مراد حرام ہے خواہ وہ سود ہو، قمار ہو یا کسی سے غصب کیا ہو چوری کیا ہو یا خیانت کی ہو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد عقود فاسدہ ہیں۔ "الا ان تکون تجارۃ" اہل کوفہ نے "تجارۃً" منصوب پڑھا ہے کان کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ مطلب ہوگا کہ مگر ہو اموال تجارۃ۔ دوسرے قراء نے "تجارۃٌ" رفع کی حالت میں پڑھا ہے معنی ہوگا واقع ہو ان کے درمیان تجارۃ "عن تراض منکم" تم میں سے ہر ایک کی اپنی خوشی سے۔ بعض نے کہا کہ آپس کی رضامندی سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیع صرف آپس کی رضامندی سے ہوتی ہے۔

نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیع کرنے والوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہوتا ہے جب تک وہ مجلس سے جدا نہ ہوئے ہوں۔ "ولا تقتلوا انفسکم" ابو عبیدہ فرماتے ہیں یعنی تم اس کو ہلاک نہ کرو۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" بعض نے کہا کہ اپنے آپ کو باطل مال کھلا کر ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد مسلمان کا اپنے آپ کو قتل کرنا۔

ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے جس چیز سے دنیا میں اپنے آپ کو قتل کیا قیامت کے دن اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گزشتہ اقوام میں سے ایک آدمی کے اعضاء پر زخم ہو گیا، اس سے برداشت نہ ہو سکا اور چھری نکال کر اس نے اپنا ہاتھ خود کاٹ ڈالا۔ آخر مرتے دم تک اس کا خون نہ رکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے جان دینے میں جلدی کی، میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لا تقتلوا انفسکم" اس سے مراد اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو۔ یعنی تم میں سے بعض بعض کو قتل نہ کرے۔ "ان اللّٰہ کان بکم رحیما"

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مجھ سے فرمایا میں لوگوں کو یہ بات سنا دینا چاہتا ہوں کہ میرے بعد تم لوگ لوٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾
اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور جو شخص ایسا فعل کرے گا اس طور پر کہ حد سے گزر جاوے۔ اور اس طور پر کہ ظلم کرے تو ہم عنقریب اس کو آگ میں داخل کریں گے اور یہ امر خدا تعالیٰ کو آسان ہے جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں جو بھاری بھاری گناہ ہیں اگر تم ان سے بچتے رہو تو ہم تمہاری خفیف برائیاں تم سے دور فرمائیں گے۔ اور ہم تم کو ایک معزز جگہ میں داخل کر دیں گے۔

تفسیر: ﴿۳۰﴾ "ومن یفعل ذلک" جو ایسا کرے گا جو کچھ محرمات کے متعلق ماقبل میں گزرا ہے۔ "عدواناً وظلماً" عدوان حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں۔ ظلم کہتے ہیں "وضع الشیٔ فی غیر موضعه" کسی چیز کو اس کے مقام کے علاوہ جگہ پر رکھنا۔ "فسوف نصلیه" اس کو آخرت میں داخل کر دیں گے۔ "ناراً" اس میں وہ جلتا رہے گا۔ "وکان ذلک علی اللّٰه یسیراً" آگ میں داخل کرنا اس کے لیے آسان ہے۔

کبیرہ گناہوں اور ان کے مراتب کا بیان

﴿۳۱﴾ "ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه" ان کبائر کے متعلق آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ کون سے کبائر گناہ ہیں جن کو صغائر کی معافی کے لیے شرطاً اجتناب ضروری قرار دیا ہے۔ اس آیت میں وہی کبائر ہیں کہ ان کبائر سے بچو گے تو صغائر معاف ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں کبیرہ گناہوں کے متعلق خبر نہ دوں، وہ کہنے لگے کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا سنو! جھوٹی بات کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بار بار ذکر فرمایا۔ ہمارا خیال ہوا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جائیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا گناہ بڑا ہے اللہ کے نزدیک۔ فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ میں نے کہا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کو قتل کر دو اس ڈر سے کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا۔ میں نے کہا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "والذین لا یدعون مع اللّٰه الٰها اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرّم اللّٰه الّا بالحق ولا یزنون"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سات ہلاک کرنے والی چیزوں

سے بچو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون سی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا، جادو کرنا، ناحق شخص کو قتل کرنا جس کے قتل سے منع کیا گیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد کے میدان میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بڑے گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے امن کا ہونا (خوف نہ کھانا) اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور ناامید ہونا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو برا بھلا کہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی شخص کیسے اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کسی دوسرے کے والدین کو برا بھلا کہتا ہے پھر وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے آدمی کسی کی ماں کو گولی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گولی دیتا ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کبائر کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ سات ہیں؟ فرمایا وہ تو سات سو کے قریب ہیں مگر وہ استغفار کے ساتھ کبیرہ نہیں رہتے اور اصرار کے بغیر وہ صغیرہ نہیں رہتے۔ (یعنی اگر وہ صغیرہ باقی رہے تو وہ صغیرہ نہیں رہتا کبیرہ بن جاتا ہے) اور فرمایا جس عمل سے اللہ کی نافرمانی کی جائے وہ کبیرہ ہے۔ لہٰذا جو شخص اگر اس طرح کا کوئی عمل کر گزرے تو اس کو اللہ سے استغفار کرنا چاہیے کیونکہ اللہ دوزخ کے اندر اس اُمت میں سے کسی کو ہمیشہ نہیں رکھے گا سوائے اس کے جو اسلام سے پھر گیا ہو یا کسی فرضیت کا انکار کر دیا ہو یا تقدیر کو نہ مانتا ہو۔

گناہ کبیرہ وصغیرہ میں فرق

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں جو منع فرمایا ہے وہ کبیرہ گناہ ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے ہر وہ گناہ جس پر آگ کی مہر لگائی ہو یا جس پر اللہ کا غضب ہوا یا جس پر اللہ نے لعنت فرمائی یا جس پر عذاب کی وعید سنائی وہ کبیرہ ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس گناہ پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وعید فرمائی ہو یا آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہو۔

حسن بن فضل رحمہ اللہ کا قول ہے جس کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کبیرا یا عظیما فرمایا وہ کبائر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "انہ کان حوبا کبیرا" ...... "ان قتلھم کان خطأ کبیرا" ...... "ان الشرک لظلم عظیم" ...... "ان کیدکن عظیم" ...... "سبحانک ھذا بھتان عظیم" ...... "ان ذلکم کان عند اللہ عظیما" ان آیات میں کبیرہ گناہ ہی مراد ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ کبائر وہ گناہ ہیں جن میں بندوں اور اللہ کے درمیان مظالم کا ذکر ہے اور صغائر وہ جو بندوں اور اللہ کے درمیان مظالم کا ذکر نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو کریم ہے معاف کرنے والا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن عرش کے درمیان سے آواز دینے والا آواز دے گا اے اُمت محمدیہ! اللہ عزوجل نے تم سب مؤمن و مؤمنات کو معاف کردیا تم اپنے مظالم کو معاف کرو اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ مالک بن مغول کا بیان ہے کبائر اہل بدعت کے گناہ مراد ہیں اور صغائر اہل سنت والجماعت کے گناہ ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ کبائر وہ گناہ جن کو جان کر کیا جائے اور صغائر جن کو بھول کر یا نسیاناً کیا جائے یا جن گناہوں پر زبردستی کی گئی ہو۔ حدیث النفس (جو بات دل میں آئے اور چلی جائے) بھی اس اُمت سے معاف ہے۔

بعض نے کہا کہ کبائر وہ گناہ جو گناہوں کو حلال سمجھ کر کریں اور سیئات (صغائر) وہ گناہ جو استغفار کرنے والے کریں۔ پہلے کی مثال ابلیس کا گناہ اور دوسرے کی مثال آدم علیہ السلام کی خطاء۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کبائر وہ گناہ ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے کرنے سے منع فرمایا ہو اور سیئات وہ گناہ جو اس کے مقدمات اور توابع ہیں جو صالح اور فاسق انسان میں جمع ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بدنظری، کسی کو چھونا، بوسہ لے لینا اور اس کے مشابہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آنکھیں زنا کرنے والی، ہاتھ گناہ کرنے والے اور پاؤں زنا کرنے والے اور اس کی تصدیق فرج کرتی ہے یا اس کو جھٹلاتی ہے اور بعض نے کہا کہ کبائر وہ گناہ ہیں جن کو بندے حقیر نہ سمجھیں اور صغائر وہ ہیں جن کو وہ بڑا نہ سمجھتے ہوں اور اس میں واقع ہونے سے ڈرتے ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ تم لوگ کچھ اعمال ایسے کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی زیادہ باریک ہوتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم ان کو تباہ کن گناہوں میں سے شمار کرتے تھے۔

بعض نے کہا کہ کبائر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور اس کی طرف لانے والی اشیاء اور شرک کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ صغائر ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "انّ اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء" "نکفر عنکم سیئاتکم" ایک نماز سے دوسری نماز تک یا ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک ہم گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہیں۔ بشرطیکہ وہ کبائر سے بچتا رہے۔ "وندخلکم مدخلاً کریماً" یعنی حسنہ ہے مراد جنت ہے۔ اہل مدینہ کے قراء نے "مدخلاً" میم کے فتحہ کے ساتھ اور سورۃ حج میں بھی اسی طرح پڑھا ہے یعنی داخل ہونے کی جگہ اور باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں مصدر یعنی ادخال کے ہوگا۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اور تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ﴿٣٢﴾ "ولا تتمنوا ما فضل اللّٰہ بہ بعضکم علی بعض" مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُم سلمہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) مرد تو جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتیں اور مردوں کا میراث میں ہم سے دُگنا حصہ ہے اگر ہم بھی مرد ہوتیں تو ان کی طرح ہم بھی جہاد کرتیں اور ان کے برابر ہمارا بھی میراث میں حصہ ہوتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے میراث کے متعلق یہ آیت "للذکر مثل حظ الانثیین" نازل فرمائی تو عورتوں نے کہا کہ ہم زیادہ حق دار اور محتاج ہیں۔ مردوں سے کیونکہ ہم کمزور صنف ہیں جبکہ مرد قوی ہیں اور وہ طلب معاش پر قادر بھی ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "ولا تتمنوا ما فضل اللّٰہ بہ بعضکم علی بعض" قتادہ اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا "للذکر مثل حظ الانثیین" تو ایک شخص نے کہا کہ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہم نیکیوں میں آخرت کے اندر عورتوں سے فضیلت پا جائیں گے اور ہمارا اجر عورتوں کے اجر سے دُگنا ہوگا۔ جیسا کہ ہمیں میراث کے مسئلہ میں فضیلت بخشی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "للرجال نصیب مما اکتسبوا" ثواب میں جو انہوں نے کمایا "وللنساء نصیب مما اکتسبن" اس کا معنی ہے کہ آخرت میں مرد اور عورتوں کا اجر برابر سرابر ہوگا۔ حدیث میں جو آیا کہ ایک نیکی کے بدلے میں دس گنا ملیں گی۔ اس میں مرد وعورت برابر ہیں۔

مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے دُنیا میں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مردوں کے لیے حصہ ہے جو وہ جہاد سے کماتے ہیں اور عورتوں کے لیے حصہ ہے جو وہ اپنے شوہروں کے متعلق ان کی طاعات میں کماتی ہیں اور اپنی عفت و پاک دامنی کی حفاظت کرتی ہیں۔ "واسئلوا اللّٰہ من فضلہ" ابن کثیر، کسائی رحمہما اللہ نے "وسلوا، وسل، وفسل" پڑھا ہے۔ سین سے پہلے واؤ، فاء ہو بغیر ہمزہ کے۔ اس صورت میں ہمزہ کی حرکت نقل کرکے سین کو دی اور باقی قراء سین کو ساکن پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز کی آرزو کرنے سے منع فرمایا جو حسد کے دواعی میں سے ہو۔ حسد کہتے ہیں کوئی شخص دوسرے سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرنا خواہ وہ نعمت اس کو حاصل ہو یا نہ ہو، یہ حرام ہے اس کے ساتھ غبطہ ہے جو اپنے ساتھی کے پاس نعمت ہے اس کو اپنے لیے آرزو کرنا اس سے زائل ہونے کی نیت کے بغیر یہ جائز ہے۔

کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کوئی شخص اپنے بھائی کے مال کی تمنا نہ کرے اور نہ ہی اس کی بیوی کی تمنا کرے اور نہ ہی اس کی لونڈی کی تمنا کرے لیکن وہ یوں کہے اے اللہ! مجھے بھی اسی طرح عطا فرما۔ اسی طرح تورات میں بھی مذکور ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے اور اللہ کے اس فرمان "واسئلوا اللّٰہ من فضلہ" اس سے مراد رزق ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں فضل سے مراد عبادت ہے۔ یعنی عبادت کی توفیق کا سوال کرنا۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی چیز کے متعلق ہم سے مانگا نہ ہوگا مگر ہم نے اس کو عطا کیا۔ "ان اللّٰہ کان بکل شیء علیما"

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾

ترجمہ اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ دیں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جن

لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دے دو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

تفسیر ③ "ولکل جعلنا موالی" ہر ایک کے لیے خواہ وہ مردوں میں سے ہو یا عورتوں میں سے اس کیلئے وارث مقرر کر رکھا ہے۔ "مما ترک الوالدان والاقربون" ماں باپ اور اقارب وارث ہیں اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے جو انہوں نے ترکہ میں چھوڑا، ان کا وارث ہوا۔ اس صورت میں "ما" بمعنی "من" کے ہوگا۔ پھر موالی کی وضاحت کر دی اور فرمایا "الوالدان والاقربون" یہ دونوں ورثاء میں سے ہیں۔ "والذین عقدت ایمانکم" عقدت بغیر الف کے معنی یہ ہوگا کہ جس نے تمہارے ساتھ عہد کیا ہوا ہے۔ عقدت یہ معاقدۃ باب مفاعلہ سے بھی ہے۔ معاہدہ کو کہتے ہیں۔ ایمان جمع ہے یمین کی خواہ وہ قسم ہاتھوں میں ہاتھ دے کر ہو یا قسم کے ساتھ ہو۔ بسا اوقات کسی کی مخالفت پر لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد کرتے ہیں۔ اس طرح مضبوطی سے پکڑنے کو عہد کہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عہد کا یہ طریقہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا کہ میرا خون تیرا خون، میرا قتل تمہارا قتل ہے، میرے ساتھ جنگ گویا تیرے ساتھ جنگ کرنا، میرا تسلیم کرنا تیرا تسلیم کرنا، میری وراثت تیری وراثت، میرا طلب کرنا گویا تیرا طلب کرنا، میری طرف سے جزیہ دینا تیری طرف سے دینا ہے۔ اس صورت میں دوسرے حلیف کو چھٹا حصہ دیا جاتا تھا۔ یہی رواج ابتداء اسلام میں رہا۔

"فاتوھم نصیبھم" یعنی ان کو میراث سے حصہ دیا جاتا تھا۔ پھر یہ اس آیت سے منسوخ قرار دیا۔ "واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ" ابراہیم اور مجاہد رحمہما اللہ کا قول ہے کہ "فاتوھم" سے مراد ان کی مدد کرنا، سہارا دینا ہے میراث دینا مراد نہیں۔ اس صورت میں یہ اس آیت سے منسوخ نہیں ہوگا۔ "اوفوا بالعقود" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں ارشاد فرمایا جاہلیت کے حلف کو پورا کرو اسلام اس میں مزید قوت پیدا کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان مہاجرین وانصار کے متعلق نازل ہوئی جن کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات (بھائی چارہ) قائم کرایا تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے مال کے وارث ہوتے تھے لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی "ولکل جعلنا موالی" تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ پھر فرمایا "والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم" مدد کرنے کے ساتھ یا سہارا دینے میں اور نصیحت کرنے میں۔ سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے متبنی بیٹے کے وارث ہوتے تھے اس آیت سے وہ حکم بھی منسوخ ہوگیا۔ "ان اللہ کان علی کل شیء شھیدا"

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ: مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت

الٰہی نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بدزبانی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں۔

الرجال قوامون کی آیت کا شان نزول

تفسیر ۳۴ اس آیت کا نزول سعد بن ربیع اور ان کی بیوی کے حق میں ہوا۔ سعد کا شمار نقباء میں سے ہوا اور ان کی بیوی حبیبہ بنت زید بن ابی زہیر تھی۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ سعد کی بیوی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ سعد کی بیوی نے سعد کے حکم کے خلاف کوئی بات کی۔ سعد نے ان کو طمانچہ مارا، وہ اپنے والد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس کے والد نے کہا کہ آپ نے میری پیاری آنکھوں کی ٹھنڈک سعد کو دی اور اس نے اس کو طمانچہ مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو اپنے شوہر سے قصاص (بدلہ) لینے کا حق حاصل ہے۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ واپس آئیں تاکہ سعد سے بدلہ لیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپ دونوں لوٹ جاؤ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لے آئے پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم نے کچھ سمجھا اور اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا اور جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ بہتر ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ لینے سے روک دیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان "**الرجال قوامون علی النساء**" مردوں کو عورتوں کی تادیب کرنے پر مسلط کیا ہے اور قوام، قیم دونوں کا معنی ایک ہے لیکن قوام ابلغ ہے اس کو کہتے ہیں کہ جو مصالح دینیہ و دنیاوی کے لیے قائم ہو اور جس کے ساتھ تدبیر اور تادیب کے مصالح وابستہ ہوں۔ "**بما فضل اللہ بعضہم علی بعض**" اللہ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی زیادتی عقل، دین اور ولایت کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ گواہوں کے اعتبار سے مرد فضیلت رکھتے ہیں عورتوں پر۔ لقولہ تعالیٰ "**فان لم یکونا رجلین فرجل و امراتان**" اگر گواہی میں دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔ بعض نے کہا کہ مرد فضیلت رکھتے ہیں عورتوں پر جہاد کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ یہ فضیلت جمعہ کی نماز اور پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ ادائیگی میں ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ فضیلت نکاح میں ہے کہ ایک مرد چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے جبکہ ایک عورت ایک ہی شوہر کر سکتی ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ فضیلت طلاق میں ہے کہ مرد عورتوں کو طلاق دیتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ میراث میں مرد عورت سے قوی ہے۔

بعض نے کہا کہ دیت میں قوی ہے اور بعض نے کہا نبوت میں کیونکہ عورت نبی نہیں بن سکتی۔ "**وبما انفقوا من اموالہم**" اس سے مراد مہر کی ادائیگی اور نان و نفقہ کا خرچ ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ "**فالصالحات قانتات**" اس سے مراد فرمانبردار عورتیں

ہیں۔"حافظات للغیب" اپنے شوہروں کی عدم موجودگی میں اپنی عفت کی حفاظت کرنے والی اور بعض نے کہا کہ پوشیدہ امور کی حفاظت کرنے والی۔"بما حفظ اللّٰہ" بعض نے کہا کہ "بما حفظ اللّٰہ" منصوب ہے۔اللہ کی اطاعت میں حفاظت کرنے والی۔دوسرے قراء نے مرفوع پڑھا ہے۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے عورتوں کے حقوق کی جو حفاظت کی ہے مہر و نفقہ اور عورتوں کی نگہداشت و حفاظت اور ان کی ضروریات کی فراہمی مردوں کے ذمہ کردی ہے۔بعض حضرات نے کہا کہ وہ حفاظت کرنے والی ہیں غیب میں جس کی حفاظت کرنے کا اللہ نے حکم دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے اچھی بیوی وہ ہے اگر تو اس کی طرف دیکھے تو خوش ہو اگر تو کسی کام کا اس کو حکم دے تو وہ تیرا حکم مانے اور اگر تو غیر حاضر ہو تو تیری غیر موجودگی میں اپنے مال و آبرو کی حفاظت رکھے۔پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "الرجال قوامون علی النساء"..... "والتی تخافون نشوزھن" سے مراد نافرمانی ہے۔اصل میں نشوز کہا جاتا ہے تکبر کو اور اوپر کو اٹھنا اسی سے نشز ہے اونچی جگہ کو کہتے ہیں۔"فعظوھن" اللہ کے خوف سے ان کو نصیحت کرو اور یہ نصیحت زبانی ہو۔"واھجروھن" اگر تمہارے قول سے وہ باز نہیں آئیں تو تم ان سے علیحدگی اختیار کرلو۔"فی المضاجع" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بستر پر ان کی طرف سے پیٹھ پھیرنا اور ان سے بات چیت نہ کرنا ہے اور دوسرے حضرات نے کہا کہ دوسرے بستر پر اس سے علیحدگی اختیار کرو۔"واضربوھن" اگر ترک تعلق اور ہجران سے معاملہ نہ سنبھلے تو ان کی پٹائی لگاؤ جس میں نشان نہ پڑے اور نہ ہی کوئی ہڈی وغیرہ ٹوٹ جائے۔عطاء رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کو مسواک سے ماریں۔حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت پر حق ہے کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ اور جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ اور اس کے چہرے پر نہ مارو اور نہ اس سے نفرت کرو اور اس سے ناراض نہ ہو مگر گھر کے اندر ہی۔"فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلاً" ان کے گناہوں کی سزا نہ دو جب وہ اس گناہ سے توبہ کریں۔ابن عیینہ کا قول ہے تم ان کو اپنی محبت کا مکلف نہ بناؤ کیونکہ تمہارا دل ان کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔"ان اللّٰہ کان علیاً کبیراً" اللہ اپنے بندوں کو اس کام کا مکلف نہیں بناتا جو اس کی طاقت نہیں رکھتے۔اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد دونوں چیزوں کو جمع رکھے وعظ و نصیحت، ہجران و ضرب کو۔بعض حضرات اس آیت کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں کہ جب بیوی کی جانب سے نافرمانی ہو جائے تو ان افعال کو جمع کرے اور خوف کو محمول کیا اس آیت میں "واللاتی تخافون نشوزھن" سے مراد علم ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فمن خاف من موص جنفاً" اس سے مراد بھی جاننا ہے اور بعض حضرات نے خوف کو خشیت پر محمول کیا ہے نہ کہ حقیقت علم پر۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "واما تخافن من قوم خیانۃ" یہ تمام افعال جرائم کی ترتیب پر ہیں اگر اس کو بیوی کی نافرمانی کا خوف ہو یا اس کی علامات ظاہر ہوں یعنی بدخلقی وغیرہ۔اگر اس کا نشوز ظاہر ہو جائے تو اس کو علیحدہ کردے اور اگر اس سے بڑھ جائے تو اس کی پٹائی لگاؤ۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ: اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکشی کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو عورت کے خاندان کی طرف سے بھیجو۔ اور اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں اتفاق فرمادیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۳۵﴾ "وان خفتم شقاق بینھما"

میاں بیوی کے درمیان فیصلہ کیلئے حکمین کا انتخاب

زوجین میں اختلاف ہو جائے، خوف بمعنی یقین کے ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں بمعنی ظن (گمان) کے ہے کہ اگر تمہیں ان کے آپس میں لڑائی جھگڑے کا گمان ہونے لگے تو پھر شوہر نہ اپنی بیوی سے روگردانی کرے اور نہ اس سے جدائی اختیار کرے اور نہ ہی اس کی کوئی تادیب کرے تو اس صورت میں وہ دونوں ایک حاکم عورت کی طرف سے اور ایک مرد کی طرف سے بھیجے جو آزاد بالغ عادل ہوں تاکہ وہ ان دونوں کے متعلق صحیح فیصلہ کر سکیں۔ پھر وہ اپنی رائے ان دونوں میاں بیوی کے پاس بھیجے وہ ان سے صلح یا فرقت کے متعلق بات کریں۔ جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے "فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا" اس سے مراد وہ دونوں حاکمین ہیں۔ "یوفق اللہ بینھما" یعنی میاں بیوی کے درمیان صلح کروانا چاہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے حکمین مراد ہیں۔ "ان اللہ کان علیما خبیرا"

حضرت ابو عبیدہ اس آیت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں "وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مرد و عورت تشریف لائے اور ان دونوں کے سرپرست بھی ساتھ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہر فریق کے قرابت داروں میں سے ایک ایک نشست مقرر کرو، اس حکم پر عمل کیا گیا۔ آپ نے ان دونوں نشستوں کے حاکموں سے فرمایا کہ کیا تم اپنے فرائض کو جانتے ہو، تمہارا کام یہ ہے کہ اگر دونوں کا نباہ ہوتا دیکھو تو اختلاف دور کرکے دونوں کو یکجا کر دو اور اگر اتفاق نہ ہوتا ہو تو دونوں میں تفریق قرار دے دینا۔ عورت نے کہا کہ میرا نفع ہو یا نقصان میں اللہ کی کتاب کے فیصلے کو مانتی ہوں، مرد نے کہا علیحدگی تو نہیں ہوگی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا خدا کی قسم! تو نے غلط کہا جب تک تو اسی طرح اقرار نہ کرے جس طرح عورت نے کیا ہے۔ زوجین کی رضامندی کے بغیر حاکمین کو ان میں بھیجنے کے متعلق آئمہ کا آپس میں اختلاف ہے۔ دونوں قولوں میں سے صحیح قول یہ ہے کہ ان دونوں کی رضامندی کے بغیر حاکمین کا بھیجنا جائز نہیں اور اسی طرح زوج کے حکم کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے اور نہ ہی عورت کے حاکم کو

اختیار ہے کہ وہ خلع طلب کرے۔ یہی اصحاب الرأی کا قول ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کہ مرد سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا تھا علیحدگی تو نہیں ہوگی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا خدا کی قسم! تو نے غلط کہا تو ایسا ہی اقرار کر جیسا کہ عورت نے اقرار کیا۔ اس بات سے ثابت ہوا کہ امر کا نافذ ہونا ان دونوں کے اقرار اور رضا پر موقوف ہے۔ دوسرا قول بعض حضرات نے کہا کہ ان دونوں کی رضامندی کے بغیر وہ حکمین کو بھیج سکتے ہیں۔ اس صورت میں زوج کے حکم کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی رضا کے بغیر اس کو طلاق دے اور عورت کے حکم کے لیے جائز ہے کہ وہ خلع کرے اس کی رضامندی کے بغیر۔ جب ان دونوں حکمین کی رائے ان دونوں میاں بیوی کے درمیان صلح کی ہو۔ جیسا کہ کوئی حاکم دو، جھگڑنے والے شخص کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔ اگرچہ یہ فیصلہ ان دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کے بھی موافق نہ ہو اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اقرار کرلے کہ اس کی رضا شرط ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب عورت کتاب اللہ کے فیصلے پر راضی ہوگئی تو مرد نے کہا کہ علیحدگی تو نہیں ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ فرقت کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو بلکہ کتاب اللہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "یوفق اللّٰہ بینھما" یہ فراق اور غیر فراق میں دونوں کو شامل ہے۔ ان دونوں کے درمیان تحقیق اور اصلاح تب ممکن ہے جب جھوٹ سے کوئی فریق متصف نہ ہو، کبھی تو ان کے درمیان اصلاح کی جائے گی اور کبھی ان دونوں کو اپنے حال پر چھوڑا جائے گا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝

(ترجمہ) اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں بیشک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔

(تفسیر) ۳۶ "واعبدوا اللّٰہ" اور اس کو اکیلا مانو (توحید اختیار کرو) اور اس کی اطاعت کرو۔ "ولا تشرکوا بہ شیئًا" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیچھے سواری میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے معاذ تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کا حق ہمارے اوپر یہ ہے کہ ہم اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اے معاذ آپ جانتے ہو کہ اللہ پر بندوں کا کیا حق ہے جب کہ انہوں نے ایسا

کیا ہو؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ لوگوں کو عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دوں؟ ارشاد فرمایا چھوڑ دوان کو عمل کرنے دو۔ "وبالوالدین احسانا" ان دونوں کے ساتھ نیکی کروان دونوں کا عطف مائل دونوں پر ہے۔

"وبذی القربیٰ" نیکی اختیار کرو اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ۔ "والیتمٰی والمساکین"

یتیم کی پرورش کرنے والے کیلئے بشارت

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایسے ہوں گے جیسے سبابہ شہادت والی انگلی اور بیچ والی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ چھوڑ دیا۔

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے محض اللہ کی خوشنودی کے واسطے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو جس حصہ پر اس کا ہاتھ لگا ہوگا اس کے ہر بال کے عوض اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور جس شخص نے یتیم لڑکے یا لڑکی سے اچھا سلوک کیا جو اس کے پاس ہو تو وہ اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح (قریب قریب) ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں انگلیوں کے درمیان فاصلہ کر کے بتایا۔ "والجار ذی القربیٰ" اور قربت رکھنے والے پڑوسی۔ "والجار الجنب" اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔

پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہئے

ابی عمران جونی فرماتے ہیں کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے دو پڑوسی ہیں، میں کس کے گھر کوئی چیز ہدیہ بھیجوں؟ فرمایا جس کا دروازہ تجھ سے قریب ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو، اگر چہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ہی پیش آؤ اور جب تو شوربا پکائے اس میں پانی زیادہ کر اور اس سے اپنے پڑوسی کا لحاظ رکھ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے متعلق برابر نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ یہ پڑوسی کو میراث کا حق دار بنا دیں گے۔

"والصاحب بالجنب" جو سفر کا ساتھی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ نخعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے جو انسان کے پہلو میں ہوتی ہے۔ ابن جریج اور ابن زید رحمہما اللہ کے نزدیک جو اپنے فائدے کے لیے تیرے ساتھ ہو وہ صاحب الجنب ہے۔

وابن السبیل سے کون لوگ مراد ہیں؟

"وابن السبیل" بعض نے کہا کہ اس سے مراد مسافر ہے کیونکہ وہ راستے کو لازم پکڑتا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک اس سے مراد مہمان ہے۔ ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہو اس کو اپنے مہمان کی ایک شبانہ روز ضیافت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ نیکی کی بات کرے یا خاموش ہو جائے۔

شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص آخرت کے دن پر اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن پر تو اس کو چاہیے کہ اچھی بات کرے یا خاموش ہو جائے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ مہمان نوازی کرے اور وہ تین دن تک کرے اور تین دن کے بعد صدقہ ہے اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین دن کے بعد میزبان کے پاس رُکا رہے۔

"وما ملکت ایمانکم" جو تمہارے مملوک ہیں ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض الوفات میں یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ نماز اور اپنے غلاموں کی رعایت اختیار کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لگاتار ایسے ہی ارشاد فرما رہے تھے یہاں تک کہ وفات پا گئے۔

حضرت معرور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان پر ایک چادر تھی اور ان کے غلام پر بھی ایک چادر تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بداخلاق جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

"ان اللّٰہ لا یحب من کان مختالاً فخورًا" مختال متکبر کو کہتے ہیں۔ فخور کہا جاتا ہے اس شخص کو جو دوسروں پر اپنی فوقیت جتلاتا ہو۔ بندوں کے حقوق کے بعد اس کو اس لیے ذکر فرمایا کیونکہ متکبر کسی کے حق کو محض تکبر کی وجہ سے دباتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایک آدمی دو چادریں پہنے مٹکتا اتراتا چلا جا رہا تھا۔ اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا لٹکائے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔

ۨالَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾

(ترجمہ) جو کہ بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو

اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے اور ہم نے ایسے ناسپاسوں کے لئے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے

تفسیر ۳۷ "الذین یبخلون" کلام عرب میں بخل کہا جاتا ہے کہ بچی ہوئی چیز بھی سائل کو دینے سے رُکنا شریعت میں بخل کہا جاتا ہے حق واجب کی ادائیگی میں رُکنا۔ "ویامرون الناس بالبخل" حمزہ اور کسائی کی روایت میں باء اور خاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور سورۃ الحدید میں بھی ان کے نزدیک اسی طرح ہے۔ دوسرے قراء نے باء کے ضمہ اور خاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرنے میں بخل سے کام لیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو تورات و انجیل میں جو مذکور تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد کتمان علم ہے یعنی علم کو چھپانا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت کردم بن زید، حیی بن اخطب، رفاعہ بن زید بن تابوت، اسامہ بن حبیب، نافع بن ابی نافع، بحری بن عمرو۔ یہ لوگ انصاریوں کے پاس ان سے گھل مل کر کہتے تھے کہ اپنے مال خرچ نہ کرو، ہم کو تمہارے مفلس ہو جانے کا اندیشہ ہے تم کو نہیں معلوم کہ آئندہ کیا ہوگا۔ "ویکتمون ما اتاھم اللہ من فضلہ" فضل بمعنی مال کے ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ صدقہ دینے میں بخل کرتے ہیں۔ "واعتدنا للکافرین عذابا مھینا"

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ اور وہ لوگ کہ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھلانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر اعتقاد نہیں رکھتے اور شیطان، جس کا مصاحب ہو اس کا برا مصاحب ہے اور ان پر کیا مصیبت نازل ہو جائے گی اگر وہ لوگ اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لے آویں اور اللہ نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہا کریں اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ کریں گے اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا کر دیں گے۔ اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیں گے۔

تفسیر ۳۸ "والذین ینفقون ...... وبالیوم الاخر" والذین حالت نصب میں واقع ہے اس کا عطف ماقبل الذین پر ہے۔ بعض نے کہا کہ مجرور ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف "واعتدنا للکافرین" پر ہوگا۔ یہ یہود کے متعلق نازل ہوئی۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے کہا کہ مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ کے منافقین کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی رکھتے تھے۔ "ومن یکن الشیطان لہ قرینا" قرین سے مراد ساتھی اور دوست ہے۔ "فساء قرینا" برا ساتھی شیطان ہے۔ منصوب علی شریطۃ التفسیر ہے۔ بعض نے کہا کہ قطع ہے الف لام کے لغو ہونے کی وجہ

سے جیسا کہ کہا جاتا ہے "نعم رجلاً عبداللّٰہ" اور جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "بئس للظالمین بدلاً" ..... "وساء مثلاً"

۳۹ "وماذا علیہم" "ان پر کیا ہوتا ان پر کیا حرج ہوتا۔ "لو امنوا باللّٰہ ...... تا ...... وکان اللّٰہ بہم علیمًا"

۴۰ "ان اللّٰہ لایظلم مثقال ذرۃ" عبارت اس طرح منظم کی گئی ہے کہ تمہارے لیے کیا حرج ہے اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاؤ اور تم اللہ کے راستے میں خرچ کرتے تو اللہ تم پر ظلم نہ کرتا۔ یعنی نہ تو وہ تمہارے مالوں سے کم کرتا اور نہ ہی تمہارے ثواب میں سے کمی کرتا ایک ذرہ برابر بھی۔ ذرۃ کہتے ہیں کہ ایک چھوٹی سرخ چیونٹی کو۔ بعض حضرات نے کہا کہ ذرۃ ان اجزاء کو کہا جاتا ہے جو ہوا میں اُڑتے ہیں ان کے اجزاء کو ذرہ کہا جاتا ہے جن کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ وہ تمہارے اوپر کسی چیز کا ظلم نہیں کرتا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں اس کا ذکر فرمایا ہے "ان اللّٰہ لا یظلم الناس شیئًا"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کی کسی نیکی کو کم نہیں کیا جائے گا دُنیا میں اس کے عوض رزق ملے گا اور آخرت میں بھی اس کی اچھی جزاء ملے گی اور کافر کی نیکی کا بدلہ اس کو بصورت رزق دُنیا میں ہی ملے گا۔ آخرت میں جب پہنچے گا تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی کہ ثواب پاسکے۔

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مؤمن دوزخ سے خلاصی پالیں گے اور مامون ہو جائیں گے تو وہ اپنے بھائیوں کے متعلق جو دوزخ میں داخل کر دیئے گئے ہوں گے اپنے رب سے اتنا سخت جھگڑیں گے کہ اتنا سخت جھگڑا تم میں سے کوئی اپنے حق کے متعلق بھی کسی سے نہیں کرتا۔ عرض کریں گے پروردگار وہ ہمارے بھائی ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ حج کرتے تھے ان کو تم نے آگ میں ڈالا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جاؤ اور جن جن کو تم جانتے ہو ان کو لے آؤ۔ پس وہ جائیں گے اور ان کو پہچانیں گے وہ ان کے چہروں سے پہچانیں گے کیونکہ آگ نے ان کے چہروں کو نہ کھایا ہوگا۔ ان کی صورتوں کو آگ نے کھالیا ہوگا، ان میں سے بعض تو وہ ہوں گے جن کو آگ نے نصف پنڈلی تک کھالیا ہوگا، ان میں سے بعض وہ ہوں گے جن کو ٹخنوں تک آگ پہنچی ہوگی۔ پس ان کو نکال کر لے آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے جن کو نکالنے کا حکم دیا تھا ہم نے ان کو نکال لیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت پھر ارشاد فرمائیں گے پھر تم ان لوگوں کو جہنم سے نکال کر لے آؤ جن کے دل میں ایک دینار کے بقدر ایمان ہو۔ پھر دوبارہ حکم ہوگا کہ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر ایمان ہو (اس کو بھی نکال لو) یہاں تک کہ یہ فرمائیں گے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو (اس کو بھی نکال کر لے آؤ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا جو شخص اس کی تصدیق کرتا ہے اس کو چاہیے کہ یہ آیت مبارک تلاوت فرمائے۔ "انّ اللّٰہ لا یظلم ...... تا ...... اجرًا عظیمًا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن عرض کریں گے اے ہمارے رب! تو نے جن کے نکال لینے کا حکم دیا تھا ان کو ہم نے نکال لیا اب دوزخ میں کوئی بھی ایسا نہیں رہا جس کے اندر کوئی بھی خیر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ملائکہ سفارش کر چکے، انبیاء علیہم السلام سفارش کر چکے، مؤمن

سفارش کر چکے، اب ارحم الراحمین باقی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کے اندر سے ایک مٹھی یا دو مٹھی بھر ایسے لوگوں کو نکال لے گا جنہوں نے اللہ کے لیے کبھی کوئی نیکی نہ کی ہوگی اور جل کر کوئلہ ہوگئے ہوں گے ان کو لا کر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا جس کی وجہ سے وہ ایسے اُگیں گے جیسے بارش کے کیچڑ میں دانہ اُگتا ہے اور موتی کی طرح ان کے بدن چمکنے لگیں گے، ان کی گردنوں پر مہر لگی ہوگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔ حکم ہوگا جنت میں داخل ہو جاؤ تمہاری جو تمنا ہو اور جس چیز پر تمہاری نظر پڑے وہ تمہاری ہے وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں ایسا کچھ عطا فرمایا جو کسی کو جہاں میں نہیں دیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پاس تمہارے لیے اس سے بھی بڑھ کر نعمت ہے، وہ عرض کریں گے پروردگار وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری خوشنودی آئندہ میں کبھی بھی تم سے غصہ نہیں ہوں گا۔

کلمہ شہادت والے کاغذ کا وزن ننانوے دفتروں پر حاوی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے علی الاعلان لائے گا۔ اس کے اعمال ناموں کے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے ہر دفتر اتنا لمبا ہوگا جتنی دور نظر پہنچتی ہے اور اللہ فرمائے گا کیا تجھے اس میں سے کسی چیز کا انکار ہے، کیا میرے نگران کاتبوں نے تیری کوئی حق تلفی کی ہے، بندہ عرض کرے گا نہیں میرے مالک (کوئی حق تلفی نہیں کی اور نہ ہی مجھے اس کا انکار ہے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ (گناہ کرنے کا) تیرے پاس کوئی عذر یا کوئی نیکی اور ہے بندہ لاجواب اور متحیر ہو کر عرض کرے گا نہیں پروردگار اللہ فرمائے گا کیوں نہیں، ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے تجھ پر آج ظلم نہیں ہوگا اس کے بعد ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا جس میں "اشهد ان لا اله الا الله وان محمدًا عبده ورسوله" لکھا ہوگا۔ اللہ فرمائے گا وزن کے وقت تو موجود رہنا بندہ عرض کرے گا میرے پروردگار یہ چھوٹا سا پرچہ ان لمبے دفتروں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیری حق تلفی نہیں ہوگی، اس کے بعد تمام دفتروں کو ایک پلڑے میں اور پرچے کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو دفتروں والا پلڑا اوپر اُٹھ جائے گا اور پرچے والا پلڑا بھاری لگے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ معاملہ خصوم کے متعلق ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اس وقت اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو اگلے پچھلے سب کو جمع فرمائے گا اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا، سنو! جس کسی کا حق ہو وہ اپنا حق لینے آئے یہ سن کر آدمی خوش ہوگا کہ باپ یا اولاد یا بھائی پر اس کا جو حق ہوگا وہ اس کو ملے گا خواہ حق کتنا ہی تھوڑا ہو اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینهم یومئذ ولا یتساء لون" پھر ہر ایک بندے کو بلایا جائے گا اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا جو تمام اگلوں اور پچھلوں کے لیے ہوگی۔ یہ فلاں بن فلاں ہے جس کا اس پر کوئی حق ہو وہ اپنا حق لینے آجائے۔ پھر اس شخص سے کہا جائے گا ان کے

حقوق ادا کر، وہ شخص کہے گا اے میرے رب! دُنیا جاتی رہی اب کہاں سے دوں، اللہ فرشتوں سے فرمائے گا اس کے اعمال دیکھو، ان میں سے ان لوگوں کے حقوق دیدو، اب اگر ذرہ برابر نیکی رہ جائے گی تو فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے مالک! اس کی ذرہ برابر نیکی باقی رہی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کے لیے اس کو چند گنا کرو اور اس کو میری رحمت کے طفیل جنت میں داخل کر دو۔

اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "ان اللّٰہ لایظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضاعفھا" اور اگر بندہ بدبخت ہوگا اور فرشتے کہیں گے کہ اے ہمارے معبود! اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور حق دار ابھی باقی ہے تو اللہ فرمائے گا ان کی کچھ بدیاں لے کر اس کے گناہوں میں بڑھا دو، پھر اس کو دوزخ میں لے جاؤ۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کریں گے۔ ایک حق دار کو دوسرے حق دار کے لیے بلکہ ایک حق دار کو دوسرے سے لے کر اس کا حق ادا کیا جائے گا اور کسی پر ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرے گا یعنی جس کے پاس ایک ذرہ نیکی باقی رہ گئی تو اس کو اللہ تعالیٰ دُگنا کر کے اس کو جنت میں بھیج دیں گے۔ "وان تک حسنۃ یضاعفھا" اہل حجاز نے اس کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے "وان توجد حسنۃ" اور دوسرے قراء نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ایک ذرہ برابر بھی اگر نیکی ہوئی تو اس کو دُگنا کر دیں گے۔ "ویؤت من لدنہ اجرًا عظیمًا" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے "اجرًا عظیمًا" فرمایا تو اس کی مقدار کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

ترجمہ: سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جبکہ ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر لاویں گے۔ اس روز جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور رسول کا کہنا نہ مانا ہوگا وہ اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش ہم زمین کے پیوند ہو جاویں۔ اور اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفاء نہ کر سکیں گے۔

تفسیر: ﴿٤١﴾ "فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید" ان کی کیا حالت ہوگی اور اس وقت کیسے ہوگا جب ہر اُمت میں سے ایک گواہ حاضر کریں گے یعنی ہر پیغمبر کو حاضر کریں گے تاکہ وہ اپنی اُمت کے متعلق شہادت دے۔ "وجئنا بک" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "علی ھؤلاء شھیدا" یعنی شاہد کے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام اُمت پر گواہی دیں گے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہوگا اور جن کو نہیں دیکھا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے پڑھ کر سناؤ۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ آپ پر نازل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جی ہاں۔ میں نے سورۃ نساء پڑھنی شروع کی۔ جب اس آیت "فکیف اذا جئنا من کل امۃ" ..... آخرالآیۃ تک پڑھی تو فرمایا کافی ہے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

⑫ "یومئذ" قیامت کا دن "یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوّٰی بھم الارض" ابن عامر اور اہل مدینہ کے قراء نے "تسوّٰی" تاء کے فتحہ سین کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصل میں "تتسوّٰی" تھا ایک تاء کو سین میں مدغم کیا تو تسوّٰی بن گیا۔

حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے تاء کے فتحہ اور سین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے تاء تفعل کو حذف کردیا۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگر زمین کو ہمارے ساتھ برابر کردیا جائے تو ہم اور زمین ایک ہی چیز ہو جائیں گے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یعنی زمین پھٹ جائے اور اس میں وہ سما جائیں اور پھر زمین برابر کردی جائے۔ جیسا کہ وہ زمین سے پیدا کیے گئے۔ بعض حضرات نے کہا کہ وہ پسند کریں گے کہ ان کو پیدا ہی نہ کیا گیا ہوتا کیونکہ ان کو زمین کی طرف منتقل کیا گیا۔ پھر زمین کو برابر کیا گیا۔ کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ چوپایوں، مویشیوں، درندوں اور پرندوں کو اللہ حکم دے گا خاک ہو جاؤ، وہ فوراً خاک ہو کر زمین میں مل جائیں گے۔ اس وقت کافر بھی یہی تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مٹی مٹی ہو جاتے۔ "ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا"

"ولا یکتمون اللّٰہ حدیثا" عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ زمین میں سما جاتے مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وحالات انہوں نے نہ چھپائے ہوتے۔ دوسرے بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ جملہ کلام مستانفہ ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ سے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ان کے ہاتھ پاؤں خود شہادت دیں گے وہ اس بات کو چھپانے پر قدرت نہیں رکھتے۔

کلبی اور ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں قرآن میں ایسی اشیاء پاتا ہوں جو میرے اوپر مشتبہ ہوئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ لے آؤ۔ وہ شخص کہنے لگا "فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون" اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے اس روز کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا اور آگے آیت "اقبل بعضھم علی بعض یتساءلون" اس آیت میں پوچھ گچھ کے متعلق معلوم ہوتا ہے اور آگے آیت "ولا یکتمون اللّٰہ حدیثا" اس آیت میں اخفاء کی نفی کی صراحت ہے اور اگلی آیت "واللّٰہ ربنا ما کنا مشرکین" اس آیت میں دل میں اظہار کے خلاف مطلب کو چھپائے رکھنا ثابت ہو رہا ہے اور ایک آیت "ام السماء بناھا ...... تا ...... والارض بعد ذلک دحاھا" میں آسمان کی تخلیق پہلے اور زمین کی تخلیق بعد میں ذکر کی لیکن اس آیت "ء انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین" میں آسمان کی تخلیق سے پہلے زمین کو پیدا کرنے کا ذکر کیا ہے اور آیت "کان اللّٰہ غفورًا رحیمًا" میں کان کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ غفور رحیم تھا۔ "وکان اللّٰہ عزیزًا حکیمًا"

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت "فلا انساب" والی آیت کا مصداق نفخہ اولیٰ ہے اور اگلی آیت میں نفخہ ثانیہ کا ذکر ہے کہ اس وقت اُٹھ کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور "ما کنا مشرکین ولا یکتمون اللّٰہ حدیثا" میں مشرک اور کافر مسلمانوں کے گناہ معاف ہوتے ہوئے دیکھیں گے اور اپنے گناہوں کے جرائم معاف ہوتے ہوئے نہیں دیکھیں گے تو بخشش کی اُمید میں مشرک ہونے سے انکار کردیں گے۔ پھر اللہ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے

اوران کے اعمال کو ظاہر کردیں گے اس وقت رسول کا فرمان نہ ماننے والے اور رسالت کا انکار کرنے والے تمنا کریں گے کہ کاش وہ زمین میں سما جائیں اور اللہ سے کوئی بات مخفی نہ رکھ سکیں گے۔

باقی رہی زمین و آسمان کی تخلیق کے بارے میں اول اور بعد کا مسئلہ تو یہ ہوا کہ اللہ نے دو روز میں زمین کو پیدا کیا، پھر دو روز میں سات آسمان پیدا کیے۔ پھر دو روز میں زمین کو بچھایا اور ہموار کیا اس اعتبار سے زمین اپنی موجودات سمیت چار روز میں پیدا کی گئی۔ "وکان اللّٰہ غفورًا رحیمًا" اس میں کان بمعنی ماضی نہیں ہے بلکہ بمعنی استمرار ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے غفور الرحیم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ تم کو قرآن میں اشتباہ نہیں ہونا چاہیے یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس سے آیا ہے۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں مختلف مواقع کے واقعات کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک موقع پر وہ بات نہیں کرسکیں گے سوائے جس جس کے کچھ نہیں سنائی دے گا اور دوسرے موقع پر وہ بول سکیں گے اور جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے "ما کنا مشرکین ما کنا نعمل من سوء" اور ایک موقع پر وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیں گے۔ "فاعترفوا بذنبھم" ایک جگہ پر وہ باہم سوال نہیں کریں گے اور دوسرے موقع پر دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے کی درخواست کریں گے اور سب سے آخری موقع پر ان کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

(ترجمہ) اے ایمان والو! تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا بکتے ہو۔ اور حالت جنابت میں بھی باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت میں یہاں تک کہ غسل کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو۔ یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کرلیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بخشنے والے ہیں۔

(تفسیر) ۴۳ "یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری"

لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری کی تفسیر

سکاری سے مراد سکر (نشہ) ہے۔ یہاں سکر سے مراد شراب کا ہے۔ اکثر حضرات کے نزدیک یہی قول ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کھانا تیار کروایا اور ہم کو بلوایا اور شراب پلائی۔ یہ واقعہ حرمت شراب

سے پہلے کا ہے۔ شراب کا نشہ جب ہم کو چڑھا اور نماز کا وقت آ گیا تو لوگوں نے مجھ کو آگے بڑھایا، میں نے پڑھا "قل یا ایھا الکافرون. اعبد ما تعبدون" آخر تک اسی طرح بغیر لا کے پڑھا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد نمازوں کے اوقات میں شراب نوشی سے بچتے تھے۔ حتیٰ کہ شراب کی حرمت کا نزول ہوا۔ ضحاک بن مزاحم کا بیان ہے کہ یہاں سکر سے مراد نیند ہے جب نیند کا غلبہ ہو تو نماز سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو اونگھ آئے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ لیٹ جائے یہاں تک کہ اس سے نیند چلی جائے کیونکہ جب تم اونگھ کی حالت میں نماز پڑھو تو ہو سکتا ہے استغفار کی جگہ بددعا نکل جائے "حتّٰی تعلموا ما تقولون ولا جنبا" منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم حالت جنب میں ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں آدمی جنبی ہے اور فلاں عورت جنبی ہے۔ "ورجال جنب ونساء جنب" لفظ جنب مرد و عورتوں دونوں کے لیے واحد استعمال ہوتا ہے۔ جنب اصل میں دوری کو کہا جاتا ہے جنبی کو جنبی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ نماز کی جگہ سے بچتا ہے یا وہ لوگوں کی مجلس سے دور رہتا ہے اور لوگ بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ غسل نہ کر لے۔ "الا عابری سبیل حتّٰی تغتسلوا" اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اگر وہ مسافر ہوں اور پانی نہ ملے تو تیمم کر لو۔ جنبی کو نماز سے ممانعت ہے جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے مگر یہ کہ وہ سفر میں ہو اور پانی نہ ملے تو تیمم کر لے۔ یہی قول حضرت علی ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد رضی اللہ عنہم کا ہے۔ دوسرے حضرات کا قول ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ "وبیع و صلوات" اس کا معنی یہ ہوگا کہ تم مسجد کے قریب نہ جاؤ جب تم حالت جنب میں ہو مگر وہاں سے نکلنے کے لیے گزر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی مسجد میں سویا ہوا ہے اور اس کو جنابت پہنچی یا مسجد میں پانی موجود ہے یا مسجد سے گزر کر جانا پڑتا ہے تو اس صورت میں وہ گزر سکتا ہے اور اس میں وہ ٹھہرے نہیں۔ یہ قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، ضحاک، حسن، عکرمہ، نخعی اور زہری رحمہم اللہ کا ہے۔

انصار کے کچھ لوگوں کے گھر مسجد کی جانب تھے اور جب ان کو جنابت لاحق ہوتی اور ان کے پاس پانی موجود نہ ہوتا اور مسجد سے لانا پڑتا تو ان کو مسجد سے عبور (گزرنے) کی اجازت دی جاتی۔

جنبی کیلئے مسجد عبور کرنے کا حکم

اہل العلم کا اس میں اختلاف واقع ہوا کہ اس میں گزرنا جائز ہے یا نہیں؟

بعض حضرات میں حسن، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک وہ مسجد سے گزر سکتا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک مطلقاً منع فرمایا ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ تیمم کر کے گزر سکتا ہے۔ البتہ مسجد میں ٹھہرنا اکثر اہل علم کے نزدیک جائز نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسجد کی طرف سے

دروازوں کا رُخ پھیر دو کیونکہ کسی کے لیے مسجد میں (دخول) حلال نہیں کہ حائضہ یا جنبی اس سے گزر جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس میں ٹھہرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس کے راوی مجہول ہیں۔ یہی امام مزنی کا قول ہے۔ اس طرح جنبی آدمی کے لیے طواف کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس کیلئے قراۃ قرآن بھی جائز نہیں۔ عبداللہ بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء حاجت پوری کی اور میرے ساتھ گوشت کھایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی اور ان کو قرآن پڑھنے سے کوئی چیز مانع نہیں بن رہی تھی مگر جنابت اور جنابت کا غسل ان دونوں امور میں سے کسی ایک کے لیے مانع ہے یا تو نزول منی کی وجہ سے یا التقاء ختانین کی وجہ سے اور وہ ہے حشفہ کا غائب ہونا فرج میں اگرچہ انزال ہو یا نہ ہوا اور ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ التقاء ختانین اگر ہو جائے اور انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا التقاء ختانین کے حکم کے بارے میں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب التقاء ختانین ہو جائے یا عورت کی شرمگاہ مرد کی شرمگاہ سے مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

مریض کیلئے تیمم کرنے کا حکم

"وان کنتم مرضیٰ" مریض کی جمع ہے یہاں مرض سے مراد وہ ہے جس میں پانی مس کرنے سے نقصان پہنچتا ہو۔ جیسا کہ پاؤں میں پھٹن ہو، یا دھونے والے اعضاء میں کوئی زخم ہو جو تلف ہونے کا اندیشہ ہو یا تکلیف بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کرے تو وہ تیمم کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے اگرچہ پانی موجود ہو۔ البتہ اگر بعض اعضاء کی طہارت حاصل کرنا ممکن ہو اور بعض اعضاء زخمی ہوں تو زخمی اعضاء پر مسح کریں گے اور تندرست اعضاء کو دھوئیں گے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں نکلے، ہم میں سے ایک شخص کو سر میں زخم پہنچا، اس کو احتلام ہو گیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میرے لیے تیمم کی رخصت موجود ہے۔ وہ کہنے لگے ہم تمہارے لیے کوئی رخصت نہیں پاتے اور تم پانی پر قادر ہو۔ اس صحابی نے غسل کیا اور زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گیا۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نے اس کو قتل کر دیا اور اللہ بھی تمہیں قتل کرے گا۔ تم نے کیوں نہیں پوچھا جب تمہارے پاس کوئی علم نہیں تھا۔ بلاشبہ شفا تو پوچھنے والے کے لیے ہے اس کے لیے تیمم کرنا کافی تھا۔ پھر فرمایا کہ یعصر او یعصب۔ یعنی اس کے پٹی کے کپڑے پر مسح کرنا کافی تھا اور دوسرے اعضاء پر پانی ڈال دیتا۔ اصحاب الرای نے تیمم اور غسل کے جمع کرنے کا حکم کیونکر دیا اور ان کا قول ہے اگر اکثر اعضاء تندرست ہوں تو صحیح اعضاء کو دھوئیں گے اور ان پر تیمم نہیں کریں گے۔ اگر اکثر اعضاء زخمی ہوں تو پھر تیمم کریں گے۔ مذکورہ حدیث اس بات پر مستدل ہے کہ دونوں کو جمع کرنا جائز ہے۔

"او علی سفر" سفر خواہ طویل ہو یا قصیر ہو جب پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے لیکن نماز کا اعادہ نہ کرے۔ حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔ اگر چہ دس سال تک پانی نہ ملے اور جب پانی مل جائے تو اس سے اپنے بالوں کو تر کرے اس میں تمہارے لیے بہتری ہے یا پھر وہ شخص مریض ہوگا لیکن مسافر نہیں ہوگا لیکن وہ پانی نہیں پائے ایسی جگہ پر جہاں پر پانی عام طور پر معدوم نہیں ہوتا۔ اس طور پر کہ وہ ایک ایسی بستی میں ہے کہ جس بستی میں عام طور پر پانی ختم نہیں ہوتا تو وہاں پانی نہ ملنے کی صورت میں وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور پھر وہ نماز کا اعادہ کر لے جب وہ پانی پر قدرت رکھے۔ یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور امام مالک، امام اوزاعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نماز کو موخر کرے گا یہاں تک کہ اس کو پانی نہ ملے۔

"او جاء احد منکم من الغائط" اس سے مراد یہ ہے کہ جب اس کو حدث لاحق ہو جائے۔ غائط کہا جاتا ہے زمین کی نشیبی جگہ کو۔ عرب والے کہتے ہیں کہ بول و براز کے لیے لوگ پست گڑھوں کی طرف ہی جاتے ہیں۔ "او لا مستم النساء" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے "لمستم" پڑھا ہے مائدہ میں اور باقی قراء نے "لامستم النساء" پڑھا ہے۔

لمس اور ملامسۃ کی تفسیر میں آئمہ کے مختلف اقوال

لمس اور ملامسۃ کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد جماع ہے۔ یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہ، والحسن، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ کا ہے۔ لمس سے مراد کنایۃ جماع لیا ہے کیونکہ جماع لمس کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا اور بعض حضرات نے کہا کہ دونوں چمڑوں کا آپس میں مل جانا یہی قول ابن مسعود، ابن عمر رضی اللہ عنہم، امام شعبی اور نخعی رحمہما اللہ کا ہے۔ اس آیت کے حکم میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ جب عورت کا جسم مرد کے جسم کے ساتھ لگ جائے اور درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوئی تو اس صورت میں ان دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

لمس کے حکم میں ائمہ فقہاء کا اختلاف

یہی قول ابن عمر، ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اور یہی قول فقہاء میں سے امام زہری، اوزاعی، شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔ امام مالک، لیث بن سعد، امام احمد و اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک اگر یہ چھونا شہوت کے ساتھ ہو تو پھر طہارت ٹوٹ جائے گی اور اگر شہوت نہیں تھی تو پھر وضو نہیں ٹوٹے گا اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا چھونے سے۔ یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری اور امام ثوری رحمہم اللہ کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ آلہ منتشر نہ ہو اور اس حدیث سے استدلال کیا جس سے وضو واجب نہیں ہوتا۔

سلمہ بنت عبد الرحمن رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بیوی ہیں فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سوئی ہوئی تھی اور میری ٹانگیں قبلے کی جانب تھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے تو میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو میں لمبی کر لیتی، فرماتی ہیں کہ اس وقت گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ میں نے اپنے پاس موجود نہ پایا، ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا تو میرا ہاتھ آپ کے قدم پر لگا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے اے اللہ! میں تیرے غضب سے تیری رضا مندی کی اور تیرے عذاب سے تیری معافی کی اور تجھ سے تیری ہی پناہ لیتا ہوں، میں تیری حمد پوری پوری نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی تعریف کی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اختلاف کیا ہے کہ اگر کسی نے اپنے محرم رشتہ دار عورت کو لمس کیا جیسے ماں ہے بیٹی یا بہن یا چھوٹی لڑکی صغیرہ اصح قول میں اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس لیے کہ وہ محل شہوت نہیں ہے جیسا کہ کسی نے مرد کو لمس کیا ہو تو اس پر وضو واجب نہیں ہوتا اور جس کو چھوا گیا ہے اس کا وضو ٹوٹے گا یا نہیں اس بارے میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا اور وضو ٹوٹ جانے میں وہ برابر کے شریک ہیں۔ جیسا کہ لذت حاصل کرنے میں دونوں مشترک تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ملموسہ کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈا تو میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کو لگا، اس حال میں کہ آپ سجدے میں تھے اگر ملموسہ کا وضو ٹوٹ جاتا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز توڑ دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز نہ توڑنا اس بات کی علامت ہے کہ ملموسہ کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح اگر کسی نے عورت کے بالوں کو چھولیا یا اس کے ناخنوں کو یا کسی اور عضو کو چھولیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ جان لیجئے کہ بے وضو شخص کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ وضو کر کے نماز کو ادا نہ کرے یا تیمم کر کے اس کو ادا نہ کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کسی ایک کی نماز قبول نہیں ہوتی جب اس کو حدث لاحق ہو جائے اور وضو نہ کرلے۔ حدث کہتے ہیں کہ دونوں فرجوں میں سے کسی ایک سے کوئی چیز کا نکلنا خواہ عین شی ہو یا اس کا کوئی اثر (ہوا وغیرہ) یا عقل مغلوب ہو جائے جنون کے ساتھ یا بیہوشی آجائے۔

نیند ناقض وضو ہے اس میں ائمہ کے مختلف اقوال

نیند ناقض وضو ہے کہ اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس پر وضو واجب ہے الا یہ کہ وہ کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے اگر اس طرح نہ بیٹھے تو اس پر وضو واجب نہیں ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم عشاء کے انتظار میں ہوتے تو ان کو نیند آجاتی۔ راوی فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ وہ بیٹھے بیٹھے سوتے حتیٰ کہ اونگھ کی وجہ سے ان کے سر جھک

جائے۔ پھر وہ نماز پڑھتے لیکن دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے اور بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ نیند وضو کو واجب کرتی ہے ہر حال میں اور یہی قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے اور فقہاء میں سے حسن بصری، اسحاق اور مزنی رحمہم اللہ کے نزدیک یہی قول ہے۔

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ اگر کھڑے کھڑے سو جائے یا بیٹھ کر یا سجدے کی حالت میں تو اس پر وضو واجب نہیں یہاں تک کہ وہ چت لیٹ کر سو جائے اور یہی قول امام سفیان ثوری، ابن المبارک رحمہما اللہ کا بھی ہے۔

مس ذکر ناقض وضو ہے کہ نہیں؟

شرمگاہ کو مس کرنے سے وضو کے واجب ہونے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک اس پر وضو واجب ہوگا۔ یہ قول عمر، ابن عباس، سعد بن ابی وقاص، حضرت ابی ہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی قول سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کا ہے اور امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق رحمہم کا ہے اور اسی طرح عورت اپنے فرج کو چھوئے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے علاوہ فقہاء کہتے ہیں کہ اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا مگر یہ کہ وہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی یا انگلیوں کے بطون سے چھوئے۔ ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے۔ عمرو بن حزم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں مروان بن الحکم کے پاس داخل ہوا، میں نے اس بات کا تذکرہ کیا جس سے وضو واجب ہوتا ہے۔ مروان نے کہا کہ مس ذکر سے وضو واجب ہوتا ہے۔ عروہ نے کہا کہ آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا، مروان نے کہا کہ مجھے بسرہ بنت صفوان نے خبر دی کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو اسے چاہیے کہ وضو کرے۔

بعض حضرات کے نزدیک مس ذکر سے وضو واجب نہیں ہوتا۔ یہی قول علی، ابن مسعود، حضرت ابوالدرداء، حذیفہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ حسن بصری، سفیان ثوری، ابن المبارک اور اصحاب الرائی کا یہی مذہب ہے۔ ان کی دلیل حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مس ذکر کے بارے میں پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا کیا وہ جسم کا ایک ٹکڑا نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک حصہ یا ایک ٹکڑا نہیں ہے اور جن حضرات کے نزدیک وضو واجب نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے حدیث بسرہ کی وجہ سے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے کہ وضو مس ذکر سے واجب ہوتا ہے اور یہ متاخر اسلام صحابی کا واقعہ ہے اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کے اوّل زمانے میں آئے جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی۔

خروج من غیر سبیلین ناقض وضو ہے یا نہیں؟

نجاست کے خروج غیر سبیلین کے حکم میں بھی اختلاف ہے۔ مثلاً کسی کو پھنسی پھوڑا نکلا یا حجامہ لگوایا یا قئی وغیرہ آئی تو بعض حضرات کے نزدیک اس سے وضوء واجب نہیں ہوتا۔ یہی روایت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ عطاء، طاؤس، حسن اور سعید بن المسیب اور امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک قئی، نکسیر، حجامت سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ یہی قول سفیان ثوری، ابن المبارک اور اصحاب الرائے، احمد واسحاق کا بھی ہے۔ "**فلم تجدوا ماءً فتیمموا**" جان لو کہ تیمم اس اُمت کی خصوصیت میں سے ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تین خصلتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی کہ میری اُمت کی صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنایا اور پوری روئے ارض کو میرے لیے مسجد بنائی اور اس کی مٹی کو میرے لیے پاک بنایا، اگر پانی نہ ملے۔

نزول تیمم کا واقعہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض اسفار میں گئی۔ جب بیداء مقام یا ذات الجیش کی جگہ پہنچے تو میرا ہار گم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اس کی تلاش میں نکلے، ہم میں سے کسی کے پاس پانی موجود نہیں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا نہیں دیکھتے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم کس مشکل میں ہیں؟ نہ ہمارے پاس پانی ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی موجود ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر رکھ کر سو رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روک رکھا ہے نہ ہمارے پاس پانی موجود ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے عتاب کرنے لگے اور انہوں نے کہا جو کچھ اللہ نے چاہا اور میری کوکھ پہ مارنے لگے، میں نے کوئی حرکت نہیں کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے قریب کھڑے ہوئے اس حال میں کہ پانی موجود نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی ہے۔ "**فتیمموا**" سید بن حضیر جو نقباء میں سے ایک ہیں کہنے لگے آل ابی بکر آپ کی برکت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہم نے اس اونٹ لانے کو بھیجا جب وہ اونٹ اُٹھا تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے اسماء سے ایک قلادۃ (ہار) اُدھار لیا تھا وہ مجھ سے گم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی تلاش میں بھیجا، تلاش کرتے ہوئے نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے

بغیر وضو نماز پڑھی۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اس بات کی شکایت کی اس پر آیت تیمم نازل ہوئی۔ اس پر اسید بن حضیر نے فرمایا کہ اللہ نے ہمیں بہتر بدلہ عطا فرمایا۔ اللہ کی قسم اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا حکم نازل نہیں فرمایا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی اور مسلمانوں کے لیے اس میں برکت عطا فرمائی ہو۔ "فتیمموا" کا مطلب ہے کہ تم پاک مٹی کا ارادہ کرو۔ "صعیدا طیبا" یعنی وہ پاک مٹی ہو صاف ستھری ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ صعید سے مراد مطلق مٹی ہے۔

تیمّم کس مٹی سے کیا جائے گا؟

اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کون سی مٹی کے ساتھ تیمّم کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ چیز جس پر مٹی کا اطلاق کیا جا سکے اور جس کا ہاتھ پر غبار آ جائے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے ہمارے لیے مٹی کو پاک بنایا۔

اور بعض اصحاب الرائی کے نزدیک تیمّم کو جائز قرار دیا ہے۔ گچ، چونے اور نورۃ کے ساتھ تیمّم کرنا جائز ہے اور ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ اگر ایک پتھر پر ہاتھ مارا جس پر غبار نہیں تھا یا ایسی مٹی پر ہاتھ مارا جس پر غبار تھا اور ہاتھوں کو پھونک کر چہرے اور اعضاء پر مسح کیا تو جائز ہے اور ان حضرات کا قول یہ ہے کہ پاک مٹی ہی صعید کو کہا جاتا اور جو زمین کے اوپر ہو وہ مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے زمین کو مسجد اور طہور بنایا ہے۔ یہ حدیث مجمل ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مٹی کی تخصیص میں مفسر ہے۔ لہٰذا مجمل کو مفسر پر محمول کیا جائے گا اور بعض نے کہا کہ ہر وہ چیز جو زمین کے ساتھ متصل ہو خواہ وہ درخت ہوں یا نباتات اور اس کے ہم مثل اور فرمایا کہ صعید نام ہے جو زمین کے اوپر ہو، مٹی کا قصد کرنا تیمّم کی صحت کے لیے شرط ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فتیمموا" تیمّم قصد کو کہتے ہیں یہاں تک کہ اگر آندھی آ گئی اور کسی کے چہرے پر مٹی کا غبار آ گیا تو اس نے تیمّم کی نیت کی تو یہ درست نہیں۔

تیمّم کی کیفیت کے متعلق ائمہ کے مختلف اقوال

"فامسحوا بوجوھکم وایدیکم انّ اللہ کان عفواً غفوراً" جان لیجئے کہ چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح تیمّم میں واجب ہے اس کی کیفیت میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ چہرے اور ہاتھوں کا مسح کہنیوں کے ساتھ کریں گے، دو ضربتین کے ساتھ۔ ایک ضرب کے ساتھ وہ اپنے چہرے کا مسح کریں گے اور بالوں کی جڑ تک مٹی کا پہنچانا ضروری نہیں۔ پھر دوسری ضرب کے ساتھ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کریں گے۔

حضرت ابی حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اعرج سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابی صمۃ سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے اور وہ پیشاب کر رہے تھے کہ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا یہاں تک کہ ایک دیوار کے پاس گئے اور اس کو اپنی لاٹھی کے ساتھ کھرچا، پھر اس دیوار پر ہاتھ مار کر

مسح کیا اور میرے سلام کا جواب دیا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یدین کے ساتھ مرفقین پر مسح کرنا فرض ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ تیمم صحیح نہیں جب تک کہ مٹی کا غبار ہاتھوں کو نہ لگے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار کو کھرچا اپنی لاٹھی کے ساتھ۔ اگر محض ضرب ہی کافی ہوتی غبار کا لگنا ضروری نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نہ کھرچتے۔

امام زہری کا قول ہے کہ بازوؤں کا مسح کندھے تک کریں گے۔ جیسا کہ عمار سے مروی ہے کہ ہم کندھوں تک مسح کرتے تھے۔ یہ ان کا اپنا قول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ جنبی ہوئے اور وہ زمین کے ساتھ لوٹ پوٹ ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں اور چہرے کے مسح کا حکم دیا۔

اور ایک جماعت کا قول ہے کہ تیمم ایک ہی ضرب کے ساتھ کریں گے جو چہرے اور کفین کے لیے ہوگی۔ یہی قول علی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور یہی قول فقہاء میں سے شعبی، عطاء بن ابی الرباح اور مکحول رحمہم اللہ کا ہے اور اسی طرح امام اوزاعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے دلیل ذکر کی ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا، اس نے عرض کیا کہ میں جنبی ہوا اور پانی نہیں پایا۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم دونوں سفر میں تھے۔ آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی جبکہ میں نے زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر نماز پڑھی۔ اس واقعہ کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے لیے اتنا کافی تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور اس کو پھونکا، پھر اس کے ساتھ اپنے چہرے اور ہاتھ کا مسح کیا۔

شعبہ کی روایت میں ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ میں لوٹ پوٹ ہوا مٹی میں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چہرے اور دونوں کفین کا مسح کرنا کافی تھا۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب جنبی آدمی پانی نہ پائے تو تیمم کر کے نماز پڑھے۔ اسی طرح حائضہ اور نفساء کے لیے یہی حکم ہے کہ جب ان کو پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھے۔ عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنبی آدمی تیمم کر کے نماز نہ پڑھے بلکہ نماز کو موخر کرلے جب تک اسے پانی نہ ملے۔ اس کو محمول کیا ہے "او لمستم النساء" لمس بالید مراد ہے نہ کہ جماع اور حدیث عمار اس پر حجت ہے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع فرمایا اور جنبی کے لیے تیمم کو جائز قرار دیا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا جب وہ حالت جنب میں تھا کہ وہ تیمم کرے پھر نماز پڑھے، جب وہ پانی پائے تو غسل کرلے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت جمع ہوگیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابوذر! اس کی تقسیم میں ابتداء کرو، میں زندہ والوں سے اس کی ابتداء کی وہاں پر مجھے جنابت پہنچی تھی، میں پانچ یا چھ دن رکا رہا۔ اسی دوران کوئی نماز ادا نہیں۔ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابوذر! میں خاموشی سے کھڑا رہا اور

عرض کیا، اے ابوذر تیری ماں تجھے گم کرے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کالی لونڈی کو بلوایا، وہ ایک ٹب لے آئی اور اس میں پانی تھا، اس کو کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا، پھر میں نے غسل کیا، مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میرے اوپر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔ اگرچہ اس کو دس سال پانی نہ ملے۔ جب پانی ملے تو اس سے غسل کرو کیونکہ اس میں تمہارے لیے بہتری ہے۔ تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جائے گا اور کبھی کبھار یہ مسح بعض اعضاء کے غسل کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اس طور پر کہ بعض اعضاء زخمی ہوں اور بعض درست ہوں تو زخمی اعضاء پر مسح کیا جائے گا۔ یہ مسح کرنا اس کے غسل کے لیے کافی ہو جائے گا اور غسل کا بدل بن جائے گا۔

تیمم طہارت مطلقہ ہے

تیمم نماز کے وقت کے لیے صحیح نہیں مگر وقت کے داخل ہونے کے بعد اور ایک تیمم کے ساتھ دو فرضوں کو جمع کرنا جائز نہیں۔

"عند الشوافع"...."فلم تجدوا ماءً فتیمموا"

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب نماز کے وقت میں کوئی پانی نہ پائے تو اس کو چاہیے کہ وہ تیمم کرلے۔ مگر ایک وضوء کے ساتھ کئی نمازیں ادا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک وضوء سے ادا کیں۔ تیمم اس صورت میں باقی رہا۔ یہ قول علی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور فقہاء میں سے، امام شعبی، امام نخعی، قتادہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد و اسحاق رحمہم اللہ کا ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ تیمم کی طہارت وضوء کی طہارت کی طرح ہے جس طرح وقت سے پہلے وضو کرنا جائز ہے۔ اسی طرح وقت سے پہلے تیمم کرنا جائز ہے اور اس وضوء سے جتنی چاہے نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح تیمم کا بھی حکم ہے جب تک کہ اس کو حدث لاحق نہیں ہوئی۔ یہی قول سعید بن المسیب، حسن، زہری، سفیان ثوری اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

اس بات میں اتفاق ہے کہ ایک تیمم سے جتنا چاہیں فرائض میں سے ادا کریں اور ان فرائض کے ساتھ نوافل ادا کریں۔ خواہ وہ نوافل فرائض سے پہلے ہوں یا بعد میں اور تیمم کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے اگرچہ جنبی ہو اور اگر تیمم کرکے نماز پڑھی سفر کی حالت میں یا پانی نہ ملنے کی صورت میں تو پھر پانی کا طلب کرنا ضروری ہے۔ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی سواری میں یا اپنے ساتھیوں کے پاس پانی کو تلاش کرے اور اگر وہ شخص صحراء میں ہے تو جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے وہاں تک اس کا پانی تلاش کرنا ضروری ہے اور اگر دیکھنے میں آگے کوئی دیوار حائل ہے تو اس کے پیچھے بھی تلاش کرے کیونکہ اللہ رب العزت کا فرمان "فان لم تجدوا ماءً فتیمموا" اس آیت میں "لم یجد" ارشاد نہیں فرمایا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پانی کو تلاش کرنا شرط نہیں۔ اگر اس کو پانی نظر تو آگیا لیکن اس پانی اور متیمم کے درمیان کوئی دیوار یا دشمن حائل ہے جو پانی تک پہنچنے میں حائل ہے یا پانی کنویں میں موجود تھا۔ اس پانی کو نکالنے کے لیے کوئی ڈول وغیرہ نہیں ہے تو یہ ایسا ہی جیسا پانی نہ پانے والا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک بڑا حصہ ملا ہے وہ لوگ گمراہی کو اختیار کر رہے ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ تم راہ سے بے راہ ہو جاؤ۔

تفسیر: ﴿۴۴﴾ "الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتاب" اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت رفاعہ بن زید مالک بن دخشم کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر رہے تھے کہ یہ زبانوں کو گھما پھرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگاتے تھے۔ "یشترون" کہ وہ کلام کو تبدیل کر رہے تھے۔ "الضلالۃ" ہدایت سے گمراہی۔ "ویریدون ان تضلوا السبیل" مؤمنین کے راستوں سے ہٹا دیں گے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۟ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی رفیق ہے اور اللہ تعالیٰ کافی حامی ہے یہ لوگ یہودیوں میں سے ہیں کلام کو اس کے مواقع سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور یہ کلمات کہتے ہیں سمعنا و عصینا اور اسمع غیر مسمع اور راعنا اس طور پر کہ اپنی زبانوں کو پھیر کر اور دین میں طعنہ زنی کی نیت سے اور اگر یہ لوگ یہ کلمات کہتے سمعنا و اطعنا اور اسمع اور انظرنا تو یہ بات ان کے لئے بہتر ہوتی اور موقع کی بات تھی۔ اور مگر ان کو خدا تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اب وہ ایمان نہ لاویں گے ہاں مگر تھوڑے سے آدمی اے لوگو جو کتاب دیئے گئے ہو تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے ایسی حالت پر کہ وہ سچ بتلاتی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو بالکل مٹا ڈالیں اور ان کو ان کی الٹی جانب کی طرح بنا دیں یا ان پر ہم ایسی لعنت کریں جیسی لعنت ان ہفتہ والوں پر کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے

تفسیر: ﴿۴۵﴾ "واللہ اعلم باعدائکم" تم میں سے ہیں۔ تم ان کو نصیحت نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ "وکفی باللہ ولیا وکفی باللہ نصیرا" یعنی اللہ ہی ان کا حامی کافی ہے اور اللہ ہی مددگار کافی ہے۔

㊻ "من الذین ھادوا" یہ متصل ہے اس جملہ کے ساتھ "الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب" بعض نے کہا کہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا کیا وہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں جو اس میں تحریف کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما منا الا لہ مقام معلوم" ان کی منزل کسی کو معلوم نہیں۔ ان میں سے ایک فریق یہ ارادہ کرتا ہے۔ "یحرفون الکلم" اللہ کی باتوں کو متغیر کرنے والے "عن مواضعہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو تبدیل کرنے والے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے اور کسی کام کے بارے میں سوال کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خبر دیتے پھر جب وہ دیکھتے کہ وہ واقع ہونے والا ہے تو اس کام میں وہ تحریف کرنے لگتے۔ "ویقولون سمعنا" اور وہ یہ کہتے کہ ہم نے فلاں سنا۔ "وعصینا" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں نافرمانی کرتے۔ "واسمع غیر مسمع" یعنی یہ تم نے ہم سے سنا اور ہم نے تم سے نہیں سنا۔ "غیر مسمع" کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر مقبول ہے اور بعض نے کہا کہ بھی تو وہ یہ کہتے کہ ہم نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور کبھی کہتے کہ ہم خود اس بات کو بیان کررہے ہیں۔ ہم نے کسی سے یہ بات نہیں سنی۔ "وراعنا" اور وہ راعنا کہتے اس راعنا سے ان کا ارادہ "رعونۃ" تھا جو کہ ایک بددعا ہے۔ "لیا بالسنتھم" اپنی زبانوں کو تحریف کرنے کی غرض سے موڑتے تھے۔ "وطعنا" اور دین میں جرح کرتے۔ "علی الذین" ان کا قول راعنا مراعاۃ سے ہے اور وہ تحریف کرتے ہیں اور اس سے ان کا مطلب "رعونۃ" ہے۔ "ولو انھم قالوا سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا" یعنی راعنا کی جگہ "انظرنا" کہو۔ "لکان خیرا لھم واقوم" یہی زیادہ انصاف اور ثواب ہے۔ "ولکن لعنھم اللہ بکفرھم فلا یؤمنون الا قلیلا" وہ قلیل جماعت تھی ان میں سے عبداللہ بن سلام اور جو ان کے ساتھ اسلام لائے وہ مراد ہیں۔

㊼ "یایھا الذین اوتوا الکتاب" اس سے خطاب یہود کو تھا۔ "آمنوا بما نزلنا" اس سے مراد قرآن پاک ہے۔ "مصدقا لما معکم" اس سے توریت مراد ہے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے احبار سے بات کی۔ ان میں عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اشرف بھی تھے۔ فرمایا اے یہود کی جماعت کہ تم اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ۔ اللہ کی قسم! بے شک تم جانتے ہو کہ جو کچھ میں تمہارے پاس لایا ہوں وہ بالکل حق ہی تو ہے۔ وہ کہنے لگے ہم تو نہیں جانتے اور وہ کفر پر اڑے رہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی "من قبل ان نطمس وجوھا" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اونٹ اپنے کھروں سے ان کو کچلیں گے۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ کا قول ہے کہ ان کو اپنی گردن کے ساتھ روندیں گے، وجہ سے مراد آنکھ ہیں۔

علی ادبارھا کی مختلف تفسیریں

"فنردھا علی ادبارھا" یعنی ہم ان کے چہروں کو پھیر دیں گے اور گدی کی طرف لے جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ ہم ان کے چہروں کو بالوں کے اُگنے کی جگہ قرار دے دیں گے جیسا کہ بندروں کے چہرے ہوتے ہیں کیونکہ آدمیوں کے بالوں کی اُگنے کی جگہ سر کی پچھلی جانب ہے نہ کہ چہرے کی جانب۔

بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے چہروں کے آثار مٹادیں گے نہ اس میں ناک ہوگی نہ کان اور نہ ہی آنکھیں ہوں گی اور ہم ان کو گدی کی طرح بنالیں گے اور بعض کا قول ہے کہ ہم ان کی آنکھوں کو گدی کی طرف لگادیں گے تو یہ اُلٹے پاؤں چلیں گے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان سے یہ آیت سنی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اپنے گھر والوں کے پاس جانے سے پہلے اور میرے ہاتھ میرے چہرے پر تھے کہ کہیں اس آیت کی وجہ سے میرا چہرہ تبدیل نہ ہوگیا ہو اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ بات دیکھ رہا ہوں کہ آپ علیہ السلام کے پاس یہ بات پہنچی ہے کہ قیامت کے دن چہرے کو گدی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اسی طرح کعب احبار نے جب یہ آیت سنی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام لائے تھے اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے، اے ہمارے رب! ہم تسلیم کرتے ہیں ان خوف و ڈر سے کہ وہ وعید کا مستحق نہ بن جائے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ نے ان کے چہروں کے پھیرنے کا وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ ایمان نہیں لائیں گے حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے اور ان کے چہروں کو پھیرا بھی نہیں گیا۔

جواب دیا کہ یہ وعید ابھی باقی ہے۔ یہ چہروں کا پھر جانا اور مسخ ہونا یہودیت میں ہوگا قیامت سے پہلے پہلے۔

بعض نے کہا کہ اس وعید کا تعلق ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جب عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اسلام لے آئے تو یہ وعید باقیوں سے ساقط ہوگئی اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیامت ہے کہ قیامت کے دن ان کے چہروں کو گدی کی طرف پھیرا جائے گا۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم ان کو گمراہی میں مبتلا رکھیں گے۔ اس صورت میں طمس سے مراد قلب کا پھرنا ہے۔ گویا ان کو ہدایت سے گمراہی کی طرف پھیرا گیا، کفر اور ضلالت کی طرف۔ طمس اصل میں مٹانے کو کہا جاتا ہے۔

ابن زید کا بیان ہے کہ آیت میں طمس سے مراد یہ ہے کہ ہم مدینہ میں ان کا نشان مٹادیں گے اور پشت کے بل اسی طرف کو لوٹادیں گے جس طرف سے آئے تھے یعنی ملک شام اور کہا کہ گویا بنی نضیر کو ملک شام کے علاقہ اذرعات اور اریحا میں جلا وطن کر دینا اس آیت کی تاویل ہے۔ "او نلعنھم کما لعنا اصحاب السبت" یعنی ہم ان کو بندر اور خنزیر بنادیں گے۔ "وکان امر اللہ مفعولا"

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا۔

ان اللہ لایغفر کا شان نزول

تفسیر ۴۸ "ان اللہ لا یغفران یشرک بہ" اس آیت کا نزول وحشی بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے متعلق ہوا۔ وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اس سے آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن یہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ جب وہ لوٹ کر مکہ پہنچا تو اس کو اور اس کے ساتھیوں کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے پر بڑی پشیمانی ہوئی اور ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ ہم کو اپنی کی ہوئی حرکت پر پشیمانی ہے اور مسلمان ہونے سے ہم کو صرف یہ امر مانع ہے کہ جب آپ مکہ میں تھے تو کہتے تھے "والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر" ہم نے دوسروں کو معبود بھی بنایا ہے اور ناحق قتل بھی کیا ہے اور زنا بھی کیا ہے۔ اگر یہ آیات نہ ہوتیں تو ہم آپ کے پیچھے ہو جاتے۔ اس پر یہ آیت "الا من تاب و آمن و عمل عملاً صالحاً" نازل ہوئی۔ جب یہ دونوں آیات نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں آیات وحشی اور اس کے ساتھیوں کو لکھ بھیجیں۔ ان لوگوں نے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ یہ شرط بہت سخت ہے ہم کو خوف ہے کہ ہم نے نیک عمل کیا ہی نہیں ہوگا۔ اس پر یہ آیت "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ"...... "ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء" نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت لکھ کر ان کو بھیج دی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم کو اس بات سے خوف و اندیشہ ہے کہ ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن کی مغفرت کی مشیت ہوگی۔ اس پر یہ آیت "یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم" نازل ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت لکھ کر بھیجی جب ان کو یہ آیت پہنچی تو وہ اسلام لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول کر لیا۔ پھر وحشی سے فرمایا کہ بتا جو کہ تو نے حضرت حمزہ کو کس طرح شہید کیا اور اس نے ساری کیفیت بیان کر دی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیرا برا ہو، مجھ سے اپنا چہرہ دور فرما۔ چنانچہ وحشی شام کو چلے اور مرتے دم تک وہیں رہے۔

ابو مجلز نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم" تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا شرک کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارشاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا اس نے پھر دو یا تین بار کھڑے ہو کر وہی سوال کیا تو آیت "ان اللہ لا یغفر" نازل ہوئی۔ مطرف بن عبداللہ شخیر کا بیان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی شخص گناہ کبیرہ کی حالت میں بغیر توبہ کیے مر جاتا تو ہم کہتے تھے یہ دوزخی ہوا۔ یہاں تک کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اس کے بعد ہم کبیرہ گناہ کے دوزخی ہونے کی شہادت دینے سے رک گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پرامید یہ آیت ہے "ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء"...... "ومن یشرک باللہ فقد افتری" افتری کا معنی ہے بگاڑنا "اثما عظیما" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سی دو باتیں واجب کرنے والی ہیں۔ فرمایا جو شخص شرک نہ کرتے کی حالت

ہیں مراد وہ جنت میں گیا اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اور وہ اس حالت میں وفات پا گیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے۔ پھر گیا تو آپ بیدار ہو چکے تھے۔ ارشاد فرمایا جو بندہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو پھر اسی پر مر جائے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ میں نے عرض کیا اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو فرمایا اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ فرمایا اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو، میں نے (تیسری مرتبہ) کہا کہ اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ (پھر بھی وہ جنت میں جائے گا) ابوذر رضی اللہ عنہ کی ناک خاک آلود ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جب بھی اس حدیث کو بیان کرتے تو آخری جملہ ضرور ابوذر رضی اللہ عنہ کی ناک خاک آلود ہو فرماتے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

ترجمہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں مقدس بتلا دیں اور ان پر تاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا دیکھو تو یہ لوگ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور یہی بات صریح مجرم ہونے کے لئے کافی ہے

الم ترا الی الذین یزکون کا شان نزول

تفسیر: ﴿۴۹﴾ "الم تر الی الذین یزکون انفسھم" کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول یہودی مردوں کے بارے میں ہوا جن میں بحری بن عمرو، نعمان بن اوفی، مرحب بن زید بھی تھے۔ یہ اپنے چھوٹے بچوں کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد! کیا ان پر کوئی گناہ ہو سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کہنے لگے تو ہم بھی انہی کی طرح ہیں دن میں ہم جو کچھ کرتے تھے ان کو رات میں معاف کر دیا جاتا ہے اور رات کو جو کام کرتے ہیں دن میں ان کا کفارہ ہو جاتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نماز میں آگے مقدم رکھتے تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ ان پر کوئی گناہ نہیں۔ اس وجہ سے ان کا تزکیہ کیا گیا۔ حسن، ضحاک، قتادہ اور مقاتل رحمہم اللہ کا بیان ہے کہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے کہا "نحن ابناء اللہ واحباء ہ" کہ ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہا "وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصاریٰ" یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اہل کتاب آپس میں تزکیہ کرتے تھے یعنی ایک دوسرے کو گناہوں سے پاک کہتا تھا۔

طارق بن شہاب کی روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بعض دین دار آدمی صبح کو اپنے گھر سے نکلتے تھے اور کسی

ایسے شخص سے جا کر ملتے جس سے نہ ان کا جانی نفع نقصان وابستہ ہوتا نہ مالی لیکن ان کو خوش کرنے اور ان کی تعریف کرنے کے لیے کہتے خدا کی قسم! آپ تو ایسے ایسے ہیں جب یہ گھر لوٹ کر آتے تو دین کا کوئی حصہ ان کے پاس باقی نہیں ہوتا تھا۔ یہ فرمانے کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت "الم تر الی الذین یزکون انفسھم" تلاوت فرمائی۔ "بل اللہ یزکی" وہ اس کو پاک کر دیتا ہے اور گناہوں سے بری کر دیتا ہے اور اصلاح حال کر دیتا ہے۔ "من یشاء ولا یظلمون فتیلا" سوئی کے تاگے کے برابر سوراخ کو فتیل کہا جاتا ہے۔ اہل لغت کے نزدیک کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو ریشہ یا سوتا ہوتا ہے اس کو فتیل کہا جاتا ہے اور قمیر اس چھلی کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی پر ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ وہ دھاگہ یا میل کی بتی ہے جو آدمی دو انگلیوں کے درمیان بٹتا ہے۔

⑤⓪ "انظر" خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ "کیف یفترون علی اللہ" وہ اللہ پر کیسے اختلاف کرتے ہیں۔ "الکذب" کتاب کے اندر رد و بدل کر کے۔ "وکفی بہ" یہ جھوٹ گناہ کی انتہاء ہے۔ "اثما مبینا"

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰٓؤُلَآءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ⑤①

ترجمہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت ان مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

جبت اور طاغوت کی شرح

تفسیر: ⑤① "الم تر الی الذین … تا …… بالجبت والطاغوت" جبت اور طاغوت کی شرح میں آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ دو بتوں کا نام ہے جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ کے علاوہ ہر باطل معبود کو کہتے ہیں۔ "ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جبت سے مراد جادو ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ یہ قول امام شعبی اور مجاہد رحمہما اللہ کا ہے۔

بعض نے کہا کہ جبت بتوں کو کہتے ہیں اور طاغوت شیاطین کے بتوں کو کہتے ہیں اور ہر بت کو شیطان سے تعبیر کیا گیا۔ محمد بن سیرین اور مکحول کا بیان ہے کہ جبت کاہن کو کہتے ہیں اور طاغوت جادوگر کو کہتے ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ابوعالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جبت حبشہ کی زبان میں جادوگر کو کہتے ہیں اور طاغوت کاہن کو کہتے ہیں۔

عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جبت حبشہ کی زبان میں شیطان کو کہتے ہیں اور ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جبت سے مراد حیی بن اخطب ہے اور طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے۔ اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت "یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت"

قطن بن قبیصہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عیافۃ (پرندوں کے نام

اوران کے گزرنے سے نیک یا بدشگونی لینا) اورطرق (پتھر مارنا اور بدشگونی لینا) اور پرندوں کے دائیں بائیں سے اُڑ کر جانا اپنے مقصد کو اچھا یا برا کہنا جبت میں سے ہے جس کے اندر کوئی خیر نہیں اور طاغوت ہر وہ چیز جو انسان کو سرکشی پر اُبھارتی ہے۔

کعب بن اشرف کا واقعہ

"ویقولون للذین کفروا ..... تا ..... سبیلا" مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ جب کعب بن اشرف ستر گھڑ سواروں کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اُحد کے واقعہ کے بعد تا کہ قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُبھاروں اور اس عہد کو توڑ دوں جو ان دونوں کے درمیان تھا۔ کعب ابی سفیان کے پاس آیا اس نے اس کو بہترین ٹھکانہ دیا، یہ دونوں قریش کے گھروں میں گئے اور اہل مکہ کو کہا کہ تم اہل کتاب ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کتاب ہے اور ہم اس کے مکر و فریب سے امن میں نہیں ہیں۔ (نعوذ باللہ) اگر تم اس بات کا ارادہ کرو تو ہم اس کو یہاں سے نکال دیں۔ پھر انہوں نے ان دونوں بتوں کو سجدہ کیا اور اس پر ایمان لائے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یؤمنون بالجبت والطاغوت" پھر کعب نے اہل مکہ سے کہا تدبیر یہ ہے کہ تمہیں آدمی تمہارے اور تمہیں ہمارے تمہارے کعبہ سے چمٹ کر معاہدہ کرلیں کہ محمد کے خلاف جنگ کرنے کی ہم مل کر کوشش کریں گے۔ پھر ابوسفیان نے کعب سے کہا تم اپنا دین میرے اوپر پیش کرو۔ ابوسفیان نے کہا کہ ہم حاجیوں کے لیے کوہان والی اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں ان کو پانی پلاتے ہیں مہمانوں کو ٹھہراتے ہیں قیدیوں کو رہا کراتے ہیں، رشتہ داری کو جوڑتے ہیں اپنے رب کے گھر کو آباد رکھتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں اور ہم اہل حرم ہیں اور محمد نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا۔ رشتہ داریاں کاٹ دیں، حرم کو چھوڑ گیا، ہمارا مذہب قدیم ہے محمد کا مذہب نیا ہے یہ سن کر کعب بولا خدا کی قسم! تم محمد کے راستے سے زیادہ صحیح راستے پر ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب" "الکتاب" سے مراد کعب اور اس کے ساتھی ہیں۔ یؤمنون بالجبت والطاغوت" سے مراد ان کے بت ہیں۔ "ویقولون للذین کفروا" سے مراد ابوسفیان اور اس کے ساتھی ہیں۔ "ھؤلاء اھدی من الذین آمنوا" اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾

(ترجمہ) یہ لوگ وہ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ملعون بنا دیا ہے اور خدا تعالیٰ جس کو ملعون بنا دے اس کا کوئی حامی نہ پاؤ

گے ہاں کیا ان کے پاس کوئی حصہ ہے سلطنت کا۔ سو ایسی حالت میں تو اور لوگوں کو ذرا سی چیز بھی نہ دیں۔ یا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں۔ سو ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کو کتاب بھی دی ہے اور علم بھی دیا ہے اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے سو ان میں سے بعضے تو اس پر ایمان لائے اور بعضے ایسے تھے کہ اس سے روگرداں ہی رہے اور دوزخ کی آتش سوزاں کافی ہے بلاشک جو لوگ ہماری آیات کے منکر ہوئے ہم ان کو عنقریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے۔ تاکہ عذاب ہی بھگتتے رہیں بلاشک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تفسیر ⑤١ "اولئک الذین ...... تا ...... فلن تجدله نصیراً"

⑤٣ "ام لهم" ان کا گمان ہے۔ ام منقطعہ اور استفہام انکاری ہے۔ "نصیب" بمعنی حصہ ہے۔ "من الملک" یہ استفہام انکاری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک میں ان کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اگرچہ ان کا خیال ہے کہ ان کو کچھ ملکی سیادت نصیب ہو جائے گی۔ "فاذا لا یؤتون الناس نقیراً" حسد اور بخل کی وجہ سے۔ نقیر وہ نقطہ جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے اور اس سے کھجور اُگتی ہے۔

⑤٤ "ام یحسدون الناس" اس سے مراد یہود ہیں کہ وہ لوگوں کے ساتھ حسد کرتے تھے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے عام عرب کے لوگ مراد ہیں کیونکہ عرب کے یہودیوں کو اس بات کا حسد تھا کہ نبوت ان میں سے کیوں نہیں آئی اور ان کو عزت کیوں نہیں دی۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو عورتیں حلال قرار دی ہیں۔ یہودیوں کو ان سے جلن تھی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "علی ما اتاهم الله من فضله" سے یہی مراد ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد نبوت سے حسد کرنا ہے۔ فضل سے مراد یہی ہے۔

"فقد آتینا آل ابراهیم الکتاب والحکمة" اس سے مراد ابراہیم علیہ السلام، داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام ہیں اور "بالکتاب ما انزل الله علیهم" سے مراد نبوت ہے۔ "وآتیناهم ملکاً عظیماً" جنہوں نے فضل کی تفسیر کثرۃ نساء سے کی ہے۔ انہوں نے ملک عظیم کی تفسیر حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے حق میں کثرت نساء کے ذریعے سے کی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار عورتیں تھیں۔ تین سو مہر والی بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ ان کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف نو بیویاں تھیں۔ جب یہ بات کہی تو سب خاموش ہو گئے۔

⑤٥ "فمنهم من آمن به" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ "ومنهم من صد عنه" انہوں نے منہ موڑ لیا اور ایمان نہ لائے۔ "وکفی بجهنم سعیراً" دہکتی ہوئی آگ۔ بعض نے کہا کہ بڑی بادشاہت ہے

جو بادشاہت حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی گئی اور سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "بہ" اور "عنہ" کی ضمیریں ابراہیم کی طرف راجع ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دفعہ کھیتی کاشت کی اور دوسرے لوگوں نے بھی کھیتی کاشت کی، لوگوں کی کھیتی تو تباہ ہوگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کھیتی باقی رہی۔ لوگ محتاج ہوکر آپ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا جو میری نبوت کو مانے گا، میں اس کو دوں گا یہ سن کر کچھ لوگ ایمان لے آئے، ان کو آپ نے غلہ دیا، کچھ ایمان نہ لائے ان کو نہیں دیا۔

۞ "ان الذین کفروا بایاتنا سوف نصلیھم نارا" یعنی ہم ان کو آگ میں داخل کردیں گے۔ "کلما نضجت" جب ان کو جلایا جائے گا۔ "جلودھم بدلناھم جلودا غیرھا" اس جلی ہوئی کھال کے علاوہ۔

کلما نضجت جلودھم کی تشریح

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کاغذ کی طرح ان کی کھالیں سفید کردی جائیں گی۔

اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس آیت کے پڑھنے والے کو کہ اس آیت کو بار بار پڑھئے اور ان کے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا اس کی تفسیر معلوم ہے اس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک ساعت میں سو بار کھال تبدیل کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنا ہے۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایک ساعت میں ستر ہزار بار ان کو آگ کھائے گی ہر مرتبہ حکم ہوگا دوبارہ ویسے ہی ہوجاؤ حسب الحکم وہ جیسے تھے دوبارہ ویسے ہی ہوجائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کافر کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا فاصلہ تیز رفتار سوار کی تین روز کی مسافت سیر کے برابر ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کافر کی داڑھ اور دانت کی موٹائی اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی کھال کی موٹائی تین روز کی راہ کے برابر ہوگی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کافر کی اس جلد کو کیسے عذاب دیا جائے گا جو دنیا میں موجود ہی نہیں تھی اور نہ ہی اس نے کوئی نافرمانی کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جلد کو لوٹایا جائے گا اتنی مقدار موٹائی اور لمبائی کے ساتھ۔ "جلودا غیرھا" اس کی صفت کی تبدیلی کے ساتھ اس کو بدل دیا جائے گا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنی انگوٹھی فلاں کی انگوٹھی کی طرح بنائی اس کا مطلب یہ ہے کہ خاتم ثانی پہلی والی ہی ہے لیکن اس کی صفت تبدیل ہوگئی ہے۔ جیسا کہ پہلے تم کسی بھائی کو دیکھتے ہو، وہ صحت مند ہوتا ہے اور پھر کئی عرصہ کے بعد اس کو دیکھتے ہو تو وہ مریض ہوتا ہے تو اس کو دیکھ کر کہتے ہو کہ تم وہی ہو حالانکہ تم بہت بدل گئے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص تو وہی ہے لیکن بیماری نے اس کو بدل دیا۔

سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کافر کے گوشت کے ساتھ جلد کو جلد سے تبدیل کیا جائے گا۔ جب ایک دفعہ جلد جل جائے گی تو

دوسری بار ان کے گوشت سے جلد پیدا کی جائے گی۔ بعض نے کہا کہ شخص کو جلد میں عذاب دیا جائے گا نہ کہ جلد کو۔ اس پر دلیل اللہ کا فرمان "لیذوقوا العذاب"...... "لعلوق" ارشاد نہیں فرمایا۔ عبدالعزیز بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل دوزخیوں کو ایسی جلد پہنائیں گے جس سے ان کو عذاب ہوگا اور اس کی وجہ سے ان کے عذاب میں زیادتی ہوگی۔ جیسا کہ ایک جلد کے جلد جانے کی وجہ سے اس کی جگہ دوسری جلد کو لگا دیں گے۔ "سرابیلھم من قطران" پس ان کی قمیصوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی بلکہ وہ بدن کو دُکھ پہنچائیں گے۔ "لیذوقوا العذاب ان اللہ کان عزیزاً حکیماً"

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

ترجمہ اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان کے واسطے ان میں پاک صاف بیبیاں ہوں گی اور ہم ان کو نہایت گنجان سایہ میں داخل کریں گے (اے اہل حکومت) بیشک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو اور یہ کہ جب لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے بلاشک اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب دیکھتے ہیں۔

تفسیر ﴿۵۷﴾......"والذین امنوا وعملوا الصلحت ..... تا ..... وندخلھم ظلاً ظلیلاً" نہ ان کو سورج کی تپش سے تکلیف ہوگی اور نہ ہی سردی سے وہ ایذاء پائیں گے۔

﴿۵۸﴾"ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا"

حضرت عثمان بن طلحہ سے کنجی لینے اور واپس کرنے کا بیان

یہ عثمان بن طلحہ حجبی بن عبدالدار کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ کعبہ کے متولی تھے۔ جب فتح مکہ ہوا تو عثمان نے بیت اللہ کا دروازہ بند کر کے اس کی چھت پر چڑھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے چابی مانگی۔ بعض نے کہا کہ مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا گیا تا کہ اس سے چابی لیں لیکن اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر مجھے معلوم ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو تم چابی دینے سے انکار نہ کرو گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ سے چابی چھین لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ پھر اس چابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ جب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر نکلے تو عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ نثار ہوں حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ ساتھ یہ بھی مجھے عنایت کر دیجئے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چابی واپس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دے دو اور اس سے معذرت بھی کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے مجھ پر جبر کیا اور دکھ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے معاملے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ پھر آپ نے آیت پڑھی، عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، کعبہ کی چابی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس رہی، مرتے وقت انہوں نے اپنے بھائی شیبہ کو دے دی، قیامت تک کعبہ کی کنجی اور دربانی انہی کی اولاد میں رہے گی۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد تمام امانتیں مراد ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا سنو! آگاہ رہو اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جس میں عہد کی پاسداری نہیں۔ "واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل" اس سے مراد انصاف ہے۔ "ان اللہ نعما" انصاف حکم بہت اچھی چیز ہے۔ "یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعا بصیرا"

حاکم ہونا اور فیصلہ کرنا بھی امانت کی شاخ ہے

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، انصاف کرنے والے قیامت کے دن رحمٰن کے دائیں ہاتھ کی طرف نور کے منبروں پر ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جو فیصلوں میں اور فیصلہ کے فریقوں میں اور اپنے زیر حکومت اُمور میں انصاف کرتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اللہ کا سب سے زیادہ محبوب و مقرب منصف حاکم ہوگا اور قیامت کے دن اللہ کا سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب کا مستحق ظالم حاکم ہوگا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝۵۹

(ترجمہ) اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالہ کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے۔

اولی الامر کا مصداق

(تفسیر) ⑤⑨ اولی الامر کی تفسیر میں آئمہ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے

مراد فقہاء اور علماء ہیں جو اپنے دین کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں اور یہ قول حسن، ضحاک اور مجاہد رحمہم اللہ کا بھی ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان "ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے مراد امراء اور سوالی ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ امام پر یہ لازم ہے کہ وہ اللہ کے نزول کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور امانت کو اچھی طرح ادا کرے۔ جب یہ ایسا کرے تو اس کی رعایا پر لازم ہے کہ وہ اس کی بات مانے اور اس کی اطاعت کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی۔ اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اپنے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اطاعت و فرمانبرداری مسلمان مرد پر لازم ہے خواہ وہ اس کو پسند ہو یا نہ ہو۔ ہاں اگر حاکم معصیت کا حکم کرے تو پھر اطاعت لازمی نہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس بات پر کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے، دشواری میں بھی اور آسانی میں بھی، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی اور حکام سے ان کے احکام کے بارے میں کوئی مخالفت نہیں کریں گے اور جہاں ہوں گے حق کو قائم کریں گے اور حق بات کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کر، اگرچہ تمہارے اوپر حبشی غلام کو ہی مسلط نہ کیا جائے۔ اگرچہ اس کا سر زبیب کی طرح ہو۔

سلیم بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ وہ ارشاد فرما رہے تھے تم اللہ سے ڈرو اور صلہ رحمی اختیار کرو اور ایک ماہ کے روزے رکھو اور اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حکام کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد لشکر کے امراء ہیں۔

سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق روایت کرتے ہیں "اطیعوا اللہ والرسول واولی الامر منکم" یہ عبداللہ بن حذیفہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ کے ساتھ بھیجا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اولی الامر سے مراد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی اتباع کرنا جو میرے بعد ہوں، یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما، عطاء رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مہاجرین و انصار ہیں

اور وہ لوگ جو ان کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اس آیت کی دلیل کی وجہ سے "والسابقون الاوّلون من المھاجرین والانصار" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال ایسی ہے جیسے کھانے میں نمک، کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہوتا۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ہم میں نمک نہیں تو کیسے اصلاح پائیں گے۔ "فان تنازعتم" یعنی تم اختلاف کرتے ہو۔ "الی شیٔ" اس سے تمہارا دین ہے۔ تنازع سے مراد اختلاف الاراء ہے۔ "فردوہ الی اللّٰہ والرسول" یعنی اللہ کی کتاب کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھیرو۔ جب آپ زندہ ہوں اور جب وفات پا جائیں تو سنت رسول کی طرف لوٹا دو۔ کتاب اللہ وسنت کی طرف پھیرنا واجب ہے اگر ان دونوں کو کوئی پائے اور بعض نے کہا کہ جب تم اللہ ورسول کی طرف لوٹاؤ اور جس کو کوئی علم نہ ہو تو وہ یہ کہے اللہ ورسولہ اعلم۔ "ان کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الاٰخر ذٰلک" یعنی اللہ ورسول کی طرف لوٹانا۔ "خیر واحسن تاویلاً" مآل اور انجام کے اعتبار سے بہتر۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اپنے مقدمے شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان ان کو بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔

یہودی اور منافق کا ایک جھگڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے انحراف

تفسیر: ﴿۶۰﴾ "الم تر الی الذین یزعمون انھم ..... تا ..... الی الطاغوت" امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا کہ ایک یہودی اور ایک منافق میں کچھ جھگڑا تھا۔ یہودی معاملے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جانا چاہتا تھا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ رشوت کھا کر نہیں کر سکتے اور منافق یہودیوں سے فیصلہ کرانا چاہتا تھا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ وہ رشوت لے لیں گے اور رشوت لے کر فیصلہ میں غیر جانبداری کر سکیں گے۔ بالآخر وہ دونوں اتفاق رائے سے قبیلہ جہینہ کے ایک کاہن کے پاس گئے، دونوں نے اپنا مقدمہ فیصلہ کے لیے اس کے سامنے رکھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سرکش لوگ جس کی طرف فیصلہ لے کر جاتے تھے ان میں سے ایک تو قبیلہ جہینہ اور ایک قبیلہ بنی اسلم میں تھا۔ ہر ایک بستی میں کاہن تھا جو ان کے درمیان فیصلے کرتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

کلبی نے ابی صالح سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ منافقین میں سے ایک شخص جس کا نام بشر تھا اس

کے بارے میں نازل ہوئی کہ اس کے درمیان اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس فیصلہ لے کر چلتے ہیں۔ منافق جو (بظاہر مسلمان کہلاتا تھا) اس نے کہا کہ کعب بن اشرف (جو یہودیوں کا سردار ہے) کے پاس فیصلہ لے کر چلتے ہیں۔ یہودی نے انکار کیا اور کہا کہ فیصلہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروائیں گے۔ جب منافق نے دیکھا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ بالآخر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ لے کر چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے گئے تو منافق نے کہا کہ چلو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو ان سے فیصلہ کرواتے ہیں۔ چنانچہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے یہودی نے کہا کہ میں اور یہ جھگڑا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا یہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہیں اور اس نے یہ گمان کیا کہ جھگڑا آپ کے پاس لے جایا جائے اور آپ دوبارہ فیصلہ کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے کہا اسی طرح ہے اس نے کہا جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو کہا کہ آپ دونوں یہاں ٹھہرایئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے اندر داخل ہوئے اور تلوار اٹھائی اور باہر آ کر منافق کی گردن اُڑا دی۔ یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا اور کہا کہ اس شخص کا میرے پاس یہی فیصلہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے سے راضی نہ ہو۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو فاروق کہا جانے لگا۔ امام سدی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہود میں سے کچھ لوگ اسلام لائے، ان میں سے بعض منافق تھے اور بنو قریظہ اور بنو نضیر کے قبیلے بھی ان میں شامل تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بنو قریظہ میں سے اگر کوئی بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کرتا یا اس سے دیت حاصل کرتا کھجور میں سے سو وسق اور اگر بنو نضیر میں سے کوئی شخص دوسرے قریظہ میں سے کسی کو قتل کر دیتا تو اس کے بدلے میں اس کو قتل نہ کیا جاتا اور اس کی دیت ساٹھ وسق دی جاتی اور بنو نضیر قبیلہ اوس اور اشرف کے حلیف تھے اور یہ کثیر افراد پر مشتمل تھے اور بنو قریظہ یہ بنو خزرج کا حلیف تھا۔ جب اسلام آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو بنو نضیر نے بنو قریظہ کا ایک شخص قتل کیا۔ اس بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ بنو نضیر نے کہا کہ ہم اور تم اس بات پر صلح کر لیتے ہیں کہ ہم تمہارے افراد میں سے جس کو چاہیں قتل کر دیں اور تم ہمارے قبیلہ والوں کو قتل نہیں کر سکتے اور تمہاری دیت ساٹھ وسق اور ہماری دیت سو وسق ہوگی۔ ہم آپ کو دیت دیا کریں گے قبیلہ خزرج نے کہا۔ یہ وہ فعل ہے جو تم زمانہ جاہلیت میں ہمارے ساتھ کرتے تھے۔ اس وقت تمہاری کثرت تھی اور ہماری تعداد کم تھی اور تم ہم پر ظلم و قہر کرتے تھے اور آج اس اسلام کی وجہ سے ہم اور تم بھائی بھائی ہیں تمہارا دین اور ہمارا دین ایک ہی ہے۔ لہٰذا اب تم ہمارے اوپر کسی قسم کی فضیلت نہیں رکھتے۔ ان میں سے بعض منافقین نے کہا کہ چلو ابو بردہ کاہن اسلمی کے پاس اور ان دونوں فریقوں میں سے جو حضرات مسلمان تھے انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو اور اس پر منافقین نے انکار کر لیا اور وہ ابی بردہ کے پاس چلے گئے تا کہ اس سے فیصلہ کروائیں۔ انہوں نے کہا کہ دے دو ان کا حصہ۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے لیے دس وسق ہیں وہ کہنے لگے نہیں بلکہ دیت میں ہمارے لیے سو وسق

ہیں۔ انہوں نے دین وحق دینے سے انکار کردیا اور ان کے درمیان فیصلے کو انکار کردیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت قصاص نازل فرمائی۔ "الم تر الی الذین یزعمون ...... تا ...... الی الطاغوت" وہ فیصلے کے لیے کاہن کے پاس جاتے ہیں یا کعب بن اشرف کے پاس جاتے ہیں۔ "وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطان ان یضلھم ضلالاً بعیداً"

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف تو آپ منافقوں کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ سے پہلوتہی کرتے ہیں پھر کیسی جان کو بنی ہے۔

تفسیر: ﴿۶۱﴾ "واذا قیل لھم ...... تا ...... عنک صدودا" اعراض کرتے ہیں ان سے اعراض کرنا۔

فَکَیْفَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ ثُمَّ جَآءُوْکَ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا ﴿۶۲﴾

ترجمہ: جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے ان کی اس حرکت کی بدولت جو کچھ پہلے کر چکے تھے۔ پھر آپ کے پاس آتے ہیں خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہمارا اور کچھ مقصود نہ تھا سوائے اس کے کہ کوئی بھلائی نکل آوے اور باہم موافقت ہو جاوے۔

تفسیر: ﴿۶۲﴾ "فکیف اذا اصابتھم مصیبۃ" یہ ان کے لیے وعید ہے کہ وہ اس وقت کیا عمل کرتے ہوں گے۔ جب ان کو مصیبت پہنچی ہوگی۔ "بما قدمت ایدیھم" ان کے اعراض سے ان کو سزا دی جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے وہ مصیبت ہے جو منافقین کو دنیا و آخرت میں لاحق ہے یہاں کلام مکمل ہو گیا۔ پھر دوبارہ کلام کا اعادہ کیا ان کے فعل کی خبر دینے کے لیے۔ "ثم جاءوک" وہ فیصلے کرنے کے لیے جتوں یا طاغوت کے پاس جاتے ہیں۔ "ثم جاءوک" کا مطلب ہے کہ وہ تمہارے پاس آتے ہیں اور قسمیں اٹھاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد نافرمانی ہے جو منافق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور منافقین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دیت کی وصولی چاہی تھی۔

"یحلفون باللّٰہ ان اردنا" انہوں نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس محاکمہ کے لیے جانا۔ "الا احسانا وتوفیقا" کلبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ احسان کا تعلق قول سے ہے اور توفیق کا تعلق صواب سے ہے۔ ابن کیسان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حق اور انصاف ہے۔ اس کی نظیر "لیحلفن ان اردنا الا الحسنیٰ" بعض نے کہا کہ بعض کا بعض کے ساتھ احسان کرنا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ امر کو حق کے قریب ہونا نہ کہ فیصلہ کا حاکم کے حکم کے مطابق ہونا۔ توفیق حق کے موافق ہونا۔ بعض نے کہا کہ تالیف قلبی کا ہونا دونوں فریقوں کے درمیان۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰہُ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَعِظْھُمْ وَقُلْ لَّھُمْ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَوْلًاۢ بَلِیْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا

اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے سو آپ ان سے تغافل کر جایا کیجئے اور ان کو نصیحت فرماتے رہیے اور ان سے خاص ان کی ذات کے متعلق کافی مضمون کہہ دیجئے اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جاوے اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے پھر قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے۔ جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔

تفسیر ﴿۶۳﴾ "اولئک الذین یعلم اللہ ما فی قلوبھم" جو ان کے دلوں میں نفاق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں وہ کچھ ہے جو ان کی زبانوں کے برخلاف ہے۔ "فاعرض عنھم" ان کی سزا سے آپ اعراض کریں۔ بعض نے کہا کہ ان کے بارے میں خدا خوفی سے ڈریں اور بعض نے کہا کہ ان کے ساتھ قتل کا وعدہ ہے اگر وہ توبہ نہ کریں۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تم ان کو بلیغ بات کہو کیونکہ اگر وہ یہ بات کریں جو ان کے دل میں ہے تو ان کو قتل کر دیا جائے کیونکہ ہر شخص کو وہی انجام حاصل ہوتا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے "فاعرض عنھم وعظھم" یعنی علماء میں۔ "وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً" پوشیدہ اور اکیلے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ آیت قتال سے منسوخ ہے۔

﴿۶۴﴾ "وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ" اللہ کے حکم سے اطاعت رسول واجب ہے۔ زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کی پیروی کرنا اللہ کی اجازت اور اس کے حکم کے مطابق اور بعض کا قول ہے کہ "الا لیطاع" میں کلام تام ہو جاتا ہے۔ باذن اللہ تعالیٰ کا مطلب ہے کہ اللہ کے علم و فیصلے سے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی طاعت وقوع پذیر ہے اس کے حکم سے۔ "ولو انھم اذ ظلموا انفسھم" طاغوت کی طرف اپنے امور کا فیصلہ لے جا کر اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں "جاء وک فاستغفروا اللہ ...... تا ...... توابا رحیما"

فلا وربک لایؤمنون کی مختلف تفاسیر

﴿۶۵﴾ "فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک" عروۃ بن زبیر کا بیان ہے کہ ان کا جھگڑا ایک انصاری شخص سے ہو گیا۔ وہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حرۃ میں زمینوں کو پانی پلانے کے متعلق جھگڑا ہوا۔ یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے زبیر! تم اپنی زمین کو پہلے سیراب کرو، پھر اپنے پڑوسی کی جانب پانی کو چھوڑ۔ اس پر انصاری غصہ ہوا۔ پھر کہنے لگا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ کے چچا کا بیٹا ہے اس لیے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ پھر انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی زمین کو سیراب کر پھر اس کو روکے رکھ یہاں تک کہ وہ تیری زمین کی منڈیر تک پہنچ جائے۔ پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو اپنے پڑوسی کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم دیا لیکن جب انصاری نے غصہ دکھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا حق لینے کا حکم دیا۔ عروہ فرماتے ہیں کہ زبیر کا قول ہے کہ میں نے اس آیت کو خوب محفوظ رکھا۔

روایت کیا گیا کہ جس انصاری صحابی نے زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جھگڑا کیا اس کا نام حاطب بن ابی بلتعہ ہے۔ جب وہاں سے نکلے تو باہر حضرت مقداد سے ملاقات ہوئی اور کہا کہ کس کے بارے میں فیصلہ ہوا۔ انصاری نے کہا کہ اپنے چچا کے بیٹے کے حق میں فیصلہ ہوا اور اپنے رخ موڑ لیے، اس پر یہودی نے اس پر طعن کیا جو حضرت مقداد کے ساتھ تھا اور کہا کہ اللہ ان کو قتل کرے کہ ادھر سے یہ لوگ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر ان کے فیصلے کو ٹھکراتے ہیں۔ اللہ کی قسم! انہوں نے بہت بڑا گناہ کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی انہوں نے بڑا گناہ کیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو توبہ کا حکم دیا تھا اور ان کی توبہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔ پھر انہوں نے ایسا کیا حتیٰ کہ ستر ہزار جانیں مقتول ہوئیں۔ پھر رب ان سے راضی ہوا۔ ثابت بن قیس بن شماس کا بیان ہے سنو اللہ کی قسم! اگر وہ میری طرف سے سچائی کو جان لے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتا کہ اپنے آپ کو قتل کر دو تو میں کر گزرتا۔ حاطب بن ابی بلتعہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد اور شعبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ یہ بشر یہودی اور منافق کے بارے میں نازل ہوئی جو جھگڑا لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ "فلا" اس طرح نہیں جیسا کہ مؤمن گمان کرتے ہیں پھر وہ اس کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتے۔ پھر اس قسم کو لوٹایا۔ "وربک لا یؤمنون" بعض نے کہا کہ یہ لا فلا کا صلہ ہو۔ جیسا کہ "فلا اقسم" میں ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمہارے درمیان حاکم مقرر کرے۔ "فیما شجر بینھم" اس کے اختلاف امور سے اور اس کے حکم کے التباس سے چونکہ شجر میں بھی ٹہنیاں ایک دوسرے کے ساتھ التفات رکھتی ہیں۔ "ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا" مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ شکایت کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا کہ حرج تنگی کے معنی میں ہے۔ "مما قضیت" ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے یعنی وہ ان کے انکار سے گناہ گار ہوں گے۔ "ویسلموا تسلیما" ان کے فیصلے کو اچھی طرح تسلیم کیا۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾

ترجمہ: اور اگر ہم لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم خودکشی کیا کرو یا اپنے وطن سے بے وطن ہو جایا کرو تو بجز

معدودے چند لوگوں کے اس حکم کو کوئی بھی نہ بجالاتا اور اگر یہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کیا کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا اور اس حالت میں ہم ان کو خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتے اور ہم ان کو سیدھا راستہ بتلا دیتے۔

تفسیر ⑥⑥ "ولو انا کتبنا" یعنی تم پر فرض و واجب قرار دے دیا۔ "علیہم ان اقتلوا انفسکم" جیسا کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا۔ "او اخرجوا من دیارکم" جیسا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کا حکم دیا۔ "ما فعلوہ" اس کا معنی ہے کہ تم پر فرض نہیں کیا گیا مگر رسول کی طاعت اور اس کے حکم پر رضامندی۔ لیکن اگر ہم ان کے اوپر قتل اور شہر سے نکلنے کا حکم صادر کر دیتے تو وہ کبھی اس حکم کی تعمیل نہ کرتے۔

"الا قلیل منہم" یہ ثابت بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن کا اللہ نے استثنیٰ کیا۔ وہ بہت ہی کم ہیں۔ حسن و مقاتل رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر و عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے یہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اگر اللہ ہمیں اس طرح حکم کرتا تو ہم یہ کر گزرتے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی توفیق بخشی۔ جب یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں بعض مرد ایسے ہیں ان کے دلوں میں ایمان ایسے ثابت کر چکا ہے۔ جیسا کہ پہاڑوں کو زمین میں گاڑھا گیا ہے۔ ابن عامر اور اہل شام نے اس کو "الا قلیلاً" پڑھا ہے منصوب علی الاستثناء کے طور پر اور اسی طرح مصحف اہل شام کے نزدیک ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اضمار قبل الذکر ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "الا ان یکون قلیلاً منہم" اور دوسرے قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی "الا نفر قلیل فعلوہ"...... "ولو انہم فعلوا ما یوعظون بہ" ان کو اس بات کا حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور اس کے فیصلے پر راضی رہیں۔ "لکان خیراً لہم واشد تثبیتاً" ان کے ایمان کی تحقیق یا تصدیق کی بناء پر۔

⑥⑦ "واذا لاٰتینٰہم من لدنا اجراً عظیماً" ان کو بہت ساری مقدار میں ثواب عطا کیا جائے گا۔

⑥⑧...... "ولہدینٰہم صراطاً مستقیماً" اس سے مراد صراط مستقیم ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ⑥⑨ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ⑦⓪

ترجمہ اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں یہ فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں۔

تفسیر ۶۹ ..... "ومن یطع اللہ ..... تا ..... من النبیین" یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتے تھے اور کم صبر تھے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ان کا چہرہ متغیر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ آپ کے غم کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نہ کوئی بیماری لاحق ہے اور نہ کوئی تکلیف ہے۔ صرف یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھتا تو دل پریشان ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام سے ملنے کے لیے آجاتا ہوں۔ پھر انہوں نے آخرت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ آپ کی مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے کیونکہ آپ تو نبیوں کے درجات میں بلند مقام پر ہوں گے اور اگر میں جنت میں داخل بھی ہو گیا تو ادنیٰ درجہ میں ہوں گا اور اگر بالفرض جنت میں داخل نہ ہو سکا تو آپ کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے بعض اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ یہ کیسے حال ہوگا کہ جنت میں آپ علیہ السلام بلند مرتبے پر فائز ہوں گے اور ہم کم درجے میں ہوں گے اور ہم آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"من یطع اللہ" سے مراد فرائض کی ادائیگی میں جو ہماری اطاعت کرے گا اور "والرسول" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع "فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین" وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھے گا اور ان کی مجالس میں شریک ہوگا کیونکہ ان کو انبیاء علیہم السلام کے درجات کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ "والصدیقین" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بڑے درجہ کے۔ صدیق جو سچائی میں اعلیٰ درجہ تک پہنچنے والا ہو۔ "والشہداء" اس سے مراد وہ ہیں جو اُحد کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ ہیں جو اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے۔ بعض نے کہا کہ "النبیون" سے مراد یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صدیق سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور شہداء سے مراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ "والصالحین" اس سے باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ "وحسن اولئک رفیقا" جنت کے رفقاء مراد ہیں۔ عرب کے ہاں واحد کو جمع کی جگہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ثم نخرجکم طفلا" اس سے مراد اطفال ہیں۔ "ویولون الدبر" اس سے مراد ادبار ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ایک شخص ایک قوم سے محبت کرتا ہے کیا وہ ان کے ساتھ ملایا نہیں جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرد اس کے تابع ہوگا جو اس سے محبت کرے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو نے قیامت کیلئے کیا تیار کر رکھا ہے؟ وہ کہنے لگا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ تیار نہیں کیا صرف ایک عمل ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرتا ہوں۔

۷۰ "ذلک الفضل من اللہ وکفی باللہ علیما" اس سے آخرت کا ثواب مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا ان کے درجہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا بلکہ اللہ کے فضل وکرم سے ہی پہنچ سکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قریب قریب ہو جاؤ اور ٹھیک ٹھیک عمل کرو کہ تم میں سے ہر ایک اپنے عمل کے مطابق نجات پائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں میں بھی مگر یہ کہ مجھے بھی اللہ کی رحمت ڈھانپ لے گی اور اس کے فضل ورحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی تو احتیاط رکھو پھر متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو اور تمہارے مجمع میں بعضا بعضا شخص ایسا ہے جو جہاد سے ہٹتا ہے پھر اگر تم کو کوئی حادثہ پہنچ گیا تو کہتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہیں ہوا اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے تو ایسے طور پر کہ گویا تم میں اور اس میں کچھ تعلق ہی نہیں کہتا ہے ہائے کیا خوب ہوتا کہ میں بھی ان لوگوں کا شریک حال ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی ہوتی تو ہاں اس شخص کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جاوے یا غالب آجاوے۔ ہم اس کو اجر عظیم دیں گے۔

تفسیر: ﴿۷۱﴾ "یایھا الذین امنوا خذوا حذرکم" تم دشمن سے بچو۔ تم ان کے خلاف اپنے اسلحہ جمع رکھو۔ حذر اور حِذر دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ جیسے مِثل اور مَثل دونوں کے معنی ایک ہیں۔ "فانفروا" نکلو ان کو "ثبات" اس سے مراد سرایا ہیں۔ ایک سریہ کے بعد دوسرا سریہ ثبات یعنی جمع ہونا تفرقہ بازی سے بچنا۔ "او انفروا جمیعا" تم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع رہو۔

﴿۷۲﴾ "وان منکم لمن لیبطئن" یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ "منکم" ارشاد فرمایا کیونکہ یہ تمہارے ساتھ جمع ہیں جنس نسبت اور اسلام کے اظہار کی وجہ سے نہ کہ حقیقت ایمان میں آپ کے ساتھ ہیں۔ "لیبطئن" ان کو مؤخر کرو اور یہ خود جہاد میں پیچھے رہنے والے ہیں اور جہاد سے کترانے والے ہیں۔ ان میں ابی بن عبداللہ منافق بھی موجود ہے۔ "لیبطئن" میں لام بمعنی قسم کے ہے۔ "تبطئۃ" کسی کام سے پیچھے رہنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ تم پیچھے کیوں رہ گئے اسی سے بطئی سست ہونا آتا

ہے۔ "فان اصابتکم مصیبۃ" یعنی آپ کو شہادت یا شکست ہو جائے۔ "قال قد انعم اللّٰہ علی" تو یہ بیٹھ کر کہتے کہ ہم پر اللہ کا انعام ہوا کہ ہم شریک جہاد نہیں ہوئے ورنہ ہمیں بھی نقصان اُٹھانا پڑتا۔ "اذلم اکن معھم شھیدا" اگر ہم ان کے ساتھ فلاں غزوے میں شریک ہوتے تو ہمیں بھی ان کی طرح تکلیف پہنچتی۔

❼ "ولئن اصابکم فضل من اللّٰہ" اگر آپ کو فتح یا مال غنیمت حاصل ہو جائے۔ "لیقولن" تو یہ منافق کہنے لگتے ہیں۔ یہاں الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے۔ "کان لم تکن بینکم وبینہ مودۃ" یہ "فان اصابتکم مصیبۃ" کے متصل ہے اس کی تقدیری عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر مسلمانوں کو مصیبت پہنچتی تو یہ کہتے کہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا انعام ہے کہ ہم ان کے ساتھ شریک نہیں ہوئے ورنہ ہمیں بھی شکست سے دوچار ہونا پڑتا۔ "کان لم تکن" بعض قراء نے تکن پڑھا اور اگر مسلمانوں کو کوئی مصیبت آتی تو یہ لوگ کہتے "یالیتنی کنت معھم" اس غزوے میں ان کے ساتھ ہوتے تو "فافوز فوزا عظیما" تو ہمیں بھی مال غنیمت میں سے کچھ حصہ ملتا۔ "فافوز" منصوب ہے جواب تمنی کی وجہ سے کہ تو قول جیسا کہ تو کہے کہ اگر میں کھڑا ہو جاتا تو تو میری پیروی کرتی۔

❽ "فلیقاتل فی سبیل اللّٰہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالآخرۃ" بعض نے کہا کہ یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ یشرون کے معنی ہیں یشترون۔ وہ لوگ جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس آیت کا معنی ہے ایمان لے آؤ پھر قتال کرو۔ بعض نے کہا کہ یہ مخلص مؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ کے راستے میں قتال کرنے والے۔ انہوں نے اپنی دُنیاوی زندگی کے بدلے میں آخرت کو خرید لیا اور آخرت کو ترجیح دی۔ "ومن یقاتل فی سبیل اللّٰہ فیقتل" وہ شہید ہوتا ہے۔ "او یغلب" یا وہ کامیابی کے ساتھ غالب آجاتا ہے۔

"فسوف نؤتیہ" ان دونوں صورتوں میں "اجرا عظیما" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کا کفیل بن جاتا ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے وہ اپنے گھر سے صرف جہاد کی غرض سے نکلتا ہے (کسی اور غرض سے نہیں نکلتا) اور کلمہ کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل کر دیتا ہے یا وہ اپنے گھر واپس لوٹ آتا ہے مال غنیمت اور ثواب کی غرض سے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہد کی مثال ایسی ہے جیسا کہ روزہ دار دن کو روزہ رکھے اور رات کو قیام کرے (اور نماز سے ذرہ برابر غافل نہ رہا ہو) اور نہ ہی روزے سے غافل رہے۔ یہاں تک کہ وہ مجاہد اللہ کے راستے سے واپس گھر لوٹے مال غنیمت اور ثواب کے ساتھ یا وہ شہید ہو جائے تو اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ

لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾

ترجمہ اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے۔ جو لوگ پکے ایماندار ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کرو واقع میں شیطانی تدبیر لچر ہوتی ہے

تفسیر ﴿۷۵﴾ "وما لکم لاتقاتلون" کہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد نہیں کرتے۔ "فی سبیل اللّٰہ" اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں اللہ ان کو جہاد کے ترک کرنے سے عتاب کر رہے ہیں۔ "والمستضعفین" ضعیف لوگ۔ ابن شہاب کا قول ہے کہ ان کی خلاصی کے لیے کمزور لوگوں پر جہاد فرض نہیں یا اس سے مراد بعض نے کہا کہ مشرکین سے مجاہدین جو ضعیف و کمزور ہیں ان کی خلاصی کے لیے جہاد نہیں کرتے اور وہ کچھ مسلمان مکہ میں محبوس تھے۔ "من الرجال والنساء والولدان" مشرکین کی طرف سے اذیت پہنچی ہے بہت ساروں کو "الذین" جو پکارتے ہیں۔ "یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا" قریہ سے مراد مکہ ہے اور الظالم سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ "اھلھا" سے مراد خاص وہ مشرکین ہیں جن کے ہاتھوں مسلمان تنگ ہیں۔ "الظالم" یہ صفت ہے "اھلھا" کی۔ "واجعلنا من لدنک ولیا" جو امر ان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ "واجعل لنا من لدنک نصیرا" کون ہے جو ان کو دشمن سے روکے گا۔ اللہ نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور مسلمانوں کو ظالم مشرکوں سے نجات دلائی۔

﴿۷۶﴾ "الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللّٰہ" اللہ کی طاعت میں لڑتے ہیں۔ "والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت" اس سے مراد شیطان کا راستہ ہے۔ "فقاتلوا" اے مؤمنین کی جماعت "اولیاء الشیطان" کفار کی جماعت اور اس کا لشکر "ان کید الشیطان" شیطان کا مکر و فریب "کان ضعیفا" جیسا کہ بدر کے دن ملائکہ کے ذریعے کفار پر رعب ڈال دیا گیا اور ان کی رسوائی کرائی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا

عَلَيْهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾

ترجمہ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ ان کو یہ کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو تھامے رہو اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو پھر جب ان پر جہاد کرنا فرض کر دیا گیا تو قصہ کیا ہوا کہ ان میں سے بعض بعض آدمی لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسا کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا اور یوں کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض فرما دیا۔ ہم کو اور تھوڑی مدت مہلت دے دی ہوتی آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا تمتع محض چند روزہ ہے اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے اور تم پر تاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جاوے گا تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آ جاوے گی اگرچہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو اور اگر ان منافقوں کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ منجانب اللہ ہو گئی اور اگر ان کو کوئی بری حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کے سبب سے ہے آپ فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں نکلتے۔

تفسیر ﴿۷۷﴾ "الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم" کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کا نزول عبدالرحمٰن بن عوف الزہری، مقداد بن الاسود کندی، قدامہ بن مظعون الجمحی سعد بن ابی وقاص اور ایک جماعت جن کو مشرکین مکہ نے ہجرت سے پہلے بہت اذیتیں دی ہیں اور یہ حضرات کہتے تھے کہ اللہ کے نبی ہمیں اجازت دیں ہم ان کے ساتھ قتال نہ کریں، انہوں نے ہمیں بہت اذیتیں دے رکھی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرماتے تھے "کفوا ایدیکم" کیونکہ مجھے ابھی قتال کا حکم نہیں دیا گیا۔ "واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ" جب آپ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ قتال کا حکم دیا۔ یہ بعض پر بہت مشقت اور گراں تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فلما کتب" فرض کیا گیا۔ "علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس" مشرکین مکہ ڈرتے تھے۔ "کخشیۃ اللہ" جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہئے (او اشد) یا اس سے بڑھ کر (خشیۃ) اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے بھی زیادہ ڈر ہے۔

"وقالوا ربنا لم کتبت علینا القتال" جب تم پر جہاد فرض کیا گیا "لولا" ...... "ھلا" کے معنی میں ہے۔ "اخرتنا الی اجل قریب" اجل سے مراد موت ہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو چھوڑ دیا کہ وقت مقررہ آنے پر وہ مر جائیں۔ ان لوگوں کے متعلق آئمہ مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کس کا قول ہے۔ بعض نے کہا کہ منافقین کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لم کتبت علینا القتال" یہ جملہ مؤمنین کی شایان شان نہیں ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہاں مؤمنین کا قول ہے جو علم میں ماہر نہیں تھے اور وہ یہ بات محض خوف اور بزدلی کی وجہ سے کہہ رہے تھے نہ کہ ان کا یہ اعتقاد تھا۔ پھر انہوں نے توبہ کر لی تھی اور اہل ایمان فضیلت رکھتے ہیں ایمان والوں پر۔ بعض نے کہا کہ یہ مؤمنین کی جماعت ہے لیکن جب ان پر قتال فرض ہوا تو انہوں نے بزدلی کی بناء پر منافقت اختیار کر لی اور جہاد سے پیچھے رہے۔ "قل" کہہ دیجئے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) "متاع الدنیا" اس کی منفعت اور اس سے جتنا فائدہ اٹھایا گیا "قلیل والاخرۃ" اور آخرت اس سے کہیں افضل ہے۔ "لمن اتقی" جو بچا رہا شرک

اور رسول کی نافرمانی ہے۔ ”ولا تظلمون فتیلاً“ ابن کثیر اور ابوجعفر، حمزہ، کسائی رحمہم اللہ نے ”یظلمون“ پڑھا ہے۔ حضرت مستورد بن شداد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دُنیا آخرت کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈبوئے پھر نکالے اور دیکھے کہ اس کی انگلی کو کتنا پانی لگا ہے۔

⑦⑧ ”اینما تکونوا یدرککم الموت“ یعنی تم پر موت اُترے گی۔ یہ ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو اُحد کے دن قتل کردیے گئے تھے کہ اگر وہ ہمارے ساتھ یا ہمارے پاس ہوتے تو اللہ ضرور ان کو واپس ہم پر لوٹاتا۔

”ولو کنتم فی بروج مشیدۃ“ بروج کہا جاتا ہے اور مشیدہ کہا جاتا ہے بلند و بالا کو۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ وہ قصر میں ہوں گے اور عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ مجصص ہوں گے اور العبید الجص کو کہا جاتا ہے۔ ”وان تصبھم حسنۃ“ یہ یہود اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ کہتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے پھلوں اور ہماری کھیتوں میں کمی اس شخص اور اس کے ساتھیوں کے آنے کی وجہ سے ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”وان تصبھم“ اگر یہود کو پہنچ جائے یعنی ان کو فراوانی اور تنگی سے نجات مل جائے۔ ”یقولوا ھذہ من عند اللہ“ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ میرے رب کی طرف سے ہے۔ ”وان تصبھم سیئۃ“ یعنی ان کو قحط اور تنگی پڑ جاتی۔ ”یقولوا ھذہ من عندک“ محمد اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ہے اور بعض نے کہا کہ حسنۃ سے مراد کامیابی اور یوم بدر میں ان کو مسلمانوں کا مال غنیمت ملتا ہے اور ”سیئۃ“ سے مراد قتل اور ہزیمت ہے اُحد کے دن اور وہ یہ کہتے کہ یہ سب ان کی طرف سے ہے۔ اس صورت میں یہ منافقین کا قول ہے۔

”قل“ ان کو کہہ دیجئے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ”کل من عند اللہ“ یعنی یہ سب کچھ اچھی یا برائی سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر ان کو ان کی جہالت کی وجہ سے عار دلائی گئی۔ ”فمال ھؤلاء القوم“ قوم سے مراد منافقین اور یہود ہیں۔ ”لا یکادون یفقھون حدیثا“ وہ آپ کی بات نہیں سمجھتے اور بعض نے کہا کہ یہاں حدیث سے مراد قرآن ہے۔ یعنی وہ قرآن کے معانی کو نہیں سمجھ سکتے۔ ”فمال ھؤلاء“ کلام میں اس کو کثرت سے لانے سے معلوم لگتا ہے کہ یہ لام متصل ہے اور ایک حرف ہے اور قراءۃ میں اتصال کی ہے اور اس کے لام پر وقف کرنا جائز نہیں۔

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ط وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ⑦⑨

ترجمہ: اے انسان تجھ کو جو کوئی خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ کی جانب سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آوے وہ تیرے ہی سبب سے ہے اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں۔

تفسیر: ⑦⑨ ”ما اصابک من حسنۃ“ حسنۃ سے مراد خیر اور نعمت ہے۔ ”فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ“ کوئی برائی یا ناپسندیدہ کام۔ ”فمن نفسک“ اس سے مراد تمہارے گناہ ہیں۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مراد آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم" ہے۔
اہل قدر نے اس آیت کے ظاہر کو لیا ہے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سے برائی کی نفی کی ہے اور اس کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے۔ "وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک" اس آیت کی مراد وہ نیکیاں نہیں جو کمائی سے حاصل ہوں اور نہ ہی برائیاں بلکہ اس سے مطلق طاعات اور معاصی ہیں یا اس سے مراد جو تمہیں اللہ کی طرف سے نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہوئی ہیں اور یہ انعامات تمہارے فضل کی وجہ سے نہیں کیونکہ ان کی نسبت غیر کی طرف کی نہ کہ تمہاری طرف۔ "وما اصابک" اور نہیں کہا جاتا نیکی اور برائی میں کہ مجھے یہ پہنچی ہے بلکہ کہا جاتا ہے وہ ہمیں پہنچی ہے اور اسی طرح کسی امتحان اور آزمائش کے لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں تکلیف مجھے پہنچی ہے لیکن کسی چیز کے ثواب اور سزا کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "فاذا جاء تھم الحسنۃ قالوا لنا ھذہ وان تصبھم سیئۃ یطیروا بموسٰی ومن معہ" اور جب کوئی اپنی نیکیوں کو شمار کرتا ہے تو ان کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور اس پر ثواب اور عقاب کا وعدہ ٹھہراتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا" بعض نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جو ہمیں نیکی پہنچی ہے نصرت اور کامیابی کی صورت میں بدر کے دن وہ اللہ کی جانب سے ہے۔ یعنی اللہ کے فضل سے ہے اور جو برائی ہمیں پہنچی ہے وہ جنگ اُحد میں قتل اور وقتی شکست کی صورت میں وہ ہماری غلطی کی وجہ سے ہے۔ یعنی ہمارے چند صحابہ کی خطاء کی وجہ سے ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے۔

اگر سوال کیا جائے کہ کیسے ان دو آیات کے درمیان جمع ممکن ہے "قل کل من عنداللہ" اور مین قولہ "فمن نفسک" ایک آیت میں ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ یہ ہماری وجہ سے ہے۔ اس کا جواب بعض نے کہا کہ "قل کل من عنداللہ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ شکست، مدد و نصرت سب چیزیں اللہ کی طرف سے ہے۔ "فمن نفسک" کا مطلب یہ ہے کہ جو برائی ہمیں پہنچی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہمارے گناہوں کے سبب اللہ کی طرف سے سزا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم" اور وہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے "وما اصابک من سیئۃ من نفسک" وہ ہم تمہارے لیے لکھ دیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ ماقبل آیت کے ساتھ متصل ہے اور اس میں یہ قول پوشیدہ ہے کہ اس قوم کا ہنوں کو کیا ہو گیا کہ جو بات سنتے اور سمجھتے نہیں اور وہ کہتے ہیں۔ "ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ، وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک"...... "قل کل من عنداللہ"...... "وارسلناک" ہم نے بھیجا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو "للناس رسولاً وکفٰی باللہ شھیدا" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول بنا کر بھیجے جانے اور ان کی تصدیق پر گواہ ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ وہ گواہ کافی ہے۔ اس بات پر کہ اچھائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

ترجمہ: جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی اور جو شخص روگردانی کرے سو ہم نے آپ کو ان کا نگران کر کے نہیں بھیجا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام اطاعت کرنا ہے پھر جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو شب کے وقت مشورے کرتی ہے ان میں کی ایک جماعت برخلاف اس کے جو کچھ زبان سے کہہ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ لکھتے جاتے ہیں جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کیا کرتے ہیں سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں۔

تفسیر: ﴿۸۰﴾ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" یہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے تھے جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی اس نے اللہ کے ساتھ محبت کی۔ بعض منافقین نے کہا کہ یہ شخص کس بات کا ارادہ رکھتا ہے کہ وہ بنائے اپنے لیے رب جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو رب مانا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" یعنی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر عمل کیا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ "ومن تولی" اور جس نے منہ موڑا اطاعت سے۔ "فما ارسلناک" اے محمد! "علیھم حفیظا" یعنی تمہارا محافظ اور تمہارا دوست رکھوں گا تمام کاموں میں۔ بعض نے کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے سیف والی آیت سے اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اس کے ساتھ قتال کرو۔

﴿۸۱﴾ "ویقولون طاعۃ" منافقین صرف زبان سے یہ کہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور ہمارا کام صرف آپ کے ارشاد کی طاعت ہے۔ نحویوں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ ہمارا کام اور شان یہی ہے کہ ہم اطاعت کریں۔ "فاذا برزوا" جب وہ نکلے "من عندک بیت طائفۃ منھم غیر الذی تقول" قتادہ اور کلبی رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ بیت کا معنی ہے بدل ڈالا اس لیے بیت کا ترجمہ ہوا بدل ڈالتی ہے۔ ابو عبید اور قتیبی رحمہما اللہ نے کہا اس کا ماخذ "بیوتت" ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رات کو مشورہ کر کے وہ بات طے کرتے ہیں جو ان میں کیے ہوئے وعدہ کے خلاف ہوتی ہے۔

حسن اور اخفش رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ عرب جس چیز کا اندازہ کرتے ہیں اس کے لیے "بیت" کا لفظ بولتے ہیں۔ گویا اس کا اصل ماخذ بیت شعر ہے۔ "واللہ یکتب" یعنی اللہ ان کو لکھتا ہے اور محفوظ بھی رکھتے ہیں۔ "ما یبیتون" جو وہ چھوڑتے ہیں اور جس کو وہ تبدیل کرتے ہیں اور مقدر رکھتے ہیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو وہ نفاق میں سے کچھ چھپاتے تھے۔ "فاعرض عنھم" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کیجئے اور ان کی پرواہ نہ کریں۔ بعض نے کہا کہ

ان منافقین کے نام کسی کو نہ بتلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے نام بتلانے سے روکا گیا تھا۔ "و توکل علی اللہ و کفی باللہ وکیلا" اسی کو اپنا کارساز بنائیں اور وہی کافی ہے اور مددگار ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

ترجمہ: تو کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت تفاوت پاتے اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں کے۔

تفسیر: ﴿۸۲﴾ "افلا یتدبرون القرآن" کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔ تدبر کہتے ہیں کسی کام میں آخری نظر تک غور و فکر کرنا۔ "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" یعنی ان میں تفاوت اور تناقض بہت پایا جاتا ہے۔ اگر یہ قرآن کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ اگر وہ غیب اور پوشیدہ باتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں کیا وہ ان چیزوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر غور و فکر کرتے ہوتے تو اس میں ان کو تناقض نظر نہ آتا اور وہ اس کو کلام اللہ ہونے کی ضرور تصدیق کرتے اس لیے کہ جو کلام من جانب اللہ ہو تو اس میں تناقض نہیں ہوتا۔

﴿۸۳﴾ "واذا جاء ھم امر من الامن او الخوف اذا عوا بہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک کے اطراف میں مختلف جنگی دستے بھیجا کرتے تھے وہ جا کر یا غالب ہوتے یا مغلوب۔ بہرحال منافق ان کی خبریں قبل از وقت معلوم کرنے کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے اور پتہ لگتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے سے پہلے بیان کرنا شروع کر دیتے تھے تاکہ شکست کی خبریں سنا کر اہل ایمان کے دلوں میں ضعف پیدا کر دیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ "اذا جاء ھم" اس سے مراد منافقین ہیں۔ "امر من الامن" اس سے مراد فتح و غنیمت، خوف، قتل اور ہزیمت شکست ہے۔ "اذا عوا بہ" اس کو پھیلا دیتے ہیں اشاعت کر دیتے ہیں۔ "ولو ردوہ الی الرسول" اپنی رائے کو رسول کی طرف لوٹاؤ گے اور اس کو اس وقت تک بیان نہیں کرو گے جب تک کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھ لیں۔ "والی اولی الامر منھم" اس سے مراد اصحاب الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ "لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم" استنباط کا معنی ہے نکالنا استخراج کرنا استنباط کرنے والے علماء کرام ہی تھے

یعنی یہ جان لیں کہ اس خبر کو چھپانا مناسب ہے یا پھیلانا مناسب ہے۔
عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یعنی وہ اس پر حرص کرتے ہیں اور ان مسائل کے متعلق پوچھتے ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو بات مؤمنین یا منافقین سے سنتے ہیں اگر اس خبر کو رسول یا اہل علم کی طرف لوٹاتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ حقیقت حال کیا ہے۔ یعنی وہ اس بات کو پسند کریں کہ اس کی حقیقت حال کیا ہے۔ "ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان" تم سب کے سب شیطان کی پیروی کرتے "الا قلیلا"

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کہا گیا ہے کہ اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم سب شیطان کے پیروکار ہوتے۔ کل سے قلیل کا استثناء کیسے کیا۔ جواب: اس سے مراد وہ ہے جو ماقبل میں تھوڑے افراد گزرے ہیں کہ ماقبل میں بھی تھوڑے لوگ ایمان لائے۔ قلیل سے مراد مؤمنین ہیں۔ یہ قول کلبی اور فراء رحمہما اللہ کا ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد اسرار کا علم ہے کہ جب اہل علم کے استنباط سے اس کی وضاحت معلوم ہو جائے گی اور بعض کا قول ہے کہ استنباط کرنے والے علماء بہت کم ہوں گے۔ پھر فرمایا: "ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان" بعض نے کہا کہ فضل اللہ سے مراد اسلام ہے اور رحمت سے مراد قرآن ہے۔ مطلب یہ ہوگا اگر ایمان ہوتا تو شیطان کی پیروی کرتے لیکن ہدایت پانے والے تھوڑے سے ہیں جو نزول قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے ہدایت یافتہ تھے۔ اس سے مراد زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس سے استدلال کرنا جائز ہے اور جو چیز کتاب اللہ یا حدیث سے جو معلوم ہو وہ نص ہے اور جو استنباط سے حاصل ہو وہ قیاس ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

ترجمہ: پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ کو بجز آپ کے ذاتی فعل کے کوئی حکم نہیں اور مسلمانوں کو ترغیب دے دیجئے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ کافروں کے زور جنگ کو روک دیں گے اور اللہ تعالیٰ زور جنگ میں زیادہ شدید ہیں اور سخت سزا دیتے ہیں جو شخص اچھی سفارش کرے اس کو اس کی وجہ سے حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے اس کو اس کی وجہ سے حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿۸۴﴾ "فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک" یہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے وعدہ کیا تھا کہ ذی قعدہ کے ماہ میں بدر صغریٰ پر دونوں فریقوں کا پھر مقابلہ ہوگا۔ جب وقت مقررہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی مگر بعض لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک" یعنی دشمن کے ساتھ جہاد کو ترک نہ کرو اور کمزور ضعیف مسلمانوں کی نصرت کرو کیونکہ اللہ رب العزت نے مدد کا وعدہ کیا ہے اور ترک قتال کی وجہ سے ان کو سزا کا حکم ہے۔ فقاتل میں فاء جواب ہے اس آیت "ومن یقاتل فی سبیل اللہ" الایۃ کا۔ "وحرض المؤمنین" یعنی مؤمنین کو جہاد پر ابھاریے اور ثواب کی طرف رغبت دلایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستر گھڑسواروں کو لے کر جہاد کے لیے نکلے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "عسی اللہ" شاید کہ اللہ تعالیٰ "ان یکف باس الذین کفروا" مشرکین کے ساتھ قتال کر کے۔ اللہ سے اُمید رکھنا واجب ہے۔ "واللہ اشد باسا" وہ بڑی طاقت والا اور بڑے دبدبے والا ہے۔ "واشد تنکیلا" اور بڑا عذاب دینے والا ہے۔

⑧⑤ "من یشفع شفاعۃ حسنۃ ...... تا ...... یکن لہ کفل منہا" کفل کا معنی نصیب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں میں باہم صلح کرانا شفاعت حسنہ ہے اور بری شفاعت یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان چغل خوری کرنا اور بعض نے کہا کہ شفاعت حسنہ لوگوں میں خیر کی بات کرنا ہے جو ثواب اور خیر کا ذریعہ بنے اور بری شفاعت یہ ہے کہ غیبت کرنا اور بری باتیں کرنا جو برائی کا باعث بنتا ہے۔ "کفل منہا" یعنی ان کے لیے حصہ ہوگا اور مجاہد کا قول ہے کہ بعض لوگوں کی بعض کے ساتھ شفاعت کرنا مراد ہے اور شفاعت کرنے والا شفیع اجر پائے گا۔ اگرچہ اس کی شفاعت قبول نہ کی جائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی شخص کچھ مانگنے یا کسی اور کام کے لیے حاضر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے سفارش کرو ثواب پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو الفاظ چاہے گا جاری فرما دے گا۔ "وکان اللہ علی کل شیء مقیتا" ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "مقیتا" کا ترجمہ "مقتدرا" سے کیا ہے۔ قابو پانے والا۔ مجاہد رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ شاہد "حاضر و ناظر" سے کیا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ نگران سے کیا ہے اور بعض علماء کا قول ہے یعنی ہر جاندار کو روزی دینے والا مقیت ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت وہمت"

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ⑧⑥

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۚ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ⑧⑦

ترجمہ اور جب تم کو کوئی (مشروع طور پر) سلام کرے تو تم اس (سلام) سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حساب لیں گے اللہ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے قابل نہیں وہ ضرور تم سب کو جمع کریں گے قیامت کے دن میں اس میں کوئی شبہ نہیں اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی

تفسیر ⑧⑥ "واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا او ردوہا" تحیہ کہتے ہیں طویل زندگی کی دُعا دینا، یہاں تحیہ سے مراد سلام ہے۔

سلام کا جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے

کہا جاتا ہے کہ جب تمہیں کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کو جواب میں اس سے اچھا جواب دو یا جیسا اس نے سلام کیا ویسا ہی تم دے دو۔ جب کوئی تمہیں کہے السلام علیکم تو تم جواب میں کہو علیکم السلام ورحمۃ اللہ اور جب کوئی تمہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو اور اگر کوئی تمہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو تم اس کے جواب اسی طرح کہو۔

روایت کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سلام کیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر اس کے بعد کچھ اور زائد کہا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ سلام وبرکاتہ تک ہے۔ عمران بن حصین کی روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیکم۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسے جواب دے دیا اور فرمایا دس۔ وہ بیٹھ گیا اس کے بعد ایک اور شخص آیا اور اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب دے کر ارشاد فرمایا بیس، وہ بھی بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دے کر فرمایا تیس، وہ بیٹھ گیا۔ جان لو کہ سلام دینا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض علی الکفایہ ہے۔ یعنی کسی نے ایک جماعت پر سلام کیا۔ اس میں سے ایک شخص نے جواب دے دیا تو فرض پورا ہو جائے گا اور اسی طرح اگر پوری جماعت میں سے کسی ایک نے سلام کیا تو پوری جماعت کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ ایمان لے آئے اور تم میں سے اس وقت تک ایمان نہیں لاتے جب تک تم ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرو کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتلاؤں جس کی وجہ سے تم ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے لگو گے، تم آپس میں خوب سلام پھیلاؤ۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا کہ بھوکے کو کھانا کھلانا اور سلام دینا جس کو تم پہچانو یا نہ پہچانو تو "ای الاسلام" کا معنی ہے کہ اسلام کی کون سی خصلتیں بہتر ہیں؟ بعض نے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب تمہیں کوئی مسلمان شخص سلام کرے "اور دوھا" کا معنی ہے اس کے مثل تم سلام کو لوٹاؤ جب سلام کرنے والا مسلمان نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہیں کوئی یہودی سلام کرے اور وہ تمہیں یوں سلام کرے السام علیک (تم پر ہلاکت ہو) تو تم اس کو جواب میں "علیک" کہو۔ "ان اللہ کان علی کل شیء حسیبا" اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے سلام کو اسی طرح لوٹانے سے یا اس سے بہتر لوٹانے کی صورت میں۔ "حسیبا" کا معنی ہے محاسبہ کرنے والا بدلہ لینے والا۔ مجاہد رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ نگران سے کیا ہے۔ ابو عبیدہ نے اس کا ترجمہ کفایت سے کیا ہے۔

⑮ "اللہ لا الہ الا ھو لیجمعنکم" لام قسم ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "واللہ لیجمعنکم فی

الموت" یعنی تم کو موت کے ساتھ جمع کرے گا یا قبروں میں جمع کرے گا۔

"الی یوم القیامۃ" قیامت کو قیامۃ اس وجہ سے کہا گیا چونکہ قیامت کے دن ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "یوم یخرجون من الاجداث سراعا" اخفش نے کہا کہ حساب دینے کے لیے ان کو اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ رب العزت کا فرمان "یوم یقوم الناس لرب العالمین"...... "لاریب فیہ ومن اصدق من اللہ حدیثا" یعنی قول اور وعدہ کے ساتھ تصدیق کرنے والا۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ کے نزدیک صاد کے سکون کے ساتھ اور دال میں اشمام کے ساتھ پڑھا ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

ترجمہ: پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقین کے باب میں تم دو گروہ ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو الٹا پھیر دیا ان کے عمل کے سبب کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔

تفسیر: ﴿۸۸﴾ "فما لکم فی المنافقین فئتین"

فی المنافقین فئتین کا شان نزول

اس کے نزول کے سبب میں آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت کا نزول جنگ اُحد میں پیچھے رہنے والے منافقین کے بارے میں ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد سے واپس تشریف لائے تو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان کو قتل کر دو کیونکہ یہ منافقین ہیں اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو درگزر فرمایئے کیونکہ یہ زبان سے اسلام والا کلام کرتے ہیں۔

حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ اُحد کے لیے نکلے ان میں سے دو جماعتیں تھیں ایک جماعت وہ تھی جو یہ کہتے کہ ہم آپ کے ساتھ جہاد کے لیے جائیں گے اور ایک جماعت تھی وہ کہتے تھے کہ ہم نہیں جاتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "فما لکم فی المنافقین فئتین واللہ ارکسھم بما کسبوا" اور بعض نے کہا کہ وہ ایسے پاک ہوئے جیسے آگ چاندی کو چمکا دیتی ہے۔

اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کچھ لوگ مدینے آئے اور اسلام لائے، پھر مرتد ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ واپس جا کر اپنا تجارتی مال لانے کی اجازت طلب کی اور چلے گئے اور وہیں رہنے لگے۔ ان لوگوں کے متعلق مسلمانوں کی دو رائے ہو گئیں۔ بعض مسلمان کہتے کہ وہ منافق ہو گئے اور بعض مسلمان کی رائے یہ تھی کہ وہ مومن ہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ کچھ

قریش مدینہ آ کر مسلمان ہو گئے پھر ان کو پشیمانی ہوئی اور تفریح کرنے والوں کے طریقے پر مدینہ سے باہر نکل گئے۔ جب مدینہ سے دور ہو گئے تو وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ ہم اپنے سابقہ ایمان پر قائم ہیں مگر مدینہ کے اندر ہمارے پیٹ میں بیماری لگ گئی تھی اور اپنے وطن کا بھی شوق غالب آ گیا کچھ مدت کے بعد یہ لوگ تجارت کے لیے ملک شام گئے۔ مسلمانوں کو ان کی روانگی کی اطلاع مل گئی اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ ہم کو چاہیے کہ ہم جا کر ان سے لڑیں اور ان کو لوٹ لیں کیونکہ وہ ہمارے دین سے پھر گئے ہیں۔ دوسروں نے کہا کہ ہم ایسے لوگوں سے جو تمہارے مذہب پر ہیں صرف اس وجہ سے کیسے لڑ سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنی بستیاں نہیں چھوڑیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ قوم مکہ میں اسلام لائی۔ پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت نہیں کی اور مشرکوں کی مدد کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "فما لکم" "اے مؤمنین کی جماعت!" "فی المنافقین فئتین" یعنی وہ ہو گئے دو گروہ "واللہ ارکسھم" "اور ان کو کفر کی طرف لوٹا دیا۔ "بما کسبوا" "ان کے اعمال کی وجہ سے یعنی مرتد ہونے کی وجہ سے۔ "اتریدون ان تھدوا" "کہ تم ارادہ کرتے ہو کہ ہدایت یافتہ بن جاؤ۔ "من اضل اللہ" بعض نے کہا کہ کیا یہ لوگ راہ ہدایت پائیں گے حالانکہ اللہ نے ان کو گمراہ کر دیا ہے۔ "ومن یضلل اللہ" جیسے کافروں کو ان کی ہدایت سے گمراہ کر دیا۔ "فلن تجدلہ سبیلا" حق تک پہنچانے والا راستہ نہیں ملے گا۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

ترجمہ: وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی کافر بن جاؤ جس میں تم اور وہ سب ایک طرح کے ہو جاؤ سو ان میں سے کسی کو دوست مت بنانا جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں اور اگر وہ اعراض کریں تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ اور نہ ان میں سے کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے یا خود تمہارے پاس اس حالت سے آویں کہ ان کا دل تمہارے ساتھ اور نیز اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے منقبض ہو اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑنے لگتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی۔

تفسیر ⑧٩ "ودوا" تم تمنا کرتے ہو جس طرح وہ اپنے مذہب کی طرف لوٹ گئے تم بھی لوٹو۔ "لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء" کفر میں وہ برابر ہیں۔ جواب تمنی کی نہیں ہے کیونکہ جواب تمنی کی فاء منصوب ہوتی ہے بلکہ یہاں نسق مراد ہے۔ وہ تمنا کرتے ہیں کہ کافر ہو جائیں اور وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایسے ہو جائے ان کے برابر ہو جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ودوا لو تدھن فیدھنون"...... "فلا تتخذوا منھم اولیاء" ان کے ساتھ موالات لینی دین سے منع فرما دیا۔ "حتٰی یھاجروا فی سبیل اللّٰہ" یہاں تک کہ وہ آپ کے ساتھ ہجرت نہ کرلیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے یہ ایک اور ہجرت ہے۔ ہجرۃ کی تین قسمیں۔ ایک ہجرت جو سب سے پہلے مؤمنین نے کی ابتداءِ اسلام میں۔ جیسا کہ "للفقراء المھاجرین" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "ومن یخرج من بیتہ مھاجراً الی اللّٰہ ورسولہ" اور اس طرح اور آیات میں اس ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور ان تمام آیات سے مؤمنین کی ہجرت کرنا معلوم ہوتا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا نکلنا۔ اس آیت میں مؤمنین کو منافقین کے ساتھ موالات سے منع فرمایا ہے اس وقت تک کہ جب تک آپ کے ساتھ ہجرت نہ کریں اور تمام مؤمنین کی ہجرت اللہ کی منع کردہ چیزوں سے رُکنا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اہل مہاجر وہ ہے جو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منع کردہ اشیاء سے رُکا ہو۔ "فان تولوا" اگر وہ اعراض کریں توحید اور ہجرت سے۔ "فخذوھم" ان کو پکڑ کر قیدی بنالو اس سے کہا جاتا ہے "الاخیذ" پکڑے ہوئے غلام کو۔ "واقتلوھم حیث وجدتموھم" حل اور حرم میں۔ "ولا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیراً" پھر اس سے ایک جماعت کا استثناء کیا۔

⑨٠ "الا الذین یصلون الی قوم" یہاں سے ان لوگوں کا استثناء ہے جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے باقی موالات کفار و منافقین کے ساتھ جائز نہیں۔ "یصلون" کا معنی ہے جو منسوب کرتے ہیں اور تمہارے ساتھ اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں یا عہد میں اپنے آپ کو تمہارے ساتھ شامل کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اس سے مراد وہ قوم ہے جو تمہارے ماتحت ہے۔ "بینکم وبینھم میثاق" یعنی ان کے اور تمہارے درمیان عہد ہے اور وہ اپنے آپ کو تمہارے حوالے کرنے والے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن عویمر کے ساتھ عہد کیا تھا مکہ سے نکلنے سے پہلے۔ یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہلال نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے گا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی مدد کرے گا اور ہلال کے پاس اگر کوئی شخص اس کے قبیلے کا ہو یا غیر پہنچ کر پناہ پکڑ لے تو ہلال کی طرح وہ بھی مامون رہے گا۔ ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس قوم کے درمیان عہد ہوا تھا وہ بنی بکر بن زید بن مناۃ تھا ان کے ساتھ صلح کی تھی۔ مقاتل کا بیان ہے کہ بنی خزاعہ تھے۔

"او جاء وکم" یعنی وہ تمہاری معاہدہ رکھنے والی قوم کے پاس پہنچ جائیں۔ "حصرت صدورھم" ان کے سینے تنگ ہو جائیں۔ حسن اور یعقوب کی قرأت میں "حصرۃً" ہے۔ منصوب ہے ان کے سینے تنگ ہیں۔ یہ بنو مدلج قوم کے لوگ تھے ان کا قریش کے ساتھ معاہدہ تھا کہ ان کے ساتھ لڑیں گے نہیں۔ حصرت کا معنی ہے تنگ دل ہونا۔ "ان یقاتلوکم" ان دونوں فریقوں کے درمیان عہد تھا کہ وہ آپس میں لڑیں گے نہیں۔ "او یقاتلوا قومھم" جنہوں نے ان سے امان طلب کیا اور یہ بھی

درست ہے کہ اس کا معنی یہ کیا جائے کہ نہ یہ کسی دوسری قوم کے ساتھ مل کر تم سے جہاد کریں گے اور نہ ہی تم کسی دوسری قوم کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔ یعنی قریش کے بیٹے ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کو پسند نہیں کرتے جن کے ساتھ معاہدہ ہوا۔ بعض نے کہا کہ او بمعنی واؤ کے ہے گویا کہ انہوں نے یوں کہا کہ ان کا اور ان کا آپس میں معاہدہ ہے یا ان کا آپس میں لڑنا ناپسند ہے یہ قوم ہلال اسلمیون کی ہے اور بنو بکر کی جماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مرتدین کے ساتھ قتال کرنے سے منع فرمایا جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا ہو کیونکہ شرعی اُصول ہے کہ جو قوم کسی سے معاہدہ کر لیتی ہے تو اس معاہد قوم کا وہی حکم ہے جو اس کا ہے۔ اس کا خون، عزت و آبرو محفوظ ہو جاتی ہے۔ ”ولو شاء اللّٰہ لسلطھم علیکم فلقاتلوکم“ یہاں پر مسلمانوں کے اوپر احسان کا تذکرہ کیا کہ ہم نے تم پر احسان کیا ان کے ساتھ معاہدہ کروا کر کہ ان کے دلوں کو تمہارے خوف دلوا کر تمہارے ساتھ لڑنے سے باز رکھا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تمہارے ساتھ لڑتا ”فان اعتزلوکم“ تم ان سے کنارہ کشی کرو گے۔ ”فلم یقاتلوکم“ اور وہ تم سے نہ لڑیں یا کسی اور قوم کے ساتھ مل کر تم سے لڑیں۔ ”والقوا الیکم السلم“ سلم سے مراد صلح ہے۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔ ”فما جعل اللّٰہ لکم علیھم سبیلا“ قتل اور قتال کا طریقہ۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَیُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَیَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا (۹۱)

ترجمہ: بعض ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم سے بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں جب کبھی ان کو شرارت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو اس میں جا گرتے ہیں اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو تم ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے۔

تفسیر: (۹۱) ”ستجدون اٰخرین“ کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بنی اسد اور بنی غطفان کے تھے۔ مدینہ میں آ کر رہنے لگے تھے دکھاوے کے لیے اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے مگر وہ حقیقت میں مسلمان نہیں تھے جب ان میں سے کسی سے اس کی قوم والے کہتے تھے کہ تو کیوں مسلمان ہو گیا تو جواب دیتا کہ میں اس بندر اور بچھو پر ایمان لایا ہوں لیکن جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کی ملاقات ہوتی تو کہتے ہم آپ کے دین پر ہیں۔ اس دو طلے پن سے ان کا یہ مقصد ہوتا تھا تاکہ دونوں طرف سے بے خطر ہو جائیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ بنو عبدالدار ہیں جو اس صفت کے حامل تھے۔ ”یریدون ان یامنوکم“ ان کے ساتھ کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ ”ویامنوا قومھم“ اور وہ اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہے۔ ”کلما ردوا الی الفتنۃ“ جب بھی ان کو شرک کی دعوت دی

جاتی۔ "ارکسوا فیہا" تو وہ لوٹ جاتے شرک کی طرف۔ "فان لم یعتزلوکم" اگر وہ تمہارے ساتھ قتال سے نہ رکیں یہاں تک کہ وہ مکہ کی طرف چلے جائیں۔ "ویلقوا الیکم السلم" یعنی تم سے اقادہ اور صلح کرنا چاہتے ہیں۔ "ویکفوا ایدیھم" اور وہ اپنے ہاتھوں کو قتال سے نہ روکیں۔ "فخذوھم" ان کو تم قید کرلو "واقتلوھم حیث ثقفتموھم" جہاں وہ تمہیں پائیں۔ "واولئکم" اس صفت کے ساتھ جتنے موصوف ہیں۔ "جعلنا لکم علیھم سلطانا مبینا" وہ دلیل و حجت جو ظاہر ہے یعنی قتل و قتال۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

ترجمہ: اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے لیکن غلطی سے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو حوالہ کر دی جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا پھر جس شخص کو نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑے حکمت والے ہیں۔

وما کان لمؤمن کی آیت کا شان نزول

تفسیر: ۹۲ "وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا" یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ ہجرت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لے آیا پھر اس کو اندیشہ ہوا کہ گھر والوں سے میرا مسلمان ہونا مخفی نہیں رہے گا اس لیے بھاگ کر مدینہ چلا گیا اور وہاں پہنچ کر ایک گڑھی میں قلعہ بند ہو گیا۔ عیاش کے جانے کے بعد اس کی ماں کو بڑی بے تابی ہوئی اور اس نے اپنے دونوں بیٹوں ابوجہل اور حارث سے (جو ہشام کے نطفے سے تھے) کہا اللہ کی قسم جب تک تم عیاش کو نہ لاؤ گے میں کسی چھت کے سایہ میں نہ جاؤں گی نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔ ماں کی قسم سن کر دونوں عیاش کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور حارث بن زید بن ابی انیسہ بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ عیاش کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ گڑھی میں پہاڑی پر قلعہ بند ہے۔ اس سے کہا تم نیچے آ جاؤ تمہارے بعد تمہاری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تم نہ پہنچ جاؤ گے وہ سایہ میں نہ جائے گی اور نہ کچھ کھائے پیئے گی اور ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم کو کسی بات پر مجبور نہیں کریں گے نہ تمہارے مذہب سے تم کو

روکیں گے۔ جب ان لوگوں نے ماں کی بے تابی کا ذکر کیا اور اللہ کی قسمیں کھائیں تو عیاش گڑھی سے اُتر آیا، یہ لوگ اس کو مدینہ سے نکال کر لے چلے۔ پھر ان کو کوڑے سے باندھ دیا اور ہر ایک نے سو سو درے اس کو مارے اور ماں کے پاس پہنچا دیا۔ ماں نے دیکھ کر کہا خدا کی قسم میں تیری بندش اس وقت تک نہیں کھولوں گی جب تک تو اس چیز کا انکار نہ کر دے جس پر ایمان لایا ہے۔ پھر اس کو اسی طرح بندھا ہوا دھوپ میں ڈال دیا جب تک اللہ کی مشیت تھی وہ پڑا رہا، آخر کار جو لوگ چاہتے تھے عیاش نے وہی کر دی اور عیاش کو کھول دیا، اتنے میں حارث بن زید آ گیا اور وہ بولا کیا یہی وہ بات تھی جو تو نے اختیار کی تھی (یعنی تھوڑی سی تکلیف کی وجہ سے وہ تم نے چھوڑ دی) خدا کی قسم! جس بات کو تو نے اختیار کیا تھا اگر وہ ہدایت تھی تو تو نے ہدایت چھوڑ دی اور اگر وہ گمراہی تھی تو تو اب تک گمراہی پر تھا۔ عیاش کو اس کی بات پر غصہ آیا اور کہنے لگا خدا کی قسم! اگر تنہائی میں تو میرے ہاتھ لگ گیا تو تجھے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ کچھ دنوں کے بعد عیاش پھر مسلمان ہو گئے اور مکہ کو چھوڑ کر مدینہ چلا گیا۔ عیاش کے کچھ دنوں کے بعد حارث بن زید بھی مسلمان ہو گیا اور ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حارث کے پہنچنے کے وقت عیاش وہاں موجود نہ تھا اس کو حارث کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی۔

ایک روز عیاش قبا کے باہر جا رہا تھا کہ سامنے سے حارث آ گیا۔ عیاش نے حارث کو قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا ارے تو نے یہ کیا کیا حارث تو مسلمان ہو گیا تھا یہ سنتے ہی عیاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا اور حارث کا یہ واقعہ ہوا ہے اور آپ واقف ہیں کہ مجھے اس کے مسلمان ہونے کا علم نہ تھا اور اس لاعلمی میں میں نے اس کو مار ڈالا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنًا الا خطأً" اس آیت میں مومن کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ "وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللّٰہ"..... "الا خطأً" استثناء منقطع ہے لیکن اگر خطاء ہو۔ "ومن قتل مؤمنا خطأً فتحریر رقبة مؤمنة" اس پر ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ "ودیة مسلمة" یہ اس کی کامل دیت ہے۔ "الی اھلہ" مقتول کے ورثاء کو۔ "الا ان یصدقوا" دیت کو صدقہ کر دیں یعنی دیت معاف کر دیں یا مرنے سے پہلے مقتول معاف کر دے۔ "فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبة مؤمنة" اس سے مراد یہ ہے کہ اگر مسلمان دار الحرب میں رہ رہا ہو کفار کے ساتھ اس کو مسلمان مار ڈالیں اور اس کے اسلام کا مسلمانوں کو پتہ نہ ہو تو اس پر دیت نہیں ہے۔ البتہ کفارہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی مسلمان مقتول پایا جائے دار الاسلام میں لیکن وہ کافر خاندان سے تعلق رکھتا تھا یعنی اس کا خاندان کنبہ کافر تھا اور وہ دار الحرب میں تھا جس سے مسلمانوں کی جنگ تھی جیسے حارث بن زید تھے اس صورت میں قتل کا کفارہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اس پر دیت واجب نہیں کیونکہ مسلمانوں کا اس سے کوئی معاہدہ نہیں۔ (اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے مسلمان اور کافر کے درمیان وراثت بھی جاری نہیں ہوتی)۔

"وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیة مسلمة الی اھلہ وتحریر رقبة مؤمنة" اس سے مراد جب کافر مقتول ذمی ہو یا معاہد ہو تو پھر اس پر دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

کفارہ ایک مؤمن گردن آزاد کرواتا ہے۔ برابر ہے کہ مقتول مسلم ہو یا معاہد ہو۔ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام اور قاتل کے مال میں سے ہو۔ ”فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین“ قاتل اگر گردن آزاد کرنا پائے یا اس کو حاصل کرنے کی قدرت ہو یا اس طور پر کہ اس کے ثمن پر قادر ہے اور وہ ثمن اس کے اہل وعیال کے خرچ سے زائد ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ غلام کو خرید کر آزاد کرے۔ اس صورت میں وہ روزے نہیں رکھ سکتا۔ ہاں اگر وہ اس غلام کو حاصل کرنے سے عاجز آ جائے تو پھر دو ماہ کے روزے لگاتار رکھے۔ اگر دوران روزہ دو ماہ کے درمیان جان بوجھ کر توڑ دیا کسی ایک روزے میں نیت کرنا بھول گیا یا دوسرے روزے کی نیت کرلی تو اس پر دوبارہ از سر نو روزے رکھنے پڑیں گے۔ اگر ان کے روزوں میں ایک دن کا وقفہ آ گیا کسی مرض یا سفر کی وجہ سے تو پھر اس کے بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے کہ کیا وہ از سر نو روزے رکھے گا یا نہیں؟ اس بارے میں بعض کا قول ہے کہ وہ اس طرح از سر نو روزے رکھے گا۔ یہ قول امام نخعی، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ از سر نو روزے نہ رکھے بلکہ جہاں سے اس نے چھوڑے ہیں وہاں سے آگے رکھے۔ یہ قول سعید بن المسیب، حسن و شعبی رحمہم اللہ کا ہے۔ اگر عورت ان دو ماہ کے روزوں کے درمیان حائضہ ہوگئی تو ایام حیض میں افطار کرے گی۔ اس کی لگاتار ترتیب منقطع نہیں ہوگی۔ جب وہ پاک ہو جائے تو جہاں سے اس نے روزے چھوڑے تھے وہیں سے دوبارہ رکھنا شروع کر دے کیونکہ عورتوں کے بارے میں عام طور پر اس کام سے نہیں بچ سکتے۔ اگر وہ شخص دو ماہ روزے رکھنے سے عاجز آ جائے تو اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہی ہے کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے جیسا کہ مسئلہ ظہار میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان روزوں سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتا کیونکہ ان کا بدل ذکر نہیں کیا۔ ”فصیام شھرین متتابعین“ کی قید موجود ہے۔ ”توبۃ من اللہ“ یہ قتل خطاء کے قاتل کی توبہ ہے۔ ”و کان اللہ علیما“ جو خطاء قتل کردے۔ ”حکیما“ جو تمہارے اوپر حکم لگایا ہے۔

دیت اور قتل کے احکام

دیت کے متعلق بعض حضرات نے یہ کلام کیا ہے کہ قتل کی تین اقسام ہیں۔ عمد محض: شبہ عمد، خطاء محض۔

عمد محض وہ ہے کہ ایک انسان دوسرے کو ایسے آلہ سے قتل کرنے کا ارادہ کرے جس سے عام طور پر دوسرے انسان کو قتل کیا جاتا ہے۔ اس میں قصاص ہے یا دیت مغلظہ ہے۔

شبہ عمد: وہ ہے کہ ایسی چیز سے کسی کو مارنا جس سے عام طور پر انسان مرتا نہیں اس طور پر کہ وہ چھوٹی لاٹھی سے مارے یا چھوٹے پتھر سے مارے ایک دفعہ مارے یا دو مرتبہ اور وہ مر گیا تو اس پر قصاص نہیں بلکہ اس پر دیت مغلظہ ہے جو تین سال تک ادا کرے گا۔

خطاء محض: کسی انسان کو دوسرے کے قتل کا ارادہ نہ ہو بلکہ وہ کسی اور چیز کا ارادہ کر رہا تھا تو وہ تیر اس شخص کو جا کے لگا جس سے وہ مر گیا۔ اس پر قصاص نہیں۔ البتہ اس کے عاقلہ پر دیت مخففہ ہے جو وہ تین سال تک ادا کریں گے اور اس پر کفارہ واجب ہوگا مختلف انواع سے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل عمد کی صورت میں کفارہ واجب نہیں کیونکہ یہ تمام کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ ہے اور آزاد مسلمان کی دیت سو اونٹ ہے۔ اگر وہ اونٹ نہ پائے تو دراہم و دنانیر سے اس کی دیت ادا کرے گا۔

اور بعض حضرات کے نزدیک دینار سے اس کی دیت ادا کی جائے گی ان کے ہاں ایک ہزار دینار ادا کیے جائیں گے یا بارہ سو دینار ادا کیے جائیں گے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرض دیت سونے چاندی والوں میں سے ہزار دینار اور چاندی میں سے بارہ ہزار درہم اور بعض حضرات کے نزدیک واجب دیت سو اونٹ ہیں یا ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم۔ یہ قول عروۃ بن زبیر حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اور یہی قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک ایک سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں۔ یہ سفیان ثوری اور اصحاب الرائی کا مذہب ہے اور عورت کی دیت مرد کی نصف دیت پر ہے اور اہل ذمہ اور معاہد کی دیت مسلمان کی تہائی دیت کے برابر ہے۔ اگر وہ کتابی ہو اور اگر وہ مجوسی ہو پھر دیت کا پانچواں حصہ اس پر واجب ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ یہ قول سعید بن المسیب و حسن بصری کا ہے اور اسی طرف امام شافعی رحمہ اللہ گئے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک ذمی اور معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے اور روایت کیا گیا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور یہ قول سفیان ثوری اور اصحاب الرائی کا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔ یہ قول عمر بن عبدالعزیز کا ہے۔ یہی قول امام مالک، امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

عمد محض میں دیت اور شبہ عمد میں دیت مغلظہ ہے۔ اس میں تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس خلفۃ ہیں۔ یہ قول عمر بن خطاب، زید بن ثابت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے اور یہی قول عطاء رحمہ اللہ کا ہے اور اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو کہ قتل عمد اور قتل خطاء جو کسی کو لاٹھی یا کوڑے سے مارے تو وہ مر جائے تو اس کی دیت سو اونٹ ہے۔ ان میں چالیس خلفۃ۔

اور بعض حضرات کے نزدیک دیت مغلظہ چار طرح ادا کی جائے گی۔ پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقہ اور پچیس جذعہ۔ یہ قول امام زہری اور ربیعہ کا ہے امام مالک، امام احمد اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ قتل خطاء کی دیت خفیف ہے اور وہ اس کے طریقے سے ادا ہوگی یعنی پانچ قسم کے اونٹ سے دینی ہوگی۔ بعض حضرات کے نزدیک بیس بنت مخاض اور بیس بنت لبون اور بیس ابن لبون اور بیس حقہ اور بیس جذعہ ادا کرنے ہوں گے۔ یہ قول امام زہری اور ربیعہ کا ہے اور یہی قول اصحاب الرائی کا ہے اور عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار کا بھی ہے اور امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض حضرات نے بنت لبون کی جگہ بنت مخاض کا ذکر کیا ہے۔ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور امام احمد اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا مذہب یہی ہے۔ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ قتل خطاء و شبہ عمد کی دیت عاقلہ پر ہے اور میت کے عاقلہ ذکر عصبات ہیں اور جنایت کرنے والے پر کوئی چیز نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقلہ پر دیت کو واجب قرار دیا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

ترجمہ اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کریں گے اور اس کے لئے بڑی سزا کا سامان کریں گے

تفسیر ۹۳ "ومن یقتل مؤمنا متعمدًا"

من یقتل مؤمنا کا شانِ نزول

یہ آیت مقیس بن حبابہ کندی کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اور اس کا بھائی ہشام اسلام لے آئے تھے ایک روز مقیس کو محلہ بنی نجار میں ہشام کی لاش ملی اور وہ خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ایک فہری شخص کو بھیج دیا اور بنو نجار کو کہلا بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اگر تم ہشام کے قاتل سے واقف ہو تو اس کو مقیس کے حوالے کر دو تاکہ وہ اپنے بھائی کا قصاص لے لے اور نہیں جانتے ہو تو ہشام کی دیت ادا کرو۔ فہری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا۔ بنی نجار نے جواب دیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سر آنکھوں پر، ہم کو ہشام کا قاتل تو معلوم نہیں ہاں ہم دیت ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مقیس کو سو اونٹ دے دیئے۔ مقیس اور فہری لوٹ آئے، راستے میں مقیس کو شیطان نے بہکایا، اس نے خیال کیا کہ اگر میں دیت لے کر بیٹھ رہوں گا تو یہ بڑی ذلت کی بات ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ میں فہری کو قتل کر دوں تاکہ جی کا بدلہ بھی ہو جائے اور دیت مزید رہے۔ چنانچہ اس نے فہری کو غافل پا کر زور سے ایک پتھر مارا اور اس کا سر پھاڑ دیا۔ فہری مر گیا۔ پھر اونٹ پر سوار ہو کر باقی اونٹوں کو ہنکا کر مکہ لے گیا اور مرتد ہو گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "ومن یقتل مؤمنا متعمدًا"...... "فجزاؤہ جھنم خالدًا فیھا" اس میں ہمیشہ رہے گا اس کے کفر وارتداد کی وجہ سے۔ اس سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اگر ابن خطل کعبہ کے پردے کے ساتھ چمٹا ہو تو پھر بھی اس کو قتل کر دو۔

"وغضب اللہ علیہ ولعنہ" اس کو رحمت سے دوری ہے۔ "واعدلہ عذابا عظیما" اس آیت کے حکم میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مؤمن کو عمداً قتل کرنے والے کے لیے توبہ نہیں۔ کہا گیا کہ کیا سورۃ فرقان میں یہ نہیں فرمایا گیا "ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق" سے لے کر "ومن یفعل ذلک یلق اثاما یضاعف لہ العذاب یوم القیامۃ ویخلد فیہ مھانا الا من تاب" اس آیت میں تو صراحتاً موجود ہے کہ قاتل کی توبہ قبول کی جائے گی اور توبہ کرنے والا قاتل دوامی سزا سے مستثنیٰ ہے۔ فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کا حکم ہے کہ اس وقت لوگ مشرک تھے جنہوں نے قتل وزنا کے جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ ہم کو جس بات کی دعوت دے رہے ہیں وہ ہے تو اچھی کاش! آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی بتلا دیجئے کہ جو کچھ ہم کر چکے ہیں یہ اس کا کفارہ ہو جائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "والذین لا یدعون مع اللہ الھا آخر ...... الا من ...... تاب ...... وامن" لیکن یہ

وہی لوگ ہیں باقی سورۃ نساء میں یعنی "فجزاء ہ جہنم خالدًا فیھا" آیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص مسلمان ہو گیا اور اسلام کے احکام سے اس کو واقفیت ہو گئی اور پھر اس نے مؤمن کو قتل کر دیا تو اس کی سزا جہنم ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہ آیت "والذین لا یدعون مع اللّٰہ الٰھًا اٰخر" نازل ہوئی تو ہم کو اس کی نرمی پر تعجب ہوا۔ سات مہینے ہم اسی حالت میں رہے اس کے بعد سورۃ نساء کی آیت سخت نازل ہوئی اور نرم حکم والی آیت منسوخ کر دی گئی لیکن اس آیت کو نرم حکم والی آیت کا ناسخ قرار دینا اور منسوخ ماننا صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آیت مکیہ ہے اور یہ مدنی ہے لہٰذا کوئی ناسخ و منسوخ نہیں اور یہی اکثر مفسرین کا قول ہے اور یہی مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے۔ مسلمان کا قاتل اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہے۔ لقولہ تعالیٰ "وانی لغفار لمن تاب واٰمن و عمل صالحًا" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "انّ اللّٰہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذٰلک لمن یشاء" اور جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ تشدید اور تغلیظ پر محمول ہے۔ جیسا کہ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ ان کے بارے میں مروی ہے کہ اگر کسی نے کسی کو بھی قتل نہیں کیا تو اس پر توبہ کرنا ضروری نہیں ہاں اگر کسی نے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس کے لیے توبہ کرنا ضروری ہے اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس آیت کا تعلق اس سے نہیں کہ جو شخص کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا تو وہ ہمیشہ جہنم میں داخل ہوگا کیونکہ اس آیت میں اس شخص کا ذکر ہے جو دوسرے کو کافر سمجھ کر قتل کر رہا ہو اور وہ مقیس بن حبابہ ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ "مخلد فی النار" کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہے جو کسی کو حلال سمجھ کر قتل کرے اور جو شخص مؤمن کو مؤمن سمجھتے ہوئے قتل کرے تو وہ کافر ہونے کے سبب ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فجزاء ہ جہنم خالدًا فیھا" اس کو بدلہ دیا جائے گا اگر وہ اس فعل کو جائز سمجھ رہا تھا لیکن اللہ کو اختیار ہے چاہے تو اس کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ چاہے جس کو بخش دے۔

عمرو بن عبید سے حکایت کی جاتی ہے کہ وہ عمرو بن العلاء کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ کیا اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا "ومن یقتل مؤمنًا متعمدًا فجزاء ہ جہنم خالدًا فیھا" ابو عمرو بن العلاء نے جواب دیا کہ کیا آپ عجم سے ہو کہ عرب لوگ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے بلکہ وہ وعدہ خلافی کو مذمت شمار کرتے ہیں۔ اس بات میں دلیل یہ ہے کہ شرک کے علاوہ کسی گناہ کی وجہ سے وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا جو کچھ ہم نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی قسم کا کوئی شرک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں وہ بدر کے دن حاضر ہوئے اور نقباء میں سے ایک تھے۔ "لیلۃ العقبہ" کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب آپ کے ارد گرد صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت موجود تھی، فرمایا کہ مجھ پر تم بیعت کرو اس شرط پر کہ تم شرک نہیں کرو گے، اللہ کے ساتھ اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ کسی پر جھوٹی تہمت باندھو گے جو تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان ہے اور نیکی کے کاموں میں نافرمانی نہیں کرو

گے جس نے ان کو پورا پورا کیا اس کا اجر اللہ کے پاس ہے جو شخص ان میں سے کسی کو پہنچ گیا اور اس کو دنیا میں سزا دی گئی تو وہ اس کا کفارہ بن جائے گی اور جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ پوشی کی تو وہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو وہ اس پر سزا دے اور چاہے تو بخش دے ہم نے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت کی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۹۴

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

یایھا الذین امنوا اذا ضربتم کا شان نزول

تفسیر ۹۴ "یا ایھا الذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا" کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کا نزول بنی مرہ بن عوف کے بارے میں ہوا۔ اس کا نام مرداس بن نہیک تھا اور وہ اہل فدک میں سے ہے یہ مسلمان ہوا تھا لیکن اس کی قوم والے اسلام نہیں لائے تھے۔ جب قوم والوں کو مسلمانوں کے آنے کی خبر ملی تو سب بھاگ گئے مگر مرداس چونکہ مسلمان تھا یہ وہیں مقیم رہا۔ جب سواروں کو دیکھا تو اسے ڈر ہوا کہ یہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے علاوہ کہیں اور کوئی نہ ہوں اس لیے اس نے اپنی بکریاں پہاڑ کے کسی محفوظ مقام میں پہنچا دیں اور خود پہاڑ پر چڑھ گیا، جب سوار آ ہی پہنچے اور مرداس نے ان کی تکبیر کی آواز سنی تو پہچان گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں فوراً کلمہ پڑھتا ہوا نیچے اتر آیا اور آ کر کہا السلام علیکم لیکن حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس پر تلوار چھوڑ دی اور قتل کر دیا اور بکریاں ہنکا کر لے گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوٹے اور واقعہ کی اطلاع دی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر سے بہت رنج محسوس ہوا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس کے مال کے لالچ میں اس کو مار ڈالا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لئے دعائے مغفرت کر دیجئے۔ فرمایا "لا الٰہ الا اللہ" کا کیا ہوگا یعنی اس نے تو کلمہ پڑھ لیا تھا پھر تم نے اس کو مار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ تین بار ارشاد فرمایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بار بار یہ ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے دل میں خیال کیا کہ کاش! میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔ آخر تین بار انکار کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے دُعائے مغفرت کردی اور فرمایا ایک غلام آزاد کردو۔

ابوظبیان کی روایت میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس نے تو ہتھیاروں سے ڈر کر کلمہ پڑھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا کہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کہا ہے یا نہیں۔

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بنی سلیم کے ایک شخص کے پاس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب گزرے۔ اس شخص کے ساتھ بکریاں تھیں اس شخص نے سلام کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ اس نے ہم پر سلام کیوں کیا مگر یہ کہ ہم سے پناہ مانگنا چاہتا تھا وہ کھڑے ہوئے اور اس کو قتل کردیا اور اس کی بکریوں کو پکڑ کر لے آئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں پہنچے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی "یا یھا الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل اللّٰہ" یعنی تم جب جہاد کے لیے جاؤ اللہ کے راستے میں "فتبینوا" حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ نے ان دونوں جگہوں پر اور سورۃ حجرات میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی تم کسی کو قتل کرنے سے اس وقت تک رُکے رہو جب تک کہ تمہیں معلوم نہ ہو جائے کہ یہ کافر ہے یا مسلمان اور دوسرے قراء نے یا اور نون "تبین" سے پڑھا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "تبینت الامر" جب اس کام میں غور و تأمل کیا جائے۔

"ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام" اسی طرح اہل مدینہ ابن عامر اور حمزہ نے پڑھا ہے۔ اس سے مراد معاذۃ ہے اور وہ اس کا قول "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" دوسرے حضرات نے السلام سے مراد تحیۃ السلام لیا ہے کیونکہ اس شخص نے مسلمانوں کے لشکر پر سلام بھیجا اور بعض نے کہا "السلم" اور "والسلام" واحد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم نہ کہو اس شخص کو مؤمن جو تم پر سلامتی بھیجے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان "لست مؤمنا تبتغون عرض الحیٰوۃ الدنیا" سے مراد اس کی بکریاں اور اس کا مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے "عرض الحیٰوۃ الدنیا" اس سے مراد دُنیا کے منافع اور اس کا سامان مراد ہے۔ "فعند اللّٰہ مغانم" اس سے مراد مال غنیمت ہے۔ "کثیرۃ" جو شخص مؤمن کے قتل کرنے سے ڈرا اس کے لیے کثیر ثواب ہے۔

"کذلک کنتم من قبل" سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح تم اپنے ایمان کو چھپاتے تھے مشرکین سے "فمن اللّٰہ علیکم" اسلام کے اظہار کے ساتھ تمہارے ساتھ احسان کیا۔ قتادہ نے اس مطلب کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ تم بھی پہلے اسی طرح گمراہ تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا اور لا الٰہ الا اللہ کہنے کی تم کو توفیق دی اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ ہجرت سے پہلے تم بھی اپنے ایمان کے ذریعے سے امن حاصل کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان والا معاملہ کیا کہ وہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ "فتبینوا" کہ تم مؤمن کو قتل کرو "ان اللّٰہ کان بما تعملون خبیرا" اگر مجاہدین اسلام کو کسی شہر یا بستی میں اسلام کی کوئی علامت نظر آجائے تو وہاں کے رہنے والوں کو قتل کرنے سے باز آجائیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بستی پر حملہ کرنا چاہتے تو اذان سنتے تو پھر اس بستی پر حملہ نہ کرتے اور اگر اس بستی سے اذان کی آواز نہ آتے تو

پھر اس پر حملہ کر دیتے۔ ابن عصام اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بستی پر حملہ کرنے کے لیے لشکر بھیجتے تو ارشاد فرماتے کہ اگر تم کو وہاں مسجد نظر آئے یا مؤذن کی آواز سن لو تو کسی کو قتل نہ کرنا۔

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾

ترجمہ: برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھے رہنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر عظیم دیا ہے۔

لایستوی القاعدون کا شان نزول

تفسیر ﴿۹۵﴾ "لایستوی القاعدون من المؤمنین" حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے مروان بن الحکم کو مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھا تو میں ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا اور مجھے خبر دی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ثابت سے کچھ لکھوا رہے تھے "لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون فی سبیل اللہ" کہ اچانک حضرت ابن اُم مکتوم آ گئے اور وہ یہ لکھ چکے تھے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں جہاد کی طاقت رکھتا تو ضرور جہاد کرتا۔ حضرت ابن اُم مکتوم نابینا شخص تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت ثابت بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران میری ران پر تھی اور نزول وحی کا میرے اوپر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری ران ٹوٹ نہ جائے۔ اس کے بعد وحی ختم ہوگئی "غیر اولی الضرر" یہ آیت جہاد کی فضیلت اور اس پر برانگیختہ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا "لایستوی القاعدون من المؤمنین" اس سے مراد جہاد سے برابری ہے۔ "غیر اولی الضرر" قراء اہل مدینہ، کسائی، ابن عامر نے راء کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں غیر بمعنی "الا" کے ہوگا۔ عبارت یہ ہوگی "الا اولی الضرر" اور دوسرے حضرات نے راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ "القاعدین" کی صفت ہوگی۔ مطلب یہ ہوگا کہ ایسے بیٹھے رہنے والے جو معذور نہ ہوں یا بیٹھے رہنے والے جو بیمار نہ ہوں خواہ وہ کمزوری بڑھاپے کی ہو یا کوئی اور ہو اندھا ہو۔ "والمجاهدون فی سبیل اللہ باموالهم وانفسهم" یعنی وہ مؤمن جو جہاد سے بیٹھے رہے بغیر عذر کے اور وہ مجاہدین جو اپنے جان و مال سے جہاد کرتے ہیں یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے لیکن جو لوگ کسی عذر کی وجہ سے جہاد میں نہ جا سکے لیکن ان کی نیت یہ تھی کہ وہ اگر

معذور نہ ہوتے تو ضرور جہاد میں شرکت کرتے۔ یہ حضرات ثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک واپس تشریف لائے اور مدینہ کے قریب تشریف لائے تو فرمایا مدینہ کے قریب کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جتنی مسافت تم نے طے کی اور جس وادی کو تم نے قطع کیا وہ برابر تمہارے ساتھ رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا۔ کیا مدینہ میں رہتے ہوئے فرمایا، ہاں وہ مدینہ میں ہی رہے ان کو عذر نے روک رکھا تھا۔ قاسم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بدر کو جانے والے اور بدر کو نہ جانے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

"فضل اللّٰہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ" درجہ سے مراد فضیلت ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں قاعد سے مراد اولی الضرر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو فضیلت دی ہے ایک درجہ کیونکہ مجاہدین نے کفار کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور اولی الضرر لوگوں کو جہاد کرنے کی نیت تھی لیکن وہ کافروں سے نہیں ملے اس لیے ان کا ایک درجہ کم ہے۔ "وکلًّا وعد اللّٰہ الحسنٰی" ان کے ایمان کے سبب ان کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد مجاہد اور قاعد سے مراد معذور شخص ہے۔ "وفضل اللّٰہ المجاھدین علی القاعدین اجرًا عظیمًا" بیٹھنے والوں پر جن کے ساتھ کوئی عذر نہیں تھا۔

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

(ترجمہ) یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں۔

درجات سے کیا مراد ہے؟

(تفسیر) ﴿۹۶﴾ ابن محیریز نے اس آیت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد ستر درجات ہیں اور ہر درجہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ تیز رفتار گھوڑا ستر سال چلتا رہے۔ بعض نے کہا کہ درجات سے مراد اسلام، جہاد، ہجرت، شہادت جس پر مجاہدین فائز ہوتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے سعید! جو شخص اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو، اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو، اس کے لیے جنت واجب ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر تعجب ہوا اور دوبارہ ارشاد کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرما دیا۔ پھر فرمایا ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ جنت کے اندر بندے کے سو درجے بلند فرمائے گا اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنی اونچائی ہوگی جیسے آسمان کی زمین سے ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کیا بات ہے؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد، اللہ کی راہ میں جہاد۔ یہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اور نماز قائم کرتا ہے اور رمضان کے روزے رکھتا ہے تو اللہ عزوجل پر حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کردے خواہ اس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہو یا بیٹھا رہا ہو۔ اس زمین میں جس میں وہ پیدا کیا گیا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا لوگوں کو ہم یہ خوش خبری نہ سنادیں؟ فرمایا جنت میں سو درجات ہیں جو اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جیسے آسمان و زمین کے درمیان جب تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو یہ اوسط اور اعلیٰ جنت ہے اس سے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور عرش سے ہی جنت کے دریا نکلتے ہیں۔

جان لو کہ جہاد فی الجملہ فرض ہے۔ علاوہ اس بات کے کہ اس کی دو اقسام ہیں فرض عین اور فرض کفایہ۔ فرض عین وہ جہاد ہے کہ کفار لوگ مؤمنین کے گھروں میں داخل ہو جائیں تو اس صورت میں مردوں میں سے جو کوئی معذور نہیں تھا اور نہ ہی کوئی عذر تھا تو دشمن کی طرف ان کا خروج ضروری ہے خواہ وہ بندہ آزاد فقیر ہو یا غنی۔ اپنے آپ سے ان کو دور کرنے کی وجہ سے اور اپنے پڑوسیوں سے ان کو دور کرنے کی وجہ سے۔ ان لوگوں کے بعد جو پیچھے رہ گئے ہوں ان کے لیے جہاد فرض علی الکفایہ ہے۔ اگر کوئی جہاد کفایہ پورا نہ کرتا ہو تو اس صورت میں مؤمنین کے لیے لازمی ہے کہ مجاہدین کی مدد کریں۔ اگر ان کے ساتھ اور مجاہدین بھی شامل ہو گئے اور ان کو فتح حاصل ہو جاتی ہے تو پھر دور والوں کے لیے فرض کفایہ ہے۔

اس حکم میں غلام شامل نہیں اور اسی طرح فقراء بھی شامل نہیں۔ جہاد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے شہر میں کفار کو جنگ کرنے کی جرأت نہ ہو اس لیے امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر سال کسی جانب کوئی لشکر بھیجا کرے تاکہ کوئی سال جہاد سے خالی نہ ہو اور نہ ہی وہ اس سے معطل ہو سکے اور صاحب طاقت کو اختیار ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہونے کے باوجود بھی وہ جہاد سے بیٹھا نہ رہے لیکن اس شخص پر جہاد فرض نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں جہاد کرنے والوں اور بیٹھے رہنے والوں کو ثواب کا اعلان کیا ہے۔ "وفضلا وعدالله الحسنىٰ" اگر یہ فرض کفایہ نہ ہوتا تو بیٹھنے والوں کو مستحق عذاب قرار دیا جاتا نہ کہ ثواب کا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾

(ترجمہ) بیشک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے کو گناہگار کر رکھا تھا وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے وہ کہتے ہیں کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم کو ترک وطن کر کے اس میں چلا جانا چاہیے تھا سو ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جانے کے لئے وہ بری جگہ ہے لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ راستہ سے واقف ہیں۔

ان الذین توفھم الملائکۃ ظالمی کا شان نزول

تفسیر ۹۷ "ان الذین توفھم الملائکۃ ظالمی انفسھم" یہ اہل مکہ کے کچھ لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے اسلام قبول کیا لیکن ہجرت نہیں کی۔ ان میں قیس بن ولید بن مغیرہ اور ان کے مشابہ ہم عصر ہیں۔ جب مشرکین بدر کی طرف نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ نکلے تو کافروں کے ساتھ مارے گئے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے "انّ الذین توفاھم الملائکۃ" ملائکہ سے مراد ملک الموت اور ان کے ساتھی ہیں یا اکیلے ہی ملک الموت ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے "قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم" عرب کے ہاں یہ مشہور ہے کہ واحد کو جمع کے ساتھ پکارتے ہیں۔ "ظالمی انفسھم" ظلم سے مراد شرک ہے یہ منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے۔ عبارت یوں ہوگی علی حال ظلمھم بعض نے کہا مقام سے مراد شرک ہے۔ اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد اسلام کو قبول نہیں کرتا مگر ہجرت کے ساتھ۔ پھر ہجرت کا حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی بدر کے دن مارے گئے۔ ملائکہ نے ان کے چہروں اور پشتوں پر ضرب کاری لگائیں اور ان کو کہا تم کس کام میں تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "قالوا فیم کنتم" کہ تم کس حال میں تھے کہ تم ان دونوں فریقوں میں سے کس کے ساتھ تھے کیا مسلمانوں کے ساتھ تھے یا مشرکین کے ساتھ۔ یہ سوال بطور توبیخ کے کرتے اور ان کو عار دلاتے پھر وہ عذر پیش کرتے اپنی کمزوری کا کہ ہم مشرکین سے جدا نہیں ہو سکتے تھے۔ "قالوا کنا مستضعفین" مستضعفین سے مراد عاجز ہیں۔ "فی الارض" مکہ کی سرزمین میں۔ "قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا" مدینہ کی طرف ہجرت۔ مشرکوں کے درمیان سے نکل کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی اور ان کی تکذیب کا علم ان کو بتلا دیا اور فرمایا "فاولئک ماواھم" اس سے مراد ٹھکانا ہے۔ "جھنم وساءت مصیرا" ان کا برا ٹھکانا جہنم کی طرف لیکن معذورین کا ان سے استثناء کیا ہے اور ارشاد فرمایا۔

۹۸ "الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ" نہ وہ کسی حیلہ پر قادر ہیں اور نہ ہی وہ نفقہ پر قادر ہیں اور نہ ان کو وہاں سے نکلنے کی قدرت حاصل ہے۔ "ولا یھتدون سبیلا" اور نہ ہی وہ راستے سے واقف ہیں کہ مدینہ کو کون سا راستہ جاتا ہے۔

فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُمْ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَۃً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

ترجمہ: سو ان کے لئے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے مغفرت کرنے

والے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش
اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کر کھڑا ہو کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آ پکڑے تب
بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑے رحمت والے ہیں

تفسیر ⑨⑨ "فاولٰئک عسی اللہ ان یعفوا عنھم" جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اللہ سے اُمید رکھنا واجب ہے کیونکہ یہ بھی ایک خواہش ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی بندہ خواہش کرتا ہے اللہ اس کو عطا کر دیتا ہے۔ "و کان اللہ عفوًا غفورًا" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اور میری ماں ان میں سے تھی جن کو عذر لاحق تھا یعنی "مستضعفین" میں سے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان جیسے "مستضعفین" کے لیے نماز میں دُعا کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم کے لیے دُعا کرتے تو رکوع کے بعد اس کے لیے دُعا کرتے اور کبھی اس طرح کرتے "سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد" عشاء کی نماز میں آخری رکعت کے رکوع کے بعد یہ دُعا کرتے تھے۔ اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! ولید کو نجات دے۔ اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات دے۔ اے اللہ! قبیلہ مضر کو سخت پامال کر دے۔ اے اللہ! ان کے سالوں کی طرح (قحط) کے بنا دے۔

⑩⑩ "ومن یھاجر فی سبیل اللہ ...... تا ...... کثیراً وسعۃ" علی بن ابی طلحہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ "مراغمًا" کا معنی ہے منتقل ہونے کی جگہ جہاں منتقل ہو کر جاسکے۔ مجاہد نے کہا "مراغمًا" یعنی ناگوار اُمور سے ہٹنے کا مقام۔ ابوعبیدہ نے کہا "مراغمًا" یعنی ہجرت کا مقام۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "راغمت قومی و ھاجرتھم" میں نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا مضطرب اور مذہب پر بھی بولا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کو مہاجرۃ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی ناک خاک آلود کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی مرضی کے خلاف ترک وطن کر کے چلا جائے۔ بعض نے کہا کہ گمراہی سے ہدایت کی طرف چلنا۔

روایت کیا گیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو قبیلہ بنی لیث کے ایک بہت بوڑھے بیمار شخص نے۔ جس کا نام جندع بن ضمرہ تھا۔ اس کو سن کر کہا خدا کی قسم میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کا اللہ نے استثناء کر دیا۔ مجھے تدبیر بھی آتی ہے اور میرے پاس اتنا مال بھی ہے کہ میں مدینہ تک بلکہ مدینہ سے بھی دور پہنچ سکتا ہوں۔ بخدا آج رات میں مکہ میں نہیں گزاروں گا مجھے مکہ سے باہر نکال لے چلو۔ چنانچہ ایک چارپائی پر ڈال کر لوگ اُٹھا کر مکہ سے تنعیم تک لے آئے۔ تنعیم میں پہنچ کر اس کا پیام موت آ گیا تو تالی بجا کر بولا اے اللہ! یہ تیرے اور تیرے رسول کے لیے ہے میں تجھ سے وہی عہد کرتا ہوں جو تیرے رسول نے تجھ سے کیا ہے اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا اگر وہ مدینہ تک پہنچ جاتا تو اس کا ثواب بالکل پورا اور کامل ہو جاتا۔ مشرک یہ حالت دیکھ کر ہنسنے اور کہنے لگے اس کا مقصد پورا نہ ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ومن یخرج من بیتہ مھاجراً الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت" وہاں پہنچنے سے پہلے "فقد وقع" اس پر واجب ہے۔ "اجرہ علی اللہ" اس نے جو اپنے اوپر لازم کیا یعنی ہجرت کی تو اس کو فضیلت ملی۔ "و کان اللہ غفوراً رحیمًا"

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کردو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں

تفسیر: ⑩ "واذا ضربتم فی الارض" جب تم زمین پر سفر کرو "فلیس علیکم جناح" تو اس میں تمہارے لیے کوئی حرج ہے اور نہ ہی کوئی گناہ۔ "وان تقصروا من الصلوٰۃ" یعنی چار رکعتوں کے بدلے میں دو رکعتیں ادا کرنا اور یہ ظہر، عصر، عشاء کی نماز میں ہوسکتا ہے۔ "ان خفتم ان یفتنکم" مال لوٹنے سے یا قتل کرنے سے تمہیں خوف ہو۔ "الذین کفروا" نماز میں تمہیں یہ خوف ہو اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "علی خوف من فرعون وملئھم ان یفتنھم" یعنی ان کو تم قتل کرو گے۔ "ان الکافرین کانوا لکم عدوًا مبینًا" ان کی دشمنی ظاہر ہوگی۔ سفر میں نماز کی قصر کرنا بالاجماع جائز ہے۔

سفر میں نماز کی قصر کا حکم

سفر میں نماز کو پورا کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک قصر واجب ہے یہ قول عمر، علی، ابن عمر، جابر، ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور حسن بصری عمر بن عبد العزیز، قتادہ، امام مالک اور اصحاب الرائی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض کی تھی تو اس وقت سفر و حضر میں دو رکعات فرض تھیں۔ سفر کی نماز تو اپنی حالت پر برقرار ہے۔ البتہ حضر کی نماز میں اضافہ ہوگیا اور بعض حضرات کے نزدیک پورا کرنا جائز ہے اور یہی روایت کیا گیا عثمان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ چاہے تو سفر میں اس کو پورا کرو اور چاہو تو قصر کرو لیکن قصر کرنا افضل ہے۔

عطاء بن ابی الرباح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نماز کا اتمام بھی کیا اور قصر بھی کی اور ظاہر قرآن اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ" لفظ لا جناح یہ رخصت پر محمول ہے حتمی چیز کے لیے مستعمل نہیں ہوتا۔ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر صرف خوف کے وقت جائز ہے حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ آیت کا نزول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر سفروں میں نازل ہوئیں اور اکثر رکعات تب پڑھی جائیں گی جب خوف نہ ہو اور قصر سفر میں جائز ہے۔ اگرچہ امن کی حالت ہو اہل علم کا یہی قول ہے۔

اس پر دلیل وہ روایت ہے جس کو یعلی بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا" اور اب

لوگ امن سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے بھی اس پر تعجب تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صدقہ ہے جو اللہ نے تم کو عطا فرمایا ہے لہٰذا اللہ کے صدقہ کو قبول کرو۔

صلوٰۃ خوف کے متعلق مسائل

محمد بن سیرین، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کیا، حالت امن میں ان پر کوئی خوف نہیں تھا پھر بھی دو رکعتیں پڑھا ئیں۔ بعض حضرات کے نزدیک قصر یہ ہے کہ خوف کی حالت میں ایک رکعت پڑھی جائے۔ یہی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے اور یہی قول عطاء، طاؤس اور حسن اور مجاہد رحمہم اللہ کا قول ہے۔ لہٰذا اس میں خوف کی شرط موجود ہے اور اکثر حضرات اہل علم کے ہاں ایک رکعات پر قصر کرنا جائز نہیں خواہ امن کی حالت ہو یا خائف (خوف) کی حالت ہو۔ اہل علم کے نزدیک قصر کی مسافت میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ قصر جائز ہے لمبے سفر میں بھی اور چھوٹے سفر میں بھی اور اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی طرح عمرو بن دینار نے کہا۔ جابر بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا عرفہ میں قصر کریں گے اور عام فقہاء کے نزدیک یہ قول ہے کہ چھوٹے سفر میں قصر کرنا جائز نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا ایک دن کے سفر تک وہ قصر کرسکتا ہے۔

ابن عمر وابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چار برد تک قصر اور افطار کریں گے اور وہ سولہ فرسخ بنتا ہے اور اسی طرح امام مالک، امام احمد، امام اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے اور یہی قول حسن بصری، زہری رحمہما اللہ کا ہے۔ ان دونوں کے نزدیک دو یوم کی مقدار ہے اور اسی طرف امام شافعی رحمہ گئے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ دو راتوں کی مقدار چلنا مراد ہے اور ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ چھیالیس میل ہاشمی ہے اور سفیان ثوری اور اصحاب الرائی کے نزدیک تین دن تک اور بعض نے کہا "ان خفتم أن یفتنکم الذین کفروا" اس آیت کا تعلق ماقبل آیت کے ساتھ منفصل ہے اور مابعد آیت کے ساتھ متصل ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری نے اس آیت "فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ" نازل ہوئی۔ پھر ایک سال کے بعد لوگوں نے صلوٰۃ خوف کے متعلق دریافت کیا تو نازل ہوا۔ "ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا، انّ الکافرین کانوا لکم عدوًّا مبینًا" ...... "واذا کنت فیھم" ایسی مثالیں قرآن میں بکثرت آئی ہیں۔ پہلے پوری خبر ذکر کردی جاتی ہے پھر ترتیب کلام میں ایک اور خبر لائی جاتی ہے جو بظاہر ماقبل سے مربوط ہوتی ہے مگر حقیقت میں جدا ہوتی ہے۔ "الآن حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصادقین" یہ "امراۃ العزیز" کی حکایت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "ذلک لیعلم انی لم اخنه بالغیب" یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں خبر ہے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ

وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۗ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى أَنْ تَضَعُوْا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

(ترجمہ) اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاویں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جاویں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آ جاوے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو تم پر ایک بارگی حملہ کر بیٹھیں اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم کو اس میں کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار کر رکھ دو اور اپنا بچاؤ لے لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے سزا اہانت آمیز مہیا کر رکھی ہے۔

خوف کی نماز کا بیان

(تفسیر) ۝ "واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ" کلبی نے ابی صالح رحمہ اللہ کے حوالے سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ مشرکین نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو ظہر کی نماز میں دیکھا کہ وہ سب اکٹھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کو ندامت ہوئی کہ ہم نے ان پر یکبارگی حملہ کیوں نہیں کیا۔ بعض نے بعض سے کہا کہ چھوڑیئے اس کے بعد ایک نماز آرہی ہے جو ان کو اپنے آباء اور اپنے بیٹوں سے بھی پیاری ہے اور وہ عصر کی نماز ہے۔ جب وہ اس نماز میں کھڑے ہوئے ہوں گے تو ہم ان پر حملہ کر دیں گے اور ان کو قتل کر دیں گے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ خوف کی نماز ہے اور اللہ عزوجل فرماتے ہیں "واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ" پھر صلوٰۃ خوف کی تعلیم دی کہ جب دشمن میدان جنگ میں برسرپیکار ہو اور وہ قبلہ کی سمت نہ ہو تو امام قوم کی دو جماعتیں بنائے۔ ایک گروہ دشمن کے سامنے کھڑا ہو اور دوسرا گروہ نماز پڑھے اور امام کے لیے مشروع ہے کہ وہ دو جماعتیں نماز میں بنائے۔ ایک گروہ کو وہ ایک رکعت پڑھالے تو کھڑا ہو جائے اور اسی طرح کھڑا رہے۔ یہاں تک کہ وہ نماز پوری کر لیں۔ پھر وہ چلے جائیں اور دوسرا گروہ آ کر امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھے۔ ان کے ساتھ سلام پھیرے، یہ سہل بن ابی حثمہ کے نزدیک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الرقاع میں اسی طرح نماز پڑھائی۔ یہی قول امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک ہے۔ صالح بن خوات سے مروی ہے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذات الرقاع کے دن صلوٰۃ خوف پڑھی۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ایک جماعت کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور دوسری جماعت کو دشمن کے روبرو پھر اپنے ساتھ والوں کو

ایک رکعت پڑھائی، پھر وہ برابر کھڑے رہے اور مقتدیوں نے اپنی بقیہ نماز مکمل کی، پھر وہ چلے گئے اور دشمن کے سامنے کھڑے ہوگئے اور دوسری جماعت نے امام کے ساتھ بقیہ رکعت پڑھی، پھر بیٹھے رہے اور مقتدیوں نے جب اپنی رکعت مکمل کی تو امام کے ساتھ انہوں نے سلام پھیرا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے صلوٰۃ خوف کے متعلق اس سے اچھا اور کچھ نہیں سنا۔

سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور ایک جماعت کا قول ہے کہ جب امام ایک رکعت جماعت اولیٰ کو پڑھائے گا تو وہ دشمن کے سامنے چلی جائے گی اور دوسری جماعت اگر امام کی دوسری رکعت میں شامل ہوگی امام ان کو دوسری رکعت پڑھائے گا اور امام اپنی نماز مکمل کر کے سلام پھیر دے گا۔ پھر یہ جماعت اپنی نماز کو مکمل کیے بغیر دشمن کے سامنے چلی جائے گی۔ پھر طائفہ اولیٰ واپس مسجد میں آئے گا اور اپنی نماز مکمل کرے گا۔ پھر اسی طرح دوسرا طائفہ آئے گا اور اپنی نماز مکمل کرے گا۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح نقل کی ہے اور یہی اصحاب الرائی کا قول ہے۔

زہری عن سالم سے منقول ہے اور وہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گروہوں کو صلوٰۃ خوف اس طرح پڑھائی کہ ایک گروہ کو نماز پڑھائی اور دوسرے گروہ کو دشمن کے سامنے بھیجا۔ پھر یہ گروہ ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے چلا گیا اور دوسرے گروہ نے آ کر امام کے ساتھ بقیہ ایک رکعت پڑھی۔ پھر امام نے دوسرے گروہ کے ساتھ سلام پھیرا۔ یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اختلاف مباح ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی سہل بن حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف گئے ہیں کیونکہ یہ قرآن کے موافق ہے اور نماز کے زیادہ قریب ہے اور دشمن کی حراست میں یہ زیادہ ابلغ ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم" جب تم نماز پڑھ چکو پھر آگے ارشاد فرمایا "ولتات طائفۃ اخری لم یصلوا" یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طائفہ اولیٰ نماز پڑھ چکا اور فرمایا "فلیصلوا معک" یعنی اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پوری نماز پڑھے اور صلوٰۃ خوف میں تو ظاہر ہے کہ ہر گروہ اپنی نماز مکمل کیے بغیر امام سے جدا ہو جاتا ہے۔ نماز کے سلسلہ میں یہ احتیاط لازمی ہے کہ اس میں زیادہ چلنا پھرنا، آنا، جانا نہیں پایا جاتا اور اس بات میں احتیاط ہے کہ جب دونوں فریق حالت نماز میں نہ ہوں تو اس صورت میں جنگ کا امکان ہے اور اگر دوران جنگ نماز کا وقت آ جائے تو صلوٰۃ خوف کا حکم ہے یہ تو دو رکعات کا حکم ہے اگر چار رکعات والی نماز ہو تو پھر ہر ایک طائفہ کو دو رکعت پڑھائے گا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ ذات الرقاع میں گئے یہاں تک کہ ہم ایک خوب سایہ دار درخت کی چھاؤں میں بیٹھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی، اچانک مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لٹکی ہوئی تلوار اٹھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سونت لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں۔ اس شخص نے کہا کون آپ کو مجھ سے بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا مجھے تم سے اللہ بچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی

اللہ عنہم آئے، اس شخص نے کہا کہ بیٹھ میرے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے لیا۔ پھر نماز کے لیے اذان دے دی گئی۔ پھر ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ پیچھے ہٹ گئے، پھر دوسرے گروہ کو دو رکعات نماز پڑھائی۔

فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعات ہوئیں اور قوم کی دو رکعات ہوئیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطن نخلہ میں ظہر کی نماز صلوٰۃ خوف سے پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طائفہ کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ پھر دوسرے طائفہ کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ خوف کے متعلق روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک رکعت نماز پڑھائی۔ ایک گروہ کو اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت نماز پڑھائی اور اس کی قضاء نہیں کی۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ قوم کی ایک رکعت ہوئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعات اور بعض قوم نے اس کو بہت شدت خوف پر محمول کیا ہے اور انہوں نے کہا ایسی حالت میں ایک رکعت فرض ہے اور اکثر اہل علم نے کہا کہ شدت خوف کی وجہ سے رکعات کی تعداد میں کمی نہیں ہوتی۔

اور اگر دشمن قبلہ کی سمت ہو تو اس صورت میں امام کے ساتھ مقتدی اسلحہ لے کر کھڑے ہوں گے اور سجدہ میں (اگلی صف پہلے جائے گی جب وہ اُٹھ کھڑے ہوں تو دوسری صف سجدہ کرے گی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ خوف پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے دو صفیں بنائیں اور دشمن ہمارے اور ہمارے قبلہ کی جانب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی ان کے ساتھ تکبیر کہی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا، ہم نے بھی رکوع کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اُٹھایا تو ہم سب نے اُٹھایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والی صف سجدہ میں گئی اور آخری صف دشمن کے لیے کھڑی رہی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے سے فارغ ہوئے اور کھڑے ہوئے۔ پھر پچھلی صف سجدے میں گئی۔ پھر دوسری رکعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور سب نے ان کے ساتھ رکوع کیا، پھر سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکوع سے سر اُٹھایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ والی صف والے سجدے میں گئے اور پھر جب وہ سجدے سے اُٹھے تو دوسری صف والے سجدہ میں گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا، ہم سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلام پھیرا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جیسا کہ ہم اپنے امراء کے لیے پہرہ دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نماز خوف مشروع ہے یہی اہل علم کا قول ہے اور بعض کے نزدیک یہ جائز نہیں اور عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ حدیث جو صلوٰۃ خوف کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس پر عمل کرنا جائز ہے اس میں چھ یا سات وجہ ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ نے اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں لکھا ہے۔ ابن عیاش زرقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عسفان میں تھا اور مشرکین بھی تھے، خالد بن ولید بھی تھے۔

ظہر کی نماز پڑھی تو مشرکین نے کہا کہ ہمیں بہت بڑا دھوکہ پہنچا ہے۔ اگر ہم ان پر حملہ کر دیتے تو کیا ہوتا، پھر نماز ظہر و عصر کے درمیان یہ آیت نازل ہوئی۔ "واذا کنت فیھم" اگر آپ ان کے ساتھ موجود ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے۔

"فلتقم طائفۃ منھم معک" چاہیے کہ آپ کھڑا کریں جیسا کہ دوسری جگہ اللہ کا فرمان ہے "واذا اظلم علیھم قاموا" اس کا معنی ہے جب وہ ٹھہر ارہے۔ "ولیاخذوا اسلحتھم"

اسلحہ لیکر نماز پڑھنے کا حکم

اس بارے میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے کہ کیا اسلحہ لے کر نماز میں کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو امام کے ساتھ نماز میں کھڑے ہوں اور اسلحہ ان کے ساتھ ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب اسلحہ ان کو نماز سے مشغول نہ کر دے اور نہ ہی اپنے ساتھی کو نقصان پہنچائے۔ اگر اس کو نماز میں مشغول کر دے تو اتار لے یا نماز میں اس کو اسلحہ بھاری معلوم ہو تو اس صورت میں وہ نہ لے۔ بعض نے کہا کہ "ولیاخذوا اسلحتھم" باقی لوگ اسلحہ لے کر دشمن کے سامنے کھڑے ہو جائیں "فاذا سجدوا" یعنی جب وہ نماز پڑھیں۔ "فلیکونوا من ورائکم" یعنی وہ جگہ جہاں دشمن موجود ہو۔ "ولتات طائفۃ اخری لم یصلوا" وہ گروہ جو دشمن کے سامنے کھڑا تھا۔ "فلیصلوا معک ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم" بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ ہیں جو دشمن کے سامنے آئے اور بعض نے کہا کہ وہ مراد ہیں جنہوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ "وَدَّ الذین کفروا لو تغفلون" یعنی کفار یہ تمنا کرتے ہیں کہ اگر وہ تمہیں غافل پائیں۔ "عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃً واحدۃً" وہ ارادہ کرتے ہیں اور یکبارگی حملہ کرنا چاہتے ہیں۔

"ولا جناح علیکم ان کان بکم اذًی من مطر او کنتم مرضٰی اَن تضعوا اسلحتکم" حالت مرض اور بارش کی حالت میں اسلحہ اتارنے کی اجازت ہے کیونکہ ان دونوں حالتوں میں اسلحہ اٹھانا بھاری ہے۔ "وخذوا حذرکم" کسی محفوظ مقام پر پناہ گیر رہا کرو تا کہ دشمن ناگہاں تم پر حملہ نہ کر دے۔ کلبی نے ابو صالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی محارب اور بنی انمار سے جہاد کرنے تشریف لے گئے، ایک جگہ پڑاؤ کیا، وہاں دشمن کا کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا، لوگوں نے ہتھیار کھول دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہتھیار کھول کر تقاضائے حاجت کے لیے وادی قطع کر کے پار چلے گئے۔ بارش ہو رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان وادی حائل ہوگئی۔ ایک درخت کے نیچے قضاء حاجت کے لیے بیٹھ گئے۔ غورث بن حارث محاربی نے دور سے آپ کو دیکھ لیا، کہنے لگا اللہ مجھے قتل کر دے اگر میں اس کو قتل نہ کر دوں، پھر تلوار سونت کر پہاڑ سے نیچے آیا اور بولا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے غورث بن حارث سے بچا۔ غورث نے مارنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تلوار بڑھائی تھی کہ یکدم اس

کے دونوں شانوں کے درمیان درد اٹھا اور درد کی وجہ سے منہ کے بل گر پڑا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر الگ جا پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اٹھ کر تلوار لے لی اور فرمایا غورث اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا بولا کوئی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا بندہ اور رسول ہے، میں تیری تلوار تجھے دے دوں گا، بولا نہیں، ہاں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کبھی نہیں کروں گا اور تمہارے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار دے دی۔ غورث بولا خدا کی قسم! تم مجھ سے بہتر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بے شک میں اس کا مستحق بھی تجھ سے زیادہ ہوں۔ غورث چلا گیا ساتھیوں کے پاس پہنچا تو انھوں نے پوچھا ارے تجھے کیا ہو گیا کس چیز نے تجھے روک دیا۔ بولا میں نے مارنے کے لیے اس کی طرف تلوار بڑھائی ہی تھی کہ میں نہیں جان سکا کہ کس نے میرے دونوں شانوں کے درمیان درد پیدا کر دیا اور میں منہ کے بل گر پڑا اور پورا حال ذکر کیا اور فرمایا وادی میں خاموشی ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی پار کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کی خبر دی اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطر او کنتم مرضی ان تضعوا اسلحتکم وخذوا حذرکم" تمہارے دشمنوں سے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف زخمی تھے۔ "ان اللہ اعد للکافرین عذابا مھینا" اہانت والا عذاب۔ جناح کہا جاتا ہے گناہ کو۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے ارادے سے پھر جائے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝

ترجمہ: پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

تفسیر: ۝ "فاذا قضیتم الصلٰوة" جب تم صلوٰۃ خوف سے فارغ ہو جاؤ۔ "فاذکروا اللہ" اللہ کے ذکر میں لگ جاؤ۔ "قیاما" صحت کی حالت میں کھڑے ہو کر "وقعودا" اور حالت مرض میں بیٹھ کر۔ "وعلی جنوبکم" زخمی یا اپاہج ہونے کی وجہ سے۔ بعض نے کہا اللہ کو یاد کرو تسبیح، تحمید، تہلیل اور تمجید کے ساتھ ہر حال میں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ "فاذا اطماننتم" جب تم سکون اور اطمینان کی حالت میں ہو۔ "فاقیموا الصلٰوة" تو تم اس نماز کو تمام ارکان کے ساتھ پورا پورا ادا کرو۔ "ان الصلٰوة کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا" بعض نے کہا کہ اس سے مراد واجب و فرض نماز ہے۔ یعنی حضر میں تمہارے اوپر چار رکعت فرض ہے اور سفر میں دو رکعات فرض ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ فرض ہے وقت کے اندر جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وقت متعین کیا ہے جبکہ حدیث میں نماز کے اوقات متعین ہیں۔

نمازوں کے اوقات کی تفصیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میری امامت بیت اللہ کے قریب دو مرتبہ کی۔ پہلی بار ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ تسمہ کے برابر تھا۔ پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز اپنے سایہ کی مثل ہوگئی تھی۔ پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈوب چکا تھا اور روزہ دار روزہ کھولتا ہے۔ پھر عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہو چکی تھی۔ پھر فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب روشنی پھوٹتی ہے اور روزہ رکھنے والے کے لیے کھانا منع ہو جاتا ہے۔

جب دوسرے دن ظہر کا وقت آیا جس وقت گزشتہ دن کے عصر کے وقت کی طرح جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا تھا۔ پھر مغرب اوّل وقت کی طرح پڑھائی اور عشاء ایک تہائی رات گئے تک پڑھائی۔ پھر فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب زمین زرد ہوگئی تھی۔ پھر میری طرف رخ کر کے جبرئیل علیہ السلام نے کہا محمد آپ سے پہلے انبیاء کا یہی وقت ہے اور ان دونوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سائل آیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کے اوقات کے متعلق پوچھا۔ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ پھر نماز قائم ہوئی، جب فجر طلوع ہوئی تو نماز پڑھ لی اور جب ظہر کا وقت آیا کہنے والے نے کہا کہ سورج زائل ہوا یا نہیں؟ اور وہ اس کے متعلق ہم سے زیادہ جانتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کا حکم دیا۔ جب سورج سامنے چمک رہا تھا۔ پھر مغرب کی نماز کا حکم دیا جب سورج غروب ہو گیا۔ پھر عشاء کی نماز کا حکم دیا جب شفق زائل ہوگئی تھی۔ راوی فرماتے ہیں کہ دوسرے دن فجر کی نماز اس وقت پڑھائی کہنے والے نے یوں کہا کہ طلوع شمس ہوا ہے یا نہیں؟ (ہمیں اس میں شک تھا) اور دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جس وقت پہلے دن تقریباً عصر کی نماز پڑھائی تھی اور دوسرے دن عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج سرخ ہو گیا تھا اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی شفق کے غائب ہونے سے پہلے اور عشاء کی نماز تہائی رات کے وقت پڑھائی۔ پھر ارشاد فرمایا نماز کے اوقات پوچھنے والا سائل کہاں ہے؟ اس شخص نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِــيْمًا ۝

(ترجمہ) اور ہمت مت ہارو اس مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں اگر تم الم رسیدہ ہو تو وہ بھی تو الم رسیدہ ہیں جیسے تم الم رسیدہ ہو اور تم اللہ تعالیٰ سے ایسی ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ امید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں

تفسیر ⑭ "ولا تهنوا فی ابتغاء القوم" اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی جب اُحد کے دن واپس لوٹ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے ایک جماعت کو بھیجا جب انہوں نے اپنے زخموں کی شکایت کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ "ولا تهنوا فی ابتغاء القوم"

یعنی تم کمزوری نہ دکھاؤ قوم کی تلاش میں ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے لیے "ان تکونوا تألمون" اگر تم (زخموں کا) دکھ محسوس کرتے ہو۔ "فانهم یالمون" وہ بھی تکلیف میں ہیں یعنی کفار "کما تألمون وترجون من اللہ ما لا یرجون" اور تمہیں جو دُکھ درد پہنچا ہے اس کی وجہ سے تمہیں اللہ سے ثواب کی اُمید ہے آخرت میں اور دُنیا میں اس کی مدد کی اُمید ہے جو کہ کافروں کو نہیں ہے۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ رجاء سے مراد خوف ہے، ہر اُمید رکھنے والا خائف ہوتا ہے کہ معلوم نہیں اس کی اُمید پر مکمل اتر سکے گا یا نہیں؟ آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ سے اُمید رکھتے ہو یعنی اللہ سے ڈرتے ہو، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہو جو کہ وہ نہیں ڈرتے۔ فراء کا قول ہے کہ رجاء بمعنی خوف کے نہیں کیونکہ کوشش کے ساتھ وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ "قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ" اس کا معنی ہے کہ وہ نہیں ڈرتے۔ "مالکم لا ترجون للہ وقارًا" وہ اللہ کی عظمت سے نہیں ڈرتے۔ اس صورت میں رجاء بمعنی خوف کے نہیں ہوگا۔ "وکان اللہ علیمًا حکیمًا"

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے اور آپ ان خائنوں کی طرفداری کی بات نہ کیجئے اور آپ استغفار فرمایئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں۔

انا انزلنا الیک الکتاب کا شان نزول

تفسیر ⑯ کلبی نے ابوصالح کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کا نزول ایک انصاری شخص کے متعلق ہوا۔ اس کا نام طعمہ بن ابیرق تھا اور خاندان بنی ظفر بن حارث میں سے تھا۔ اس نے اپنے ہمسائے قتادہ بن نعمان کی زرہ چرائی تھی۔ زرہ ایک تھیلے میں تھی جس کے اندر آٹا بھرا ہوا تھا، تھیلے میں شگاف تھا شگاف سے آٹا بکھرتا ہوا چلا گیا اور چور کے مکان تک یونہی چلا گیا۔ طعمہ نے زرہ لیجا کر ایک یہودی کے پاس جس کا نام زید السمین تھا چھپا دی، زرہ کی تلاش طعمہ کے پاس ہوئی۔ طعمہ نے قسم کھائی کہ نہ میں نے زرہ لی ہے اور نہ مجھے اس کا علم ہے۔ زرہ والوں نے کہا ہم نے آٹے کا نشان اس کے گھر تک دیکھا ہے لیکن طعمہ نے قسم کھائی تو زرہ والوں نے اس کو چھوڑ دیا اور یہودی کے گھر تک آٹے کا نشان کے پیچھا کیا اور یہودی کو پکڑا۔ یہودی نے کہا کہ یہ زرہ مجھے طعمہ بن ابیرق نے دی ہے۔ طعمہ کی قوم والے یعنی بنی ظفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمارے آدمی کی وکالت کریں، اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو ہمارا آدمی رسوا ہو جائے گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دوسری روایت میں ہے وہ یہ کہ طعمہ نے زرہ اس تھیلے سمیت چرائی جس کے اندر بھوسی رکھی ہوئی اور سارے راستے بھوسی بکھرتی چلی گئی۔ طعمہ نے زید السمین کے گھر تک لے جا کر اس کے دروازے پر تھیلہ رکھ دیا اور زرہ اپنے گھر لے گیا۔ زرہ کا مالک بھوسی کے نشان پر زید السمین کے گھر پہنچا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ زید السمین نے طعمہ کے پاس زرہ بطور امانت رکھی تھی جس کا طعمہ نے انکار کیا۔ اس پر آیت "انا انزلنا الیک الکتاب" نازل ہوئی۔ "لتحکم بین الناس بما اراک اللّٰہ" جو اللہ نے ان کو سکھلایا اور آپ کی طرف وحی کی اس کے ذریعے سے فیصلہ کریں۔ "ولا تکن للخائنین" اس سے مراد طعمہ ہے۔ "خصیمًا" مددگار اور ان سے دفاع کرنے والا۔

۱۰۶ "واستغفر اللّٰہ" جو آپ یہودی کو سزا دینے کا ارادہ کر چکے تھے اس کے بارے میں اللہ سے استغفار کیجئے۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے اللہ سے بخشش طلب کیجئے جو آپ نے طعمہ کے بارے میں جھگڑا کیا۔ "ان اللّٰہ کان غفورًا رحیمًا"

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے جو کہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے جو بڑا خیانت کرنے والا بڑا گناہ کرنے والا ہو جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ آدمیوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس وقت ان کے پاس ہے جبکہ وہ خلاف مرضی الٰہی گفتگو کے متعلق تدبیریں کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں ہاں تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے جواب دہی کی باتیں کر لیں سو خدا تعالیٰ کے روبرو قیامت کے روز ان کی طرف سے کون جواب دہی کرے گا یا وہ کون شخص ہوگا جو ان کا کام بنانے والا ہوگا اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا۔

تفسیر ۱۰۷ "ولا تجادل" نہ جھگڑا کر۔ "عن الذین یختانون انفسہم" وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، خیانت کرکے اور

چوری کر کے۔ "ان اللہ لایحب من کان خوانا اثیما" خوانا سے مراد خیانت کرنے والا "اثیما" زرہ چوری کر کے اور اس کا الزام یہودی پر لگا کر گناہ کا مرتکب ہوئے اور بعض نے کہا کہ خطاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگ بھی شامل ہیں۔ "فان کنت فی شک مما انزلنا الیک" انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں نبوت کے بعد تین وجوہ میں سے ایک وجہ سے استغفار کرنا جائز ہے۔ ❶ نبوت سے پہلے گناہ کے لیے استغفار کرنا۔ ❷ اپنی امت اور اہل قرابت کے گناہوں کے استغفار کے لیے۔ ❸ اس مباح فعل کے لیے استغفار جس کی شرعی ممانعت آنے پر اس کو چھوڑ دیا۔ اس صورت میں استغفار کا معنی سمع اور طاعت ہوگا۔

⓫ "یستخفون من الناس" لوگوں سے حیا کر کے ان سے چھپاتے ہو۔ اس سے مراد بنی ظفر بن الحارث ہے۔ "ولا یستخفون من اللہ" جبکہ وہ اللہ سے نہ حیا کرتے ہیں اور نہ چھپاتے ہیں۔ "وھو معھم اذ یبیتون" وہ باتیں کرتے ہیں تبییت کہا جاتا ہے رات کو کسی کام کے متعلق تدبیر کرنا۔ "مالا یرضی من القول" طعمہ والوں کی قوم نے آپس میں یہ طے کیا کہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کریں چونکہ طعمہ مسلمان تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قول قسم کا اعتبار کرلیں گے اور یہودی چونکہ کافر ہے۔ اس لیے اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔ اللہ نے قوم طعمہ کے اس مشورہ کو پسند نہیں فرمایا۔ "وکان اللہ بما یعملون محیطا" پھر قوم طعمہ نے یہ کہا۔

⓬ "ھاانتم ھؤلاء" ہاں اے لوگو! تم ایسے ہو۔ "جادلتم" یعنی جھگڑنا۔ "عنھم" طعمہ کے متعلق تم جھگڑتے ہو۔ "فی الحیوٰۃ الدنیا" جدال سخت جھگڑے کو کہتے ہیں وہ سخت قتل کر دینا۔ یعنی وہ اس کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے، دلیل و حجت کے ساتھ بالفظ جدال جدالۃ سے ہے اس کا معنی ہے زمین۔ جدال کا معنی یہ ہوا کہ ہر حریف کا دوسرے حریف کو کشتی لڑا کر زمین پر گرا دینے کی کوشش کرنا۔ "فمن یجادل اللہ عنھم" طعمہ کے متعلق۔ "یوم القیامۃ" قیامت کے دن اللہ تم کو اس کے بارے میں عذاب میں مبتلا کرے گا۔ "ام من یکون علیھم وکیلا" یعنی کفیل کے ہے۔ نا گوار امر کو اپنے موکل کی طرف سے دفع کرنے والا کیونکہ یہ بھی اپنے کام کو قیامت کی طرف پھیر دیتا ہے۔ پھر اس کو لوٹایا جائے گا۔

⓭ "ومن یعمل سوءا" یعنی چوری کے ہے۔ "او یظلم نفسہ" دوسرے شخص کے اوپر بری تہمت لگانا۔ بعض نے کہا اس سے مراد جو برا کام کرے یعنی کسی کو شریک ٹھہرائے یا اس کے نفس پر ظلم کرے۔ شرک کے علاوہ کوئی دوسرا گناہ کرے۔ "ثم یستغفر اللہ" پھر وہ اس گناہ سے توبہ کرے اور استغفار کرے۔ "یجد اللہ غفورا رحیما" یعنی طعمہ کے اوپر اس بارے میں توبہ کو پیش کیا گیا اور ان کو ترغیب دی گئی۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⓫ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗـــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ⓬ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا

يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ط وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ م بَيْنَ النَّاسِ ط وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: اور جو شخص گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لادا اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتا تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر دیا تھا اور غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جانوں کو اور آپ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے عام لوگوں کی سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطا فرما دیں گے۔

تفسیر: ● "ومن یکسب اثمًا" طعمہ کا جھوٹی قسم کھانا یہ گناہ کی بات ہے کہ اس نے چوری نہیں کی، چوری تو یہودی نے کی۔ "فانما یکسبه علی نفسه" جھوٹی قسم کھا کر اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اپنے آپ کو نقصان پہنچایا۔ "وکان اللّٰه علیمًا" زرہ کی چوری کو اللہ ہی جانتا ہے۔ "حکیمًا" اور چور کا ہاتھ کاٹنے میں حکم دیتا ہے۔

● "ومن یکسب خطیئةً" زرہ چوری کرے۔ "او اثمًا" اس سے مراد جھوٹی قسم ہے۔ "ثم یرم به" تہمت لگائے جس نے اس گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ "بریئًا" یہودی کی طرف چوری کی نسبت کرنے سے وہ بری ہے۔ "فقد احتمل بهتانًا" بہتان اس جھوٹ کو کہتے ہیں جس سے انسان حیران رہ جائے۔ "واثمًا مبینًا" ایسا گناہ جو واضح ہے۔ "ثم یرم به" یہاں پر ضمیر مفرد کی لائی ہے تثنیہ کی ضمیر ذکر نہیں کی حالانکہ ماقبل میں دو گناہ "خطیئة" اور "اثمًا" موجود ہیں یا یہاں پر "کنایة الاثم" مراد لیا ہے یا "خطیئة" اور "اثم" کو ایک چیز شمار کیا۔

● "ولولا فضل اللّٰه علیک ورحمته" یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ "لهمت" ارادہ کر چکے تھے۔ "طائفة منهم" اس سے مراد طعمہ کی قوم ہے۔ "ان یضلوک" فیصلے میں راہ حق سے ہٹا دیتے اور سارا معاملہ ملتبس کر دیتے۔ یہاں تک کہ طعمہ کی طرف سے دفاع کرنے لگے تھے۔ "وما یضلون الا انفسهم" اس کا وبال ان ہی کی طرف لوٹے گا۔ "وما یضرونک من شیء" ان کا ضرر ان ہی کی طرف لوٹے گا۔ "وانزل اللّٰه علیک الکتاب" کتاب سے

مراد قرآن مجید ہے۔ "والحکمۃ" یہ فیصلہ وحی کے ذریعے کرنا۔ "وعلمک مالم تکن تعلم" احکام میں سے۔ بعض نے کہا علم الغیب میں سے۔ "وکان فضل اللہ علیک عظیما"

۱۱۴ "لاخیر فی کثیر من نجواھم" اس سے مراد طعمہ کی قوم ہے اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت تمام انسانوں کے حق میں عام ہے۔ نجوی کہتے ہیں کسی کام کی تدبیر کو پوشیدہ رکھنا اور بعض نے کہا کہ کسی قوم کے متعلق اکیلے تدبیر کرنا خواہ وہ سراً ہو یا جہراً ہو۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بہت سارے لوگوں کا آپس میں تدبیر کرنا ان کے لیے بہتر نہیں۔ (دین کے خلاف) "الا من امر بصدقۃ" مگر یہ کہ وہ حکم صدقہ سے متعلق ہو۔ اس صورت میں نجوی متصل ہوگا۔ بعض نے کہا کہ نجوی یہاں پر یہ ہے کہ بہت سارے لوگ آپس میں اس بارے میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واذھم نجوی الا من امر بصدقۃ" بعض نے کہا کہ یہ استثناء منقطع ہے یعنی وہ شخص جو ان کو صدقہ کرنے پر ابھارے۔ "او معروف" اللہ کی اطاعت میں اور جو کچھ انہوں نے شریعت سے حاصل کیا۔ نیک اعمال سارے کے سارے معروف میں داخل ہیں کیونکہ عقلیں اس کو جانتی ہیں۔

"او اصلاح بین الناس" حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں نہ بتاؤں وہ عمل جو روزہ، صدقہ اور نماز سے افضل ہے۔ ہم نے کہا کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں کے باہمی تعلقات کو درست کر دینا اور تعلقات کو باہمی خراب کرنا نیکیوں کو مونڈنے والا ہے۔ ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور وہ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان اصلاح کرے اور نیکی کی بات کرے اور خیر کی نصیحت کرے۔ "ومن یفعل ذلک" یہ اشیاء مذکورہ جن کا ذکر ہو چکا۔ "ابتغاء مرضات اللہ" اللہ کی رضا کے حصول کے لیے۔ "فسوف نؤتیہ" آخرت میں "اجرا عظیما" ابو عمرو اور حمزہ نے "یؤتیہ" یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۱۱۵ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا م بَعِيْدًا ۱۱۶

ترجمہ: اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

تفسیر: ۱۱۵ "ومن یشاقق الرسول" اس آیت کا نزول طعمہ بن ابیرق کے بارے میں ہوا۔ جب اس پر چوری کا ظہور ہوا تو

اس کو ڈر و خوف لاحق ہوا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہ رسوا ہو جائے گا تو پھر یہ مکہ کی طرف بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ "ومن یشاقق الرسول" یعنی مخالفت کرنا۔ "من بعد ماتبین له الھدیٰ" توحید اور حدود کے ظاہر ہونے کے بعد "ویتبع غیر سبیل المؤمنین" مؤمنین کے راستے کے علاوہ "نوله ماتولیٰ" اس کو آخرت کی طرف پھیر دیں گے جس کو انہوں نے دُنیا میں چھوڑ دیا تھا۔ "ونصله جھنم وساءت مصیرا" روایت کیا گیا ہے کہ طعمہ بن ابیرق ایک شخص کے ہاں ٹھہرا جس کا تعلق قبیلہ بنی سلیم کے ساتھ تھا مکہ کا رہنے والا تھا اس کا نام حجاج بن علاط ہے۔ اس کے گھر پر کسی نے نقب لگایا اور اس پر پتھر آگرا کوئی طاقت نہیں رکھتا تھا کہ وہ اس کے گھر میں داخل ہو جائے اور نہ ہی اس کو گھر سے نکلنے کی ہمت ہوئی حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ پھر اس کو پکڑا گیا تاکہ قتل کیا جائے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ اس نے ہماری طرف پناہ پکڑی ہوئی ہے اور اس کو چھوڑ دو تاکہ مکہ کی طرف چلا جائے۔ پھر یہ وہاں سے تجارتی قافلہ کے ساتھ نکل کر شام چلا گیا۔ راستے میں جب قافلہ ٹھہرا اس نے قافلہ والوں سے کچھ سامان چوری کیا اور کچھ کو مارا۔ پھر قافلہ والوں نے اس کو طلب کر کے اس کو پکڑا اور پتھروں کے ساتھ اس کو ہلاک کر دیا۔ پس اس کی قبر وہ پتھروں کی جگہ بن گئی۔ بعض نے کہا کہ یہ ایک کشتی میں سوار ہوا تاکہ جدہ کی طرف جائے۔ اس نے اس کشتی سے کسی کا ایک تھیلا چرایا جس میں دینار تھے پھر یہ پکڑا گیا اس کو پھر اہل کشتی والوں نے سمندر میں پھینک دیا اور بعض نے کہا کہ یہ قبیلہ بنی سلیم کے مقام حرہ میں اُترا۔ یہ وہیں بتوں کی پوجا کرنے لگا، یہاں تک کہ مر گیا۔ اس پر یہ آیات نازل فرمائیں۔

⑪⑥ "ان الله لایغفر ...... تا ...... ضل ضلالاً بعیدا" وہ راستے سے بھاگ گیا، خیر سے محروم کر دیا گیا۔

ان الله لایغفر کا شانِ نزول

ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس آیت کا نزول عرب کے شیوخ کے بارے میں ہوا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بوڑھا گناہوں سے لت پت ہے صرف اس نے ایک گناہ نہیں کیا وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ جب ہم نے اس کو جانا اور اس نے ایمان قبول کیا اور نہ ہی اس نے اللہ کے سوا کسی کو پکارا اور نہ ہی ایسے گناہ کیے جس پر انسان جری ہو جاتا ہے نہ میرے دماغ میں کبھی یہ بات آئی کہ میں اللہ سے بھاگ کر بے بس کر دوں گا۔ اب میں پشیمان ہوں توبہ کرتا ہوں، معافی چاہتا ہوں، میرا کیا حال ہو گا؟ اس پر آیات نازل ہوئی۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: یہ لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں

جو کہ حکم سے باہر ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور ڈال رکھا ہے اور جس نے یوں کہا تھا کہ میں ضرور تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ اطاعت کا لوں گا اور میں ان کو گمراہ کردوں گا اور میں ان کو ہوسیں دلاؤں گا اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ چار پایوں کے کانوں کو تراشا کریں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بناوے گا وہ صریح نقصان میں واقع ہوگا

تفسیر ● "ان یدعون من دونه الا اناثا" اس آیت کا نزول مکہ والوں کے بارے میں ہوا کہ وہ نہیں پکارتے مگر اپنی مورتیوں کو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وقال ربکم ادعونی" یعنی تم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق "ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین"...... "من دونه" سے مراد اللہ کے سوا "الا اناثا" اناث سے مراد بت ہیں چونکہ وہ بتوں کو اسی نام سے موسوم کرتے تھے۔ جیسا کہ لات، منات، عزّیٰ۔ اور وہ یہ کہتے تھے کہ ہر ایک قبیلہ کا بت ہے جو مؤنث ہے "انثی بنی فلاں" ان بتوں میں سے ایک ایک کے ساتھ شیطان ہوتا تھا جو ان کے ساتھ کہانت اور کلام کرتا تھا (اور یہ لوگ سمجھتے تھے کہ بت بول رہے ہیں) اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وان یدعون الا شیطانا مریدا" یہ اکثر مفسرین کا قول ہے جو اس کی تاویل کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ یہاں اناث سے مراد بت ہیں۔ یہی قرأت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے۔ "الانثٰی" جمع ہے وثن کی واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ "الا اناثا" سے مراد کہ ایسے مُردے جن میں کبھی روح نہ آئی ہو چونکہ بت بھی انہی صفات کے حامل تھے اس لیے ان کو اناث کہتے ہیں ان کو مرنے کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ان کے بتوں کو کوئی خبر نہ ہوتی اور اناث دونوں جنسوں میں بہت گھٹیا ہے۔ جیسا کہ موات حیوان سے ارذل ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کا مطلب اناث سے فرشتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ملائکہ اناث ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وجعلوا الملائکة الذین هم عباد الرحمٰن اناثا وان یدعون الا شیطانا مریدا" یعنی وہ عبادت نہیں کرتے صرف شیطان مرید کی کیونکہ جب وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں تو شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ مرید، مارد جو اطاعت سے خالی ہو اس سے مراد ابلیس ہے۔

● "لعنه اللّٰه" وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوتے ہیں۔ "وقال" ابلیس نے کہا "لاتخذن من عبادک نصیبا مفروضا" جو حق معلوم ہے اور ابلیس کے ساتھ اطاعت کرنا ایک مفروضہ ہے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ ایک ہزار میں نو سو ننانوے ابلیس کے پیروکار ہیں۔ اصل فرض لغت میں کہا جاتا ہے کاٹنے کو اور اسی سے "فرضة فی النهر" بولا جاتا ہے۔

● "ولاضلنهم" حق سے گمراہ کرنا۔ یعنی ان سب کو گمراہ کرنا۔ ابلیس کے اس پوشیدہ کلام کرنے کے ساتھ۔ ابلیس کو اسی وجہ سے ابلیس کہا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگوں پر حق کو ملتبس کردیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے "لازینن لهم فی الارض" کہ ہم زمین کو خوب مزین کردیں گے۔ "ولامنینهم" وہ تمنائیں ڈالتا ہے کہ نہ جنت ہے نہ دوزخ نہ کوئی عذاب اور نہ ہی کوئی قیامت اور نہ جی کر اٹھنا اور بعض نے کہا معاصی کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ آخرت کے ادراک کی تمنا کرنا۔ "ولامرنهم فلیبتکن اٰذان الانعام ولامرنهم فلیغیرن خلق اللّٰه"

فلیغیرن خلق اللہ کی وضاحت

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری، مجاہد، قتادہ، سعید بن المسیب اور ضحاک رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد اللہ کا دین ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان "لاتبدیل لخلق اللّٰہ"

اس کا مطلب ہے اللہ کا دین۔ یعنی وہ دین میں اس بات کا ارادہ کرتے ہیں کہ حرام کو حلال قرار دیں اور حلال کو حرام قرار دیں۔ عکرمہ اور ایک مفسرین کی جماعت کہ اللہ کی بنائی ہوئی چیز کو تبدیل کرتے ہیں۔ اختصاء، داغنے، کان کاٹنے، یہاں تک کہ بعض نے خصی ہونے کو جائز قرار دیا اور بعض نے کہا کہ صرف جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے چونکہ ان میں غرض تو ظاہر ہے اور بعض نے کہا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی چیز میں تبدیلی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کو سوار ہونے اور کھانے اور بعض کو کھانے سے حرام قرار دیا ہے اور سورج، چاند، پتھر، حجر بندوں کے منافع کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ بس یہ لوگ ان کو معبود سمجھتے ہیں۔ "ومن یتخذ الشیطان ولیًّا من دون اللّٰہ" ایسا رب جو اس کی اطاعت کرے۔ "فقد خسر خسرانًا مبینًا"

یَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾ لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾

ترجمہ: شیطان ان لوگوں سے وعدے کیا کرتا ہے اور ان کو ہوسیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف جھوٹے وعدے کرتا ہے ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور اس سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پاویں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ہم ان کو عنقریب باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ خدا تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور سچا وعدہ فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض میں سزا دیا جاوے گا اور اس شخص کو خدا کے سوا نہ کوئی یار ملے گا اور نہ مددگار ملے گا

تفسیر: ⑫ "یعدھم ویمنیھم" شیطان ان کو وعدے دیتا ہے اور اُمیدیں دلاتا ہے جو انسان کے دل میں واقع ہو وہ عمر کی طوالت اور دنیا میں ہمیشگی کی اُمیدیں دلاتا۔ یہ کبھی خوف دلاتا کہ خرچ نہ کرو فقر و فاقہ آجائے گا پھر وہ خرچ کرنے سے روکتا ہے اور صلہ رحمی سے روکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الشیطان یعدکم الفقر" ان کو شیطان یہ اُمیدیں دلاتا ہے کہ نہ دوبارہ اٹھایا جائے گا اور نہ ہی کوئی جنت ہے اور نہ دوزخ۔ "وما یعدھم الشیطان الا غرورًا" غرور سے مراد باطل ہے۔

⑫ "اولئک ماواھم جھنم ولا یجدون عنھا محیصا" نہ ہی ان سے چھٹکارا پاسکیں گے اور نہ ہی اس سے بھاگ سکیں گے۔

⑬ "والذین آمنوا وعملوا الصلحٰت سندخلھم جنات تجری من تحتھا الانھار" ان کے گھروں اور مکانوں کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔"خالدین فیھا ابدا وعداللہ حقا ومن اصدق من اللہ قیلا"......

⑭ "لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب"

لیس بامانیکم کی تفسیر

مسروق، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ کا قول ہے کہ "لیس بامانیکم" سے مراد مسلمانوں کو خطاب ہے اور "ولا امانی" سے مراد اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ اہل کتاب کہنے لگے کہ ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے ہے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے مقدم ہے۔ لہٰذا ہم تمہارے سے زیادہ اللہ کے قریب ہیں اور مسلمانوں نے ان سے کہا ہمارے نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہماری کتاب کا فیصلہ سب کتابوں پر لاگو ہے اور ہمارا ایمان تمہاری کتاب پر بھی ہے مگر تمہارا ایمان ہماری کتاب پر نہیں ہے اس لیے ہم افضل ہیں اس شان نزول پر "بامانیکم" کا خطاب مؤمنوں کو ہوگا۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "لیس بامانیکم" سے مراد اہل کتاب کے مشرکین ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا کہ نہ کوئی اُٹھائے جانے کا دن ہے اور نہ ہی کوئی حساب کتاب ہے اور اہل کتاب نے کہا کہ "لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ" کہ آگ ہمیں نہیں چھوئے گی مگر چند دن اور "لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ" کہ جنت میں یہود و نصاریٰ ہی داخل ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لیس بامانیکم" حقیقت امر تمہاری آرزوؤں سے وابستہ نہیں بلکہ حقیقت تو عمل صالح کے ساتھ وابستہ ہے۔ "من یعمل سوء ا یجز بہ" ابن عباس، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت کے نزدیک اس آیت کا تعلق ہر عامل کے ساتھ ہے۔

من یعمل سوء ا یجزبہ کی تفسیریں

کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو بڑا شاق ہوا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے علاوہ ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی بدی نہیں کی پھر سزا کس طرح ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دُنیا میں جو کچھ آتا ہے وہ اسی سزا کی ایک قسم ہے، پس جو شخص کوئی ایک نیک کام کرے گا اس کو دس نیکیاں دی جائیں گی اب اگر کسی بدی کی سزا دی گئی تو دس نیکیوں میں سے ایک کا ثواب گھٹ جائے گا اور نو نیکیاں رہ جائیں گے۔ افسوس ہے اس شخص پر جس کی اکائیاں دہائیوں سے بڑھ جائیں۔ رہا نیکیوں کا بدلہ تو وہاں نیکیوں اور بدیوں کا توازن کیا جائے گا۔ ہر گناہ کے بدلے میں ایک نیکی ساقط کر دی جائے

گی، اس کے بعد اگر تنگی باقی رہی تو جنت میں اس کا ثواب ملے گا اور ہر پیشی والے کو اس کی پیشی ملے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آیت "لمن یعمل سوءً یجز بہ" نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر! میں تم کو ایک آیت سناؤں جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا فرمایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ آیت پڑھائی۔ یہ آیت سنتے ہی میری کمر سے درد نکلنے لگا، میں نے کمر کو سیدھا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر، کیا ہوگیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، ہم میں سے کسی نے برا عمل نہیں کیا اور ہم کو ہر کیے ہوئے گناہ کی سزا ضرور دی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اور تمہارے ساتھی مؤمن دُنیا ہی میں برائی کی سزا پالیں گے، اللہ کے سامنے جائیں گے تو گناہ سے پاک ہو کر، باقی دوسرے لوگوں کی بدیاں جمع رکھی جائیں گی یہاں تک کہ قیامت کے دن ان کو سزا دی جائے گی۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

(ترجمہ) اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مؤمن ہو سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

(تفسیر) ﴿۱۲۴﴾ "ومن یعمل ...... تا ...... نقیرًا" کھجور کی مقدار تھیلی وہ گڑھا جو کھجور کی گٹھلی پر ہوتا ہے۔ ابن کثیر، ابوجعفر اور اہل بصرہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک "یدخلون" یاء کے ضمہ اور خاء کے فتح کے ساتھ اور سورۃ مریم، سورۃ حم المؤمن میں اسی طرح ہے۔ ابو عمرو نے "یدخلونہا" پڑھا ہے سورۃ فاطر میں اور دوسرے قراء نے یاء کے فتح اور خاء کے ضمہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اعمش نے ابی الضحیٰ سے اور انہوں نے مسروق سے روایت کیا۔ فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "لیس باماتیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوءً یجز بہ" اہل کتاب نے کہا ہم اور تم اس معاملے میں برابر ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "ومن یعمل من الصالحات"

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

(ترجمہ) اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو اور وہ ملت ابراہیم کا اتباع کرے، جس میں کجی کا نام نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا خالص دوست بنایا تھا۔

(تفسیر) ﴿۱۲۵﴾ "ومن احسن دینًا" اس سے مراد محکم دین ہے۔ "ممن اسلم وجھہ للّٰہ" جس کا عمل خالص اللہ ہی کے

لیے ہو۔ بعض نے کہا کہ جس نے اپنا کام اللہ کے سپرد کردیا ہو۔ "وھو محسن" محسن سے مراد موحد ہے۔ "واتبع ملۃ ابراھیم" ابراہیم علیہ السلام کا دین۔ "حنیفا" یعنی مخلص مسلمان ہوکر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دین ابراہیم علیہ السلام سے مراد کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا، طواف کرنا اور مناسک حج مراد ہے۔ یہاں پر ابراہیم علیہ السلام کو اس لیے خاص کیا کہ تمام اُمتوں کے نزدیک مقبول ہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ ملت ابراہیمی پر ہوئی اور پھر دوسری چیزیں بھی عطا کیں۔ "واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا" اس کا معنی ہے سچا دوست اور "خلۃ" کہا جاتا ہے خالص محبت کو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کا لقب دینے کا تفصیلی واقعہ

کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے۔ آپ بڑے مہمان نواز تھے آپ کا مکان سرراہ تھا جو ادھر سے گزرتا آپ اس کی میزبانی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں پر قحط شدید پڑا، لوگ کھانا طلب کرنے کے لیے آپ کے دروازے پر جمع ہوگئے۔ آپ کے لیے غلہ کی رسد ہر سال مصر سے ایک کے پاس آیا کرتی تھی۔ اس سال بھی آپ نے اپنے غلاموں کو اونٹ دے کر اس مصری دوست کے پاس بھیجا تاکہ غلہ لے آئیں۔ دوست نے غلاموں سے کہا اگر ابراہیم علیہ السلام اپنے لیے طلب کرتے تو ہم ان کی خاطر اس بار کو اٹھا بھی لیتے کیونکہ جو مصیبت لوگوں پر آئی ہے ہم پر بھی آئی ہے قاصد لوٹ پڑے۔ اثناء راہ میں ایک وادی کی طرف سے گزر ہوا، آپس میں کہنے لگے اونٹ خالی لے جاتے ہوئے تو ہم کو شرم آتی ہے مناسب یہ ہے کہ اس وادی کی کچھ مٹی لے کر ہم بوریوں میں بھرلیں تاکہ لوگ دیکھ کر خیال کریں کہ ہم غلہ لے کر آئے ہیں یہ کہہ کر بوریاں با آسانی بھرلیں اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ کی اطلاع دے دی۔

اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام سو رہی تھیں، لوگ دروازہ پر تھے۔ حضرت کو یہ بات سن کر بڑا افسوس ہوا اسی دوران میں نیند میں مغلوب ہوکر سو گئے۔ سارہ بیدار ہوئیں تو دن چڑھ گیا تھا، کہنے لگیں تعجب ہے غلام نہیں آئے غلاموں نے آواز دی کیوں نہیں۔ حضرت سارہ نے جواب دیا تو پھر کچھ لائے نہیں، غلاموں نے کہا لائے کیوں نہیں، سارہ علیہا السلام اُٹھ کر بوروں کے پاس گئیں اور ان کو کھولا تو ان میں بڑا کھرا آٹا نکلا۔ آپ نے روٹی پکانے والوں کو حکم دیا حسب الحکم انہوں نے روٹیاں پکائیں اور لوگوں کو کھانا کھلایا، اتنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوگئے اور آپ کو کھانے کی خوشبو آئی، فرمایا سارہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ سارہ علیہا السلام نے کہا آپ کے مصری دوست کے پاس سے، فرمایا کہ یہ میرے خلیل کے پاس سے آیا جو اللہ ہے اسی روز اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ اس دن سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کہلانے لگے۔ زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ خلیل اس کو کہا جاتا ہے جس کی محبت میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ "خلۃ" کا معنی ہے سچائی۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے محبت اور چہیتے ہوئے بندے ہیں اور بعض نے کہا کہ "خلۃ" حاجت کو کہا جاتا ہے چونکہ ابراہیم علیہ السلام اپنی حاجت صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی رکھتے ہیں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا "واتخذ اللہ

ابراھیم خلیلاً" "خلۃ جانبین" سے تقاضا کرتا ہے اور حاجت جانبین سے نہیں ہوتی بلکہ جانب واحد سے ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے بھائی اور رفیق ہیں اور اللہ نے تمہارے ساتھی کو خلیل بنالیا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو احاطہ فرمائے ہوئے ہیں اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی جو کہ قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں جو کہ ان یتیم عورتوں کے باب میں ہیں جن کو جو ان کا حق مقرر ہے نہیں دیتے ہو اور ان کیساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو اور کمزور بچوں کے باب میں اور اس باب میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو اور جو نیک کام کرو گے سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر ۝ "وللہ مافی السمٰوٰت ...... تا ...... وکان اللہ بکل شیء محیطا" اس کا علم تمام اشیاء پر محیط ہے۔

ویستفتونک کی تفسیر اور شان نزول

۝ "ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن" کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ام کحہ کی لڑکیوں کی اس میراث کے متعلق ہوا تھا جو ان کو باپ کی طرف سے پہنچی تھی۔ اس کا قصہ سورۃ کے شروع میں گزر چکا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس یتیم لڑکی کے بارے میں نازل ہوئی جو ایک شخص کی نگرانی (پرورش) میں تھی اور وہ اس کا ولی تھا اور اس کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت رکھتا تھا۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ اگر یتیم بچی خوبصورت اور مال و دولت والی ہوتی تو اس کے ساتھ کم مال کے عوض نکاح کر لیتے اور اگر وہ بچی کم مال ہوتی یا حسن صورت والی نہ ہوتی تو اس کو چھوڑ دیتے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ اس یتیمہ کے متعلق وارد ہے جو ایک شخص کی زیر پرورش تھی اور وہ شخص اس کے مال میں شریک تھا

اور وہ اس کے ساتھ شادی کی رغبت رکھتا تھا اور دوسرے شخص کے لیے اس کو شادی کروانا ناپسند سمجھتے تھے تاکہ کوئی دوسرا اس کے مال میں شریک نہ ہو جائے۔ اس عورت کو اپنے پاس قید کرتے نہ تو وہ اس کی کسی سے شادی کرنے دیتا اور نہ خود کرتا حتیٰ کہ وہ مر جاتی اور اس کے مال کا وہ وارث بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں اس کی نہی فرمائی ہے۔ "یستفتونک" تجھ سے عورتوں کے متعلق خبر دیتے ہیں "قل اللہ یفتیکم فیھن"

"وما یتلی علیکم فی الکتاب" بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ تم کھول کر بیان کرو جو تمہارے اوپر تلاوت کیا گیا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے ان عورتوں کے متعلق حکم کھول کر بیان کر دیا اور ان کی میراث کے متعلق تمہارے لیے کھول کر بیان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وآتوا الیتامی اموالھم"...... "فی یتامی النساء" یہاں "اضافت الشی الی نفسہ" ہے۔ یہاں یتامیٰ سے مراد عورتیں ہیں۔ "اللاتی لا تؤتونھن" ان کو عطا نہ کرنے والے۔ "ما کتب لھن" جو ان کے مہروں کے متعلق تمہارے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ "وترغبون ان تنکحوھن" ان کے مال کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور ان کی خوبصورتی کی وجہ سے اور ان کے مہر کم کرنے کی وجہ سے ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو۔ حسن اور ایک جماعت کا قول ہے کہ ان لوگوں کا ارادہ اور نیت یہ ہوتی تھی کہ ان کو میراث کا حق نہیں دیتے تھے اس لیے کہ ان کے نزدیک عورتیں وارث نہیں بنتی اور ان عورتوں کے ساتھ خود نکاح کرنے کی رغبت رکھتے تاکہ کوئی اور ان سے نکاح نہ کر لے۔

"والمستضعفین من الولدان" اس سے مراد چھوٹے بچے ہیں کیونکہ اس زمانے میں یہ چھوٹے بچوں کو بھی میراث نہیں دیتے تھے اور نہ ہی ان کے حق پورے کے پورے ادا کرتے۔ لہٰذا یہ آیت جو یتیم بچوں کے بارے میں تم کو سنائی جاری ہے وہ بھی کھول کر حکم بیان کر رہی ہے اور وہ آیت یہ ہے "وآتوا الیتامی اموالھم" چھوٹے بچوں کے حقوق کو ادا کرنے کے ساتھ۔ "وأن تقوموا للیتامی بالقسط" یعنی یتیموں کے ساتھ عدل کرنے کا حکم بھی تم کو سنایا جا رہا ہے قسط سے مراد میراث اور ان کے مہر ہیں۔ "وما تفعلوا من خیر فان اللہ کان بہ علیما" اس کا بخوبی علم ہے اور قیامت کے دن اس کا بدلہ دے گا۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ ۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۞

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

وان امرأۃ خافت کا شانِ نزول

تفسیر ⓬ "وان امرأة خافت من بعلها نشوزًا او اعراضًا" یہ عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی جو خولہ بنت محمد بن مسلمہ کہا جاتا اور ان کے شوہر سعد بن ربیع کے بارے میں نازل ہوئی یا حضرت رافع بن خدیج کے حق میں نازل ہوا جنہوں نے بنت محمد رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تھا۔ اس وقت خولہ جوان تھیں جب بوڑھی آگئی تو رافع نے کسی دوسری بیوی کو ان پر ترجیح دی اور ان سے الگ ہوگئے۔ محمد بن مسلمہ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اس بات کی شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایک شخص تھا جس کی بیوی بوڑھی ہوگئی تھی۔ اس شخص کی اس بیوی سے بچے بھی تھے۔ مرد نے اس کو طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہا۔ عورت نے کہا مجھے طلاق نہ دو، اپنے بچوں پر مجھے رہنے دو اور اگر چاہو تو دو ماہ میں میرے لیے ایک باری مقرر کر دو نہ چاہو تو یہ بھی نہ کرو۔ مرد نے جواب دیا اگر تو اس پر رضامند ہے تو مجھے بھی یہ صورت پسند ہے۔ پھر وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ اس پر آیت "وان امرأة خافت" نازل ہوئی۔

"من بعلها" اس سے مراد شوہر ہے۔ "نشوزًا" اس سے مراد بغض ہے۔ کلبی رحمہ اللہ نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ اس کا بستر علیحدہ کر دو اور اس سے اپنے چہرے کو پھیر دو اور اس سے کم گفتگو۔ "فلا جناح علیهما" اس سے مراد شوہر اور بیوی ہے۔ "ان یصلحا" یعنی وہ آپس میں مصالحت کرتے ہوں۔ اہل کوفہ نے "ان یُصلحا" اصلاح سے لیا ہے۔ "بینهما صلحًا" اس سے مراد تقسیم اور خرچ ہے کہ شوہر اس سے کہے کہ تم بوڑھی ہوگئی اور میں جوان عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں جو خوبصورت ہوگی اور باری کی تقسیم میں اس کو ترجیح دوں گا تو اس پر رضامند ہے تو میرے پاس رہتی رہو اگر تجھے ناگوار ہو تو تجھے طلاق دے دوں گا۔ ایسی حالت میں اگر عورت رضامند ہو جائے تو یہ اس کا احسان ہوگا۔ اس معاملہ پر اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا اور اگر رضامند نہ ہو تو پھر مرد پر لازم ہے یا تو اس کے مصارف اور باری کا حق پورا ادا کرے ورنہ حسن سلوک کے ساتھ آزاد کر دے۔ اگر اس کو نکاح میں رہنے دے گا اور اس کا حق ادا کرتا رہے گا بکراہت خاطر ہی ہو تو اس کو محسن کہا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اگر وہ بعض چیزوں میں صلح کر لیں تقسیم اور نفقہ کے بارے میں اس صورت میں جس پر وہ راضی ہے اتنا جائز ہے۔ اگر وہ صلح کے بعد منکر ہو جائے تو یہ اس عورت کا ہوگا اور حق بھی عورت کا ہوگا۔

زوجات میں مساوات کا حکم

مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ اگر بوڑھی عورت کسی کے نکاح میں ہو پھر کسی جوان عورت سے مرد نکاح کرے اور بوڑھی عورت سے کہے میں تجھے اتنا مال دوں گا بشرطیکہ تو اپنے حق کی باری میں کمی کر دے اور دوسری عورت کو اپنی باری دے دے اور بوڑھی عورت رضامند ہو جائے تو بہتر اور اگر راضی نہ ہو تو مرد پر دونوں میں مساوات رکھنی لازم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے اسی آیت کے ذیل میں فرمایا اگر کوئی عورت کسی کے نکاح میں ہو لیکن بدصورتی یا زیادتی عمر کے سبب مرد کی نظر میں نہ جچے اور عورت اس مرد سے جدا ہونا بھی پسند نہ کرے اور مرد کو کچھ مال دے دے تو یہ مال اس شخص کے لیے حلال ہے اور اپنی باریوں میں سے کوئی باری دے دے تب بھی درست ہے۔

"والصلح خیر" اس کو اختیار دینے کے بعد اس کو اپنے پاس روکے رکھنا اور مصالحت کہا جاتا ہے بعض حقوق کو چھوڑ دینا تقسیم میں یا نفقہ میں۔ جیسا کہ مروی ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا جب بوڑھی ہو گئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو جدا کر دیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے طلاق نہ دیجئے اور اپنی زوجیت میں مجھے رہنے دیجئے تاکہ میں قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں اٹھائی جاؤں اور میں اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس روکے رکھا اس دن کے بعد تقسیم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو دن گزارتے تھے۔ ایک دن کی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اپنی باری اور دوسری حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی۔

"واحضرت الانفس الشح" شح زوجین میں سے ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔ شح بخل حقیقت میں کہا جاتا ہے خیر سے روکنے کی حرص کرنا۔ "وان تحسنوا" تم آپس میں صلح کرو گے۔ "وتتقوا" اور ظلم و جور سے بچو گے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خطاب ہے۔ یعنی اگر تم ناپسندیدگی کے باوجود بھی ان کو اپنے پاس روکے رکھو گے اور ان کے ساتھ ظلم نہیں کرو گے۔ "فان اللہ کان بما تعملون خبیرا" وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝

ترجمہ: اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کر دو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور اگر دونوں میاں بی بی جدا ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے احتیاج کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیر: ۝ "ولن تستطیعوا أن تعدلوا بین النساء" تم اس بات پر قدرت نہیں رکھتے کہ تم عورتوں کے ساتھ محبت اور میلان قلب میں مساوات کر سکو۔ "ولو حرصتم" اگرچہ تم کتنا ہی ان کے درمیان عدل رکھنے کی خواہش کرو۔ "فلا تمیلوا" جن بیویوں کی طرف تمہارا میلان ہے۔ "کل المیل" مکمل طور پر جھک جاؤ یعنی تقسیم باری اور خرچ وغیرہ میں۔ یعنی تم اپنے افعال اور خواہش کی پیروی نہ کرو۔ "فتذروھا کالمعلقۃ" اور دوسری بیوی کو معلقہ چھوڑ دو نہ تو تم اس کو چھوڑ کہ وہ

کسی دوسرے کے ساتھ شادی کرے اور نہ ہی تم اس کے حقوق کو ادا کرو۔ قتادہ رحمہ اللہ نے اس کا معنی کیا ہے کہ اس کو قید نہ رکھو۔ ابی بن کعب کی قراءت میں ہے "کانہا مسجونۃ"

حضرت ابوقلابہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج میں عدل کرتے تھے اور یہ ارشاد فرماتے تھے اے اللہ! میری طاقت میں جو کچھ ہے اس میں میری طرف سے برابری ہے اور جو بات میرے قبضہ میں نہیں وہ تیرے اختیار میں ہے اس کے متعلق مجھے نہ پکڑنا۔ بعض حضرات نے یہ روایت حضرت ابوقلابہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن یزید سے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔

ازواج میں ناانصافی کرنے والے کے بارے میں شدید وعید

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف زیادہ مائل ہو تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔ "و ان تصلحوا و تتقوا" ظلم و زیادتی سے۔ "فان اللہ کان غفورا رحیما"

● "و ان یتفرقا" عورت اور مرد دونوں طلاق کی وجہ سے الگ الگ ہو جائیں۔ "یغن اللہ کلا من سعتہ" وسعت کا معنی یہاں رزق سے کیا ہے یعنی عورت کو دوسرا شوہر دے دے گا اور مرد کو دوسری بیوی۔ "و کان اللہ واسعا حکیما"

ازواج کے درمیان مساوات کے مسائل

واسعا کا معنی ہے فضل اور رحمت اور حکیما سے مراد جن امور میں حکم دیا گیا اور اس سے روکا گیا۔ من جملہ اس آیت کا حکم یہ ہے کہ جب ایک مرد کے پاس دو بیویاں ہوں یا اس سے زائد ہوں تو اس پر برابری لازمی ہے تقسیم میں اور اگر اپنی بیویوں میں تقسیم میں کمی برتے گا تو اللہ کے ہاں نافرمان لکھا جائے گا اور اسی پر فیصلہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ رات گزارنے میں برابری کرے نہ کہ جماع کرنے میں کیونکہ جماع تو نشاط اور عدم نشاط پر مبنی ہے۔ اس کے بارے میں اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور اگر اس کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہے اور ایک باندی ہے تو آزاد عورت کے پاس دو راتیں اور باندی کے پاس ایک رات گزارے گا۔ اسی طرح اگر وہ پرانی بیویوں کی موجودگی میں نئی بیوی سے شادی کرے گا تو نئی کو ترجیح دے گا اور اس کے پاس کم از کم سات دن گزارے گا۔ اگر وہ نئی بیوی باکرہ ہو اور اگر وہ عورت ثیبہ ہو تو پھر اس کے ساتھ تین راتیں گزارے پھر اس کے بعد برابری اختیار کرے، ان راتوں میں پرانی عورتوں کے درمیان برابری لازمی نہیں۔

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سنت ہے کہ اگر پہلی بیوی پر کسی کنواری سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات رات رہے اور اگر شادی شدہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس

تین رات رہے۔ پھر سات اور تین راتوں کے بعد باری کی تقسیم کرے۔ ابوقلابہ فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا تھا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص سفر کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیویوں میں سے بعض کو اپنے ساتھ لے جائے قرعہ اندازی کر کے۔ پھر باقی عورتوں کے لیے واجب نہیں مدت سفر کی راتیں ان عورتوں میں تقسیم کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے درمیان قرعہ ڈالتے جس کا نام قرعہ میں نکل آتا اس کو ساتھ لے جاتے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا ہوتو پھر اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے بعض کو بعض کے ساتھ خاص نہ کرتے نہ قرعہ کے ساتھ اور نہ ہی کسی اور وجہ سے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر ناسپاسی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی ملک میں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کے حاجت مند نہیں خود اپنی ذات میں محمود ہیں اور اللہ ہی کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں اگر ان کو منظور ہو تو اے لوگو! تم سب کو فنا کر دیں اور دوسروں کو موجود کر دیں اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر ﴿۱۳۱﴾ "وللّٰہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض" سب کچھ اسی کی ملکیت ہے خواہ غلام ہوں یا کچھ اور "ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم" اس سے مراد اہل التورات اور انجیل ہے اور تمام اُمتیں جو ماقبل میں گزر چکی ہیں کتابوں میں۔ "وایاکم" اے اہل قرآن جو قرآن میں ہے۔ "ان اتقوا اللّٰہ" اللہ کی توحید بیان کرو اور اس کی اطاعت کرو۔ "وان تکفروا" جس کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے۔ "فان للّٰہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض" جو فرشتوں خواہ زمین میں ہیں یا آسمان وہ سب اسی کی اطاعت کرتے ہیں۔ "وکان اللّٰہ غنیا" ساری مخلوق اور اس کی اطاعت کی اس کو ضرورت نہیں۔ "حمیدا" مخلوق اس کی نعمتوں پر حمد کرے یا نہ کرے۔

﴿۱۳۲﴾ "وللّٰہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وکفٰی باللّٰہ وکیلا" عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے

لکھتے ہیں یعنی وہ گمراہ ہیں جو اس میں ظلام رہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد اجر ہیں۔ "وللّٰہ ما فی السمٰوٰت والارض" میں تکرار لانے کا کیا فائدہ ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کو جدا جدا ذکر کرنے میں مختلف وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ "للّٰہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض" میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کی وصیت قبول کرو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ "فان للّٰہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وکان اللّٰہ غنیا" وہ غنی ہے اور اسی کے لیے بادشاہت ہے۔ لہٰذا جو چیز تمہیں مطلوب ہے اسی سے طلب کرو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ "وللّٰہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وکفیٰ باللّٰہ وکیلاً" اس کی بادشاہت ہے اس کو کارساز بناؤ، غیر پر بھروسہ نہ کرو۔

❁ "ان یشاء یذھبکم" تمہیں وہ ہلاک کردے۔ "ایھا الناس" اس سے مراد کفار ہیں۔ "ویأت بآخرین" تمہارے علاوہ دوسری قوم لے آئے جو تم سے بہتر اور اطاعت گزار ہو۔ "وکان اللّٰہ علیٰ ذٰلک قدیرا" اقتدیرا بمعنی قادر کے ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝

ترجمہ: جو شخص دنیا کا معاوضہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ذات ہی پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے سو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں اے ایمان والو تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور ان کتابوں کے ساتھ جو کہ پہلے نازل ہو چکی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور روز قیامت کا تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا۔

تفسیر: ❁ "من کان یرید ثواب الدنیا فعند اللّٰہ ثواب الدنیا والاٰخرۃ" جو شخص اپنے نیک اعمال کے ذریعے دنیا میں فراوانی چاہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا ہی میں کچھ حصہ دے دیتے ہیں یا اسی شکل

کے بدلے میں اس سے کوئی آزمائش دُنیا میں دور کردی جاتی ہے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی ثواب نہیں ملتا اور جو کوئی شخص اپنے اعمال کے ذریعے آخرت کا ثواب کا طالب ہے اللہ تعالیٰ اس کو دُنیا میں بھی جتنا چاہتا ہے دے دیتا ہے اور آخرت میں بھی اس کو جنت دی جاتی ہے۔ "و کان اللّٰہ سمیعًا بصیرًا"

⑪ "یایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للّٰہ" یعنی گواہوں کے ذریعے انصاف والا فیصلہ کرنے والے بن جاؤ۔ یعنی اللہ کے لیے عدل کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تم عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے والے بن جاؤ جس کے بارے میں شہادت دی جارہی ہے۔ "ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین" یعنی ذی رحم کے لیے بھی انصاف کرو۔ مطلب یہ ہے کہ حق بات کرو اگرچہ تمہیں اپنے بارے میں حق کے مطابق فیصلہ کرنا پڑ جائے یا اپنے والدین کے بارے میں یا قریبی رشتہ داروں کے بارے میں ان پر بھی اللہ کا فیصلہ قائم کرو کسی غنی کے غناء سے رعب میں نہ آؤ اور نہ ہی کسی فقیر کے فقر کی وجہ سے اس پر رحم کرو۔ "ان یکن غنیًا او فقیرًا فاللّٰہ اولیٰ بھما" مشہود علیہ پر بھی حکم قائم کرو۔ اگر چہ وہ غنی ہو اور مشہود لہ کے لیے بھی فیصلہ برحق کرو۔ اگر چہ وہ فقیر ہو اللہ تعالیٰ کا تعلق ان دونوں سے زیادہ ہے۔ ان دونوں کے امر کو اللہ کی طرف چھوڑ دو۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے ان دونوں کا علم اللہ کے ہاں بہتر ہے۔ "فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا" کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو اور نہ ہی حق سے باطل کی طرف رُجحان کرو۔ بعض نے کہا کہ خواہشات کی طرف پیروی نہ کرو تا کہ تم ان دونوں پر انصاف کرسکو تا کہ تم عادل ہو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو تا کہ تمہارے سے اللہ راضی ہو جائے۔ "وان تلوا" یعنی شہادت سے تم اپنی زبان پھیرلو گے۔ یعنی شہادت میں کجی اختیار کرو گے اور کجی شہادت سے زبان پھیرلو گے۔ "او تعرضوا" تم اس سے اعراض کرو گے شہادت کو چھپا کر اور اس کو قائم نہیں کرو گے۔

بعض نے کہا کہ تم کجی شہادت دینے سے پہلوتہی کرو گے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے اس کے حق کو پھیر دیا۔ جب اس کی شہادت کو باطل قرار دیا جائے۔ بعض نے کہا کہ یہ حکام کو خطاب ہے یعنی اے حاکمو اگر تم اپنا رُخ کسی ایک فریق کی طرف جھکا دو گے یا ایک فریق سے اعراض کرو گے۔ ابن عامر اور حمزہ نے "تلوا" لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا اصل تلووا ہے ایک واؤ کو بطور تخفیف کے حذف کر دیا اور بعض نے کہا کہ اگر تم اپنی شہادت دوسروں کے سپرد کردو گے یا ان سے اعراض کرو گے تو ان کا حق ادا کرنے میں کوتاہی برتو گے تو اسی کا نقصان ہوگا۔ "فان اللّٰہ کان بما تعملون خبیرًا"

⑫ "یا یھا الذین آمنوا امنوا باللّٰہ ورسولہ" کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کا نزول عبداللہ بن سلام واسد، اسید بن کعب، ثعلبہ بن قیس، سلام بن اخت، عبداللہ بن سلام، سلمہ بن اخی، یامین بن یامین۔ یہ سب لوگ اہل کتاب کے مؤمنین میں سے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی کتاب پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور توریت پر بھی اور عزیر علیہ السلام پر بھی ان کے علاوہ ہم کسی پیغمبر اور کتاب کو نہیں مانتے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بلکہ تم ایمان لے آؤ اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر ایمان لاؤ جو درحقیقت تمام کتابوں پر ایمان لانا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ "یا یھا الذین امنوا" ایمان لاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پر موسیٰ علیہ السلام پر اور تورات پر۔ "امنوا باللہ ورسولہ" محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر "والکتاب الذی نزل علی رسولہ" یعنی قرآن پر "والکتاب الذی انزل من قبل" اس سے پہلے توریت اور انجیل پر اور زبور پر اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ ابن کثیر، ابن عامر، ابوعمرو رحمہم اللہ نے "نزل و انزل" نون کے ضمہ اور الف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے "نزّل و انزل" فتح کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اللہ نے نازل فرمایا۔ "ومن یکفر باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر فقد ضل ضلالاً بعیدا" جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر اور تمام رسولوں پر اور قرآن سے پہلے جتنی کتابیں نازل ہوئیں ان سب پر اور فرشتوں پر اور آخرت کے دن پر ان میں سے کسی سے فرق نہیں کرتے۔ ہم سب مسلمان ہیں۔

ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور بعض نے کہا "یاایھا الذین امنوا" سے مراد موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ "امنوا" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ ان لوگوں سے مراد (منافقین) ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہوگا "یا یھا الذین امنوا" وہ زبان سے ایمان لائے۔ "آمنوا" ایمان لاؤ دل سے۔ ابوالعالیہ اور ایک جماعت کے نزدیک کہ یہ خطاب مؤمنین کو ہے۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ آیت کا معنی یہ ہوگا۔ "یا ایھا الذین امنوا امنوا" کہ تم اس پر قائم رہو اور ثابت قدم رہو ایمان پر۔ جیسا کہ کوئی کھڑا ہو تو اس کو کہا جائے کھڑا ہو جا یہاں تک کہ میں واپس لوٹ آؤں۔ یعنی تم یہاں کھڑے رہنا جب تک میں نہ آؤں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد اہل شرک ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہوگا۔ "یا یھا الذین امنوا" لات اور عزیٰ پر "امنوا" اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۞ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُم عَذَابًا أَلِيمًا ۞

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ ان کو (منزل مقصود یعنی بہشت کا) راستہ دکھائیں گے منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا ہے۔

تفسیر: ۞ "ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا" قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہود ہیں جو موسیٰ علیہ السلام پر پہلے ایمان لائے۔ پھر گوسالہ پرستی کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ پھر توریت پر ایمان لائے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہو گئے، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کر کے کفر میں بڑھتے

چلے گئے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اس سے تمام اہل کتاب مراد ہیں کہ پہلے وہ اپنے اپنے انبیاء پر ایمان لائے، پھر ان کا انکار کیا اوران انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے پھر انکار کر دیا اور اس کتاب پر عمل چھوڑ دیا۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کفر میں مزید ترقی کی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آیت میں وہ مرتد مراد ہیں جو ایمان لاکر پھر ایمان سے پھر گئے تھے پھر مسلمان ہو گئے پھر مرتد ہو گئے، پھر مسلمان ہو گئے، پھر مرتد ہو گئے۔ اس طرح ان کے مثل، کیا ان کی توبہ قبول ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی بلکہ ان کو قتل کیا جائے گا۔ "لم یکن اللہ لیغفر لھم" وہ اس پر قائم نہیں رہے گا۔ "ولا لیھدیھم سبیلا" یعنی حق کی طرف سیدھا راستہ۔ اگر کہا جائے کہ اس آیت کا معنی کیا ہے "لم یکن اللہ لیغفر لھم" اور یہ بات معلوم ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں ہوگی اگرچہ پہلی مرتبہ کیوں نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ معنی اس کا یہ ہے کہ جب کوئی کافر پہلی مرتبہ اسلام قبول کرلے اور اس پر دوام رکھے تو اس کے ماقبل کفر کو مٹا دیا جائے گا۔ اگر وہ اسلام لے آیا پھر کفر اختیار کیا، پھر اسلام لے آیا پھر کفر اختیار کیا پھر اس سے ماقبل کفر کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اسلام پر دوام رکھے تو پھر ماقبل کفر معاف ہو جائے گا۔

۞ "بشر المنافقین" ان کو خبر دیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم "بان لھم عذابا الیما" بشارت ہر اس خبر کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کا چہرہ بدل جائے۔ خواہ وہ خبر خوشی کی ہو یا شر ہو۔ زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے کہ معنی آیت یہ ہے کہ عذاب کی جگہ بشارت کا لفظ ذکر کرو۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے۔ "تحیتک و عتابک السیف" یہاں پر سزا کی جگہ تحیہ کا لفظ ذکر کیا ہے۔ پھر منافقین کا وصف بیان کیا اور کہا۔

ۨ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۞ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ۖؗ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا ۞ ۨ الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖؗ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ۞

ترجمہ: جن کی یہ حالت ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کر دیں کہ

اس حالت میں تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے۔ وہ ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے کے منتظر رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہو گئی تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل گیا تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمان سے بچا نہیں لیا سو اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان کا قیامت میں عملی فیصلہ فرمائیں گے اور (اس فیصلہ میں) ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرماویں گے

تفسیر ⊛ "الذین یتخذون الکافرین اولیاء" یعنی یہودیوں کو اپنا مددگار اور یار غار بناتے ہیں۔ "من دون المؤمنین، ایبتغون عندھم العزۃ" وہ کافروں کی مدد اور دوستی سے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عزت وقوت کے طلبگار ہیں۔ بعض نے کہا کہ کیا تم ان کے ساتھ قوت کو طلب کرتے ہو۔ "فان العزۃ" غلبہ اور قوت وقدرت "للہ جمیعا" سب اللہ ہی کے لیے ہے۔

⊛ "وقد نزّل علیکم فی الکتاب" عاصم اور یعقوب نے "نَزَّل" نون اور زاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے "نُزِّل" نون کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اے مسلمانوں کی جماعت! تم پر لازم ہے "ان اذا سمعتم آیات اللہ" اس سے مراد قرآن ہے۔ "یکفر بھا ویستھزاء بھا فلا تقعدوا معھم" ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جو استہزاء کرتے ہیں۔ "حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ" اس وقت تک ان کی باتوں اور گفتگو کو لے لو جب تک کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ساتھ استہزاء نہ کریں۔ یہ اشارہ ہے سورۃ انعام کی اس آیت کی طرف "واذا رایت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ" ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قیامت کے دن تک جتنے بدعتی ہوں گے سب اسی آیت کے حکم میں داخل ہوں گے۔ "انکم اذا مثلھم" اگر تم ان کے پاس بیٹھو گے یہاں تک کہ تم ان میں گھس جاؤ اور ان کے کفر واستہزاء کی حالت میں بیٹھو گے اور اس پر راضی رہو گے تو انہی جیسے کافر ہو جاؤ گے۔ اگر ان باتوں کے علاوہ اور باتوں میں ان کے ساتھ شریک ہو گے تو پھر ان کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ بیٹھنا کراہت سے خالی نہیں۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں خواہ وہ استہزاء کو چھوڑ کر کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "واما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین" اکثر مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک پہلا قول راجح ہے۔ انعام کی آیت مکی ہے اور یہ مدنی ہے اور متاخر اولیٰ ہوتی ہے۔ "انّ اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جھنم جمیعا"

⊛ "الذین یتربصون بکم" منافقین تم پر مصیبت پڑنے کے منتظر ہیں۔ "فان کان لکم فتح من اللہ" یعنی ان کو کامیابی اور مال غنیمت حاصل ہو جائے۔ "قالوا" وہ تم کو کہتے ہیں "الم نکن معکم" کیا دین اور جہاد میں تمہارے ساتھ نہ تھے تو پھر ہمارے لیے مال غنیمت میں سے حصہ بنائیے۔ "وان کان للکافرین نصیب" ان کو مسلمانوں پر کچھ غلبہ مل گیا۔

"قالوا" پھر منافقین اور کافرین یہ کہتے۔ "الم نستحوذ علیکم" استحواذ کا معنی ہے غلبہ پانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "استحوذ علیہم الشیطان" وہ تمہارا والی اور غلبہ پانے والا ہے۔ وہ کہتے کہ کیا ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں پوشیدہ اور رازکی باتیں تمہیں بتلائیں۔

مبرد فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کیا ہم نے تم کو تمہاری رائے سے نہیں روک دیا اور مسلمانوں میں شامل ہوجانے سے باز نہیں رکھا تھا۔ "ونمنعکم" کیا تم کو ہم نے ان سے پھیر نہ دیا۔ "من المؤمنین" ان کے ساتھ شامل ہونے سے۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا ہم نے تمہاری مدد نہیں کی اور تم سے مسلمانوں کو روکے رکھا کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ نہیں کرسکتے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو وہ تمہیں ذلیل کردیتے اور ہم ان کی خبریں اور ان کے امور تمہیں نہ پہنچاتے۔ گویا اس کلام سے منافقین، کافروں پر اپنا احسان جتلا رہے ہیں۔ "فاللہ یحکم بینکم یوم القیامۃ" اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آخرت میں (غالب نہیں کرے گا) عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ دلیل میں ان کو غالب نہیں کرے گا اور بعض نے کہا کہ کافروں کے غالب نہ کرنے کا مطلب ہے صحابہ رضی اللہ عنہم پر غالب نہ کرنا۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: بلاشبہ منافق لوگ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اللہ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر معلق ہو رہے ہیں دونوں کے درمیان نہ ادھر نہ ادھر اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں ایسے شخص کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے اے ایمان والو تم مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ کیا تم یوں چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریح قائم کرلو

تفسیر: ۱۴۲ "ان المنافقین یخادعون اللہ وھو خادعھم" وہ دھوکہ دینے والوں جیسا معاملہ کرتے ہیں اور وہ اپنے دھوکہ دینے میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور اسی وجہ سے قیامت کے دن ان کو بھی نور دیا جائے گا۔ جیسا کہ مومنین کو دیا جاتا ہے مومنین ان کے نور کے پاس سے گزریں گے تو منافقین کے نور بجھ جائیں گے۔ "واذا قاموا الی الصلوٰۃ" منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں "قاموا کسالٰی" سست و بوجھل بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اللہ کے لیے نہیں کھڑے ہوتے، اگر تم

ان میں سے کسی ایک کو نماز پڑھتے دیکھو تو وہ پڑھتے رہیں گے وگرنہ وہ چلے جائیں گے اور بغیر دکھاوے کے نماز نہیں پڑھیں گے۔

"یراء ون الناس" وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیں نہ کہ اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔

"ولا یذکرون اللہ الا قلیلاً" ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن رحمہ اللہ کا قول ہے ان کے لیے یہ اس لیے ارشاد فرمایا کیونکہ یہ دکھاوے اور شہرت کے لیے ہی کرتے ہیں۔ اگر یہ تھوڑا سا عمل بھی اللہ کی رضا کی خاطر اور صحیح نیت کے ساتھ کر لیتے تو یہ ان کے لیے کافی ہو جاتا اور قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے منافقین کے ساتھ ذکر قلیل کا ذکر اس لیے کیا اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو قبول نہیں کرتا۔ اگر اللہ ان کے سب اعمال کو قبول کر بھی لے تو یہ ان کے لیے کافی ہوتا۔

⊛ "مذبذبین بین ذلک" وہ جانبین سے متردد ہیں کفر اور ایمان کے درمیان درمیان میں ہیں۔ "لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء" یعنی نہ تو یہ مؤمنین میں سے ہیں کہ ان کے ساتھ مؤمنین والا معاملہ کیا جائے اور نہ ہی کفار میں شامل ہیں کہ ان سے وہی چیزیں لی جائیں جیسی کفار سے لی جاتی ہیں۔ "ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلاً" ہدایت کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے ریوڑ سے بچھڑی ہوئی بکری جو دو گلوں کے درمیان کبھی ایک کی طرف اور کبھی دوسری گھومتی ہے۔

⊛ "یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین" مؤمنین کو کفار کے ساتھ میل جول رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ "اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطاناً مبیناً" تمہارے عذاب کی واضح دلیل موجود ہے۔ پھر منافقین کے درجات کو بیان کیا جا رہا ہے۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۞ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۞ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۞

(ترجمہ) بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جاویں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پاوے گا لیکن جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر وثوق رکھیں اور اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لئے کیا کریں تو یہ لوگ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے اور مؤمنین کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرماویں گے (اور اے منافقو) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم سپاس گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والے خوب جاننے والے ہیں۔

(تفسیر) ⊛ "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" اہل کوفہ نے "فی الدرک" راء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس کی دو لغات ہیں جیسے "ظَعْن، ظَعَن، نَھْر، نَھَر" ہے۔ ابن مسعود رضی

اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوزخ کے نچلے حصے میں لوہے کے صندوق میں ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صندوقوں کے اندر منافقین بند ہوں گے جن کے اندر منافقوں کے اوپر نیچے انگارے دھک رہے ہوں گے۔ "ولن تجدلهم نصيرا" جو ان کو دوزخ کے عذاب سے مانع ہو یا عذاب سے نکال دے۔

⑭ "الا الذين تابوا" جنہوں نے توبہ کی نفاق سے اور خالص ایمان لائے۔ "واصلحوا" اور اپنے اعمال کی اصلاح کی۔ "واعتصموا بالله" اللہ کے اوامر اور نواہی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ "واخلصوا دينهم لله" اس سے مراد دل سے اخلاص کرنا کیونکہ دل سے انکار کرنا نفاق ہے۔ لہٰذا دل سے اس کو زائل کردینا یہ دل کی صفائی ہے۔ "فاولئک مع المؤمنين" فراء نے مع کو من کے معنی میں لیا ہے۔ "وسوف يؤت الله المؤمنين" آخرت میں "اجرا عظيما" اس سے مراد جنت ہے۔

⑮ "مايفعل الله بعذابكم ان شكرتم" تم ان کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ "وآمنتم" اس آیت میں کچھ لفظی تقدیم وتاخیر ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہے اگر تم ایمان لاؤ اور تم اس کا شکر ادا کرو کیونکہ شکر فائدہ مند نہیں ہے جب دل میں ایمان نہ ہو استفہام تقریری ہے۔ مؤمن شاکر کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور کسی بندے کو عذاب دینے سے اس کی بادشاہت میں اضافہ نہیں ہوتا اور ان کے فعل پر ان کو چھوڑ دینے سے اس کی بادشاہت میں ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوسکتا۔ شکر کفر کی ضد ہے اور کفر کہتے ہیں نعمت کو چھپانا اور شکر یہ ہے کہ اس نعمت کا اظہار کیا جائے۔ "وكان الله شاكرا عليما" اگر شکر کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس کا معنی اس کی رضامندی اور ثواب کا دوہرا ہونا اور اگر شکر کی اضافت بندے کی طرف ہو تو معنی یہ ہوگا فرمانبرداری اور اللہ کی طرف ہو تو ثواب۔

❁❁❁

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ⑭⑧ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا

اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۞ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۞

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو (کسی کے لئے) پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے جانتے ہیں اگر نیک کام علانیہ کرو یا اس کو خفیہ کرو (بالخصوص) کسی (کی) برائی کو معاف کردو تو اللہ تعالیٰ (بھی) بڑے

معاف کرنے والے ہیں (باوجودیکہ) پوری قدرت والے ہیں جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان میں فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم (پیغمبروں میں سے) بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں بلکہ نہ سب پر ایمان ہو نہ سب کا انکار۔ ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کیلئے ہم نے اہانت آمیز سزا مقرر کر رکھی ہے۔

تفسیر ④ ......"لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم"

اللہ تعالیٰ بری بات کو زبان پر لانا پسند نہیں کرتا بجز مظلوم کے جس پر ظلم کیا گیا۔ مظلوم ظالم کے ظلم کی فریاد اور اس کے لیے بددعا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیھم من سبیل" حسن رحمہ اللہ کا قول ہے وہ دُعا کرے ان الفاظ میں۔ اے اللہ! اس کے معاملے میں میری مدد فرما۔ اے اللہ! اس سے میرے حق کی وصولیابی کی صورت مقدر فرما اور بعض نے کہا کہ اگر وہ اس کو گالی دینا چاہتا ہے تو اس کے مثل اس کو گالی دے اس پر زیادتی نہ کرے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو گالیاں دینے والوں میں سے جو پہل کرے، الزام اس پر ہے۔ جب تک مظلوم حد مساوات سے آگے نہ بڑھ جائے۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول مہمان کے حق میں ہوا اگر کوئی شخص کسی قوم کے پاس جا کر اترے اور وہ میزبانی نہ کریں اور ان کی طرف سے اچھی مہمان نوازی نہ ہو تو مہمان کے لیے شکوہ کرنا اور جیسا اس کے ساتھ سلوک کیا گیا ویسا بیان کرنا جائز ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہم کو تبلیغ کے لیے بھیجتے ہیں اور ہم جا کر ایسے لوگوں کے پاس اترتے ہیں جو ہماری مہمانی نہیں کرتے ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم لوگوں کے پاس جا کر اترو اور وہ تمہاری مناسب مہمانی کریں تو قبول کرلو اور اگر مناسب مہمانی کا اہتمام نہ دیں تو ان کے مناسب حال مہمانی کا حق ان سے وصول کرلو۔

ضحاک بن مزاحم و زید بن اسلم نے "الا من ظلم" ظاء اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ لیکن مظلوم اپنے قول کے ساتھ اس کی برائی کر سکتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ بری بات کو اونچی آواز سے پسند نہیں کرتا مگر وہ شخص جس پر ظلم کیا گیا۔ پہلی قرأت معروف ہے۔ "وکان اللہ سمیعًا" مظلوم کی دُعا سننے والے ہیں۔ "علیمًا" ظالم کی سزا کو جانتے ہیں۔

⑤ "ان تبدوا خیرًا" جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس نیکیاں دی جائیں گی اگر ان کا ارادہ بھی کرلیا۔ اگرچہ ان نیکیوں پر عمل بھی نہ کیا ہو تو ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ "او تخفوہ" اس سے مراد خیر ہے یا مال ہے۔ اگر تم جو صدقہ دیتے ہو اس کو جہراً دو یا تم چھپا کر دو۔ "او تعفوا عن سوء" اس کے ظلم سے معاف کر دیں گے۔ "فان اللہ کان عفوًا قدیرًا" اور یہ بات اولیٰ ہے کہ اللہ ان سے درگزر کر دے گا قیامت کے دن۔

⑥ "ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ" یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور توریت اور عزیر علیہ

السلام پر ایمان لائے اور عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر دیا اور انجیل کا انکار کر دے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کا انکار کیا۔ "ویریدون ان یفرقوا بین ...... تا ...... بین ذلک سبیلا" وہ راستہ جو یہود اور مسلمانوں کے درمیان ہے اور دو راستہ جس پر وہ چلتے ہیں۔

۞ "اولئک ھم الکافرون حقا" ان کا کفر مستحق ہو گیا کہ بعض چیزوں کا انکار کر دینا تمام چیزوں کا انکار کر دینا ہے۔ "واعتدنا للکافرین عذابا مھینا"

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۞ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۞ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۞

(ترجمہ) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ثواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں اور بڑے رحم والے ہیں آپ سے اہل کتاب (یہود) یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس ایک خاص نوشتہ آسمان سے منگوا دیں سو انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بات درخواست کی تھی۔ اور یوں کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھلا دو جس پر ان کی گستاخی کے سبب ان پر کڑک (بجلی) آ پڑی۔ پھر اس سے بڑھ کر (یہ کہ) انہوں نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کیا تھا بعد اس کے کہ بہت سے دلائل ان کو پہنچ چکے تھے پھر ہم نے اس سے درگزر کر دیا تھا اور موسیٰ (علیہ السلام) کو ہم نے بڑا رعب دیا تھا اور ہم نے ان لوگوں سے قول و قرار لینے کے واسطے کوہ طور کو اٹھا کر ان کے اوپر معلق کر دیا تھا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ دروازہ میں عاجزی سے داخل ہونا اور ہم نے ان کو حکم دیا تھا کہ یوم ہفتہ کے بارہ میں تجاوز مت کرنا اور اس کے علاوہ اور بھی ہم نے ان سے قول و قرار نہایت شدید لئے۔ سو ہم نے سزا میں مبتلا کیا ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور ان کے کفر کی وجہ سے احکام الٰہیہ کے ساتھ اور ان کے قتل کرنے کی وجہ سے انبیاء کو ناحق اور ان کے اس مقولہ کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں بلکہ ان کے کفر کے سبب ان قلوب پر اللہ تعالیٰ نے بند لگا دیا ہے سو ان میں سے ایمان نہیں لائیں گے مگر قدرے قلیل۔

تفسیر ...... "والذین امنوا باللہ ورسلہ" ان سب پر ایمان لائے۔ "ولم یفرقوا بین احد منھم" اور رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے کیونکہ وہ سب اہل ایمان ہی تھے اور وہ کہتے تھے کہ ہم رسولوں کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں کرتے۔ "اولئک سوف یؤتیھم اجورھم" اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے اور اس کی تمام کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کی وجہ سے ان کو ضرور ثواب دے گا۔ بعض حضرات "یؤتیھم" یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں اور دوسرے قراء "نؤتیھم" پڑھتے ہیں۔ "وکان اللہ غفورًا رحیمًا"

...... "یسالک اھل الکتاب" یہود میں سے کعب بن اشرف اور فنحاص بن عازوراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہا۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے لیے آسمان سے کتاب لائیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کتاب لائے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی۔ "ان تنزل علیھم کتابًا من السماء" ان کا یہ سوال تکبر اور اکڑپن اور حاکمانہ شان کے ساتھ تھا۔ عاجزی کے طور پر نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کسی حاکمانہ شانہ کے سوال پر آیات نازل نہیں فرمایا کرتا "فقد سالوا موسٰی اکبر من ذلک" وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے تھے جس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ستر آدمیوں کو پہاڑ کی طرف لے گئے تھے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا۔ "فقالوا ارنا اللہ جھرۃ" جہرۃ کا معنی عیانًا یعنی سامنے دکھا دے۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بنی اسرائیل نے اعلانیہ طور پر کہا کہ ہمیں خدا دکھا دو۔ "فاخذتھم الصعقۃ بظلمھم ثم اتخذوا العجل" انہوں نے دوسرا معبود اپنا بنالیا۔ "من بعد ما جاء تھم البینات فعفونا عن ذلک" یعنی مکمل طور پر ان کی بیخ کنی نہیں کی۔ بعض نے کہا کہ اس سے صرف ان کو توبہ کی طرف دعوت دلانا مقصود تھا۔ معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے گناہ سے معافی مانگ لی تو ہم نے ان کے گناہ کو معاف کر لیا۔ لہٰذا تم بھی توبہ کرو تا کہ ہم تمہارے گناہ معاف کریں۔ "واتینا موسٰی سلطانًا مبینًا" وہ واضح دلائل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے اور وہ نو تھے۔

...... "ورفعنا فوقھم الطور بمیثاقھم وقلنا لھم ادخلوا الباب سجدًا وقلنا لھم لاتعدوا فی السبت" اہل مدینہ کا قول ہے کہ "لا تعدّوا" تشدید دال کے ساتھ ہے اور ورش کی روایت کے مطابق اور دوسرے قراء نے ان کو جزم دیا۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تم تجاوز نہ کرو اور نہ ہفتہ کے دن میں مچھلی کا شکار کر کے ظلم کرو۔ "واخذنا منھم میثاقًا غلیظًا"

...... "فبما نقضھم میثاقھم" ان کے عہد کو توڑ کر۔ "فبما" میں ما موصولہ ہے جیسا کہ "فبما رحمۃ من اللہ" اور اس وجہ سے ان پر مہر لگا دی۔

"فلا یؤمنون الا قلیلاً" جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی۔ وہ لوگ مراد نہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے کیونکہ جن کے دل پر اللہ نے مہر لگا دی ہے وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس سے مراد بہت تھوڑے ایمان لانے والے ہوں گے۔ اس سے مراد عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ تھوڑے ایمان نہیں لائیں گے اور نہ زیادہ لوگ ایمان لائیں گے۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

ترجمہ: اور ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم (علیہا السلام) پر ان کے بڑا بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں۔ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں۔

تفسیر: ❶ (وبکفرھم وقولھم علی مریم بھتانا عظیما) بہتان سے مراد زنا کی تہمت لگانا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام پر جب گناہ کی تہمت لگائی

❷ "وقولھم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم" اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس شخص پر ڈال دی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے ان کے گھر میں داخل ہوا اور بعض نے کہا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر کے رکھا ہوا تھا۔ عیسائیوں نے اپنا رقیب اندر بھیجا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ اس شخص پر ڈال دی تو لوگوں نے اس شخص کو قتل کر دیا اور بعض نے کہا کہ اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ ہے۔ جیسا کہ ہم سورۂ آل عمران میں اس کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ "وان الذین اختلفوا فیہ" ان کے قتل کرنے میں عیسائیوں میں اختلاف واقع ہو گیا۔ "لفی شک منہ" ان کے قتل میں وہ شک کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے متعلق یہودیوں کا اختلاف

کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان میں یہ اختلاف تھا کہ یہود کہتے تھے کہ ہم نے ان کو قتل کیا اور نصاریٰ کا ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ ہم نے ان کو قتل کیا اور ان میں سے ایک گروہ کا یہ کہنا تھا کہ نہ انہوں نے ان کو قتل کیا نہ کسی اور نے ان کو قتل کیا بلکہ اللہ نے ان کو آسمان کی طرف اُٹھا لیا ہے اور ہم اس طرف دیکھ رہے تھے اور بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ صطیانوس کے چہرے پر ڈال دیا اور اس کے بقیہ جسم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ نہ کیا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اختلاف کیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا کیونکہ وہ چہرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ

السلام کو قتل نہیں کیا گیا کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے جسم جیسا اس کا جسم نہیں تھا۔ پس ان میں اختلاف واقع ہوگیا۔ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان لوگوں میں اس طور پر اختلاف واقع ہوگیا کہ انہوں نے کہا کہ اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو تمہارا ساتھی کہاں ہے اور اگر یہ تمہارا ساتھی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "مالھم بہ علم" اس کی حقیقت کے متعلق ان کو کوئی علم نہیں کہ وہ قتل کیے گئے ہیں یا قتل نہیں کیے گئے۔ "الا اتباع الظن" لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بارے میں اپنی گمان پر یقین رکھتے ہیں۔ "وما قتلوہ یقینا" حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقیناً قتل نہیں ہوئے۔

● "بل رفعہ اللہ الیہ" بعض نے کہا کہ یقیناً وہ بعد میں واپس لوٹیں گے۔ "وما قتلوہ" تقدیری کلام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یقینی طور پر ان کو اٹھا لیا اور وہ قتل نہیں کیے گئے۔ فراء کا قول ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کو انہوں نے قتل کیا اس کے عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا ان کو یقین نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق مروی ہے کہ ان کے گمان کے مطابق یقیناً قتل نہیں کیا۔ "وکان اللہ عزیزا" یہودیوں کو سزا دینے پر قادر ہے۔ "حکیما" حکمت والا کہ یہودیوں پر لعنت و غضب نازل فرما اور ان پر ططیونس بن اسپیانوس کو ان پر مسلط کیا جس نے ان کی قوم کا عظیم الشان قتل کیا۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۞ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۞

ترجمہ اور کوئی شخص اہل کتاب سے نہیں رہتا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے مرنے سے پہلے ضرور تصدیق کر لیتا ہے اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہی دیں گے سو یہود کے ان ہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور بسبب اس کے کہ وہ بہت آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے۔

تفسیر ● ......"وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ" کوئی بھی اہل کتاب میں سے ایسا شخص نہیں کہ اپنے مرنے سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئے۔ "قبل موتہ" اس کنایہ میں اختلاف ہے۔ مجاہد، عکرمہ، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ کا قول ہے یہ کتابی سے کنایہ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایک شخص باقی نہیں بچے گا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔ ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر کتابی اپنے مرنے سے پہلے ایمان لے آئے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا تھا کہ اگر کوئی کتابی چھت سے گر جائے، فرمایا ہاں ہوا میں (یعنی زمین پر گرنے سے پہلے) عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لے گا۔ دریافت کیا گیا اگر اس کی گردن ماری جارہی ہو تو کیا کرے گا فرمایا لڑکھڑاتی زبان سے بولے گا۔

لیؤمنن بہ اور قبل موتہ کی ضمیر کے مرجع میں ائمہ کے اقوال

بعض لوگوں نے کہا کہ "موتہ" کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ

اہل کتاب میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ جب تک عیسیٰ علیہ السلام وفات نہ پا جائیں اور یہ اس وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں نزول فرمائیں گے کوئی شخص بھی باقی نہیں رہے گا جو آپ پر ایمان نہ لے آئے۔ یہاں تک کہ سب ایک ہی ملت یعنی ملت اسلامیہ پر جمع ہو جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قریب ہے کہ وہ تم میں ابن مریم نازل ہوں حاکم عادل اور صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ختم کریں گے، مال بہائیں گے کہ کوئی بھی مال قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ (یہاں تک کہ اس وقت ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہوگا) اور تمام ادیان باطلہ ختم ہو جائیں گے سب ایک ہی ملت پر جمع ہو جائیں گے اور وہ اسلام ہے اور دجال کو قتل کریں گے اور زمین پر چالیس سال رہیں گے پھر ان کو موت آجائے گی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر چاہو تو یہ پڑھو "وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو تین بار دہرایا۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ "لیؤمنن بہ" کی ضمیر سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ کوئی کتابی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آئے اور بعض نے کہا کہ اس ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے جیسے کہ کہا گیا کہ اہل کتاب میں سے ضرور اللہ پر ایمان لے آئے گا۔ اہل کتاب کو مرنے یا موت کے معائنہ کے وقت ان کا ایمان نفع نہیں دے گا۔ "ویوم القیامۃ یکون" اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام "علیھم شھیدا" کہ انہوں نے اپنے رب کی رسالت پہنچادی اور اپنے بندے ہونے کا اقرار کیا۔ جیسا کہ قرآن پاک کی آیت میں ہے "وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم" اور ہر نبی اپنی اُمت کا شاہد ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھولاء شھیدا"

● "فبظلم من الذین ھادوا" جو انہوں نے عہد توڑا تھا اور اللہ کی آیات کا انکار کیا اور حضرت مریم علیہا السلام پر جھوٹا بہتان باندھا اور ان کا قول کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ "حرمنا علیھم طیبات احلت لھم" جیسا کہ ماقبل سورۃ انعام میں گزر چکا۔ "وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر" آیت کا نظم اس طرح ہے "فبظلم من الذین ھادوا" "وبصدھم" اپنے نفسوں پر انہوں نے زیادتی کی۔ "عن سبیل اللہ کثیرا" یعنی اللہ کے دین سے بہت سا لوگوں کو روکنے کی وجہ سے۔

وَّاَخْذِھِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُھُوْا عَنْہُ وَاَکْلِھِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْھُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِکَ سَنُؤْتِیْھِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝

ترجمہ: اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ

لوگوں کے مال ناحق طریقہ سے کھا جاتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے لیکن ان (یہود) میں جو لوگ علم (دین) میں پختہ ہیں اور جو (ان میں) ایمان لے آنے والے ہیں کہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کے پاس بھیجی گئی اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں) جو آپ سے پہلے بھیجی گئی تھی اور جو (ان میں) نماز کی پابندی کرنے والے ہیں اور جو (ان میں) زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو (ان میں) اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے والے ہیں (سو) ایسے لوگوں کو ہم ضرور (آخرت میں) ثواب عظیم عطا فرمادیں گے۔

تفسیر ❶ "واخذھم الربوا وقد نھوا عنه" اس سے مراد توریت ہے۔ "واکلھم اموال النّاس بالباطل" اس سے مراد رشوت خوری ہے اور کھانے کی چیزیں جن کو وہ استعمال کرتے تھے اللہ نے ان کے لیے حلال چیزیں حرام کردیں۔ جب بھی وہ کسی حرام کام کا ارتکاب کرتے تو ان سے پاک حلال چیزوں میں سے کوئی حرام قرار دی جاتی۔ "اذلک جزیناھم ببغیھم وانا لصادقون"...... "واعتدنا للکافرین منھم عذابًا الیمًا"

❷ "لکن الراسخون فی العلم منھم" اہل کتاب میں سے کوئی بھی اس صفت کا نہیں تھا لیکن راسخین جو علم کے اعلیٰ درجہ تک پہنچنے والے ہیں اور بصیرت رکھنے والے ہیں اس سے مراد علماء یہود میں سے جو اسلام لائے۔ مثلاً عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ "والمؤمنون" اس سے مراد مہاجر و انصار ہیں۔ "یؤمنون بما انزل الیک" اس سے مراد قرآن ہے۔ "وما انزل من قبلک" نازل شدہ تمام کتابیں "والمقیمین الصلٰوۃ" اس طرح لکھنے کی وجہ میں آئمہ مفسرین رحمہم اللہ کے چند اقوال ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابان بن عثمان کا قول منقول ہے کہ یہاں کاتب سے غلطی واقع ہوئی۔ اس کے لیے مناسب یہ تھا کہ یہ لکھنا چاہیے تھا "والمقیمون الصلٰوۃ" اور اسی طرح سورۃ مائدہ میں منقول ہے۔ "ان الذین امنوا والذین ھادوا والصابئون" اور اس کا قول "ان ھذان لساحران" یہ کہتے ہیں کہ کاتب سے سہو ہوگیا اور عثمان کا قول ہے کہ اس مصحف میں کوئی غلطی ہے عرب پڑھتے وقت اپنی زبانوں پر خود اس کو ٹھیک کریں گے۔

عرض کیا گیا آپ اس کو تبدیل کیوں نہیں کردیتے، فرمایا یونہی رہنے دو۔ اس سے کسی حلال کی حرمت اور حرام کی حلت نہیں ہو جاتی اور عام صحابہ اور اہل علم کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اس کی تاویل میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ منصوب علی المدح ہے اور بعض نے کہا کہ منصوب ہے فعل محذوف کی وجہ سے اور وہ فعل محذوف "اعنی" ہے۔ یعنی "مقیمین الصلٰوۃ" اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ مجرور کی جگہ واقع ہے اور اس کی وجوہ میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لیکن جو علم میں راسخ ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ وہ ایمان لائے جو نازل کیا ہم نے اور انہوں نے نماز قائم کی۔ "والمؤتون الزکٰوۃ" اس کا عطف ماقبل پر ہے۔ "والمؤمنون باللہ ...... تا ...... اجرًا عظیمًا" دوسرے قراء نے "سیؤتیھم" پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۞

ترجمہ: ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی ہے جیسے نوح علیہ السلام کے پاس بھیجی تھی اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی۔

تفسیر: ۞ "انا اوحینا الیک" اس کا ربط بھی ماقبل کے ساتھ ہے۔ "یسالک اھل الکتاب ان تنزل علیھم کتابا من السماء" جب اللہ تعالیٰ نے ان کے عیوب اور گناہوں کو ذکر کیا تو یہ بہت غصہ ہوئے اور نازل کردہ کتاب کی توہین کی اور کہنے لگے کہ اللہ نے اپنے بندے پر کوئی چیز نہیں نازل کی۔ "وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء" اور یہ آیت نازل ہوئی۔ "انا اوحینا الیک"...... "کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ" ان تمام رسولوں اور انبیاء کو شمار کیا جن کی طرف وحی کی گئی اس کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام سے کی کیونکہ یہ بھی ابوالبشر ہیں آدم علیہ السلام کی طرح۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وجعلنا ذریتہ ھم الباقین" اور اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام شریعت میں سے پہلے نبی تھے اور شرک سے ڈرانے والے پہلے نبی ہیں اور ان ہی کی پہلی اُمت ہے جن کو دعوت رد کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اور ان کی بددعا کی وجہ سے تمام روئے زمین والوں کو عذاب میں غرق کیا گیا۔ اس وقت انبیاء علیہم السلام کی عمریں طویل ہوتی تھیں اور ان کے معجزات بھی انہی کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ ان کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ اس عمر میں نہ تو ان کا کوئی دانت ضعیف ہوا اور نہ ہی ان کو بڑھاپا آیا اور نہ ہی کوئی بال سفید ہوا اور نہ ہی آپ کی قوت اور ہمت میں کوئی فرق آیا اور جتنا انہوں نے اپنی اُمت کی اذیتوں کو جھیلا اور صبر کیا اتنا کسی نبی نے نہیں برداشت کیا کیونکہ ان کی عمر تمام انبیاء علیہم السلام سے طویل تھی۔ "واوحینا الی ابراھیم واسماعیل واسحق ویعقوب والاسباط" اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ "وعیسی وایوب ویونس وھرون وسلیمان وآتینا داؤد زبورا" اعمش اور حمزہ نے "زُبُوْرًا" پڑھا ہے۔ زاء کے ضمہ کے ساتھ اس کی جمع زبور آتی ہے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو کتاب اور صحیفہ زبور عطا کیا اور دوسرے قراء نے زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں وہ نام ہے اس کتاب کا جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا زبور کی تلاوت کرنا چرند پرند سب کا سننا

اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد، بزرگی اور ثناء موجود تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام شہر سے باہر جنگل میں جا کر کھڑے ہو کر زبور کی تلاوت کرتے تھے۔ اس وقت علماء بنی اسرائیل آپ کے پیچھے صف بنا کر کھڑے ہوتے اور علماء کے پیچھے دوسرے لوگ اور سب

آدمیوں کے پیچھے جنات حسب تفاوت درجہ کھڑے ہوتے تھے۔ پہاڑی چوپائے بھی آپ کے سامنے آ کر سن کھڑے ہوتے اور تعجب سے تلاوت کو سنتے تھے اور پرندے بازو پھیلائے لوگوں کے سروں پر منڈلاتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر رات تم مجھے دیکھتے میں تمہاری قرأت سن رہا تھا تم کو داؤد کے سُروں میں سے ایک سُر عطا کی گئی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو خدا کی قسم میں خوب خوش ادائیگی سے کام لیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ اے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ! ہم کو کچھ نصیحت کرو یعنی قرآن پڑھ کر سناؤ تاکہ ہم کچھ نصیحت حاصل کریں تو پھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کچھ پڑھ کر سناتے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ اور ایسے پیغمبروں کو صاحب وحی بنایا جن کا حال اس سے قبل ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ایسے پیغمبروں کو جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا۔ ان سب کو خوشخبری دینے والے اور خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ پورے زور والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں۔

تفسیر ۱۶۴ "**ورسلا قد قصصنهم علیک من قبل**" اس سے پہلے جیسے حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی طرف۔ "رسلا" منصوب بحرع الخافض ہے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم پر کسی رسول کا قصہ بیان کیجئے اور ابی بن کعب کی روایت میں "**ورسل قد قصصناهم علیک من قبل**" ہے۔ "**ورسلا لم نقصصهم علیک و کلم اللہ موسی تکلیما**" کلام عرب میں جو کلام انسان تک پہنچے خواہ وہ کسی طریقے سے ہو لیکن اس کا تحقق مصدر سے نہیں ہو سکتا ہاں اگر مصدر کا تاکید اذکر کرتے ہیں تو اس وقت حقیقی فعل مقصود ہوتا ہے۔ مجازی معنی مراد نہیں ہوتے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "**اراد فلان ارادة**" اس سے مراد حقیقی ارادہ ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے اراد الجدار اور یوں نہیں کہہ سکتے اراد الجدار ارادۃً کیونکہ دیوار حقیقی ارادہ کی اہل نہیں ہے۔

۱۶۵ "**رسلا مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجة بعد الرسل**" کہ وہ یہ کہیں گے کہ ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا اور نہ ہی کوئی کتاب بھیجی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجتے جب تک ان میں کسی رسول کو نہ بھیج دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**" ...... "**وکان اللہ عزیزا حکیما**"

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنی بیوی کے پاس دیکھ لوں تو تلوار کی دھار سے اس کو ضرور قتل کردوں۔ اس قول کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا کہ کیا تم کو سعد کی غیرت سے تعجب ہے۔ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ اللہ کی اسی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس نے کھلی چھپی فحش کاریاں حرام کردی ہیں۔ وہ اللہ سے زیادہ کسی کو عذر خواہی پسند نہیں، اسی لیے اس نے ڈرانے والے اور بشارت دینے والے پیغمبر بھیجے اور اللہ سے زیادہ کسی کو اپنی تعریف پسند نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

ترجمہ: لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جس کو آپ کے پاس بھیجا ہے اور بھیجا بھی اپنے علمی کمال کے ساتھ شہادت دے رہے ہیں اور فرشتے تصدیق کررہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی شہادت کافی ہے جو لوگ منکر ہیں اور خدائی دین سے مانع ہوتے ہیں بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ منکر ہیں اور دوسروں کا بھی نقصان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سوا جہنم کی راہ کے کوئی راہ دکھا دیں گے اس طرح پر کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سزا معمولی بات ہے۔ اے تمام لوگو تمہارے پاس یہ رسول سچی بات لے کر تمہارے پروردگار کی طرف سے تشریف لائے ہیں سو تم یقین رکھو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر تم منکر رہے تو خدا تعالیٰ کی ملک ہے یہ سب جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ پوری اطلاع رکھتے ہیں کامل حکمت والے ہیں۔

تفسیر: ⓰ "لكن الله يشهد بما انزل اليك" ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے یہودیوں سے تمہارے اور تمہارے اوصاف کے متعلق دریافت کیا کہ ان کی کتاب میں اس کا ذکر ہے یا نہیں؟ یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم اس امر سے واقف نہیں اس پر مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوا۔ "لكن الله يشهد بما انزل اليك" انہوں نے اس کا انکار کیا اور ان کو جھٹلایا۔ "انزله بعلمه والملائكة يشهدون وكفى بالله شهيدا"

⓱ "ان الذين كفروا و صدوا عن سبيل الله" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپا کر "قد ضلوا ضلالا بعيدا" خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

⑱ "ان الذین کفروا و ظلموا" ظلم کی تابعداری کی اپنے کفر کی وجہ سے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کا انکار کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو چھپا کر ظلم کیا۔ "لم یکن اللہ لیغفرلھم ولا لیھدیھم طریقا" طریق سے مراد دین اسلام ہے۔

⑲ "الا طریق جھنم" اس سے مراد یہودی ہیں۔ "خالدین فیھا ابدا وکان ذلک علی اللہ یسیرا" ان پر یہ حکم سبقت کر چکا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

⑳ "یایھا الناس قدجاءکم الرسول بالحق من ربکم فامنوا خیرا لکم" تم ایمان لے آؤ۔ یہ ایمان لانا تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ "وان تکفروا ...... تا ...... وکان اللہ علیما حکیما"

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڗ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے مت نکلو اور خدا تعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو مسیح عیسیٰ بن مریم تو اور کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہنچایا تھا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہیں سو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور یوں مت کہو کہ تین ہیں باز آ جاؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی ملک ہیں اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہیں۔

یا ھل الکتاب ...... لاتغلوا کا شان نزول اور نصاریٰ کے بڑے چار فرقوں کا بیان

تفسیر: ⑰ "یاھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم" اس آیت کا نزول نصاریٰ کے متعلق ہوا کہ ان کے چار فرقے تھے۔ یعقوبیہ، ملکانیہ، نسطوریہ، مرقسیہ۔ یعقوبیہ فرقہ یہ کہتا تھا کہ عیسیٰ اللہ ہے اور اسی طرح ملکانیہ کہتا تھا اور نسطوریہ کہتا تھا کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے اور مرقسیہ کہتا تھا کہ وہ تین میں سے تیسرا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ملکانیہ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ ہیں اور فرقہ یعقوبیہ کہتا تھا کہ وہ ابن اللہ ہے اور نسطوریہ یہ کہتا تھا کہ وہ تین میں سے تیسرا ہے۔ یہود میں سے ایک شخص تھا جس کا نام بولص تھا جس کا ذکر سورۃ توبہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ

حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ بات درست ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہود و نصاریٰ دونوں کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ ان

دونوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں غلو سے کام لیا۔ یہود آپ کی تنقیص بیان کرتے تھے کہ آپ کو جھوٹا کہتے اور نصاریٰ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز کر جائیں۔ یہ دین میں حرام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "لاتغلوا فی دینکم" کہ تم اپنے دین میں اتنی شدت اختیار نہ کرو کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھنے لگ جاؤ۔ "ولا تقولوا علی اللّٰہ الا الحق" یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نہ اس کے لیے اولاد بناؤ۔ "انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللّٰہ و کلمتہ" کلمہ سے مراد (کن) ہے۔ ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور ان کے علاوہ دوسرے مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ کلمہ جو حضرت مریم علیہا السلام پر القا کیا تھا۔ "القاھا الی مریم" اس کو پہنچا دیا اور اس کی خبر مریم کو کر دی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے تمہاری طرف نیک کلمہ القا۔ "وروح منہ" وہ ایک روح ہے تمام ارواح کی طرح لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اضافت اپنی طرف کر دی۔ یہ اضافت تشریف کے لیے ہے۔

بعض نے کہا کہ وہ پھونک ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونکی تھی اور بحکم خدا اس پھونک سے حضرت مریم علیہا السلام حاملہ ہو گئی تھیں۔ پھونک کو روح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ پھونک بھی ہوا ہوتی ہے جو روح سے خارج ہوتی ہے اور چونکہ یہ نفخ بامر خدا بغیر مادی سبب کے ہوا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کر دی۔ بعض نے کہا کہ روح سے مراد رحمت ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے جنہوں نے ان کی اتباع کی اور ان پر ایمان لائے۔ بعض نے کہا کہ روح سے مراد وحی ہے۔ مریم علیہا السلام کو وحی بصورت بشارت ہوئی اور جبرئیل علیہ السلام کو وحی نفخ کی ہوئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ ہو جا وہ ہو گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ" اس سے مراد وحی ہے اور بعض نے کہا کہ روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ معنی یہ ہو گا کہ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف اپنا کلمہ پہنچایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم خدا وہ کلمہ پہنچا دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "تنزل الملٰئکۃ والروح" اس سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور فرمایا "فارسلنا الیھا روحنا" اس سے بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس کی بندی کے بیٹے ہیں اور اس کے کلمہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو پہنچایا تھا اور اس کی روح ہیں۔ جنت اور دوزخ حق ہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو جنت میں لے جائے گا عمل اس کے جیسے بھی ہوں۔ "فامنوا باللّٰہ ورسلہ ولا تقولوا ثلٰثۃ" نہ کہو کہ الٰہ تین ہیں۔ نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تین ہیں۔

"انتھوا خیرا لکم" یعنی تم اس سے رُکے رہو یہ رُکا رہنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ "انما اللّٰہ الٰہ واحد سبحانہ ان یکون لہ ولد" جان لو کہ بیٹے کی نسبت کرنا اللہ کی طرف جائز نہیں۔ بیٹا ہونا اس شخص کے لیے متصور ہے جس کے لیے ولد کا ہونا متصور ہو۔ "لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وکفٰی باللّٰہ وکیلا"

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۞ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۞ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۞ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۞

ترجمہ مسیح ہرگز خدا کے بندے بننے سے عار نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے اور جو شخص خدا تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو خدا تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس جمع کریں گے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے اچھے کام کیے ہوں گے تو ان کو تو ان کا پورا ثواب دیں گے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں گے اور جن لوگوں نے عار کیا ہوگا اور تکبر کیا ہوگا تو ان کو سخت دردناک سزا دیں گے اور وہ لوگ کسی غیر اللہ کو اپنا یار اور مددگار نہ پاویں گے اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کو مضبوط پکڑا سو ایسوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کریں گے اور اپنے فضل میں اور اپنے تک ان کو سیدھا راستہ بتلا دیں گے۔

تفسیر ۞ ..... "لن یستنکف المسیح أن یکون عبداللہ" نجران کے وفد نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے آقا پر عیب لگاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا کہتا ہوں، وفد والوں نے کہا آپ ان کو اللہ کا بندہ اور رسول کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کا بندہ ہونا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث عار نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "لن یستنکف المسیح" نہ ہی انہوں نے اس کو ذلت سمجھا اور نہ ہی بڑا امر۔ استنکاف کہا جاتا ہے کسی چیز کو تکبر کی وجہ سے حقیر سمجھنا۔ "ولا الملائکۃ المقربون" عرش کو اٹھانے والے۔ ان کو یہ بات ناگوار نہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں جو لوگ انسان پر فرشتوں کی برتری کے قائل ہیں۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ اس آیت میں مسیح کے بعد ملائکہ کا ذکر کیا گیا اور ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب ہوتی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرشتوں کی طرف اٹھایا گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اعلیٰ ہیں عیسیٰ علیہ السلام سے۔ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ جیسا کہ محاورہ میں ہے زید اس سے عار نہیں کرتا اور نہ وہ شخص عار کرتا ہے جو زید سے برتر ہے۔ یوں نہیں کہا جاتا کہ فلاں بات سے زید عار نہیں کرتا۔ اس سے استدلال تام نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشریت کے مقام سے نہیں اٹھایا گیا بلکہ اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو ملائکہ کو الٰہ مانتے ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ کی تردید کی گئی کہ ان کے قول میں مسیح ابن اللہ ہیں اور اسی طرح نصاریٰ پر رد ہے ان کے زعم کے مطابق کیونکہ وہ ملائکہ پر

فضیلت دیتے تھے۔ "ومن یستنکف عن عبادته ویستکبر فسیحشرھم الیه جمیعًا" اخفش نے کہا کہ استنکاف تکبر کرنا ہے ناک چڑھانے کے ساتھ اور استکبار کا استعمال اس جگہ ہوتا ہے جہاں بڑائی کا استحقاق مطلق نہ ہو اور تکبر میں یہ شرط نہیں ہے۔

⑰ "فاما الذین ...... تا ...... من فضله" وہ دُگنا سے مراد قرب و دیدار کے وہ معاملات جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا۔ "واما الذین استنکفوا واستکبروا" اپنے بندوں سے تکبر کیا۔ "فیعذبھم عذابًا الیمًا ولا یجدون لھم من دون اللّٰه ولیًا ولا نصیرًا"

⑱ "یایھا النّاس قد جاء کم برھان من ربکم" اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد قرآن، دلیل، برہان ہے۔ "وانزلنا الیکم نورًا مبینًا" اس سے مراد قرآن ہے۔

⑲ "فاما الذین آمنوا باللّٰه واعتصموا به" ان کو شیطان کے نرغے سے محفوظ کر لیا۔ "فسیدخلھم فی رحمة منه و فضل" فضل سے مراد جنت ہے۔ "ویھدیھم الیه صراطًا مستقیمًا"

یَسْتَفْتُوْنَکَ ط قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ ط اِنِ امْرُؤٌا هَلَکَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَکَ وَهُوَ یَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهَا وَلَدٌ ط فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ ط وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ط یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ط وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ⑯

ترجمہ: لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے اگر کوئی شخص مر جاوے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کے ایک (عینی وعلاتی) بہن ہو تو اس کو تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث ہوگا اگر (وہ بہن مر جاوے اور) اس کی اولاد نہ ہو اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے اور اگر وارث چند بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر اللہ تعالیٰ تم سے (دین کی باتیں) اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہی میں نہ پڑو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر: ⑯ "یستفتونک قل اللّٰه یفتیکم فی الکلالة" اس آیت کا نزول حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوا فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، مجھے کوئی ہوش نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا پانی میرے اوپر چھڑکا، مجھ کو ہوش آ گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری میراث کا وارث کون ہے؟ میں تو "کلالة" ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "یستفتونک قل اللّٰه یفتیکم فی الکلالة"۔ کلالہ کا معنی ماقبل میں ذکر

کیا گیا۔ اس آیت کا حکم بھی ابتداء سورۃ میں گزر چکا ہے اس آیت میں حقیقی بھائی، باپ، ماں شریک یا صرف علاتی بہن بھائی (باپ شریک) کے احوال کا بیان ہے۔ "یستفتونک" ہم تمہیں اس کے متعلق خبر دے دیں گے اور تجھ سے سوال کریں گے۔ "قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ"..... "ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا" جب بہن مرجائے تو اس کی میراث اس کے بھائی کو ملے گی (جب کوئی اور وارث موجود نہ ہو)۔۔۔۔"ان لم یکن لھا ولد" اگر اس کی بہن کا بیٹا موجود ہو تو بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر بیٹے کے ساتھ بیٹی بھی ہو تو پھر بھائی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ حصہ ملے گا۔ "فان کانتا اثنتین فلھما الثلثان مما ترک" اگر میت کی دو بیٹیاں ہوں تو ان کو ثلثان ملے گا۔ "وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین، یبین اللّٰہ لکم ان تضلوا" فراء اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے حق اور یہی بات کھول کر بیان کر رہا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔ "واللّٰہ بکل شیء علیم"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں کامل نازل ہونے والی سورۃ سورۃ براۃ ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت سورۃ نساء کی آخری آیت "یستفتونک قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ" ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت آیت ربوا ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت "اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح" ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت "واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللّٰہ" ہے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ سورۃ نصر کی آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال زندہ رہے اور سورۃ نصر کے بعد سورۃ برأت نازل ہوئی اور یہی سورت تھی جو سب سے آخر میں پوری نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھ ماہ زندہ رہے۔ پھر حجۃ الوداع کے راستے میں آیت "یستفتونک قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ" نازل ہوئی۔ اس کا نام آیت الصیف ہے۔ پھر اس کے بعد وقوف عرفہ کے وقت آیت "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی دن زندہ رہے۔ پھر آیت ربوا نازل ہوئی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی "واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللّٰہ" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیس دن زندہ رہے۔

الحمد للہ تفسیر بغوی کی پہلی جلد مکمل ہوئی۔ دوسری جلد سورہ مائدہ سے شروع ہے۔ (مترجم)

❁❁❁

اضافہ مفیدہ از ناشر

الدرر النظیم فی فضائل القرآن والآیات والذکر الحکیم

قرآن کریم کے فضائل اور حیرت انگیز خواص

از امام ابو محمد عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ

فضائل و خواص سورہ فاتحہ تا سورہ نساء

آٹھویں صدی کے معروف عالم اور جماعت اولیاء کے فرد فرید ہیں ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی مستند کتب میں سے الدرر النظیم بھی ہے جو قرآن کریم کے انوار و برکات اور فضائل و خواص اور اس کے روحانی و جسمانی فیوض اور تیر بہدف مجرب عملیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بطور اضافہ جزو کتاب بنایا جا رہا ہے

حضرت امام ابو محمد

عبداللہ بن اسد یافعی رحمہ اللہ کے مختصر حالات

ولادت ۶۷۸ھ وفات ۷۶۸ھ

آپ کی پیدائش عدن شہر میں ہوئی' وہیں تحصیل علم میں ایسے مشغول ہوئے کہ اس میں کمال حاصل فرمایا۔ اس کے بعد حج کیا اور واپس شام کی طرف لوٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے خلوت کو اور لوگوں سے انقطاع کو محبوب فرمایا اس کے بعد آپ "حضرت شیخ علی طواشی صاحب حلی" کی صحبت میں رہے اور انہی کے ہو رہے' یہی آپ کے شیخ ہیں جن سے آپ سلوک طریقت میں مستفید ہوتے رہے۔

روایت ہے کہ جب امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اقدس کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو فرمایا میں مدینہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گا جب تک کہ مجھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت مرحمت نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ آپ مدینہ شریف کے دروازہ پر چودہ روز تک ٹھہرے رہے۔ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا۔ یا عبداللہ انا فی الدنیا نبیک وفی الآخرۃ شفیعک وفی الجنۃ رفیقک

اے عبداللہ! میں دنیا میں تمہارا نبی ہوں' آخرت میں تمہارا شفیع ہوں اور جنت میں تمہارا رفیق ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا (اے عبداللہ!) یاد رکھو یمن میں دس حضرات ایسے ہیں جس نے ان کی زیارت کی اس نے میری زیارت کی اور جس نے انکو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون حضرات ہیں؟ فرمایا پانچ حضرات زندہ ہیں اور پانچ مردہ۔

میں نے عرض کیا زندہ کون سے حضرات ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

(۱) شیخ علی طواشی صاحب حلی۔

(۲) شیخ منصور بن جعدار صاحب حرض (۳) محمد بن عبداللہ سوذن صاحب منصورہ الہجم

(۴) فقیہ عمر بن علی زیلعی صاحب السلامۃ (۵) شیخ محمد بن عمر النہاری صاحب بریع اور مردوں میں۔

(۱) ابوالغیث بن جمیل۔ (۲) فقیہ اسماعیل حضرمی۔

(۳) فقیہ احمد بن موسیٰ بن عجیل (۴) شیخ محمد بن ابوبکر حکمی (۵) فقیہ محمد بن حسین بجلی۔

حضرت یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پس میں ان حضرات کی طلب میں نکل کر کھڑا ہوا۔ ولیس الخبر کالمعاینۃ اور جو اس میں شک کرے وہ شرک کرتا ہے۔ پس میں زندہ حضرات کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے گفتگو فرمائی۔ پھر مردوں کے پاس گیا تو انہوں نے بھی مجھ سے گفتگو فرمائی پھر جب میں حضرت شیخ محمد نہاری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا تو انہوں نے فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کو خوش آمدید'' میں نے کہا آپ اس مرتبہ تک کیسے پہنچے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَيُعَلِّمُكُمُ) تم اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں علم عطا فرمائے گا۔ تو میں نے ان کے پاس تین دن قیام کیا۔ اس کے بعد مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف واپس ہوا تو بھی اس کے دروازہ پر چودہ دن ٹھہرا رہا۔

پھر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے ان دس حضرات کی زیارت کر لی میں نے عرض کیا جی ہاں میں نے حضرت ابوالغیث کی خوب تعریف کی۔ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا ابوالغیث ان لوگوں کا کنبہ ہے جن کا کوئی کنبہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے مدینہ شریف میں حاضر ہونے کی اجازت عنایت فرمائیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا داخل ہو جائیے آپ آمنین میں سے ہیں۔

❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کے متعلق اہم علمی مباحث

بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن کریم کی ایک آیت ہے اور قرآن کریم کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی مکتوب تحریر کرواتے ان میں سب سے پہلے بسم اللہ شریف لکھی جایا کرتی تھی۔

ابوعبید القاسم بن سلام کی کتاب فضائل القرآن میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی طرف جو مکتوب ارسال فرماتے سب سے پہلے لکھتے بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا یہی طریقہ رہا پھر بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا والی آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ لکھوانے لگے جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا یہی دستور جاری رہا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی

اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھوانے لگے۔

منصور بن عمار جو بڑے حکیم و دانا تھے ان کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں راہ چلتے ایک کاغذ پڑا ہوا ملا جس میں بِسْمِ اللّٰهِ لکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے وہ کاغذ اٹھایا اور کوئی جگہ اس کے رکھنے کو نہ پائی تو اسے نگل لیا۔ رات کو خواب دیکھا کہ کوئی آدمی کہہ رہا ہے "اے منصور تو نے جو اس کاغذ کی عزت کی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر حکمت کا دروازہ کھول دیا ہے" اس وقت سے وہ جو بات بھی کرتے دانائی کی کرتے تھے۔

ادب کی برکت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس کاغذ میں اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم مبارک لکھا ہو اور وہ زمین پر گرا ہوا ہو جب تک اللہ تعالیٰ اس کو اٹھانے کے لئے اپنا کوئی دوست نہیں بھیجتے فرشتے اپنے بازوؤں سے اسے گھیرے رکھتے ہیں اور جو شخص اسے وہاں سے اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے علیین میں بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں۔

حضرت بشر بن حارث حافی رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے دیکھا کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا سر راہ پڑا۔ پاؤں کے نیچے روندا جا رہا ہے انہوں نے اسے اٹھایا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لکھا ہوا تھا انہوں نے ایک درہم کا عطر خرید کر اسے لگایا اور دیوار کی درز میں دے دیا۔ رات کو سوئے تو خواب میں دیکھا کوئی کہہ رہا ہے اے بشر تو نے میرے نام کو معطر کیا ہے۔ میں تیرے نام کو دنیا و آخرت میں معطر کروں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بڑے بڑے مالداروں کے نام مٹ گئے لیکن اس فقیر کا نام جس کے

پاؤں میں جوتا تک نہ ہوتا تھا آج تک زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اپنے خطوں اور رسالوں میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا کرو اور لکھتے وقت زبان سے پڑھا بھی کرو۔

اسم اعظم

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے بسم اللہ کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے اس کے اور اسم اعظم کے درمیان اتنا قرب ہے جتنا کہ آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کا قرب ہے اور فرمایا کہ بسم اللہ اللہ تعالیٰ کے اسم باطن پر دلالت کرتی ہے اور یہ وہ پوشیدہ اسم ہے کہ جس سے دعا مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے۔
زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى میں كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد بِسْمِ اللّٰهِ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بسم اللہ کی ب کو میم تک نہ کھینچو کہ سین ختم ہی ہو جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بسم اللہ لکھنے والے کو سزا دی کیونکہ اس نے میم کو سین سے پہلے لکھ دیا تھا کسی نے پوچھا کہ امیر المومنین نے سزا کیوں دی ہے اس نے کہا بسم اللہ کی سین کی وجہ سے۔

تسمیہ کے اسرار و رموز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کے معانی میں غور کرنے کے لئے اسے بیس دفعہ پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو آدمی تعظیم کی نیت سے بسم اللہ کو بہت عمدگی اور خوبصورتی کیساتھ لکھے اس کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔
سب کاموں کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اور یہ بھی اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْمَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہونے کے وقت یا کھانا کھانے کے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے تمہیں رات رہنے کے لئے گھر اور کھانا مل گیا ہے۔ ایک عارف کا ارشاد ہے کہ بسم اللہ کے انیس حرف ہیں اور دوزخ کے داروغے بھی انیس ہیں اللہ تعالیٰ ان انیس حروف کے سبب مومن سے دوزخ کے انیس داروغوں کو دور کر دیتا ہے اور بسم اللہ کے چار کلمات ہیں اور گناہ بھی چار قسم کے ہیں۔ رات کے گناہ دن کے گناہ پوشیدہ گناہ اور ظاہری گناہ لہٰذا جو مومن آدمی اخلاص اور محبت سے بسم اللہ پڑھتا ہے اس کے چاروں قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔
بعض بزرگوں نے فرمایا ب بہاء اللہ ہے (خوبی) سین سناء اللہ (اللہ کی روشنی) ہے اور میم ملک اللہ یا مجد اللہ (اللہ کا ملک یا بزرگی) ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا الف لام ہاء سین میم ح ہاء حاء نون راء واؤ اور یاء بہت عظمت والے حروف ہیں اور یہی بسم اللہ کے حروف ہیں انہیں حروف سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے۔ باء اور میم سے ظاہری بادشاہت قائم

ہوئی۔ باء اور سین سے عالم ملکوت وجود میں آیا یاء اور الف سے ناسوں کو وجود ملا لام اور ہاء سے حالات نے ترتیب پائی راء اور حاء سے رحمت ظہور میں آئی اور نون و باء سے نیلحسین کا حکم صادر ہوا۔

ربوبیت کی دو قسمیں

ایک محقق عارف نے مجھ سے بیان کیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اسم اعظم ہے کیونکہ جب اس کو ربوبیت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس سے تعظیم کا اظہار ہے اور ایک قسم وہ جس سے شان کی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ تعظیم اللہ کی وہ چادر ہے جو عالم میں ہمیشہ قائم ہے اور مخلوق میں پھیلی ہوئی ہے کیونکہ مقربین اور اصحاب الیمین کی تعریف کے بعد فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ہے اور حق الیقین کے بعد مکذبین الضالین کی تعریف آئی ہے۔ تو جس شخص کو مقربین اصحاب الیمین اور مکذبین کا راز معلوم ہو گیا ہے اور حق الیقین کا درجہ حاصل ہو گیا ہے اس نے عالم میں اللہ تعالیٰ کی پوری پوری عظمت کا مشاہدہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کو بخوبی پہچان لیا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف ہر اس شخص کے لئے جس کا دل خاکی میں اور حجابی کشف سے پاک صاف ہے کیونکہ شکلیں دو ہی قسم کی ہیں ایک ہبوطی اور دوسری عروجی اور یہ مذکورہ شکل ہبوطی ہے کیونکہ اسم اعظم دائرہ بحسبہ حقیقہ ترکیبہ میں شامل ہے اور شکل عروجی اسم کی اضافت ہے ربوبیت کی طرف لہٰذا مراتب علویہ تینوں پہلو سے شہودی ہیں ارواح قدسیہ میں اس کے بعد مقربین اور اس کے بعد اصحاب الیمین ہیں اور مراتب سفلیہ تین ہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی. تو مراتب علویہ عالم ایجاد میں مراتب سفلیہ کا باطن ہیں اور مراتب سفلیہ ظاہر ہیں اور اسم ربوبیت موجودات میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور اسم الوہیت حقائق موجودات پر غالب ہے تو جب اسم اللہ یعنی بسم اللہ کو مضاف کیا جائے تو رحمانیت ظاہر ہوتی ہے تو عظمت اور علو ربوبیت کی صفت ہے اور رحمانیت الوہیت کی صفت ہے مگر ربوبیت ظاہر ہے اور الوہیت باطن ہے۔ اور یہ نسبت فسبح کی سی ہے اور اسم کی نسبت اسم اللہ کی سی نسبت ہے اور اقرء کی نسبت بسم کی سی نسبت ہے اور اسم کی نسبت اللہ کی سی نسبت ہے اور رَبِّكَ کی نسبت رحمان کی سی نسبت ہے۔ اور الذی خلق کی نسبت رحیم کی سی نسبت ہے مگر یہ تین نسبتیں نیچے سے اوپر ترقی کرتی ہیں اور وہ تین اوپر سے نیچے کو آتی ہیں اور سفلیات کی کنجیاں علویات کے بعد ہیں تو سبح بحمدک غیبت ہے اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی دوسری غیبت ہے اور اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ تیسری غیبت ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم غیبت ہے اور ایسا ہی قرآن کریم میں سب کھلتا چاہئے۔

تسمیہ کے اسرار

بسم اللہ الرحمٰن تین عالم پر مشتمل ہے عالم الملک، عالم الخلق اور عالم الامر چنانچہ ارشاد الٰہی ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ اور بسم اللہ تمام عالموں کے بارے میں فائدہ مند ہے اور اس میں ابتداء و انتہا کا بھید ہے اور اس میں توحید کے مراتب ہیں کیونکہ بسم اللہ مقابل ہے شہد اللہ کے الرحمٰن مقابل ہے والملائکۃ کے اور الرحیم مقابل ہے و اولوا العلم کے۔ لہٰذا بسم

اسکا اول اس کے آخر اور اس کا ظاہر اس کے باطن کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے موجودات کا درخت پیدا کیا اور اسی سے مخفی امور کے راز ظاہر فرمائے اسی لئے جو آدمی کثرت سے بسم اللہ کا ورد کرے وہ علوی و سفلی دونوں قسم کی مخلوقات کے نزدیک بارعب ہو جاتا ہے اور جو شخص اسکے وہ راز جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھے ہیں جان لے اور انہیں کسی چیز پر لکھدے تو وہ آگ میں نہیں جلے گی اور اسی میں اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا بھید ہے۔

ایک اہم وظیفہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں... کہ اگر کسی آدمی کو کوئی حاجت ہو تو وہ بدھ، جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھے اور جمعہ کے دن اچھی طرح صاف ستھرا ہو کر جمعہ کی نماز کو جاتا ہو اور راستہ میں ایک یا دو یا تین روٹیاں خیرات کردے اور نماز جمعہ سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ وَاَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الَّذِیْ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ الَّذِیْ مَلَاَتْ عَظَمَتُهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الَّذِیْ عَنَتْ لَهُ الْوُجُوْهُ وَخَضَعَتْ لَهُ الرِّقَابُ وَخَشَعَتْ لَهُ الْاَبْصَارُ وَوَجِلَتْ مِنْهُ الْقُلُوْبُ وَفَرِقَتْ مِنْهُ الْعُیُوْنُ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تُعْطِیَنِیْ حَاجَتِیْ وَهِیَ کَذَا وَکَذَا

تو اسکی حاجت فوراً پوری ہو جائے گی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ عمل جاہل بیوقوفوں کو ہرگز نہ بتاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی کے نقصان کے لئے یہ دعا پڑھ دیں اور وہ قبول ہو جائے۔

ایک اور وظیفہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو حاجت مند آدمی اچھی طرح وضو کرے دو رکعت نماز پڑھے پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور دوسری میں فاتحہ اور آمن الرسول آخر تک پڑھے اور تشہد پڑھ کر اور سلام پھیر کر یہ دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ یَا مُؤْنِسَ کُلِّ وَحِیْدٍ وَیَا صَاحِبَ کُلِّ فَرِیْدٍ وَیَا قَرِیْبًا غَیْرَ بَعِیْدٍ وَیَا شَاهِدًا غَیْرَ غَائِبٍ وَیَا غَالِبًا غَیْرَ مَغْلُوْبٍ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ الَّذِیْ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ وَاَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ الَّذِیْ عَنَتْ لَهُ الْوُجُوْهُ وَخَشَعَتْ لَهُ الْاَصْوَاتُ وَوَجِلَتْ مِنْ خَشْیَتِهِ الْقُلُوْبُ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تَقْضِیَ لِیْ کَذَا وَکَذَا (کَذَا وَکَذَا کی جگہ اپنی حاجت کو ذہن میں لائے)

قضاء حاجت کیلئے ایک وظیفہ

میں نے ایک عارف کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر کسی کو بہت ہی سخت حاجت پیش آئے تو وہ ایک کاغذ کے ٹکڑے میں لکھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنَ الْعَبْدِ الذَّلِيْلِ اِلَى الرَّبِّ الْجَلِيْلِ رَبِّ اِنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

پھر اس کاغذ کو بہتے ہوئے پانی میں ڈال دے اور کہے

اِلٰهِيْ بِمُحَمَّدٍ وَّآلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَصَحْبِهِ الْمُرْتَضِيْنَ اِقْضِ حَاجَتِيْ يَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ

اور جو حاجت ہو اس کا نام لے ان شاء اللہ اس کی حاجت پوری ہو جائیگی۔

میرے دوستوں میں سے ایک صاحب نے بیان کیا کہ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بارہ ہزار مرتبہ پڑھے اور ہر ہزار کے بعد دو رکعت نفل ادا کرے اور جو حاجت ہو اس کے پورے ہونے کی دعا مانگے پھر پڑھنا شروع کر دے اور ہر ہزار پر دو نفل بھی پڑھے اور دعا بھی مانگے اسی طرح بارہ ہزار ختم کرے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی حاجت پوری ہوگی۔

سورۃ الفاتحہ.....فضائل و تعارف

سورہ فاتحہ کے دیگر اسماء

اس سورۃ کا نام فاتحہ اس لئے ہے کہ قرآن کریم کا آغاز اسی سورۃ سے ہوا ہے اور چونکہ یہ سورۃ دوسری تمام سورتوں سے پہلے ہے اس لئے اس کا نام ام القرآن اور ام الکتاب بھی ہے اور اس سورۃ کا نام السبع المثانی بھی ہے۔ سبع اس لئے کہ اس کی آیات سات ہیں اور مثانی اس لئے کہ یہ نماز میں باربار دہرائی جاتی ہے یا اس لئے کہ دو دفعہ نازل ہوئی ہے۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں اور اس لئے بھی کہ یہ سورۃ صرف اسی امت کے لئے استثناء کی گئی ہے یعنی یہ سورۃ خاص امت محمدیہ کے لئے نازل ہوئی ہے اس سے پہلے کسی امت پر نہیں اتری۔ اور بعض علماء کے نزدیک اس کا نام مثانی اس لئے ہے کہ اس کا آدھا حصہ ثنا ہے اور باقی آدھا دعا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایسی سورۃ بتاؤں کہ اس جیسی سورۃ نہ توراۃ میں ہے نہ انجیل میں اور نہ زبور میں وہ سورۃ سبع المثانی اور القرآن العظیم ہے جو مجھے عطا فرمائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ پڑھی گویا اس نے توراۃ و انجیل و زبور اور قرآن شریف کو پڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ایک قوم پر یقینی طور پر عذاب اتارا جائے گا اس وقت ان کا ایک لڑکا باہر آ کر سورۃ فاتحہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سورۃ کی برکت سے چالیس سال تک ان سے عذاب اٹھا لے گا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو احسانات فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے

کہ اس نے مجھے وحی بھیجی کہ میں نے اپنے عرش کے خزانوں سے آپ کو سورۃ فاتحہ عنایت کی پھر میں نے اس کو اپنے اور تمہارے درمیان نصف نصف کیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ سورۃ فاتحہ دوسری سورۃ کے قائم مقام ہوسکتی ہے مگر کوئی دوسری سورۃ سورۃ فاتحہ کی جگہ کافی نہیں ہوسکتی۔

معاویہ بن صالح ابی فروہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس کو تین بار تکلیف پہنچی ایک جب جنت سے نکال کر زمین پر اتارا گیا اور فرشتوں نے اس کا جنتی لباس اتارلیا اور ایک اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ایک اس وقت جب سورۃ فاتحہ نازل کی گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اہم قول

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے کہ اگر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنی چاہوں تو ستر اونٹ کے بوجھ کے برابر لکھ سکتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ سورۃ فاتحہ قرآن کریم کا سر اور ستون اور اس کی بلندی کی چوٹی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے پانچ نام ہیں جو اجمالی عظیم القدر ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو ام القرآن اور مفتاح فرمایا ہے اور اس کے بغیر نماز کو ناقص قرار دیا اس کی فضیلت دوسری سورتوں پر انہی پانچ ناموں کی برکت سے ہے۔

اسم اعظم

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعہ دعا مانگی جائے تو قبول ہوجاتی ہے اور جو چیز مانگی جائے مل جاتی ہے اور علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہ پانچ نام جس طرح قرآن کریم کی ابتداء میں ہیں اسی طرح لوح محفوظ میں بھی پہلے ہی لکھے ہوئے ہیں اور یہی نام عرش و کرسی کے سرا پردہ پر بھی لکھے ہوئے ہیں۔ نیز ہم اگر ان اسماء میں غور و فکر کریں تو ہمیں معلوم ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پانچ ناموں پر پانچ نمازوں اور اسلام کے پانچ ارکانوں کو ترتیب دیا ہے اور غنیمت و دفینہ کے مال میں پانچواں حصہ مقرر فرمایا اور پانچ اونٹوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے اور لعان میں پانچ شہادتیں اور قسامت میں پچاس قسمیں مقرر ہیں اور پانچ حدیں مقرر کیں۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں پانچ پانچ بنائیں جن انبیاء کا قرآن کریم میں تذکرہ ہے وہ پچیس ہیں اور سورۃ فاتحہ کے کلمے پچیس ہیں۔

کیفیت نزول

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سورۃ فاتحہ آیۃ الکرسی اور آل عمران کی آیات

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اور قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ کو جب اللہ

تعالیٰ نے اتارنا چاہا تو یہ عرش سے چمٹ کر کہنے لگیں کیا آپ ہمیں زمین پر ان لوگوں کے ہاں اتار رہے ہیں جو آپ کے نافرمان ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میرے بندوں میں جو ہر نماز کے بعد تمہیں پڑھے گا میں اسے جنت میں جگہ دوں گا اور اسے حظیرۃ القدس میں رکھوں گا اور ہر روز اس کی طرف ستر بار دیکھوں گا اور اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا جنت میں سے کم سے کم درجہ کی حاجت مغفرت ہے اور اسے اس کے ہر دشمن سے محفوظ رکھوں گا اور اسے دشمن پر غالب کر دوں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس دوران کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آواز سی سنائی دی۔ حضرت جبرئیلؑ نے اوپر دیکھا اور فرمایا آسمان کا ایک دروازہ آج کھولا گیا ہے جو پہلے کسی امت کے لئے نہیں کھلا اور اس دروازہ سے ایک فرشتہ اترا ہے جو پہلے کبھی نہیں اترا پھر اس فرشتہ نے سلام کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورۂ فاتحہ اور ایک سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ آپ ان کا جو حرف پڑھیں گے اس کا ثواب ملے گا۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ سورۃ جیسی ہے جس مقصد کے لئے پڑھی جائے گی وہی مقصد حاصل ہوگا۔

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے سورۂ فاتحہ ہر غم کی شفا ہے۔

(۳) ابو فروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شیطان کو تین دفعہ نقصان پہنچا ایک دفعہ جب اسے جنت سے نکالا گیا۔ دوسری مرتبہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ تیسری مرتبہ جب سورۂ فاتحہ نازل کی گئی۔

فضل آیات سورہ فاتحہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص چار دفعہ الحمد لله رب العلمین کہہ کر پھر پانچویں مرتبہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ اس کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ تیری طرف ہے اس سے جو تو مانگتا ہے مانگ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن کو دیکھا تو فرمایا ملک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین اتنے میں میں نے دشمنوں کو دیکھا کہ زمین پر گر رہے ہیں اور فرشتے ان کو آگے پیچھے سے مار رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن کریم کی سب سے افضل آیت الحمد للہ رب العالمین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کے گھر میں غربت و بے سروسامانی ہو وہ اپنے گھر میں اگر سورۂ فاتحہ اور اخلاص پڑھے تو غربت و بے سروسامانی جاتی رہے گی اور اس کی جگہ خوشحالی آئے گی۔

عملیات سورہ فاتحہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم سوتے وقت سورۂ فاتحہ اور اخلاص پڑھ لو تو موت کے علاوہ باقی ہر مصیبت سے محفوظ ہو جاتے ہو۔

ہر بیماری سے شفاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے کہ جو شخص بارش کے پانی پر سورۂ فاتحہ ستر بار، آیۃ الکرسی ستر مرتبہ اور قل ھو اللہ احد ستر مرتبہ اور معوذتین ستر مرتبہ پڑھ کر دم کرے تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ جو شخص اس دم کئے ہوئے پانی کو سات دن بلا ناغہ پئے گا اللہ تعالیٰ اس کے جسم سے ہر بیماری کو نکال دے گا اور اس کی رگوں ہڈیوں اور تمام اعضاء سے نکال دے گا۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کسی کو بخار ہو تو چالیس مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر پانی پر دم کرلیا جائے اور اس کے منہ پر چھینٹیں ماری جائیں تو بخار جاتا رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے۔اگر کسی کی آنکھیں آگئی ہوں یا اس کی نظر میں کمزوری ہو تو چاند کی پہلی یا دوسری رات کو چاند کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں پر پھیرتا رہے اور سورۃ فاتحہ بسم اللہ اور آمین سمیت دس مرتبہ سورۂ اخلاص تین بار اور اس کے بعد شِفَآءٌ مِّنْ کُلِّ دَآءٍ بِرَحْمَتِکَ یَآاَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ سات بار اور یارب پانچ بار پڑھے۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی بیماری ختم ہوجائے گی۔

اگر کوئی بیمار ہو اور اس کی بیماری نہ جاتی ہو تو اس سورۃ کو پڑھے یا کسی برتن میں لکھ کر پانی سے دھو کر پی لے اور منہ پر چھینٹے بھی مارے اور سارے جسم پر ملے اور ملتے وقت یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ اَللّٰھُمَّ اکْفِ اَنْتَ الْکَافِیْ اَللّٰھُمَّ اعْفُ اَنْتَ الْمُعَافِیْ.

اگر اس کی موت نہیں آئی تو وہ اس عمل کرنے سے صحت مند ہوجائے گا۔

سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں پچیس کلمات اور ایک سو اکتالیس حرف ہیں۔اس سورۃ میں جنس تکلم کے علاوہ باقی سب نقطہ والے حروف موجود ہیں اور جنس تکلم کے حروف آیت اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْھَا کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ میں موجود ہیں۔

سورۃ البقرۃ.....تعارف وفضائل

اس سورۃ میں بہت عجائبات کثیر احکام اور قصے ہیں اس لئے اس کا نام فسطاط بھی ہے۔فسطاط اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں شہر کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور بہت بڑے شہر کو بھی فسطاط کہتے ہیں اسی لئے مصر کو فسطاط کہتے ہیں اور بالوں کے خیمہ کو بھی فسطاط کہتے ہیں اور اس سورۃ کا ایک نام سنام القرآن بھی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے لِکُلِّ شَیْءٍ سَنَامٌ وَسَنَامُ الْقُرْاٰنِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ ہر چیز کی ایک کوہان (چوٹی) ہوتی ہے اور قرآن کریم کی چوٹی سورۃ البقرۃ ہے۔

اس سورۃ میں پانچ سو احکام اور پندرہ ضرب الامثال ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص کو شیطان ملا تو اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیطان کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ شیطان نے کہا تم مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں کہ جب تم اسے گھر میں پڑھو گے تو شیطان گھر سے جاتا رہے گا۔ جب انہوں نے چھوڑ دیا اور کہا کہ بتا تو شیطان نے کہا اب میں نہیں بتاتا۔ انہوں نے پھر پکڑ کر زمین پر پٹخا تو کہنے لگا اب مجھے چھوڑ دو تو ضرور بتاؤں گا۔ انہوں نے چھوڑا تو پھر انکار کرنے لگا انہوں نے پھر تیسری مرتبہ اٹھا کر زمین پر مارا تو شیطان نے ان کی انگلی پر کاٹا اور خدا کی قسم کھا کر کہا اب چھوڑ دو تو ضرور بتاؤں گا۔ انہوں نے کہا جب تک بتائے گا نہیں تو میں چھوڑوں گا نہیں۔ تب شیطان نے بتایا کہ وہ چیز سورۃ البقرہ ہے۔ خدا کی قسم جس گھر میں اس سورۃ کا کچھ حصہ پڑھا جائے شیطان وہاں سے گدھے کی طرح ہوا خارج کرتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا وہ صحابی کون تھے؟ تو بتایا کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا جب تم سونے لگو تو آیت الکرسی پڑھ کر سویا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایک نگران مقرر کر دیں گے اور صبح تک شیطان تمہارے پاس نہیں آ سکے گا۔

شیطان سے حفاظت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص آیت الکرسی اور سورۃ اعراف کی تین آیتیں اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ

اور وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ اور سورۂ رحمٰن سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ تک پڑھے تو وہ سارا دن شیطان، جادوگر، ہر تکلیف دینے والے آدمی، ہر ظالم حکمران، ہر چور اور ہر موذی درندے سے محفوظ رہے گا اور جو شخص رات کو پڑھے وہ رات کو ان سب سے محفوظ رہتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص رات کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے تو وہ اسے (جن کی و آفت اور شیطان وغیرہ سے تحفظ کے لئے) کافی ہو جاتی ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اس کی (تمام رات کی) عبادت کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔

سورہ بقرہ کی آخری دو آیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو ان دو آیتوں پر مکمل کیا ہے جو اس نے مجھے اپنے اس خزانہ سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے لہٰذا ان دو آیتوں کو خود پڑھو اپنی بیویوں اور اولاد کو پڑھاؤ کہ یہ دونوں آیتیں نماز بھی ہیں دعا بھی ہیں اور قرآن بھی۔

حروف مقطعات کے اسرار و رموز

حروف مقطعات جو کہ سورتوں کی ابتداء میں مذکور ہیں ان کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف ان متشابہات میں سے ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں ان پر ایمان رکھنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی اس کے معانی و مفہوم جانتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سورتوں کے شروع میں جو حروف ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہر کتاب میں کوئی برگزیدہ چیز ہوتی ہے اور قرآن کریم میں برگزیدہ شئی حروف مقطعات ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اگر آدمی ان حروف کو صحیح ترتیب دے سکیں تو ان سے بننے والے اسمائے الٰہیہ کو جان لیں چنانچہ الٓرٰ .... حٰمٓ اور نٓ کو ملایا جائے تو الرحمٰن بن جاتا ہے۔ اسی طرح باقی مقطعات بھی ہیں مگر ہم ان کی صحیح ترتیب بنانے سے قاصر ہیں۔ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے الرٰ حٰمٓ اور نٓ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا ان کے ملا لینے سے الرحمٰن بنتا ہے۔

سدیؒ کلبیؒ اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ قرآن کریم کے نام ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ان حروف سے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ حضرت عکرمہؒ اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک حرف اللہ تعالیٰ کے ناموں اور اس کی صفات پر دلالت کرتا ہے چنانچہ الف میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اول' آخر ازلی اور ابدی ہے اور لام میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے اور میم میں اشارہ ہے کہ وہ ملک مجید منان اور محسن ہے اور کٓھٰیٰعٓصٓ میں کاف اشارہ ہے کہ وہ کافی' کبیر اور کریم ہے اور ہا اشارہ ہے کہ وہ ہادی ہے اور یا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور عین اشارہ ہے کہ وہ عالم الغیب ہے۔ اور صاد اشارہ ہے کہ وہ صادق ہے۔

اور بعض کا قول یہ ہے کہ ان میں سے بعض حروف اسم صفات پر دلالت کرتے ہیں اور بعض اسم ذات پر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں الٓمٓ سے مراد انا اللہ اعلم ہے۔ یعنی میں ہوں اللہ بہت علم والا اور الٓمٓصٓ سے مراد انا اللہ افضل ہے اور الٓرٰ سے مراد انا اللہ رائی ہے یعنی میں ہوں اللہ بہت دیکھنے والا اور بعض نے کہا کہ ان میں سے ہر حرف صفات افعال پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ الف سے مراد آلاء اللہ یعنی اللہ کی نعمتیں اور بخششیں ہیں اور لام سے مراد اس کا لطف ہے اور میم سے مراد اس کا مجد اور طاء سے مراد یہ ہے کہ وہ طیب و ذوالطول ہے۔ یعنی پاک و بخشش والا ہے اور سین سے مراد یہ ہے کہ

وہ سلام اور سمیع ہے اور راء سے مراد یہ ہے کہ وہ رب اور رحیم ہے اور حاء سے مراد یہ ہے کہ وہ حلیم حی اور حق ہے اور نون سے مراد یہ ہے کہ وہ نور اور نافع ہے اور قاف سے مراد یہ ہے کہ وہ قاہر، قادر اور قوی ہے۔

اور بعض کا یہ کہنا ہے کہ ان میں سے بعض حروف اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم پر دلالت کرتے ہیں اور امام غزالی فرماتے ہیں یہ حروف کل چودہ ہیں سب سے پہلا الم اور آخری ن ہے اور ان میں سے بعض مکرر سہ کرر آئے ہیں اور ان کے معانی میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے مشتق ہیں۔ قاضی ابوبکر باقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حروف ہجا کے اٹھائیس حروف کے نصف ہیں جو کہ سورتوں کے شروع میں تکرار کے ساتھ آئے ہیں ان کے بعد قصے اور احکام مذکور ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ قرآن کریم کی کمی اور زیادتی سے حفاظت فرمائی ہے اور اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ایک عارف نے فرمایا کہ جو حروف ہم بولتے ہیں اٹھائیس ہیں ان میں سے چودہ حروف نور ہیں اور چودہ حروف ظلمت حروف نورانیہ ہے۔ ا، ح، ص، س، ک، ع، ط، ق، ر، ہ، ن، م، ل، ی اور باقی حروف ظلمت ہیں۔

چودہ نورانی حروف

اور ایک عارف کا فرمان ہے کہ حروف مقطعات تین کلمات اور اٹھائیس حروف ہیں اور وہ الم، المص، الر، الر، الر، المر، الر، کھیعص، طٰہٰ، طسم، طس، طسم، الم، الم، الم، یٰس، ص، حم، حم، حم، حمعسق، حم، حم، حم، ق، ن ہیں اور اگر ان کی ترکیب کو دیکھا جائے تو بعض ایک ایک ہیں بعض دو دو اور بعض تین تین، بعض چار چار اور بعض پانچ پانچ حروف سے مرکب ہیں جیسا کہ کلام عرب کا قاعدہ ہے۔

اور امام سہل بن عبداللہ تستریؒ نے اپنی ایک کتاب میں ایک فصل حروف کے بیان میں قائم کی ہے اس میں فرماتے ہیں کہ حروف میں سے افضل نو ہیں جن کے نور سے حروف مقطعات بنے ہیں وہ یہ ہیں۔ ا، ل، م، ص، ح، ق، ک، ن، و اجسام ظاہرہ یعنی ساتوں آسمان اور عرش اور کرسی ان کی اشرفیت پر دلالت کرتے ہیں یہ وہ حروف ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کنایۃً ان لفظوں سے بیان فرمایا ہے۔ الم، المص، ق، ن، حم اور یہی حروف لوح و قلم کے حروف ہیں اور چودہ حروف نورانیہ، ل، م، ص، ر، ک، ی، ع، ط، س، ح، ق، ن، ھ ہیں یعنی وہ حروف جن کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جیسا کہ منازل قمری کل اٹھائیس ہیں اس طرح چاند چودہ منزلوں تک روشنی میں کمال حاصل کرتا ہے اور سورج کے قریب ہوتا ہے اسی طرح نفس انسانی ان چودہ حروف کی معرفت سے عقل کا نور حاصل کرتا ہے اور کمال کو پہنچتا ہے۔

حرف الف سے اللہ تعالیٰ کے وہ اسمائے گرامی تعلق رکھتے ہیں جن کے شروع میں الف آتا ہے یعنی اللہ، احد، اول اور آخر۔ حرف باء سے باسط، باعث، باقی اور باطن ہیں۔ حرف جیم سے جبار، جلیل، جمیل، جواد اور جامع ہیں۔ حرف دال سے دائم اور دیان

ہیں۔ حرف ھاء سے ہادی ہے۔ حرف واؤ سے وارث اور وہاب ہے حرف زاء سے زکی ہے۔ حرف حاء سے حی، حکیم، حلیم، حق، حکم، حفیظ اور حسیب ہیں۔ حرف طا سے طاہر، طائب اور طائق ہیں۔ حرف یاء سے وہ اسم اعظم متعلق ہے جو عبرانی زبان میں ہی وہ ہے اور اب تک بنی اسرائیل اس کی تاویل نہیں جانتے۔ حرف کاف سے کریم، کفیل اور کبیر ہیں۔ حرف لام سے لطیف ہے حرف میم سے مالک، مومن، مہیمن، مصور، ماجد، مقتدر، موخر، معز، مذل، مطیع، مجیب، متین، محصی، مبدی، معید، محی، ممیت، متعال، منتقم، مالک الملک، مقسط، مغنی، معطی، مانع، منزل، مہلک، منشی اور مبین ہیں۔ حرف نون سے نور اور نافع ہیں۔ حرف سین سے سلام، سمیع اور سبوح ہیں۔ حرف عین سے عزیز، علی، عظیم، عدل اور عفو ہیں۔ حرف فاء سے فرد اور فتاح ہیں حرف صاد سے صبور، صمد اور صادق ہیں۔ حرف قاف سے قیوم، قہار، قاہر، قدوس، قائم، قدیر، قابض، قریب اور قدیم ہیں۔ حرف راء سے رحمٰن، رحیم، رب، رؤف، رافع، رقیب، رزاق اور رشید ہیں۔ حرف شین سے شاہد، شکور اور شدید العقاب ہیں۔ حرف تاء سے تواب ہے۔ حرف ثاء سے ثابت الوجود ہے۔ حرف خاء سے خالق، خبیر اور حافظ ہیں۔ حرف ذال سے ذوالجلال والاکرام ہے۔ حرف ضاد سے ضار، حرف ظاء سے ظاہر اور حرف غین سے غنی، غفار اور غالب ہیں۔

بہتر دعا وہ ہے جو اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اور چودہ حروف نورانیہ کے ساتھ مانگی جائے۔ چنانچہ بڑے بڑے صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اور انہیں میں اسم اعظم بھی ہے اور اسمائے حسنیٰ اور چودہ حروف نورانیہ کے ساتھ دعا یہ ہے (ا) یَا اَللّٰہُ ' یَا اَحَدُ ' یَا اَوَّلُ یَا آخِرُ یَا لَطِیْفُ ' (م) یَا مَالِکَ الْمُلْکِ ' یَا مَالِکَ یَوْمِ الدِّیْنِ یَا مُحْیِیْ یَا مُمِیْتُ (ص) یَا صَمَدُ (ر) یَا رَبَّ الْاَرْبَابِ یَا رَحْمٰنُ ' یَا رَحِیْمُ (ک) یَا کَرِیْمُ (ہ) یَا ھَادِیْ اَنْتَ ھُوَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ (ی) یہوہ اھیا شراھیا ادو (ع) یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ (ط) یَا طَالِبُ یَا طَاھِرُ (س) یَا سَمِیْعُ یَا سُبُّوْحُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ (ن) یَا نُوْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَنُوْرَ الْاَنْوَارِ کُلِّھَا وَمُنَوِّرَھَا یَا نَافِعُ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی وَالتُّقٰی وَاَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَاَسْئَلُکَ رِزْقًا دَارًّا وَعَیْشًا قَارًّا وَعَمَلًا بَارًّا وَالْحَاقًا بِعِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ وَاَسْئَلُکَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَعَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلِکَ وَاَنْ تُسَلِّمَ عَلَیْھِمَا وَعَلٰی آلِھِمَا وَعَلَی الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَاَنْ تُعْطِیَنِیْ سُؤْلِیْ مِنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَنْ تُصْلِحَ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ حَتّٰی اَلْقَاکَ وَاَنْتَ رَاضٍ عَنِّیْ وَعَنْ جَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

یہ بات جاننی چاہئے کہ جس طرح جسمانی طبیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ جسمانی بیماریوں کی تشخیص کر کے ہر بیماری کا علاج اس کی ضد سے کرے اور مفرد اور مرکب دوائیوں کی تاثیرات اور خواص جان کر ہر بیماری میں ہر دوا کو متوسط مقدار میں استعمال کرائے نہ کہ حد سے زائد یا کم مقدار دے کر مریض کو نقصان پہنچائے۔ اسی طرح روحانی طبیب کا بھی یہ فرض ہے کہ روحانی امراض کی اچھی طرح تشخیص کر کے علاج بالضد کرے اور اسماء و حروف کے خواص معلوم کر کے باندازہ متوسط اس سے پڑھوائے مثلاً خوفزدہ شخص کو حاء جو ٹھنڈا تر ہے اور میم جو گرم خشک ہے اور وہ نام جو ان حروف کے ساتھ خاص ہیں یعنی حی، حنان،

منانُ علیمُ حکیم اور مومن اڑتالیس بار پڑھنے کو کہے۔ پھر اس کے بعد خوف زدہ شخص خدا کا اسم اعظم ذاتی یااللہ یااللہ چھیس بار پڑھ کر جس سے ڈرتا ہے اس سے بچنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے پھر دوسری دفعہ وہی حروف اور وہی اسماء یا مومن تک اڑتالیس بار پڑھے اور یہ عدد دعاء اور میم کے ہیں اور چھیاسٹھ اللہ تعالیٰ کے عدد ہیں اور دویا صمد سے دعا مانگے اور جو شخص پریشان و متحیر ہو وہ اسم ہادی اور رشید اور مرشد سے دعا کرے۔ فقیر و مفلس شخص اسم غنی مغنی منعم اور ذوالطول سے دعا مانگے اور کمزور و بے طاقت شخص قوی المتین سے اور ذلیل و بے قدر آدمی عزیز اور عظیم سے اور عاجز شخص قہار اور قدیر سے دعا مانگے اور کند ذہن شخص اسم معلم علیم اور محصی سے دعا مانگے اسی طرح ہر حاجت مند اپنی حاجت کے موافق اسم مبارک سے دعا مانگے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک عارف سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف زہری اپنے مال و اسباب اور گھروں اور جاگیروں پر یہ چودہ حروف نورانیہ لکھ دیا کرتے تھے اور وہ سب محفوظ رہتے تھے۔

حروف مقطعات کے خواص وفوائد

(۱) حضرت عثمان بن عفان اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دشمن سے مقابلہ کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِالنَّصْرِ وَالتَّاْیِیْدِ بِالمص وَ بِکھیعص وَ بحمعسق وَ بیٰسٓ وَالْقُرْآنِ وَقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَبِنُوْنٓ وَالْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑائی میں مسلمانوں کے درمیان ایک علامت مقرر کرکے فرمایا کہ حم ولا ینصرون

(۳) ایک عارف کا ذکر کرتے ہیں کہ جب وہ دریائے دجلہ میں کشتی پر سوار ہوتے تو وہ چودہ حروف پڑھ لیتے جو سورتوں کے شروع میں ہیں۔ کسی نے پوچھا حضرت آپ یہ کیوں پڑھتے ہیں؟ فرمایا جب یہ حروف کسی جگہ جنگل یا دریا میں جہاں بھی پڑھے جائیں تو پڑھنے والا اور وہ مقام جہاں پڑھے گئے ہیں دونوں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس کی جان و مال ہلاک ہونے اور غرق ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔

(۴) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک عارف نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان پر حٰمٓ عٓسٓقٓ کَذٰلِکَ یُوْحِیْ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ نازل فرمایا تو میں جان گیا کہ اس میں کوئی الٰہی راز ہے۔ میں نے اس آیت کو اپنی تنگیوں اور مصیبتوں کے وقت اپنی ڈھال بنایا تو میں اس کے سبب ہمیشہ محفوظ رہا اور خوشحال ہی رہا۔

(۵) اور فرماتے ہیں کہ میں نے موصل میں ایک عارف کے پاس حروف مقطعات لکھے ہوئے دیکھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں لکھ رکھے ہیں تو فرمایا یہ بہت برکت والی چیز ہے ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے ہر آزمائش سے محفوظ رکھتے ہیں۔ رزق عطا فرماتے ہیں۔ جب بھی مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں

اور فوراً میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے انہیں حروف کی برکت سے دشمن سے محفوظ رہتا ہوں۔ چور سانپ بچھو درندے اور حشرات الارض مجھ سے دور رہتے ہیں۔ جب سفر میں جاتا ہوں تو بھی انہیں ہی پڑھتا ہوں اور صحیح و سلامت واپس لوٹتا ہوں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس وقت مجھے کلمات کی برکات کا علم یقینی ہو گیا۔

(۶) امام غزالیؒ ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک عارف کی لونڈی کو مرگی کا دورہ ہوا تو انہوں نے آ کر اس کے کان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم الٓمّٓصٓ ' کٓھٰیٰعٓصٓ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ حٰمٓ عٓسٓقٓ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ

پڑھا اور پھونک ماری تو دورہ جاتا رہا اور باندی فوراً ہوش میں آ گئی آئندہ بھی اس مرض سے محفوظ رہی۔

(۷) بصرہ میں ایک شخص داڑھ کا درد کیا کرتا تھا مگر بخیل تھا کسی کو بتاتا نہیں تھا۔ جب وہ شخص مرنے لگا تو ایک شخص کو بلا کر کہا میرے پاس قلم دوات اور کاغذ لا تاکہ میں تجھے داڑھ کیلئے بتا دوں۔ پھر اس نے یہ کلمات لکھ کر دیئے۔

الٓمّٓصٓ طٰسٓمٓ کٓھٰیٰعٓصٓ حٰمٓ عٓسٓقٓ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ. اُسْکُنْ اُسْکُنْ بِالَّذِیْ اِنْ یَّشَاْ یُسْکِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَھْرِہٖ وَاسْکُنْ بِالَّذِیْ سَکَنَ لَہٗ مَا سَکَنَ لَہٗ مَا فِی الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اور کہا جسے داڑھ میں درد ہو اس کی داڑھ کو ان حرفوں سے تکلیف دیا کر۔

(۸) حکیمؒ کہتے ہیں جو شخص کسی مہینہ کی چودھویں تاریخ اور جمعہ کی رات کو عشاء کی نماز کے بعد ہرن کے چمڑے پر گلاب اور زعفران سے سورۃ بقرۃ المفلحون تک سورۃ آل عمران وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ تک الٓمّٓصٓ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ تک الٓمّٓرٰ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ تک کھیعص ذِکْرِیَا تک طٰہٰ لِتَشْقٰی تک ' طٰسٓمٓ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ تک یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ تک وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ شِقَاقٍ تک حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۔حٰمٓ تک حٰمٓ عٓسٓقٓ کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ حَکِیْمٌ تک قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ اور نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ عَظِیْمٍ تک لکھ کر ٹوے کی ایک پھوری میں ڈالے اور موم سے بند کر کے دوہرے کپڑے کے درمیان میں رکھ کر سی لے اور دائیں بازو پر باندھے۔ تو اس کا دل بہادر اور عزم مضبوط ہو جائے گا۔ اس سے دشمن ڈرے گا۔ سب لوگ اس کی عزت کریں گے اگر تنگ دست ہے تو مالدار ہو جائے گا۔ اگر خوف ہے تو وہ جاتا رہے گا۔ جادو کا مریض ہے یا پاگل پن کا تو اس سے نجات ملے گی۔ مقروض ہے تو قرضہ سے نجات ہو جائے گی۔ کوئی غم ہے تو خدا تعالیٰ اس کا غم دور کرے گا۔ مسافر ہے تو صحیح سلامت واپس لوٹے گا۔ بچوں کے گلے میں لٹکایا جائے تو وہ ہر خوف و خطرہ سے محفوظ رہیں گے۔ بے نکاحی عورت کے گلے میں ڈالیں تو اس کا نکاح ہو جائے گا۔ کسی دکان پر لٹکایا جائے اس پر گاہک کثرت سے آئیں گے۔ اگر کوئی کسی حاجت مندی میں مبتلا ہو وہ اسے اپنے پاس رکھے تو اس کی حاجت پوری ہو گی۔

(۹) علامہ بونیؒ فرماتے ہیں چودہ حروف جو کہ سورتوں کے شروع میں ہیں اگر کوئی شخص ان کو چاندی کی ایک گول تختی میں ایسے وقت کندہ کرائے جس وقت چاند برج ثور میں ہو اور ثور طالع ہو پھر اس تختی کو اپنے پاس رکھے تو وہ خوشحال رہے گا۔

(۱۰) اور جو شخص اسی طالع میں چاندی کی انگوٹھی پر کندہ کرا کر اس انگوٹھی کو پہنے تو اس کی تمام حاجتیں پوری ہوں گی۔

(۱۱) جو شخص رجب کے مہینہ کی پہلی تاریخ بروز جمعرات ان حروف کو انگوٹھی کے نگ میں کندہ کرا کے پہنے تو اگر اسے کوئی خوف ہے تو وہ جاتا رہے گا اگر بادشاہ (یا افسر) کے پاس جائے تو بادشاہ پر اس کی ہیبت چھا جائے گی اور وہ اس کی ضرورتیں پوری کرے گا۔

(۱۲) جو شخص ان حروف کو کسی غضبناک آدمی کے سر پر پھیر دے تو وہ راضی ہو جائیگا۔

(۱۳) جو پیاسا شخص ان حروف کو منہ میں رکھ کر چوس لے تو سیراب ہو جائے گا۔

(۱۴) اگر کوئی آدمی ان حروف کو رات بھر بارش کے پانی میں بھگوئے اور صبح نہار منہ وہ پانی پی لے تو اس کا حافظہ بہت مضبوط ہو جائے گا۔

(۱۵) اگر کوئی بے کار و بے روزگار شخص ان حروف کو پہنے تو اس کو کوئی کام مل جائیگا۔

(۱۶) اگر بیوہ عورت پہنے تو اس کا نکاح ہو جائے گا۔

(۱۷) اگر یہ حروف مرگی والے پر رکھ دیئے جائیں تو مرگی فوراً ختم ہو جائے گی۔

(۱۸) اگر یہ حروف بغیر تکرار کے اس ہفتہ کے دن میں لکھے جو چاند کے پہلے نصف میں ہو لکھ کر لٹکا جائے تو سارا سال اس کی آنکھوں میں تکلیف نہیں ہوگی۔

اگر کوئی آدمی جو تنگدست ہو اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک الکریم' الوہاب' ذو الطول کا ہمیشہ ورد رکھے تو اللہ تعالیٰ اس پر رزق فراخ کر دیں گے چنانچہ میں نے کئی آدمیوں کو یہ ورد بتایا اور اس کی عجیب برکتیں دیکھیں اور اگر کوئی آدمی ان کا نقش گلے میں پہنے تو اس کے سب کام آسانی سے ہوتے رہیں گے۔

اور اسمائے حسنیٰ سے دعا مانگنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس اسم کا ورد کرتا ہو اس کے حروف الف لام کے بغیر لے کر جمل کبیر کے اعداد کے موافق ان کے عدد نکالے اور تنہائی میں خشوع خضوع اور حضور دل کے ساتھ جتنے وہ عدد ہوں اتنی بار ان کو پڑھے اس سے کم یا زیادہ نہ پڑھے دعا قبول ہوگی۔ بعض نے کہا ہے کہ کم پڑھنے میں نقصان ہے اور زیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے۔ مثلاً الکریم الوہاب ذوالطول کو پڑھنا ہے تو کریم وہاب ذوالطول کے عدد بغیر الف لام کے ایک ہزار ساٹھ ہیں اور اگر ایک ساقط کر دیں تو ایک ہزار ساٹھ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک باسط اگر پڑھا جائے اور لکھ کر پاس بھی رکھا جائے تو اس سے رزق میں وسعت ہوتی ہے۔ غم اور تکالیف دور ہوتی ہیں اور دل خوش و مطمئن رہتا ہے اور اگر چار دن تک روزانہ چار گھنٹے اس کا ورد رکھا جائے یا ۴۲ دن تک روزانہ ۷۲ بار اسے پڑھے تو اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کا شوق عنایت کرتا ہے اور ہر قسم کے بوجھ ہٹا دیتا ہے تنگی رزق دور ہو جاتی ہے۔

اور جب سورج سعد طالع میں ہو تو سونے کی تختی پر "ط" ۹ عدد اور "ھ" ۳ عدد کندہ کر کے پاس رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ سرکش لوگوں کو خواہ وہ جن ہو یا انسان مغلوب کر دیتا ہے اور نیک اعمال کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور جو اس تختی کو پانی میں دھو کر پی لے تو

اس کے جان و مال میں برکت ہوتی ہے اور نیکی کو پسند کرتا ہے اور دل میں انشراح ہو جاتا ہے اور بیماری سے شفاء ملتی ہے اور اگر چاند کی نویں یا اٹھارویں یا ستائیسویں تاریخ کو ان حروف کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو موذی حشرات الارض سے محفوظ رہتا ہے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ ناپاکی کی حالت میں اسے اپنے پاس نہ رکھے۔

جو شخص چاند کی ساتویں تاریخ کی ساتویں ساعت میں جس مطلب یا حاجت کے لئے لکھنا چاہے اور اس کی نیت سے باوضو ہو کر ۷۰ بار یا سات بار رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا۔ جو شخص ۷ جمعے تک حلال رزق کا خیال رکھ کر کھائے پیئے اور قبلہ رو ہو کر طہارت کے ساتھ سوئے اور سوتے ہوئے یہ پڑھے یا عزیز یا ذوالطول تو وہ عالم روحانی کے عجیب و غریب اسرار کا مشاہدہ کرے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے ایک آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ دنیا نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے اور میں تنگدست ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو صلوٰۃ الملائکۃ اور تسبیح الخلائق کیوں نہیں پڑھتا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے تو ارشاد فرمایا وہ یہ ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ مَنْ يَمُنُّ وَلَايُمَنُّ عَلَيْهِ سُبْحَانَ مَنْ يُجِيْرُ وَلَايُجَارُ عَلَيْهِ سُبْحَانَ مَنْ تَعَزَّزَ بِالْحَوْلِ وَالْقُوَّةِ لَاسْتِفْتَاحِ الرِّزْقِ اِلَيْهِ سُبْحَانَ مَنِ الْمُسَبِّحِ مِنْهُ مِنَّةٌ عَلٰى مَنِ الْمُعْتَمَدِ عَلَيْهِ سُبْحَانَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ نُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ يَا مَنْ نُسَبِّحُ لَهُ الْجَمِيْعُ تُدَارِكْنِيْ فَاِنِّيْ جَزُوْعٌ

اسے فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان پڑھ کر سو بار استغفار پڑھا کر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو آدمی روزانہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ سو بار پڑھے اس کے لئے رزق کے دروازے اور جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔ دنیا اس کے آگے ذلیل ہو کر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہر ایک کلمہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو تسبیح پڑھتا رہتا ہے۔

عارف سہروردیؒ فرماتے ہیں شیخ ابوالربیع سلیمان نے مجھ سے فرمایا کیا میں تجھے ایسی چیز بتادوں جس کو تو حسب ضرورت خرچ کر لیا کرے؟ میں نے کہا ہاں بتائیں فرمایا یہ پڑھا کر۔

قُلْ يَا اَللّٰهُ ، يَا وَاحِدُ ، يَا اَحَدُ اِنْفَعْنِيْ مِنْكَ بِنَفْحَةِ خَيْرٍ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

مال میں برکت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص سو بار استغفار کرے تو جب تک وہ اپنے مال میں برکت نہ دیکھے گا اسے موت نہیں آئے گی۔ اور استغفار یوں کرے۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَ أَتُوْبُ إِلَيْهِ وَ أَسْأَلُهُ التَّوْبَةَ وَالْمَغْفِرَةَ مِنْ جَمِيْعِ الذُّنُوْبِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ. إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا

اولیاء میں سے ایک نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ ایک تکلیف میں مبتلا ہوا میں نے اپنے ایک بھائی سے اس کا تذکرہ کیا تو اس نے کہا یہ آیات لکھ کر اپنے گلے میں باندھ لے۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ. إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا. نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ.

میں نے اسی طرح کیا تو میری تکلیف ختم ہو گئی جاتی رہی۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کاغذ پر قرآنی فتوح لکھ کر اپنے بازو پر باندھے اللہ تعالیٰ اس پر ہر نیک کام آسان کر دیتے ہیں اور وہ فتوح یہ ہیں۔

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ.... وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ.... رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ.... وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ..... إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ.... وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ.... وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ.... وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ.... رَبِّ إِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ.... مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا.... حَتّٰى إِذَا جَاءُوْهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا.... إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا.... وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا تِلْكَ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا.... إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جو مقروض ہو وہ یہ پڑھے۔ اللهم اكفنى بحلالك عن حرامك و بطاعتك عن معصيتك و بفضلك عمن سواك.

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو آدمی تنگ دست ہو وہ گھر سے نکلتے وقت یہ پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَدِيْنِيْ وَمَالِيْ اَللّٰهُمَّ رَضِّنِيْ بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا قُدِّرَ لِيْ لَا أُحِبُّ تَعْجِيْلَ مَا أَخَّرْتَ وَلَا تَأْخِيْرَ مَا عَجَّلْتَ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اور جو شخص مذکورہ بالا دونوں دعاؤں کو نماز جمعہ کے بعد پڑھے اللہ تعالیٰ اسے دولت مند کر دیتے ہیں اور یہ دعا بھی ساتھ ملا لے۔

اَللّٰهُمَّ يَا غَنِيُّ يَا حَمِيْدُ يَا مُبْدِئُ يَا مُعِيْدُ يَا رَحِيْمُ يَا وَدُوْدُ اِكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِطَاعَتِكَ عَنْ مَعْصِيَتِكَ وَأَغْنِنِيْ عَمَّنْ سِوَاكَ

حضرت ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کاروبار ادھار پر چلتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر شروع کرو اللہ تعالیٰ

ادھار ادا کرادے گا کیونکہ بعض اخراجات قرض کی ادائیگی میں تقدیم یا تاخیر ہو جاتی ہے یا ظلم یا جھوٹ کی وجہ سے نقصان ہو جاتا ہے کسی نے پوچھا اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر کاروبار چلانے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا اس طرح کہ نفس کو دوسرے خیالات سے روکے رکھے اور دل کو بدعات سے ہٹائے رکھے اور یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ تَکَلَّمْتُ بِعِلْمِکَ الَّذِیْ عَلَّمْتَنِیْ بِہٖ عَمِلْتُ فَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَاَمْرِیْ اِلَیْکَ فَوَّضْتُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الدُّخُوْلِ لِیْ فِی الْجَھْلِ وَالْبِدْعِ وَلِیَ الْعَادَاتِ وَلِی الشَّرِّ وَاللَّبْسِ وَالرِّجْسِ

اور اگر کوئی نفسانی خواہش آئے تو اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے بھاگے جس طرح آدمی آگ سے بھاگتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی نقصان پہنچائے اور یہ کہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ وَمِنْ عَمَلِ اَھْلِ النَّارِ فَاَنْقِذْنِیْ اِغْفِرْلِیْ یَاعَزِیْزُ یَا غَفَّارُ

اب ہم افادۂ عام کے لئے چند چیزیں جو کہ مذکورہ اعمال سے استفادہ کے لئے ضروری ہیں یا جن کا تعلق علم میں اضافہ سے ہے۔ وہ ذکر کرتے ہیں یہ مترجم کی طرف سے اضافہ ہے سب سے پہلے اسمائے الٰہیہ کے اعداد پیش ہیں۔

فائدہ ۱۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ

(۱) اللہ معبود حقیقی ۶۶ (۲) الرحمن مہربان ۲۹۸ (۳) الرحیم رحمت والا (۲۵۸) (۴) الملک بادشاہ ۹۰ (۵) القدوس ہر عیب و نقصان سے پاک ۱۷۰ (۶) السلام سلامتی والا ۱۳۱ (۷) المؤمن ہر خوف سے امن دینے والا ۱۳۶ (۸) المہیمن نگہبان ۱۴۵ (۹) العزیز غالب ۹۴ (۱۰) الجبار زبردست ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والا ۲۰۶ (۱۱) المتکبر بڑائی والا ۶۶۲ (۱۲) الخالق پیدا کرنے والا ۷۳۱ (۱۳) الباری صفت و خاصیت پیدا کرنے والا ۲۱۳ (۱۴) المصور شکل و صورت بنانے والا ۳۳۶ (۱۵) الغفار بہت بخشنے والا ۱۲۸۱ (۱۶) القہار سب پر غلبہ پانے والا ۳۰۶ (۱۷) الوہاب (بے غرض) بہت بخشش کرنے والا ۱۴ (۱۸) الرزاق رزق دینے والا ۳۰۸ (۱۹) الفتاح ہر کار بستہ کھولنے والا ۴۸۹ (۲۰) العلیم ہر چیز کا علم رکھنے والا ۱۵۰ (۲۱) القابض روزی تنگ کرنے والا ۹۰۳ (۲۲) الباسط روزی کشادہ کرنے والا ۷۲ (۲۳) الرافع بلندی دینے والا: ۳۵۱ (۲۴) الخافض پست کرنے والا: ۱۴۸۱ (۲۵) المعز عزت دینے والا: ۱۱۷ (۲۶) المذل ذلت دینے والا: ۷۷۰ (۲۷) السمیع سننے والا: ۱۸۰ (۲۸) البصیر دیکھنے والا: ۳۰۲ (۲۹) الحکیم حکمت والا: ۷۸ (۳۰) العدل انصاف کرنے والا: ۱۰۴ (۳۱) اللطیف لطف کرنے: ۱۲۹ (۳۲) الخبیر ہر ظاہر و باطن سے باخبر: ۸۱۲ (۳۳) الرقیب نگہبان ہر ایک کا حال دیکھنے والا: ۳۱۲ (۳۴) الحلیم بردبار: ۸۸ (۳۵) المجیب دعا کو قبول کرنے والا: ۵۵ (۳۶) الواسع وسعت دینے والا: ۱۳۷ (۳۷) الحکم فیصلہ کرنے والا: ۶۸ (۳۸) الودود محبت کرنے والا: ۲۰ (۳۹) العظیم بڑی عظمت والا: ۱۰۲۰ (۴۰) الغفور بخشنے والا: ۱۲۸۶ (۴۱) الشکور بڑا قدر شناس: ۵۲۶ (۴۲) العلی سب سے برتر: ۱۱۰

(۴۳)الکبیر سب سے بڑا:۲۳۲(۴۴)الحفیظ حفاظت کرنے والا:۹۹۸(۴۵)المقیت روزی رساں:۵۵۰(۴۶) الحسیب حساب لینے والا:۸۰(۴۷)الجلیل عظمت والا:۷۳(۴۸)الکریم کرم کرنے والا:۲۷۰(۴۹)المجید سب سے بزرگ:۵۷(۵۰)الباعث (زندگی بخش کر) اٹھانے والا:۵۷۳(۵۱)الشہید حاضر:۳۱۹(۵۲)الحق سچا:۱۰۸ (۵۳)القوی پوری قوت رکھنے والا:۱۱۶(۵۴)الوکیل کارساز:۶۶(۵۵)المتین قوت والا:۵۰۰(۵۶)الولی دوست :۴۶(۵۷)الحمید قابل تعریف:۶۲(۵۸)المحصی شمار کرنے والا:۱۴۸(۵۹)المبدی عدم سے وجود میں لانے والا :۵۶(۶۰)المعید دوبارہ پیدا کرنے والا:۱۲۴(۶۱)المحیی زندگی بخشنے والا:۶۸(۶۲)الممیت مارنے والا:۴۹۰ (۶۳)الحی ہمیشہ زندہ رہنے والا:۱۸(۶۴)القیوم ہمیشہ قائم رہنے والا:۱۵۶(۶۵)الواجد وجود میں لانے والا:۱۴ (۶۶)الماجد بزرگی عطا کرنے والا:۴۸(۶۷)الواحد تنہا:۱۹(۶۸)الاحد ایک:۱۳(۶۹)الصمد بے نیاز:۱۳۴ (۷۰)القادر قدرت والا:۳۰۵(۷۱)المقتدر قدرت پانے والا:۷۴۴(۷۲)المقدم آگے کرنے والا:۱۸۴(۷۳) المؤخر پیچھے کرنے والا:۸۴۶(۷۴)... المعطی عطا کرنے والا:۱۲۹(۷۴)المانع روکنے والا:۱۶۱(۷۵)الضار ضرر پہنچانے والا:۱۰۰۱(۷۶)النافع نفع پہنچانے والا:۲۰۱(۷۷)النور روشن کرنے والا:۲۵۶(۷۸)الہادی راہ دکھانے والا:۲۰(۷۹)البدیع ایجاد کرنے والا :۸۶(۸۰)الباقی ہمیشہ رہنے والا:۱۱۳(۸۱)الوارث سب کے بعد رہنے والا:۷۰۷(۸۲)المنتقم انتقام لینے والا:۶۳۰ (۸۳)المنعم انعام دینے والا:۲۰۰(۸۴)العفو گناہ سے درگزر کرنے والا:۱۵۶(۸۵)الرؤف مہربان:۲۸۶(۸۶) الرب پروردگار:۲۰۲(۸۷) المقسط انصاف کرنے والا:۲۰۹(۸۸)الجامع جمع کرنے والا:۱۱۴(۸۹)الغنی بے نیاز:۱۰۶۰(۹۰)المغنی بے نیاز بنانے والا:۱۱۰۰(۹۱)المؤخر پیچھے کرنے والا:۸۴۶(۹۲)الظاہر کھلی ہوئی ہستی والا:۱۱۰۶ (۹۳)الباطن پوشیدہ:۶۲(۹۴)الوالی کارساز:۴۷(۹۵)المتعالی بزرگ و برتر:۵۵۱(۹۶)البر مہربان:۲۰۲(۹۷) التواب توبہ قبول کرنے والا:۴۰۹(۹۸)الاول سب سے پہلے:۳۷(۹۹)الآخر سب سے آخر قائم رہنے والا۔

نوٹ:۔ اسمائے حسنیٰ کے یہ اعداد ہر اسم مبارک کے خروج میں پائے جانے والے الف لام کے اعداد کے بغیر ہیں اگر الف لام سمیت اعداد معلوم کرنے ہوں تو ہر اسم مبارک کے اعداد میں ۳۱ اور جمع کر دیں تو آپ کا مقصود حاصل ہے کیونکہ الف کا عدد ایک ہے اور لام کے تیس ہیں۔

فائدہ ۲:۔ اسم اعظم اللہ تعالیٰ کا نام ہے بہت عظیم اور بے پناہ قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ قرآن کریم میں موجود ہے مگر تعیین کے ساتھ معلوم نہیں کہ کون سا کلمہ اسم اعظم ہے۔ اسم اعظم کے حصول کے لئے لوگوں نے لمبی عمریں صرف کر دیں۔ اسم اعظم کی خصوصیات و اثرات عقل و فہم کی حدود سے باہر ہیں۔ سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ملکہ بلقیس کو جو جن پلک جھپکنے میں لے آیا تھا حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہا سے اسم اعظم معلوم تھا۔ اسم اعظم ہی کی اعجازی قوت سے اس نے یہ حیران کن کارنامہ انجام دیا تھا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ تورات میں بھی اسم اعظم

تھا۔ یہ حکمت الٰہیہ ہے کہ لیلۃ القدر جو کہ عظیم ترراتیں ہیں اسے بھی اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا جمعہ کے دن میں قبولیت کی ایک گھڑی اسے بھی مخفی رکھا اسی طرح اولیائے کاملین میں جو قطب اور صاحب خدمت بزرگ ہوتے ہیں جن کے ذمہ بعض دفعہ تکوینی خدمات بھی ہوتی ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا۔ اسی طرح اسم اعظم کو بھی مخفی رکھا۔ (اسم اعظم کے بارے میں مولف الدرالنظیم کی تحقیق آگے سورۂ آل عمران میں آرہی ہے)

احادیث میں بھی اسم اعظم کا تذکرہ اور اشارہ ہے مگر تعیین نہیں ہے۔ بہت ساری آیات اور دعاؤں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں اسم اعظم ہے مگر کسی کلمہ یا جملہ کو متعین کر کے نہیں فرمایا کہ یہ اسم اعظم ہے مگر یہ بات ضرور ہے کہ احادیث میں جن آیات ودعاؤں کے بارے میں نشاندہی فرمائی گئی ہے کہ ان میں اسم اعظم ہے ان میں سے ہر ایک میں حروف مقطعات میں سے کوئی نہ کوئی حرف موجود ہے اور غالب گمان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اسی حرف کی طرف ہو۔ یہ تجزیہ بھی مقطعات میں اسم اعظم کے موجود ہونے کے غالب امکان کو روشن کرتا ہے۔

فائدہ ۳۔ (اضافہ از مترجم):۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے درس بخاری میں یہ واقعہ سنایا کہ ایک آدمی کو اسم اعظم معلوم تھا۔ بظاہر یہ شخص غریب و بے کس اور معمولی درجہ کا آدمی تھا۔ پولیس والوں نے اسے کسی کیس میں خواہ مخواہ گرفتار کر لیا اور کیس کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پولیس والوں نے مار پیٹ شروع کر دی وہ بے چارہ بار بار کہتا رہا کہ مجھے معلوم نہیں ہے آپ لوگ بلاوجہ مجھ پر ظلم کر رہے ہیں لیکن پولیس والے اسے اذیت دیتے رہے اور وہ بے چارہ اذیت کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو جاتا تھا۔ مگر اس نے اسم اعظم استعمال نہیں کیا اگر وہ چاہتا تو اس کے پاس اسم اعظم کی بے مثال طاقت موجود تھی ایک لمحہ میں پولیس والوں کو تہس نہس کر سکتا تھا۔ مگر اس نے سختیاں برداشت کیں اور اس راز کو ظاہر نہ کیا۔ اسم اعظم اسی کو مرحمت کیا جاتا ہے جس میں بے مثال قوت برداشت ہو۔ ورنہ تو آدمی اپنے مفاد میں آکر خلق خدا کو پریشان کر کے رکھ دے۔

فائدہ ۴:۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ یہ نام جب الف لام کے ساتھ ہو یا حرف نداء کے ساتھ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا مخصوص صفاتی نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی صفت کے یہ صیغے استعمال ہوئے ہیں الف لام کے ساتھ آئے ہیں۔ مثلاً الاول الآخر اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں اسی طرح یا اول یا آخر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو سکتا ہے مگر جب یہی اول و آخر مخلوق کے لئے استعمال ہو تو نہ اس پر الف لام لگایا جا سکتا ہے نہ حرف نداء۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ. وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

جو شخص جمعرات کے دن پہلے پہر کسی پاک صاف برتن میں مشک و زعفران سے اس آیت کو لکھے اور میٹھے پانی سے دھو کر پی

لے اور اس دن کھانا وغیرہ نہ کھائے بلکہ اگر رات کو پیئے اور دن کو روزہ رکھے تین دن یا پانچ دن اسی طرح کرے تو اس کا حافظہ قوی اور علم مضبوط ہو جائے گا۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ م بِأَمْرِهٖ ط أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ

(۱) جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور آیت کو پڑھے اگر وہ مقروض ہے تو بہت ہی جلد اس کا قرض ادا ہو جائیگا۔

(۲) اسی طرح مقروض آدمی اگر ہر نماز کے بعد درج ذیل آیات پڑھے تو بہت فائدہ ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُقَدِّمُ إِلَيْكَ بَيْنَ يَدَيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ آخر تک شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ أُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ط لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ..... آخر تک قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ تک

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ م بِأَمْرِهٖ ط أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ط إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ تک۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص دن رات میں تینتیس آیتیں ایک دفعہ پڑھ لیا کرے وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ نہ کوئی درندہ اسے تکلیف پہنچا سکے گا اور نہ کوئی چور وہ آیات یہ ہیں۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ. وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ط لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهٖ ط يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ إِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَ لَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ ط وَالَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْلِيٰٓؤُهُمُ

الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

لِّلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ‎آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ سورۂ صافات کی دس آیتیں شروع سے لازب تک سورۂ رحمٰن کی دو آیتیں يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا ۚ لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ۔

سورۂ حشر کی آخری آیتیں

لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

اور سورۃ الجن کی یہ آیات قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا

ان آیات کا نام آیات الخوف اور آیات الحرس ہے۔ یہ ایک مضبوط حفاظت ہیں اور ان میں ہر بیماری سے شفاء ہے۔ جن میں سے ایک جذام اور برص بھی ہے۔

خاصیت آیت ۲۵

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اگر کوئی درخت پھل نہ لاتا ہو تو اس کے لئے یہ آیت بہت مفید ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ جمعرات کے دن روزہ رکھے اور صرف کاسنی یا کسی اور کچے سبزے سے افطار کرے اور نماز مغرب سے فارغ ہو کر ان آیات کو کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھے لکھتے وقت کوئی بات نہ کرے۔ پھر اس کاغذ کو اس درخت کی کسی ٹہنی سے باندھ دے۔ واپس آتے ہوئے یہ کہے کہ اگر اس درخت پر کوئی پھل ہو تو اس کو توڑ کر کھالے اگر اس پر نہ ہو تو اس کے ساتھ والے درخت سے ایک پھل توڑ کر کھالے اور اوپر سے پانی کے تین گھونٹ پی کر واپس آجائے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس درخت کو خوب پھل لگیں گے۔

خاصیت آیت ۳۰ تا ۳۲

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

ان آیات سے جن وانسان مسخر ہوتے ہیں اور علوم ومکاشفات حاصل ہوتے ہیں۔طریقہ درج ذیل ہے۔جس چاند کا پہلا دن جمعرات ہو اس دن پاک صاف ہو کر روزہ رکھے اور غروب کے وقت گڑ یا کسی اور میٹھی چیز مثلاً کھجور وغیرہ سے افطار کرے اور قبلہ رخ ہو کر تیس مرتبہ ان آیات کی تلاوت کر کے کہے۔ أَيُّهَا الْأَرْوَاحُ الْقَاهِرَةُ الْوَاصِلَةُ الْعَلِيمَةُ الْمُوَكَّلُونَ بِهَذِهِ الْآيَاتِ الْمُطِيعُونَ لِأَمْرِهَا وَلِسِرِّهَا الْمُودَعِ فِيهَا أَجِيبُوا الدَّعْوَةَ وَانْقَضُّوا عَلَيَّ أَنْوَارَ رُوحِهَا لِيُكَلِّمَكُمْ حَتَّى أَنْطِقَ بِمَا خَفِيَ وَأُخْبِرَ بِالْكَائِنِ صَادِقًا وَاصْلُوا إِلَى وُجُوهِ بَنِي آدَمَ وَبَنَاتِ حَوَّاءَ وَأَلْقُوا وَاصْلُوا فِي قُلُوبِهِمْ رَغْبًا وَرَهْبًا

پھر ان آیات کو شیشہ کے گلاس یا پیالہ میں آس کے پھولوں کے پانی اور زعفران سے جو مشک اور گلاب سے حل کیا ہوا ہو لکھ کر گلاب کے پانی سے دھو کر پی لے اور سو جائے پانچ دن یا سات دن اسی طرح کرے اور ساتویں دن جمعرات کی رات کو ستر بار ان آیات کو کسی تنہا جگہ پر بیٹھ کر پڑھے اور درود پڑھ کر فارغ ہو کر اپنے اُنہی کپڑوں میں سو جائے تو خواب میں اسے اپنا مقصود مل جائے گا۔

خاصیت آیت ۴۰ تا ۴۲

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ اگر کسی عورت سے کوئی بات حاصل کرنا مقصود ہو اور وہ نہ بتا رہی ہو تو اس آیت کو کسی کنواری لڑکی کے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھ لے اور جب وہ عورت سوئی ہوئی ہو تو اسے اس کے سینہ پر رکھ دے۔وہ عورت خود بخود اپنی معلومات بتانا شروع کر دے گی۔

خاصیت آیت ۶۰

وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ

ان آیات کو مٹی کے پاکیزہ برتن میں لکھے جو چکنا ہو یا شیشہ یا پتھر کے پیالہ میں لکھے اور موسم بہار کی بارش کے پانی سے دھو کر بوتل میں ڈال لے۔تین دن اس بوتل کو اسی طرح رہنے دے اس کے بعد اس پانی کو شربت گلاب میں ڈال کر اس میں تھوڑا سا سرخ بکری کا دودھ ملا کر آگ پر پکائے جب پک کر گاڑھا ہو جائے تو اس کو محفوظ کر لے۔

جس آدمی کو پیاس بہت لگتی ہو وہ اس میں سے دو درہم کی مقدار صبح کو کھالے اور اتنا ہی شام کو تو اس کی پیاس کی شدت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر سفر میں کہیں ایسی جگہ ہے جہاں پانی نہ ہو اور پیاس بہت لگی ہو یا بیماری کی وجہ سے پیاس ہو تو بھی اس کے استعمال سے فائدہ ہوگا۔

خاصیت آیت ۷۰

اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ جو آدمی کوئی چیز خریدنا چاہتا ہو تو خریدنے کے وقت پہلے یہ پڑھے۔

یا معز یا مختار یا من الخیر منه یا من الخیر بیده یا دلیل الخیر یا مرشد یا هادی

پھر جب اس چیز کو دیکھ بھال رہا ہو تو مذکورہ بالا آیت پڑھے۔ جب تک خرید نہ لے پڑھتا رہے یا بعض نے کہا یہ آیت دیکھ بھال سے پہلے سات بار پڑھ لے ان شاء اللہ اس سودے میں نقصان نہ ہوگا۔

خاصیت آیت ۷۴

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

(۱) اگر کسی شخص کا دل سخت ہو گیا ہو اور وہ اپنے محب سے محبت نہ کرتا ہو تو خوشبودار مٹی کی پاک اور کوری ٹھیکری لے بلکہ ایسی ہو جو ابھی ابھی آوی سے پک کر نکلی ہو اس پر ریحان کی لکڑی کی قلم سے اس شخص کا نام جس کا دل سخت ہو گیا ہے لکھے پھر شراب کے سرکہ اور شہد سے جس کو آگ کی حرارت نہ پہنچی ہو اس سے اس نام کے ارد گرد اس آیت کو دائرے میں لکھے اور ٹھیکری کو اس کنویں یا اس مٹکے میں ڈال دے جس سے یہ شخص پانی پیتا ہے۔ تو اس شخص کا دل نرم ہو جائے گا۔

(۲) اگر کوئی شخص نیک اور اچھا تھا اور اب بدل کر برائی پر آ گیا ہے تو اس کے لئے بھی مذکورہ بالا طریقہ پر استعمال کریں ان شاء اللہ وہ نیکی کی حالت پر لوٹ آئے گا۔ (۳) اگر بادشاہ یا افسر اپنی رعایا اور محکوموں سے بدسلوکی کرتا ہو تو مذکورہ بالا آیت کو مذکورہ طریقہ سے کسی کاغذ پر لکھ کر شہر کے کسی اونچے مکان پر یا ایسے مکان کے اوپر لٹکائے جو کہ پہاڑ کے اوپر ہو تو اس بادشاہ کا رویہ بدل جائے گا۔

(۴) اگر خاوند کو اپنی بیوی سے یا بیوی کو اپنے خاوند سے نفرت و دشمنی ہو تو زرد موم سے میاں بیوی دونوں کے دو پتلے بنا لیں مرد کے پتلے کے سینہ میں تانبے کی سوئی سے عورت اور اس کی ماں کا نام لکھے اور عورت کے پتلے کے سینہ میں مرد کا نام اور اس کی ماں کا نام لکھے پھر ایک کاغذ میں اس آیت کو لکھ کر ان دونوں کے درمیان دے کر دونوں پتلوں کو آپس میں جوڑ دے اور پھل دار درخت کے نیچے دفن کر دے۔ ان کی آپس کی نفرت و دشمنی ختم ہو جائے گی۔ (۵) اگر کسی کنوئیں یا نہر کا پانی کم ہو گیا ہو تو اس آیت کو مٹی کی ٹھیکری پر لکھ کر اس میں ڈال دے ان شاء اللہ پانی بہت ہو جائے گا۔ (۶) اگر گائے یا بکری وغیرہ کا دودھ کم ہو یا بالکل نہ دیتی ہو تو سرخ تانبے کے تھال میں یہ آیت لکھ کر پاک پانی سے دھو کر پلا دیں دودھ بہت ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۹۳

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاسْمَعُوْا قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِھِمْ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ بِہٖٓ اِیْمَانُکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

اگر کوئی بات دشمن سے پوشیدہ رکھنی ہو کہ اسے سمجھ نہ آئے (اور صورت ایسی ہو کہ وہ ہر وقت مجلس میں موجود رہتا ہے اس کے سامنے باتیں ضرور کرنی پڑتی ہیں) تو یہ آیت ہفتہ کے دن میٹھی روٹی کے ٹکڑے پر لکھ کر اس کو کھلا دے۔ اب جو بات آپ چاہیں گے کہ اس کی سمجھ نہ آئے تو اسے سمجھ نہیں آئے گی۔

خاصیت آیت ۱۲۵

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ میں نے علمائے عارفین کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جو شخص رات کو یہ آیت پڑھ کر نیت کرکے سوئے کہ میں فلاں وقت جاگوں تو اسی وقت ضرور جاگ جائے گا۔

خاصیت آیت ۱۲۷

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

جو شخص اس آیت کو شیشے کے گلاس میں زعفران اور گلاب سے لکھ کر سیاہ انگوروں کے پانی سے دھو کر اس میں تھوڑا سا کھیرا اور تھوڑی سی پسی ہوئی نبات ملا کر پی لے تو بواسیر کے مرض سے صحت ہو جائے گی اور اگر خون تھوکنے کی بیماری ہے تو وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ اور ظاہری و باطنی رنج کو بھی نفع دے گا۔

خاصیت ۱۴۴

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ

یہ آیت فالج، لقوہ اور رنج کے مریضوں کے لئے مفید ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ اسپادری تانبے کی تھالی کو خوب صاف و چمکدار کرکے اس میں گلاب، مشک اور قند سیاہ سے اس آیت کو لکھے اور پاک پانی سے دھو کر لقوہ والا اس پانی سے اپنا منہ دھوئے اور ان لکھی ہوئی آیتوں کو تقریباً تین گھنٹے دیکھتا رہے۔ تین دن تک اسی طرح کرے۔

خاصیت آیت ۱۴۸

وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اگر کہیں سے کوئی سامان چوری ہو گیا یا کوئی آدمی بھاگ گیا ہو تو اس آیت کو نئے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھ کر چور یا بھاگے ہوئے آدمی کا نام لکھیں پھر جس مکان سے چوری ہوئی یا جس مکان سے آدمی بھاگا اس کی دیوار پر اس ٹکڑے کو رکھ کر اوپر سے ایک میخ ٹھوک دیں تو بھاگنے والا شخص اور چور سامان لے کر واپس آ جائے گا۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اگر کوئی آدمی سورج کے برج اسد میں ہوتے ہوئے اس آیت کو چاندی کی انگوٹھی میں لکھوا کر انگلی میں پہنے رکھے تو نہ کوئی اسے ستائے گا اور نہ اس کو کوئی نقصان پہنچائے گا۔

خاصیت آیت ۱۸۶

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ

ایک عارف فرماتے ہیں اس آیت سے کئی باتیں مراد ہو سکتی ہیں۔ (۱) سوال (۲) قرب (۳) قبولیت (۴) طلب قبولیت

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ یہ آیت حضرت عمر فاروق اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی کہ انہوں نے رمضان المبارک کی رات میں اپنے بیویوں سے قربت کر لی اور بعد میں بہت ندامت ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اب ہم کس طرح توبہ کریں۔

ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آسمان ہم سے پانچ سو سال کی مسافت پر ہے اور پھر آسمان کا حجم بھی ہے تو اتنے فاصلے سے اللہ تعالیٰ ہماری پکار کو کس طرح سن لیتا ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہمارا رب ہمارے قریب ہے کہ ہم اس سے آہستگی سے مانگیں یا دور ہے کہ ہم اسے اونچی آواز سے پکاریں تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں عبادی سے مراد اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی چیز کا سوال ہی نہیں کرتے نہ وہ کسی امر کی حکمت کا سوال کرتے ہیں اور نہ کسی مخلوق کا اور نہ دنیا کی کسی اور چیز کا سوال کرتے ہیں کیونکہ ان کا مقصود و مطلوب تو فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے یہ ان لوگوں میں سے نہیں جو کہ پہاڑوں، قیموں، محترم مہینوں یا حیض وغیرہ کے بارے میں سوال کرتے ہیں اسی لئے یہاں ان کے جواب میں فرمایا فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اور جن لوگوں نے پہاڑوں، قیموں اور محرم مہینوں وغیرہ کے بارے میں سوال کیا ان کا جواب قل سے دیا کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ انہیں بتا دیں۔ پہلے لوگوں کو بلا واسطہ جواب ملا اور دوسروں کو بالواسطہ کیونکہ ہر ایک سوال اس کی اپنی اندرونی کیفیت و حالت پر دلالت کرتا ہے۔ اب یہ مخصوص بندوں کا جو سوال ہے اس قسم کا سوال جہت مسافت کے قریب پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس کے جواب میں انی قریب کے بعد اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ فرمایا تاکہ یہاں پر قرب سے جہات و مسافات کا قرب نہ سمجھ بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ کا ذات جہات و مکانات میں آنے سے پاک اور وراء ہے۔ لہٰذا اس قرب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس داعی کی دعا فوراً قبول فرما لیتا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ اللہ

تعالیٰ کا بندہ کے قریب ہونا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے اپنے بندہ کو دعا کی توفیق عطا فرماتا ہے پھر اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔

اور یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے قریب ہے اور بندہ اپنے رب کے قریب ہے مگر اللہ تعالیٰ کا قرب جہات و مسافات کا قرب نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ مقدار و مسافت وغیرہ کے معاملات سے پاک ہے اس لحاظ سے کوئی مخلوق اس کے ساتھ ملی ہوئی نہیں اور نہ کوئی دور ہے۔ بلکہ اللہ کا قرب یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور بعد یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو اپنی بارگاہ سے دھتکار دیتا ہے اس دنیا میں بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا قرب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی معرفت عطا فرماتا ہے اور اسے اپنی فرمانبرداری کی توفیق عطا فرماتا ہے اور آخرت میں قرب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی لغزشوں کو معاف فرما کر اسے عزت بخشے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے قریب ہونا علم قدرت اور معاملہ سے ہوتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ اور مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ قریب تو ہے مگر اس کا قرب بے کیف ہے اور ذات کا قرب نہیں ہے کیونکہ اس کے حق میں ذاتی قرب محال ہے اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا تین طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک اس طرح کہ بندہ اطاعت و عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے قریب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی جب سجدہ میں ہو تو دعا مانگنے میں خوب کوشش کرے اور حدیث قدسی میں ہے کہ بندہ فرائض ادا کرنے سے زیادہ کسی اور چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا اور نوافل سے مزید قرب بڑھاتا رہتا ہے الخ۔

دوسرے اس طرح سے بندہ جب بری صفات کو چھوڑ کر اچھی صفات اختیار کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے بندہ جب نبوی اخلاق اپناتا ہے اور اس میں علم و بردباری، عفو و درگزر، پردہ پوشی اپناتا ہے اور دوست و دشمن، نیک و بد سب پر برابر احسان کرتا ہے اور یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں تو یقیناً ان کے اختیار کرنے سے اسے اللہ تعالیٰ کا قرب ملتا ہے۔

تیسرے اس طرح سے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی عظمت اس کے جلال و جبروت پر یقین رکھتا ہے اور اس پر کہ اللہ تعالیٰ قاہر ہے مقہور نہیں۔ غالب ہے مغلوب نہیں اور وہ کسی شے کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے مشابہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور یہی قرب اعلیٰ درجہ کا قرب ہے اور یہی معرفت الٰہیہ کا اعلیٰ درجہ ہے جیسا کہ کسی کا شعر ہے۔

ونلت المنیٰ لما حللت بقربه و لم یبق لی شئ امنی به نفسی

اور جب میں اس کے قریب اترا تو میرا مقصد حاصل ہو گیا اب میری کوئی ایسی آرزو باقی نہیں رہی جسے میں اپنے دل میں لاؤں۔

اور جن کو معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ ان کا دل اسی قرب کے نور سے روشن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ ''کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا''۔

یہاں قرب کا لفظ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے بندوں اور ولیوں کے دلوں کی انسیت کے لئے فرمایا ورنہ قرب ذاتی جسمانی

اور قربِ صفاتی سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَاتُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ معراج کی رات میں اگرچہ میں ایسے مقام پر پہنچا جہاں جبرئیل بھی نہ جا سکتا تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نگل کر نیچے سے بھی نیچے لے گئی تھی پھر بھی میرے بارے میں یہ گمان نہ کرو کہ میں یونس علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بلندی و پستی سب برابر ہیں۔

یہاں پر سوال بھی ہوتا ہے جب اس آیت میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا قبول کرتا ہے تو پھر یہ کیوں ہوتا ہے کہ بندہ جو چیز مانگتا ہے وہ اسے نہیں ملتی؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں ساتھ مشیت الٰہیہ کی قید بھی ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو قبول فرماتا ہے دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں اجیب اسمع کے معنی میں ہے کہ میں دعا مانگنے والے کی دعا کو سن لیتا ہوں اور سننے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے پورا بھی کر دیا جائے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اجیب کا معنی یہ ہے جو اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کہتا ہے رب تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لبیک عبدی (اے میرے بندے بتا) مگر یہ ضروری نہیں جواب دے کر سوال ضرور پورا کر دیا جائے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں دعا عبادت کے معنی میں ہے اور اجابت سے مراد ثواب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگے بشرطیکہ گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض تین چیزوں میں سے ایک عنایت فرماتا ہے یا تو دنیا میں ہی اس کی مانگی ہوئی چیز اسے دیدی جاتی ہے۔ یا اس کے عوض اس سے کوئی مصیبت ہٹا دی جاتی ہے یا اس کی اس دعا کا عوض آخرت میں ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ جب کسی کی دعا قبولیت کے وقت میں واقع ہو جائے تو وہ قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جمعہ کا دن افضل ہے اور اس میں ایک وقت ایسا ہے کہ جس میں مومن اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور وہ عطا فرماتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا اگر کوئی منافق جمعہ کے اس وقت میں دعا مانگے تو اس کا کیا ہو گا؟ آپؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ منافق کو اس وقت دعا کی توفیق ہی نہیں دیتا۔ چھٹا جواب یہ ہے کہ جب تک بندہ اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔ ظلم نہ کرے نماز روزہ اور حج کو نہ چھوڑے۔ غیبت نہ کرے اور حرام نہ کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا۔ حلال کھایا کرو تمہاری دعا قبول ہوگی۔ ایک روایت ہے کہ کسی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپ کی دعا کے قبول ہونے کی وجہ کیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا اس لئے کہ میں اس وقت تک لقمہ منہ میں نہیں لے جاتا جب تک یہ معلوم نہ کر لوں کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ایک رات میں اور حضرت سعد کھجوروں کے ایک باغ میں ٹھہرے۔ ہم بھوک سے تھے اور کھانے کی کوئی چیز ہمارے پاس نہ تھی اور نہ ہی باغ کا مالک ہمیں وہاں مل پایا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا اگر تو سچا مسلمان ہے تو یہاں کی ایک کھجور بھی نہ چکھنا۔ چنانچہ ہم نے وہاں پر اپنی سواری باندھی اور ساری رات بھوکے ہی گزاری۔ جب صبح ہوئی تو باغ کا مالک آیا اور ہم نے اس سے کچھ کھجوریں اور گھاس قیمت دے کر خریدا اور کھجوریں خود کھائیں اور گھاس اپنی سواری کو کھلایا۔

خاصیت ۲۴۶

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ

(۱) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرآن کریم کی چار آیتیں ایسی ہیں جن میں سے ہر ایک میں دس دس قاف ہیں اور وہ آیات حرب ہیں۔ جو شخص ان آیات کو جھنڈے پر لکھ کر میدان جنگ میں جائے تو جس لشکر میں یہ جھنڈا ہوگا اس کو کبھی شکست نہ ہوگی بلکہ وہ دشمن پر فتح یاب ہوگا۔ (۲) اور جو شخص ان آیات کو کسی پتے پر لکھ کر سر پر رکھ لے اور امراء و روساء کے پاس جائے تو وہ اس کی عزت کریں گے۔ ان میں سے پہلی آیت۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ

دوسری آل عمران میں ہے: لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ

تیسری سورۂ نساء میں ہے۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا

اور چوتھی سورۂ مائدہ میں ہے: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ

خاصیت آیت ۲۵۵

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

(۱) جو شخص ہر نماز کے بعد اس آیت کو پڑھے وہ شیطان کے مکر و فریب اور وسوسے اور جنات کی سرکشی سے محفوظ رہے گا۔ کبھی تنگدست نہ ہوگا اس کو ایسی جگہ سے رزق ملے گا جہاں سے اس کے خواب و خیال میں نہ ہوگا۔

(۲) جو شخص صبح شام گھر میں داخل ہوتے وقت اس آیت کو پڑھے تو وہ چوری، تنگدستی، آگ میں جلنے اور دوسری شرارتوں اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔ ہمیشہ تندرست رہے گا۔ رات کو گھبراہٹ و پریشانی سے اور دل کے درد سے محفوظ رہے گا۔

(۳) جو شخص اس آیت کو ٹھیکری پر لکھ کر غلہ میں رکھے تو وہ غلہ چوری ہونے سے اور دیمک و کیڑا وغیرہ لگنے سے محفوظ رہے اور اس میں برکت بھی ہوگی۔ (۴) جو شخص گھر یا دکان کی دہلیز میں اوپر اس آیت کو لکھ دے تو اس گھر دکان یا باغ ہے تو اس میں بہت رزق ہوگا۔ کبھی تنگی نہ آئے گی اور کبھی چوری بھی نہ ہوگی۔

(۵) جو شخص ہر نماز کے بعد کثرت سے یہ آیت پڑھے تو وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لے گا۔

(۶) جو شخص سفر میں ہو یا کسی خوفناک جگہ میں ہو تو وہ اپنی چھری سے اپنے اوپر ایک دائرہ کھینچ کر اس پر آیت الکرسی، سورۂ اخلاص، معوذتین، فاتحہ اور قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ
پڑھ کر دم کرے تو کوئی چیز اس کے نزدیک نہیں آئے گی۔ اور نہ ہی کوئی جن یا انسان اسے تکلیف پہنچا سکے گا۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص آیت الکرسی کو زعفران سے اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی پر سات بار لکھ کر ہر بار اسے چاٹ لے تو اس کا حافظہ اتنا بڑھ جائے گا کہ کبھی کوئی بات بھولے گا نہیں اور فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے۔

خاصیت آیت ۲۶۶

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ اگر کسی کو درد سری ہو تو یہ آیت لکھنے سے اس کا مرض جاتا رہے گا۔

سورہ آل عمران

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ سورۂ بقرہ اور آل عمران کو پڑھا کرو کیونکہ یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن دو بدلیوں کی طرح بن کر سائبان کی طرح ہو کر آئیں گی اور اپنے پڑھنے والے کے متعلق ایک دوسرے سے جھگڑیں گی اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں اس کی سفارش کریں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ پڑھے تو اگر وہ عہدے و منصب والا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے ملک کی حفاظت فرمائیگا اور اسکے حال کو درست رکھے گا اور اگر ملک و منصب والا نہیں تو اللہ تعالیٰ اسے ملک و منصب عطا فرمائے گا۔

خاصیت آیت اول

الٓمٓ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ....وانزل الفرقان

الٓمٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ط اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ

(۱) جو شخص اس آیت کو کاغذ پر زعفران اور گلاب و مشک سے لکھ کر ٹوے کی ایک پوری میں ڈال کر موم سے اس کو بند کر کے بچہ کے گلے میں ڈال دے تو وہ بچہ شیطان سے اور ام الصبیان کی بیماری سے جنوں کی...... سے اور سب آفتوں سے محفوظ رہے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ دھاگا سورج طلوع ہونے سے پہلے کاتا گیا ہو۔ (۲) جو شخص جمعرات کے دن دوسری ساعت میں اس آیت کو ہرن کی باریک کھال پر باریک قلم سے لکھ کر انگوٹھی کے نگینہ کے نیچے رکھ لے اور خالص نیت و پاک بدن کے ساتھ اس انگوٹھی کو پہنے رکھے گا تو وہ شخص خوش بخت ہو جائے گا۔ ہر شخص اس کا حکم مانے گا وہ ہر ایک کے شر سے محفوظ رہے گا اور اس کا دشمن اس سے خائف رہے گا۔

اسم اعظم کی مفید بحث

حافظ ابوالقاسم سہیلی کہتے ہیں کہ اس بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء مبارکہ برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم اعظم نہیں ہے اور احادیث و آثار میں جو اسم اعظم مذکور ہوا ہے وہاں اعظم، عظیم کے معنی میں ہے جیسے اکبر بمعنی کبیر اور اھون بمعنی ھین آتا ہے اور دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی اسم اعظم ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی تعیین فرما کر امت کے لئے اس سے دعا مانگتے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر بہت ہی مہربان ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی اسم اعظم نہیں ہے۔ سب فضیلت اور حکم میں برابر ہیں ان میں سے جس کے ذریعہ بھی دعا مانگی جائے اگر اللہ چاہے تو قبول فرما لیتا ہے اور نہ چاہے تو قبول نہیں فرماتا اور اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب اسماء مبارکہ برابر ہیں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ تم اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس نام سے بھی اسے پکارو سب اسی کے نام ہیں۔

حافظ ابوالقاسم کہتے ہیں کہ اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ جو لوگ اسم اعظم کے وجود کے منکر ہیں ان کے انکار کی وجہ کیا ہے۔ آیا یہ عقلاً محال ہے یا شرعاً محال ہے چنانچہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ عقلاً بھی محال نہیں اور نہ شرعاً عقلاً یہ بات محال نہیں ہے کہ ایک نیک عمل کو دوسرے نیک عمل پر فضیلت ہو یا ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ پر فضیلت ہو کیونکہ اس فضیلت کی بنیاد ثواب کی کمی یا بیشی ہے دیکھو فرائض کو نوافل پر بالاتفاق فضیلت ہے۔ اور نماز اور جہاد کو دوسرے اعمال پر فضیلت ہے چونکہ دعا اور ذکر بھی ایک عمل ہے تو بعید نہیں کہ کوئی دعا یا ذکر جلدی قبول ہو جائے اور آخرت میں اس کا ثواب بھی زیادہ ہو یہ بات بھی صحیح ہے کہ اسماء سے مراد ان کا مسمیٰ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم سب برابر ہے مگر جب ہم اسے اپنی زبان پر لائیں گے تو اب یہ ہمارا کلام اور ہمارا عمل ہے جس میں تفضیل جائز ہے اور جب اسماء میں تفضیل جائز ہے تو سورتوں اور آیتوں میں بھی جائز ہوگی کیونکہ یہ تفضیل بھی راجع ہوگی۔ تلاوت کی طرف جو کہ ہمارا فعل ہے اور ہمارا عمل ہے اس تفضیل کا تعلق متلو سے نہ ہوگا کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اور منکرین یہ جو کہتے ہیں کہ اعظم بمعنی عظیم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا۔ قرآن کریم میں اعظم آیت کونسی ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّ لَانَوْمٌ ط لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ لَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوالمنذر رحمہ اللہ تجھے تیرا علم مبارک ہو اب اگر اعظم بمعنی عظیم ہوتا تو اس مبارک کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن تو سارے کا سارا عظیم ہے اور قرآن کریم کی ہر آیت عظیم ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اعظم بمعنی عظیم نہیں ہے۔

اگر کوئی آدمی کہے کہ بعض دفعہ کوئی آدمی اسم اعظم سے دعا کرتا ہے مگر قبول نہیں ہوتی اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی اسم مبارک کے بارے میں یہ قطعی یقین نہیں کہ یہی اسم اعظم ہے۔ صرف ظن ہوتا ہے کیونکہ اس کی تعیین میں اختلاف ہے تو جب دعا مانگنے والے کے نزدیک ہی اسم اعظم متعین نہیں تو وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں نے اسم اعظم سے دعا مانگی ہے اور وہ قبول نہیں ہوئی۔ اور اگر کہا جائے کہ ایک آدمی تمام اسمائے حسنیٰ کو جمع کر کے دعا مانگتا ہے پھر بھی اس کی حاجت پوری نہیں ہوتی تو اس کا کیا جواب ہے۔ ہم کہتے ہیں اس طرح اب تک کسی نے تجربہ نہیں کیا۔

علامہ سہیلیؒ نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں (۱) یہ اسم ہم سے پہلے لوگوں کو بھی معلوم تھا مگر وہ اس کی بہت حفاظت اور عزت کیا کرتے تھے اور بغیر طہارت کے استعمال نہیں کرتے تھے اور اس اسم کا عامل متواضع اور انکساری کرنے والا ہوتا تھا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت ہوتی تھی اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتا تھا اور جب بھی وہ کسی غلط یا دل لگی کی جگہ اس کا استعمال کرتا اور اس پر کما حقہ عمل نہ کرتا تو لوگوں کے دلوں سے اس کی عظمت و ہیبت ختم ہو جاتی تھی اور اس اسم سے اس کی دعا بھی قبول نہ ہوتی تھی اور نہ اس کی کوئی حاجت پوری ہوتی چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں ان دو شخصوں سے جو آپس میں جھگڑا کرتے تھے امر بالمعروف کیا کرتا تھا اور وہ لڑائی جھگڑے کی حالت ہی میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے تو بے موقع اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی کراہت ان کے دل میں نہ رہی تھی اور نیز آپ فرماتے ہیں کہ بغیر طہارت کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مجھے پسند نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسم کی عظمت اور حرمت بہت عمدہ شی ہے۔

(۲) اور دوسرا جواب یہ ہے کہ دعا جب دل سے ہو صرف زبان سے نہ ہو تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر قبولیت کی کئی صورتیں ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یا تو سائل کا مطلوب اسے مل جاتا ہے یا اس دعا کا عوض اس کے لئے قیامت کے دن تک ذخیرہ کر لیا جاتا ہے اور سائل کے لئے وہ ذخیرۂ آخرت کہیں بہتر ہوتا ہے اور یا اس دعا کے سبب سے اس کے سر سے کوئی بلا ٹال دی جاتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ میری امت دنیا کے کسی عذاب میں مبتلا نہ کی جائے اس لئے قبول نہ ہوئی تاکہ قیامت کے دن دنیا کے فتنوں کے عوض امت کے حق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت مرحوم ہے آخرت کے دن اسے عذاب نہ ہوگا اور دنیا میں انہیں زلزلوں اور فتنوں کا عذاب ہوگا جب

دنیوی فتنے اخروی عذاب کے ٹلنے کا سبب ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مبارک ناکام نہ ہوئی بلکہ بہ بہ احسن قبول ہو گئی۔

شیخ ابوبکر فہری اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگنے والے کی دعا قبول ہوگی تو ضرور قبول ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ اگر کوئی سوال کرے کہ جب یہ بات ہے تو پھر اسم اعظم سے دعا مانگنے کا کیا فائدہ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی شخص کی زبان سے اسم اعظم نکلواتا ہے جس کی حاجت روائی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اور جس کی تقدیر میں حاجت روائی نہیں ہوتی اس کو اسم اعظم نہیں دیا جاتا۔ اگر کوئی کہے کہ سب دعاؤں کا یہی حال ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں قبولیت ہے تو دعا مانگی جاتی ہے ورنہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سب دعاؤں کا یہ حال نہیں ہے بلکہ سب لوگ وہ دعائیں بھی مانگ لیتے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہوتی ہے اور وہ بھی مانگتے ہیں جن کی دعا قبول نہیں ہوتی ہوتی اور اسم اعظم کی دعا اسی وقت زبان پر آتی ہے جبکہ قبولیت کی سب شرطیں پائی جاتی ہیں اور رکاوٹیں ختم ہو چکی ہوں۔ پس اسم کے اعظم ہونے کا یہی معنی ہے اور اسی اصول پر سورتوں کی ایک دوسرے پر فضیلت کو سمجھنا چاہئے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سورۂ تبارک الذی اپنے پڑھنے والے کے حق میں جھگڑا کرے گی اور یہ فرمان کہ قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔

بہرحال عقلاً ثابت ہو گیا کہ اسم اعظم ہے اور یہ باقی اسماء پر فضیلت رکھتا ہے اور جب اسم اعظم ہے تو یہ ناممکن ہے کہ قرآن کریم میں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ؕ

کوئی ایسی شئی نہیں ہے جو ہم نے قرآن میں نہ لکھی ہو۔ تو قرآن کریم میں اسم اعظم ضرور ہوگا۔ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو اس اسم مبارک سے محروم رکھے حالانکہ آپ افضل الانبیاء ہیں اور آپ کی امت خیر الامم ہے۔

لیکن یہ بات کہ اسم اعظم قرآن کریم میں کہاں ہے تو اس بارے میں بعض نے تو کہا ہے کہ اسم اعظم قرآن کریم میں اس طرح مخفی ہے جیسے جمعہ کے دن میں قبولیت کی گھڑی کو اور ماہ رمضان میں شب قدر کو مخفی رکھا گیا ہے تاکہ لوگ ان کی تلاش میں خوب کوشش کریں اور ایک دوسرے پر ظاہر نہ کریں۔

اسم اعظم کے بارہ میں احادیث و آثار

اب ہم ذیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ذکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا

یعنی ان کو اس شخص کی خبر سنا دے جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں اور وہ ان میں سے نکل گیا۔ حضرت ابن عباسؓ ابن اسحاقؒ سدیؒ اور مقاتلؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس آدمی کا ذکر ہے وہ بنی اسرائیل کا شخص بلعم باعور تھا اور اسے اسم اعظم معلوم تھا ایک دفعہ بلعم کو بادشاہ نے بلایا تو وہ چھپ گیا بالآخر پکڑا گیا اور بادشاہ نے اس سے کہا تو وہ شخص ہے جس کے پاس اسم اعظم ہے اس نے کہا ہاں بادشاہ نے کہا میرے لئے ایک بیل کی دعا کر جس سے ابھی کام نہ لیا گیا ہو اس نے دعا کی تو اسی

وقت ایک سرخ رنگ کا بیل موجود ہو گیا جس کے پاس کوئی نہیں آسکتا تھا۔ بلعم نے اس کے پاس جا کر اس کے کان میں کوئی بات کہی اور بیل اسی وقت مر گیا۔ بلعم باعور نے بادشاہ سے کہا تو بنی اسرائیل کو ستانے سے باز آ ورنہ تیرا بھی یہی حال ہوگا جو اس بیل کا ہوا۔ اسی وقت وہ بادشاہ بنی اسرائیل کو ستانے سے رک گیا۔

اور اسی قسم کی یہ آیت ہے قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ

اکثر مفسرین قتادہؒ وغیرہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں جس آدمی کا ذکر ہے وہ آصف بن برخیا ہے جس نے سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی بلقیس کا تخت لا حاضر کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے دائیں طرف دیکھا تو آصف بن برخیا نے اسم اعظم سے دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے تخت اٹھا کر زمین کے نیچے سے زمین کو چیرتے ہوئے لے آئے اور زمین حضرت سلیمان علیہ السلام کے آگے سے پھٹ گئی اور تخت حاضر ہو گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آصف بن برخیا نے جس اسم اعظم سے دعا مانگی تھی وہ یاحی یا قیوم تھا۔ زہریؒ کہتے ہیں آصف بن برخیا کی دعا یہ تھی یَا اِلٰھَنَا وَاِلٰهَ كُلِّ شَیْءٍ اِلٰھًا وَّاحِدًا لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اٰتِنِیْ بِعَرْشِھَا اس دعا سے فوراً تخت موجود ہو گیا اور بعض نے کہا اسم اعظم یاذوالجلال والاکرام ہے۔

اور اسی قسم سے ہے آیت وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ

مفسرینؒ فرماتے ہیں ہاروت وماروت دونوں دن بھر لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے اور شام کے وقت اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے تھے۔ ایک دن زہرہ کا مقدمہ آ گیا جو شہر بھر کی عورتوں میں زیادہ حسین تھی اور ملک فارس کی شہزادی تھی۔ وہ دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس کو مباشرت کے لئے کہا اس نے انکار کیا اور کہا جب تک تم مجھے اسم اعظم نہیں بتلاؤ گے۔ تمہارا کام نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا اسم اعظم بسم اللہ اکبر ہے وہ اسے پڑھ کر آسمان کی طرف چڑھ گئی اور وہاں جا کر خدا کے حکم سے ستارہ بن گئی۔ اور اکثر اہل علم یہی فرماتے ہیں کہ بابل میں ان دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا اسم اعظم تھا جس کے ذریعہ زہرا آسمان پر چڑھ گئی اور دونوں فرشتے بھی غضب الٰہی نازل ہونے سے پہلے آسمان پر چڑھ جاتے تھے شیاطین نے بھی ان سے سیکھ کر اپنے دوستوں کو جادو سکھلانا شروع کر دیا تھا۔

حدیث میں ہے کہ ملک الموت اسم اعظم کی دعا ہی سے روحیں قبض کرتا ہے۔ ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اسم اعظم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں زبان زد عام تھا کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ ہاں اگر اختلاف ہے تو آیت کی تفسیر میں ہے اور تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول راجح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر دست مبارک رکھ کر فرمایا تھا۔ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ التَّاْوِیْلَ یا اللہ ابن عباس کو تاویل کا علم عطا کر اور حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں اسم اعظم بیان کیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی اسم اعظم کے متعلق ارشادات منقول ہیں ابوداؤد نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ حَدَّثَنَا یحییٰ عن مَالِکِ عَنْ مُعَاوِیَةَ عن عبدِاللّٰهِ بن ابی بریدة عَنْ اَبِیْهِ اِنَّ النَّبِیَّ صلی الله

علیہ وسلم سمع رَجُلاً یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ لَقَدْ سَاَلَ اللّٰہَ بِالْاِسْمِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِہٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ پڑھتے سنا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ تو ارشاد فرمایا تو نے اللہ تعالیٰ سے اس اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے جس سے دعا مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے اور مانگا جائے دیا جاتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اور الٓمّٓ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ایک آدمی کو یہ کہتے سنا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِنَّکَ اَحَدٌ صَمَدٌ لَمْ تَتَّخِذْ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا تو آپ نے ارشاد فرمایا تو نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے جس سے دعا قبول ہو جاتی ہے اور جو مانگو مل جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو نماز میں پڑھ رہا تھا۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کون سے اسم کے ساتھ دعا مانگ رہا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اللہ کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگ رہا ہے جس سے دعا قبول ہوتی ہے اور جو مانگو دیا جاتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ طٰہٰ۔ جعفر دمشقی کہتے ہیں میں ان تین سورتوں میں غور کی نظر سے دیکھا تو مجھے ان میں ایسی چیز نظر آئی جو دوسری سورتوں میں نہیں۔ اور وہ آیۃ الکرسی ہے اور آل عمران میں الٓمّٓ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ہے اور طٰہٰ میں وَعَنَتِ الْوُجُوْہُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ہے۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اسم اعظم "اللہ" ہے چنانچہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہتے سنا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ تو آپؐ نے فرمایا اس نے اسم اعظم اللہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کے ساتھ اپنے خدا کو پکارا ہے کیونکہ اس کا کوئی ہم نام نہیں ہے اور اس نام کے ساتھ کوئی دوسرا موسوم نہیں ہے۔

ابو جعفر کہتا ہے کہ ابو حفص نے جو طٰہٰ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ اسم اعظم نکالا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ طٰہٰ میں جو آیا ہے۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ . لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی بھی اسم اعظم ہے۔ اس طرح احادیث میں تطبیق ہوگی۔

محمد بن حسنؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اسم اعظم "اللہ" کیا دیکھتے نہیں کہ رحمٰن رحمت سے مشتق ہے رب ربوبیت سے مشتق ہے اور "اللہ" کسی سے مشتق نہیں ہے۔ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں۔ اسم اعظم "اللہ" ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے تمام اسماء اس کی طرف مضاف ہوتے ہیں مگر "اللہ" کی ان کی طرف اضافت نہیں کی جاتی۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اسم اعظم یا ظاہر ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ یا حی یا قیوم ہے۔
حافظ ابوالقاسم تیمیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام سب کے سب ''اللہ'' کے تابع ہیں جس کے ساتھ مل کر پورے سو ہو جاتے ہیں اور جنت کے درجات بھی سو ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جنت کے درجے سو ہیں ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور اسمائے حسنیٰ کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص انہیں یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اسماء کی تعداد جنت کے درجوں کے برابر ہے۔ ''اللہ'' کے اسم اعظم ہونے کی دلیل ہے کہ باقی تمام اسماء اس کی طرف مضاف ہوتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ اللہ کا نام عزیز ہے یوں نہیں کہتے کہ اللہ نام ہے عزیز کا۔
اور فہری کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا یہاں اسماء کو عام کیا۔ پھر فرمایا
قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ
اس میں پہلے اسم اعظم کا ذکر کیا اور مخلوق کو ہدایت کی کہ اس نام سے پکاریں یہ اسم خاص اللہ تعالیٰ کا نام ہے کوئی دوسرا اس سے موسوم نہیں ہو سکتا۔ مخلوق میں سے کسی سرکش شیطان نے بھی اپنے آپ کو اللہ کہلوانے کی جرات نہیں کی۔ فرعون جو اتنا بڑا ظالم و سرکش تھا اس نے مصر کے قبطیوں سے کہا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى جس کی وجہ سے دنیا ہی میں اس پر اور اس کی قوم پر عذاب آیا مگر اسے بھی یہ طاقت نہ ہوئی کہ انا اللہ کہہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اشرار کو بھی اس نام کے دعویٰ کرنے کی جرات نہیں دی اسی واسطے فرمایا
هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا یہ وہ نام ہے جس کا ورد مخلوق کی زبان پر جاری کیا اور ہر ایک کو یہی سمجھایا کہ ہمیشہ خدا کا یہی نام لیں۔ اسی نام کے ساتھ ایمان کو متعلق کیا۔ اسی کو فریاد خواہوں کی فریاد مظلوموں اور خوفزدوں کی پناہ بنایا اور اسی کو عابدوں کی عبادت بنایا۔ جو شخص کسی مصیبت میں پھنس جائے یا کسی بلا کے منہ میں آجائے تو وہ اس نام سے خدا کو پکارتا ہے اور جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق پہلا حکم یہی ہے کہ اس کے کان میں یہی نام پکارو اور مرتے وقت بھی یہی نام لا الٰہ الا اللہ ہی کام بنتا ہے۔ اسی نام کو مخلوق اپنے بول چال اور معاملات میں استعمال میں لاتی ہے اور پیش کرتی ہے۔ چنانچہ انہیں روکا گیا کہ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اور گنجائش دیدی کہ جس اسم کے ساتھ تمہارا دل چاہے پکارو اگر مجھے میرے ذاتی نام سے نہ پکارو تو مجھے میری رحمت اور فضل سے پکارو اسی لئے شیخ واسطیؒ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس کے کسی نام سے پکارتا ہے تو اس میں اس شخص کا حصہ ہوتا ہے مگر اسم ''اللہ'' کے ساتھ پکارنے میں اس کو کوئی حصہ نہیں ملتا کیونکہ واحدانیت میں کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس لئے اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ اسم تعلق کے لئے ہے۔ تخلق کے لئے نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ الوہیت مخلوقات کو پیدا کرنے پر قادر ہونے کی وجہ سے ہے جو کہ اعلیٰ درجہ کے کمال کی صفت ہے۔ حضرت ابوسعیدؒ فرماتے ہیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک کلمہ یعنی اللہ کی طرف بلایا۔ جس نے اسے سمجھ لیا اس نے دوسرے کلمات کو بھی سمجھ لیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ فرما کر اہل حقیقت کے لئے کلام ختم کیا۔ پھر خواص کے لئے احد بڑھایا

پھر اولیاء کے لئے اتارا اور فرمایا اَللّٰهُ الصَّمَدُ پھر عوام کی خاطر اور بڑھایا کہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ
لفظ اللّٰھم اصل میں یااللہ تھا یا کو حذف کر کے آخر میں میم کا اضافہ کیا تا کہ یااللہ کا معنی قائم رہے اور اس واسطے بھی تا کہ عوض اور معوض جمع نہ ہو جائیں۔ بعض نے کہا اس میں میم زائد ہے۔ عرب کلمہ کے آخر میں میم زائد کیا کرتے ہیں۔
اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اللہ اور الٰہ ہے اور الٰہ اللہ کا اصل ہے۔ ہشام حضرت محمد بن حسن شیبانی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو فرماتے سنا کہ اسم اعظم اللہ اور الٰہ ہے اور صوفیائے کرام میں سے اکثر مشائخ کا بھی اعتقاد ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک صاحب مقام کے لئے اسم "اللہ" سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ میں کہتا ہوں کہ اسی لئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اسم "اللہ" کے ذکر کی تاکید فرمایا کرتے تھے اور امام ابوجعفر طحاویؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اسم اعظم "اللہ" ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ اسم اعظم الٓمّٓ ' كٓهٰيٰعٓصٓ ' حٰمٓ عٓسٓقٓ وغیرہ ہیں اور جو شخص ان حروف کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑتا جانتا ہے وہ اسم اعظم سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حروف مقطعات اسم اعظم ہیں۔
بعض علماء کا قول ہے کہ اسم اعظم احد الصمد ہے بعض نے کہا ذوا الجلال و الاکرام ہے۔ اور بعض نے کہا ربنا ہے دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ قبولیت اسم اعظم کی علامت ہے۔ اور بعض نے کہا ارحم الراحمین اسم اعظم ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف سے حکایت ہے۔ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ
حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ زید بن حارثہ نے طائف جانے کے لئے ایک آدمی کا خچر کرائے پر لیا۔ خچر والے نے شرط لگائی کہ میں جہاں اتاروں گا اترنا پڑے گا۔ راستہ میں ایک ویران جگہ میں خچر والے نے اتار دیا۔ وہاں بہت ساری نعشیں پڑی تھیں۔ خچر والے نے ان کو بھی قتل کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا ٹھہرو مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ اس نے کہا پڑھ لو تم سے پہلے جو لوگ قتل ہوئے پڑے ہیں انہوں نے بھی پڑھی تھیں مگر انہیں ان کی نماز نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ زید کہتے ہیں کہ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو وہ مجھے قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا تو میں نے کہا یاارحم الراحمین تو فوراً ایک آواز آئی کہ اسے قتل نہ کر خچر والے نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے کوئی نظر نہ آیا وہ دوبارہ میری طرف بڑھا تو اس وقت ایک سوار ہاتھ میں خنجر لئے آتا ہوا نظر آیا جس نے خچر والے کو قتل کر دیا۔
بعض کہتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اسم اعظم ہے کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اسی کو پڑھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن السنی نے نقل کیا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جس کے پڑھنے سے مصیبت زدہ کی مصیبت ٹل جاتی ہے۔ وہ کلمہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا ہے جو اس نے تاریکیوں میں پڑھا تھا۔
لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

اور بعض کہتے ہیں کہ وھاب اسم اعظم ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی کے ساتھ دعا مانگی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ خیر الوارثین اسم اعظم ہے کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہی اسم لے کر دعا مانگی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ غفار اسم اعظم ہے۔

ایک عارف سے سنا کہ ہر دعا مانگنے والے کی اپنی حالت کے مطابق اس کے لئے الگ اسم اعظم ہے۔ جس سے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگتا ہے اور یہ قرین قیاس یہی بات ہے کہ ہر ایک کا اسم اعظم اس کے حالات کے موافق الگ ہوتا ہے۔

ایک اہم عمل

میرے ایک دوست نے بعض مشائخ کے حوالہ سے نقل کیا کہ شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے نام کے اعداد لے کر اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا اسم تلاش کرلے جس کے اعداد اس کے نام کے اعداد کے برابر ہوں اگر ایک اسم ایسا نہ مل سکے تو دو اسم یا تین اسم یا چار اسم ایسے تلاش کرے جن کے مجموعہ کے اعداد اس کے نام کے اعداد کے برابر ہوں مثلاً محمد کے عدد ۹۲ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کوئی ایسا نہیں ملتا جس کے عدد ۹۲ ہوں مگر اول اور دائم یہ دو اسم ایسے ہیں جن کے عدد ۹۲ بنتے ہیں۔ اسی طرح حیٌّ وھاب' واجد اور ولی چار اسم ہیں ان کے عدد ۹۲ ہیں۔ اس طرح جب وہ اپنے نام کے اعداد کے برابر اعداد والا اسم الٰہی تلاش کرلے تو پھر پہلے تو اپنے اسم کے اعداد کی تعداد کے برابر پہلے سورۃ فاتحہ پڑھے پھر سورۃ الم نشرح اتنی بار پڑھے اور اسم الٰہی ایک ہو یا زیادہ وہ بھی اتنی بار پڑھے اور اس پر مداومت کرے اور اس کے بعد انہیں اسمائے الٰہیہ سے دعا مانگے۔ مثلاً جس کا نام محمد ہے وہ ۹۲ بار سورۃ فاتحہ پڑھے۔ ۹۲ بار سورۃ الم نشرح پڑھے اور پھر ۹۲ بار حیٌّ وھاب' واجد اور ولی پڑھے اور پھر یوں دعا مانگے یاحی احی قلبی و رزقی و ذکری یا ان کی جگہ اور جو مانگنا چاہے مانگے۔ یاوھاب ھب لی کذا یاواجد اوجد لی کذا یا ولی تولنی

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اسم اعظم قریب ہے۔ بعض کے نزدیک سمیع الدعاء ہے اور بعض کے ہاں اسم اعظم السمیع العلیم ہے۔ اب جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ ان سب اسمائے الٰہیہ کو جمع کرکے دعا مانگے تو وہ مخفی اسرار کا محرم ہوسکتا ہے اور بند خزانے کی چابی اس کو مل سکتی ہے۔ اور میں نے مندرجہ ذیل دعا میں ان سب اسمائے الٰہیہ کو جمع کردیا ہے۔ جن کے اسم اعظم ہونے کا قول کیا گیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ یَامَنَّانُ یَاحَنَّانُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَوا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا خَیْرَ الْوَارِثِیْنَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَا سَمِیْعَ الدُّعَاءِ یَآاَللّٰهُ یَآاِلٰهُ یَآاَللّٰهُ یَآاَللّٰهُ یَاعَلِیْمُ یَاعَالِمُ یَا سَمِیْعُ یَا عَلِیْمُ یَا حَکِیْمُ یَا مَالِکُ یَا مَلِکُ یَا سَلَامُ یَا حَقُّ یَا قَائِمُ یَا مُحْصِیُ یَا مُعْطِیُ یَا مَانِعُ یَا مُحْیِیُ یَا مُقْسِطُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا رَبُّ یَا رَبُّ یَارَبُّ یَا رَبُّ یَا رَبُّ یَا رَبُّ یَا وَھَّابُ یَا غَفَّارُ یَا قَرِیْبُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اَنْتَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جب اسم اعظم سے دعا مانگنا چاہو تو پہلے سورۃ حدید کی چھ آیات اور سورۃ حشر کی آخری آیتیں پڑھو اس کے بعد یہ دعا مانگو یامن ھو کذلک افعل لی کذا اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اگر اس طرح کوئی بدبخت دعا مانگے گا تو وہ خوش بخت ہو جائے گا۔

الشیخ العلامۃ الامام ابو الثناء محمود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام قشری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی ولی اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب آدمی اپنے دل کو ہر طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرے اور پورے ادب اور تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے جس اسم کے ساتھ بھی دعا مانگے گا وہی اسم اعظم ہے کیونکہ اس حالت میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ

بعض کا خیال یہ ہے کہ اسم اعظم ایک خاص اسم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ سورۃ آل عمران میں جو اسم اعظم ہے وہ یہ ہے يَا اللّٰهُ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا مُنَزِّلَ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ يَا مَنْ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ وَ يَارَبَّ يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ يَامَنْ لَّا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ يَا مَنْ شَهِدَ لِنَفْسِهٖ وَشَهِدَتْ لَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا عَلٰى خَلْقِهٖ بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ يَا اللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا مَالِكَ الْمُلْكِ يَا مَنْ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ يَا مَنْ يُّوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَيُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

بعض نے کہا کہ اسم اعظم وہ ہے جس سے علاء بن الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ نے دربار میں داخل ہوتے وقت دعا مانگی تھی۔ وہ یہ کہ انہوں نے پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھی پھر یوں دعا مانگی۔ یا حلیم یا علیم، یا علی، یا عظیم اجرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اور الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔ سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران اور سورۃ طٰہٰ۔

کتاب نور الیقین میں حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا تھا کہ جو آدمی جمعرات کی شام کو نہا کر کسی گوشہ میں تنہا بیٹھ جائے۔ مغرب کی نماز ادا کر کے وہیں بیٹھا ذکر کرتا رہے پھر عشاء کی نماز پڑھ کر وتر کے آخری سجدہ میں سو بار کہے یا رب یا رحمن یا رحیم یا حی یا قیوم بک استغیث تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

انہی کے ہاتھ سے یہ ترکیب بھی لکھی ہے کہ اگر کسی آدمی کی کوئی حاجت ہو اور وہ پوری نہ ہو رہی ہو تو وہ جمعہ کی رات کی شام کو نہا کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہے اور کسی سے بات نہ کرے اور جب عشاء کی نماز پڑھے تو وتر کے آخری سجدہ میں سو بار کہے یا اللہ یا رب یا رحمن یا رحیم یا حی یا قیوم بک استغیث یا اللہ پھر اپنی حاجت مانگے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی ہلاکت یا نقصان کی دعا نہ کرے۔

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپ یوں کہتے یا حی یا قیوم بک استغیث اور سنن الترمذی میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو آسمان کی طرف دیکھ کر فرماتے سبحان اللہ

العظیم اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں بہت کوشش کرتے تو فرماتے۔ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث۔

قاسم بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی غمگین ہوتے تو فرماتے یا حی یا قیوم علامہ بونی نے حی و قیوم کے بیان میں لکھا ہے کہ منگل بدھ اور جمعرات کو روزہ رکھے اور جمعہ کی رات میں علی الصبح اذان کے بعد اول وقت میں صبح کی نماز پڑھے اور پھر اس اسم کا ورد کرے اور دوسری کسی طرف بالکل دھیان نہ دے اور مسلسل یہ ذکر کرتا رہے جب سورج طلوع ہونے لگے تو فوراً قلم لے کر کاغذ پر یا حی یا قیوم لکھ لے اور اس کاغذ کو لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لے تو وہ اپنے رزق میں کشادگی و برکت دیکھے گا۔ اگر کوئی ضرورت مند آدمی صبح کی نماز کے بعد بولنے سے پہلے مذکورہ ذیل دعا پڑھے تو اس کی ضرورت پوری ہوگی۔ دعا یہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا حَكِيْمُ يَا قَدِيْمُ يَا دَائِمُ يَا فَرْدُ يَا وِتْرُ يَا اَحَدُ يَا صَمَدُ۔ شیخ یاسم نے شیخ عبدالنور کو خط میں لکھا کہ اے دوست میں آپ کو اسم اعظم کا تحفہ دیتا ہوں۔ صبح کی نماز کے بعد ۷ مرتبہ یوں دعا مانگو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا قَدِيْمُ يَا دَائِمُ يَا صَمَدُ يَا وَدُوْدُ يَا وِتْرُ يَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ شیخ ابوالحجاج اقصری کہتے ہیں کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد ۳ بار مذکورہ ذیل دعا مانگ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔ دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ يَا مَنَّانُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ يَا ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ فَافْعَلْ لِيْ كَذَا وَكَذَا (خط کشیدہ جملہ کی جگہ اپنی حاجت کا نام لے)

خاصیت آیت ۷ تا ۹

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ

اگر کسی آدمی کا حافظہ کمزور ہو اور ذہن سست ہو تو وہ ان آیات کو سبز رنگ کے نئے کاغذ پر جمعہ کے دن چھٹے گھنٹے میں زعفران و گلاب کے عرق سے لکھے اور دھو کر پی لے۔ مسلسل سات جمعے اسی طرح کرے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا حافظہ قوی اور تیز ہو جائے گا۔ اس بات کا خصوصی خیال کرے کہ کوئی شبہ والی چیز نہ کھائے۔

خاصیت آیت ۲۶، ۲۷

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

(۱) جو آدمی مذکورہ آیتوں کو فرضوں اور نفلوں کے بعد اور سوتے وقت اکثر پڑھے تو اس کی تنگ دستی ختم ہو جائے گی۔

(۲) جو بادشاہ الملک القدوس کا ہمیشہ ورد رکھے اس کی سلطنت قائم رہے گی اور اس کی سلطنت دور دور تک پھیلے گی۔

(۳) جو شخص الملک کے حروف اس طرح لکھے۔ ا ل م ل ک ہر روز پاک صاف ہو کر چالیس بار دیکھا کرے اور دیکھتے وقت درمیانہ حرف پر نظر قائم رکھے اور اللھم مالک الملک الخ پڑھتا جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیوی اور اخروی اسباب آسان فرما دے گا۔

(۴) جو شخص علم کیمیا یا دوسری مخفی چیزوں کا علم حاصل کرنے کا شوق رکھتا ہو وہ چالیس دن مسلسل روزے رکھے حلال چیز سے افطار کرے اور ہر رات سوتے وقت ۷ بار سورۃ الشمس، سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الم نشرح پڑھے۔ پھر سات بار مذکورہ بالا آیت پڑھے پھر ستر بار یہ دعا مانگے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِقُدْرَتِکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ یَاوَاحِدُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا وِتْرُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْئَلُکَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تُیَسِّرَ لِیَ الْعِلْمَ الَّذِیْ یَسَّرْتَهٗ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ خَلْقِکَ وَاَکْرَمْتَ بِهٖ کَثِیْرًا مِّنْ عِبَادِکَ وَاَغْنِنِیْ عَمَّنْ سِوَاکَ فَاِنَّکَ مَالِکُ الْمُلْکِ وَبِیَدِکَ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ نیند یا بیداری میں اس کے پاس کوئی شخص بھیجیں گے جو اسے اس کا مطلوبہ علم سکھا دے گا۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص حاجت مند ہو اور وہ سجدہ میں جا کر یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ الخ یا اللہ ۳ بار اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ تَجَبَّرْتَ اَنّٰی یَکُوْنَ لَکَ وَلَدٌ وَتَعَالَیْتَ اَنّٰی یَکُوْنَ لَکَ شَرِیْکٌ وَّ تَعَاظَمْتَ اَنّٰی یَکُوْنَ لَکَ نِدٌّ وَمُجِیْرٌ وَقَهَرْتَ اَنّٰی یَکُوْنَ لَکَ ضِدٌّ وَّ تَکَرَّمْتَ اَنّٰی یَکُوْنَ لَکَ وَزِیْرٌ یا اللہ ۳ بار یَا اَللّٰهُ اَنْتَ الَّذِیْ تَنَزَّهْتَ وَتَنَزَّهْتَ وَنَزَّهْتَ جَمِیْعَ خَلْقِکَ لَاتَعْمٰی تَرَاکَ وَلَایُدْرِکُکَ بَصَرٌ یَا اَللّٰهُ ۳ بار یَا اَللّٰهُ اِقْضِ حَاجَتِیْ

اور اپنی حاجت کا نام لے تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

خاصیت آیت ۳۵ تا ۳۷

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّکَفَّلَهَا زَکَرِیَّا کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ هٰذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ

(۱) ان آیات کو زعفران اور گلاب سے ہرن کے باریک چمڑے پر لکھ کر عورت کی بائیں کوکھ پر وضع حمل تک باندھ دو

جائے تو وہ سب آفتوں سے امن میں رہے گی۔

(۲) اگر اس آیت کو مشک و زعفران سے لکھ کر بچہ کے گلے میں لوہے یا تانبے کی تختی میں بند کر کے باندھ دیا جائے تو وہ رونے اور ڈرنے اور بھوک لگنے سے محفوظ رہے گا اور اکثر سویا رہے گا اور اپنی ماں کے تھوڑے دودھ سے سیر ہو جایا کرے گا اور اگر اس کی ماں کا دودھ کم ہو گا تو وہ بہت ہو جائے گا اور وہ بچہ نیک بخت ہو گا۔

خاصیت آیت ۷۳

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِاللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۱) جو شخص جمعرات کے دن ظہر یا عصر کی ساعت میں اس آیت کو کسی پاک کاغذ پر لکھ کر کسی نیک آدمی کے کرتے کے ٹکڑے میں لپیٹ کر اپنی دکان یا گھر کے دروازے میں لٹکائے تو اس کی آمدنی بہت ہو گی۔ (۲) اگر کوئی شخص بے روزگار ہو یا کسی شخص کی شادی نہ ہوتی ہو تو یہ آیت لکھ کر گلے میں لٹکائے اس کی مراد پوری ہو جائے گی۔

خاصیت آیت ۸۳ تا ۸۵

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

اگر کوئی بیمار ہو تو یہ آیت مٹی کے کورے برتن میں لکھ کر بارش یا کنوئیں کے پانی سے جس پر دھوپ نہ پڑی ہو دھو کر پلایا جائے تو وہ صحت مند ہو جائے گا۔

خاصیت آیت ۱۰۳ تا ۱۰۴

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(۱) اگر دو آدمیوں میں دشمنی و لڑائی ہو تو ایک آدمی اس آیت کو دو شنبہ کے دن جب چاند کی روشنی ترقی میں ہو سیاہ توت کے پتوں کے پانی سے ہرن کے باریک چمڑے میں لکھے اور آخیر میں یہ لکھ دے یا مؤلف القلوب الف بین کذا اور ان دونوں کا نام آگے پیچھے لکھ دے اور اپنے گلے میں ڈال لے دوسرا شخص اس کا جتنا دشمن ہو گا وہ خود بخود آ کر اس سے مصافحہ کرے گا اور اس کی بات مانے گا۔

(۲) اگر اس طرح یہ آیت لکھی ہوئی کوئی واعظ اپنے پاس رکھے تو اس کے کلام میں بہت تاثیر ہو گی ہر شخص اس کی بات مانے گا۔

خاصیت آیت ۱۱۱، ۱۱۲

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ط وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا

بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ جو آدمی ان آیتوں کو اپنے ہتھیار پر دو شنبہ کے دن آٹھویں ساعت میں پاک صاف اور روزہ کی حالت میں لکھے تو یہ ہتھیار جس کے پاس ہوگا دشمن اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔

خاصیت آیت ۱۲۲ تا ۱۲۶

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ

جو شخص بادشاہ یا حاکم سے خائف ہو تو وہ جمعہ کی رات آدھی رات کے بعد پاک ہو کر یہ آیت لکھے۔ پھر جب صبح کی نماز پڑھ لے تو سورج طلوع ہونے تک تسبیح و ذکر میں مشغول رہے جب سورج اونچا ہو جائے تو دو رکعتیں پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور آمن الرسول آخر تک پڑھے۔ پھر ے بار استغفار پڑھ کر ے بار کہے۔
حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پھر دوبارہ وضو کر کے اس آیت کو اپنے پاس رکھے تو اس کا خوف جاتا رہیگا۔ اور اگر نیند یا بیداری میں کسی بھوت یا دشمن کا خوف ہے تو وہ بھی جاتا رہے گا۔

خاصیت آیت ۱۳۴ تا ۱۳۶

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ
جو شخص ان آیات کو جمعہ کی رات کو عشاء کی نماز کے بعد کاغذ پر لکھ کر اپنے گلے میں ڈالے اور صبح کو اٹھ کر کسی بادشاہ یا دشمن یا کسی ظالم کے پاس جائے تو اسکے شر سے محفوظ رہیگا۔

خاصیت آیت ۱۴۴

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ
جس آدمی کو نکسیر آتی ہو تو کاغذ پر اس آیت کو لکھے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھے۔ اِنْقَلِبْ یَادَمُ بِاَکُفِّ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ مج لج مج لج مج لج مج لج لحطاس ھی اور ناک کے اوپر دونوں آنکھوں کے درمیان باندھ دے۔

خاصیت آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ

الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ

اگر کسی کو بادشاہ یا حاکم سے خوف ہو وہ اسے کسی سزا کی دھمکی دیتا ہو تو یہ آدمی اس آیت کو کاغذ پر لکھ کر انگوٹھی کے نگینہ کے نیچے رکھ کر اس کے پاس بے خوف چلا جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے شر سے محفوظ رکھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم سے خوف پیدا ہوتا تھا تو آپ فرماتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بادشاہ وغیرہ کے ہاں جاتا ہو تو یہ پڑھ کر جاؤ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَكِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَآؤُكَ

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سبب سے غم ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے اور فرماتے یہ دعا غم کو دور کرنے کے لئے ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِيْ بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَاتَنَامُ وَاكْنُفْنِيْ بِكَنَفِكَ الَّذِيْ لَايُرَامُ اِغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ بِقُدْرَتِكَ عَلَيَّ اَنْتَ ثِقَتِيْ وَرَجَائِيْ فَكَمْ مِنْ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ قَلَّ لَكَ بِهَا شُكْرِيْ وَكَمْ بَلِيَّةٍ اَبْتَلَيْتَنِيْ بِهَا قَلَّ لَكَ بِهَا صَبْرِيْ فَيَامَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهٖ شُكْرِيْ وَلَاتَحْرِمْنِيْ وَيَامَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلَائِهٖ صَبْرِيْ فَلَمْ تَخْذُلْنِيْ وَيَامَنْ رَآنِيْ عَلَى الْخَطَايَا وَلَمْ يَفْضَحْنِيْ اَسْئَلُكَ عَلٰى اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ وَ تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى دِيْنِيْ وَ دُنْيَايَ وَآخِرَتِيْ بِالتَّقْوٰى وَاحْفَظْنِيْ فِيْمَا غِبْتُ عَنْهُ وَلَاتَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ فِيْمَا حَضَرْتُهٗ يَامَنْ لَاتَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَاتَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ هَبْ لِيْ فِيْمَا لَايَنْقُصُكَ وَاغْفِرْلِيْ مَالَايَضُرُّكَ اِلٰهِيْ اَسْئَلُكَ فَرَجًا قَرِيْبًا وَصَبْرًا جَمِيْلًا وَاَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ مِنْ كُلِّ بَلِيَّةٍ وَاَسْئَلُكَ دَوَامَ الْعَافِيَةِ وَاَسْئَلُكَ الشُّكْرَ عَلَى الْعَافِيَةِ وَاَسْئَلُكَ الْغِنٰى عَنِ النَّاسِ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

اس دعا کے راوی بیان کرتے ہیں کہ اس کو بہت سارے لوگوں نے لکھ کر اپنی جیب میں ڈال لیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اور جو شخص یہ دعا مانگے اللہ تعالیٰ اسے شریروں اور ظالموں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَسْبِلْ عَلَيْنَا كَنَفَ سِتْرِكَ وَادْخِلْنَا فِيْ مَكْنُوْنِ غَيْبِكَ وَاحْجُبْنَا عَنْ شِرَارِ خَلْقِكَ وَحُلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الرَّزَايَا وَالْبَلَايَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ...اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ

(۱) جو شخص اس آیت کو ہمیشہ پڑھتا ہے اس کا ایمان ثابت اور دل پاک ہو جاتا ہے اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۲) جو شخص رات کو تہجد کے وقت بیدار ہونا چاہے وہ اس آیت کو لکڑی کے برتن میں لکھے اور آب زمزم سے دھو کر پی لے۔ ہر رات جس وقت اٹھنے کا ارادہ کر کے سوئے گا اسی وقت بیدار ہو جائے گا۔

سورۃ النساء

خاصیت آیت ۱۷۴، ۱۷۵

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا

یہ آیت آپ کے مد مقابل کی دلیل کو بے کار کر دے گی اور اس کے مقابلہ میں تمہاری دلیل و موقف کو مضبوط و غالب کر دے گی۔
طریقہ یہ ہے کہ اتوار کے روز اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے نفلی روزہ رکھو پھر اس آیت کو پاک چمڑے کے ٹکڑے میں لکھ کر اپنے گلے میں لٹکا لو۔ اور یہی آیت دولہا کیلئے آزادی میں مفید ہے۔ اسے زعفران اور عرق گلاب سے لکھ کر دولہا اپنی پگڑی اور پیشانی کے درمیان رکھ لے اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اسے لکھ لے اور پانی سے دھو کر پی جائے۔ (الدر المنظم)

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی نایاب قرآنی تفسیر ”تفسیر میرٹھی“ سے منتخب آیات کے فضائل و خواص

تسمیہ کی خاصیت

خواص (۱) جو شخص ایمان و اخلاص سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کرے تو اس کے انیس حرفوں کی بدولت وہ شخص دوزخ کے انیسوں فرشتوں کے عذاب سے محفوظ رہے گا اور بسم اللہ میں چار کلمے ہیں۔ ان چار کلموں کی برکت سے اس کے چاروں طرح کے گناہ یعنی رات کے دن کے چھپے کھلے ہر سب معاف ہو جائیں گے۔

تسمیہ کی ایک اور خاصیت

جو کوئی بسم اللہ کو بارہ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ہر ہزار کے بعد دو نفل ادا کرے اور دعا مانگے بارہ ہزار پورا ہو چکنے پر بھی دو رکعت پڑھے اور خلوص نیت سے دعا مانگے تو ضرور اس کی دعا قبول ہوگی! جمعہ کے دن نماز عصر کے بعد یا اللہ یا رحمن یا رحیم مغرب تک پڑھتا رہے اور درمیان میں نہ کسی سے بات کرے نہ دوسری جانب متوجہ ہو اس کے بعد دعا مانگے انشاء اللہ اس کی کوئی حاجت کیوں نہ ہو ضرور پوری ہوگی! بعض مشائخ نے اللہ کو جو اسم ذات ہے اسم اعظم بتایا ہے۔ بوقت نیم شب چالیس روز تین ہزار مرتبہ یا اللہ پڑھنا اور ورد رکھنا کشف قلب کا باعث ہے

فضائل وخواص سورہ بقرہ

اس سورت کے نام ہیں سورۃ البقرۃ' سورہ فسطاط القرآن۔ یہ قرآن میں سب سے بڑی اور پہلی سورۃ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ جس گھر میں یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے اسمیں شیطان نہیں گھستا اور جو شخص اس سورۃ کا ورد رکھے گا قیامت کے دن اس کے سر پر تاج ہوگا ۱۲ اق۔ شیخ جمال الدین یونسؒ سجاوندی فرماتے ہیں اگر کسی شخص کو سخت مصیبت درپیش ہو جس سے رہائی نظر نہ آتی ہو تو اس کو چاہئے کہ ایک کاغذ پر لکھے بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم بسم اللہ الملک الحق المبین من العبد الذلیل الی المولی الجلیل مسنی الضروانت ارحم الراحمین۔ اور کاغذ کو چلتے پانی میں ڈال دے۔ اگر ہفتہ کے اندر اس کی مراد پوری نہ ہو جاوے تو قیامت کے دن میرا دامن ہوگا اور اس کا ہاتھ۔

سورہ بقرہ آیت 186 کی خاصیت

خواص وتعبیر۔ فلیستجیبوالی پر پہنچ کر دعا مانگے ان شاء اللہ مقبول ہوگی ۱۲ اور پڑھے اللھم امرت بالدعا و تکفلت بالاجابۃ لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک والملک لک لا شریک لک اشھدانک فرداحد صمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد واشھد ان وعدک حق ولقاء ک حق والجنۃحق والنارحق والساعۃ اٰتیۃ لاریب فیھا وانک تبعث من فی القبور

سورہ آل عمران آیت 83

افغیر دین اللہ الخ اگر کسی کا گھوڑا متہ زور ہو کر اپنی پیٹھ پر سوار نہ ہونے دے تو یہ آیت افغیر دین اللہ سے لے کر والیہ یرجعون تک پڑھے اور اس کے دونوں کانوں میں پھونک دے پھر سوار ہو جائے ان شاء اللہ وہ ہرگز کچھ بھی نہ بولے گا۔ (تفسیر مظہری)

اغلاط نامہ .... جلد اوّل

معذرت:۔۔۔طباعت سے پہلے تصحیح کا اہتمام کرنے

کے باوجود بعض اغلاط طباعت کے بعد نظر آئیں جو پیش خدمت ہیں

صفحہ نمبر	غلط	صحیح
63	لن یخلقوا ذبا	لن یخلقوا ذبابا
94	تَنْبُتُ	تُنْبِتُ
123	انؤمن	نؤمن
145	وللله	ولله
161	یرغب یمن	یرغب عن
203	بالمغفرة فی اصبرهم	بالمغفرة فما اصبرهم
233	ویسئلونک	یسئلونک
237	افان انتهوا	فان انتهوا
258	واذکروا	واذکروه
342	علم بالظالمین	علیم بالظالمین
361	العزیز الحلیم	العزیز الحکیم
362	السموت والارض	السموت وما فی الارض
362	الا باذن	الا باذنه
367	ربی الذین	ربی الذی
373	بل بعثت	بل لبثت
400	ویمحق الله	یمحق الله
407	تضل احمداهما	تضل احداهما
431	من اللنساء	من النساء
435	لاعا بالقسط	قائماً بالقسط
438	فان حاجرک	فان حاجوک
443	بانک علی	انک علی
450	وآیة لهم ان	وآیة لهم انا
473	یاعیسیٰ ان	یاعیسیٰ انی
482	وما کان	ما کان
504	ولن دخله	ومن دخله
522	ولا یرهل وجوههم	ولا یرهق وجوههم
531	بما تعملون	بما یعملون
534	فاستجاب ربکم	فاستجاب لکم ربکم
534	بلیٰ ان تصروا	بلیٰ ان تصبروا
572	ان لاخوف	الا خوف
580	باللّٰه وان	باللّٰه ورسله وان
640	انه کانا حوبا	انه کان حوبا
665	اوری اسمع	اورا اسمع
674	الا مافات الی	الامانات الی
676	واولی الام منکم	واولی الامر منکم
677	یزعمون لنهم	یزعمون انهم
695	من الاجدات	من الاجداث
741	یبطون عنلهم	لیبطون عنلهم